الحمد للہ خالق الارض والسمٰوٰت

کہ

جلد چہارم

از کتاب لاجواب مفید شیخ وشاب مسمّٰی بہ

مرأۃ المناجیح

اردو ترجمہ وشرح

مشکوٰۃ المصابیح

تاریخی نام

ذوالمرات

مصنف حضرت حکیم الامت مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی اشرفی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ گجرات

صاحبزادہ اقتدار احمد خاں مالک نعیمی کتب خانہ گجرات

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

مرآت جلد چہارم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بَابُ مَا یَقُوْلُ عِنْدَ الصَّبَاحِ وَالْمَسَاءِ وَالْمَنَامِ ٭ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمْسٰی قَالَ اَمْسَیْنَا وَاَمْسَی الْمُلْکُ لِلّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ ھٰذِہِ اللَّیْلَۃِ وَخَیْرِ مَا فِیْھَا وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْکَسَلِ وَالْھَرَمِ وَسُوْءِ الْکِبَرِ وَفِتْنَۃِ

باب صبح شام اور سوتے وقت کیا کہے[1] پہلی فصل - روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب شام پاتے تو فرماتے ہم نے شام پائی اور اللہ کے ملک نے شام پائی[2] سب تعریفیں اللہ کو ہیں[3] اس اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اس کا ملک ہے اس کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے[4] الٰہی میں تجھ سے اس رات کی اور جو اس رات میں ہے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس رات کی اور جو اس میں ہے اس کی شر سے تیری پناہ لیتا ہوں[5] خدایا میں سستی، بڑھاپے اور زیادتی عمر کی برائیوں سے[6] اور دنیا کے فتنوں سے،

[1] صبح شام سے مراد دن کے دونوں کنارے ہیں یعنی نماز فجر سے پہلے اور بعد تا طلوع آفتاب اور مغرب کی نماز کے بعد سے تا غروب شفق شام مصدر بھی ہو سکتا ہے اور ظرف بھی، یعنی سونے پر یا سونے کے وقت کیا پڑھے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں سونے سے مراد رات کا سونا ہے نہ کہ دوپہر کا قیلولہ و آرام کیونکہ اس باب میں رات کے سونے ہی کی دعائیں بیان ہوں گی، رات میں اصل آرام ہے، دنیاوی کاروبار اس کے تابع، اور دن میں اصل کاروبار ہے، سونا اس کے تابع، رب تعالٰی فرماتا ہے "وَجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا وَّجَعَلْنَا النَّھَارَ مَعَاشًا" لہذا حقیقۃً سونے کا وقت رات ہی ہے۔ [2] یعنی خدا کا شکر ہے کہ ہم نے بخیریت دن گزار لیا اور شام پالی، ہمارے ساتھ رب تعالٰی کے ملک نے بھی شام پالی یہ دونوں چیزیں اللہ کی نعمتیں ہیں اگر ملک تباہ ہو جاتا، صرف ہم ہی رہ جاتے تب بھی مصیبت تھی یہاں ملک سے مراد عالم اجسام سفلی ہے جہاں دن رات ہوتے ہیں، عالم انوار، عالم امر، جنت دوزخ وغیرہ میں نہ دن ہے نہ رات وہاں تو رب کی تجلی ہے نہ کہ سورج کی، جیسے قیامت میں ہوگا۔ رب تعالٰی فرماتا ہے "وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّھَا"۔ [3] یعنی ان دن رات کے آنے جانے صبح شام کی تبدیلیوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو گردش دینے والا اکیلا معبود ہے، جس کا کوئی ساتھی نہیں اور ہر چیز پر قادر سبحان اللہ کیسا پیارا استدلال ہے کہ گھومنے والی چیزوں سے گھمانے والے کی قدرت کا پتہ لگاؤ۔ [4] ہر وقت اپنے ساتھ خیر یا شر لاتا ہے

الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَإِذَا أَصْبَحَ قَالَ ذٰلِكَ أَيْضًا أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَفِي رِوَايَةٍ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابٍ فِي النَّارِ وَعَذَابٍ فِي الْقَبْرِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُولُ اللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَى وَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ عَنْ

اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ لیتا ہوں [1] اور جب سویرا پاتے تو ساتھ یہ بھی کہتے ہم نے سویرا پایا اور اللہ کے ملک نے سویرا پایا [2] اور ایک روایت میں یوں ہے کہ یارب میں آگ میں عذاب اور قبر میں عذاب سے تیری پناہ لیتا ہوں [3] (مسلم) روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں اپنا بستر لیتے تو اپنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھتے [4] پھر کہتے الٰہی میں تیرے نام پر مروں گا اور جیوں گا [5] اور جب بیدار ہوتے تو کہتے شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہمیں مرجانے کے بعد زندہ کیا۔ اسی کی طرف اٹھنا ہے [6] (بخاری) اور مسلم نے حضرت

کسی وقت میں خطرناک حادثے ہو جاتے یا ہم سے بُرے اعمال سرزد ہو جاتے ہیں اور کسی وقت میں اچھے واقعات رونما ہوتے ہیں یا ہم کو اچھے اعمال کی توفیق ملتی ہے، اس دعا میں عرض کیا گیا ہے کہ خدایا اس وقت کے حادثات، بُرے اعمال سے تیری پناہ اور اس وقت کے اچھے واقعات اور نیک اعمال کی توفیق کی تجھ سے طلب ہے، معلوم ہوا کہ اوقات کو حادثات و اعمال میں دخل ہے۔ [8] کسل کے معنی ہیں طبیعت کا بوجھ جس سے عبادات بخوبی ادا نہ ہوسکیں اگرچہ جسم میں طاقت ہو، ہرم وہ بڑھاپا جس سے زندگی کا اصل مقصود فوت ہو جائے بعض علم و عمل جاتے رہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے: "لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا" اور بڑھاپے کی بُرائی سے مراد سٹھ جانا ہے کہ مت کٹ جائے، وہ انسان دوسروں پر بوجھ بن جائے کہ اپنے عزیز اُس کی موت کی تمنا کرنے لگیں، معلوم ہوا کہ شیخوخت، ہرم اور کبر اگرچہ تینوں کے معنے بڑھاپا ہی ہیں مگر ان تینوں کا آپس میں بڑا فرق ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ یہاں ہرم و سوء کبر میں تکرار نہیں بلکہ ان کے معنی جدا جدا ہیں۔

[1] دنیا کے فتنے محبت دنیا اور غفلت عیش ہیں، یہ دونوں چیزیں تمام گناہوں کی جڑ ہیں، عذاب قبر سے مراد یا تو خود وہاں کا عذاب ہے یا اُس عذاب کے اسباب جیسے چغل خوری یا پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرنا وغیرہ بہرحال یہ دعا بہت نفیس ہے۔ [2] باقی تمام وہ الفاظ کہتے جو شام کے وقت کی دعا میں گزر گئے اور ان کی وہ ہی تفسیر ہے جو ابھی عرض کر دی گئی۔ [3] خیال رہے کہ دوزخ کا عذاب آگ میں عذاب ہے کہ بندہ آگ میں داخل ہو کر عذاب پائے گا اور قبر میں عذاب آگ کا عذاب ہے کہ قبر میں دوزخ نہیں آجاتی بلکہ دوزخ کی کھڑکی کھل جاتی ہے جس سے وہاں کی لپٹ گرمی دھواں، بدبو وغیرہ آتی رہتی ہیں، رب تعالیٰ دونوں سے بچائے۔ [4] آپ کا بستر شریف قبر کے رُخ بچھایا جاتا کہ قبلہ کے داہنے سر مبارک ہوتا اور قبلہ کے بائیں پاؤں شریف، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سیدھی کروٹ پر لیٹتے، داہنا ہاتھ داہنے رخسارہ کے نیچے رکھتے تھے، قبر میں میت کی ہیئت بھی یہی ہوتی ہے چونکہ نیند موت کا نمونہ ہے، اسی لیے حضور علیہ السلام کا بستر قبر کے نمونہ کا ہوتا تھا تاکہ لیٹنے کے وقت موت یاد آئے کہ کبھی قبر میں بھی لیٹنا ہے۔ [5] یہاں موت و زندگی سے مراد سونا جاگنا ہے، رب تعالیٰ کا نام شریف ممیت بھی ہے اور محیی بھی یعنے میت کے نام پر مروں گا اور

الْبَرَاءِ، وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَوٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی فِرَاشِهٖ فَلْیَنْفُضْ فِرَاشَهٗ بِدَاخِلَةِ اِزَارِهٖ فَاِنَّهٗ لَا یَدْرِیْ مَا خَلَفَهٗ عَلَیْهِ ثُمَّ یَقُوْلُ بِاسْمِكَ رَبِّیْ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِیْ فَارْحَمْهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصّٰلِحِیْنَ وَفِیْ رِوَایَةٍ ثُمَّ لِیَضْطَجِعْ عَلٰی شِقِّهِ الْاَیْمَنِ ثُمَّ لِیَقُلْ بِاسْمِكَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ فَلْیَنْفُضْهُ بِصَنِفَةِ ثَوْبِهٖ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَ

براء سے روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی اپنے بستر پر جائے تو اپنے تہبند کے اندرونی پلو سے بستر جھاڑ دے [۱] اسے کیا خبر کہ بستر پر کیا چیز پڑی ہے [۲] پھر کہے یا رب میں تیرے نام پر اپنا پہلو رکھ رہا ہوں [۳] اور تیرے نام پر ہی اٹھاؤں گا [۴] اگر آج میری جان تو قبض کرے تو اس پر رحم فرمانا [۵] اور اگر واپس بھیجے تو اسکی اس ہی سے حفاظت فرمانا جس سے اپنے نیک بندوں کی حفاظت فرماتا ہے [۶] اور ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جائے پھر کہے باسمک [۷] (مسلم، بخاری) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر اپنے کپڑے کے پلو سے بستر تین بار

یہی کلام پڑھیں گا یعنی بیدار ہوں گا کہ میرے یہ دو حال تیرے ان دو ناموں کا مظہر ہیں (مرقات) [۱] یعنے یہ جاگنا یہ کل قیامت میں اٹھنے کی دلیل ہے۔ نشور نشر سے بنا بمعنے متفرق ہونا پھیل جانا، اسی سے انتشار اور منتشر بنا، جاگنے کو نشور اسی لیے کہتے ہیں کہ بندے جاگ کر طلب رزق وغیرہ کے لیے پھیل جاتے ہیں اور بکھر جاتے ہیں۔ خیال رہے کہ عربی میں نیند، سکون، بے عقلی، جہالت، بھیک مانگنے، گناہ، بڑھاپے، ناگوار حالت جیسے ذلت، فقر وغیرہ کو موت کہہ دیتے ہیں اور ان کے مقابل کو حیات یعنی زندگی، یہاں موت بمعنے نیند ہے اور احیاء بمعنے بیداری، رب تعالٰی فرماتا ہے اومن کان میتا فاحییناہ اور فرماتا ہے انك لاتسمع الموتی ان دونوں آیتوں میں موت سے مراد جہالت ہے اور میت سے مراد جاہل و کافر (مرقات ولمعات)

[۱] عرب شریف میں دن و رات بستر بچھے ہی رہتے تھے، ہمارے ملک کی طرح صبح کو سمیٹے نہ جاتے تھے، اور اُس زمانہ میں تہبند ہی پہنے جاتے تھے اس لیے فرمایا جارہا ہے کہ جب سونے کے لیے بستر پر جاؤ اور کوئی فالتو کپڑا نہ ہو تو تہبند کے پلے سے ہی بستر جھاڑ دو پھر لیٹو۔ [۲] گرد وغبار، کانٹا، ہڈی یا کوئی موذی جانور، نجاست وغیرہ لہذا اس جھاڑ لینے میں جان و ایمان دونوں کی امن ہے، یہ حکم استحبابی ہے۔ [۳] یعنی بستر جھاڑ کر داہنی کروٹ پر لیٹ جائے پھر لیٹ کر یہ کہے جیسا کہ دوسری روایت میں ہے۔ [۴] یعنی تیرا نام لے کر سوتا ہوں اور تیرا نام لے کر اٹھوں گا کہ ان زندگی بعد بھی تیرے نام پر کر رہا ہوں اور تیرے نام پر ہی کھولوں گا، میں کسی وقت نہ تجھ سے لاپرواہ ہوں نہ تجھ سے غافل، اللہ یہ فال بھی نصیب کرے اور یہ حال بھی۔ [۵] اس طرح مجھے بخش دینا اور میری معمولی نیکیاں قبول فرمالینا، چونکہ نیند بھی ایک طرح کی موت ہی ہے جس کے بعد بیداری موہوم ہے یقینی نہیں، اس لیے یہ دعا کر کے سونا بہت مناسب ہے۔ [۶] یعنی اگر تو مجھے اپنے فضل و کرم سے دوبارہ زندگی بخشے کر بیدار کر دے۔ تو جیسے کہ اپنے نیک بندوں کو نفس و شیطان، برے عقیدے و اعمال سے بچائے رکھتا ہے مجھے بھی ان چیزوں سے بچانا، خلاصہ یہ کہ جسم کی حفاظت کے ساتھ روح کی حفاظت بھی فرمانا۔ [۷] بہتر یہ ہے کہ پہلے داہنی کروٹ پر لیٹے پھر چت، پھر بائیں

إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لَهَا، وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَوٰى إِلٰى فِرَاشِهٖ نَامَ عَلٰى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِيْ إِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِيْ إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِيْ إِلَيْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَمَنْجَأَ إِلَّا إِلَيْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ أَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِيْ أَرْسَلْتَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَهُنَّ ثُمَّ مَاتَ تَحْتَ لَيْلَتِهٖ مَاتَ

یوں ہے کہ اگر تو میری جان قبض فرمالے تو اسے بخش دیجیو۔ روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر جاتے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹتے پھر یوں کہتے الٰہی میں نے اپنی جان تیرے سپرد کی اور اپنا چہرہ تیری طرف متوجہ کیا[1] اور اپنا کام تیرے سپرد کیا، تیرے کرم پر ٹیک لگائی تیری طرف رغبت کرتے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے[2] تجھ سے نہ کہیں پناہ ہے نہ رہائی سوا تیری طرف کے[3] میں تیری اتاری کتاب پر اور تیرے بھیجے ہوئے رسول پر ایمان لایا[4] فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو یہ کلمات کہے پھر اسی رات مر جائے تو

پھر دوبارہ داہنی کروٹ لیٹ کر سو جائے کہ داہنی کروٹ پر سونے سے غفلت زیادہ نہیں ہوتی، وقت پر آنکھ کھلتی ہے، کیونکہ دل بائیں طرف ہے داہنی کروٹ پر لیٹنے سے دل معلق رہتا ہے، یہ فرق ہمارے لیے ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کروٹ پر لیٹیں آپ کو غفلت آتی ہی نہیں یہ عمل بہت مفید ہے۔ مرقات) یہ جھاڑنا لیٹنے سے پہلے ہے نہ کہ لیٹ جانے کے بعد کپڑے سے مراد چادر رومال یا تہبند ہے اس جھاڑنے کی حکمتیں پہلے بیان ہو چکی ہیں یہ حکم استحبابی ہے۔

[1] نفس سے مراد ذات یا جان ہے اور وجہ سے مراد چہرہ یا توجہ یا دل کا رخ یہاں دونوں جملوں میں اپنے ظاہر و باطن کی طرف اشارہ ہے یعنی الٰہی میرا باطن بھی تیرے مطیع ہے کہ اس میں ریا، شرک، سرکشی نہیں، اور میرا ظاہر بھی تیرا فرماں بردار کہ میرا کوئی عضو باغی نہیں، غرضکہ میرا اپنا کچھ نہیں، سب کچھ تیرا ہے، سوتے وقت یہ کلمات اس لیے عرض کیے تاکہ معلوم ہو کہ میرا سونا بھی تیرے حکم کے ماتحت ہے (لمعات وغیرہ) [2] لہٰذا تو مجھے اندرونی و بیرونی آفات سے بچائے، اور میری معاش و معاد اچھی کردے، رغبت تو تفویض کے لحاظ سے ہے اور رہبت الجأت کے اعتبار سے ہے، چونکہ بیداری میں انسان کچھ ذمہ دار ہوتا ہے اور با اختیار مگر سو جانے پر سب کچھ کھو بیٹھتا ہے، اسی لیے اس موقعہ پر یہ دعا بہت ہی موزوں ہے، نیز سوتے وقت یہ خبر نہیں ہوتی کہ اب سویرے کو اٹھوں گا یا قیامت میں اس لیے یہ کہہ کر سونا بہتر ہے کہ خدایا اب سب کچھ تیرے سپرد۔ شعر

سپردم بتو مایۂ خویش را ٭ تو دانی حساب کم و بیش را۔

[3] یعنی تیرے غضب سے پناہ صرف تیری رحمت کے دامن میں ہی مل سکتی ہے اور تیری پکڑ سے رہائی صرف تو ہی دے سکتا ہے، تیرے غضب کی آگ کو صرف تیری رحمت ہی کا پانی بجھا سکتا ہے اگر تو عدل کرے تو اونچے اونچے کانپ جائیں، اگر فضل فرمائے تو گنہگاروں کی بھی امید بندھ جائے۔ شعر

عدل کریں تے تھر تھر کنبن اُچیاں شاناں والے ٭ فضل کریں تے بخشے جاون میرے جیسے منہ کالے

[4] کتاب سے مراد قرآن شریف ہے اور نبی سے مراد حضور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور یہ الفاظ ہماری تعلیم کے لیے ہیں ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ

عَلَى الْفِطْرَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ يَا فُلَانُ إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوْءَكَ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ ثُمَّ قُلِ اللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِيْ إِلَيْكَ إِلَى قَوْلِهِ أَرْسَلْتَ وَقَالَ فَإِنْ مُتَّ مِنْ لَيْلَتِكَ مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ وَإِنْ أَصْبَحْتَ أَصَبْتَ خَيْرًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا

ایمان پر مرے گا[۱] اور ایک روایت میں ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ اے فلاں جب تو اپنے بستر پر جائے تو نماز کا سا وضو کرے[۲] پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹے پھر کہے الٰہی میں نے اپنے کو تیرے سپرد کیا آخر کلام ارسلت تک[۳] اور فرمایا کہ اگر تم اسی رات میں مر گئے تم اسلام پر مرو گے اور اگر تم صبح پاؤ گے تو بہت بھلائی حاصل کرو گے[۴] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر جاتے تو فرماتے خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں کھلایا پلایا

وسلم یہ فرماتے کہ میں اپنی رسالت پر ایمان لایا نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات یعنے نبوت و رسالت وغیرہ کا علم حضور کے لیے علم حضوری ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو لوگوں کے لیے عین ایمان ہیں، جیسے اللہ تعالٰی اپنی توحید و صفات کو جانتا تو ہے مگر اسے موحد یا مومن اس معنے سے نہیں کہہ سکتے، یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت و رسالت کو جانتے تو ہیں مگر اس جاننے کو ایمان نہیں کہا جائے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام قرآن کے مومن ہیں نہ کہ اپنے اسی لیے رب تعالٰی نے فرمایا امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ، یہ نہ فرمایا امن الرسول برسالتہ ہاں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سارے قرآن پر ایمان ہے اور قرآنی آیات میں حضور کی رسالت کی بھی آیات ہیں حضور ان کے مصداق ہیں اسی لحاظ سے اپنے بھی مومن ہیں (از مرقات مع زیادت)

۱ یعنی یہ دعائیہ کلمات صبح تک اس کے ایمان کی گارنٹی ہیں، پھر سویرے کو نیا روز نئی روزی ہے۔ ۲ یعنی اگر سوتے وقت تمہارا وضو نہ ہو تو اس اہتمام سے وضو کرو جس اہتمام سے نماز کے لیے کرتے ہو مع مسواک و ادائے سنن و مستحبات، یہ حکم استحبابی ہے پہلے بحوالہ مرقات عرض کیا جاچکا ہے کہ اگر اس وقت تیمم بھی کرلے جب بھی ان شاء اللہ یہی فائدہ ہوگا۔ ۳ یہ تمام کلام حضرت براء کا ہے جو اختصارًا بیان فرمایا، ظاہر یہ ہے کہ اس دعا میں کتاب سے قرآن شریف اور نبی سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور ممکن ہے کہ کتاب سے تمام آسمانی کتب اور نبی سے تمام نبی مراد ہوں کہ سب پر ایمان لانا ضروری ہے، (اشعہ) نبی یا تو نبأ سے بنا بمعنے خبر یعنی خبر دینے والا کس کی اللہ کی ذات و صفات معاش معاد کی یا نباوت سے بنا بمعنے بلندی درجہ یعنی بلند درجے والا (مرقات)۔ ۴ بعض روایات میں انہیں براء ابن عازب سے ہے کہ میں نے دوبارہ یہی دعا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی تو بجائے بنبیک کے برسولک کہہ دیا، تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں یہی کہو بنبیک، معلوم ہوا کہ وظیفے کے الفاظ بالکل نہ بدلے ورنہ تاثیر نہ ہوگی، علماء فرماتے ہیں کہ اگر حدیث کے الفاظ یاد ہوں تو روایت بالمعنے نہ کرے، حدیث کی روایت بالمعنے جب درست ہے جبکہ الفاظ یاد نہ رہے ہوں، یونہی قرآن کریم کے الفاظ، شد، مد، مخارج طریقہ ادا میں حتی الامکان تبدیلی نہ ہونے دے، اس حدیث میں وعدہ فرمایا گیا کہ سو۔

وَكَفَانَا وَاٰوَانَا فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهُ وَلَا مُؤْوِيَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ فَاطِمَةَ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشْكُوْ اِلَيْهِ مَا تَلْقٰى فِيْ يَدِهَا مِنَ الرَّحٰى وَبَلَغَهَا اَنَّهُ جَاءَهُ رَقِيْقٌ فَلَمْ تُصَادِفْهُ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِعَائِشَةَ فَلَمَّا جَاءَ اَخْبَرَتْهُ عَائِشَةُ قَالَ فَجَاءَنَا وَقَدْ اَخَذْنَا مَضَاجِعَنَا فَذَهَبْنَا نَقُوْمُ فَقَالَ عَلٰى مَكَانِكُمَا فَجَاءَ فَقَعَدَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهَا حَتّٰى

بچایا اور ہمیں پناہ دی لے کیونکہ بہت وہ ہیں جنہیں نہ کوئی بچانے والا ہے نہ پناہ دینے والا۲ (مسلم) روایت ہے حضرت علی سے کہ جناب فاطمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اس تکلیف کی شکایت کرتے ہوئے جو انکے ہاتھ کو چکی سے پہنچتی تھی ۳ انہیں جب خبر لگی تھی کہ حضور کے پاس غلام آئے ہیں انہوں نے حضور کو نہ پایا تو حضرت عائشہ سے کہہ آئیں ۴ جب حضور تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے یہ قصہ عرض کیا ۵ فرماتے ہیں کہ حضور ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم بستر پکڑ چکے تھے تو ہم اٹھنے لگے تو فرمایا اپنی جگہ رہو تشریف لائے پھر اور فاطمہ زہرا کے درمیان بیٹھ گئے

وقت یہ دعا پڑھنے والا انشاء اللہ ایمان پر مرے گا اسلام و تقوی پر جئے گا، بڑی ہی مجرب دعا ہے فقیر بفضلہ تعالیٰ اس پر عامل ہے۔

لے کفایت سے مراد ہے موذی جانوروں، آفتوں، بلاؤں سے محفوظ رکھنا، بچانا، حاجات پوری فرمانا، پناہ دینے سے مراد ہے رہنے کے لیے گھر دینا، سردی گرمی سے بچنے کو بستر وغیرہ عطا فرمانا۔ ۲ے چنانچہ کفار کو رب تعالٰے نے نفس شیطان کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا، اب وہ ہر طرح ان کے بس میں ہیں، اسی طرح بعض وہ مساکین ہیں جن کے پاس نہ گھر ہے نہ ورنہ بستر، ایمان نفس شیطان سے امان ہے، مکان و بستر مصیبتوں سے امان ہے اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو دونوں امان عطا فرمائیں۔ ۳ے حضرت فاطمہ زہرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی پیاری چہیتی صاحبزادی تھیں شادی سے پہلے کام کاج نہ کیا تھا، حضرت علی کے ہاں آ کر تمام کام کرنے پڑے، کام سے کپڑے کالے اور چکی سے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے جو پھوٹ کر زخم بن گئے تھے،

شعر

آئیں جب خاتونِ جنت اپنے گھر ؛ پڑ گئے سب کام ان کی ذات پر

کام سے کپڑے بھی کالے پڑ گئے ؛ ہاتھ میں چکی سے چھالے پڑ گئے

۴ے یعنی اس دن حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا قیام حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کے گھر تھا اس لیے خاتون جنت انہیں کے گھر تشریف لائیں، مگر اتفاقًا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تھے دولت خانے میں نہ تھے اس لیے والدہ ماجدہ سے عرض کر کے واپس ہوگئیں۔ شعر

پر نہ تھے دولت کدہ میں شاہِ دیں ؛ والدہ سے عرض کر کے آ گئیں

خود حضرت علی نے حضرت خاتونِ جنت کو بتایا تھا کہ آج قیدی غلام حضور کے ہاں آئے ہیں حضور غلام بانٹ رہے ہیں ایک لونڈی تم بھی حضور سے مانگ لو جو گھر کا کام کاج کرے، اس سے معلوم ہوا کہ شادی کے بعد بھی اولاد ماں باپ سے مانگ سکتی ہے اس میں نہ گناہ ہے نہ شرم۔

۵ے شعر

گھر میں جب آئے حبیبِ کبریا ؛ والدہ نے ماجرا سارا کہا

فاطمہ چھالے دکھانے آئی تھیں ؛ گھر کی تکلیفیں سنانے آئی تھیں

ایک لونڈی آپ اگر ان کو بھی دیں ؛ چکی اور چولھے کے دکھ سے وہ بچیں

وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمِهِ عَلٰى بَطْنِيْ فَقَالَ اَلَا اَدُلُّكُمَا عَلٰى خَيْرٍ مِّمَّا سَاَلْتُمَا اِذَا اَخَذْتُمَا مَضْجَعَكُمَا فَسَبِّحَا ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَاحْمَدَا ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَكَبِّرَا اَرْبَعًا وَّثَلٰثِيْنَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمَا مِنْ خَادِمٍ مُّتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْاَلُهُ خَادِمًا فَقَالَ اَلَا اَدُلُّكِ عَلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ مِّنْ خَادِمٍ تُسَبِّحِيْنَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَتَحْمَدِيْنَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَتُكَبِّرِيْنَ اللّٰهَ اَرْبَعًا وَّثَلٰثِيْنَ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ وَّعِنْدَ مَنَامِكِ رَوَاهُ

میں نے حضور کے قدم کی ٹھنڈک اپنے پیٹ پر محسوس کی[1] فرمایا میں تمہیں تمہارے سوال سے بہتر چیز نہ بتادوں[2] جب تم اپنے بستر لو تو ۳۴ بار سبحان اللہ پڑھ لو اور ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر یہ تمہارے لیئے خادم سے بہتر ہے[3] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خادم مانگنے آئیں تو فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتادوں جو خادم سے بہتر ہے ۳۳ بار سبحان اللہ پڑھا کرو اور ۳۳ بار الحمد اللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر۔ ہر نماز کے وقت اور سوتے وقت پڑھ لیا کرو[4]

[1] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو حضرت عائشہ کو کچھ جواب دیا، نہ دن میں حضرت فاطمہ کے ہاں تشریف لائے، رات کو سوتے وقت تشریف لائے تو لبستر فاطمہ پر اس طرح تشریف فرما ہوئے کہ ایک قدم فاطمہ پر تھا دوسرا جناب علی کے سینہ پر انوار پر، اس سینہ کے قربان جو قدم رسول چومے۔ [2] یعنی لونڈی خادم کا فائدہ تم کو صرف دنیا میں پہنچے گا مگر اس دعا کا فائدہ دنیا، قبر، حشر ہر جگہ پاؤگی۔ حضور نے انہیں خادم کیوں نہ عطا فرمایا۔ شعر

شب کو آئے مصطفٰے زہرا کے گھر	؎	اور کہا دختر سے اے جان پدر
ہیں یہ خادم ان یتیموں کے لیے	؎	باپ جن کے جنگ میں مارے گئے
تم پہ سایہ ہے رسول اللہ کا	؎	آسرا رکھو فقط اللہ کا

[3] اس کا نام تسبیح فاطمہ ہے جو تمام سلسلوں میں خصوصًا سلسلہ قادریہ میں بہت معمول ہے، اس تسبیح کے لیے عام تسبیحوں میں ہر ۳۳ دانہ پر چھوٹا امام پڑا ہوتا ہے، اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو حضرت ابوبکر پر اس لیے طعن کرتے ہیں کہ انہوں نے فاطمہ زہرا کا مطالبہ پورا نہ کیا، انہیں میراث نہ دی جس سے ان کے دل کو تکلیف پہنچی، وہ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا فتوٰی دیں گے۔ [4] حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر کیونکہ اس دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام انہیں کے دولتخانہ میں تھا کیونکہ حضرت خاتون جنت کو تو جناب علی نے خبر دی تھی کہ آج حضور کے ہاں بہت لونڈی غلام آئے ہیں اور حضور انہیں مسلمانوں میں تقسیم فرمارہے ہیں تم بھی جاؤ ایک لونڈی حاصل کرلو جیسا کہ پچھلی حدیث میں گزرا خیال رہے کہ خادم مذکر مؤنث دونوں کو کہا جاتا ہے یہاں مؤنث مراد ہے کیونکہ حضرت خاتون جنت نے لونڈی مانگی تھی جو چکی چولھے کا کام کرسکے ورنہ مرقات۔ [5] پچھلی حدیث میں صرف صبح شام کا ذکر تھا یہاں ہر نماز کا ذکر ہے لیکن احادیث میں تعارض نہیں، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو صرف صبح شام کا حکم دیا ہو بعد میں ہر نماز کے بعد یا اس کے برعکس، بہر حال احادیث میں تعارض نہیں، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقر غنا سے افضل ہے اور صبر شکر سے بہتر، یہ بھی معلوم ہوا کہ ماں باپ کو چاہیے کہ اپنی اولاد کو محنتی، عابد، زاہد، متقی بنائیں انہیں صرف مالدار

مُسْلِمٌ۔ اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصْبَحَ قَالَ اَللّٰهُمَّ بِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ اَمْسَیْنَا وَبِكَ نَحْیٰی وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ وَاِذَا اَمْسٰی قَالَ اَللّٰهُمَّ بِكَ اَمْسَیْنَا وَبِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ نَحْیٰی وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَیْكَ النُّشُوْرُ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ، وَعَنْهُ قَالَ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللهِ مُرْنِیْ بِشَیْءٍ اَقُوْلُهٗ اِذَا اَصْبَحْتُ وَاِذَا اَمْسَیْتُ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّ کُلِّ شَیْءٍ وَمَلِیْکَهٗ اَشْهَدُ اَنْ

(مسلم) دوسری فصل۔ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سویرا پاتے تو کہتے الٰہی ہم نے تیری مہربانی سے صبح پائی اور تیری مہربانی سے ہی شام کریں گے اور تیری مہربانی سے جئیں گے اور تیرے فضل سے مریں گے اور تیری ہی طرف رجوع ہے اور جب شام پاتے تو کہتے الٰہی تیرے فضل سے ہم نے شام پائی اور تیرے فضل سے ہی صبح کریں گے اور تیری مہربانی سے جئیں مریں گے تیری ہی طرف اٹھنا ہے [2] (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا حضرت ابوبکر نے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے ایسی چیز بتایئے جو میں صبح شام کے وقت پڑھ لیا کروں [3] فرمایا یوں کہا کرو اے اللہ اے کھلی چھپی چیزوں کے جاننے والے اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے اے ہر چیز کے رب و مالک [4] میں گواہی دیتا ہوں

کرنے کی کوشش نہ کریں لڑکی کے لیے بہترین جہیز اعمال صالحہ ہیں نہ کہ صرف مال، یہ حدیث تربیت و تعلیم کا خزانہ ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑکی سسرال کی تکالیف کی شکایت ماں باپ سے کرسکتی ہے، ازالہ تکلیف کے لیے یہ بھی معلوم ہوا کہ سسرال کی تکلیف پر ماں باپ لڑکی کو گھر نہ بٹھالیں بلکہ وہاں ہی رکھیں اور صبر و شکر کی تلقین کریں اس سے خانگی زندگی کے بہت سے مسائل حل ہوجاتے ہیں۔

[1] خیال رہے کہ انسان کے مرنے پر تعجب نہیں بلکہ اس کی زندگی حیرت ناک ہے کیونکہ اندرونی اور بیرونی دشمن اتنے ہیں کہ خدا کی پناہ اتنے دشمنوں میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود اس کا زندہ رہنا اللہ کی قدرت ہی ہے اس دعائے شریف کا یہی مطلب ہے کہ خدایا تیرے ہی کرم اور مہربانی سے ہم شام سے سویرا پالیتے ہیں اور سویرے سے شام ہماری زندگی اور موت تیرے ہی قبضہ میں ہے، یہ معنے تو بالکل ظاہر ہیں یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ خدایا ہماری زندگی و موت نفس و دنیا یا شیطان کے لیے نہیں بلکہ الحمدللہ تیری عبادت کے لیے ہے۔ [2] نشور نشر سے بنا بمعنے پھیلنا، اسی سے ہے منتشر چونکہ قیامت کی زندگی پھیلے ہوئے بکھرے ہوئے اجزاء کو جمع کرکے ہوگی اس لیے اس زندگی کو نشور کہا جاتا ہے، اسی لیے مرقات وغیرہ نے اس کا ترجمہ کیا بعث بعد الموت یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ دنیا میں کافر مؤمن منافق سب جمع ہیں مگر قیامت میں سب پھٹ جائیں گے کہ حکم ہوگا وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ اس لیے اس اٹھنے کا نام نشور ہے، اسی وجہ سے مرقات نے اس کے معنے کیے والتفرق بعد الجمع۔ [3] بطور وظیفہ جو میرے لیے دین و دنیا میں مفید ہو اس سوال سے معلوم ہوا کہ وظیفے شیخ سے پوچھ کر اور شیخ کی اجازت سے پڑھنے چاہئیں کہ اس میں الفاظ کی تاثیر کے ساتھ زبان کی تاثیر بھی جمع ہوجاتی ہے، جب صدیق اکبر جیسی ہستی کو اجازت کی ضرورت ہے تو ہما شما کس شمار میں ہیں۔ [4] خلق بمعنے پیدا کرنا اور فطر کے معنے ہیں بغیر مثال کے پیدا فرمانا یعنے ایجاد کرنا، رب تعالٰی آسمانوں کا

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهٖ قُلْهُ اِذَا اَصْبَحْتَ وَاِذَا اَمْسَيْتَ وَاِذَا اَخَذْتَ مَضْجَعَكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ وَعَنْ اَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ اَبِيْ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَقُوْلُ فِيْ صَبَاحِ كُلِّ يَوْمٍ وَمَسَاءِ كُلِّ لَيْلَةٍ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَيَضُرُّهٗ شَيْءٌ فَكَانَ اَبَانُ قَدْ اَصَابَهٗ طَرَفُ فَالِجٍ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَنْظُرُ اِلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ اَبَانُ مَا تَنْظُرُ اِلَيَّ

تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں اپنے نفس کی شرارت اور شیطان کی شرارت اور اس کے شرک سے پناہ مانگتا ہوں ۱؎ جب صبح پاؤ جب شام پاؤ جب اپنے بستر پر لیٹو یہ پڑھ لیا کرو (ترمذی، ابوداؤد، دارمی) روایت ہے حضرت ابان ابن عثمان سے ۲؎ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد کو فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا کوئی بندہ نہیں جو ہر دن صبح شام اور ہر رات تین بار یہ کہہ لیا کرے میں نے اس کے نام سے صبح و شام کی جس کے نام کی برکت سے نہ زمین کی کوئی چیز نقصان دے نہ آسمان کی اور وہ سنتا جانتا ہے، پھر اسے کوئی چیز نقصان بھی دے دے ۳؎ حضرت ابان کو کچھ فالج ہو گیا تو ایک شخص انہیں غور سے دیکھنے لگا ۴؎ آپ نے اس سے فرمایا کہ تو مجھے کیا دیکھتا ہے

خالق بھی ہے اور فاطر بھی، ہمارا خالق ہے فاطر نہیں کیونکہ ہم سے پہلے بہت سے انسان پیدا فرما چکا ہے، مالک بمعنی ملکیت والا اور ملیک کے معنی میں ہر طرح ملکیت والا ظاہر کا بھی باطن کا بھی، ہم لوگ اپنی چیزوں کے مالک تو ہیں مگر ملیک نہیں، ہماری ملکیت صرف ظاہر پر ہے وہ بھی چند روزہ۔

۱؎ خیال رہے کہ ہمارے نفس امارہ کی شرارتیں شیطان کے شر سے کہیں زیادہ ہیں، صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کا دل معدن اسرار ہے اور منبع اشرار، شیطان تو فقط نفس کو ورغلائے دیتا ہے، اصل سرکش نفس ہی ہے، نیز شیطان لاحول وغیرہ سے بھاگ جاتا ہے مگر یہ نفس نہ کسی وظیفہ سے بھاگے نہ کسی عمل سے، یہ تو صرف رب تعالٰی کے فضل سے ہی دبتا ہے، اسی لیے اس افصح الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس کا ذکر پہلے فرمایا اور شیطان کا بعد میں، خیال رہے کہ یہ ذکر ہمارے اپنے نفسوں کا ہے، نفس صدیقی جو اللہ کی مہربانی اور اس کے حبیب کے کرم سے نورانی ہو چکا تھا وہ تو صدق و صفا کی کان ہے، حضور سنا رہے ہیں حضرت صدیق کو اور بتا رہے ہیں ہم کو، شرکہ میں دو احتمال ہیں شین کا زیر اور را کا جزم بمعنی کفر ایمان کا مقابل اور شین و را دونوں کا زبر بمعنی شکاری کا جال (لمعات، مرقات) ۲؎ آپ قرشی ہیں تابعی ہیں، حضرت عثمان ابن عفان کے فرزند ہیں، اپنے والد اور دیگر صحابہ سے بہت سی احادیث لیں اور ان سے امام زہری وغیرہ اکابر ملت نے مدینہ منورہ میں قیام رہا، یزید ابن عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں وفات پائی۔ ۳؎ یہ دعا مجرب ہے، فقیر بفضل رب قدیر اس کا عامل ہے الحمد للہ اس کی برکت سے ہر آفت سے امن رہا ہے۔ صبح پڑھو تو شام تک حفاظت ہے اور شام کو پڑھو تو صبح تک امن ۴؎ یعنی جن لوگوں نے آپ سے یہ حدیث سنی تھی ان میں سے کوئی تعجب کر کے آپ کو دیکھنے لگا کہ آپ تو یہ حدیث روایت کرتے تھے اور یقین ہے کہ آپ اس پر عامل بھی ہوں گے اور یہ دعا پڑھتے بھی ہوں گے پھر آپ پر فالج کا اثر کیوں ہو گیا اور اس آفت سے آپ امن میں کیوں نہ رہے، حضرت ابان ان کا تعجب سمجھ گئے اس لیے آپ نے وہ جواب دیا جو آگے آرہا ہے۔

أَمَّا اَنَّ الْحَدِيْثَ كَمَا حَدَّثْتُكَ وَلٰكِنِّىْ لَمْ اَقُلْهُ يَوْمَئِذٍ لِيُمْضِىَ اللهُ عَلَىَّ قَدَرَهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَفِىْ رِوَايَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فُجَاءَةُ بَلَاءٍ حَتّٰى يُصْبِحَ وَمَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُصْبِحُ لَمْ تُصِبْهُ فُجَاءَةُ بَلَاءٍ حَتّٰى يُمْسِىَ وَعَنْ عَبْدِاللهِ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا اَمْسٰى اَمْسَيْنَا وَاَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ رَبِّ اَسْأَلُكَ خَيْرَ مَا فِىْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَخَيْرَ مَا بَعْدَهَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِىْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهَا

حدیث ویسی ہی ہے جیسی میں نے تجھے سنائی لیکن اس دن میں یہ دعا نہ پڑھ سکا کہ اللہ مجھ پر اپنی قضا و قدر نافذ کردے[1] (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد)، ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ اسے صبح تک بلا ناگہانی نہ پہنچے گی اور جو صبح کو یہ پڑھے تو اسے شام تک آفت ناگہانی نہ پہنچے گی[2] روایت ہے حضرت عبداللہ[3] سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شام کے وقت یہ پڑھتے تھے ہم نے اور اللہ کے سارے ملک نے شام پالی[4] اللہ کا شکر ہے۔ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کا ملک ہے اسی کی تعریف ہے[5] اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ الٰہی میں تجھ سے اس رات کی بھلائی۔ اس کے بعد کی بھلائی مانگتا ہوں۔ اور اس رات کی شر اور اس کے بعد کی شر سے پناہ مانگتا ہوں[6]

[1] سبحان اللہ کیا پاکیزہ فرمان ہے کہ حدیث بھی حدیث والے محبوب سچے ارادۂ الٰہی برحق، جس دن مجھے فالج ہونے والا تھا اس دن میں یہ عمل پڑھنا ہی بھول گیا تھا اس لیے یہ فالج ہوا۔ [2] یہ الفاظ گذشتہ الفاظ کی گویا شرح ہے کہ اس دعا کی برکت سے ناگہانی بیماری اور زہریلے جانور کے کاٹنے اور دوسری اچانک آفتوں سے حفاظت رہتی ہے، دوسری قسم کی مصیبت آسکتی ہے خیال رہے کہ کسی دعا سے موت نہیں ٹل سکتی، وہ تو یقینی آتی ہے جسے کوئی تدبیر نہیں ٹال سکتی، نہ دعا نہ دوا۔ یہاں حضرات نے فرمایا کہ فجاءت سے مراد کوئی بڑی آفت ہے جو انسان کو گھبرا دے اچانک ہو یا آہستہ معمولی تکالیف و بیماریاں تو انسان کو لگی ہی رہتی ہیں۔ [3] عبداللہ سے مراد حضرت عبداللہ ابن مسعود ہیں جو بڑے فقیہ مشہور صحابی ہیں (اشعۃ اللمعات) [4] اللہ کے سارے ملک سے مراد عالم اجسام ہے، کیونکہ عالم انوار اور عالم ارواح وغیرہ پر رات آئے نہ دن، اسی طرح جنت و دوزخ میں سورج کا اثر نہیں وہاں رب کی تجلی ہے أَمْسَيْنَا میں یا تو خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مراد ہے یا سارے مسلمان یا سارے انسان اگرچہ ملک اللہ میں انسان بھی داخل تھا مگر چونکہ یہ اشرف المخلوق ہے اس لیے اس کا ذکر خصوصیت سے فرمایا لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔ [5] یعنی حقیقی ملک اور حقیقی حمد صرف رب تعالٰی کی ہی ہے، دوسروں کا ملک بھی مجازی و عارضی ہے اور حمد بھی مجازی مصنوع کی تعریف دراصل صانع کی تعریف ہے۔ [6] یعنی اس رات کی شر سے بھی تیری پناہ اور آئندہ راتوں کی شر سے بھی تیری پناہ، شر سے مراد تشریعی تکوینی دونوں شریں ہیں، راتوں میں نیکیوں کی توفیق نہ ملنا، گناہ سرزد ہو جانا، راتیں غفلت میں گذارنا ان کی تشریعی شر ہے، اور راتوں میں چوری ڈکیتی گھر گر جانا اندھیرے میں زہریلے جانوروں کا کاٹ کھانا وغیرہ تکوینی شریں ہیں، یہ ایک لفظ ان تمام کو شامل ہے۔

رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَمِنْ سُوْءِ الْكِبَرِ اَوِ الْكُفْرِ وَفِيْ رِوَايَةٍ مِنْ سُوْءِ الْكِبَرِ وَالْكِبْرِ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابٍ فِي النَّارِ وَعَذَابٍ فِي الْقَبْرِ وَاِذَا اَصْبَحَ قَالَ ذٰلِكَ اَيْضًا اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَمْ يَذْكُرْ مِنْ سُوْءِ الْكُفْرِ وَعَنْ بَعْضِ بَنَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهَا فَيَقُوْلُ قُوْلِيْ حِيْنَ تُصْبِحِيْنَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَاْ لَمْ يَكُنْ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا فَاِنَّهٗ

یارب میں سستی اور بڑھاپے برے یا کفر سے اور ایک روایت ہے کہ برے بڑھاپے اور تکبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں[۲] یارب میں آگ کے عذاب اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں[۳] اور جب سویرا پاتے تو بھی کہتے کہ ہم نے اور اللہ کے سارے ملک نے صبح پائی۔ (ابوداؤد، ترمذی) اور ایک روایت میں کفر کی برائی کا ذکر نہ فرمایا۔ روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انہیں صاحبزادیوں سے[۴] کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سکھاتے تھے کہ فرماتے تھے صبح کے وقت یہ کہہ لیا کرو اللہ پاک ہے اسی کا شکر ہے اللہ کے بغیر قوت نہیں جو اللہ نے چاہا اور جو نہ چاہا ہو نہ ہوا[۵] میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ کا علم ہر چیز کو گھیرے ہے

۱؎ سستی سے مراد نیکیوں میں سستی ہے جس سے یا تو نیکیاں ہوں ہی نہیں یا ہوں مگر بگڑ کر، اور برے بڑھاپے سے مراد وہ بڑھاپا ہے کہ تو تیں جواب دے جائیں اور دوسروں پر انسان بوجھ بن جائے، اللہ اس عمر سے بچائے۔ شعر

دانت گرے اور کھر گھسے پیٹھ بوجھ نہ لے ✤ ایسے بوڑھے بیل کو کون باندھ کر بھس دے

۲؎ تکبر اللہ تعالٰی کی تو صفت، اس کا نام ہے متکبر یعنی بہت ہی بڑائی والا، مگر بندے کے لیے تکبر کبھی عیب ہے کبھی خوبی، بندے کے لیے اس کے معنے ہیں بڑائی کا اظہار اگر یہ کفار کے مقابلہ میں ہو خصوصًا جنگ کی حالت میں تو بہت ہی اچھا ہے، خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین میں فرمایا انا ابن عبدالمطلب اور مسلمان کے مقابلہ میں ہو شیخی کے طور پر، تو برا، اور اگر رب تعالٰی کی نعمت کے اظہار کے لیے ہو تو اس کا نام شکر ہے یہ عبادت ہے، اور اللہ رسول کے مقابلہ میں تکبر کفر ہے، یہاں تکبر سے برا تکبر مراد ہے جو حرام یا کفر ہے۔ ۳؎ دوزخ اور قبر دونوں جگہ آگ ہی کا عذاب ہوگا اگر دوزخ کا عذاب آگ میں عذاب ہے اور قبر کا عذاب آگ عذاب ہے کہ آگ دوزخ میں ہے مگر اس کی گرمی قبر میں چونکہ دوزخ کا عذاب سخت ہے، اور قبر کا عذاب اس سے نرم وہلکا اسی لیے پہلے دوزخ کے عذاب کا ذکر فرمایا بعد میں قبر کے عذاب کا یعنی الٰہی میں دوزخ و قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں مقصد یہ ہے کہ خدایا مجھے زندگی میں ایسے اعمال سے بچائے جو عذاب دوزخ یا عذاب قبر کا سبب ہیں، اور بعد موت قبر کے عذاب سے بچا اور بعد حشر دوزخ کے عذاب سے۔ ۴؎ حضور علیہ السلام کی صاحبزادیاں چار ہیں زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ تمام نے حضور علیہ السلام کو جوانی میں دیکھا ہے سب کی شادی خود کی ہے، یہاں حضرت فاطمہ زہرا یا حضرت زینب وغیرہا مراد ہیں چونکہ تمام صاحبزادیاں متقیہ طیبہ طاہرہ ہیں اس لیے اُن کا نام معلوم نہ ہونا صحت حدیث کے لیے مضر نہیں۔ ۵؎ سبحان اللہ کیسی پیاری حمد ہے یعنی اللہ نے جس چیز کا ہونا چاہا

مَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُصْبِحُ حُفِظَ حَتّٰى يُمْسِيَ وَمَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِيْ حُفِظَ حَتّٰى يُصْبِحَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ ۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ اِلٰى قَوْلِهٖ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ اَدْرَكَ مَا فَاتَهٗ فِيْ يَوْمِهٖ ذٰلِكَ وَمَنْ قَالَهُنَّ حِيْنَ يُمْسِيْ اَدْرَكَ مَا فَاتَهٗ فِيْ لَيْلَتِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ ۔ وَعَنْ اَبِيْ عَيَّاشٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ اِذَا

جو صبح کیوقت یہ کہہ لے گا تو شام تک اس کی حفاظت کی جائیگی اور جو شام کیوقت یہ کہیگا تو صبح تک اسکی حفاظت ہوگی [۱] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو صبح کے وقت کہہ لے کہ اللہ کی پاکی ہے شام و سویرا پاتے وقت اس کی حمد ہوتی ہے آسمانوں اور زمین میں اور عصر اور ظہر کو بھی [۲] تسبیح پڑھو و کذالک تخرجون تک تو اس دن میں جو نیکی چھوٹ گئی ہو پالے گا۔ اور جو شام کیوقت یہ پڑھے گا تو اس رات میں چھوٹی نیکیاں پالے گا [۳] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت ابو عیاش سے [۴] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کیوقت

وہ ہوگئی اور جس کا ہونا نہ چاہا وہ نہ ہوئی، اور چاہنے نہ چاہنے میں اس کی صدہا حکمتیں ہیں کیونکہ وہ ہر عیب سے پاک ہے اور برائیوں کو چاہنا اچھائیوں کو نہ چاہنا اس کی شان سے بعید ہے۔ خیال رہے کہ ارادہ، رضا، مشیت میں فرق ہے رب تعالٰی ہر اچھی بری چیز کا خالق ہے اور ہر چیز اس کے ارادہ سے ہے مگر برائیوں سے راضی نہیں، کفار کا کفر گنہگار کے گناہ رب تعالٰی کے ارادہ سے ہیں مگر اس کی رضا سے نہیں یہاں مشیت بمعنی ارادہ ہے یعنی ہر چیز کا وجود اس کی خلق و ارادہ سے ہے۔

[۱] حصن حصین شریف میں ہے کہ ابوداؤد، نسائی، ابن سنی نے عمل الیوم واللیلہ میں عبد الحمید مولی بنی ہاشم عن امہ عن بعض بنات نبی سے، عبد الحمید کی والدہ کا نام معلوم نہ ہوسکا غالبًا یہ صحابیہ ہیں۔ [۲] اس آیت کریمہ میں سبحان اللہ سے مراد یا تو رب تعالٰی کی تسبیح پڑھنا ہے یعنی اے مسلمانو صبح و شام رب تعالٰی کی بارگاہ میں تسبیح کا ہدیہ پیش کیا کرو، اور یا اس سے مراد نمازیں ہیں کیونکہ نماز شروع سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ سے ہوتی ہے جزو بول کر کل مراد لیا گیا یعنی صبح شام نماز فجر و مغرب پڑھا کرو، دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔ وَلَهُ الْحَمْدُ جملہ معترضہ ہے یعنی آسمان و زمین والے رب تعالٰی کی حمد و ثنا کرتے ہیں ہر ذرہ قطرہ ہر فرشتہ و تارہ حمد الٰہی کرتا ہے تو مسلمانو تم کیوں خاموش رہتے ہو اس کے بعد پھر نماز کا ذکر ہوا وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ عشیا سے وقت عصر مراد ہے اور تظہرون سے وقت ظہر مراد، غرضکہ اس آیت میں نماز پنجگانہ کا حکم ہوا کیونکہ تُمْسُوْنَ یعنی شام کے وقت میں مغرب و عشاء داخل ہیں، کیونکہ ان اوقات میں انسان کے حالات تبدیل ہوتے ہیں اور رب تعالٰی کی نعمتوں کی تجدید، اس لیے خصوصیت سے ان اوقات میں تسبیح و تہلیل کا بھی حکم ہے اور ان ہی وقتوں میں نمازیں بھی فرض ہیں تاکہ ہر حال رب کی حمد سے شروع ہو، ان اوقات کی اہمیت ہماری کتاب تفسیر نعیمی میں ملاحظہ فرمایئے۔ [۳] نیکی چھوٹ جانے سے مراد نوافل نیکیاں چھوٹ جاتا ہیں یا فرائض عبادات میں نقصان رہ جانا ہے یعنی رب تعالٰی آیت کریمہ کی برکت سے بہت سی نفل نیکیوں کا اجر عطا فرمائے گا اور اگر آج دن رات کے فرائض میں کچھ نقصان واقع ہوگیا ہوگا تو رب تعالٰی نقصان پورا فرمادے گا، اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تمام فرائض و واجبات چھوڑ دو صرف یہ ہی آیت صبح شام پڑھ لیا کرو۔ [۴] ابو عیاش دو ہیں ایک کا نام تو زید ابن صامت ہے کنیت ابو عیاش یہ انصاری ہیں، دوسرے زید ابن عیاش مخزومی ہیں، یہ

اَصْبَحَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ كَانَ لَهٗ عِدْلُ رَقَبَةٍ مِّنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِيْلَ وَكُتِبَ لَهٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَّحُطَّ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّاٰتٍ وَّ رُفِعَ لَهٗ دَرَجَاتٍ وَّكَانَ فِيْ حِرْزٍ مِّنَ الشَّيْطَانِ حَتّٰى يُمْسِيَ وَاِنْ قَالَهَا اِذَا اَمْسٰى كَانَ لَهٗ مِثْلُ ذٰلِكَ حَتّٰى يُصْبِحَ فَرَاٰى رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا يَرَى النَّائِمُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبَا عَيَّاشٍ يُحَدِّثُ عَنْكَ بِكَذَا وَكَذَا قَالَ صَدَقَ اَبُوْ عَيَّاشٍ رَوَاهُ

یہ کہہ لیا کرے کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے۔ اسی کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے تو اسے اولاد اسمٰعیل میں سے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ہے[1] اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اسکے دس گناہ معاف ہونگے اور اسکے دس درجے بلند ہونگے[2] اور اس کے لیے شام تک شیطان سے حفاظت ہوگی[3] اور اگر یہ کلمات شام کے وقت کہ لے تو صبح تک اسے یہی ملیگا ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا[4] عرض کیا یا رسول اللہ ابو عیاش آپ سے ایسی ایسی حدیث روایت کرتے ہیں۔ فرمایا۔ ابو عیاش سچے ہیں[5]

تابعی ہیں یہاں پہلے ابو عیاش مراد ہیں جو صحابی ہیں (لمعات، اشعہ) مصابیح کے بعض نسخوں میں یہاں ابن عباس ہے وہ غلط ہے صحیح ابو عیاش ہی ہے (مرقات)
[1] اسلام میں یوں تو غلام آزاد کرنا بڑا ثواب ہے خصوصًا جبکہ غلام اولاد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ہو اس کا آزاد کرنا تو بہت ہی ثواب ہے کہ اس میں ایک نبی کی اولاد پر احسان بھی ہے اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی اولاد پر مہربانی کرنا زیادہ ثواب ہے۔ بعض حضرات گیارھویں شریف کا تبرک حضرات سادات کرام کو دیتے ہیں ان کی اصل یہی حدیث ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کی اولاد ہونا اللہ کی نعمت ہے، شرافت خاندان سے بھی ملتی ہے اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب الکلام المقبول فی شرافۃ نسب الرسول میں ملاحظہ فرمائیے۔ اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اہل عرب کو غلام بنایا جا سکتا ہے، یہاں تو ان عرب غلاموں کی آزادی کا ذکر ہے جو پہلے سے غلام بنائے جا چکے تھے۔ [2] درجوں سے مراد یا تو دنیا میں ایمانی درجے ہیں یا آخرت کے جنتی درجے یعنی یہ کلمات پڑھ لینے والے کے ایمان دس درجہ بڑھیں گے یا قیامت میں اس کے دس درجے جنت میں اونچے ہوں گے ان درجوں کی بلندی رب تعالٰی ہی جانتا ہے [3] اس طرح کہ ان شاء اللہ شام تک شیطان اسے گمراہ کر سکے گا نہ اس سے گناہ کبیرہ کرا سکے، ہاں نفس کی شرارت سے گناہ ہو جائیں تو ہو جائیں یا شیطان اسے دیوانہ و بیمار نہ کر سکے گا بعض بیماریاں و جنون شیطانی اثر سے ہوتے ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے الذی یتخبطہ الشیطٰن من المس غرضکہ یہ دعا ایک مضبوط قلعہ ہے۔ [4] ظاہر یہ ہے کہ یہ خواب دیکھنے والا راویان حدیث میں سے کوئی راوی ہے، ممکن ہے کہ کوئی اور صاحب ہوں جنھیں یہ حدیث پہنچی ہو [5] یہ خواب یہاں اس لیے نقل فرمایا کہ اس سے حدیث کی صحت معلوم ہوتی ہے، پتہ لگا کہ کبھی سچے خواب سے حدیث کو قوت پہنچ جاتی ہے بشرطیکہ خواب مخالف قانون شرعی نہ ہو، کیوں نہ ہو کہ خواب نبوت کے فیضان کا چھیالیسواں حصہ ہے، جب سچے خواب سے حدیث کو تقویت پہنچ سکتی ہے تو ولی کے صحیح کشف سے بھی قوت پہنچ سکتی ہے۔ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے حضرت جنید کا واقعہ اپنی کتاب تحذیر الناس میں نقل فرمایا کہ بارہ ہزار کلمہ شریف سے عذاب سے نجات ہونے کی حدیث کو ایک جوان صالح کے کشف سے قوت ہوئی۔ مگر جو خواب یا الہام خلاف شرع ہو وہ الہام نہیں بلکہ وسوسہ شیطان ہے۔

اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ ۔ وَعَنِ الْحَارِثِ بْنِ مُسْلِمٍ التَّمِيْمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ اَسَرَّ اِلَيْهِ فَقَالَ اِذَا انْصَرَفْتَ مِنْ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْ قَبْلَ اَنْ تُكَلِّمَ اَحَدًا اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ مِنَ النَّارِ سَبْعَ مَرَّاتٍ فَاِنَّكَ اِذَا قُلْتَ ذٰلِكَ ثُمَّ مُتَّ فِيْ لَيْلَتِكَ كُتِبَ لَكَ جَوَازٌ مِّنْهَا وَاِذَا صَلَّيْتَ الصُّبْحَ فَقُلْ كَذٰلِكَ فَاِنَّكَ اِذَا مُتَّ فِيْ يَوْمِكَ كُتِبَ لَكَ جَوَازٌ مِّنْهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ ۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَعُ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ حِيْنَ يُمْسِيْ وَحِيْنَ يُصْبِحُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا

ابوداؤد وابن ماجہ) [1] روایت ہے حضرت حارث ابن مسلم تمیمی سے وہ اپنے والد سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر دی کہ حضور انور نے انہیں خفیۃ [1] فرمایا کہ جب تم نماز مغرب سے فارغ ہو تو کسی سے کلام کرنے سے پہلے سات بار یہ پڑھ لو الٰہی مجھے آگ سے بچالے [2] جب تم یہ کہہ لوگے پھر اگر تم اس رات مرجاؤ گے تو تمہیں آگ سے گزر لکھی جائے گی اور جب تم فجر پڑھو تو یہ ہی کہہ لو پھر اگر تم اس دن فوت ہو جاؤ تو تمہارے لیے آگ سے گزر جانا لکھا جائے گا [4] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح وشام کے وقت یہ کلمات پڑھنا کبھی نہ چھوڑتے تھے [5] الٰہی میں تجھ سے عافیت مانگتا ہوں دنیا

[1] اسے نسائی ابن ابی شیبہ اور سنی نے بھی روایت کیا ان کی روایات کے آخر میں کچھ کلمات زیادہ ہیں [2] اَسَرَّ اسرار سے بنا جس کے معنی خفیہ بھی ہیں یعنی بھید کی بات بتانا، اور اعلان بھی، اس طرح کہ اسرار کی ہمزہ سلب کے لیے ہو، یہاں دونوں معنے بن سکتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خفیۃً یہ عمل بتایا تاکہ وہ دکھوں کی طرح اس کی قدر کریں اور اس کو سنبھالیں یا علانیہ ارشاد فرمایا تاکہ دوسرے سامعین کو بھی اس کا فائدہ ہو (مرقات) مگر پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں جیساکہ اشعہ اور لمعات وغیرہ میں ہے [3] یعنی نماز مغرب پڑھ کر بغیر کسی سے دنیاوی کلام کیے ہوئے سات بار یہ دعا پڑھو، دنیاوی کلام کرلینے سے نماز کا دلی خشوع وخضوع کم ہو جاتا ہے اور زبان پر نماز کی جو تاثیر کم ہو جاتی ہے، اس لیے بعض دعاؤں میں دنیاوی کلام نہ کرنے کی قید ہوتی ہے حتی کہ تلاوت قرآن ودعاؤں کے دوران بھی اور وضو میں بھی دنیاوی کلام نہ کرنا چاہیے سات بار کی قید اس لیے ہے کہ دوزخ کے دروازے سات ہیں اس عدد کی برکت سے اللہ تعالٰی اس پر وہ ساتوں دروازے بند کردے گا، ہر عدد ایک قفل کا کام دے گا ان شاء اللہ [4] جواز کا ترجمہ آج کل اصطلاح میں پاسپورٹ (PASPORT) ہے یعنے نکل جانے کا اجازت نامہ جیسے ویزا (VEZA) داخلہ کا اجازت نامہ ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ ان کلمات کی برکت سے آج تمہیں نیک اعمال کرنے اور برے اعمال سے بچنے کی توفیق ملے اور اگر آج موت آئی تو ایمان پر خاتمہ میسر ہوگا، یہ مطلب نہیں کہ یہ دعا پڑھ لو اور خواہ کتنی ہی بدکاریاں کرو، شرک کرو جنتی ہو گئے، لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔ [5] اس طرح فرمانا کہ لم یکن ید ع مبالغہ کے لیے ہے یعنی میں سفر وحضر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا میں نے تو یہ دیکھا کہ حضور یہ پڑھنا کسی حالت میں نہ چھوڑتے تھے، یہ مطلب نہیں کہ آپ پر یہ دعا پڑھنی فرض تھی، معلوم ہوا کہ مستحب کام ہمیشہ کرنا حرام نہیں، لہذا بزرگوں کے بتائے وظیفے اور عملیات، عرس بزرگاں، گیارھویں و

وَالْاٰخِرَةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِیْ دِيْنِیْ وَدُنْيَایَ وَاَهْلِیْ وَمَالِیْ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ
عَوْرَاتِیْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِیْ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِیْ مِنْ بَيْنِ يَدَیَّ وَمِنْ خَلْفِیْ وَعَنْ يَمِيْنِیْ وَعَنْ شِمَالِیْ
وَمِنْ فَوْقِیْ وَاَعُوْذُ بِعَظَمَتِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ يَعْنِی الْخَسْفَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَعَنْ
اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ اَللّٰهُمَّ اَصْبَحْنَا

وآخرت کی [1] الٰہی میں تجھ سے اپنے دین و دنیا اور گھر بار و مال میں معافی اور عافیت مانگتا ہوں [2] الٰہی میرے عیبوں کو چھپا لے اور مجھے خوفوں سے امن دے [3] الٰہی مجھے آگے پیچھے اور دائیں بائیں اور اوپر سے محفوظ رکھ [4] میں تیری عظمت کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ نیچے سے ہلاک کیا جاؤں یعنی زمین میں دھنسا کر [5] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صبح کے وقت یہ کہے کہ الٰہی ہم نے سویرا پایا [6]

میلاد شریف کی مجلسیں ہمیشہ کرنا بہتر ہے حرام نہیں، حضور فرماتے ہیں کہ اچھا عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہو۔

[1] عافیت کے معنی ہیں آفات سے سلامتی و حفاظت، آفات میں دنیاوی آفتیں بھی داخل ہیں جیسے ناگہانی مصیبتیں بری بیماریاں وغیرہ اخروی آفتیں بھی شامل جیسے گناہ میں مشغولیت نیکیوں سے دوری بے صبری، ناشکری وغیرہ اسی لیے آگے دین و دنیا کا ذکر ہے، بعض نے فرمایا کہ دنیا کی عافیت گناہوں سے حفاظت ہے اور آخرت کی عافیت عذاب سے بچا لینا ہے بہر حال یہ دعا بہت جامع ہے، [2] سبحان اللہ کیسی پیاری دعا ہے، انسان پر تین قسم کی ہی مصیبتیں آتی ہیں، جانی، مالی اور عیالی پھر یہ تینوں مصیبتیں دو طرح کی ہوتی ہیں دنیاوی اور دینی گویا کل چھ قسم کی آفتیں ہوئیں، ان چھ قسم کی مصیبتوں سے ایک چھوٹے سے جملے میں امن مانگ لی خیال رہے کہ گناہ سے بچا لینا عافیت ہے، اور گناہ سرزد ہو چکنے کے بعد معاف کر دینا عفو، اس پیارے محبوب نے ہم کو سب کچھ سکھا دیا اللہ تعالٰی ہمیں سیکھنے کی توفیق دے، [3] چونکہ ہمارے عیوب بیشمار ہیں اور خطرناک چیزیں بے حد اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورات اور روعات جمع فرمائے، روع بمعنے گھبراہٹ یہاں گھبراہٹ میں ڈالنے والی چیزیں مراد ہیں عورۃ اور روعاتی میں نہایت نفیس مقابلہ ہے، خیال رہے کہ یہ دعا ہم گنہگاروں کی تعلیم کے لیے ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو وہ شان ہے کہ جس پر ان کی نظر کرم ہو جائے وہ عیبوں سے پاک ہو جائے۔ شعر

جس طرف بھی اٹھ گئیں عالم منور ہو گئے ، میں تری آنکھوں کے صدقے ان میں کتنا نور ہے

[4] اس مبارک جملہ میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے لاتينهم من بين ايديهم ومن خلفهم وعن شمائلهم، مقصد یہ ہے کہ شیطان کے آنے کے چار راستے ہیں میرے مولیٰ مجھے ان چاروں راستوں سے محفوظ فرما دے کہ کسی طرف سے شیطان مجھ تک نہ پہنچ سکے یا مقصد یہ ہے کہ آفات و بلائیں ان طرفوں سے آ سکتی ہیں مولیٰ ان اطراف کو محفوظ فرما دے، [5] اُغْتَالُ غیل سے بنا بمعنے دھوکہ یا اچانک، اغتیال کے معنی ہیں اچانک قتل یا اچانک ہلاکت چونکہ دھنسا کر ہلاک کر دینا تمام آفتوں سے سخت تر آفت ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت سے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا بعض شارحین نے فرمایا کہ ہر چہار طرف سے آفت کا انسان کچھ تدارک ان سے بچنے کی تدبیر کر سکتا ہے مگر زمین میں دھنسا وہ آفت ہے جس کی کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی اس لیے اسے علیحدہ بیان کیا، مگر پہلی بات قوی ہے کیونکہ دوسری آفتوں کا مقابلہ کبھی انسان سے ناممکن ہو جاتا ہے، بارش اوپر سے اور دریاؤں کا سیلاب ہر

نُشْهِدُكَ وَنُشْهِدُ حَمَلَةَ عَرْشِكَ وَمَلَآئِكَتَكَ وَجَمِيْعَ خَلْقِكَ اِنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ اِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا اَصَابَهٗ فِيْ يَوْمِهٖ ذٰلِكَ مِنْ ذَنْبٍ وَّاِنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِيْ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا اَصَابَهٗ فِيْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ مِنْ ذَنْبٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ، وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ يَقُوْلُ اِذَا اَمْسٰى وَاِذَا اَصْبَحَ ثَلٰثًا رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ

ہم تجھے اور تیرا عرش اٹھانے والوں اور دیگر فرشتوں اور تیری ساری مخلوق کو گواہ بناتے ہیں [1] کہ تو اللہ ہے تجھ اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں تیرا کوئی ساجھی نہیں اور یہ کہ محمد تیرے بندہ اور تیرے رسول ہیں۔ مگر اللہ اس کے اس دن کے سارے گناہ معاف کردے گا۔ اور اگر یہ کلمات شام کے وقت کہے گا تو اللہ اس رات کے اسکے سارے گناہ معاف کردے گا [2] (ترمذی، ابوداؤد) ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی بندہ مسلمان نہیں جو شام اور صبح تین بار یہ کہہ لیا کرے میں اللہ کی ربوبیت اسلام کے دین ہونے اور محمد مصطفی کے نبی ہونے سے راضی ہوا۔ [3] مگر اللہ کے ذمہ کرم پر ہوگا

چہار طرف سے آتا ہے اور انسان کو بے بس کردیتا ہے انسان تو مکھی مچھر کا مقابلہ نہیں کرسکتا بس اللہ تعالٰی اپنی امان میں رکھے۔ [3] یہ عرض معروض شکر کے لیے ہے ذکر رب تعالٰی کو خبر دینے کے لیے یعنی تیرا شکر ہے کہ ہم نے بخیریت سویرا پالیا رات میں ہلاک نہ ہو گئے مر کر دوبارہ زندگی پالی۔

[1] یعنی اللہ تو بھی گواہ رہ اور تیری مخلوق میں سے اعلٰی و ادنٰی ہر چیز گواہ رہے کہ نہ ہم کسی وقت تجھ سے غافل ہیں نہ تیری نعمتوں کے منکر۔ اس جملہ سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ تجدید ایمان کرتے رہنا بہت ہی اعلٰی چیز ہے، دوسرے یہ کہ اپنے ایمان پر خالق و مخلوق کو گواہ بنالینا بہت بہتر ہے یہ گواہیاں قیامت میں بڑے کام آئیں گی، بعض روایات میں ہے کہ ہر جنگل و دریا میں بلند آواز سے کلمہ طیب پڑھا کرو کہ ذرے ذرے و قطرے قطرے تمہارے ایمان کے گواہ بن جائیں، موذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے وہاں تک کی ہر چیز اس کے ایمان کی گواہ ہے، بعض زائرین مدینہ منورہ میں روضہ اطہر پر حاضر ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ایمان کا گواہ بناتے ہیں عرض کرتے ہیں یارسول اللہ میں گواہ ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں حضور بھی گواہ رہیں کہ میں آپ کا گنہگار امتی ہوں پڑھتا ہوں لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس کی اصل یہی حدیث ہے اور اس کے بڑے فائدے ہیں۔ [2] یا اس طرح کہ اسے دن بھر کے گناہوں سے بچنے کی توفیق دے گا یہ بھی معافی کی ایک صورت ہے یا اس طرح کہ جو گناہ اس سے آج سرزد ہوں گے انہیں معاف فرمادے گا، سبحان اللہ ساری مخلوق کو اپنے ایمان کا گواہ بنالینا اتنا مفید ہے تو جن لوگوں نے جناب مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا گواہ بنالیا، ان کی قسمت کا کیا کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب شہدائے احد کو دفن فرمارہے تھے تو فرماتے تھے کہ میں ان لوگوں کے ایمان کا گواہ ہوں، رتبہ والے قسمت والے شہید ہیں جو حضور کے ہاتھوں دفن ہوگئے تمہاری تو مٹی ٹھکانے لگ گئی محنت وصول ہوگئی، شعر

میں مجھوں کا مٹی ٹھکانے لگی ٭ مدینہ میں برباد گر ہوگئی۔

اَنْ یُّرْضِیَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ، وَعَنْ حُذَیْفَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّنَامَ وَضَعَ یَدَهٗ تَحْتَ رَاْسِهٖ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ قِنِیْ عَذَابَكَ یَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ اَوْ تَبْعَثُ عِبَادَكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنِ الْبَرَاءِ، وَعَنْ حَفْصَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّرْقُدَ وَضَعَ یَدَهُ الْیُمْنٰی تَحْتَ خَدِّهٖ ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰهُمَّ قِنِیْ عَذَابَكَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ، وَعَنْ

کہ قیامت میں اسے راضی فرمالے [۱] (احمد ترمذی) روایت ہے حضرت حذیفہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سونا چاہتے تو اپنا ہاتھ اپنے سر کے نیچے رکھتے [۲] پھر فرماتے الٰہی مجھے اپنے عذاب سے بچانا جس دن تو اپنے بندوں کو جمع کرے یا اپنے بندوں کو اٹھائے [۳] ترمذی [۴] اور احمد نے حضرت براء سے روایت کی۔ روایت ہے حضرت حفصہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا داہنا ہاتھ اپنے رخسارہ کے نیچے رکھتے [۵] پھر تین بار عرض کرتے خدایا مجھے اپنے عذاب سے بچا جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے [۶] (ابوداؤد) روایت ہے

[۱] اللہ سے راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی قضا سے راضی رہے، رضا بالقضا خاص بندوں ہی کو نصیب ہوتی ہے، اور اسلام سے راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کے تمام احکام پر خوش ہو سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حضور کو اپنے جان مال اولاد کا صحیح معنی میں مالک جانے، اور حضور کو تمام چیزوں سے پیارا جانے، اللہ تعالٰی اس حال کو حال کردے، اور حقیقت یہ ہے کہ جب حضور پیارے تو حضور کی ہر چیز پیاری، حضور کا قرآن، حضور کا اسلام، بلکہ حضور کا رب بھی پیارا، عشق مصطفوی تمام محبتوں کا ذریعہ ہے۔ شعر

محمد از تو مے خواہم خدا را ✽ خدایا از تو عشق مصطفٰے را

اکثر دعائیں تین بار پڑھی جاتی ہیں تاکہ جماعت ہوجائے، اور جماعت پر اللہ کی رحمت ہے، اسی لیے یہ کلمات بھی تین تین بار کہے۔

[۱] یعنی قیامت میں رب اُسے اتنا دیگا کہ بندہ خوش ہوجائیگا۔ خیال رہے کہ صفت کہ رب بندے کو راضی کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے رب تعالٰی نے فرمایا ولسوف یعطیك ربك فترضٰی پھر حضور کے صدقہ سے حضرت صدیق اکبر کو یہ وصف ملا کہ رب تعالٰی نے ان کے متعلق فرمایا ولسوف یرضٰی پھر اُن سرکار کے صدقہ سے یہ کلمات پڑھنے والے کو بھی عطا ہوا حضرت صدیق اکبر عملی طور پر اللہ، اسلام اور حضور سے راضی تھے انہوں نے یہ کرکے دکھا دیا رضی اللہ عنہ۔ [۲] اس طرح کہ ہاتھ شریف کا بعض حصہ سر مبارک کے نیچے رہتا اور بعض حصہ رخسار مبارک کے نیچے یا کبھی سر کے نیچے ہاتھ رکھتے کبھی رخسار کے نیچے لہذا یہ حدیث اُن احادیث کے خلاف نہیں جن میں رخسار کے نیچے ہاتھ رکھنے کا ذکر ہے۔ [۳] یہ کلمات تین بار فرماتے تھے (مرقات) یہ سب کچھ ہماری تعلیم کے لیے ہے ورنہ ہم گنہگاروں کو حضور عذاب الٰہی سے بچائیں گے شفاعت فرمائیں گے۔ [۴] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دن میں سوتے یا رات میں سوتے یا بحالت سفر جنگل میں ہمیشہ قبر کے رُخ پر لیٹتے تھے داہنی کروٹ پر قبلہ رُو ہو کر اور داہنا ہاتھ داہنے رخسارے کے نیچے رکھتے، اس طرح کہ ہاتھ کا کچھ حصہ سر کے نیچے بھی ہوتا تھا، اس طرح سونا سُنّت ہے اور یوں ہی دفن بھی کیا جائے تو بہتر ہے۔ [۵] یعنی قیامت اور بعد قیامت کے عذاب سے بچا کہ اصل عذاب تو وہ ہی ہے قبر کا عذاب یا نزع کے وقت کا عذاب تو اس عذاب کا پیش خیمہ ہے جو قیامت کے عذاب

عَلِیٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ عِنْدَ مَضْجَعِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ الْكَرِیْمِ وَكَلِمَاتِكَ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِهٖ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ تَكْشِفُ الْمَغْرَمَ وَالْمَاْثَمَ اَللّٰهُمَّ لَا یُهْزَمُ جُنْدُكَ وَلَا یُخْلَفُ وَعْدُكَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ

حضرت علی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیٹتے وقت کہتے تھے الٰہی میں تیری ذات کریم کی اور تیرے کامل کلمات کی پناہ لیتا ہوں[1] اس کے شرارت سے تو جس کی پیشانی پکڑے ہے[2] الٰہی تو ہی قرض اور گناہ کو دور کرتا ہے[3] الٰہی تیرا لشکر کبھی شکست نہیں پاتا تیرا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا[4] اور تیرے مقابل بختاور کو بخت نفع نہیں دیتا[5] تو پاک ہے اور تیری ہی حمد ہے (ابو داؤد) روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنے

محفوظ ہو گا تو امید ہے کہ ان عذابوں سے بھی بچا رہے گا۔ خیال رہے کہ مومن کو نزع کی شدت یا قبر کی دہشت عذاب نہیں گنہگار کے لیے عتاب ہے اور نیک کار کے لیے رحمت جیسا کہ باب عذاب قبر میں عرض کیا گیا۔

[1] وجہ سے مراد ذات باری تعالٰی ہے کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ اور کلمات الٰہیہ سے مراد اس کے اسماء و صفات ہیں یا آیات قرآنیہ یا کُن فرمانا یعنے میں تیری ذات و صفات آیات کی پناہ لیتا ہوں، چونکہ یہ تمام چیزیں کامل ہیں نقصانات سے پاک، اس لیے انہیں تامات فرمایا گیا معلوم ہوا کہ اللہ کے مقبول بندوں خصوصًا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لینا بھی جائز ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کلمات اللہ ہیں، حضرت موسیٰ کلیم اللہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلمات اللہ ہیں جیسا کہ قل لو کان البحر مدادا لکلمت ربی کی تفسیر صوفیانہ میں ہے۔ [2] یعنی ساری موذی چیزیں تیرے قبضہ میں ہیں جسے تو بچانا چاہے اسے یہ موذی تکلیف نہیں دے سکتیں پیشانی پکڑنے سے مراد قبضہ میں ہونا ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے، مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِهَا۔ [3] ممکن ہے کہ قرض سے مراد اللہ تعالٰی کے قرض ہوں جیسے وہ فرض واجب عبادات جو ادا نہ کی گئیں، اور ماثم سے مراد وہ گناہ ہوں جو کرنے تھے اور کر لیے گئے یا مغرم سے مراد وہ ناجائز قرض ہیں جن سے رب ناراض ہے جیسے حرام کام میں خرچ کرنے کے لیے قرض لینا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض سے اتنی پناہ مانگی ہے تو آپ پر قرض کیوں ہوتا تھا حتی کہ وفات کے وقت بھی آپ کی زرہ قرض میں گروی تھی۔ بعض قرض ثواب ہیں اور بعض قرض گناہ، قرض گناہ سے پناہ مانگی (از مرقات مع زیادت) یا قرض سے وہ قرض مراد ہے جو ادا نہ ہو سکے، حضور کے تمام قرض ادا ہو گئے حتی کہ حضور کے بعد صدیق اکبر نے ادا کیے۔ [4] اللہ کے لشکر سے مراد یا تو فرشتوں کا لشکر ہے یا جانوروں وغیرہ کا، وہ لشکر عذاب دینے آئے، جیسے فیل والوں پر ابابیل یا احزاب کے کفار پر ہوا لشکر یا طوفان نوحی میں پانی کا لشکر یا لشکر سے مراد مومن غازیوں کا لشکر ہے جو محض رضائے الٰہی کے لیے جہاد کرے کہ انجام کار فتح اسی کی ہوتی ہے رب تعالٰی فرماتا ہے وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ کبھی ان کی شکست ہوتی ہے تو عارضی وہ بھی اپنی کسی غلطی کی وجہ سے، کربلا میں امام حسین کی فتح ہوئی کہ اسلام بچ گیا حسینی لشکر اللہ کا لشکر تھا نیز رب کے وعدہ میں خلاف ناممکن ہے اس کا وعدہ ہو چکا۔ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [5] جد کے معنی مال بھی ہیں اور بخت و نصیب بھی، دوسرے معنی یہاں زیادہ موزوں ہیں بانصیب میں مال، سلطنت، فوج، مکان و قلعہ وغیرہ سب ہی داخل ہیں یعنے جب تو کسی کو پکڑے تو اُسے نہ سلطنت بچا سکتی ہے نہ فوج و خزانہ اور قلعہ،

قَالَ حِيْنَ يَأْوِيْ إِلٰى فِرَاشِهٖ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ
ثَلٰثَ مَرَّاتٍ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ ذُنُوْبَهٗ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ أَوْ عَدَدَ رَمْلِ عَالِجٍ أَوْ عَدَدَ
وَرَقِ الشَّجَرِ أَوْ عَدَدَ أَيَّامِ الدُّنْيَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَعَنْ
شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَأْخُذُ مَضْجَعَهٗ بِقِرَاءَةِ
سُوْرَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ إِلَّا وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ مَلَكًا فَلَا يَقْرَبُهٗ شَيْءٌ يُؤْذِيْهِ حَتّٰى يَهُبَّ مَتٰى هَبَّ

بستر پر جاتے وقت یہ کہے میں اس اللہ سے معافی مانگتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ۱؎ وہ زندہ اور قائم رکھنے والا ہے اور اس بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں ۲؎ تین بار کہے تو اللہ اس کے گناہ بخش دے گا اگرچہ سمندر کے جھاگ یا ریگ رواں ۳؎ یا درختوں کے پتوں یا دنیا کے دنوں کے برابر ہوں ۴؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے روایت ہے حضرت شداد بن اوس ۵؎ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی مسلمان نہیں جو بستر پر لیٹے قرآن شریف کی کوئی سورۃ ۶؎ پڑھ کر مگر اللہ تعالٰی اس پر فرشتہ مقرر فرما دیتا ہے پھر کوئی ایذا دہ چیز اس کے پاس نہیں پھٹکتی حتی کہ بیدار ہو جب بھی ۷؎

تیری پکڑ سے تیری رحمت ہی بچا سکتی ہے، یہاں مرقات نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند لوگ حاضر تھے کوئی جدی الاول کسی نے کہا جدی الرزع کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ، تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سُنا کر یہ دعا کی۔

۱؎ سوتے وقت یہ دعائیں و استغفار اس لیے پڑھائے گئے کہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہے، نہ معلوم اب جاگنا ہو یا نہ ہو لہذا توبہ کر کے سوؤ، کہ اگر یہ آخری نیند ہو تو اللہ تعالٰی کے نام پر ہو۔ شعر

سونے والے اللہ اللہ کر کے سو ؎ کیا خبر اب جاگنا ہو یا نہ ہو

اس استغفار میں بندے کی اپنی بے بسی اور رب تعالٰی کی انتہائی قدرت و قوت کا اظہار ہے، ان دونوں باتوں کا اقرار ہی توبہ کی جان ہے۔ ۲؎ اس طرح کہ جو ہو گیا ہو گیا، اب کبھی ایسی حرکت نہ کروں گا، تو کریم و رحیم ہے، معافی دیدے۔ ۳؎ ظاہر یہ ہے کہ گناہوں سے مراد گناہ صغیرہ ہیں ممکن ہے کہ گناہ کبیرہ بھی مراد ہوں، اس کی رحمت ہمارے گناہوں سے کہیں زیادہ ہے کہ ہمارے گناہ محدود ہیں رب تعالٰی کی رحمت غیر محدود، ایام دنیا سے مراد اوقات دنیا ہیں یعنی گھنٹے منٹ اور سیکنڈ، عالج علج سے بنا بمعنے دخول، اسی لیے خاص خادم کو علج کہتے ہیں کہ ہمارے کاموں میں دخیل ہوتا ہے، دوا کرنے کو علاج کہتے ہیں کردہ دوا مرض میں یا بدن میں داخل ہو کر اثر کرتی ہے، بہت زیادہ ریت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بعض ریت بعض میں دھنسا جا رہا ہے اس لیے اسے عالج کہتے ہیں یا ریت دور سے دریا معلوم ہوتا ہے، اسی لیے اس رمل عالج کا ترجمہ ریگ رواں کیا جاتا ہے (مرقات مع اضافہ) ۴؎ پہلے عرض کیا جا چکا کہ آپ حضرت حسان ابن ثابت کے بھائی ہیں، انصاری ہیں بڑے عالم، عابد تھے۔ ۵؎ اس طرح کہ لیٹ کر سورۃ پڑھ کر لیٹے مگر یہ سورۃ کا پڑھنا لیٹنے کے ارادے سے ہو، ظاہر یہ ہے کہ سورۃ سے مراد پوری سورۃ ہے نہ کہ کسی سورۃ کی کچھ آیات، جیسے قل و ناس یا قل یا ایہا الکافرون وغیرہ، بعض لوگ آیۃ الکرسی بھی پڑھ لیتے ہیں اور سورۃ کا فرمان بھی یہ بہت ہی اچھا ہے۔ ۶؎ بزار نے حضرت انس

رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ، وَعَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَلَّتَانِ لَا یُحْصِیْھِمَا رَجُلٌ مُّسْلِمٌ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّۃَ اَلَا وَھُمَا یَسِیْرٌ وَّمَنْ یَّعْمَلُ بِھِمَا قَلِیْلٌ یُسَبِّحُ اللہَ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلٰوۃٍ عَشْرًا وَّیَحْمَدُہٗ عَشْرًا وَّیُکَبِّرُہٗ عَشْرًا قَالَ فَاَنَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْقِدُھَا بِیَدِہٖ قَالَ فَتِلْکَ خَمْسُوْنَ وَمِائَۃٌ فِی اللِّسَانِ وَاَلْفٌ وَّخَمْسُ مِائَۃٍ فِی الْمِیْزَانِ وَاِذَا اَخَذَ مَضْجَعَہٗ یُسَبِّحُہٗ وَیُکَبِّرُہٗ وَیَحْمَدُہٗ مِائَۃً

(ترمذی) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصلتیں ایسی ہیں کہ کوئی مسلمان آدمی انہیں اختیار نہیں کرتا مگر جنت میں ضرور جائے گا [۱] وہ ہیں تو آسان مگر ان پر عامل تھوڑے ہیں [۲] ہر نماز کے بعد دس بار اللہ کی تسبیح کہے۔ دس بار اس کی حمد کرے۔ دس بار تکبیر کہے [۳] راوی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے عقد انامل فرماکر فرمایا کہ یہ زبان میں تو ڈیڑھ سو ہیں [۴] مگر میزان یعنی ترازو میں ڈیڑھ ہزار ہوں گے [۵] اور جب اپنا بستر لے تو سو بار تسبیح تکبیر اور حمد کرے [۶]

روایت کیا ہے کہ مرفوعًا کہ لیٹتے وقت سورۂ فاتحہ اور قل ہو اللہ احد پڑھ کر سوؤ، رات بھر امن میں رہو گے، حضرت علی فرماتے ہیں کہ سورۂ بقر کی آخری تین آیات پڑھ کر سو یا کرو، محفوظ رہو گے۔

[۱] ایسے مقامات میں رجل بمعنے آدمی ہوتا ہے نہ کہ بمعنے مرد لہذا یہ مطلب نہیں کہ مرد مسلمان تو یہ عمل کرے عورت مسلمہ نہ کرے بلکہ جو بھی کرے مرد یا عورت سب کو مفید ہے۔ مسلم کی قید اس لیے لگائی گئی کہ کافر کا کوئی عمل وظیفہ نہ قبول ہے نہ باعث ثواب، خیال رہے کہ بعض اعمال کی دنیاوی تاثیر کفار سے صادر ہو جاتی ہیں جیسے گالی کا برا اثر اور اچھے الفاظ کا عامل پر اچھا اثر بہرحال ہوتا ہے، خواہ کافر کی طرف سے ہو یا مومن کی طرف سے۔ لایحصیھما احصاء سے بنا جس کے لغوی معنے تو ہیں شمار رکھنا مگر اصطلاح میں حفاظت کرنے، طاقت رکھنے کے معنے میں آتا ہے خصوصًا جبکہ وہ چیز گنتی والی ہو یہاں اصطلاحی معنی ہیں۔ [۲] اس میں غیبی خبر ہے کہ یہ عمل کچھ بھاری نہیں مگر بہت آسان ہے لیکن اس کی توفیق کم لوگوں کو ملے گی، جیسے رب تعالٰی نماز کے متعلق فرماتا ہے وانھا لکبیرۃ الا علی الخشعین یہ نماز خاشعین کے سوا دوسروں پر گراں ہے، اس کا ظہور آج بھی ہو رہا ہے کہ روزہ، حج جو مشکل چیزیں ہیں لوگ خوش و شوق سے کرتے ہیں حتی کہ بچے روزے کے لیے ضد کرتے ہیں مگر نماز کا پابند کوئی کوئی ہے، اسی طرح اس عمل کے پڑھنے والے اب بھی بہت کم دیکھے جاتے ہیں، یہ ہے اس مخبر صادق کی سچی خبر صلی اللہ علیہ وسلم۔ [۳] اس طرح کہ پہلے دس بار سبحان اللہ کہے، پھر دس بار الحمدللہ پھر دس بار اللہ اکبر، یہ نہ کرے کہ سبحان اللہ والحمدللہ اللہ اکبر ملاکر دس بار کہے کہ یہ مقصد حدیث کے خلاف ہے۔ [۴] اس طرح کہ ہر نماز کے بعد تیس ہوئے، اور یہ پانچ نمازیں ہیں تو تیس پنجہ ڈیڑھ سو ہوئے۔ [۵] یعنی یہ کلمات روزانہ پڑھنے میں ڈیڑھ سو مگر ثواب میں ڈیڑھ ہزار، کیونکہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا یہ تو ہے قانون، اور فضل رب کا کوئی حساب نہیں۔ [۶] یعنی سوتے وقت بستر پر لیٹنے سے پہلے سبحان اللہ ۳۳ بار، الحمدللہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ لیا کرے، واؤ ترکیب کے لیے نہیں لہذا اللہ اکبر الحمدللہ کے بعد پڑھے، اور اس کا ذکر حمد سے پہلے ہے یہی بزرگوں کا عمل ہے، اور دوسری احادیث بھی اس کی تائید فرماتی ہے۔

فَتِلْكَ مِائَةٌ فِي اللِّسَانِ وَأَلْفٌ فِي الْمِيزَانِ فَأَيُّكُمْ يَعْمَلُ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ أَلْفَيْنِ وَخَمْسَ مِائَةِ سَيِّئَةٍ قَالُوْا وَكَيْفَ لَا نُحْصِيهَا قَالَ يَأْتِي أَحَدَكُمُ الشَّيْطَانُ وَهُوَ فِي صَلٰوتِهٖ فَيَقُوْلُ اذْكُرْ كَذَا اذْكُرْ كَذَا حَتّٰى يَنْفَتِلَ فَلَعَلَّهٗ أَنْ لَّا يَفْعَلَ وَيَأْتِيْهِ فِي مَضْجَعِهٖ فَلَا يَزَالُ يُنَوِّمُهٗ حَتّٰى يَنَامَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي دَاوٗدَ قَالَ خَصْلَتَانِ أَوْ خُلَّتَانِ لَا يُحَافِظُ عَلَيْهِمَا عَبْدٌ مُّسْلِمٌ وَكَذَا فِي رِوَايَتِهٖ بَعْدَ قَوْلِهٖ وَأَلْفٌ

تو یہ زبان میں ایک سو ہیں اور میزان میں ایک ہزار[1] بتاؤ تو تم میں سے کون ہے جو ایک دن و رات میں ڈھائی ہزار گناہ کرے[2] لوگوں نے عرض کیا کہ ہم ان کلمات کی کیوں نہ پابندی کریں گے[3] فرمایا جب کوئی نماز میں ہوتا ہے تو شیطان اسکے پاس پہنچ کر کہتا ہے فلاں بات یاد کرو فلاں بات یاد کرو حتی کہ نمازی کو باز رکھ دیتا ہے تو شاید وہ یہ عمل نہ کر سکے[4] اور شیطان اس کے خوابگاہ پر پہنچ کر اسے سلاتا رہتا ہے حتی کہ وہ سو جاتا ہے[5] (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ فرمایا دو خصلتیں یا دو عادتیں ایسی ہیں جن کی کوئی بندہ مسلمان حفاظت نہیں کرتا[6] اسی طرح ابوداؤد کی روایت میں اس کلام کے بعد کہ

[1] یہاں بھی وہ ہی حساب ہے کہ قانونًا ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہے، تو سو کلمات کا ثواب ہزار گنا ہوا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت میں وزن نیکی کے ثواب کا ہوگا نہ کہ محض الفاظ کا، اسی لیے کفار کی نیکیاں بالکل وزنی نہ ہوں گی اور گناہ بہت بھاری، انشاءاللہ مومن کی نیکیاں بقدر اخلاص وزنی ہوں گی اور گناہ کا یا تو وزن ہوگا ہی نہیں اگر ہوگا تو بہت ہلکا، رب تعالٰی کفار کی نیکیوں کے متعلق فرماتا ہے فلا نقیم لهم یوم القیمة وزنا لهذا فی المیزان فرمانا بہت موزوں ہے۔ [2] یعنی یہ کلمات سارے مل کر پڑھنے میں تو ہوئے ڈھائی سو، اور ثواب میں ہوئے ڈھائی ہزار، اور ہر ایک کلمہ ایک گناہ مٹاتا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے ان الحسنات یذهبن السیاٰت چنانچہ ان کا مجموعہ ڈھائی ہزار گناہ مٹانے کے لیے کافی ہے، اور بمشکل ہی کوئی مسلمان ایسا ہوگا جو ڈھائی ہزار گناہ روزانہ کرے، تو انشاءاللہ اب یہ کلمات خالص نفع ہی میں بچے، کچھ نے تو گناہ مٹائے، اور جو گناہوں سے بچا انہوں نے درجے بڑھائے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیکیاں ثواب کا باعث بھی ہیں اور گناہوں کی معافی کا ذریعہ بھی، داتا کے دین کے بہانے ہیں۔ [3] یہ سوال تعجب کے لیے ہے کہ یا حبیب اللہ اتنا آسان عمل اور اتنے فائدے والا عمل کون چھوڑے گا اور کیوں چھوڑے گا، کیسے چھوڑے گا۔ [4] سبحان اللہ کیسا پیارا جواب ہے یعنی جب شیطان فرائض عبادات میں یوں خلل ڈال دیتا ہے، تو یہ عمل تو ایک نفل کام ہے اس سے کیوں نہ روکے گا، نماز کے بعد تمہیں ایسے کام یاد دلائے گا کہ تم مسجد سے جلد جانے کی کوشش کرو گے، اور کہے گا کہ یہ عمل صرف نفل ہی تو ہے اسے چھوڑ دو، فلاں کام چل کر کرو۔ [5] یعنی نماز والے عمل سے تو اسی طرح روکے گا جو بیان ہوئی اور سوتے وقت کے عمل سے یوں روکے گا کہ اسے بستر پر پہنچتے ہی سُلا دے گا کہے گا کہ یہ عمل صرف نفل ہے اسے چھوڑ دے اور جلد سو جا تاکہ فجر کے لیے وقت پر آنکھ کھلے، خیال رہے کہ شیطان دینداروں کے پاس پہنچ کر دین دکھا کر بہکاتا ہے۔

[6] یعنی داؤد کی روایت میں شک ہے کہ خلتان فرمایا یا خصلتان اگرچہ ان دونوں لفظوں کے معنے ایک ہی ہیں مگر محتاط راوی الفاظ رسول اللہ کی پابندی کرتے تھے اور حدیث کو قرآن شریف کی طرح یاد کرتے تھے اگر کہیں ذرا سا تردد ہو جاتا تو بیان کر دیتے تھے۔

وَخَمْسُ مِائَةٍ فِي الْمِيْزَانِ قَالَ وَيُكَبِّرُ اَرْبَعًا وَّثَلَاثِيْنَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ وَيَحْمَدُ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَ يُسَبِّحُ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَفِي اَكْثَرِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ غَنَّامٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِيْ مِنْ نِّعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ فَقَدْ اَدّٰى شُكْرَ يَوْمِهٖ وَمَنْ قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ حِيْنَ يُمْسِيْ فَقَدْ اَدّٰى شُكْرَ لَيْلَتِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ، وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا اَوٰى

میزان ڈیڑھ ہزار میں یہ ہے کہ فرمایا ۳۴ بار تکبیر کہے، جب اپنا بستر لے اور ۳۳ بار الحمدللہ پڑھے اور ۳۳ بار سبحان اللہ کہے[1] اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے۔ روایت ہے حضرت عبداللہ ابن غنام سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صبح کے وقت یہ پڑھے الٰہی تیری جو نعمت مجھے یا تیری کسی مخلوق کو ملی وہ صرف تیرے اکیلے کی طرف سے ہے[2] تیرا کوئی شریک نہیں، لہذا تیری ہی حمد ہے اور تیرا ہی شکر[3] تو اس نے آج کے دن کا شکریہ ادا کر دیا[4] اور جو اسی طرح شام کے وقت کہے تو اس نے اس رات کا شکریہ ادا کر دیا[5] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ حضور جب اپنے بستر پر جاتے تو عرض

[1] یہاں بھی وہ بات یاد رہے جو ابھی پہلے عرض کی گئی کہ واؤ ترتیب نہیں چاہتا لہذا بیان میں تکبیر پہلے ہے اور تسبیح بعد میں، مگر پڑھنے میں سبحان اللہ پہلے ہوگی اور اللہ اکبر بعد میں۔ [2] یعنے جسے جو دینی یا دنیاوی نعمت ملی بلاواسطہ یا بالواسطہ وہ تیری ہی طرف سے ہے۔ اس دعا میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے وما بکم من نعمۃ فمن اللہ۔ خیال رہے کہ نعمت و مصیبت سب اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے، مگر ادب یہ ہے کہ نعمتوں کو رب کی طرف نسبت دو، اور مصیبت کو اپنی طرف۔ رب تعالٰی فرماتا ہے وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم۔

[3] یعنی حقیقی حمد اور حقیقی شکر تیرے ہی ہیں کہ حقیقی منعم تو ہی ہے، تیرے سوا جس کا بھی شکر و حمد ہوں گے وہ مجازی ہوں گے، لہذا یہ دعا قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف نہیں ان اشکرلی ولوالدیک یعنی میرا اور اپنے ماں باپ کا شکریہ ادا کرو کہ وہاں ماں باپ کا شکریہ مجازی مراد ہے۔

[4] یعنی صبح شام اس دعا کے پڑھنے والوں کو توفیق ملے گی کہ رب تعالٰے کی نعمتوں کا شکریہ ادا کریں اور اگر شکریہ میں کچھ کوتاہی ہوگئی، تو رب تعالٰے اس کی برکت سے وہ کمی پوری فرمادے گا، یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز، زکوٰۃ، روزہ کچھ نہ کرو صرف یہ دعا پڑھ لیا کرو کیونکہ ساری عبادتیں سب کا شکریہ ہیں، اور شکریہ تو اس دعا سے پورا ہو گیا اب اور شکر کی کیا ضرورت ہے غرضکہ حدیث صاف ہے، بعض علما فرماتے ہیں کہ شکریہ دلی بھی ہوتا ہے زبانی بھی، یہاں شکر سے مراد قولی شکر ہے یعنی ان کلمات میں ایسا ثواب ملے گا جیسے کوئی دن بھر زبانی شکریہ ادا کرتا رہے، رہا عملی شکریہ، وہ اس کے علاوہ ہے۔

[5] اسے نسائی نے انہی عبداللہ ابن غنام سے روایت کیا، اور ابن حبان و ابن سنی نے حضرت ابن عباس سے رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

إِلٰى فِرَاشِهٖ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَرَبَّ الْاَرْضِ وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى مُنْزِلَ التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ شَرٍّ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَاَغْنِنِيْ مِنَ

فرماتے ۱؎ اے اللہ اے آسمانوں کے رب اے زمین کے رب اے ہر چیز کے رب۲؎ اے دانہ اور گٹھلی کو پھاڑ کر نکالنے والے۳؎ اے توریت انجیل اور قرآن کو اتارنے والے۴؎ میں ہر اس کی شر سے پناہ مانگتا ہوں جس کی پیشانی تیری گرفت میں ہے۵؎ تو ہی اول ہے کہ تجھ سے پہلے کچھ نہیں اور تو ہی آخر ہے کہ تیرے پیچھے کچھ نہیں۶؎ تو ہی ظاہر ہے کہ تیرے اوپر کوئی چیز نہیں اور تو ہی چھپا ہے کہ تیرے پیچھے کچھ نہیں۷؎ میرا قرض ادا کردے اور مجھے فقیری سے غنا

۱؎ یعنی بستر پر جاتے وقت لیٹنے سے پہلے اور حصن حصین میں ہے کہ سرکار بستر پر لیٹ کر یہ پڑھتے تھے، ہوسکتا ہے کہ کبھی یہ ہو کبھی وہ، لہذا دونوں روایتوں میں تعارض نہیں۔ ۲؎ آسمانی و زمینی اصولی نعمتیں ہیں درمیان کی چیزیں فروعی نعمتیں یعنی تمام اصولی و فروعی نعمتوں کے رب۔ مسلم کی روایت میں سماوات کے ساتھ سبع بھی ہے اور حصن حصین میں ورب العرش العظیم بھی ہے۔ ۳؎ نویٰ کھجور کی گٹھلی کو کہتے ہیں، چونکہ عرب میں کھجور زیادہ ہوتی ہے، نیز تمام درختوں سے کھجور افضل بھی اور زیادہ نافع بھی ہے اس لیے دانوں کے بعد اس کا خصوصیت سے ذکر فرمایا یعنے اے تخم اور گٹھلی کو چیر کر اس میں سے درخت نکالنے والے مولے، چونکہ دانوں سے غذا اور گٹھلی سے پھل پیدا ہوتے ہیں غذا اور میووں سے جسمانی رزق ہے اس لیے دونوں کا ذکر فرمایا۔ ۴؎ یعنی جسمانی روزیوں کے ساتھ ہم کو روحانی روزی دینے والے، کیونکہ آسمانی کتابیں روحانی روزی کا ذریعہ ہیں، چونکہ زبور شریف میں صرف دعائیں تھیں، احکام توریت ہی میں تھے نیز توریت شریف زبور پر حاوی تھی، اس لیے زبور کا ذکر نہ فرمایا۔ حصن حصین میں بجائے قرآن کے فرقان ہے۔ ۵؎ مطلب یہ ہے کہ ہر شر والی چیز تیرے قبضہ میں ہے کہ اُس کا خالق و مالک ہے مولیٰ میں اس کی شر سے تیری پناہ لیتا ہوں، ضعیف ہوں تو قوی، اے قوی مجھ ضعیف کو اپنی پناہ میں لے لے۔ ۶؎ یعنی تو ہی ازلی ہے کہ عدم سابق سے پاک ہے اور تو ہی ابدی ہے کہ عدم لاحق سے پاک: خیال رہے کہ رب کے سوا کوئی چیز ازلی و قدیم نہیں، ہر چیز حادث و نوپید ہے مگر رب کے ارادے سے بعض چیزیں ابدی ہیں جیسے دوزخ اور وہاں کے عذاب اسی طرح جنت اور وہاں کے ثواب، ارواح اور جنتی و جہنمی لوگ وہاں پہنچ کر یہ سب کچھ ابدی ہیں جنہیں فنا نہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے اکلھا دائم اور فرماتا ہے خٰلدین فیھا ابدًا، اگر ان میں سے کسی چیز کو فنا ہوتی تو خٰلدین کیسے ہوتا اور ابدًا کیسے، خلاصہ یہ ہے کہ قدیم و ازلی رب تعالٰی کے سوا کوئی نہیں، مگر ابدی بہت چیزیں ہیں لیکن رب تعالٰی ذاتی حقیقی ابدی، اور وہ چیزیں مجازی و عرضی ابدی، اور ہوسکتا ہے بعد کے معنے غیر کے ہوں، اور مطلب یہ ہو کہ تیرے سوا کسی کو ذاتی طور پر بقا نہیں، رب تعالٰے فرماتا ہے کل شیءٍ ھالک الا وجھہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الا کل شیءٍ ما خلا اللہ باطلٌ۔ بے دینوں نے اس حدیث سے دلیل پکڑی کہ جنت و دوزخ کو فنا ہے، مگر یہ بات باطل ہے، اور مطلب حدیث کا وہ ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔ ۷؎ یعنی اے میرے مولیٰ تو صفات و افعال کے لحاظ سے ایسا ظاہر ہے کہ اس کے ظہور پر کسی کا ظہور نہیں اور ذات کے لحاظ سے ایسا چھپا ہوا ہے کہ تجھ سے زیادہ کوئی چھپی چیز نہیں شعر

الْفَقْرِ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ مَعَ اِخْتِلَافٍ يَسِيْرٍ
وَعَنْ اَبِي الْاَزْهَرِ الْاَنْمَارِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ
مِنَ اللَّيْلِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَضَعْتُ جَنْبِيْ لِلّٰهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ وَاَخْسَاْ شَيْطٰنِيْ
وَفُكَّ رِهَانِيْ وَاجْعَلْنِيْ فِي النَّدِيِّ الْاَعْلٰى رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَفَانِيْ وَ

بخش[1] (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) اسے مسلم نے کچھ تھوڑے فرق کے ساتھ روایت کیا۔ روایت ہے حضرت ابو
ازہر انماری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اپنی خواب گاہ قبول فرماتے[2] تو کہتے اللہ کے نام پر اللہ
کے لیے میں نے اپنی کروٹ رکھ دی[3] الٰہی میرے گناہ بخش دے اور میرے شیطان کو دور فرمادے اور میرا رہن چھوڑا
دے[4] اور مجھے اعلٰی مجلس میں داخل فرما[5] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
جب رات کو بستر اختیار فرماتے تو فرماتے شکر ہے اس اللہ کا جو میرے لیے کافی ہوا اور

بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار ⁂ اس پہ یہ پردہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے
یار تیرے حسن کو تشبیہ دوں کس چیز سے ⁂ ایک تو ہی دیدہ ہے تیرے سوا نادیدہ ہے

یہاں مرقات نے فرمایا کہ دُون بمعنے غیر بھی آتا ہے اور بمعنے قریب بھی یہاں دونوں معنے بن سکتے ہیں یعنے تیرے سوا کوئی حقیقی چھپا ہوا نہیں یا کوئی چیز چھپنے میں تجھ سے قریب بھی نہیں، صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالٰی بصارت سے چھپا ہے اور بصیرت سے ظاہر یعنے نظر سے چھپا فکر میں ظاہر۔
[1] قرض سے مراد مخلوق کا قرض ہے کیونکہ اس قرض سے بہت گناہ پیدا ہوتے ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ قرض رات کا غم اور دن کی ذلت ہے، فقیری سے مراد مخلوق کی محتاجی ہے یا اس سے دلی فقر مراد ہے جس کے متعلق فرمایا گیا کہ فقر کفر تک پہنچا دیتا ہے، لہذا یہ حدیث نہ اس آیت کے خلاف ہے اللہ غنی وانتم الفقراء اور نہ اس حدیث کے مخالف الفقر فخری۔ [2] یعنی یہ دعا رات کے آرام کی ہے نہ کہ دوپہر کی [3] بسم اللہ اور للہ دونوں وضعت کے متعلق ہیں یعنی میں اللہ کے نام کی مدد سے لیٹتا ہوں اور اللہ ہی کی رضا اس کی عبادت کے لیے لیٹتا ہوں نہ کہ محض آرام کے لیے، مومن کا جاگنا سونا جینا مرنا اللہ کے لیے چاہیے دیکھیے ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین بعض نسخوں میں للہ نہیں ہے [4] میرے گناہ سے مراد یا تو میری امت کے گناہ ہیں یا خطائیں مراد ہیں یا یہ لفظ ہماری تعلیم کے لیے ہے ورنہ حضور گناہوں سے معصوم ہیں شیطان سے مراد انسانی شیطان ہیں یا قرین شیطان ہے، رب تعالٰی نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی کہ آپ کا قرین شیطان مومن ہوگیا اخسا اخساء سے بنا بمعنے کتے کو دُور کرنا، رہان گروی چیز کو کہتے ہیں، یہاں مراد اپنی ذات ہے کیونکہ انسان کی ذات اپنے اعمال میں گروی ہے رب تعالٰی فرماتا ہے کل امرئ بما کسبت رھین یعنی مجھے نیک اعمال کی توفیق دے کر میرے نفس کو گروی ہونے سے چھوڑا دے [5] ندی مجلس کو بھی کہتے ہیں اور مجلس والوں کو بھی، یہاں مجلس مراد ہے، اعلٰی مجلس سے مراد قرب الٰہی غیر متناہی ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام خلق سے اعلٰی ہیں اُن سے اعلٰی مجلس والا اور حضور کی مجلس والے صحابہ تمام مجلس والوں سے افضل ہیں، اس جملہ کے اور بھی معنے کیے گئے ہیں، مگر یہ معنے زیادہ مناسب ہیں، یا یہ دعا ہمارے

آوَانِيْ وَاَطْعَمَنِيْ وَسَقَانِيْ وَالَّذِيْ مَنَّ عَلَيَّ فَاَفْضَلَ وَالَّذِيْ اَعْطَانِيْ فَاَجْزَلَ اَلْحَمْدُ
لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ اَللّٰهُمَّ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيْكَهٗ وَاِلٰهَ كُلِّ شَيْءٍ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ رَوَاهُ
اَبُوْدَاوٗدَ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ شَكٰى خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَنَامُ اللَّيْلَ مِنَ الْاَرَقِ فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا
اَوَيْتَ اِلٰى فِرَاشِكَ فَقُلْ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظَلَّتْ وَرَبَّ الْاَرَضِيْنَ

جس نے مجھے کھلایا اور پلایا اور جس نے مجھ پر احسان پھر فضل کیا[1] اور جس نے مجھے دیا تو بہت زیادہ دیا[2] ہر حال میں اللہ کا شکر ہے[3] اے اللہ اے ہر چیز کے رب اور بادشاہ اے ہر چیز کے معبود میں آگ سے تیری پناہ لیتا ہوں[4] (ابوداؤد)
روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ حضرت خالد ابن ولید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی عرض کیا یارسول اللہ میں بے خوابی کے باعث رات کو سوتا نہیں[5] تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو یوں کہو اے اللہ اے سات آسمانوں کے اور جن پر یہ آسمان سایہ فگن ہیں انکے رب اور زمینوں کے

تعلیم کے لیے ہے تو ندی سے مراد مجلس والے ہیں، یعنی خداوندا مجھے ملیکہ انبیاء اولیاء کا مجلس والا بنا۔

[1] اس دعا میں رب تعالٰی کی چھ نعمتوں کا ذکر ہے، کفایت یعنی مخلوق سے بے نیاز کر دینا، اور یعنی رہنے کے مکان عطا فرمانا، کھانا، پانی عطا فرمانا دیگر نعمتیں دینا اور سب سے اعلٰی دینا، واقعی رب تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا دیا کہ جتنا کسی کو نہ دیا، خود فرماتا ہے وکان فضل اللہ علیك عظیمًا، محبوب آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ اور فرماتا ہے انا اعطینٰك الکوثر، ہم نے آپ کو بہت کچھ دیا، یہاں اس عطا کا شکر ہے۔ [2] افضل میں کیفیت کی زیادتی مراد تھی اور اجزل میں مقدار کی زیادتی مقصود ہے، یعنی مجھے رب تعالٰی نے بہت زیادہ و اعلٰی دیا لہٰذا کلمات میں تکرار نہیں۔ [3] یعنی فقر و غنا، رنج و غنا، راحت و مصیبت ہر حال میں اللہ کا شکر ہے، خیال رہے کہ رب کی بھیجی ہوئی مصیبت و غم بھی نعمت ہے کہ اس کے ذریعے ہزارہا گناہ معاف ہو جاتے ہیں، لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ شکر تو صرف نعمت پر ہوتا ہے پھر ہر حال میں شکر کیسا۔ [4] مالک و ملیک کا فرق بارہا بیان ہو چکا کہ ظاہر عارضی ملک رکھنے والا بھی مالک کہلاتا ہے مگر حقیقی دائمی ملک والا ملیک، مالک ملیک سے عام، اس سے معلوم ہوا کہ دعا کرتے وقت رب تعالٰی کو اس کے اچھے ناموں سے یاد کرنا چاہیے، حمد الٰہی دعا کا رکن ہے، آگ سے پناہ مانگنے کے یہ معنے بھی ہیں کہ رب تعالٰی ہمیں دوزخ والے اعمال سے بچائے، اور یہ معنے بھی ہیں کہ گناہوں کی معافی دے کر دوزخ سے نجات دیدے، دوزخ سے نجات ملنے پر ان شاء اللہ جنت ملنا لازمی ہے، کیونکہ سوا جنت و دوزخ کے انسانوں کے لیے تیسرا کوئی مقام نہیں اعراف ایک عارضی جگہ ہوگی جس کے بعد جنت ملے گی لہٰذا حدیث پر یہ سوال نہیں کہ یہاں جنت کی طلب نہیں کی گئی۔ [5] شکا الف سے بھی لکھا جاتا ہے، یہ شکوت سے بنا اور شکی ی سے بھی جو شکیت سے بنا شکوت و شکیت دونوں لغتیں درست ہیں، مشکوٰۃ شریف کے اس نسخے میں ی سے ہے۔ ارق مطلقًا بے خوابی کو کہتے ہیں خواہ فکر یا رنج سے ہو یا خشکی سے، خوشی سے بے خوابی ارق نہیں کہلاتی کہ وہ بیماری نہیں، یہاں وسوسیا فکر سے نہ سونا مراد ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا سکھائی، اگر خشکی سے ہوتی تو دوا بتائی جاتی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکیم روحانی بھی ہیں۔

وَمَا اَقَلَّتْ وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا اَضَلَّتْ كُنْ لِّيْ جَارًا مِّنْ شَرِّ خَلْقِكَ كُلِّهِمْ جَمِيْعًا اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيَّ اَحَدٌ مِّنْهُمْ اَوْ اَنْ يَّبْغِيَ عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ وَالْحَكِيْمُ بْنُ ظُهَيْرٍ الرَّاوِيْ قَدْ تَرَكَ حَدِيْثَهٗ بَعْضُ اَهْلِ الْحَدِيْثِ، اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنْ اَبِيْ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَصْبَحَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ

اور جنہیں زمین اٹھائے ہے انکے رب اور اے شیطانوں کے اور جنہیں وہ گمراہ کریں انکے رب تو اپنی ساری مخلوق کی شر سے میری پناہ ہو جا کہ ان میں سے کوئی مجھ پر زیادتی یا ظلم کرسکے تیری پناہ غالب ہے تیری ثنا شاندار ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں صرف تو ہی معبود ہے (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں اور حکیم ابن ظہیر راوی کی حدیث کو بعض محدثین نے چھوڑ دیا ہے تیسری فصل ۔ روایت ہے حضرت ابو مالک سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سویرا پائے تو کہے ہم نے صبح کی اور اللہ رب العلمین کے ملک نے صبح پائی

حکیم جسمانی بھی، حضرت خالد کو کئی راتوں سے نیند نہ آئی تھی یا وسوسوں سے یا رنج و غم سے آپ پریشان ہوگئے تھے تب یہ عرض کیا۔

۱؎ اس چھوٹے سے جملے میں تمام عالم اجسام کی چیزیں داخل ہیں آسمان میں فرشتے وغیرہ آگئے آسمان کے زیر سایہ میں تمام فضا کی چیزیں و زمین اور زمینی چیزیں یعنی زمین پر اور زمین کے اندر کی تمام چیزیں داخل ہوگئیں۔ ۲؎ شیاطین سے مراد گمراہ کن چیزیں ہیں آدمی ہوں یا جنات، اس سے عام چیزیں مراد ہیں خواہ عقل والی ہوں یا غیر عاقل اگرچہ یہ چیزیں بھی پہلے جملہ میں داخل تھیں مگر خصوصیت سے ان کا ذکر علیحدہ کیا گیا، کیونکہ اس دعا میں انہیں کے شر سے حفاظت مانگی گئی ہے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔ ۳؎ یہاں جار بمعنے حافظ، ناصر امان دہ ہے نہ کہ بمعنے پڑوسی بلکہ پڑوسی کو بھی جار اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ امن و امان کا ذریعہ ہوتا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے وھو یجیر ولا یجار علیہ یعنی خدا تو میرا مددگار، حافظ، امان ہو جا، مجھے اس سے امن میں رکھ کہ کوئی موذی چیز ایذا دے۔ ۴؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس جگہ جار بمعنے مستجیر ہے یعنی جو تیری امان میں آجائے وہ سب پر غالب رہے رہتا ہے، دیکھو موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالٰی نے فرمایا انک من الآمنین، تم کو امن ہے یعنے جو تیری امان میں آجائے وہ سب پر غالب رہے، جسے سلطنت دنیاوی پناہ دیدے وہ غالب ہو جاتا ہے، تو جسے رب پناہ دیدے اسے کون مغلوب کرسکتا ہے اور رب کی حمد و ثنا تمام حمدوں سے شاندار ہے کہ تمام مخلوق اس کے گن گارہی ہے۔ ۵؎ چنانچہ حکم یا حکیم ظہیر کے متعلق بخاری، ابو زرعہ، نسائی، ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ یہ متروک الحدیث ہے، ابن معین نے فرمایا کہ اس حدیث میں کچھ نہیں، ابن عدی نے فرمایا کہ اس کی اکثر حدیثیں غیر محفوظ ہیں، اس حدیث کو ابن ابی شیبہ، طبرانی اور حصن حصین نے بھی نقل فرمایا۔ ۶؎ آپ کا نام کعب ابن مالک ہے، کنیت ابو مالک اشعری ہیں یا اشجعی آپ کے نام میں بہت اختلاف ہے جو ہم نے عرض کیا وہ ہی قوی ہے، (اشعہ)۔ ۷؎ یعنی خدا کا شکر ہے کہ ہم لوگوں نے بخیر و خوبی سویرا پالیا یہاں ملک الٰہی سے وہ حصہ دنیا کا مراد ہے، جس پر اس وقت سویرا ہوا آدھی دنیا کیونکہ آدھی زمین پر دن رہتا ہے اور آدھی پر رات، جب یہاں سویرا ہوتا ہے تو دوسرے حصہ میں شام۔

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَوْمِ فَتْحَهٗ وَنَصْرَهٗ وَنُوْرَهٗ وَبَرَكَتَهٗ وَهُدَاهُ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا بَعْدَهٗ ثُمَّ اِذَا اَمْسٰى فَلْيَقُلْ مِثْلَ ذٰلِكَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ + وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ يَا اَبَتِ اَسْمَعُكَ تَقُوْلُ كُلَّ غَدَاةٍ اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ بَدَنِيْ اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ سَمْعِيْ اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ بَصَرِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ تُكَرِّرُهَا ثَلٰثًا حِيْنَ تُصْبِحُ وَثَلٰثًا حِيْنَ تُمْسِيْ فَقَالَ يَا بُنَيَّ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْ بِهِنَّ فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَسْتَنَّ بِسُنَّتِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ + وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ

اے اللہ میں تجھ سے اس دن کی بھلائی اسکی کشادگی اسکا نور اسکی برکت اور اسکی ہدایت مانگتا ہوں[۱] اور جو اس دن میں ہے اسکی اور اسکے بعد کی شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں[۲] پھر جب شام پائے تو اسطرح کہے[۳] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت عبدالرحمن ابن ابوبکرہ سے[۴] فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے عرض کیا بابا جان میں آپکو ہر صبح یہ کہتے سنتا ہوں[۵] الٰہی مجھے میرے بدن میں عافیت دے الٰہی مجھے میرے کانوں میں عافیت دے الٰہی مجھے میری آنکھوں میں عافیت دے[۶] تیرے سوا کوئی معبود نہیں آپ تین بار مکرر کہتے جب سویرا ہوتا اور تین بار جب شام ہوتی[۷] فرمایا اے بیٹے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعائیں مانگتے سنا تو میں بھی چاہتا ہوں کہ اس سنت کی پیروی کروں[۸] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت عبداللہ

۱؎ کہ تو مجھے اس دن میں علم، عمل، حلال روزی، عبادات کی توفیق بخش۔ ۲؎ یعنی دن بھر مجھے بُرے عمل حرام روزی، گناہوں سے محفوظ رکھ، ایسی شر سے بھی بچائے جس کا اثر آج ہی ختم ہو جائے، اور ایسی شر سے بھی بچا جس کا اثر بعد تک رہے، بعض جرموں کی وجہ سے دو تین سال کی جیل یا پھانسی ہو جاتی ہے یہ ہے شر ما بعدہ۔ ۳؎ مگر اس وقت بجائے اصبحنا کے امسینا کہے، باقی کلمات وہ ہی کہے۔ ۴؎ ابوبکرہ کا نام نُفیع ابن حارث ہے، آپ طائف کی فتح کے دن کفار طائف سے بچتے ہوئے ایک کنوئیں کی چرخڑی سے لٹک کر قلعہ طائف سے باہر آگئے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ابوبکرہ ہو یعنی چرخڑی والے، بکرہ عربی میں کنوئیں کی چرخڑی کو کہتے ہیں، آپ مشہور صحابی ہیں، آپ کے بیٹے عبدالرحمن تابعین میں سے ہیں۔ ۵؎ معلوم ہوا کہ نیک بچے اپنے ماں باپ کے ہر عمل کو بغور دیکھتے سنتے ہیں، اور ان کی عبادتوں، دعاؤں کو یاد کرکے ان کی نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ماں باپ کو چاہیے کہ اچھا نمونہ بنیں کہ اولاد ان کی نقال ہے، بچوں کا پہلا مدرسہ ان کا گھر ہے، اور پہلے معلم ان کے ماں باپ۔ ۶؎ اگرچہ بدن میں کان و آنکھ بھی آگئے تھے، مگر چونکہ زیادہ اچھے بُرے اعمال ان دو اعضاء سے ہوتے ہیں، نیز آنکھوں سے آیات الٰہیہ دیکھی جاتی ہیں اور کانوں سے آیات قرآنیہ سنی جاتی ہیں اس لیے ان دونوں اعضاء کا ذکر علیحدہ فرمایا، اور بمقابلہ آنکھ کے کان زیادہ کارآمد ہیں کہ آنکھ صرف سامنے کو دیکھتی ہے مگر کان ہر طرف کی آواز سنتا ہے، اس لیے کان کا ذکر پہلے ہوا آنکھ کا بعد میں، کوئی پیغمبر کان سے معذور نہ ہوئے۔ ۷؎ یعنی نماز فجر و مغرب کے بعد آپ یہ دعا تین تین بار پڑھتے ہیں، ان دو وقتوں کی خصوصیت اور اکثر دعاؤں وظیفوں کے تین بار ہونے کی وجہ پہلے عرض کی جا چکی ہے۔ ۸؎ یعنی میں ثواب کی نیت سے یہ کلمات پڑھتا ہوں کہ ان کا پڑھنا سنت ہے اور ہر سنت پر عمل ثواب، مجھے اس سے بحث نہیں کہ ان کی تاثیر کیا ہے اور ان کی تاثیر کیا۔ یہ اعلٰی

ابْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصْبَحَ قَالَ اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْکُ لِلّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْکِبْرِیَاءُ وَالْعَظَمَۃُ لِلّٰہِ وَالْخَلْقُ وَالْاَمْرُ وَاللَّیْلُ وَالنَّہَارُ وَمَا سَکَنَ فِیْھِمَا لِلّٰہِ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ ھٰذَا النَّھَارِ صَلَاحًا وَاَوْسَطَہٗ نَجَاحًا وَاٰخِرَہٗ فَلَاحًا یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ذَکَرَہُ النَّوَوِیُّ فِیْ کِتَابِ الْاَذْکَارِ بِرِوَایَۃِ ابْنِ السُّنِّیِّ ۔ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰی قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا اَصْبَحَ اَصْبَحْنَا عَلٰی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ وَکَلِمَۃِ الْاِخْلَاصِ وَعَلٰی دِیْنِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِلَّۃِ اَبِیْنَا اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا وَ

ابن ابواوفی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سویرا پاتے تو یوں کہتے ہم نے اور اللہ کے ملک نے سویرا پایا اللہ کی ہی حمد اور بڑائی اور عظمت اللہ کیلئے ہے[1] اور خلق حکم اور رات دن اور جو ان میں وہ ہیں سب اللہ کیلئے ہیں[2] الٰہی اس دن کا اول درستی بنا اور درمیان کو کامیابی اور آخر کو چھٹکارا بنا اے تمام رحم والوں سے بڑے[3] اسے امام نووی نے کتاب الاذکار میں ابن سنی کی روایت سے بیان کیا روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن ابزی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سویرا پاتے تو کہتے ہم نے اللہ کے دین پر اور اخلاص کے کلمے پر[4] اور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر[5] اور اپنے والد حضرت ابراہیم کی ملت پر سویرا پایا

ان سے دوسرے فوائد کیا ہیں اس سے معلوم ہوا کہ تمام ذکر و اوراد و وظیفے پڑھنے کا ثواب اجازت پر موقوف نہیں وہ ضرور ملے گا کہ اللہ کا ذکر ثواب ہے، اور جو وظیفے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں ان کا دہرا ثواب ہے ایک ذکر خیر کا ثواب دوسرا ادائے سنت کا، رہی اُن کی تاثیر اس کے لیے اجازت بہت ہی مفید ہے بغیر اجازت بھی کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوتا ہے مگر اجازت سے تاثیر بہت بڑھ جاتی ہے، تلوار جا تو کسی کی سان پر چڑھا ہوا خوب کاٹ کرتے ہیں یہ دعائیں تلواریں ہیں بزرگوں کی اجازت ان کی سان۔

[1] کبریائی سے مراد رب تعالٰی کے صفات ذاتیہ ہیں اور عظمت سے مراد صفات فعلیہ ان دونوں قسم کے صفات کا فرق علم کلام میں تفصیل وار مذکور ہے، صفات ذاتیہ کا تعلق ذات رب سے ہے اور فعلیہ کا تعلق مخلوق سے، سورج کا چمکنا اس کا وصف ذاتی ہے اور دوسروں کو چمکانا صفت فعلیہ۔ [2] آہستگی سے پیدا فرمانا خلق ہے اور ایک دم پیدا فرما دینا امر یا مادیات کو پیدا فرمانا خلق ہے اور مجردات کی پیدائش امر یا بالواسطہ پیدا فرمانا خلق ہے اور بلاواسطہ پیدائش امر، رب تعالٰی فرماتا ہے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ یعنی روح عالم امر سے ہے یا صرف کلمہ کُن سے بنی ہے کسی مادہ وغیرہ سے نہیں نیز آسمان و زمین کے نیچے کی چیزیں دن رات میں رہتی ہیں مگر جنت و دوزخ عالم انوار کی خبریں دن رات میں نہیں رہتیں کہ وہاں تک دن رات کی پہنچ نہیں، چونکہ ہماری نظر ان ہی چیزوں پر ہے اس لیے ان کا ہی ذکر فرمایا ورنہ ہر مخلوق اللہ کی ہے۔ [3] سبحان اللہ کیسی جامع دعا ہے، دن کے تین حصے ہیں اول، درمیان، آخری ان تینوں حصوں تین نعمتیں مانگی اول دن میں دین و دنیا کی درستی، اور درمیان میں دین و دنیا کی کامیابی اور آخر میں وہ ظفر جو اچھا خاتمہ نصیب کرے۔ مرقات نے فرمایا کہ یہاں دن کے تین حصوں سے مراد سارے اوقات ہیں چونکہ دن کام کا وقت ہے اس کے ہر حصہ میں ہر نعمت مانگ لی تو رات جو آرام کا وقت ہے اس میں بھی ہر نعمت مانگ لی۔ [4] فطرت کے لغوی معنی ہیں پیدائش، رب تعالٰی فرماتا ہے

مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ ۔ بَابُ الدَّعَوَاتِ فِي الْاَوْقَاتِ ۔ اَلْفَصْلُ
الْاَوَّلُ ۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا
اَرَادَ اَنْ يَّاْتِيَ اَهْلَهٗ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّيْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا فَاِنَّهٗ

حضرت ابراہیم ہر برائی سے دور تھے مشرکوں سے نہ تھے۱ (دارمی) باب . خاص وقتوں کی دعائیں۲ . فصل پہلی . روایت
ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر تم میں سے کوئی جب اپنی بیوی کے پاس جانا چاہے تو یہ
کہہ لے۳ بسم اللہ۔ خدایا ہم کو شیطان سے دور رکھ اور شیطان کو اس بچے سے دور رکھ جو تو ہمیں دے۴ تو اگر

فطر الناس علیھا اور فرماتا ہے فاطر السموٰت والارض، پھر اصطلاح میں پیدائشی حالت کا نام فطرت ہوا شریعت میں سنت انبیاء کو بھی فطرت کہتے ہیں اور سنت کو بھی چونکہ اسلام ہی انسان کا پیدائشی دین ہے کہ ہر بچہ ایمان پر پیدا ہوتا ہے پھر مختلف صحبتیں پاکر مختلف دین اختیار کرتا ہے اس لیے اسے فطرت کہا جاتا ہے، یہاں آخری معنے ہی مراد ہیں۔ ۵ یہ فطرت اسلام کا بیان ہے، لغۃً ہر نبی کا دین اسلام ہے یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزندوں سے فرمایا تھا ولا تموتن الا وانتم مسلمون، اسی لیے فرمایا کہ اسلام سے مراد دین محمدی ہے خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسلام پر ہیں اور حضور کی امت بھی مگر حضور اس دین پر ہیں ہم کو چلانے کے لیے ہم اس راہ پر ہیں چلنے کے لیے، ریلوے لائن پر انجن بھی ہے اور پیچھے والے ڈبے بھی، مگر انجن چلانے کے لیے اور ڈبے چلنے کے لیے، رب فرماتا ہے انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم بلکہ اپنے متعلق بھی فرماتا ہے ان ربی علی صراط مستقیم یعنی رب تعالیٰ سیدھے راستہ پر ملتا ہے جیسے کہا جاتا ہے لاہور سیدھی سڑک پر ہے۔

۱ کفار عرب شرک کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم دین ابراہیمی پر ہیں، اس جملہ میں ان کی تردید ہے کہ حضرت ابراہیم تو مشرک نہ تھے تم مشرک ہو، پھر تم ان کے دین پر کیسے ہوئے، ہم دین ابراہیمی پر ہیں، خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین ابراہیمی پر ہونے کے معنے یہ ہیں کہ آپ کا دین ملت ابراہیمی کے مطابق ہے نہ یہ کہ آپ ان کے متبع ہیں چنانچہ ختنہ، حجامت، قربانی، مہمان نوازی تمام احکام ابراہیمی اسلام میں موجود ہیں۔ ۲ یعنی مختلف اوقات کی مختلف دعاؤں کا باب پچھلے باب میں دائمی اوقات کی دعاؤں کا ذکر تھا جیسے صبح شام سونے جاگنے کی وقت کی دعائیں مگر اس باب میں عارضی اوقات و عارضی حالات کی دعاؤں کا ذکر ہوگا جیسے نکاح، جہاد، وطی وغیرہ کے وقت کی دعائیں، اس باب میں مختلف اوقات اور مختلف حالات دونوں کی دعاؤں کا ذکر ہوگا، مرقات نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دعائیں اتباع سنت کے لیے کم از کم عمر میں ایک بار ضرور پڑھ لی جائیں، اور یہ منقول دعائیں دوسری دعاؤں سے افضل ہیں بلکہ بعض حالات کی دعائیں تلاوت قرآن سے بھی افضل ہیں کہ ان میں اتباع سنت ہے، دیکھو رکوع و سجود و التحیات میں منقول دعائیں ہی پڑھی جائیں گی نہ کہ قرآن کریم، اکثر نوافل گھر میں پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے بھی افضل ہیں کہ ان میں سرکار کی اتباع ہے، افضلیت توان کے دم قدم سے وابستہ ہے۔ ۳ یہ دعا ستر کھولنے سے پہلے پڑھے اور حلال صحبت پر پڑھے، حرام پر پڑھنا سخت جرم ہے بلکہ اس میں کفر کا اندیشہ ہے جیسے شراب نوشی یا خنزیر کھانے یا جوئے پر بسم اللہ پڑھنا، اہل سے مراد بیوی یا لونڈی ہے۔ ۴ یعنی اس صحبت میں شیطان شریک ہو اور نہ بچے کو شیطان کبھی بہکائے، بسم اللہ سے مراد پوری بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے، خیال رہے کہ جیسے شیطان کھانے پینے میں ہمارے ساتھ شریک

اَنْ یُّقَدَّرْ بَیْنَھُمَا وَلَدٌ فِیْ ذٰلِكَ لَمْ یَضُرَّہٗ شَیْطَانٌ اَبَدًا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ ۔ وَعَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ عِنْدَ الْکَرْبِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَعَنْ سُلَیْمٰنَ بْنِ صُرَدٍ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَہٗ جُلُوْسٌ وَاَحَدُھُمَا یَسُبُّ صَاحِبَہٗ مُغْضَبًا قَدِ احْمَرَّ وَجْھُہٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ کَلِمَةً لَّوْ قَالَھَا لَذَھَبَ عَنْہُ مَا یَجِدُ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ

اس صحبت میں انکے نصیب میں بچہ ہو تو اسے شیطان کبھی نقصان نہ دے سکے گا[۱] (مسلم بخاری) روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت تکلیف کے وقت یہ کہتے اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہ عظمت والا حلم والا ہے[۲] اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بڑے عرش کا رب ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمانوں کا رب اور زمین کا رب اور کرم والے عرش کا رب ہے[۳] (مسلم بخاری) روایت ہے سلیمان ابن صرد سے فرماتے ہیں کہ دو شخصوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آپس میں گالی گلوچ کی ہم حضور انور کے پاس بیٹھے تھے[۴] ان میں سے ایک شخص دوسرے کو غضب میں برا بھلا کہہ رہا تھا۔ اس کا منہ سرخ ہوگیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایسی دعا جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص وہ کہہ دے تو اس کی یہ حالت جاتی رہے[۵] جسے محسوس کر رہا ہے

ہو جاتا ہے ایسے ہی صحبت میں بھی، اور جیسے کھانے پینے کی برکت شیطان کی شرکت سے جاتی رہتی ہے ایسے ہی صحبت میں شیطان کی شرکت سے اولاد نالائق اور جناتی بیماریوں میں گرفتار رہتی ہے، اور جیسے بسم اللہ پڑھ لینے سے شیطان کھانے پینے میں ہمارے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا، ایسے ہی بسم اللہ کی برکت سے صحبت میں شیطان کی شرکت نہیں ہوتی جس سے بچہ نیک ہوتا ہے اور آسیب وغیرہ سے بفضلہ تعالٰی محفوظ بھی رہتا ہے، بہتر یہ ہے خاوند بیوی دونوں پڑھ لیں۔

[۱] یعنی بسم اللہ وغیرہ کی برکت سے بچہ کو نہ تو ابلیس کبھی نقصان پہنچا سکے گا نہ اس کی ذریت، بچہ جنون، مرگی وغیرہ جناتی امراض سے بھی محفوظ رہے گا اور مومن رہے گا انشاء اللہ (مرقات)، اس لیے یہاں شیطان نکرہ فرمایا گیا، ایسے بچہ کو انشاء اللہ نیک اعمال کی بھی توفیق ملے گی [۲] اس حدیث کو ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابوداؤد نے حضرت ابن عباس سے مرفوعًا روایت فرمایا، یہ عمل نہایت مجرب ہے، [۳] کرب سے مراد وہ سخت تکلیف یا رنج وغم ہے جو دل کو گھیرے، حلیم کے معنے ہیں عذاب میں جلدی نہ فرمانے والا بلکہ اپنے مجرم کو باز آجانے پر بخش دینے والا اور اس کا غم وغیرہ دور کر دینے والا یعنی یہ تکلیف ہماری کسی خطا کی وجہ سے ہے، رب تعالٰی حلیم ہے معافی دے گا اور اسے دور فرما دے گا، [۴] کریم یا تو رب کی صفت ہے اور مرفوع ہے یا عرش کی صفت ہے اور مجرور، خیال رہے کہ یہاں صرف رب تعالٰی کی حمد ہے دعا کا لفظ ایک بھی نہیں، مگر چونکہ کریم کی حمد بھی دعا ہے نیز ذکر اللہ سے بلائیں ٹلتی ہیں اس لیے اس کا نام دعائے کرب ہے اور اسی کا نام دفع کرب ہے، (لمعات، نووی) یا یہاں زبان پر حمد ہے دل میں سوال (مرقات) [۵] آپ کے آس پاس بیٹھے تھے کھڑے نہ تھے، کیونکہ اس طرح کھڑے ہونے کو حضور انور منع فرماتے تھے کہ بزرگ بیٹھا ہو، اور لوگ ادبًا سامنے کھڑے ہوں، گالی گلوچ کرنے والے غالبًا وہ بدوی نومسلم ہوں گے جنہیں ابھی نہ آداب مجلس کی خبر تھی نہ تہذیب سے خبردار تھے، جیسے ایک بدوی نے خاص

الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ فَقَالُوْا لِلرَّجُلِ لَاتَسْمَعُ مَا يَقُوْلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّيْ لَسْتُ بِمَجْنُوْنٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتُمْ صِيَاحَ الدِّيَكَةِ فَسْئَلُوا اللهَ مِنْ فَضْلِهِ فَاِنَّهَا رَاَتْ مَلَكًا وَاِذَا سَمِعْتُمْ نَهِيْقَ الْحِمَارِ فَتَعَوَّذُوْا بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ فَاِنَّهُ رَاٰى شَيْطَانًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنِ ابْنِ

میں مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں[۴] لوگوں نے اس سے کہا کیا تو سنتا نہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں وہ بولا میں دیوانہ نہیں ہوں[۵] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم مرغ کی آذان سنو تو اللہ سے اس کا فضل مانگو[۶] کیونکہ مرغ فرشتہ کو دیکھتا ہے[۷] اور جب تم گدھے کا ہینگنا سنو تو مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو۔ کیونکہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے[۸] (مسلم بخاری)[۹] روایت ہے حضرت ابن

محراب مسجد میں کھڑے ہوکر پیشاب کیا تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے والے بہت مہذب تھے۔[۲] زیادتی غصہ کی وجہ سے کیونکہ دل کا اثر پہلے چہرے پر ہی پڑتا ہے، چہرہ دل کی کتاب ہے۔[۳] یعنی ان کلمات کی برکت سے دل کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے، اعتدال پر آجائے، جوش ختم ہوجائے۔

[۴] اس عمل کا ماخذ یہ آیت ہے وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ اور ہر شیطانی اثر پر شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے یہ غصہ بھی شیطانی تھا کیونکہ مسلمان بھائی پر تھا اور نفس اور دنیاوی وجہ سے تھا اور گالی گلوچ کرنا بھی شیطانی عمل تھا اس لیے اعوذ باللہ کا حکم دیا گیا۔ کفار پر غصہ یا مسلمان پر کسی دینی وجہ سے غصہ تو عبادت ہے، لہذا حدیث شریف پر یہ اعتراض نہیں کہ اگر غصہ شیطانی چیز ہے تو خود حضور نے بارہا غصہ فرمایا ہے کہ حضور کا غضب عبادت، کیونکہ دین کے لیے تھا اللہ تعالٰی بھی مجرموں پر غضب فرماتا ہے۔[۵] صحابہ کرام نے اس کا جوش ٹھنڈا ہوجانے پر اس سے یہ کہا، اس کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اعوذ تو دیوانہ پر پڑھی جاتی ہے، میں دیوانہ نہیں ہوں کہ اعوذ پڑھوں، فقیر نے عرض کیا تھا کہ یہ شخص یا منافق تھا یا کوئی بدوی نومسلم جو تہذیب و تمدن سے یکسر خالی ہوتے ہیں، اس جواب سے اس کی تائید ہوتی ہے مومن اور واقف شریف تو حضور کے ہر حکم پر مرتا ہے، ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاذ تھے، خدا معلوم کون معاذ مراد ہیں اگر معاذ ابن جبل مراد ہیں تو یہ واقعہ یا ان کے اسلام سے پہلے کا ہے یا بالکل نومسلم ہونے کے وقت کا۔[۶] ظاہر یہ ہے کہ یہاں ہر مرغ کی ہر آواز مراد ہے جیسے ہم مرغ کا اذان دینا کہتے ہیں، بعض لوگوں نے تہجد کے وقت کی مرغ کی آواز مراد لی بعض نے صبح صادق کے وقت کی آواز، مگر پہلے معنے زیادہ ظاہر ہیں کہ حدیث میں کوئی قید نہیں، مرغ کی ہر اذان پر دعا مانگنا چاہیے۔

[۷] یعنی مرغ رحمت کا فرشتہ دیکھ کر بولتا ہے، اس وقت کی دعا پر فرشتے کے آمین کہنے کی امید ہے، بعض روایات میں ہے کہ عرش اعظم کے نیچے ایک سفید مرغ ہے اس کی آواز پر زمین کے مرغ بولتے ہیں واللہ اعلم (اشعہ)، اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی مجلس میں دعا کرنی چاہیے کیونکہ جب بزرگوں کے ذکر پر اللہ کی رحمت اترتی ہے تو ان لوگوں کی موجودگی تو بڑی ہی رحمت کا باعث ہے (مرقات) اولیاء اللہ فرشتوں سے افضل ہیں، جب فرشتے کی موجودگی سے دعائیں قبول ہوتی ہیں تو اولیاء اللہ کی موجودگی یقینًا باعث قبولیت ہے، معلوم ہوا کہ جانور غیبی فرشتوں کو دیکھ لیتے ہیں۔[۸] یعنی گدھا کسی خاص شیطان کو دیکھ کر بولتا ہے، اکثر اس کا بولنا شہوت میں ہوتا ہے، یہ اعلان کرکے مادہ سے صحبت کرتا ہے، اس وجہ سے بھی یہ آواز خبیث ہے، رب تعالٰی نے اس کے متعلق

عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اسْتَوٰى عَلٰى بَعِيْرِهٖ خَارِجًا اِلَى السَّفَرِ كَبَّرَ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِ لَنَا بُعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ

عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کو نکلتے ہوئے اونٹ پر سوار ہو جاتے تو تین بار تکبیر کہتے[1] پھر یہ فرماتے پاک ہے وہ اللہ جس نے اسے ہمارا تابع کر دیا ہم اسے مطیع نہ کر سکتے تھے اور ہم اپنے رب کی طرف پھرنے والے ہیں[2]۔ الٰہی ہم تجھ سے اپنے سفر میں بھلائی پرہیزگاری اور تیرے پسندیدہ عمل کی توفیق مانگتے ہیں[3] اے اللہ ہم پر اس سفر کو آسان فرمادے اور اس کی درازی سمیٹ دے[4] اے اللہ تو ہی سفر میں ساتھی ہے اور گھربار میں والی ہے[5] اے اللہ

فرمایا اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ بدترین آواز گدھے کی ہے، اور فرمایا لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ دوزخیوں کی آواز گدھوں کی سی ہوگی اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ بُروں کی آمد پر اور بُروں کو دیکھ کر اعوذ باللہ پڑھنی چاہیے۔ دوسرے یہ کہ بُری بکواس کی آواز گدھے کی سی آواز ہے، غیبت جھوٹ گانے بجانے، بے دینی کی تقریریں اسی میں داخل ہیں کہ یہ سب شہوت نفسانی کی آوازیں ہیں[6] یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی، نسائی، حاکم نے بھی روایت کی ہے۔

[1] چونکہ اونٹ وغیرہ بلند چیز پر سوار ہوتے وقت انسان کو اپنی بلندی نظر آتی ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان موقعوں پر رب تعالٰی کی کبریائی بیان فرماتے تھے جیسا کہ ٹیلہ پہاڑی پر چڑھتے وقت بھی تکبیر کہتے تھے یا اس تعجب پر تکبیر کہتے کہ رب تعالٰی نے ایسے جانور کو ہمارے قبضہ میں کیسے کر دیا جبکہ مکھی مچھر ہمارے قبضہ سے باہر ہیں۔ [2] یہ قرآن شریف کی آیت ہے، اس میں ہم اپنے عجز، رب تعالٰی کی رحمت کا اقرار کرتے ہیں کہ کہاں ہم جیسے ضعیف البنیان انسان اور کہاں یہ قوی جانور مگر رب تعالٰی کی مہربانی ہے کہ یہ ہمارے تابع فرمان ہیں، یہ ہماری بہادری نہیں بلکہ رب تعالٰی کی مہربانی ہے، دیکھو ہرن نیل گائے بلکہ مکھی وغیرہ کسی طرح ہمارے قابو میں نہیں آتے حالانکہ وہ اونٹ ہاتھی سے کہیں کمزور ہیں، پھر اپنے معاد کا بھی ذکر فرمایا کہ ہمارے یہ قبضے قدرتیں رہنے والی نہیں، ہم ایک دن عاجز ہو کر تیری بارگاہ میں حاضر ہوں گے ہمیں وہ وقت یاد ہے، ہم متکبر نہیں، زندگی کی سواری سے بھی ایک دن اُتر نا پڑے گا۔ نوٹ: جو کوئی خشکی کی سواری ریل، موٹر، ہوائی جہاز، تانگہ وغیرہ پر سوار ہوتے وقت یہ دعا پڑھ لے تو ان شاء اللہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔ [3] سفر میں کبھی ساتھیوں سے لڑائی بھی ہو جاتی ہے اور نیک اعمال میں کمی بھی، اس لیے رب تعالٰی سے بر یعنی بھلائی کی بھی توفیق مانگی اور پرہیزگاری کی بھی، تقویٰ سفر کا روحانی توشہ ہے، بِر سے مراد یا تو ساتھیوں سے اچھا سلوک ہے یا رب تعالٰی کی عطا یا نیک اعمال، اور تقویٰ سے مراد بدخلقی، لڑائی، جھگڑے اور بدعملیوں سے بچنا، خیال رہے کہ محبت و رضا ہم معنی ہیں جیسے کہ ارادہ و مشیت ہم معنی ہیں، مگر رضا و ارادہ میں بڑا فرق ہے جیسا تو رضٰی ارشاد ہوا نہ کہ تریدہ۔ [4] یعنی سفر میں ہم کو بدنی و روحانی راحتیں عطا فرما اور دراز سفر کو مختصر کر دے، جب رب چاہے تو طویل راستہ کو چھوٹا کر دیتا ہے، فرشتے، جنات ہمارے دور نظر خیال کے لیے نیز انبیاء و اولیاء کے لیے دور دراز سفر بہت چھوٹے ہو جاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر معراج میں کروڑوں میل آنا جانا طے کیے، اس دعا کی برکت سے ان شاء اللہ طویل سفر ہلکا بھی ہو جائے گا اور سفر کی تکلیف سے بھی امن رہے گی۔ [5] کہ میرا بھی تو حافظ ہے اور میرے پیچھے میرے گھر والوں کا والی و حامی ہے۔

إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْأَهْلِ وَإِذَا رَجَعَ قَالَهُنَّ وَزَادَ فِيْهِنَّ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَرْجِسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرَ يَتَعَوَّذُ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَدَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَعَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيْمٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

میں تیری پناہ مانگتا ہوں سفر کی مشقتوں سے اور برے انتظار سے اور بری واپسی سے مال اور گھر بار میں[۱] جب واپس ہوتے تو بھی یہی فرماتے ان کلمات میں سے اور بڑھا دیتے ہم لوٹنے والے توبہ کرنے والے رب کے ثنا گو ہیں[۲] (مسلم) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سرجس سے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کرتے تو ان چیزوں سے پناہ مانگتے تھے سفر کے نقصانات سے[۳] اور واپسی کی تکلیف سے[۴] اور بھلائی کے بعد برائی سے[۵] مظلوم کی بد دعا سے[۶] اور گھر بار و مال میں برائی دیکھنے سے (مسلم)[۷] روایت ہے حضرت خولہ بنت حکیم سے[۸] فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔

[۱] یعنے اس سفر میں نہ تو میں برائی کے ساتھ لوٹوں کہ گھر والے مجھے دیکھ کر گھبرا جائیں اور نہ ہی گھر والے کسی آفت میں مبتلا ہوں کہ میں واپسی پر انہیں دیکھ کر گھبرا جاؤں، بہت جامع دعا ہے اس میں چوری، بیماری، ہلاکت و دیگر ناگہانی آفات سے پناہ مانگ لی گئی۔ [۲] یعنے جب سفر سے گھر کی طرف روانہ ہوتے تب تو اللھم انا نسئلك الخ فرماتے، اور جب مدینہ منورہ کی بستی دیکھتے تو ائبون تائبون الخ فرماتے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ گھر پہنچ کر تو سفر ختم ہوتا ہے پھر سفر کی دعا کیوں پڑھتے تھے۔ [۳] وعثاء وعث سے بنا بمعنے نقصان یا وہ مشقت جو رب کے ذکر اور آخرت کی فکر سے روک دے چونکہ سفر گو سفر یعنے دوزخ کا ٹکڑا ہے اس لیے یہ دعا فرماتے۔ [۴] اس طرح کہ جب گھر لوٹوں تو کوئی نقصان دہ چیز نہ دیکھوں، اسی طرح جب سفر دنیا سے وطن آخرت کی طرف واپس جاؤں تو کوئی مصیبت نہ اٹھاؤں، اس دعا میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ [۵] کور عمامہ کے پیچ کو کہتے ہیں اور حور اس پیچ کا کھل جانا یعنی زیادتی کے بعد نقصان، اصلاح کے بعد فساد، جمع ہونے کے بعد بکھرنا، جماعت میں ہونے کے بعد الگ ہو جانا، آرام کے بعد تکلیف، بھلائی کے بعد برائی، ثابت قدمی کے بعد بدل جانا، ان سب سے تیری پناہ رب تعالٰی فرماتا ہے ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ اور فرماتا ہے ﴿يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ﴾ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ترقی کے بعد تنزل، توبہ کے بعد گناہ، ذکر کے بعد غفلت، حاضری کے بعد غائب ہو جانا، ان سب سے پناہ، (لمعات، مرقات مع زیادت)

[۶] چونکہ سفر میں ساتھیوں سے جھگڑے بھی ہو جاتے ہیں خصوصًا عرب میں پانی پر، اور کبھی ان جھگڑوں میں ظلم بھی ہو جاتا ہے، اس لیے سفر کے موقعہ پر مظلوم کی بد دعا سے خصوصیت سے پناہ مانگی گئی، مظلوم کی بد دعا اور قبولیت کے درمیان حجاب نہیں۔

[۸] آپ حضرت عثمان ابن مظعون کی بیوی ہیں، نہایت نیک اور عالمہ تھیں، مگر آپ سے صرف یہی ایک حدیث منقول ہے۔

وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا فَقَالَ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ يَضُرَّهٗ شَیْءٌ حَتّٰى يَرْتَحِلَ مِنْ مَّنْزِلِهٖ ذٰلِكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ، وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا لَقِيْتُ مِنْ عَقْرَبٍ لَدَغَتْنِی الْبَارِحَةَ قَالَ اَمَا لَوْ قُلْتَ حِيْنَ اَمْسَيْتَ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ تَضُرَّكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ، وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا كَانَ فِیْ سَفَرٍ وَاَسْحَرَ يَقُوْلُ سَمَّعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَحُسْنِ بَلَائِهٖ عَلَيْنَا رَبَّنَا صَاحِبْنَا وَاَفْضِلْ عَلَيْنَا عَائِذًا بِاللّٰهِ

جو کسی منزل پر اترے تو یہ کہہ لے میں اللہ کے پورے و کامل کلمات کی پناہ لیتا ہوں اسکی ساری مخلوق کی شر سے ۱ تو اس منزل سے کوچ کرتے وقت تک اسے کوئی چیز نقصان نہ دے گی ۲ (مسلم) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا یا رسول اللہ آج رات مجھے بچھو کے کاٹ لینے سے بہت ہی تکلیف پہنچی ۳ فرمایا اگر تم شام کے وقت یہ کہہ لیتے کہ میں اللہ کے کامل کلموں کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوق کی شر سے تمہیں بچھو تکلیف نہ پہنچا سکتا ۴ (مسلم) روایت ہے انہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے اور سویرا پاتے تو یہ فرماتے سننے والے سن لیں کہ ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں اس کی ہم پر اچھی نعمت ہے ۵ اے ہمارے رب تو ہمارا ساتھی ہو جا اور ہم پر فضل کر ۶

۱ ان کلمات سے مراد یا قرآن کریم ہے یا ساری آسمانی کتب یا اسمائے الٰہیہ یا رب کا کلام نفسی یا اس کا علم یا اس کے فیصلے، تام سے مراد ہے نقصان و عیب سے پاک صوفیاء فرماتے ہیں کہ کلمات اللہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ ان کی ہر بات وحی الٰہی ہے، عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ ہیں، موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں اور ہمارے حضور کلمات اللہ، مخلوق سے وہ مخلوق مراد ہے جس سے شر ہو سکے، اس میں اپنا نفس بھی داخل ہے اور چیزیں بھی۔ ۲ کفار عرب سفر کی منزلوں میں اترتے وقت کہتے تھے کہ ہم اس جنگل کے سردار کی پناہ لیتے ہیں یعنی جنات کی، اللہ کے محبوب نے ہم کو اس کے عوض یہ دعا سکھائی، یہ دعا سفر و حضر میں ہمیشہ ہی صبح شام پڑھا کریں، زہریلی چیزوں سے محفوظ رہو گے، بہت مجرب ہے۔ ۳ مَا موصولہ ہے اور یہ جملہ مبتداء ہے جس کی خبر پوشیدہ ہے، یعنے مجھے جتنی تکلیف پہنچی بیان نہیں کر سکتا یا مَا استفہامیہ ہے اور استفہام تعجب کے لیے یعنے تعجب ہے کہ مجھے کتنی سخت تکلیف پہنچی۔ ۴ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دعا ہمیشہ ہی پڑھنی چاہیے، صبح کے وقت پڑھ لینے سے شام تک زہریلی چیزوں سے امن ہے اور شام کو پڑھ لینے سے صبح تک امن۔ ۵ اس جملہ کی قرأت اور ترجمے میں شارحین نے بہت موشگافیاں کی ہیں، فقیر صرف ایک مطلب عرض کرتا ہے سمع یا تو تفعیل کا ماضی ہے یا باب عَلِمَ کا، اور بہر حال ماضی بمعنی خبر ہے یعنے ہر سننے والا ہماری حمد سن لے یا ہر سننے والا ہماری حمد دوسروں کو سنا دے تاکہ کل قیامت میں گواہی دے، بلاء سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو بغرض امتحان ہم کو دی گئیں، اور حُسن کا عطف حمد پر ہے، اور یہاں اقرار پوشیدہ ہے یعنے ہر سننے والا ہماری حمد بھی سن لے اور رب تعالٰی اچھی آزمائش یعنی اس کی نعمتوں کا اقرار بھی سن لے کہ ہم نعمتوں کے اقراری ہیں ان پر شاکر ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً یہ معنے آسان بھی ہیں اور بہتر بھی، ہاں اپنے حبیب کی مراد کو رب جانے وہ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے ایمان و اعمال پر لوگوں بلکہ پانی و ذروں کو گواہ بنا لینا

مِنَ النَّارِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَفَلَ مِنْ غَزْوٍ اَوْ حَجٍّ اَوْ عُمْرَةٍ يُكَبِّرُ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ مِنَ الْاَرْضِ ثَلٰثَ تَكْبِيرَاتٍ ثُمَّ يَقُولُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اٰيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي اَوْفٰى قَالَ دَعَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

آگ سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں۱ (مسلم) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد یا حج یا عمرہ سے واپس ہوتے۲ تو ہر اونچی زمین پر تین بار تکبیر کہتے۳ پھر کہتے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے اسی کی تعریف ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۴ ہم لوٹ رہے ہیں توبہ کرتے ہیں عبادت کرتے ہیں سجدے کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کرتے ہیں۵ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا اپنے بندے کی مدد کی اور احزاب کو اکیلے ہی بھگا دیا۶ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

بہتر ہے کہ کل قیامت میں ان کی گواہی کام دے گی، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ سمع خبری ہو اور معنی یہ ہوں کہ ہماری حمد و ثنا کسی سے چھپی نہیں بلکہ سننے والوں نے سن لی ہے وہ خوب جانتے ہیں۔۱۰ یعنی الٰہی تو ہمارا حافظ و ناصر ہو جا اور ہم پر اپنا فضل و کرم دائم قائم رکھ۔

۱ ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی اس دعا کا جز ہے اور حضور علیہ السلام کا فرمان، یعنے میں آگ سے اللہ کی پناہ لیتے ہوئے یہ کہہ رہا ہوں، اور ہو سکتا ہے کہ یہ راوی کا کلام ہو یعنے حضور علیہ السلام رب کی پناہ لیتے ہوئے یہ کلمات فرماتے تھے، عائذًا مصدر نہیں بلکہ اسم فاعل ہی ہے۔ ۲ یعنی اپنے ہر سفر سے واپسی میں یہ فرماتے، مگر چونکہ حضور علیہ السلام نے بعد نبوت سفر دنیا کے لیے کئے ہی نہیں بلکہ آپ کے سفر ان تین قسموں کے ہی ہوتے اس لیے راوی نے اس طرح بیان کیا۔ ۳ تاکہ اس کی حمد مطابق حال کے ہو، کیونکہ اس وقت خود زمین سے بلند ہو رہے ہیں اس لیے اللہ کی بلندی کا ذکر کیا اور اترتے وقت رب کی تسبیح پڑھتے تھے۔ ۴ ان کلمات کی شرح بارہا ہو چکی ہے یہ چوتھے کلمے کے الفاظ ہیں اور رب تعالٰی کی بہترین حمد اس موقع پر یہ اس لیے پڑھا گیا تاکہ معلوم ہو کہ ہمارا بخیریت لوٹنا رب تعالٰی ہی کی قدرت سے ہے، صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کی موت تعجب نہیں بلکہ اس کی زندگی تعجب ہے کہ اتنی آفتوں میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود کیسے جیتا ہے اور کیسے چلتا پھرتا ہے۔ ۵ یعنی ہم بفضلہ تعالٰی بخیریت اپنے وطن کو لوٹ رہے ہیں اور اس سفر میں جو عبادتوں میں کوتاہی ہو گئی ہو اس سے توبہ کرتے ہیں، اور وعدہ کرتے ہیں کہ ہمیشہ رب کے عابد اور اس کے حضور ساجد رہیں گے، ترمذی کی روایت میں بجائے سَاجِدُونَ کے سَائِحُونَ ہے سیح سے مشتق بمعنے پانی کا بہنا یعنے ہم مطلوب کی طرف بآسانی جا رہے ہیں۔ ۶ اس میں خدا کی تین نعمتوں کا ذکر ہے، ایک اسلام کے غلبے کا وعدہ فرمانا اور اُسے پورا کر دینا، دوسرے اپنے بندۂ خاص حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری مدد صحابہ کے ذریعہ، اور باطنی مدد ہواؤں اور فرشتوں کے ذریعہ فرمانا، اور تیسرے غزوۂ احزاب جسے غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں اس میں کفار کے لشکر جرار کو تیز ہوا سے بھگا دینا، ورنہ مسلمان اُس وقت بچ نہ سکتے تھے کیونکہ بارہ ہزار کفار کا لشکر مدینہ منورہ پہ باہر سے حملہ آور ہوا تھا اور ادھر خود مدینہ کے یہود نے عہد شکنی کر کے

وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاَحْزَابِ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ اللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ اَللّٰهُمَّ اهْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَبِيْ فَقَرَّبْنَا اِلَيْهِ طَعَامًا وَّوَطْبَةً فَاَكَلَ مِنْهَا ثُمَّ اُتِيَ بِتَمْرٍ فَكَانَ يَاْكُلُهُ وَيُلْقِي النَّوٰى بَيْنَ اِصْبَعَيْهِ وَيَجْمَعُ السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطٰى وَفِيْ رِوَايَةٍ فَجَعَلَ يُلْقِي النَّوٰى عَلٰى ظَهْرِ اِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى ثُمَّ اُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَهُ فَقَالَ اَبِيْ وَاَخَذَ بِلِجَامِ دَابَّتِهٖ اُدْعُ اللّٰهَ لَنَا فَقَالَ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَ

احزاب کے دن مشرکوں پر بددعا کی عرض کیا اے اللہ اے کتاب اتارنے والے جلد حساب لینے والے اے اللہ احزاب کو بھگا دے اے اللہ انہیں شکست دے اور انہیں ہلا ڈال (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے والد کے پاس تشریف لائے تو ہم نے آپکی خدمت میں کھانا اور کھجور کا حلوہ پیش کیا اس سے حضور نے کچھ کھایا پھر چھوارے حاضر کیے گئے تو انہیں کھانے لگے اور گٹھلیاں دو انگلیوں کے بیچ لیکر پھینکنے لگے کہ کلمہ کی اور بیچ کی انگلی جمع فرماتے اور ایک روایت میں ہے کہ گٹھلیاں اپنی کلمہ کی اور بیچ کی انگلی کی پشت پر ڈالنے لگے پھر پانی لایا گیا حضور نے پیا پھر میرے والد نے آپکے گھوڑے کی لگام پکڑ کر عرض کیا حضور ہمارے حق میں اللہ سے دعا فرمادیجئے تو فرمایا الٰہی جو تو انہیں روزی دے اس میں برکت دے اور انہیں بخش

مسلمانوں کو فنا کرنے کی ٹھان لی تھی اندیشہ تھا کہ اس موقعہ پر مسلمان ان بیرونی اور اندرونی دشمنوں میں پھنس کر ایسے پس جاتے جیسے چکی میں دانہ رب تعالٰی خود فرماتا ہے اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اور ہوسکتا ہے کہ احزاب سے مراد کفار کی ساری جماعتیں ہوں۔

۱؎ احزاب یعنی غزوۂ خندق کا کچھ ذکر ابھی ہوچکا، چونکہ اس موقعہ پر عرب کی ساری ہی کفار جماعتیں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے شہر کے آس پاس خندق کھدوائی تھی اس لیے اسے غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں اور خندق بھی، دعا کا مقصد یہ ہے کہ اے مولیٰ تو تو ایسی قدرت والا ہے کہ آسمان سے کتابیں اتار سکتا ہے، ساری مخلوق کا حساب قیامت میں چار گھنٹہ میں لے لیگا تیرے نزدیک ان سارے کفار کو بھگا دینا ہمیں ان سب کے شر سے بچالینا کیا مشکل ہے، خدایا اپنی قدرت دکھادے، انہیں بھگادے ہمیں بچالے، حضور علیہ السلام کی دعا لفظ بلفظ قبول ہوئی کہ ایک تیز ہوا چلی جس سے کفار کے خیمے اُڑ گئے، جانور بھاگ گئے اور ان کی جماعتیں تتر بتر ہوگئیں، اگر حضور علیہ السلام دعا کردیتے کہ انہیں ہلاک کردے، تو ایک کافر بھی بچ کر نہ جاتا۔ ۲؎ مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں رُطَبَۃٌ ہے ر کے ساتھ بعض نسخوں میں وَطِیْئَۃٌ ہے یعنی مل ہوئی کھجوریں جس میں مکھن ملا ہو، اور بعض میں وَطْبَۃٌ ہے یعنی گٹھلی نکالی ہوئی کھجوریں جنہیں گھی یا پنیر یا مکھن سے کھایا جائے، یہی زیادہ مشہور ہے، بعض لوگوں نے کہا کہ وطبہ کھجور کے شربت کو کہتے ہیں، مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے یعنی ہم نے آپ کی خدمت میں تین چیزیں پیش کیں کھانا، کھجور کا حلوا اور چھوارے، معلوم ہوا کہ مہمان کی خدمت کے لیے کھانے میں قدرے تکلف کرنا سنت ہے۔ ۳؎ یعنی چھوارے کھا کر اُس کی گٹھلیاں اس انداز سے پھینکتے تھے کہ کلمہ اور بیچ کی انگلی ملا کر ان کی پشت پر لیتے اور پھینک دیتے، معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور علیہ السلام کی اداؤں کو بھی یاد رکھتے اور ان کی روایت کرتے تھے۔ ۴؎ یعنی میرے والد حضور علیہ السلام کو پہنچا۔

ارحمهم رواه مسلم. الفصل الثاني عن طلحة بن عبيد الله ان النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا رأى الهلال قال اللهم اهله علينا بالامن والايمان والسلامة والاسلام ربي وربك الله رواه الترمذي وقال هذا حديث حسن غريب. وعن عمر بن الخطاب وابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من رجل رأى مبتلى فقال الحمد لله الذي عافاني مما ابتلاك وفضلني على كثير ممن خلق تفضيلا الا لم يصبه ذلك

ان پر رحم کر[۱] (مسلم) دوسری فصل: روایت ہے حضرت طلحہ ابن عبید اللہ سے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب چاند دیکھتے[۲] تو کہتے اے اللہ۔ اسے ہم پر امن و امان، سلامتی اور اسلام کا چاند بنا کر چمکا[۳] اے چاند میرا اور تیرا رب اللہ ہے[۴] (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب اور حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی شخص نہیں جو کسی گرفتار بلا کو دیکھے[۵] تو یہ کہے شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھے اس آفت سے بچایا جس میں تجھے مبتلا کیا اور اس نے مجھے بہت سی مخلوق پر بزرگی بخشی[۶] مگر اسے یہ بلا نہ پہنچے گی۔

کے لیے لگام شریف پکڑ کر آگے آگے چلے اور جب کچھ دور پہنچا کر لوٹنے لگے، تو دعا کے لیے عرض کیا، معلوم ہوا کہ بزرگوں کی لگام یا رکاب پکڑنا اظہار عجز کے لیے سنت صحابہ ہے اور مہمان کو وداع کے وقت کچھ دور پہنچانے جانا بھی سنت ہے، خیال رہے کہ ان صحابی نے کھانا کھلاتے ہی اس دعا کی درخواست نہ کی، تاکہ یہ دعا اس خدمت کا معاوضہ نہ بن جائے اور اخلاص میں فرق نہ آجائے، فقہاء فرماتے ہیں کہ مہمان کو کھانا کھلا کر دعا نہ کرائے، اور فقیر کو صدقہ دے کر دعا نہ کرائے، وہ خود دعا کریں تو ان کی مہربانی، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں سے دعا کرانا سنت صحابہ ہے، اگرچہ یہ خود بھی بزرگ ہوں، حضرات صحابہ کرام اولیاء کے اولیاء ہیں، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کراتے ہیں۔

۱ بہت جامع دعا ہے روزی میں جسمانی روحانی تمام روزیاں داخل ہیں، مغفرت سے گناہوں کی بخشش اور رحم سے خیر کی توفیق اور اس کی قبولیت مراد ہے۔

۲ عربی میں پہلی دوسری تیسری رات کے چاند کو ہلال کہتے ہیں پھر قمر یعنی جب سرکار مہینہ کا چاند پہلی بار دیکھتے تو یہ دعا مانگتے۔ ۳ اس طرح کہ یہ چاند ہمارے لیے تیری نعمتیں لایا ہو، اور اس مہینہ میں ہمیں تیری یہ نعمتیں ملیں، خیال رہے کہ اوقات رحمات و آفات کا ظرف تو ہیں مگر کبھی سبب بھی ہوتے ہیں جیسے گرمی اور سردی کا سبب وقت ہے، نمازوں کے وجوب کا سبب وقت ہے، ایسے ہی کبھی روحانی حالات کا سبب بھی وقت بن جاتے ہیں، لہذا یہ دعا اپنے ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ ۴ اس میں مشرکین کی تردید ہے جو چاند سورج کو معبود جان کر ان کی پوجا کرتے تھے خطاب چاند سے ہے سنانا انسان کو ہے۔ ۵ بلا خواہ جسمانی ہو جیسے کوڑھ، اندھاپن یا اور کوئی بیماری، یا مالی جیسے قرض، فقر، تنگی رزق وغیرہ، یا دینی جیسے کفر، فسق ظلم، بدعت وغیرہ غرضکہ ہر مصیبت کے لیے یہ دعا اکسیر ہے (لمعات، مرقات)۔ ۶ یہ دعا بہت آہستہ کہے کہ وہ مصیبت زدہ نہ سنے، ورنہ اسے رنج ہوگا (لمعات)، مگر فاسق و فاجر کو سنا کر یہ دعا پڑھے تاکہ اُسے عبرت ہو اور اپنے فسق سے توبہ کرے (مرقات) خیال رہے کہ یہ شکر اپنی عافیت پر ہے نہ کہ اس کی آفت پر کیونکہ دوسرے کی مصیبت پر خوش ہونا سخت جرم ہے چونکہ یہ دعا آفت زدہ کو دیکھتے ہوئے پڑھی جائے گی اس لیے خطاب کی ضمیر آئی۔

الْبَلَاءُ كَائِنًا مَا كَانَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَعَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ الرَّاوِيُّ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ ﴿وَعَنْ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ السُّوْقَ فَقَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ أَلْفَ أَلْفِ حَسَنَةٍ وَمَحَا عَنْهُ أَلْفَ أَلْفِ سَيِّئَةٍ وَرَفَعَ لَهُ أَلْفَ أَلْفِ دَرَجَةٍ وَ

جو بلا بھی ہوئے (ترمذی) اور ابن ماجہ نے اسے حضرت ابن عمر سے روایت کیا اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور عمرو ابن دینار راوی قوی نہیں[1] روایت ہے حضرت عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بازار میں داخل ہونے پر یہ کہے[2] کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اکیلا ہے وہ جس کا کوئی ساجھی نہیں۔ اسی کا ملک ہے اسی کی تعریف ہے زندگی اور موت دیتا ہے وہ خود زندہ ہے جو کبھی نہ مرے گا اسی کے قبضہ میں خیر ہے[3] اور وہ ہر چیز پر قادر ہے[4] تو اللہ اس کے لیئے دس لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور اسکے دس لاکھ گناہ مٹاتا ہے اور اسکے دس لاکھ درجے بلند کرتا ہے اور

[1] یہ دعا اکسیر اعظم ہے، بہت لوگوں نے اس کی آزمائش کی ہے، فقیر کا اس پر خود عمل ہے، اسے نہایت مجرب پایا، ہر مسلمان اسے یاد کرے، انشاء اللہ بہت فائدہ اٹھائے گا۔ [2] ترمذی نے یہ حدیث دو اسنادوں سے روایت کی، حضرت ابو ہریرہ اور سید نا عمر ابن خطاب سے پہلی اسناد کو حسن اور دوسری کو ضعیف کہا مطلقًا ضعیف نہ کہا، اور اگر ضعیف بھی ہوتی تب بھی عمل اُمت اور تجربہ اُمت سے قوی بن جاتی، جیسا کہ بارہ ہزار کلمہ والی حدیث کو ضعیف کہا گیا ہے لیکن کشف اولیاء اور تجربہ اُمت سے حدیث صحیح مانی گئی، اس ضعیف کے قوی ہو جانے کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں مطالعہ فرمایئے۔

[3] عربی میں بازار کو سوق کہتے ہیں کیونکہ یہ سوق سے بنا بمعنے جانا اور لے جانا، چونکہ لوگ بازار میں خود بھی جاتے ہیں اور اپنے سامان بھی لے جاتے ہیں۔ اس لیئے اسے سوق کہا جاتا ہے، بعض نے کہا کہ یہ ساق کی جمع ہے بمعنے پنڈلی، چونکہ لوگ بازار میں اکثر اپنی پنڈلیوں پر کھڑے ہی ہوتے ہیں بیٹھتے کم ہیں اس لیئے اسے سوق کہتے ہیں، بازار غفلت شیطان کے تسلط اور اکثر جھوٹ، دھوکے کی جگہ ہے، اس لیئے وہاں جاتے وقت اس دعا کا ثواب بھی زیادہ ہے، بہتر ہے کہ یہ دعا آہستہ پڑھے تاکہ ریا سے دُور رہے، اور اگر اس لیئے کچھ آواز سے بھی پڑھ لے کہ دوسرے بھی یہ پڑھ لیں تو مضائقہ نہیں۔

[4] اگرچہ شر بھی اللہ تعالٰی ہی کے قبضہ میں ہے، مگر چونکہ شر کو رب تعالٰی کی طرف نسبت دینے میں بے ادبی ہے اس لیئے صرف خیر کا یہاں ذکر کیا، کہنا یہ چاہیئے کہ خیر رب تعالٰی کی طرف سے ہے شر میری طرف سے۔ [5] اس دعا کی برکت سے انشاء اللہ یہ شخص اس مبارک جماعت میں داخل ہو جائے گا جس کا ذکر اس آیت میں ہے "رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" وہ لوگ جنہیں تجارتی کاروبار اللہ کے ذکر سے نہیں روکتا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ شیطان بازار ہی میں اپنے انڈے بچے دیتا ہے وہاں ہی اس کے جھنڈے گڑھتے ہیں، وہاں ہی نوے فی صد گناہ ہوتے ہیں، اس لیئے وہاں یہ دعا پڑھنا بہت بہتر ہے، دکاندار حضرات ضرور پڑھ لیا کریں کہ انہیں اکثر وقت وہاں ہی رہنا ہوتا ہے، آج کل کچہریاں بازاروں سے بدتر ہیں، وہاں بھی یہ دعا ضرور پڑھے (از مرقات مع زیادہ)

بَنَى لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ مَنْ قَالَ فِيْ سُوْقٍ جَامِعٍ يُبَاعُ فِيْهِ بَدَلَ مَنْ دَخَلَ السُّوْقَ ۔ وَعَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَدْعُوْ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ تَمَامَ النِّعْمَةِ فَقَالَ اَيُّ شَيْءٍ تَمَامُ النِّعْمَةِ قَالَ دَعْوَةٌ اَرْجُوْ بِهَا خَيْرًا فَقَالَ اِنَّ مِنْ تَمَامِ النِّعْمَةِ دُخُوْلَ الْجَنَّةِ وَالْفَوْزَ مِنَ النَّارِ وَسَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ فَقَالَ قَدِ اسْتُجِيْبَ لَكَ فَسَلْ وَسَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا وَهُوَ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ

اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے[۱] (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور شرح سنہ میں یوں ہے[۲] کہ جو بھرے بازار میں جائے جہاں تجارت ہوتی ہے مَنْ دَخَلَ السُّوْقَ کے عوض[۳] روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعا مانگتے ہوئے یہ کہتے ہوئے سنا۔ الٰہی میں تجھ سے پوری نعمت مانگتا ہوں تو حضور نے فرمایا پوری نعمت کون چیز ہے[۴] وہ بولا کہ یہ ایک دعا ہے جس سے میں بھلائی کی امید کرتا ہوں[۵] تو فرمایا کہ پوری نعمت جنت کا داخلہ اور آگ سے نجات ہے[۶] اور ایک شخص کو کہتے سنا اے بزرگی واکرام والے تو فرمایا تیری قبول ہوگئی اب مانگ لے[۷] اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا الٰہی میں

۱ اگر دونوں الف کو زبر اور درجہ کو بھی زبر پڑھا جائے تو معنی ہوں گے ہزار ہزار یعنی ہزار ہا نیکیاں، یہ ہی ترجمہ اشعۃ اللمعات نے کیا اور اگر پہلے الف کو زبر اور دوسرے الف کو کسرہ یعنی زیر اور حسنہ کو زیر ہی پڑھا جائے، تو معنی ہوں گے ہزار جگہ ہزار یعنی دس لاکھ سو ہزار ایک لاکھ، دس سو ہزار دس لاکھ، دوسرے معنی فقیر نے اس لیے اختیار کیے کہ رب تعالٰی کی رحمت بہت وسیع ہے اور اس کے خزانوں میں کمی نہیں۔ ۲ شرح سنہ صاحب مصابیح کی ہی کتاب ہے، جیسا کہ دیباچہ میں عرض کیا گیا۔ ۳ بازار کی جتنی رونق زیادہ اور وہاں جتنا کاروبار زیادہ اتنے ہی وہاں گناہ زیادہ اسی لیے اس قدر دعا کا ثواب زیادہ مرقات نے فرمایا کہ قتیبہ ابن مسلم بادشاہ خراسان یہ حدیث سن کر یہ دعا پڑھنے کے لیے روزانہ بازار جاتے تھے اور یہ دعا پڑھ کر لوٹ جاتے۔ ۴ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال امتحان کے طور پر ہے کہ تیری دعا تو بڑی ہی پیاری ہے، بتا تو نے اس کا مطلب کیا سمجھا ہے اور کس نیت سے یہ دعا مانگتا ہے معلوم ہوا کہ دعا کے الفاظ بھی اچھے چاہئیں اور نیت بھی اعلٰی، وہاں لفظ کے ساتھ نیت بھی دیکھی جاتی ہے۔ ۵ بھلائی سے مراد بہت مال ہے یعنی تمام نعمت سے میری مراد بہت سا مال ہے رب مجھے خوب مالدار کردے، سچ ہے ؎ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست ۶ یعنی پہلے ہی جنت میں پہنچ جانا اس طرح کہ دوزخ میں بالکل نہ جائے یہ تمام نعمت ہے اور اگر دوزخ میں کچھ سزا پاکر پھر جنت میں جائے تو یہ بھی اگرچہ نعمت تو ہے مگر پہلی نعمت اس سے اعلٰی ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مِن فرما کر یہ بتایا کہ اور چیزیں بھی تمام نعمت ہیں، لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ اسلام پر جینا ایمان پر مرنا بھی تمام نعمت ہے، مقصد یہ ہے کہ صرف مال کی زیادتی تمام نعمت نہیں، تو اس کی نیت ہی نہ کیا کر بلکہ آگ سے نجات کی نیت کر۔ ۷ بعض لوگوں نے ذا الجلال والاکرام کو اسم اعظم مانا ہے، ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حمد الٰہی قبول دعا کے لیے اکسیر اعظم ہے، پھر جیسی اعلٰی حمد ہوگی ویسی

اَسْأَلُكَ الصَّبْرَ فَقَالَ سَأَلْتَ اللّٰهَ الْبَلَاءَ فَاسْئَلْهُ الْعَافِيَةَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَعَنْ اَبِيْ
هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا فَكَثُرَ فِيْهِ لَغَطُهٗ
فَقَالَ قَبْلَ اَنْ يَّقُوْمَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ
اَتُوْبُ اِلَيْكَ اِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا كَانَ فِيْ مَجْلِسِهٖ ذٰلِكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ
الْكَبِيْرِ، وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ اُتِيَ بِدَابَّةٍ لِيَرْكَبَهَا فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهٗ فِي الرِّكَابِ قَالَ بِسْمِ
اللّٰهِ فَلَمَّا اسْتَوٰى عَلٰى ظَهْرِهَا قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا

تجھ سے صبر مانگتا ہوں تو فرمایا کہ تو آفت مانگ رہا ہے اللہ سے عافیت مانگ ۱؎ (ترمذی) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے
ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی جگہ بیٹھے جہاں شور و شغب زیادہ ہوئے۲؎ تو اٹھنے سے پہلے یہ کہہ لے پاک ہے تو اے
اللہ اور تیری حمد ہے۳؎ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۴؎
مگر اس کی تمام وہ حرکات معاف کردی جائیں گی جو اس مجلس میں ہوئیں۵؎ (ترمذی، بیہقی، دعوات کبیر) روایت ہے حضرت علی سے
کہ آپ کی خدمت میں سواری کے لیے ایک گھوڑا لایا گیا۶؎ آپ نے جب رکاب میں پیر رکھا۷؎ تو فرمایا۔ بسم اللہ۔ جب اس کی پیٹھ پر بیٹھ گئے
تو فرمایا الحمدللہ۸؎ پھر فرمایا پاک ہے وہ رب جس نے اسے ہمارا تابعدار بنایا اور

ہی اعلیٰ قبولیت بھی ہوگی انشاءاللہ یہی درود شریف کا حال ہے کہ جس قدر اخلاص کے ساتھ جیسا اعلیٰ درود شریف ہوگا ویسی ہی دعا کی قبولیت۔
۱؎ یعنی صبر تو آفت یا مصیبت پر ہوتا ہے، تو صبر مانگنا درپردہ اپنی آفتوں کا مانگنا ہے بلکہ آفت آجانے پر بھی بعض اولیاء اللہ صبر نہیں مانگتے بلکہ آفت کا
دفعیہ مانگتے ہیں، ہاں بوقتِ امتحان صبر طلب کرتے ہیں، جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر بھی دی اور صبر کی
دعا بھی، غرضکہ مختلف موقعے مختلف ہی دعا حسبِ حال مانگنی چاہیے۔ ۲؎ لغط سے مراد بے فائدہ گفتگو جس میں وقت ضائع ہو کہ یہ بھی نقصان دہ چیز
ہے بعض نے فرمایا کہ بیہودہ گفتگو لغط ہے جس میں حق اللہ ضائع ہو غرضکہ فریب، جھوٹ، غیبت اس سے خارج ہیں کہ یہ چیزیں حقوق العباد میں سے ہیں
بغیر معاف کرائے معاف نہ ہوں گی۔ ۳؎ اس دعا کا ماخذ یہ آیت ہوسکتی ہے۔ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ۔ ۴؎ یعنی اس اضاعتِ
وقت کے قصور اور تیری نعمت زبان کو غلط استعمال کرنے کی غلطی سے توبہ کرتا ہوں میں قصور مند بندہ ہوں، تو غفور رحیم رب ہے
معافی دیدے، سبحان اللہ کیسی پاکیزہ دعا ہے۔ ۵؎ بخشش سے وہ ہی مراد ہے جو ابھی اوپر عرض کیا گیا، کہ جیسے مال برباد کرنا گناہ ہے ایسے
ہی وقت برباد کرنا بھی گناہ، وقت مال سے زیادہ لائق قدر ہے، اسی گناہ کی معافی مانگی گئی۔ ۶؎ لغۃً دابۃ ہر جانور کو کہتے ہیں، رب تعالٰی
فرماتا ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا، مگر اصطلاح میں دابۃ گھوڑے کو کہا جاتا ہے، وہ ہی یہاں مراد ہے، آپ کی خدمت
میں گھوڑا حاضر کیا گیا تھا۔ ۷؎ رکاب بمعنی آلہ رکوب جس میں پاؤں رکھ کر سوار ہوتے ہیں۔ ۸؎ یہ حمد سواری ملنے کے شکریہ پر ہے یعنی خدایا
تیرا شکر ہے کہ تو نے ہماری آسانی کے لیے ہم کو سواری بخشی، بہت لوگ مجبوراً پیدل سفر کرتے ہیں۔

كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثَلٰثًا وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ثَلٰثًا سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْلِىْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ثُمَّ ضَحِكَ فَقِيْلَ مِنْ اَىِّ شَيْءٍ ضَحِكْتَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ كَمَا صَنَعْتُ ثُمَّ ضَحِكَ فَقُلْتُ مِنْ اَىِّ شَيْءٍ ضَحِكْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَعْجَبُ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِىْ ذُنُوْبِىْ يَقُوْلُ يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ غَيْرِىْ رَوَاهُ

ہم اسے مطیع نہ کرسکتے تھے اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں[1] پھر تین بار کہا الحمد للہ اور تین بار اللہ اکبر پاک ہے تو میں نے یقینًا اپنی جان پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے، تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخش سکتا[2] پھر آپ ہنسے[3] عرض کیا گیا اے امیر المومنین آپ کس چیز سے ہنس رہے ہیں تو فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے وہ ہی کیا جو میں نے کیا پھر آپ ہنسے[4] میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کس چیز سے ہنستے ہیں فرمایا کہ تمہارا رب اپنے بندے سے خوش ہوتا ہے[5] جب وہ کہتا ہے خدایا میرے گناہ بخش دے رب فرماتا ہے میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی گناہ بخشتا نہیں[6]

[1] یہ قرآن شریف کی آیت ہے اس کی شرح ابھی فصل اول میں گزر گئی، خلاصہ یہ ہے کہ مولیٰ ان قوی جانوروں کا ہم کمزور انسانوں کے قبضہ میں آجانا تیری مہربانی سے ہے ہم تو مچھر مکھی کو تابع نہیں کرسکتے، پھر ہم پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ ہم کو خود اپنے ہاتھ پاؤں پر بھی اختیار و قبضہ نہ رہیگا یعنے بعد موت ہم کو وہ وقت یاد ہے، ہم اس نعمت پر متکبر نہیں تیرے شکر گزار ہیں، سبحان اللہ کیسی جامع اور برمحل دعا ہے۔ [2] یعنی میری خطاؤں وگناہوں کے باوجود تو نے مجھے یہ سواری وغیرہ کی نعمتیں بخشیں، تو مجھے امید ہے کہ تو اپنے کرم سے مجھے معافی بھی دے دیگا میں نے وہ ہی کیا جو گنہگار کرتے ہیں تو وہ ہی کر جو ستار و غفار کی شان ہے۔ [3] یعنی مسکرائے، قہقہہ نہ لگایا، مسکرانا اظہار خوشی کے لیے ہوتا ہے قہقہہ دل کی غفلت سے، اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے بہت تھے قہقہہ کبھی نہ لگا۔ [4] یعنی میں قولی و عملی سنتوں پر عمل کررہا ہوں اس موقعہ پر یہ دعا مانگنا سنت قولی ہے اور اس وقت تبسم کرنا سنت عملی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی نقل کرتے تھے، اسے ثواب سمجھتے تھے، اور یہ بھی پتہ لگا کہ حضور علیہ السلام کی ہر سنت پر عمل کرنا باعث ثواب ہے حتی کہ ہنسنا اور رونا بھی۔ [5] خلاصہ یہ ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت میں ہنس رہا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کی موافقت میں تبسم فرمایا تھا، تو یہ عمل سنت رسول بھی ہے اور سنت الٰہیہ بھی، رب تعالیٰ تعجب کرنے، ہنسنے سے پاک ہے، اس لیے وہاں ان الفاظ کے معنے ہوتے ہیں خوش ہونا، رب تعالیٰ کی رضا و خوشی اس کی شان کے لائق ہے، ہماری رضا و خوشی ہماری حیثیت کے موافق ہے۔ [6] معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ اس بندے سے بہت راضی و خوش ہوتا ہے جو اپنے کو بے کس و گنہگار جانے، اور رب تعالیٰ کو قادر و غفار جانے یہ ہی حال بارگاہ مصطفوی کا ہے کہ وہاں بھی بے کسی پر رحم بہت ہوتا ہے، شعر

دیکھیں جو بے کسی تو انہیں رحم آگیا ✽ گھبرا کے ہو گئے وہ گنہگار کی طرف

خیال رہے کہ گناہ تو اللہ تعالیٰ ہی بخشتا ہے، اس کے محبوب بندے شفاعت تو کرتے ہیں، مگر براہ راست گناہ بخشتے نہیں، مگر حقوق بندے بھی معاف

أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَدَّعَ رَجُلًا أَخَذَ بِيَدِهٖ فَلَا يَدَعُهَا حَتّٰى يَكُوْنَ الرَّجُلُ هُوَ يَدَعُ يَدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَقُوْلُ أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَاٰخِرَ عَمَلِكَ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَتِهِمَا لَمْ يَذْكُرُوْا اٰخِرَ عَمَلِكَ • وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الْخَطْمِيِّ

(احمد، ترمذی، ابوداؤد) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو وداع فرماتے ۱؎ تو اس کا ہاتھ پکڑ لیتے خود اسے نہ چھوڑتے حتی کہ وہ شخص ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ چھوڑ دیتا ۲؎ اور فرماتے میں تیرا دین تیری امانت اور تیرا آخری عمل اللہ کے سپرد کرتا ہوں ۳؎ اور ایک روایت میں ہے خاتم کا عمل (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) ان دونوں کی روایات میں آخر عملک کا ذکر نہیں ۴؎ روایت ہے حضرت عبداللہ خطمی سے ۵؎

کر سکتے ہیں، میں اپنا قرض یا حقوق معاف کر سکتا ہوں، لہذا حدیث بالکل واضح ہے، جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے گناہ یا کفارے معاف فرما دیئے وہ باذن الٰہی تھے، ان معافیوں کی بہت مثالیں ہیں جو ہم نے اپنی کتاب سلطنت مصطفٰے میں بیان کی ہیں۔

۱؎ صحابہ کرام سفر کو جاتے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اس بارگاہ عالی سے وداع ہوتے تھے اس وقت کا یہاں ذکر ہو رہا ہے اب بھی زائرین مدینہ منورہ سے چلتے وقت آخری سلام کے لیے روضۂ انور پر حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں الوداع الوداع یا رسول اللہ الفراق الفراق یا حبیب اللہ، ہم نے ایک وداعیہ قصیدہ عرض کیا تھا جس کے کچھ شعر یہ ہیں ؎

دور سے آئے تھے پردیسی غلام ∴ عرض کرنے کو غلامانہ سلام
آستانہ سے وداع ہوتے ہیں اب ∴ یہ فرماؤ کر بلواؤ گے کب
چشم رحمت سے نہ کریو جدا ∴ رکھیو اپنے سایہ میں ہم کو سدا

اس وقت جو دل کا حال ہوتا ہے وہ وداع ہونے والا ہی جانتا ہے۔ شعر

بدن سے جان نکلتی ہے آہ سینے سے ∴ ترے فدائی نکلتے ہیں جب مدینے سے
روضہ اچھا زائر اچھے اچھی راتیں اچھے دن ∴ سب کچھ اچھا ایک رخصت کی گھڑی اچھی نہیں

۲؎ یہ حضور کی بندہ نوازی اور شانِ کریمانہ ہے کہ غلاموں سے خود ہاتھ نہیں چھڑاتے، اب بھی وہ ہم گنہگاروں کو خود نہیں چھوڑتے اللہ تعالٰی ان کے قدموں سے وابستگی عطا کرے۔ ۳؎ یعنی خدا تیرے دین و ایمان و خاتمہ کی حفاظت کرے اب کچھ اس کے سپرد ہے، امانت سے مراد یا تو اعمال شرعیہ ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ یا مسافروں کے آپس کے اخلاق و مالی معاملات چونکہ سفر میں کبھی آپس میں تلخی ترشی بھی ہو جاتی ہے، اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا، اس دعا میں لطیف اشارہ اس جانب بھی ہے کہ اے مدینہ میں میرے پاس رہنے والے اب تک تو تو میرے سایہ میں تھا کہ ہر مسئلہ مجھ سے پوچھ لیتا تھا ہر مشکل مجھ سے حل کر لیتا تھا اب تو مجھ سے دور ہو رہا ہے کہ ہر حاجت میں مجھ سے پوچھ نہ سکے گا تو تیرا ہر کام خدا کے سپرد ہے، کیسی پیاری

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّسْتَوْدِعَ الْجَيْشَ قَالَ اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ
دِيْنَكُمْ وَاَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ اَعْمَالِكُمْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ ؕ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُرِيْدُ سَفَرًا فَزَوِّدْنِيْ فَقَالَ زَوَّدَكَ اللّٰهُ
التَّقْوٰى قَالَ زِدْنِيْ قَالَ وَغَفَرَ ذَنْبَكَ قَالَ زِدْنِيْ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ قَالَ وَيَسَّرَ لَكَ
الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ ؕ وَعَنْ اَبِيْ

فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو وداع کرنا چاہتے تو کہتے میں تم لوگوں کا دین تم لوگوں کی امانت تم لوگوں کے آخری عمل اللہ کے سپرد وحوالہ کرتا ہوں ۱؎ (ابوداؤد) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا یارسول اللہ میں سفر کا ارادہ کر رہا ہوں مجھے کچھ توشہ دیجئے ۲؎ فرمایا اللہ تمہیں پرہیزگاری کا توشہ دے ۳؎ عرض کیا کچھ زیادہ دیجئے فرمایا تمہارے گناہ بخش دے عرض کیا میرے ماں باپ فدا کچھ اور عطا کیجئے ۴؎ فرمایا اللہ تمہیں بھلائی میسر کرے تم جہاں بھی ہو ۵؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے ۶؎ روایت ہے حضرت

۱؎ دعا ہے اور کیسی مبارک وداع آخر عمل سے مراد وقت موت ہے یعنی اگر اس سفر میں تجھے موت آئے تو ایمان پر آئے، تیری زندگی و موت رب کے حوالہ۔ آپ کا نام ابو موسے عبداللہ ابن یزید ابن زید ابن حصین ابن عمرو ابن حارث ابن حطمہ ابن خشم ابن مالک ابن اوس ہے ستر برس کی عمر میں صلح حدیبیہ میں حاضر ہوئے تھے عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں کوفہ کے حاکم رہے وہاں ہی وفات پائی۔ ۲؎ اس کی شرح ابھی ہو چکی چونکہ یہاں پورے لشکر کو وداع فرمانا ہے اس لیے ضمیر جمع لائی گئی معلوم ہوا کہ لشکر اسلام جنگی سامان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں بھی ساتھ لیتا تھا، محمود غزنوی جب سومناتھ مندر پر حملہ آور ہوا تھا تو حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی کی دعائیں اور ان کا جبہ ساتھ لایا تھا، ان مجاہدین کی تلواریں استاد محبوبین پر دھار دار ہوتی تھیں۔ ۳؎ یعنی میرے لیے ایسی دعا عطا فرمائیے کہ جو توشہ کی طرح سفر دنیا و سفر آخرت میں ساتھ رہے اور مجھے توشہ کی طرح ہر وقت کام آئے۔ زادوہ ہے جو مسافر کی موجودہ ضرورت سے بچا ہوا آئندہ کام آئے رب تعالٰی فرماتا ہے تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لیے توشہ دارین سمجھتے تھے اور ہر موقعہ پر آپ سے دعائیں کراتے تھے اپنی دعاؤں پر کفایت نہ کرتے تھے۔ ۳؎ یعنے تمہیں دنیا میں لوگوں سے غنی کر دے کہ تم سوال سے بچو اور آخرت کے لیے نیک اعمال کی توفیق بخشے، بہت جامع دعا ہے۔ ۴؎ یعنے ابھی فقیر کی سیری نہیں ہوئی داتا کچھ اور دے، دنیا میں صبر بہتر آخرت کے معاملہ میں بے صبری و حرص افضل شعر

حاجتے نیست مرا سیرازیں آب حیات ؎ ضاعف اللہ علی کل زمان عطشی

۵؎ یعنے اللہ تعالٰی تمہیں جیتے مرتے، قبر و حشر میں ایسی بھلائیاں عطا فرما دے جس سے تمہیں پوری کامیابی نصیب ہو حیث ما کنت میں سفر، حضر و زندگی و قبر ہر جگہ داخل ہے، سبحان اللہ سائل کی جھولی بھر دی، نہ معلوم ان الفاظ سے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا دیا ہو اور سائل نے کیا کچھ لے لیا، یہ تو دینے والے اور لینے والے جانیں۔

۶؎ اسے حاکم نے اپنی مستدرک میں بھی روایت کیا۔

هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اُسَافِرَ فَاَوْصِنِيْ قَالَ عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالتَّكْبِيْرِ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ فَلَمَّا وَلَّى الرَّجُلُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اطْوِلَهُ الْبُعْدَ وَهَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرَ فَاَقْبَلَ اللَّيْلُ قَالَ يَا اَرْضُ رَبِّيْ وَرَبُّكِ اللّٰهُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكِ وَشَرِّ مَا فِيْكِ وَشَرِّ مَا خُلِقَ فِيْكِ وَشَرِّ مَا يَدِبُّ عَلَيْكِ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ اَسَدٍ وَّاَسْوَدَ وَمِنَ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ

ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ میں سفر کا ارادہ کر رہا ہوں مجھے کچھ وصیت فرمایئے[۱] فرمایا اللہ کا خوف کرہ باندھ لو اور ہر بلندی پر تکبیر کہو[۲] جب اس شخص نے پیٹھ پھیری تو فرمایا الٰہی اس کے لیے دوری لپیٹ دے[۳] اور اس پر سفر آسان کر[۴] (ترمذی) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات سے پہلے سفر کرتے تو فرماتے اے زمین تیرا اور میرا رب اللہ ہے[۵] میں تیرے اور تیری اندرونی چیزوں کی اور جو کچھ تجھ میں پیدا کیا گیا ہے اس کی اور جو تجھ پر چلتے ہیں ان کی شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں[۶] میں شیر سے کالے سانپ سے عام سانپوں سے اور بچھوؤں سے

[۱] جس پر میں سفر میں عمل کرتا رہوں، وصیت اگرچہ مرتے وقت کے کلام کو کہتے ہیں جس کا تعلق بعد موت سے ہو مگر کبھی تاکید حکم کو بھی وصیت کہہ دیتے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ۔ اور کسی آخری حکم کو بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی مجھے تاکیدی نصیحت فرمادیں یا آخری نصیحت فرمادیں کیونکہ اب میں بارگاہ عالی سے رخصت ہو رہا ہوں نہ معلوم اب حاضری میسر ہو یا نہ ہو۔ [۲] یعنی ہر جگہ ہر حال میں خوف خدا دل میں رکھو کہ یہ تمام نیکیوں اور گناہوں سے بچنے کی اصل ہے، اور دوران سفر میں جب کسی ٹیلہ یا پہاڑی پر چڑھو تو اللہ اکبر کہہ لو، غرض دل وزبان دونوں کا انتظام فرمادیا چڑھتے وقت تکبیر کہنے کی حکمتیں ابھی کچھ پہلے عرض کی جاچکی ہیں۔ [۳] اس طرح کہ دراز سفر اسے مختصر معلوم ہو یا واقعی بڑی مسافت اس کے لیے چھوٹی ہو جائے کرامات اولیاء، معجزات انبیاء سے یہ بھی ہے کہ ان کے لیے زمین لپٹ جاتی ہے، قرآن کریم فرماتا ہے کہ حضرت آصف برخیا تخت بلقیس کو پلک جھپکنے سے پہلے یمن سے شام میں لے آئے، کہ گئے بھی لوٹ بھی آئے قرآن کریم فرماتا ہے اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ۔ [۴] یہ تعمیم بعد تخصیص ہے، یعنی وہ نعمت بھی دے اور ہر طرح اسے آسانی میسر فرما۔ [۵] حق یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام شجر و حجر کلام بھی کرتے ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نداء و کلام کو سنتے بھی ہیں، لہذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمین کو یہ خطاب فرمانا حقیقت پر مبنی ہے، رب تعالیٰ نے زمین و آسمان سے یوں خطاب فرمایا تھا یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَ یٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ، اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان اپنا پانی روک لے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نائب جناب کبریا ہیں، زمین و آسمان حضور علیہ السلام کا کلام سنتے اور آپ کی اطاعت کرتے ہیں (از مرقات) رب تعالیٰ فرماتا ہے وَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ، ہم نے ہوا کو حضرت سلیمان کے لیے مسخر و تابع کر دیا کہ ہوا آپ کے حکم سے چلتی تھی۔ [۶] زمین کی شر زلزلہ، دھنسنا، گر جانا، راستہ بھول جانا وغیرہ ہیں، اور اندرون زمین کی شر سیلاب، سخت گرمی سخت ٹھنڈک وغیرہ زمین کی مخلوقات کی شر اندرونی کیڑے مکوڑے وغیرہ ہیں کہ سفر میں انہی کی وجہ سے حادثات زیادہ پیش آتے ہیں۔

وَمِنْ شَرِّ سَاكِنِ الْبَلَدِ وَمِنْ وَالِدٍ وَمَا وَلَدَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا غَزَا قَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِىْ وَنَصِيْرِىْ بِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اَصُوْلُ وَبِكَ اُقَاتِلُ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَعَنْ اَبِىْ مُوْسٰى اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا خَافَ قَوْمًا قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِىْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ

اور شہر میں رہنے والوں کی شر سے اور سر چلنے والے اور رہنے ہوئے کی شر سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں[1] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد کرتے تو کہتے الٰہی تو میری قوت بازو ہے میرا مددگار ہے تیرے بھروسہ ہی سے دفع کرتا ہوں[2] تیری مدد پر حملہ کرتا ہوں تیری امید سے جہاد کرتا ہوں[3] (ترمذی، ابوداؤد) روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم سے خطرہ محسوس فرماتے[4] تو کہتے اے اللہ ہم ان کے مقابل تجھے کرتے ہیں[5] اور ان کی شر سے تیری پناہ لیتے ہیں[6] (احمد، ابوداؤد)[7] روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ

[1] اگرچہ یہ چیزیں بھی زمین پر چلنے والوں میں داخل تھیں، لیکن چونکہ ان کی شر خصوصاً مسافر کو بہت زیادہ پہنچتی ہے۔ اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر کیا۔ بعض لوگوں نے والد سے مراد ابلیس اور ولد سے اس کی ذریت لی ہے مگر بہتر یہ ہے کہ اس کو عام رکھا جائے (لمعات) کیونکہ مسافر کو اجنبی شہر میں چور اچکوں سے بھی بہت تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ [2] اَحُوْلُ حول سے بنا بمعنے دشمن کے مکر و فریب کو پھیر دینا۔ یا برائی سے اچھائی کی طرف پھر جانا۔ [3] یعنی الٰہی میں دشمن کے مقابل اپنی قوت، فوج، ہتھیاروں کے بھروسہ پر نہیں آیا ہوں۔ یہ تو فقط اسباب ہیں۔ بھروسہ تجھ پر ہے تو چاہے تو ابابیل سے فیل مروا دے، کمزور مسلمان سے قوی کفار کو ہلاک کرا دے۔ دو بچوں سے ابوجہل کو ٹھکانے لگا دے۔ یہ وہ چیز ہے جو کفار کے پاس نہیں اور مسلمان اسی کی برکتوں سے فتح پاتے ہیں۔ [4] اس طرح کہ آپ کو پتہ چلتا کہ فلاں قوم ہمارے خلاف سازش یا جنگی طیاری کر رہی ہے خیال رہے کہ خوف بہت طرح کا ہے خوف اطاعت و بندگی صرف رب تعالٰی کا ہی ہونا چاہیے اور خوف نفرت شیطان وغیرہ دشمنوں سے، اور خوف بمعنے خطرہ تکلیف ہر خطرناک چیز سے ہوسکتا ہے۔ موسٰی علیہ السلام کو وادی سینا میں سانپ سے خوف ہوا، آپ نے فرعون سے خوف کیا، یہ واقعات اس آیت کے خلاف نہیں لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ کہ وہاں خوف اطاعت مراد اس ہی کی نفی ہے اور خوف بمعنے خطرہ ہے۔ [5] نحر سینہ کو بھی کہتے ہیں اور جانور ذبح کرنے کو بھی فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ، چونکہ دشمن کے مقابلہ میں سینہ تان کر ہی کھڑے ہوتے ہیں اس مقابلہ کو اس لفظ سے تعبیر فرمایا۔ نیز اس میں نیک فال بھی ہے کہ خدایا دشمن کو ذبح کر دے کہ وہ ہمارے مقابلہ کے لائق ہی نہ رہے۔ [6] یعنی الٰہی ہمارے اور دشمن کی شر کے درمیان تو آڑ ہو جا تاکہ ان کی شر ہم تک نہ پہنچ سکے یہ دعا بہت ہی مجرب ہے ایک دشمن کے مقابل بھی کام آتی ہے اور بہت دشمنوں کے مقابل بھی فقیر اس کا عامل ہے اور اس کی برکت سے شر اعداء سے محفوظ ہے۔ [7] اسے نسائی، ابن حبان اور حاکم نے بھی روایت کیا۔ حصین شریف میں ہے دشمن کے خوف کے وقت لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ پڑھنا بڑی امان ہے امام نووی نے کتاب الاذکار میں فرمایا کہ لِاِيْلٰفِ کو بہت اولیاء اللہ نے آزمایا ہے بہت مجرب

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ أَنْ نَزِلَّ أَوْ نَضِلَّ أَوْ نَظْلِمَ أَوْ نُظْلَمَ أَوْ نَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ دَاوٗدَ وَابْنِ مَاجَةَ قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ مَا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْتِيْ قَطُّ إِلَّا رَفَعَ طَرْفَهٗ إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ. وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا

علیہ وسلم جب اپنے گھر سے نکلتے تو کہتے شروع اللہ کے نام سے [1] اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں۔ خدایا ہم تیری پناہ مانگتے ہیں۔ اس سے کہ ہم پھسلیں اور بہکیں [2] یا ستائیں یا ستائے جائیں یا جہالت کریں یا ہم پر جہالت کی جائے [3] (احمد، ترمذی، نسائی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے، ابوداؤد، ابن ماجہ کی روایت یوں ہے کہ ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میرے گھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہ نکلے مگر مگر آسمان کی طرف نگاہ اٹھائے ہوئے [4] پھر کہتے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ بہکوں یا بہکایا جاؤں یا ظلم کروں یا ستایا جاؤں یا جہالت کروں یا مجھ پر جہالت کی جائے [5] روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب

حضرت زید ابن علی عن عتبہ ابن غزوان عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم روایت، نیز حصن حصین شریف میں اسے نقل کیا کہ جب مددگار ہو خصوصاً سفر میں تو کہے یَا عِبَادَ اللّٰهِ أَعِيْنُوْنِيْ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو انشاء اللہ بہت جلد مدد پہنچے گی کہ بعض اللہ کے غیبی بندے اس پر مامور ہیں۔ مرقات نے یہاں فرمایا کہ یہ حدیث یا عباد اللہ حدیث حسن ہے مشائخ کی مجرب، مسافروں کو اس کی بہت ضرورت ہے معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کو مدد کے لیے پکارنا بھی سنت ہے اور ان سے مدد لینا بھی سنت۔ یہ شرک نہیں۔

[1] یعنی اس نکلنے کی ابتداء اللہ کے نام سے کرتا ہوں تاکہ نکلنا برکت والا ہو [2] بلا ارادہ گناہ ہو جانا ذلت ہے اور ارادۃً و قصداً گناہ کرنا ضلالت یا گناہ صغیرہ ذلت ہے گناہ کبیرہ ضلالت یا عملی غلطی ذلت ہے اور اعتقادی غلطی ضلالت، چونکہ گھر سے باہر نکل کر ہر قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ اچھوں سے بھی بروں سے بھی اس لیے اس موقعہ پر یہ دعا بہت مناسب ہے یعنی یا اللہ گنا ہوں، بدعقیدگیوں سے تو ہی مجھے بچا تا اب ہر طرح کے لوگوں سے مجھے مناسب خیال رہے کہ دعائیں تعلیم امت کے لیے ہیں [3] حقوق العباد مارنا ظلم ہے اور حقوق اللہ ضائع کرنا جہالت یعنی خدایا نہ تو میں کسی کا حق ماروں نہ کوئی میرا حق مارے اور نہ میں تیرے حقوق میں کوتاہی کروں نہ کوئی مجھ سے کوتاہی کرائے اس جملہ کی اور بہت تفسیریں ہیں سلامتی دین اسی میں ہے کہ انسان نہ ظالم ہو نہ مظلوم نہ جاہل ہو نہ مجہول (اشعہ مع زیادت) [4] صوفیاء فرماتے ہیں کہ کعبہ قبلہ عبادت ہے اور آسمان قبلہ حاجات کہ سب کی جسمانی و روحانی روزی آسمان سے ہی آتی ہے۔ اس لیے دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانا پھیلانا ادھر دیکھنا بہتر ہے رب تعالٰی فرماتا ہے وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ: اس نظر اٹھانے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ رب تعالٰی آسمان میں رہتا ہے۔ وہ تو ہر جگہ سے پاک ہے

خَرَجَ رَجُلٌ مِّنْ بَیْتِہٖ فَقَالَ بِسْمِ اللہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللہِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ یُقَالُ لَہٗ حِیْنَئِذٍ ھُدِیْتَ وَکُفِیْتَ وَوُقِیْتَ فَیَتَنَحّٰی لَہُ الشَّیْطَانُ وَیَقُوْلُ شَیْطَانٌ اٰخَرُ کَیْفَ لَکَ بِرَجُلٍ قَدْ ھُدِیَ وَکُفِیَ وَوُقِیَ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ اِلٰی قَوْلِہٖ لَہُ الشَّیْطَانُ

وَعَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا وَلَجَ الرَّجُلُ

کوئی شخص اپنے گھر سے نکلے ۱؎ تو کہے اللہ کے نام سے میں نے اللہ پر بھروسہ کیا اللہ کے بغیر نہ طاقت ہے نہ قوت ۲؎ تب اس سے کہا جاتا ہے تجھے ہدایت وکفایت دی گئی اور تو محفوظ کردیا گیا ۳؎ پھر شیطان دور بھاگ جاتا ہے اور اس سے دوسرا شیطان کہتا ہے۔ تجھے اس شخص سے کیا تعلق ہے جسے ہدایت وکفایت دی گئی اور جو محفوظ کیا گیا ۴؎ (ابوداؤد) اور ترمذی نے لہ الشیطان تک) روایت ہے حضرت ابو مالک اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی شخص اپنے

پاک ہے ہر وقت ہمارے ساتھ ہے وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ ۵؎ دونوں آیتوں میں بڑا فرق نہیں قریباً یکساں ہیں، مرقات نے یہاں فرمایا کہ ہم لوگوں کے ساتھ مل کر کبھی تو دینی معاملے میں غلطی کر جاتے ہیں کہ خلاف عقیدہ باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں کبھی دنیوی معاملے میں یا اس طرح کہ کسی پر زیادتی کر بیٹھتے ہیں اور یا اس طرح کہ ساتھی کا حق صحبت ادا نہیں کرتے، اس دعا میں ان تینوں چیزوں سے پناہ مانگی گئی۔

۱؎ گھر سے مراد رہنے کی جگہ ہے خواہ یہی گھر ہو جس میں بال بچوں کے ساتھ رہتے ہیں یا مسجد کا حجرہ، خانقاہ وغیرہ جہاں صوفیاء، طلباء اور مشائخ رہتے ہیں غرضکہ ہر شخص اپنے ٹھکانے سے نکلتے وقت یہ پڑھ لیا کرے۔ ۲؎ یعنی اللہ کے نام سے نکلتا ہوں اور اپنے کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں میں کمزور ہوں وہ قوی ہے اس کے بغیر نہ کسی میں طاقت ہے نہ قوت، حول و قوت کے بہت نفیس فرق پہلے بیان کیے جاچکے ہیں گناہ سے بچنے کی طاقت حول ہے نیکی کرنے کی طاقت قوت ہے دنیا کے جنجال سے بچنے کی طاقت حول ہے رب ذوالجلال تک پہنچنے کی طاقت قوت ہے اچھے کام کرنے کی طاقت حول ہے۔ اور مقبول کام کرنے کی طاقت قوت، خیال رہے ہر مقبول اچھا ہے۔ ہر اچھا مقبول نہیں مردودیت سے پہلے شیطان کے سجدے اچھے تو تھے مگر مقبول نہ تھے

۳؎ یعنی اس دعا کے پڑھنے پر غیبی فرشتہ اس سے خطاب کرکے کہتا ہے کہ تو نے بسم اللہ کی برکت سے ہدایت پائی اور توکل علی اللہ کے وسیلہ سے کفایت اور لاحول کے واسطہ سے حفاظت، تین چیزوں پر تین نعمتیں ملیں۔ خیال رہے کہ اگرچہ ہم فرشتہ کا یہ کلام سنتے نہیں مگر جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہم تک یہ کلام پہنچ گیا، تو اس کا کہنا عبث نہ ہوا۔ لہذا حدیث پہ یہ اعتراض نہیں کہ جب ہم اس فرشتہ کا یہ کلام سنتے نہیں تو اس کا کہنا بیکار ہے نیز فرشتہ کے اس کلام کا عملی طور پر ظہور بھی ہو جاتا ہے۔ کہ اس بندے کو یہ تینوں نعمتیں مل جاتی ہیں ۴؎ یعنی فرشتے کے اس کہہ دینے پر اس کا قرین شیطان جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے اس سے بھاگ جاتا ہے پھر جب شام شیاطین کا سردار ابلیس اس سے دن بھر کی کارکردگی کا امتحان لیتا ہے۔ تو یہ قرین اس بندے کی دعا کا ذکر کرکے افسوس کرتا ہے کہ میں آج اسے بہکا نہ سکا۔ تب ابلیس اس کی تسلی کے لیے یہ کہتا ہے۔ کہ تجھ پر کوئی میرا عتاب نہیں تو معذور تھا وہ بندہ فرشتہ کی امن میں آچکا تھا اس کی اور شرحیں بھی ہو سکتی ہیں۔ مگر یہ شرح قوی ہے اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ فرشتہ کی امان میں آجانا امن وامان کا ذریعہ ہے۔ پھر جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امان میں آجائے اس کا کیا کہنا دوسرے

بَيْتَهٗ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْۤ اَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا ثُمَّ لِيُسَلِّمْ عَلٰۤى اَهْلِهٖ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ ◆ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَفَّا الْاِنْسَانَ اِذَا تَزَوَّجَ قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ ◆ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا تَزَوَّجَ اَحَدُكُمْ اِمْرَءَةً اَوِ اشْتَرٰى خَادِمًا فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْۤ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَاِذَا اشْتَرٰى بَعِيْرًا فَلْيَاْخُذْ بِذِرْوَةِ سَنَامِهٖ وَلْيَقُلْ مِثْلَ ذٰلِكَ

گھر میں داخل ہوتے وقت کہے لے الٰہی میں تجھ سے داخلے کی اور نکلنے کی بھلائی مانگتا ہوں اللہ کے نام سے ہم داخل ہوئے اور اپنے رب اللہ پر ہم نے بھروسہ کیا پھر گھر والوں کو سلام کرے ۲ے (ابوداؤد) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کے نکاح پر دعا کرتے تو فرماتے اللہ تجھے برکت دے اور تم دونوں پر برکت کرے تم دونوں کو بھلائی میں جمع رکھے ۳ے (احمد، ترمذی، ابوداؤد ابن ماجہ) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی کسی عورت سے نکاح کرے یا غلام خریدے تو کہے ۴ے الٰہی میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس پر تو نے اسے پیدا کیا اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس کی شر سے اور اس کی شر سے جس پر تو نے اسے پیدا کیا ۵ے اور جب اونٹ خریدے تو اس کا کوہان پکڑ کر اسی طرح کہہ لے ۶ے

کہ ابلیس فرشتوں اور ان کی امان و حفاظت کو دیکھتا ہے بدر میں ابلیس نے امدادی فرشتوں کو دیکھا تھا اور کہا تھا انی اری مالا ترون تیسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ناری اور نوری مخلوق چھپی ہوئی نہیں حضور علیہ السلام فرشتوں، شیاطین کو ملاحظہ بھی فرماتے ہیں اور ان کے کلام بھی سنتے ہیں پھر ہم خاکی مخلوق حضور علیہ السلام سے کیسے چھپ سکتے ہیں۔ ۲ے اپنے گھر سے مراد اپنے رہنے کا گھر ہے خواہ ملکیت سے ہو یا کرایہ سے اور خواہ عارضی ہو یا دائمی۔ لہٰذا جو شخص سرائے کی کسی حجرے میں مع بال بچوں یا دوستوں کے شب بھر کے لیے مقیم ہو وہ بھی داخل ہوتے وقت یہ عمل کرے ۳ے شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں یہاں فرمایا کہ اگر گھر میں لوگ ہوں تو انہیں سلام کرے مگر خالی ہو تو فرشتوں کو سلام کی نیت سے یہ کہے السلام علی عباد اللہ الصالحین بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خالی گھر میں جاتے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرے (از شفا شریف) ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت کہے بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق جلد اول میں ملاحظہ کیجیے ۴ے بر نکاح کرنے والے کو یہ دعا دینا سنت ہے اگر مجلس نکاح میں موجود ہو تو ایجاب و قبول کے بعد یہ دعا دے اگر وہاں نہ ہو تو دولہا کو مبارکباد دیتے وقت یہ کلمے کہے تجھے برکت دے سے مراد دنیاوی برکت ہے اولاد، مال، وغیرہ میں برکت، رب تعالٰی فرماتا ہے اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اور تم پر برکت سے مراد دینی ہے بعد نکاح خیر کی توفیق بخشے۔ بھلائی میں جمع رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ خاوند و بیوی ایک دوسرے کی بھلائی میں مدد کریں برائی سے

وَفِي رِوَايَةٍ فِي الْمَرْأَةِ وَالْخَادِمِ ثُمَّ لِيَأْخُذْ بِنَاصِيَتِهَا وَلْيَدْعُ بِالْبَرَكَةِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ • وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَوَاتُ الْمَكْرُوبِ اللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُو فَلَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ وَأَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ • وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ هُمُومٌ لَزِمَتْنِي وَدُيُونٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ أَفَلَا أُعَلِّمُكَ كَلَامًا إِذَا قُلْتَهُ أَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّكَ وَقَضَى عَنْكَ دَيْنَكَ

اور ایک روایت میں عورت و خادم کے متعلق ہے کہ پھر اس کی پیشانی پکڑے اور دعائے برکت کرے ۱؎ (ابوداؤد، ابن ماجہ) ۲؎ روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غمگین کی دعائیں یہ ہیں ۳؎ الٰہی میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں ۹؎ تو تو مجھے پلک جھپکنے کی بقدر بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کر ۴؎ اور میرے سارے کام بنا۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں (ابوداؤد) ۵؎ روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے غم و قرض چمٹ گئے ۶؎ فرمایا تو کیا میں تمہیں وہ دعا نہ سکھا دوں کہ جب تم اسے پڑھ لو تو اللہ تمہارا غم مٹا دے اور تمہارا قرض اتار دے ۷؎

روکیں، یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے رب تعالٰی نصیب کرے ۱؎ بیوی یا لونڈی یا غلام کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھے۔ جیساکہ دوسری روایات سے ثابت ہے سر کے اگلے حصہ پر ہاتھ رکھ کر بھی پڑھ سکتا ہے (مرقات) ۲؎ عموماً ہر انسان فطری طور پر برائی کی طرف مائل ہے بھلائی رب تعالٰی کے فضل سے نصیب ہوتی ہے جیسے کہ یہ ہی طبعی میلان مراد ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے جیساکہ دوسری احادیث سے ثابت ہے اور یہاں فرمایا گیا کہ شر پر پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہاں پیدائشی حالت کا ذکر ہے کہ بچہ اس عہد و پیمان پر پیدا ہوتا ہے جو میثاق کے دن رب تعالٰی سے کیے گئے تھے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى اور یہاں اس کے میلان طبع کا ذکر ہے۔ خود ہمارا اپنا یہ میلان ہے اسی لیے ہر خطبہ کے اول سرکار پڑھا کرتے تھے وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا رب تعالٰی شر سے بچائے ۳؎ گائے بھینس، بکری وغیرہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر پڑھے۔

۱؎ حصن حصین میں ہے کہ بیوی کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر گزشتہ مذکورہ دعا بھی پڑھے اور یہ دعائے مسنون بھی کرے۔ یہ عمل بہت ہی مجرب ہے۔ انشاءاللہ بہت مفید ہے اس دعا کی برکت سے گھر میں اتفاق رہتا ہے۔ بیوی ہر طرح خاوند کی خیر خواہ اور مطیع رہتی ہے۔ جانبین میں محبت قائم رہتی ہے۔ نباہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ زندگی بہت بہتر گزرتی ہے دونوں کو دین پر استقامت میسر ہوتی ہے۔ ۲؎ اس کا پہلا جزو ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابویعلےٰ موصلی حاکم نے اور اس کا دوسرا جزء ابوداؤد، نسائی، ابویعلےٰ نے بھی روایت کیا ہے (مرقات) ۳؎ مکروب سے مراد وہ شخص ہے۔ جس کو کسی خاص غم و رنج یا فکر نے گھیر لیا ہو۔ جس سے خلاصی کی صورت نہ بنتی ہو۔ چونکہ یہ دعا بہت سی دعاؤں پر مشتمل ہے اس لیے اسے دعوات یعنی دعائیں فرمایا گیا۔ یہ دعا دفع رنج و غم کے لیے بہت مجرب ہے ۴؎ یعنی میں صرف تیری رحمت ہی کا امیدوار ہوں اور تیرا نام رجاء السائلین بھی ہے کوئی آس لگا کر آنے والا سائل تیرے در سے مایوس نہیں لوٹتا۔ لہذا مجھے میرے نفس کے حوالہ نہ کر دے کہ میرا سب سے بڑا دشمن یہ ہی ہے اور ساتھ ہی میں کمزور بھی ہوں۔ میں کسی چیز میں تیری مدد کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ۵؎ اسے ابن حبان، ابن ابی شیبہ، ابن سنی، طبرانی نے بھی روایت کیا ۶؎ مرقات نے فرمایا کہ اس عرض کا مقصود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ یعنے طلب مدد اور فریاد کرنا ہے یعنی مجھے ایسے بڑے غم و قرض

قَالَ قُلْتُ بَلٰى قَالَ قُلْ إِذَا أَصْبَحْتَ وَإِذَا أَمْسَيْتَ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ قَالَ فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ فَأَذْهَبَ اللّٰهُ هَمِّي وَقَضٰى عَنِّي دَيْنِي رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ۔ وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ جَاءَهُ مُكَاتَبٌ فَقَالَ إِنِّي عَجَزْتُ عَنْ كِتَابَتِي فَأَعِنِّي

فرماتے ہیں میں نے عرض کیا ہاں ضرور، فرمایا روزانہ صبح اور شام کے وقت یہ پڑھ لیا کرو[1] الٰہی میں رنج و غم سے تیری پناہ لیتا ہوں[2] اور عاجزی و سستی سے تیری پناہ لیتا ہوں[3] اور کنجوسی و بزدلی سے تیری پناہ لیتا ہوں[4] اور قرض کے چھا جانے اور لوگوں کے غالب آ جانے سے تیری پناہ لیتا ہوں[5] فرماتے ہیں میں نے یہ عمل کیا تو اللہ نے میرا غم مٹا دیا اور میرا قرض ادا کر دیا[6] ابوداؤد۔ روایت ہے حضرت علی سے کہ آپ کے پاس ایک مکاتب آیا بولا میں اپنی ادائے کتابت سے عاجز آگیا ہوں۔ میری کچھ مدد فرمایئے[1]

نے گھیر لیا ہو کسی طرح رفع نہیں ہوتے، آپ سے فریاد ہے کیوں کہ آپ خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ عظمٰی ہیں انہیں آپ کا وسیلہ عظمٰی ہی دور کر سکتا ہے (مرقاۃ) معلوم ہوا کہ مصیبتوں میں حضور علیہ السلام کی پناہ لینا حضور علیہ السلام سے مدد مانگنا سنت صحابہ ہے شرک نہیں[6] یعنی اس دعا کی برکت اور میرے وسیلے اور میری تعلیم کے اثر سے رب تعالٰی تمہارے رنج و قرض سب کچھ دور کر دے گا۔ کام رب ہی کرتا ہے مگر وسیلہ کے ذریعہ سے بزرگوں سے حاصل کی ہوئی دعاؤں میں وہ تاثیریں ہوتی ہیں۔ الفاظ کی تاثیر اور دل کی زبان کی تاثیر۔ تلوار کسی کی سان پر رکھ تیز کرو پھر اچھی طرح مار کر

[1] صبح شام سے مراد یا تو بعد نماز فجر و مغرب کے اوقات ہیں یا ہمیشہ پڑھنا (مرقات) صوفیاء خاص ضرورت پر ہر نماز کے بعد ایک بار یہ دعا پڑھا کرتے ہیں۔ [2] ہم و حزن یا تو ہم معنے ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے، کیا فرق ہے، اس میں بہت گفتگو ہے صحیح تر یہ ہے کہ آئندہ مصیبت کے خطرہ کو ہم کہتے ہیں اور گزشتہ نازل شدہ مصیبت کی تکلیف کو حزن اسی لیے پختہ ارادے کو ہم کہا جاتا ہے وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ یا تکلیف دہ چیز واقع ہو جانے پر جو صدمہ ہے وہ ہم، اور کسی مطلوب کے فوت ہو جانے پر صدمہ حزن، واللہ اعلم بہرحال یہ دعا بہت جامع ہے[3] یعنی نیکی پر قادر نہ ہونے اور قادر ہو کر اس کے کرنے میں بوجھل ہو جانے سے تیری پناہ، عجز و کسل میں یہ ہی فرق ہے۔ نیکی پر قدرت بھی اللہ کی رحمت ہے، اور قدرت کے بعد کر لینے کا موقعہ مل جانا یعنی توفیق بھی اس کا کرم[4] صدقات واجبہ، صدقات نفلیہ نہ ادا کرنا سائل کو بھیک کبھی نہ دینا مہمان نوازی نہ کرنا بحقوق ادا نہ کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر درود شریف نہ پڑھنا وغیرہ بخل ہے اور تبلیغ کی ہمت نہ ہونا، جہاد میں جرأت نہ جانا۔ رزق کے معاملہ میں اللہ پر توکل نہ ہونا جبن یعنی بزدلی ہے۔ مسلمان بھائی سے لڑنے کی ہمت نہ کرنا بزدلی نہیں فضول خرچی سے بچنا بخل نہیں، آج لوگوں نے سخاوت و فضول خرچی یوں ہی بخل و کفایت شعاری یوں ہی بہادری اور ایذا رسانی یوں ہی جرأت و بزدلی و دلی میں فرق کرنا چھوڑ دیا[5] خیال رہے کہ نفس قرض برا نہیں قرض تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لیا ہے غلبہ دین برا ہے جس کے ادا کی صورت نظر نہ آئے یا جو مقروض کو ذلیل کر دے یا جس سے مقروض جھوٹ بولنے وعدہ خلافی کرنے پر مجبور ہو جائے اسی لیے یہاں غلبہ دین کا ذکر فرمایا قہر رجال میں یا تو قرض خواہوں کا غلبہ یا بادشاہ کا ظلم یا ظالموں کا گھیر لینا مراد ہے اللہ تعالٰی ہر مسلمان کو ان سب مصیبتوں سے محفوظ رکھے[6] یعنی یہ دعا میری مجرب بھی ہے تیر بہدف نسخہ ہے ہر مسلمان ہمیشہ ہی یہ دعا ہر نماز کے بعد ضرور ایک بار پڑھ لیا کرے۔ انشاءاللہ قرض و ظلم سے

قَالَ أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ عَلَّمَنِيهِنَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ عَلَيْكَ مِثْلُ جَبَلٍ
كَبِيرٍ دَيْنًا أَدَّاهُ اللهُ عَنْكَ قُلِ اللّٰهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ
سِوَاكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيرِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيثَ جَابِرٍ إِذَا
سَمِعْتُمْ نُبَاحَ الْكِلَابِ فِي بَابِ تَغْطِيَةِ الْأَوَانِي إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى الْفَصْلُ الثَّالِثُ
عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا جَلَسَ مَجْلِسًا أَوْ صَلَّى
تَكَلَّمَ بِكَلِمَاتٍ فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْكَلِمَاتِ فَقَالَ إِنْ تَكَلَّمَ بِخَيْرٍ كَانَ طَابِعًا عَلَيْهِنَّ

فرمایا کیا میں تجھے وہ کلمے نہ سکھادوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے تھے اگر تجھ پر پہاڑ برابر بھی قرض ہو تو اللہ تجھ
سے ادا کرادے لہ یہ پڑھا کرو کہ خدایا مجھے اپنے حلال کے ذریعہ اپنے حرام سے تو کافی ہوجا ۲ اور مجھے اپنی مہربانی سے اپنے
سوا سے بے پرواہ کردے ۳ (ترمذی، بیہقی دعوات کبیر) ۴ اور ہم حضرت جابر کی یہ حدیث کہ جب تم کتوں کا رونا سنو الخ برتن
ڈھکنے کے باب میں ان شاء اللہ ذکر کریں گے ۵ فصل تیسری۔ روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
جب کسی جگہ بیٹھتے یا نماز پڑھتے تو کچھ کلمات کہتے ۶ میں نے حضور سے ان کلمات کے متعلق پوچھا تو فرمایا اگر اچھی بات کی جائے تو ان پہ

محفوظ رہے گا۔ فقیر بفضل رب قدیر اس کا عامل ہے اس دعا کے زیر سایہ ہر بلا و قرض سے محفوظ ہے ۲ یعنی میرے مولا نے کچھ مال پر میری آزادی
موقوف رکھی ہے جسے ادا کر کے میں آزاد ہوں اور میرے پاس وہ مال نہ ہے اور معاش کے حاصل کرنے پر قدرت ہے براہ کرم مال یا دعا سے میری مدد فرمائیں
معلوم ہوا کہ حضرت علی بفضل اللہ العلی مشکل کشا و دافع بلا ہیں ان سے مصیبت میں مدد لینا شرک نہیں بلکہ سنت بزرگاں ہے۔

لہ ظاہر یہ ہے کہ جناب علی نے دانستہ طور پر اس کی مالی مدد نہ کی کہ اس سے اس کا کام تو چل جاتا۔ مگر اسے غنا میسر نہ ہوتا۔ آپ نے اسے وہ دعا بتائی جس
سے وہ ہمیشہ کے لیے لوگوں سے غنی ہوگیا وقتی حاجت روائی سے سائل کو غنی بنا دینا بہتر ہے۔ ۳ ہر نماز کے بعد ایک بار، غالب یہ ہے کہ لفظ قل حضرت
علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اور ہوسکتا ہے کہ آپ کا خود اپنا قول ہو (مرقات) مشائخ کو ہمیشہ حسب ضرورت اوراد و وظیفہ
ایجاد کرنے کا حق ہے جیسے اطباء کو معجونیں دوائیں ایجاد کرنے کا حق ہے اور منقولہ دعاؤں کی اجازت دینے کا بھی اختیار ہے ۴ یعنی حلال روزی بھی اتنی دے کہ مجھے
حرام کی طرف توجہ نہ ہو اور میرے دل میں حرص بھی نہ پیدا ہونے دے تاکہ میں حرام سے بچا رہوں خلاصہ یہ ہے کہ کفایت و قناعت دونوں نصیب کر ۵ کہ دنیا والوں کے پاس
حاجت لے کر مجھے نہ جانا پڑے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پرواہی تو سخت محرومی بلکہ کفر ہے۔ شیطان نبوت سے بے پرواہ ہو کر مارا گیا ۶ اسے حاکم نے بھی روایت کیا یہ دعا بہت
مجرب ہے فقیر کا اس پر عمل ہے اور اس کا بہت فائدہ فقیر آزما رہا ہے ۷ یعنے مصابیح میں وہ حدیث یہاں تھی مگر میں نے مناسبت کا لحاظ
رکھتے ہوئے اس باب میں ذکر نہ کیا۔ ان شاء اللہ اس کی وجہ مناسبت وہاں ہی بیان کی جائے گی۔ ۸ فارغ ہو کر جگہ وہاں سے اٹھتے
وقت یہ کلمات کہتے تھے (مرقات) ۹ یا تو اِنْ الف کے زیر سے ہے اور تکلم ت و ک کے پیش سے یعنے ان کلمات کا بول لینا، پڑھ لینا یا اِنْ الف کے

إِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَإِنْ تَكَلَّمَ بِشَرٍّ كَانَ كَفَّارَةً لَّهُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ ◆ وَعَنْ قَتَادَةَ بَلَغَهٗ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَأَى الْهِلَالَ قَالَ هِلَالُ خَيْرٍ وَّرُشْدٍ هِلَالُ خَيْرٍ وَّرُشْدٍ هِلَالُ خَيْرٍ وَّرُشْدٍ اٰمَنْتُ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ يَقُوْلُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ ذَهَبَ بِشَهْرِ كَذَا وَجَاءَ بِشَهْرِ كَذَا رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ ◆ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

روز قیامت مہر ہوجائے اور اگر بُری بات کی گئی ہو تو اس کا کفارہ ہوجائیں لہ الٰہی تو پاک ہے تیری حمد ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں ٹہ (نسائی) روایت ہے حضرت قتادہ سے انہیں خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چاند دیکھتے تو فرماتے بھلائی و ہدایت کا چاند ہو تہ بھلائی اور ہدایت کا چاند ہو بھلائی اور ہدایت کا چاند ہو تین بار فرماتے اس پر ایمان لایا جس نے تجھے پیدا کیا ٹہ پھر فرماتے اس رب کا شکر ہے جو فلاں مہینہ لے گیا اور فلاں مہینہ لایا شہ (ابوداؤد) ٹہ روایت ہے حضرت ابن مسعود سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

کسرہ وزیر سے اور تکلم ت اور ک کے زبر سے ہے یعنی اے عائشہ اگر تم یہ کلمات پڑھ لیا کرو پہلے معنے زیادہ قوی ہیں ◆

لہ یعنی جو دعائیہ کلمے میں پڑھا کرتا ہوں ان کی تاثیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اچھی باتیں کرکے یا کوئی عبادت کرکے یہ کلمات پڑھ لے، تو یہ کلمات ان باتوں یا عبادتوں کے لیے مثل مہر کے ہوں گے کہ تا قیامت محفوظ رہیں گے اور حساب کے وقت وہ مقبول ہوں گے خود وہ کلمات بھی اور وہ عبادت یا دعا بھی جن پر یہ کلمات پڑھے گئے اور اگر کوئی بری باتیں بول کر یہ کلمات آخر میں کہہ لے۔ تو یہ کلمات ان بری باتوں کا کفارہ بن جائیں گے کہ ان کی برکت سے رب تعالٰی ان برائیوں پر پکڑ نہ فرمائیگا اس لیے ہم ہر مجلس کے آخر میں یہ کلمات پڑھ لیتے ہیں ٹہ یہاں کلمات کا بیان ہے جن کا فائدہ ابھی بیان ہوا استغفار و توبہ کا فرق بیان ہو چکا ہے کہ گناہ سے معافی مانگنے کا نام استغفار ہے اور عیوب سے معافی مانگنے کا نام توبہ یا بڑے گناہوں سے معافی مانگنا استغفار ہے چھوٹے گناہوں سے معافی کا نام توبہ یا کھلے گناہوں سے معافی استغفار اور چھپے گناہوں سے معافی توبہ وغیرہ یہ بہت جامع دعا ہے جس میں رب تعالٰی کی حمد و ثنا بھی ہے اور توبہ و استغفار بھی ۔ تہ یعنی خدایا یہ مہینہ ہمارے لیے نیک اعمال کرنے کی توفیق اور گناہوں سے بچنے کی توفیق لے کر آیا ہو مہینے اور وقت میں بھی تاثیریں ہیں جیسے بعض وقت گرم ہوتے ہیں بعض سرد بعض زمانہ بیماریوں کے ہوتے ہیں بعض صحت کے ایسے ہی بعض اوقات گناہوں کے ہوتے ہیں بعض نیکیوں کے۔ اس لیے چاند دیکھتے پر یہ دعا پڑھتے ہیں جس چیز کی ابتدا اچھی ہو اس کی بقا و انتہا بھی ان شاء اللہ اچھی ہوگی۔ مہینہ کی ابتدا اگر دعا سے ہے تو ان شاء اللہ سارا ماہ خیر رہے گی۔ ہلال مرفوع ہے ہذا کی خبر۔ یعنے ان شاء اللہ یہ بھلائی کا چاند ہے۔ یا خدایا یہ بھلائی کا چاند ہو ٹہ اس میں چاند کے پجاریوں کی تردید ہے یعنے اے چاند میں تجھ پر ایمان نہیں لایا۔ بلکہ اس رب پر ایمان لایا ہوں جو تیرا اور میرا خالق ہے۔ شہ دونوں جگہ فلاں کی جگہ مہینے کا نام لیتے تھے چونکہ قریباً سارے دینی کام چاند و سورج سے وابستہ ہیں اس لیے ان اوقات کے بخیریت جانے آنے پر خدا کا شکر کرنا چاہیے۔ زکوٰۃ۔ حج، بیوہ عورتوں کی عدت مدد وعہ پلانے کی مدت۔ چاند ہی سے وابستہ ہیں ۔ نماز کے اوقات، سحری و افطار وغیرہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَثُرَ هَمُّهٗ فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ وَفِیْ قَبْضَتِكَ نَاصِيَتِیْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَاؤُكَ اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِیْ مَكْنُوْنِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِيْعَ قَلْبِیْ وَجَلَاءَ هَمِّیْ وَغَمِّیْ مَا قَالَهَا

نے فرمایا جس کے رنج و غم زیادہ ہو جائیں وہ یہ پڑھے ۱؎ الٰہی میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے کا اور تیری بندی کا بچہ ہوں ۲؎ اور میری پیشانی تیرے قبضہ میں ہے ۳؎ مجھ میں تیرا حکم جاری ہے میرے بارے میں تیرا فیصلہ عین انصاف ہے ۴؎ میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کی برکت سے جو تو نے اپنا رکھا یا جو نام اپنی کتاب میں اتارا یا جو نام اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا یا جو نام اپنے پاس پردہ غیب میں پوشیدہ رکھا مانگتا ہوں ۵؎ کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار اور میرے رنج و غم کا دفعیہ بنادے ۶؎ یہ کلمات

سورج کی رفتار سے وابستہ ہے ۷؎ اسے طبرانی نے حضرت نافع ابن خدیج سے کچھ فرق سے مرفوعًا روایت کیا اور ابن ابی شیبہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے موقوفًا کچھ فرق سے (مرقات)

۱؎ یعنی رنج و غم میں گھرا ہوا آدمی یہ دعا پڑھا کرے۔ مراد دنیاوی رنج و غم ہیں، جن کے دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے آخرت کے رنج و غم تو اللہ کی نعمت ہیں ان کے دفع کی کوشش نہ کرے بلکہ ان کے بقا کی دعا مانگے۔ عشق خدا اور رسول کا رنج و غم تو مقصد حیات ہے۔ شعر

ترا غم رہے سلامت میرے دل کو کیا کمی ہے ۔۔۔ یہ ہی میری بندگی ہے یہ ہی میری زندگی ہے

ترا درد میرا درماں ترا غم مری خوشی ہے ۔۔۔ مجھے درد دینے والے تری بندہ پروری ہے

۲؎ یعنی خدایا میں تین طرح تیری رحمت کا حقدار ہوں ایک یہ کہ میں خود تیرا بندہ ہوں، دوسرے یہ کہ میرا باپ بھی تیرا بندہ ہے تیسرے یہ کہ میری ماں بھی تیری بندی اور بارگاہ عالی کی لونڈی ہے پھر ان نسبتوں کے ہوتے ہوئے تیرے در سے کیسے محروم رہوں گا۔ ۳؎ یعنی میں تیرے ملک و تصرف میں ہوں پیشانی بول کر ذات مراد لیتے ہیں یہ جملہ قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۴؎ یعنی میرے اختیاری اعمال اور غیر اختیاری حالات پر تیری قضاء و قدر نافذ ہے اور جو کچھ تو نے مجھ پر حکم نافذ فرمایا ہے وہ عین عدل و انصاف ہے خیال رہے کہ یہاں حکم سے مراد تکوینی حکم ہے نہ کہ تشریعی حکم و امر میں بڑا فرق ہے دنیا میں سب کچھ رب تعالٰی کے حکم قضاء و قدر سے ہو رہا ہے اس کے امر سے نہیں ہو رہا ہے سب کو ایمان لانے، نماز پڑھنے کا امر ہے مگر بہت لوگ نہ ایمان لاتے ہیں نہ نماز پڑھتے ہیں نیز یہاں عدل سے مراد ظلم کا مقابل ہے نہ کہ فضل کا یعنی تو ظلم سے پاک ہے ۵؎ اس عبارت سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ رب تعالٰی کے نام بہت ہیں صرف ۹۹ نہیں جن احادیث میں ۹۹ نام مذکور ہیں وہاں مقصد یہ ہے کہ جو ان ناموں کا وظیفہ پڑھیگا بخشا جائیگا یہ مطلب نہیں کہ رب کے صرف اتنے ہی نام ہیں دوسرے یہ کہ اسمائے الٰہیہ تین قسم کے ہیں بعض وہ جو آسمانی کتابوں میں مذکور ہوئے اور عام مومنین نے جان لیے اور بعض وہ جو صرف انبیائے کرام، فرشتوں، یا بعض اولیاء کو الہامًا سکھائے گئے اور بعض جو در مکنون کی طرف پردۂ غیب میں رکھے گئے کسی کو نہ بتائے گئے تیسرے یہ کہ اسماء الٰہیہ کی برکت، ان کے توسل سے دعا مانگنا چاہیے۔ خواہ ہم کو ان کا علم ہو یا نہ ہو۔ ایسے ہی اللہ کے مقبول بندوں نبیوں، اولیوں کی طفیل دعا

عَبْدٌ قَطُّ اِلَّا اَذْهَبَ اللّٰهُ غَمَّهٗ وَاَبْدَلَهٗ بِهٖ فَرَجًا رَوَاهُ رَزِيْنٌ۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا اِذَا
صَعِدْنَا وَاِذَا نَزَلْنَا سَبَّحْنَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَانَ اِذَا كَرَبَهٗ اَمْرٌ يَقُوْلُ يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا
حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَّلَيْسَ بِمَحْفُوْظٍ۔ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قُلْنَا يَوْمَ الْخَنْدَقِ يَا
رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ مِنْ شَيْءٍ نَقُوْلُهٗ فَقَدْ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ قَالَ نَعَمْ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ
عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا قَالَ فَضَرَبَ اللّٰهُ وُجُوْهَ اَعْدَائِهٖ بِالرِّيْحِ هَزَمَ اللّٰهُ بِالرِّيْحِ رَوَاهُ

کوئی بندہ نہیں کہتا مگر اللہ اس کا غم دور کردیتا ہے اور اس کے عوض کشادگی دیتا ہے [1] رزین [2] روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں
کہ جب ہم چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب اترتے تو تسبیح کہتے تھے [3] (بخاری) روایت ہے حضرت انس سے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی
چیز غمگین کرتی تو آپ فرماتے اے دائمی زندہ اے قائم رکھنے والے تیری رحمت سے مدد مانگتا ہوں [4] (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث
غریب ہے اور محفوظ نہیں [5] روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں ہم نے خندق کے دن عرض کیا یا رسول اللہ کیا کوئی وظیفہ
ایسا ہے جو ہم پڑھیں دل گلوں میں پہنچ گئے [6] فرمایا ہاں اے اللہ ہمارے عیب ڈھک لے ہمارے خوفوں کو امن میں بدل دے [7] فرماتے
ہیں کہ اللہ نے ہوا کے ذریعہ اپنے دشمنوں کے منہ پھیر دیے اللہ نے انہیں ہوا کے ذریعے بھگا دیا [8]

مانگنی چاہیے ہمیں ان کی تفصیل معلوم ہو یا نہ ہو۔ [1] یعنے جیسے موسم بہار زمین کی تمام خشکی بے رونقی دور کرکے اسے طرح طرح کی زینتوں سے آراستہ
کردیتا ہے ایسے ہی قرآن شریف کے ذریعہ میرے دل کے رنج و غم تاریکی سیاہی گناہوں کی طرف میلان حرص و ہوس، حسد دور فرما کر اس میں ایمان و عرفان، خوف
خدا، عشق جناب مصطفے کے پھل پھول لگادے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف مومن کے دل کی بہار ہے ایسے ہی صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم اس بہار کی جان ہیں
[2] اس طرح کہ رنج و غم کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور دل میں خوشی و راحت کی بارشیں ہوتی ہیں۔ [3] اسے احمد، ابن حبان، حاکم، ابو یعلے
موصلی، بزار، طبرانی، ابن ابی شیبہ نے بھی انہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت کیا۔ [4] یعنی ہم سفر میں جب کسی ٹیلے پر چڑھتے تھے تو
اللہ اکبر کہتے تھے کہ وہ رب کریم تمام اونچوں سے بڑا ہے اور جب نشیبی زمین پر اترتے تھے تو سبحان اللہ کہتے تھے کہ رب تعالٰے نزول اور اترنے سے
پاک ہے کہ اس میں کمی و نقصان کا شائبہ ہے [5] اسے ابوداؤد، نسائی نے بھی روایت کیا۔ [6] یعنی تو حی و قیوم ہے میری مدد کر۔ مجھے اس مصیبت
سے نجات دے۔ تیرے سوا میرا کون ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ حی و قیوم اسم اعظم ہے قرآن کریم میں یہ نام صرف تین جگہ مذکور ہوئے
[7] اسے حاکم ابن سنی نے حضرت ابن مسعود سے اور نسائی نے حضرت علی سے مرفوعًا روایت کیا اس کی روایت میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ
وسلم یہ دعا سجدہ کرکے مانگتے تھے۔ [8] یعنی جنگ احزاب کے موقعہ پر ہم خندق کھودنے میں مشغول تھے بھوک و خوف سے پریشان تھے
بیرونی، اندرونی دشمنوں سے بہت تنگ آچکے تھے تب یہ عرض کیا۔ معلوم ہوا کہ اپنے رنج و غم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا تو شرک
و کفر ہے نہ بے صبری۔ اگر مریض حکیم سے شکایت نہ کرے تو شفا کیسے پائے [9] یہاں عیب سے مراد گناہ نہیں بلکہ دشمن کا خوف اور دل کی

أَحْمَدُ ۔ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ السُّوْقَ قَالَ بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ السُّوْقِ وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ أَنْ أُصِيْبَ فِيْهَا صَفْقَةً خَاسِرَةً رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ

بَابُ الْاِسْتِعَاذَةِ ۔ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ ۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوْا بِاللهِ مِنْ جُهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْكِ الشَّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ

(احمد) روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بازار میں داخل ہوتے تو کہتے اللہ کے نام سے الٰہی میں تجھ سے اس بازار کی خیر اور جو اس میں ہے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس بازار کی شر اور جو اس میں ہے اس کی شر سے پناہ مانگتا ہوں الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ گھاٹے کا سودا کروں (بیہقی دعوات کبیر) تعویذوں کا باب ۔ پہلی فصل ۔ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی پناہ مانگو ۔ آفت کی مشقتوں سے اور بدبختی کے پہنچنے سے اور برے فیصلے سے اور دشمنوں کے

گھبراہٹ ہے جس کا اظہار نہیں کیا جاتا تاکہ دشمن دلیر نہ ہو جائے یعنی ہماری موجودہ کمزوری چھپا لے ، دشمن اس پر مطلع نہ ہونے پائے اور گھبراہٹ کے اسباب دور فرما کر دلوں میں امن پیدا فرما دے ۔ خیال رہے کہ امن اللہ کی بڑی نعمت ہے ۔ سبحان اللہ یہ ہوا اس دعا کا اثر کہ رب تعالٰی نے ابابیل سے فیل مروا دیے تیز ہوا سے اتنے بڑے لشکر جرار یعنی کفار کو بھگا دیا۔

نفع کے سودے حلال روزی اور دل میں غفلت کا نہ پیدا ہونا بازار کی خیر ہے ۔ یہ تمام چیزیں رب تعالٰی سے مانگے ۔ بازاری سے قوم وملک کا بقا ہے نقصان کی تجارت حرام روزی ، وہاں جھوٹ بول کر سودے بیچنا ، غافل ہو جانا بازار کی شر ہے اس لیے بازار کو بدترین جگہ فرمایا گیا دینی گھاٹا یا دنیاوی گھاٹا دونوں ہی مراد ہیں دونوں ہی سے پناہ مانگنی چاہیے صدقہ وخیرات نافع ہے مگر مہنگی چیز بیچنا یا سستی فروخت کر دینا گھاٹا کھا کر حماقت بھی ہے اور باعث نقصان بھی جس کا نہ دنیا میں نفع ہے نہ آخرت میں اسے حاکم اور ابن سنی نے بھی روایت کیا یعنی ان دعاؤں کا باب جن میں اعوذ یا استعیذ آتا ہے عوذ کے معنی ہیں پناہ استعاذہ کے معنی پناہ لینا رب تعالٰی فرماتا ہے وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ تلاوت قرآن کے وقت اعوذ پڑھنا سنت ہے ویسے بھی مصیبتوں اور عام حالات میں پناہ لینے کی دعائیں پڑھتے رہنا چاہیے ۔ صبح سورۂ فلق وناس پڑھنے سے آفات سے امن رہتی ہے ۔ آفتوں کی مشقت سے مراد وہ دنیاوی یا دینی مصیبتیں ہیں ۔ جن کے دفع پر انسان قادر نہ ہو ۔ حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ کثرت عیال وقلت مال جہد بلا ہے کہ اس سے انسان کبھی کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے حدیث شریف میں ہے کَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا دوزخ کے کام کر بیٹھنا درک شقاء ہے اصل بدبختی دوزخ کا داخلہ ہے دوزخی عرض کریں گے ۔ رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا ۔ اور دوزخ میں پہنچانے والے عقیدے یا اعمال اختیار کر لینا شقاء بدبختی کا پانا ہے ۔ اس سے اللہ کی پناہ ، برے فیصلہ سے مراد ہے کفر پر مرنے کا فیصلہ یعنی میرے مولا میں دوزخیوں کے کاموں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس سے بھی تیری پناہ لیتا ہوں کہ تو میری بدکاریوں کی وجہ سے میرے دوزخی ہونے کا فیصلہ کر دے ۔ اس شرح سے یہ اعتراض

الْأَعْدَاءِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَغْرَمِ وَالْمَأْثَمِ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَفِتْنَةِ النَّارِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنٰى وَشَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ

طعنوں سے [۱] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ رنج و غم سے عاجزی و سستی سے اور بزدلی و کنجوسی سے قرض چڑھ جانے اور لوگوں کے غلبہ سے [۲] (مسلم بخاری)، [۳] روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں سستی سے بڑھاپے سے قرض سے اور گناہ سے [۴] الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں آگ کے عذاب سے آگ کے فتنہ سے [۵] اور قبر کے فتنہ اور قبر کے عذاب سے [۶] اور مالداری اور فقیری کے فتنہ سے [۷] اور مسیح دجال کے فتنوں سے۔

اٹھ گیا کہ فیصلہ الٰہی تو پہلے ہو چکا، اب اس سے پناہ مانگنے کے کیا معنی، کیونکہ یہاں وہ فیصلہ مراد نہیں۔

[۱] یعنی مولیٰ مجھے ایسی دینی و دنیاوی مصیبتوں میں نہ پھنسا جن سے میرے دشمن خوش ہوں اور مجھ پر طعنے کریں آوازے کسیں، اس سے بھی تیری پناہ یہ دعا بہت جامع ہے [۲] ان الفاظ کی شرح اور رنج و غم کا فرق پہلے باب میں عرض کیا گیا، صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرض کی فکر عقل خراب کر دیتی ہے، حدیث شریف میں اَلدَّیْنُ شَیْنُ الدِّیْنِ، قرض دین کا عیب ہے، لوگوں سے مراد ظالم یا قرض خواہ ہیں، یہ دعا بھی بہت جامع ہے کہ اس میں خارجی داخلی مصیبتوں اور جسمانی روحانی اذیتوں سے پناہ مانگ لی گئی ہے [۳] اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی، نسائی نے بھی روایت کیا، حصن حصین شریف میں یہ حدیث صرف بخاری کی قرار دی واللہ اعلم [۴] سستی سے مراد عبادات اور نیک اعمال کا طبیعت پر گراں ہو جانا، اور بڑھاپے سے وہ حالت مراد ہے جب انسان کی عقل گھٹ جائے۔ قوتیں جواب دے جائیں، دوسروں پر بوجھ بن جائے۔ شعر

دانت گرے اور کھر گھسے اور پیٹھ بوجھ نہ لے ؛ ایسے بوڑھے بیل کو کون باندھ بھس دے

اللہ تعالیٰ اپنا اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا محتاج رکھے، [۵] کفار آگ میں معذب ہوں گے مومن گنہگار معذب نہ ہوں گے بلکہ مؤدب و مہذب ہوں گے یعنی انہیں آگ کے ذریعہ پاک و صاف کر کے جنت کے لائق بنایا جائے گا آگ کے فتنہ سے مراد وہ گناہ ہے جو آگ میں جانے کا باعث بنا، لہذا کلام میں تکرار نہیں۔ آگ کا عذاب اور ہے آگ کا فتنہ کچھ اور [۶] یعنی اے مولیٰ اس سے بھی تیری پناہ کہ قبر کے سوالات کے جوابات مجھے بن نہ پڑیں اور اس سے بھی تیری پناہ کہ وہاں فیل ہو جانے پر سزا پاؤں۔ [۷] شیخی غفلت اور سرکشی، گناہوں کی طرف میلان، مال و عزت پر پھول جانا غنیٰ کا فتنہ ہے، مالداروں پر حسد، طمع ذلت، فکر فقیری کے فتنے، اللہ تعالیٰ دونوں قسم کے فتنوں سے بچائے۔ خیال رہے کہ نہ امیری بُری ہے نہ فقیری، دونوں جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوے ہیں، بلکہ ان کے فتنے بُرے ہیں۔ مصرع ع فقر و شاہی واردات مصطفےٰ است، اس میں اختلاف ہے کہ فقیری افضل ہے یا امیری۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ بعض کے لیے فقیری افضل ہے بعض کے لیے امیری، جس کے ذریعہ یار ملے وہ ہی بہتر، بعض بیماروں کو کڑوی دوا مفید ہوتی ہے بعض کو میٹھی، یہ تمام دعائیں اُمت

الدَّجَّالِ اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِیْ کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ
وَعَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰهَا وَزَکِّهَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰهَا اَنْتَ وَلِیُّهَا وَمَوْلٰهَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ

الٰہی میری خطائیں دھو دے برف کے اولے کے پانی سے ۱؎ اور میرا دل ایسا صاف کر دے جیسے سفید کپڑا میل سے صاف کیا جاتا ہے ۲؎
اور میرے اور میری خطاؤں کے درمیان ایسا فاصلہ کر دے جیسے پورب و پچھم کے درمیان ہے ۳؎ (مسلم بخاری) روایت ہے زید ابن ارقم
سے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھا کرتے تھے الٰہی میں عاجز رہ جانے ۴؎، سستی، بزدلی، کنجوسی بڑھاپے ۵؎ اور عذاب
قبر سے تیری پناہ لیتا ہوں ۶؎ الٰہی تو میرے نفس کو اس کی پرہیزگاری دے اسے پاک کر دے تو بہترین پاک کرنے والا ہے ۷؎ تو ہی نفس
کا والی وارث ہے ۸؎ الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں، اس علم سے جو نفع نہ دے ۹؎ اور اس دل سے جو عاجزی نہ کرے

کی تعلیم کے لیے ہیں، اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب کو ہر فتنہ سے محفوظ فرمایا تھا، آپ کا فقر بھی اکسیر تھا اور غنا بھی، صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

۱؎ خطاؤں کو دوزخ کی آگ قرار دیا اور مغفرت و رحمت کو برف کا پانی، جو آگ بجھا بھی دے اور اس جگہ کو ٹھنڈا بھی کر دے۔ یعنی مجھے قسم قسم کی رحمتوں و مغفرتوں کے ذریعہ دوزخ کے اسباب سے پاک صاف کر دے۔ ۲؎ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ ہمارے دل فطرۃً میلے ہوتے رہتے ہیں تیری رحمت ہو تو صاف ہو جائیں، اور جیسے میلے کپڑے والا اچھوں میں بیٹھنے کے لائق نہیں ہوتا، جب کپڑے صاف ہو جائیں تو اچھی جگہ اٹھ بیٹھ سکتا ہے، خدایا ایسے ہی ہم تیری جنت کے لائق بذات خود تو نہیں، ہاں تو کرم کرے تو ہو جائیں، یہ سب امت کو تعلیم ہے۔ ۳؎ یعنی جو خطا مجھ سے ہو چکی ہے انہیں معاف فرما کر مجھ سے دور کر دے اور آئندہ جو خطائیں مجھ سے سرزد ہو سکتی ہیں ان سے بچالے، جیسے مشرق و مغرب آپس میں نہیں مل سکتے ایسے ہی وہ خطائیں مجھ تک نہ پہنچ سکیں ایسا فصل کر دے لہذا خطاؤں سے مراد واقعی و امکانی دونوں خطائیں ہیں۔ ۴؎ عاجزی سے مراد عبادات نہ کر سکنا ہے جیسے روزہ، نماز، حج، جہاد وغیرہ اور سستی سے مراد ہے کہ قادر ہونے کے باوجود نہ کرنا، کنجوسی سے حقوق مالیہ ادا نہ کرنا ہیں خواہ حقوق اللہ ہوں جیسے زکوۃ، قربانی اور حج وغیرہ یا حقوق العباد جیسے بیوی بچوں، والدین، عزیزوں کے نان و نفقات نہ دینا، بڑھاپے سے مراد وہ بے عقلی اور سستی کٹ جانا ہے جو زیادتی عمر کے سبب ہو جاتی ہے۔ ۵؎ کہ تو مجھے دنیا میں عذاب قبر والے اعمال سے بچالے اور بعد موت خود اس عذاب سے محفوظ رکھ، خیال رہے کہ عذاب قبر کفار کو دائمی ہوتا ہے بعض مؤمن گنہگاروں کو عارضی مگر ضغطہ قبر یعنی تنگی وہ کبھی صالحین کو بھی ہو جاتی ہے اس لیے یہاں عذاب فرمایا تنگی کا ذکر نہ کیا۔ ۶؎ عربی میں ظاہری پاکی کو طہارت اور باطنی پاکی کو تزکیہ کہتے ہیں، اسی لیے مذبوح جانور کو مذکّٰی کہتے ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی، تقوٰی سے مراد فسق و فجور کا مقابل ہے رب تعالٰی فرماتا ہے فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا خیال رہے کہ کسب طہارت بندے کا کام ہے اور خلق طہارت رب کا کرم، جیسے بیج بو دینا بندے کا کام ہے پیداوار رب کا فضل یعنی ہمارے کسب سے تیرا کرم افضل و اکمل ہے۔ ۷؎ یعنی میرے نفس کو تقوٰی دے کیونکہ تو اس کا دل ہے اور اسے پاک کر دے کیونکہ تو اس کا وارث ہے، دو نعمتوں کے لیے دو صفت الٰہیہ کا ذکر ہوا۔ ۸؎ غیر نافع علم سے

وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ كَانَ مِنْ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْمَلْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ

اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دعا سے جس کی قبولیت نہ ہو۱؎ (مسلم) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے یہ بھی الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں۔ تیری نعمت کے زائل ہو جانے سے اور تیری عافیت کے منقلب ہو جانے سے۲؎ اور تیرے اچانک عتاب سے اور تیری تمام ناراضگیوں سے۳؎ (مسلم) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں کیے کی برائی سے اور نہ کیے کی برائی سے۴؎ (مسلم) روایت ہے ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے الٰہی میں تیرا مطیع ہوا۔ تجھ پر ایمان لایا اور تجھ پر بھروسہ کیا۵؎ اور تیری طرف رجوع کیا اور تیرے بھروسہ پر کفار سے جھگڑتا ہوں۶؎

مراد یا تو دنیاوی علوم ہیں جن سے دین میں کوئی نفع نہ ہو جیسے سائنس ریاضی منطق فلسفہ جن سے دین کی خدمت نہ لی جائے یا وہ علم دین ہیں جو دنیا طلبی کے لیے سیکھے جائیں یا جن پر عالم خود عمل نہ کرے دوسروں کو سکھائے نہیں یا اس سے نقصان دہ علوم مراد ہیں جیسے جادو وغیرہ کے علوم جن سے فساد پھیلایا جائے۔

۱؎ جس دل میں اللہ کے ذکر سے چین عذاب کے ذکر سے خوف جنت کے ذکر سے شوق حضور علیہ السلام کے ذکر سے وجدان نہ پیدا ہو وہ سخت ہے اللہ اس سے بچائے، اور جس نفس میں قناعت و سیری نہ ہو ایسے حریص نفس سے خدا کی پناہ۔ خیال رہے کہ تین نعمتیں کسی کسی کو ملتی ہیں: کفایت، قناعت، ریاضت، جسے یہ تین نعمتیں مل گئیں وہ بادشاہوں سے زیادہ خوش نصیب ہے، اس جملہ میں یہ تینوں نعمتیں مانگ لی گئی ہیں۔ ۲؎ زوال و انقلاب میں فرق یہ ہے کہ نعمت کا چھن جانا زوال ہے اور نعمت کے عوض نقمت و مصیبت آجانا انقلاب، نعمت سے مراد اسلام، ایمان، تندرستی، عناد وغیرہ تمام دینی و دنیاوی نعمتیں ہیں اللہ تعالٰی دے کر نہ لے وہ تو نہیں چھینتا ہم اپنی بدعملیوں سے زائل کر دیتے ہیں، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۳؎ یعنی خدایا ہمیں ایسے کاموں سے بچا جو تیری ناراضی کا باعث ہیں۔ ۴؎ یعنے جو برائیاں میں کر چکا ہوں ان کی شر سے بچالے کہ ان کی معافی دیدے اور جو برائیاں ابھی نہیں کیں آئندہ کرنے والا ہوں ان کی شر سے بچالے کہ ان کے کرنے کی توفیق نہ دے یا جو مصیبتیں خود میرے کئے سے آتی ہیں ان سے بچا اور جو ایک کے کرنے سے ساری قوم پر آتی ہیں نہ کرنے والے بھی رگڑے جاتے ہیں ان سے بچا، رب تعالٰی فرماتا ہے۔ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ مِنْكُمْ خَاصَّةً یا مجھے نکردہ گناہوں کی مصیبت سے بچا کہ شبہ میں گرفتار بلا ہو جاؤں، اس جملہ کی اور بھی تفسیریں ہو سکتی ہیں۔ ۵؎ ظاہری طاعت کو اسلام اور باطنی فرمانبرداری کو ایمان فرمایا گیا ہے۔ یعنے الٰہی میرا ظاہر و باطن، قالب و قلب تیرا مطیع ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو حقیقت بیان فرما رہے ہیں، ہم گنہگار یہ دعا حضور کی نقل کرتے ہوئے پڑھیں بھی خو،

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَنْ تُضِلَّنِیْ اَنْتَ الْحَیُّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ یَمُوْتُوْنَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْاَرْبَعِ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دُعَآءٍ لَا یُسْمَعُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ

الٰہی میں تیری عزت کی پناہ لیتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں اس سے کہ تو مجھے گمراہ کرے [۱] تو وہ زندہ ہے جسے موت نہیں اور تمام جن و انسان مر جائیں گے [۲] (مسلم بخاری) دوسری فصل روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے الٰہی میں چار چیزوں سے تیری پناہ لیتا ہوں [۳] اس علم سے جو نفع نہ دے [۴] اس دل سے جس میں عجز نہ ہو [۵] اس نفس سے جو سیر نہ ہو [۶] اس دعا سے جو سنی نہ جائے [۷] (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور ترمذی نے لیے

پتہ ہے کہ کتنے درجہ سے طبع ہیں، خدا کرے اصل کی برکت نقل پر بھی آ جائے۔ [۲] یعنے خدایا میں اپنی قوت و طاقت یا فوج و ہتھیار کے بھروسہ پر جہاد نہیں کرتا صرف تیرے بھروسہ پر کرتا ہوں یہ توکل وہ قوت ہے جو کفار کے پاس نہیں صرف مسلمانوں کو حاصل ہے۔

[۱] سبحان اللہ کیا پیاری عرض ہے۔ یعنے مولے عزت والے آقا اپنے غلاموں کو ذلیل نہیں ہونے دیتے۔ تجھے اپنی عزت و غلبہ کا واسطہ کر مجھے ذلت کے اسباب یعنے گمراہی وغیرہ سے بچالے۔ [۲] اس جملہ میں مسلمان کا رد ہے جو مصیبتوں میں جنات کی پناہ لیتے تھے خصوصاً بحالتِ سفر جب کسی منزل پر ٹھہرتے یعنے فانی کی پناہ بھی فانی ہے باقی کی پناہ بھی باقی، تیری پناہ دنیا و آخرت ہر جگہ کام آئے گی خیال رہے کہ سردی گرمی میں لباس و مکان کی پناہ، بیماری میں حکیم کی، مظلومیت میں حاکم کی، معصیت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ اس دعا کے خلاف نہیں کہ یہ تمام چیزیں رب تعالٰے ہی کے مقرر کردہ اسباب ہیں۔ ان کی پناہ رب تعالٰے کی پناہ ہے، مولانا جامی فرماتے ہیں شعر

یارسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام ؛ ہمچو کاہے آمدم بے گناہ آوردہ ام

[۳] ان چار کا ذکر حصر کے لیے نہیں بلکہ اظہار اہمیت کے لیے ہے، یعنے تمام نقصان دہ چیزوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں، خصوصاً ان چاروں سے کہ ان کا نقصان بہت زیادہ ہے۔ [۴] اس طرح کہ وہ علم ہی مضر ہو، جیسے جادو وغیرہ کا علم، یا غیر مفید ہو جیسے غیر ضروری علوم یا علم بذاتِ خود تو مفید ہو مگر میں اس سے فائدہ نہ اٹھاؤں، جیسے علم دین جو محض دنیا کمانے کے لیے سیکھا جائے، لیکن اس پر عمل نہ کیا جائے: صوفیاء فرماتے ہیں کہ علم با عمل کل ہمارا گواہ ہوگا اور علم بے عمل ہمارے خلاف گواہ۔ خیال رہے کہ کوئی علم بذاتِ خود برا نہیں بلکہ نتیجہ اور نیت کے لحاظ سے برا بن جاتا ہے، اگر کوئی علم بذاتِ خود برا ہوتا تو وہ پروردگار کو نہ ہوتا، لہذا اس دعا سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضور علیہ السلام کو بعض علوم نہ تھے، سب سے بدتر چیزیں کفر اور جادو ہیں، مگر علماء فرماتے ہیں کہ ان کا سیکھنا کبھی فرض ہے بچنے کے لیے۔ [۵] عاجز دل زرخیز زمین کی طرح ہے جس میں پیداوار خوب ہوتی ہو اور سخت دل اس پتھریلے علاقہ کی طرح ہے جس میں بکھیرا ہوا بیج بیکار رہتا ہے۔ رب تعالٰے فرماتا ہے فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰهِ۔ [۶] یعنی دنیا سے سیر نہ ہو، جیسے استسقاء کی بیماری والا پانی سے سیر نہیں ہوتا، آخرت نیکیوں سے سیر نہ ہونا خدا کی رحمت ہے۔ شعر

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو وَالنَّسَائِیُّ عَنْہُمَا ۔ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ
سَلَّمَ یَتَعَوَّذُ مِنْ خَمْسٍ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَسُوْءِ الْعُمُرِ وَفِتْنَۃِ الصَّدْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ رَوَاہُ
اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ ۔ وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ
اَللّٰہُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْقِلَّۃِ وَالذِّلَّۃِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ رَوَاہُ
اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ ۔ وَعَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اَللّٰہُمَّ اِنِّیْ
اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ ۔ وَعَنْہُ

حضرت عبداللہ ابن عمرو سے روایت کیا اور نسائی نے ان دونوں صاحبوں سے۔ روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ چیزوں سے پناہ مانگتے تھے بزدلی سے بخل سے، بری عمر سے[1] سینوں کے فتنوں[2] اور قبر کے عذاب سے[3] (ابوداؤد و نسائی) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں فقیری اور کمی اور ذلت سے[1] اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ ستاؤں یا ستایا جاؤں[2] (ابوداؤد، نسائی) روایت ہے انہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں، عداوت، ومنافقت اور بد خلقی سے[3] (ابوداؤد، نسائی) روایت ہے انہی سے

حاجتے نیست مرا سیرازیں آب حیات ٭ ضاعف اللّٰہ علی کل زمان عطشی

ہمارے حضور بھی دینے سے سیر نہیں ہوتے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ تو ہم ان سے لینے سے کیوں سیر ہوں۔[4] یعنے بارگاہ الٰہی میں قبول نہ ہو، کیونکہ مردود دعا کبھی دعا کرنے والے کی مردودیت کی علامت ہوتی ہے، خیال رہے کہ انبیائے کرام کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔ ہاں کبھی انہیں دعا سے روک دیا جاتا ہے، دعا سے روکنا اور ہے اور رد کرنا کچھ اور۔

[1] قتال نہ کرسکنا بزدلی ہے اور مال خرچ نہ کرسکنا بخل اور بری عمر سے مراد بڑھاپے کی وہ حالت ہے جب اعضاء جواب دے جائیں اور انسان اپنے گھر والوں پر بوجھ بن جائے اس کا ذکر پہلے ہوچکا ہے (لمعات)۔ [2] برے عقیدے، برے اخلاق حسد، کینہ وغیرہ سب سینوں کے فتنے ہیں۔ عذاب قبر سے مراد وہ اعمال ہیں جو قبر کے عذاب کا باعث ہیں یا خود قبر کا عذاب اس کی تحقیق پہلے ہوچکی ہے [3] فقیری سے مراد یا دل کی فقیری ہے یعنی قناعت نہ ہونا یا مال کی فقیری جو کفر یا گناہ تک پہنچادے۔ اور کمی سے مراد نیک اعمال اور اچھے اخلاق کی کمی یا مسلمانوں کی تعداد کی کمی ہے ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مال و اسباب کی زیادتی پسند نہ فرماتے تھے (مرقات)۔ ذلت سے مراد لوگوں کی نگاہ میں حقارت ہے یا مالداروں کے سامنے عاجزی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ فقر کے معنی ہیں پیٹھ توڑنے والی چیز، فقار پیٹھ کے جوڑ، یہ چار قسم کا ہے ایک حاجتوں اور ضرورتوں کا پیش رہنا یہ سارے انسانوں کو ہے رب تعالٰی فرماتا ہے وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ، دوسرا ضروریات کا پورا نہ ہونا جس سے انسان زکوۃ لینے کے قابل ہوجاتا ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا، یا فرماتا ہے اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ۔ تیسرے دل کی ہوس، چوتھے رب کی طرف محتاجی، حضور علیہ السلام نے تیسری قسم کے فقر سے پناہ مانگی ہے اور چوتھے فقر میں یہ فرق ہے کہ پہلا اضطراری ہے اور چوتھا اختیاری۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّهٗ بِئْسَ الضَّجِیْعُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخِیَانَةِ فَاِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُذَامِ وَالْجُنُوْنِ وَمِنْ سَیِّئِ الْاَسْقَامِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ، وَعَنْ قُطْبَةَ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ مُنْکَرَاتِ

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرض کیا کرتے تھے الٰہی میں بھوک سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ یہ بری بستر کی ساتھی ہے ۱ اور خیانت سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ یہ بدترین مشیر کار ہے ۲ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھا کرتے تھے۔ الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں، برص سے کوڑھ سے دیوانگی سے ۳ اور بری بیماریوں سے ۴ (ابوداؤد، نسائی) روایت ہے حضرت قطبہ ابن مالک سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں بری عادتوں سے

جو انبیاء اور خاص اولیاء کو حاصل ہوتا ہے۔ ۴ اس طرح کہ میں اپنے نفس پر ظلم کروں یا نفس مجھ پر، یا میں اور دوسروں پر ظلم کروں دوسرے مجھ پر: ظلم بمعنے حق مارنا۔ ۵ شقاق سے مراد ہے حق کی مخالفت یا حق والوں سے نفرت، اور نفاق سے مراد نفاق اعتقادی وعملی دونوں ہیں۔ بدخلقی سے مراد بری عادتیں ہیں، جیسے زنا چوری حسد اور دوسروں سے ہمیشہ اکڑنا: صوفیاء فرماتے ہیں کہ زیادہ کھانا اور زیادہ سونا بھی بدخلقی ہے۔

۱ بھوک سے وہ بھوک مراد ہے جو عبادات سے روک دے۔ خیال پراگندہ کر دے کہ ان سے انسان بہت سے گناہ کر بیٹھتا ہے، روزہ کی بھوک تو عبادت ہے بعضیال رہے کہ کبھی زیادتی بھوک میں حرام حلال ہوجاتا ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے وَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ۔ ۲ خیانت امانت کی ضد ہے خفیۃً کسی کا حق مارنا خیانت کہلاتا ہے خواہ اپنا حق مارے یا اللہ رسول کا یا اسلام کا یا کسی بندہ کا۔ رب تعالٰی فرماتا ہے لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْا اَمٰنٰتِكُمْ۔ بطانۃ، استر، ظہارہ، ابرہ، اب بطانہ وہ خفیہ بات جو پیٹ میں رکھی جائے۔ پھر مشیر خاص کو جو اپنا صاحب اسرار ہو اور خلوت وجلوت میں ساتھ رہے بطانہ کہتے ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ: یہاں یہ آخری معنی ہی مراد ہیں۔

۳ برص یا تو جسم کے سفید داغ ہیں اور جسم میں سودا پھیل کر جو اعضاء کی اصل صورت بدل دے، جس سے کبھی انگلیاں جھڑ جاتی ہیں یا جسم پر پھوڑے پھیل جاتے ہیں یہ جذام ہے یعنے کوڑھ۔ اور عقل کا جاتا رہنا یا بگڑ جانا جنون ہے۔ چونکہ برص وجذام میں تکلیف بھی ہے۔ اور لوگوں کی نفرت بھی، جن کی وجہ سے انسان بہت سی عبادات سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور عقل بگڑ جانے پر آدمی برے بھلے میں تمیز نہیں کرسکتا، اس لیے ان بیماریوں سے پناہ مانگی ۴ جیسے استسقاء، سل، دق اور وہ لمبی بیماریاں جن میں انسان صبر نہیں کرسکتا، لوگوں پر بوجھ بن جاتا ہے، لوگ اس سے گھبرا کر اس کی موت کی دعائیں کرنے لگتے ہیں، بندہ ان کی وجہ سے حقوق اللہ وحقوق العباد ادا کرنے سے محروم ہوجاتا ہے اللہ تعالٰی چلتے ہاتھ پاؤں اٹھائے۔ آمین خیال رہے کہ یہ دعا ہماری تعلیم کے لیے ہے، ورنہ تمام انبیاء کرام حضور سید الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ان امراض سے محفوظ ہیں، بعض لوگ جذام کو متعدی

الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَهْوَاءِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ • وَعَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلِ بْنِ حُمَيْدٍ عَنْ اَبِيْهِ
قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ عَلِّمْنِيْ تَعْوِيْذًا اَتَعَوَّذُ بِهٖ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِيْ
وَشَرِّ بَصَرِيْ وَشَرِّ لِسَانِيْ وَشَرِّ قَلْبِيْ وَشَرِّ مَنِيِّيْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ • وَعَنْ
اَبِي الْيَسَرِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُوْا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَدْمِ وَ
اَعُوْذُ بِكَ مِنَ التَّرَدِّيْ وَمِنَ الْغَرَقِ وَالْحَرَقِ وَالْهَرَمِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ يَّتَخَبَّطَنِيَ الشَّيْطٰنُ

برے کاموں سے اور بری خواہشوں سے¹ (ترمذی) روایت ہے حضرت شتیر ابن شکل ابن حمید سے وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں
میں نے عرض کیا یا نبی اللہ مجھے کوئی تعویذ سکھایئے جس سے میں تعویذ کیا کروں² فرمایا کہو الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں اپنے کان اپنی آنکھ
زبان دل اور منی کی شر سے³ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) روایت ہے حضرت ابوالیسر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا
مانگا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں عمارت گرنے سے اور تیری پناہ لیتا ہوں اوپر سے گر جانے اور ڈوب جانے جل جانے⁴
اور بڑھاپے سے اور تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ شیطان مجھے وسوسے دے

بیمار سمجھتے ہیں یعنی ذکر کئے والا، اس کی تحقیق انشاء اللہ لاعدویٰ کی شرح میں ہوگی۔

۱؎ برے اخلاق سے مراد وہ باطنی و اندرونی اعمال ہیں جو خلاف شرع ہوں، جیسے بد عقیدگی، حسد، کینہ وغیرہ اور برے اعمال سے وہ ظاہری اعمال ہیں جو خلاف شریعت ہیں، جیسے زنا، چوری، جھوٹ، غیبت وغیرہ، اور بری خواہشوں سے مراد برائیوں کی طرف دل کا میلان ہے ہوئی کے لغوی معنی ہیں محبت بری چیز سے ہو یا اچھی سے، پہلی ہوئی بری ہے اور دوسری اچھی، مگر اس کا اکثر استعمال بری رغبتوں میں ہوتا ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے "وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ" صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر ہوئی ھدٰی سے مل جائے تو ایسی ہے جیسے شہد اور مکھن ملا ہوا۔ کبھی برے عقیدوں کو بھی ہوئی کہہ دیتے ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے "اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ"۔ ۲؎ یعنی وہ دعائیہ کلمات سکھایئے جن کے ذریعہ برائیوں سے رب تعالٰی کی پناہ لوں، تعویذ اس کاغذ کے پرزے کو بھی کہتے ہیں جس میں قرآنی آیت یا دعائیں لکھ کر اپنے پاس رکھیں کہ اس سے مقصود بھی پناہ لینا ہے، اس لفظ کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ ۳؎ بری چیزیں گانے بجانے وغیرہ سننا کان کا شر ہیں، جھوٹ اور غیبت اور نقصان دہ یا بیکار باتیں کرنا زبان کا شر اور حسد، کینہ، برے عقیدے دل کا شر ہیں اور زنا و اسباب زنا میں مبتلا ہونا منی کا شر ہیں، منی سے مراد وہ ہی مشہور چیز ہے جس کے خارج ہونے سے غسل واجب ہوتا ہے، بعض شارحین نے فرمایا کہ منی مُنْيَة کی جمع ہے بمعنی موت یا اُمْنِيَّة کی جمع ہے بمعنی آرزو و تمنا یعنی خدایا بری قسم کی موتوں سے تیری پناہ، یا دنیوی لمبی امیدوں سے تیری پناہ، مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں (مرقات و لمعات) ۴؎ اگرچہ یہ چاروں قسم کی موتیں شہادت ہیں مگر چونکہ ناگہانی آفتیں بھی ہیں، جن میں انسان مبتلا ہو کر کبھی گھبرا کر ایمان کھو بیٹھتا ہے اور ان سے موت ناگہانی بھی ہے جن میں توبہ اور تیاری موت کی مہلت نہیں ملتی اس لیے ان سے پناہ مانگی، جیسے جہاد عبادت ہے، مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے امن و عافیت کی دعائیں مانگی ہیں اور ہر بیماری میں اجر ہے مگر سرکار نے ان سے پناہ مانگی (از لمعات)

عِنْدَ الْمَوْتِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ فِیْ سَبِیْلِكَ مُدْبِرًا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ لَدِیْغًا رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ وَزَادَ فِیْ رِوَایَةٍ اُخْرٰی وَالْغَمِّ۔ وَعَنْ مُعَاذٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِسْتَعِیْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ طَمَعٍ یَهْدِیْ اِلٰی طَبَعٍ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْكَبِیْرِ۔ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَظَرَ اِلَى الْقَمَرِ فَقَالَ یَا عَائِشَةُ اسْتَعِیْذِیْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ هٰذَا فَاِنَّ هٰذَا هُوَ الْغَاسِقُ اِذَا وَقَبَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ

موت کے وقت [1] اور تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ تیری راہ میں پیٹھ پھیر کر مروں اور تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ سانپ سے ڈسا ہوا مروں [2] (ابوداؤد، نسائی) اور دوسری روایت میں یہ زیادتی ہے کہ غم سے [3] روایت ہے حضرت معاذ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا اللہ کی پناہ مانگو اس طمع سے جو مہر لگ جانے تک پہنچا دے [4] (احمد، بیہقی، دعوات الکبیر) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند دیکھا [5] تو فرمایا اے عائشہ اس کی شر سے اللہ کی پناہ مانگو [6] یہ ہی وہ غائب ہو جانے والا ہے گرہن لگے وقت [7] (ترمذی)

[1] بڑھاپے سے مراد بڑا بڑھاپا ہے جس میں ست کٹ جاتی ہے اور خبط سے مراد ہے دیوانگی یا بے عقلی، شیطان کا زیادہ زور موت کے وقت ہوتا ہے کیونکہ اسی پر اعمال کا مدار ہے اس سے معلوم ہوا کہ شیطان دیوانگی اور بیماریاں انسان میں پیدا کرسکتا ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے۔ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ لہذا حضرات انبیاء کرام و اولیاء اللہ باذن پروردگار شفا بھی دے سکتے ہیں۔ [2] یہ دعا بھی تعلیم امت کے لیے ہے ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں پیٹھ پھیرنے اور وفات کے وقت شیطان کی مس سے محفوظ ہیں، لدیغ ہر زہریلے جانور کے کاٹے ہوئے کو کہتے ہیں، بچھو ہو یا سانپ۔ خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موت سے پناہ مانگی ہے لہذا وہ واقعہ اس دعا کے خلاف نہیں جو طبرانی نے سیدنا علی مرتضٰی سے نقل کیا کہ ایک بار حضور علیہ السلام کو بچھو نے کاٹ لیا تو آپ نے اس پر پانی اور نمک لگایا اور سورہ کافرون، فلق و ناس دم کی (مرقات)۔ [3] غم سے مراد وہ دنیوی سخت تکلیف ہے جو فکر آخرت سے روک دے۔ [4] طمع کے لفظی معنے ہیں لوگوں سے مال کی امید رکھنا اور طبع لوہے کی وہ زنگ ہے جو اسے مٹی بنادے (اشعہ) مگر یہاں طمع سے مراد نفس کا اپنی خواہشات میں محو ہو جانا ہے اور طبع سے مراد وہ عیب ہیں جو زائل نہ ہو سکیں، یعنے خدایا مجھے اس دنیوی حرص سے بچالے جو حریص کو ذلیل کر دیتی ہے اور اُسے ذلت کا احساس بھی نہیں ہوتا، طبع مہر لگانے کو بھی کہتے ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْهِ۔ ظاہری گناہ کبھی دل پر مہر لگ جانے کا باعث بن جاتے ہیں خصوصًا حرص دنیا، مُہر لگنے سے انسان بُرے بھلے میں تمیز نہیں کرتا، حرص کا انجام یہ ہی ہے کہ حریص اچھا بُرا، حلال حرام ہر طرح کا مال رگڑھتا ہے، یہ شخص کتے سے بدتر ہے کہ کتا سونگھ کر چیز میں منہ ڈالتا ہے، مگر یہ بغیر سوچے ہی۔ [5] پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ تیسری تاریخ کے بعد کے چاند کو قمر کہتے ہیں، اس سے پہلے ہلال کہلاتا ہے۔ [6] ظاہر یہ ہے کہ ہذا سے اشارہ چاند ہی کی طرف ہے، نہ کہ رات کی طرف جیسا کہ بعض شارحین کا خیال ہے۔ [7] اس فرمان میں اشارہ اس آیت کریمہ کی طرف ہے مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ۔ آیت کریمہ میں غاسق اور وقب کی بہت سی تفسیریں کی گئی ہیں، غاسق رات تاریک اور وقب شفق غائب ہونا چونکہ بہت سے گناہ، چوریاں، قتل، زنا، اندھیری رات میں ہی ہوتے ہیں، اس لیے اس سے پناہ مانگی گئی، غاسق چاند،

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِيْ يَا حُصَيْنُ كَمْ تَعْبُدُ الْيَوْمَ اِلٰهًا قَالَ اَبِيْ سَبْعَةً سِتًّا فِي الْاَرْضِ وَوَاحِدًا فِي السَّمَاءِ قَالَ فَاَيُّهُمْ تَعُدُّ لِرَغْبَتِكَ وَرَهْبَتِكَ قَالَ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ قَالَ يَا حُصَيْنُ اَمَا اِنَّكَ لَوْ اَسْلَمْتَ عَلَّمْتُكَ كَلِمَتَيْنِ تَنْفَعَانِكَ قَالَ فَلَمَّا اَسْلَمَ حُصَيْنٌ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِيَ الْكَلِمَتَيْنِ اللَّتَيْنِ وَعَدْتَّنِيْ فَقَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَاَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَعَنْ عَمْرِو

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے [1] فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے اے ابو حصین تم آج کل کتنے معبودوں کو پوجتے ہو میرے والد بولے سات چھ زمین کے [2] اور ایک آسمان کا تو فرمایا کہ ان میں سے خوف و امید کس سے رکھتے ہو بولے اس آسمان والے سے [3] فرمایا اے حصین اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تمہیں دو دعائیں ایسی سکھاؤں جو تمہیں بہت فائدہ دیں [4] فرماتے ہیں جب حصین مسلمان ہوگئے تو عرض کیا یارسول اللہ مجھے وہ دعائیں سکھایئے جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا [5] فرمایا پڑھا کرو الٰہی مجھے میری ہدایت کا الہام کر اور مجھے میرے نفس کی شرارت سے پناہ دے [6] (ترمذی) روایت ہے حضرت عمرو

کیونکہ یہ بھی سب ہیں چھپ کر اندھیرا پھیلا دیتا ہے، اور وقب گرہن لگنا۔ چونکہ چاند گرہن بہت ہیبت ناک چیز ہے اور اس وقت اکثر جادو ٹونے ہوتے ہیں، اس لیے اس سے پناہ مانگی، یہ حدیث پاک اسی معنی کی طرف اشارہ کر رہی ہے، غاسق اور وقب کی اور بہت تفسیریں ہیں جو طوالت کے خوف سے چھوڑ دی گئیں معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات منحوس ہوتے ہیں بعض سعید۔ رب تعالٰی فرماتا ہے فی یوم نحس مستمر، حضور انور کی ولادت و معراج کی ساعتیں بڑی سعید و مبارک ہیں۔ منحوس ساعتوں سے پناہ مانگو اور مبارک ساعتوں سے برکت لو۔

[1] آپ کا نام عمران کنیت ابو الخیر ہے خزاعی کعبی ہیں، خیبر کے سال اپنے والد حصین کے ساتھ ایمان لائے، عہد فاروقی میں بصرے بھیجے گئے پھر وہاں رہ گئے، بصرے ہی میں ۵۲ھ میں وفات ہوئی۔ ابن سیرین فرماتے ہیں کہ عمران جیسا پرہیزگار وافضل کوئی بصرہ میں نہ تھا، آپ کو فرشتے سلام کرتے تھے (کتاب المکاشفت مولانا عبدالحق، از حاشیہ اکمال) [2] یعنی لات، منات، یغوث، یعوق، نسر، عزیٰ، ان تمام کا ذکر قرآن شریف میں ہے، یہ تمام بُت عورتوں کے نام پر تھے، مگر چونکہ ان میں اللہ تعالٰی کو ساتواں معبود کہا گیا جو مؤنث نہیں ہے اس لیے سبعۃ ت سے کہا جو مذکر کے لیے بولا جاتا ہے۔ [3] یعنی مصیبت میں فریاد، حاجت میں داد اس رب سے چاہتے ہیں جو آسمان والا ہے یعنی اللہ تعالٰی سے باقی یہ چھ تو اعزازی یا ٹمپریری (TEMPORARY) ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالٰی آسمان میں رہتا ہے، چونکہ ابھی یہ کافر تھے، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کسی بات کی تردید نہ فرمائی، لہذا اس خاموشی سے یہ لازم نہیں کہ اسلام کا بھی یہ عقیدہ ہے۔ [4] سبحان اللہ کیسی نفیس تبلیغ ہے کسی کو لالچ دے کر کسی کو ڈرا کر کسی اپنا دیوانہ بنا کر دعوت اسلام دی، حضرت بلال کو کیا دے کر بلایا، اپنا عشق دے کر، اپنا شوق دے کر ایسی کو سب کچھ دے کر ان کا سب کچھ دکھ درد دور کر دیا۔ [5] یعنی حضرت حصین اس وقت تو ایمان نہ لائے مگر تیر نظر کے گھائل ہو چکے تھے اس گھاؤ نے اپنا کام کر دیا، کچھ عرصہ بعد ایمان لائے تو یہ وعدہ یاد دلایا۔ بھاگ لگانے کے کچھ دیر بعد ہی جمتا ہے۔ [6] ہر شخص کی خاص ہدایت جداگانہ ہے جو رب تعالٰی نے اس کے نصیب میں رکھی ہے، کسی کو صرف ایمان کی ہدایت، کسی کو تقوٰی کی کسی عرفان کی، کسی کو عشق رحمان کی۔ مقصد یہ ہے کہ مولیٰ میں ایمان تو لے آیا، اب میرے نصیب میں جو

ابن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا فزع احدکم فی النوم فلیقل اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبہٖ وعقابہٖ وشر عبادہٖ ومن ھمزات الشیاطین وان یحضرون فانھا لن تضرہ وکان عبد اللہ بن عمرو یعلمھا من بلغ من ولدہٖ ومن لم یبلغ منھم کتبھا فی صک ثم علقھا فی عنقہٖ رواہ ابوداؤد والترمذی وھذا لفظہ ٭ وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سال اللہ

ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی خواب سے گھبرا جائے[1] تو کہے میں اللہ کے پورے کلمات کی پناہ لیتا ہوں[2] اس کی ناراضی اس کے عذاب سے اور اس کے بندوں کی شر اور شیطانوں کے وسوسوں سے[3] اور ان کی حاضری سے تو تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچے گا[4] عبداللہ ابن عمرو اپنی بالغ اولاد کو یہ سکھا دیتے تھے اور ان میں سے نابالغوں کے گلے میں کسی کاغذ پر لکھ کر ڈال دیتے تھے[5] (ابوداؤد، ترمذی) اور ترمذی کے یہ لفظ ہیں۔ روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ سے

مخصوص ہدایت تو نے رکھی ہے وہ عطا فرما اور ہر نفس شرارتوں کی جڑ ہے اس کی شر سے مجھے بچا لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ حضرت حصین ہدایت تو پا چکے تھے پھر ہدایت کیوں مانگی، ہدایت کی تحقیق اس کے اقسام ہماری تفسیر نعیمی اھدنا الصراط المستقیم کی شرح میں ملاحظہ فرمائیے۔ خیال رہے کہ شیطان کی شرارت سے نفس کی شرارت زیادہ ہے کہ شیطان تو لاحول وغیرہ سے بھاگ جاتا ہے یہ مار آستین کسی عمل سے نہیں قبضہ میں آتا، صرف رب تعالٰی کے فضل سے آتا ہے۔

[1] یا سوتے میں بُرا خواب دیکھ کر گھبرائے، یا سوتے وقت بُرے خواب کے خطرے سے گھبرائے، پہلی صورت میں تو اُس بُرے خواب کا ظہور نہ ہوگا۔ دوسری صورت میں یہ شخص بدخوابی سے بچے گا۔ [2] پورے کلمات کی شرح گذر چکی کہ اس سے مراد اسماء الٰہیہ ہیں یا آیات قرآنیہ یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ کلمات اللہ ہیں جیسے موسٰی علیہ السلام کلیم اللہ ہیں اور عیسٰی علیہ السلام کلمۃ اللہ۔ [3] عقاب سے مراد عذاب یا حجاب ہے، اور بندوں کی شر سے مراد ظلم، گناہ وغیرہ اور شیطان کے وسوسوں سے مراد فتنے اور بُرے عقیدے ہیں، بہت ہی جامع و مکمل دعا ہے۔ [4] اس کا مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ اگر سونے سے پہلے یہ دعا پڑھ لی گئی تو بدخوابی سے حفاظت ہوگی، اور اگر بُرا خواب دیکھ کر پڑھی تو وہ خواب باطل ہوجائے گا ان شاء اللہ اس کا ظہور نہ ہوگا۔ [5] یعنی حضرت عمرو ابن شعیب کے دادا حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص سمجھدار بچوں کو تو یہ دعا یاد کرا دیتے تھے تاکہ وہ خود پڑھ لیا کریں، اور ناسمجھ بچے جو نہ یاد کرسکیں اُن کے گلے میں اس دعا کا تعویذ بنا کر ڈال دیتے تھے، یہاں بالغ سے مراد سمجھ دار ہے، اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ آیات قرآنیہ اسمائے الٰہیہ اور دعوات ماثورہ کا جو فائدہ پڑھنے سے ہوتا ہے وہ ہی فائدہ بفضلہ تعالٰی لکھ کر ساتھ رکھنے سے ہوتا ہے، لُو کے زمانے میں لوگ اپنے ساتھ پیاز رکھتے ہیں تو لُو سے محفوظ رہتے ہیں، جب پیاز لُو سے بچا سکتی ہے کہ اسماء الٰہیہ پاس رکھنے سے آفات سے بچاؤ ہوسکتا ہے؛ دوسرے یہ کہ تعویذ لکھنا ہاتھ یا گلے میں باندھنا سنت صحابہ ہے، جن تعویذ گنڈوں سے منع کیا ہے وہ کفار کے جنتر منتر کے تعویذ ہیں جن میں شرکیہ الفاظ ہوں؛ تیسرے یہ کہ دعاؤں کے الفاظ بھی نافع ہیں اور اُن کے نقوش بھی، بلکہ وہ کاغذ بھی جن پر یہ نقوش لکھے جائیں، بعض دعائیں لکھ کر دھو کر اُن کا پانی پلایا جاتا ہے ان کی اصل

الْجَنَّةَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ الْجَنَّةُ اَللّٰهُمَّ اَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَمَنِ اسْتَجَارَ مِنَ النَّارِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ النَّارُ اَللّٰهُمَّ اَجِرْهُ مِنَ النَّارِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ ؕ

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنِ الْقَعْقَاعِ اَنَّ كَعْبَ الْاَحْبَارِ قَالَ لَوْلَا كَلِمَاتٌ اَقُوْلُهُنَّ لَجَعَلَتْنِيْ يَهُوْدُ حِمَارًا فَقِيْلَ لَهٗ مَا هُنَّ قَالَ اَعُوْذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ لَيْسَ شَيْءٌ اَعْظَمَ مِنْهُ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ وَبِاَسْمَاءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰى مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا

تین بار جنت مانگے تو جنت کہتی ہے الٰہی اسے جنت میں داخل فرمادے اور جو تین بار آگ سے پناہ مانگے تو آگ کہتی ہے الٰہی اسے آگ سے امان دے دے [۱] (ترمذی، نسائی) تیسری فصل، روایت ہے حضرت قعقاع سے کہ جناب کعب احبار فرماتے ہیں [۲] کہ اگر میں تین کلمات نہ کہہ لیتا ہوتا تو یہود تو مجھے گدھا بنا دیتے [۳] ان سے عرض کیا گیا وہ کیا ہیں فرمایا پناہ لیتا ہوں میں اللہ کی عظمت والی ذات کی جس سے بڑی کوئی چیز نہیں اور اللہ کے پورے کلموں کی جن سے کوئی نیک کار و بدکار آگے نہیں بڑھ سکتا اور اللہ کے اچھے ناموں کی جو مجھے معلوم ہیں اور

بھی یہ حدیث بن سکتی ہے، اس پانی اور اس کاغذ کو اللہ کے نام سے نسبت ہوگئی تو شفا بن گئے، حضرت جبریل کی گھوڑی کی ٹاپ کی خاک نے سونے کے بچھڑے میں جان ڈال دی، ایوب علیہ السلام کے پاؤں کا دھوون شفا تھا قرآن حکیم، آب زمزم شفا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوۃ والسلام کی ایڑی سے جاری ہوا حدیث پاک

[۱] یعنی جو روزانہ صبح و شام یا دن میں ایک بار یا عمر میں ایک بار تین دفعہ یہ کہے اَللّٰهُمَّ اَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ اور تین دفعہ یہ کہے اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ مِنَ النَّارِ تو خود جنت اس کے لیے داخلہ کی دعا کرے گی اور خود دوزخ اپنے سے پناہ کی بارگاہ الٰہی میں عرض کرے گی: حق یہ ہے کہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں، جنت کے در و دیوار، برگ و بار، وہاں کے حور و غلمان و فرشتے سبھی اس کے لیے دعا کرتے ہیں، قرآن کریم فرماتا ہے وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ آگ کہے گی اے خدا مجھے اور زیادہ کر دے، اور فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ ہر چیز رب تعالٰی کی تسبیح و تحمید کرتی ہے، حضور علیہ السلام سے پتھروں، لکڑیوں نے کلام کیا، لہذا نہ تو یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ جنت بزبانِ حال کہتی ہے اور نہ یہ کہ وہاں کے حور و غلمان و ملائکہ کہتے ہیں (لمعات و مرقات)، [۲] قعقاع تابعی ہیں، کعب احبار یہود کے بڑے عالم تھے، انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر ملاقات نہ کر سکے: زمانہ فاروقی میں ایمان لائے، لہذا دونوں حضرات تابعی ہیں، [۳] یعنی میرا اسلام یہود پر اتنا گراں ہے اور وہ میرے ایسے دشمن ہو گئے ہیں کہ اگر میرے پاس یہ عمل نہ ہوتا جادوگر یہودی اپنے جادو کے زور سے میری شکل یا میری عقل گدھے کی سی کر دیتے، خیال رہے کہ جادو سے عقل بھی خراب کی جا سکتی ہے اور اگر جادو قوی ہو تو شکل بھی بدل جاتی ہے، فرعون کے جادوگروں نے رسّوں اور لٹھوں کو سانپ بنا دیا تھا، مگر حقیقت تبدیل نہیں ہوتی، بعض شعبدہ باز مٹی کو روپیہ بنا دیتے ہیں، مگر پھر پیسہ پیسہ لوگوں سے مانگتے ہیں، اور معجزہ میں حقیقت تبدیل ہو جاتی ہے، عصائے موسوی واقعہ میں سانپ بن جاتا تھا اس کی پوری بحث ہماری تفسیر نعیمی میں دیکھو (از مرقات و لمعات)، [۴] یعنی میں اللہ کی ذات اور اس کے ان کلموں کی پناہ لیتا ہوں کہ جسے ان کی حفاظت نصیب ہو جائے وہ ہر بُرے بھلے کے شر سے بچ جائے، اُن کے حصار کو نہ توڑ سکے، بُرے سے مراد شیاطین

لَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَأَ وَبَرَأَ رَوَاهُ مَالِكٌ ۔ وَعَنْ مُسْلِمِ بْنِ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ كَانَ اَبِيْ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ الصَّلٰوةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ فَكُنْتُ اَقُوْلُهُنَّ فَقَالَ اَيْ بُنَيَّ عَمَّنْ اَخَذْتَ هٰذَا قُلْتُ عَنْكَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُهُنَّ فِيْ دُبُرِ الصَّلٰوةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ فِيْ دُبُرِ الصَّلٰوةِ وَرَوٰى اَحْمَدُ لَفْظَ الْحَدِيْثِ وَعِنْدَهُ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ۔ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْكُفْرِ وَالدَّيْنِ فَقَالَ

معلوم نہیں ان تمام کی شر سے جنہیں رب نے پیدا کیا پھیلایا اور بخشیک کیا لے (مالک) روایت ہے حضرت مسلم ابن ابوبکرہ سے فرماتے ہیں کہ میرے والد ہر نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے۔ الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں، کفر، فقیری، اور قبر کے عذاب سے تو میں بھی پڑھنے لگا ۲ے آپ نے فرمایا اے میرے بچے تو نے یہ دعا کس سے لی میں نے کہا آپ سے ۳ے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے ۴ے (ترمذی، نسائی) لیکن نسائی نے نماز کے بعد کا ذکر نہ کیا اور احمد نے اس حدیث کے الفاظ روایت کیئے اور ان کے نزدیک ہر نماز کے پیچھے ہے۔ روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں کفر اور قرض سے ۵ے ایک شخص نے عرض کیا

ہیں اور بھلے سے مراد انسان، کہ یہ بذات خو د تو بھلا ہے مگر اس میں کبھی شر پیدا ہو جاتی ہے۔ کلمات اللہ کے معنے با رہا بیان کیے جا چکے۔

لے اس دعا میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اللہ کے کلمات یعنی آیات قرآنیہ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالےٰ کے ناموں کی پناہ لی گئی ہے معلوم ہوا کہ ما سوی اللہ کی پناہ لینا جائز ہے۔ خَلَقَ ذَرَءَ اور بَرَءَ تینوں قریب المعنے ہیں، عدم سے وجود بخشنا خلق ہے، موجودات کو عالم میں پھیلانا ذرء اور ہر چیز کو اس کے حال کے مطابق صورت و سیرت بخشنا برء (اشعہ)، ۲ے نماز کے بعد سے مراد ہے سلام پھیرنے کے بعد، کفر سے ہر قسم کا کفر مراد ہے، اور فقر سے فقیری کے فتنے یا کفران نعمت یعنے دل کا فقر مراد ہے، عذاب قبر سے وہ اعمال مراد ہیں جو عذاب قبر کا باعث ہوں اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کے سامنے تلاوت قرآن اور دعاؤں کا ورد چاہیے، تاکہ وہ اچھی طرح باتیں سیکھیں اب تو مسلمان بچوں کو گانا بجانا سکھاتے ہیں، ۳ے اس سے معلوم ہوا کہ دعائے ماثورہ جو بزرگوں سے منقول ہو اس دعا سے بہتر ہے جو ہم خود بنائیں، کیونکہ اس میں الفاظ اور زبان دونوں تاثیریں جمع ہوتی ہیں، ۴ے یعنے میں بھی اس دعا کا موجد نہیں ہوں بلکہ حضور علیہ السلام کا ناقل ہوں، اس حدیث کی بنا پر صوفیا فرماتے ہیں کہ قرآن و حدیث کی دعائیں محض سن کر پڑھنا بھی مفید ہیں، اگر کسی عامل کی اجازت بھی مل جائے تو بہت اچھا، ۵ے قرض سے وہ قرض مراد ہے جو مقروض پر غالب آجائے جسے مقروض ادا نہ کر سکے اور اس کی وجہ سے وہ ذلیل اور رسوا ہو، لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرض لیا ہے، کیوں کہ جس قرض سے پناہ مانگی ہے وہ اور قرض ہے، اور جو لیا وہ اور ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ ضرورۃً خصوصًا نکاح، دوسری دینی ضرورتوں

رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَعْدِلُ الْکُفْرَ بِالدَّیْنِ قَالَ نَعَمْ وَفِیْ رِوَایَةٍ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ قَالَ رَجُلٌ وَیَعْدِلَانِ قَالَ نَعَمْ رَوَاهُ النَّسَائِیُّ ۔ بَابُ جَامِعِ الدُّعَاءِ

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ کَانَ یَدْعُوْ بِهٰذَا الدُّعَاءِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَهْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ جِدِّیْ وَهَزْلِیْ وَخَطَائِیْ وَعَمْدِیْ وَکُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ

یارسول اللہ کیا آپ کفر کو قرض کے برابر سمجھتے ہیں فرمایا ہاں [1] اور ایک روایت میں ہے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں کفر اور فقیری سے ایک شخص بولا کیا یہ دونوں برابر ہیں فرمایا ہاں [2] (نسائی)، باب جامع دعائیں [3] پہلی فصل۔ روایت ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ الٰہی میری خطائیں، میری نادانی اور میرے ہر کام میں حد سے بڑھ جانے کو بخش دے [4] اور جو کچھ تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے اسے بخش دے [5] الٰہی میری دانستہ اور نادانستہ اور ساری خطائیں اور برے ارادے جو میرے پاس ہیں [6] بخش دے۔ الٰہی وہ بخش دے جو میں نے آگے کئے اور جو پیچھے کئے جو چھپ کر کئے [7] اور جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے [8]

کے لیے قرض لینا سنت ہے جبکہ ادا کی پوری نیت ہو نکاح کے قرض سے مراد بھاری جہیز یا حرام رسموں کے لیے قرض نہیں، یہ تو فضول خرچی ہے بلکہ وہ ضروری خرچ مراد ہیں جو حدیث شریف سے ثابت ہیں۔

[1] کیونکہ مجبور مقروض اکثر جھوٹے وعدے کرتا ہے جھوٹے وعدے منافق کی علامت ہیں نیز کافر کا مسلمان مقروض کبھی قرض کے دباؤ میں اسلام چھوڑ دیتا ہے جیسا کہ ضلع متھرا اور ضلع آگرہ کے ملکانہ راجپوتوں میں دیکھا گیا شدھی کا فتنہ زیادہ تر قرض سے پھیلا، [2] کیونکہ فقیر بے صبرے عموماً چوری، جھوٹی گواہی دے کر گناہ تو کیا ہی کرتے ہیں مگر کبھی رب تعالٰی کی ایسی شکائتیں کر ڈالتے ہیں جو صریحی کفر ہوتی ہیں یہاں وہ ہی فقر مراد ہے جس کے ساتھ بے صبری ہو الفقر فخری والا فقر اچھا ہے۔

[3] گزشتہ بابوں میں خاص اوقات یا خاص مقاصد کی دعائیں مذکور ہوئیں اس باب میں وہ دعائیں بیان ہوں گی جو کسی وقت اور کسی حالت و مقصد سے خاص نہیں جن کے الفاظ تھوڑے معنی و مقصد بہت زیادہ ہیں (اشعہ و مرقات)، [4] خطا سے مراد مطلقاً گناہ ہیں اور جہل سے مراد ان چیزوں سے ناواقفیت جن سے واقف ہونا فرض تھا یا وہ بدعملیاں ہیں جو دینی احکام سے ناواقفیت کی وجہ سے سرزد ہو جائیں اسراف بمعنی مطلقاً زیادتی ہے یعنی بندگی کی حدود توڑ دینا، اسراف خطا سے زیادہ عام ہے [5] یعنی میرے سارے وہ گناہ جو مجھے یاد بھی نہ رہے یا وہ گناہ جنہیں میں نیکی سمجھ کر کر بیٹھا مگر واقع میں وہ گناہ تھے، وہ بھی بخش دے، [6] یعنی میرے سارے وہ گناہ جو ابھی تک بخشے نہ گئے بلکہ میرے پاس یعنی میرے نامۂ اعمال میں موجود ہیں وہ بخش دے خیال رہے کہ برے ارادے بھی گناہ ہیں، ہاں میرے خیالات جو غیر اختیاری طور پر دل میں آ جائیں وہ معاف ہیں؛ لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب میرے ارادے گناہ ہی نہیں تو ان سے معافی مانگنے کے کیا معنے، [7] یعنی پرانے اور نئے سارے ہی علانیہ اور خفیہ گناہ بخش دے، علانیہ خفیہ سے زیادہ برے ہیں کیونکہ گناہ کا اظہار بھی تو گناہ ہے۔ [8] یعنی میرے وہ گناہ بھی بخش دے،

الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِيْ دِيْنِيَ الَّذِيْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِيْ وَاَصْلِحْ لِيْ دُنْيَايَ الَّتِيْ فِيْهَا مَعَاشِيْ وَاَصْلِحْ لِيْ اٰخِرَتِيَ الَّتِيْ فِيْهَا مَعَادِيْ وَاجْعَلِ الْحَيٰوةَ زِيَادَةً لِّيْ فِيْ كُلِّ خَيْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّيْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَعَنْ

تو ہی آگے بڑھانے والا ہے تو ہی پیچھے کر دینے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے ۱؎ (مسلم بخاری) ۲؎ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے الٰہی میرا دین ٹھیک فرمادے جو میرے کام کی حفاظت ہے ۳؎ اور میری دنیا درست کردے جس میں میری زندگی ہے ۴؎ اور میری آخرت درست فرمادے جہاں مجھے لوٹنا ہے ۵؎ اور میری زندگی کو ہر بھلائی میں زیادتی بنادے ۶؎ اور میری موت کو ہر تکلیف سے راحت قرار دے ۷؎ (مسلم) روایت ہے

جو میرے خیال میں تو معمولی و صغیرہ ہیں، مگر تیرے علم میں بڑے ہیں، اور کبیرہ میں خیال رہے کہ گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا اور کبھی بندے کے منہ سے ایک معمولی سی بات نکل جاتی ہے جسے بندہ محسوس بھی نہیں کرتا، مگر رب تعالٰی کے نزدیک بندہ اس سے دوزخی بن جاتا ہے: اس قسم کی تمام دعائیں ہماری تعلیم کے لیے ہیں ورنہ حضرات انبیاء بعد نبوت تو ہر گناہ صغیرہ یا کبیرہ سے معصوم ہیں اور قبل نبوت گناہ کبیرہ سے، اور ان صغیرہ گناہوں سے معصوم ہیں جو نفرت کا باعث ہوں، اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نبوت سے پہلے یا بعد کبھی کسی گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا، چہ جائیکہ گناہ کرنا: اس عظمت انبیاء کی نفیس تحقیق ہماری کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں ملاحظہ کیجئے اور یہاں مرقات نے بھی اس پر کچھ بحث کی ہے تفسیرات احمدیہ اور شرح فقہ اکبر میں اس مسئلہ پر مکمل بحث کی۔ ۱؎ یعنی تو جسے چاہے توفیق خیر دے کر آگے بڑھا دے کہ اس کے درجے بلند کردے، اور جسے چاہے توفیق نہ دے جس سے وہ اپنی بدعملیوں کے باعث دوزخ میں پہنچ جائے، لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ جب رب تعالٰی نے ہمیں پیچھے کر دیا تو ہمارا کیا قصور ہے، کیونکہ ہمارا پیچھے ہٹ جانا اپنی بدعملی سے ہے۔ ۲؎ یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے بھی مختلف طریقوں سے نقل فرمائی۔ ۳؎ یعنی دینداری ہی وہ صفت ہے جو میری نفس، مال، عزت و آبرو کی اصلاح کرتا ہے۔ تو میرے دین کو درست رکھ، ہر چیز کی درستی دین سے ہے، اور دین کی درستی تیرے فضل سے، عقائد اخلاق کی درستی یہ دل کی سیاہی دور ہونا سب دین میں داخل ہے، جسے یہ نعمت مل گئی اُسے سب کچھ مل گیا (لمعات) ۴؎ دنیا سے مراد صحت تندرستی اور روزی ہے، حلال روزی جو اطاعت الٰہی پر مدد دے رب تعالٰی کی نعمت ہے، اور حرام روزی جس سے انسان میں سرکشی اور غفلت وغیرہ پیدا ہوتی ہے اللہ کا عذاب یعنی مجھے وہ تندرستی و مال دے جو تیری اطاعت میں صرف ہو۔ ۵؎ آخرت سے مراد قبر و حشر اور بعد حشر ابدالآباد تک کی زندگی ہے، چونکہ ہم اس عالم سے دنیا میں آئے ہیں اس لیے وہاں جانے کو لوٹنا فرمایا گیا۔ ۶؎ یعنی میری زندگی کی ہر گھڑی نیکیوں کی زیادتی کا ذریعہ ہو کہ ہر ساعت نیکیاں کرتا رہوں، جس سے میرا نیک نامۂ اعمال پُر ہوتا رہے، سبحان اللہ رب تعالٰی ایسی زندگی نصیب کرے، سوتے وقت انسان دن بھر کا حساب لگایا کرے، کہ آج میں نے کتنے گناہ کیے اور کتنی نیکیاں، گناہوں سے توبہ کرکے نیکیوں پر شکر کرکے سوئے۔ ۷؎ اس طرح کہ میری موت ایمان پر توبہ پر ہو تاکہ بعد موت میں دنیا کی مشقتوں سے تو چھوٹ جاؤں، اور قبر و حشر میں مصیبت نہ دیکھوں بلکہ راحت دیکھوں، خیال رہے کہ پرہیزگار مر کر دنیا کی مصیبتوں سے چھوٹ

عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی رَوَاہُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُلِ اللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ وَسَدِّدْنِیْ وَاذْکُرْ بِالْھُدٰی ھِدَایَتَكَ الطَّرِیْقَ وَبِالسَّدَادِ سَدَادَ السَّھْمِ رَوَاہُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْجَعِیِّ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ کَانَ الرَّجُلُ اِذَا اَسْلَمَ عَلَّمَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوۃَ ثُمَّ اَمَرَہٗ اَنْ یَّدْعُوَ بِھٰٓؤُلَآءِ الْکَلِمَاتِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَعَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ رَوَاہُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ اَکْثَرُ دُعَآءِ النَّبِیِّ

حضرت عبداللہ ابن مسعود سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ کہا کرتے تھے الٰہی میں تجھ سے ہدایت تقوٰی، پاکدامنی اور تونگری مانگتا ہوں[1] (مسلم) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی کہو الٰہی مجھے ہدایت دے مجھے ٹھیک رکھ[2] اور ہدایت سے راستہ کی ہدایت کا خیال کرنا اور درستی سے تیر جیسی درستی مراد لینا[3] (مسلم) روایت ہے حضرت ابومالک اشجعی سے وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اسلام لاتا تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سکھاتے[4] پھر اسے حکم دیتے کہ ان کلمات سے دعا مانگا کرے۔ الٰہی مجھے بخش دے مجھ پر رحم کر مجھے ہدایت دے مجھے عافیت دے۔ مجھے روزی دے[5] (مسلم) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

جاتا ہے، اور لوگ اُسے روتے ہیں، وہ رب تعالٰی کی رحمت دیکھ کر ہنستا ہے اور بدکار مرکر اور زیادہ مصیبتوں میں پھنس جاتا ہے، لوگ اس سے راحت پاجاتے ہیں، وہ وہاں روتا ہے، اور لوگ اُس کی موت پر خوشیاں مناتے ہیں، اعلٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا شعر

واسطہ محبوب کا دُنیا میں جو سُنّی مرے ؎ یوں نہ فرمائیں ترے شاہد کہ وہ فاجر گیا

عرش پر دُھومیں مچیں وہ بندۂ صالح ملا ؎ فرش پر ماتم اٹھے وہ طیب و طاہر گیا

[1] ہدایت سے مراد اچھے عقائد ہیں، تقوے سے مراد اچھے اعمال، پاکدامنی سے مراد بُرائیوں سے بچنا ہے، اور تونگری سے مراد مخلوق کا محتاج نہ ہونا اللہ رسول کا حاجتمند رہنا ہے، اس میں دین و دنیا کی تمام بھلائیاں مانگ لی گئیں [2] دنیا میں انسان سوار کی طرح ہے، مسافر کی سواری کتنی ہی اچھی ہو۔ لیکن اگر اُسے راستہ صحیح نہ ملے یا صحیح راستہ تو ملے، مگر اُس پر صحیح چل نہ سکے، تو کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکتا: اس دعا کا مقصد یہ ہے کہ مولٰی مجھے اپنے تک پہنچنے والا راستہ بھی دکھا اور دکھا کر اُس پر چلنے کی توفیق بھی نصیب کر [3] یعنے جب یہ دعا مانگو تو ہدایت سے راہ الٰہی مراد لو جس پر چلنے سے رب تعالٰی تک پہنچا جاسکے، اور درستی و سیدھائی سے کامل درستی اور پورا سیدھا پن مراد لو، تیر کی تشبیہ سے یہ ہی مراد ہے، اس جملہ کی اور شرحیں بھی کی گئی ہیں مگر یہ شرح بہت قوی ہے۔ [4] معلوم ہوا کہ مسلمان ہوتے ہی نماز فرض ہوجاتی ہے، جب تک کہ قرآن شریف و دیگر ارکان یاد نہ ہوں وہ جماعت سے ادا کرتا رہے، اور بہت جلد خود یاد کرے، یہاں نماز سے مراد ترتیب وار نماز کے مسائل ہیں۔ [5] ہدایت سے مراد یا تو ملی ہوئی ہدایت پر قائم رکھنا ہے یا ایمان کی ہدایت کے بعد نیک اعمال کی ہدایت مانگنا ہے، عافیت سے مراد دینی و دنیاوی امان ہے، رزق سے مراد حلال روزی ہے۔

صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ
مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَدْعُوْا يَقُوْلُ رَبِّ اَعِنِّیْ وَلَا تُعِنْ عَلَیَّ وَانْصُرْنِیْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَیَّ وَامْكُرْ لِیْ وَلَا تَمْكُرْ عَلَیَّ
وَاهْدِنِیْ وَيَسِّرِ الْهُدٰی لِیْ وَانْصُرْنِیْ عَلٰی مَنْ بَغٰی عَلَیَّ رَبِّ اجْعَلْنِیْ لَكَ شَاكِرًا لَّكَ ذَاكِرًا
رَاهِبًا لَّكَ مِطْوَاعًا لَّكَ مُخْبِتًا اِلَيْكَ اَوَّاهًا مُّنِيْبًا رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِیْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِیْ

کی زیادہ دعا یہ تھی لے الٰہی ہم کو دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں آگ سے بچالے (مسلم بخاری) ۲ دوسری فصل۔ روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگتے تو یوں عرض کرتے۔ یارب میری مدد کر مجھ پر مدد اوروں کو نہ دے ۳ مجھے نصرت بخش میرے مقابل نصرت نہ دے ۴ میرے لیئے تدبیر فرما میرے مقابل تدبیر نہ فرما ۵ مجھے ہدایت دے اور میرے لیئے ہدایت آسان فرما ۶ مجھے ان پر فتح دے جو مجھ پر بغاوت کریں ۷ یارب مجھے اپنا شکر گزار اپنا ذاکر اپنے سے خوف کرنیوالا اپنا مطیع تیری طرف رجوع کرنیوالا آہ وزاری کرنے والا لوٹنے والا بنا ۸ یارب میری توبہ قبول کر میرے گناہ دھودے

لہ کہ آپ نماز کے اندر اور دعا بعد نماز میں اور اس کے علاوہ اکثر حالات میں یہ دعا مانگا کرتے تھے ۲ یہ دعا بہت ہی جامع ہے جس میں دین و دنیا کی ساری نعمتیں مانگی گئی ہیں، رب تعالٰی قرآن کریم میں بھی یہ دعا سکھا کر اس کے مانگنے والوں کے متعلق فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا الآیہ قرآن شریف میں اس دعا اور استغفار کے بڑے فوائد بیان فرمائے: مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے پالنے والے ہم کو موت سے پہلے والی تمام نعمتیں عطا فرما جیسے صحت، روزی، نیکیوں کی توفیق، دین پر استقامت، حسن خاتمہ، علم و عمل وغیرہ اور آخرت کی تمام نعمتیں بخش، جیسے حساب قبر و حشر میں آسانی و کامیابی اعمال کی قبولیت، جنت اور وہاں کی تمام نعمتیں، اور ہم کو دوزخ سے بالکل بچالے، کہ وہاں کا عذاب ہم کو بالکل نہ چھوئے، یہ نہ ہو کہ سزا پاکر جنت میں جائیں حضرت شیخ نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ اس کے مانگتے وقت تمام نیکیوں و نعمتوں کا خیال کر لینا چاہیے، بہتر یہ ہے کہ دنیا کی نعمت سے کمال مصطفوی اور آخرت کی بھلائی سے جمال مصطفوی مراد لے، یعنی ہم کو دنیا میں ان کے کمال کا چھینٹا دے، آخرت میں ان کا جمال دکھا کہ ان میں سب کچھ آگیا، ۳ اسے ابوداؤد، نسائی نے بھی روایت کیا حصن حصین شریف میں رَبَّنَا اٰتِنَا ہے، اگر اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا کہے تو بہتر ہے کہ اس میں دونوں روایتوں پر عمل ہے، اور اگر فقط رَبَّنَا اٰتِنَا کہے تو بھی ٹھیک ہے کہ قرآن کریم میں یوں ہی ہے (از مرقات) ۴ یعنی اپنے ذکر و شکر اور دوسری عبادات پر میری مدد فرما اور جن و شیاطین، نفس امارہ کو میرے مقابل مدد نہ دے کہ وہ مجھے نیک اعمال سے روکیں، ۵ یعنے کفار پر مجھ کو غلبہ دے، اُن کو ہم پر غلبہ نہ دے، کفار خواہ انس ہوں یا جن یا ہمارے نفوس، ان سب کو ہمارا مطیع بنا ہم کو ان کا فرمانبردار نہ کر بلکہ اپنا فرماں بردار رکھ، ۶ رب تعالٰی کے لیے مکر کے یہ ہی معنی مناسب ہیں نہ کہ فریب و دھوکہ، یہ عیوب ہیں رب تعالٰی عیوب سے پاک ہے یعنے مجھے دشمنوں کے مقابل خفیہ تدبیروں کی تلقین کر، انہیں میرے مقابل تدبیریں نہ القا کر، ۷ جس سے مجھے نیک اعمال آسان معلوم ہوں، گناہ گراں و بھاری یہ دونوں نعمتیں رب تعالٰی ہی کے کرم سے نصیب ہوتی ہیں، ۸ بغاوت و سرکشی کرنے والے خواہ دشمن جان ہوں یا دشمن ایمان یا دشمن مال یا دشمن آبرو، ۹ یہ وہ صفات ہیں جو مسلمان میں ہونی چاہئیں، راہب کے معنے ہیں ظاہر و باطن ہر حال میں رب سے ڈرنے والا دنیا میں نہ پھنسنے والا جس سے رہبانیت

وَاَجِبْ دَعْوَتِیْ وَثَبِّتْ حُجَّتِیْ وَسَدِّدْ لِسَانِیْ وَاھْدِ قَلْبِیْ وَاسْلُلْ سَخِیْمَۃَ صَدْرِیْ[1]
رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَۃَ ۔ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ عَلَی الْمِنْبَرِ ثُمَّ بَکٰی[2] فَقَالَ سَلُوا اللّٰہَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ[3] فَاِنَّ اَحَدًا لَّمْ یُعْطَ بَعْدَ الْیَقِیْنِ
خَیْرًا مِّنَ الْعَافِیَۃِ[4] رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ
غَرِیْبٌ اِسْنَادًا ۔ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا جَآءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ

میری دعا قبول فرما میری دلیل مضبوط کر میری زبان درست رکھ میرے دل کو ہدایت دے میرے سینے کی سیاہی دور کر دے[1] (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت ابوبکر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر قیام فرما ہوئے۔ پھر روئے[2] تو فرمایا اللہ سے معافی اور امن مانگو[3] کیونکہ کسی کو ایمان کے بعد امن سے بہتر کوئی نعمت نہ ملی[4] (ترمذی، ابن ماجہ) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے حسن ہے غریب ہے۔ روایت ہے حضرت انس سے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا یارسول اللہ

حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے وہ بمعنے ترک دنیا ہے کہ اسلام میں ہر کس الدنیا ہو کر جوگی سادھو بن جانا منع ہے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں، محبت کے معنے میں نیچی زمین میں اتر جانیوالا خبت پست زمین کو کہتے ہیں، اب اسے تواضع و ترقی کرنیوالے کے لیے استعمال ہوتا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے وَاَخْبَتُوْا اِلٰی رَبِّہِمْ اَوَّاہ مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بہت آہ و زاری کرنے والا خوف خدا میں کانپنے لوٹنے والا، رب تعالٰی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف میں فرماتا ہے وَکَانَ اَوَّاھًا مُّنِیْبًا۔

[1] یعنی اے مولٰی مجھے تمام شرطوں کی جامع توبہ نصیب فرما پھر اسے قبول بھی فرما، رب تعالٰی فرماتا ہے تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا توبہ نصوح وہ ہے جو تمام شرائط کی جامع ہو بارگاہ عالی میں قبول ہو اور بندہ پھر توبہ کبھی توڑے نہیں، حوب کے لغوی معنی ہیں جھڑک، ڈانٹ، اصطلاح میں گناہ کو حوب کہتے ہیں کہ یہ جھڑک کا ذریعہ ہے رب تعالٰی فرماتا ہے اِنَّہٗ کَانَ حُوْبًا کَبِیْرًا گناہ دل کا میل ہے، رب تعالٰی کی مہربانی اس کا پانی قبولیت دعا بھی اللہ کی رحمت ہے جس قدر تقوٰی زیادہ اسی قدر دعا کی قبولیت زیادہ، صوفیاء فرماتے ہیں کہ دل کی بے قراری قبول دعا کے لیے اکسیر ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے امن یجیب المضطر اس لیے مظلوم کی دعا قبول ہے اگرچہ وہ فاسق ہو کہ اس کا دل بے قرار ہے،[2] ان جملوں میں چار چیزیں مانگیں، دنیا و آخرت میں اپنی دلیل قوی ہونا کہ ہم کفار کے مقابلہ میں اسلام کی حقانیت ثابت کرسکیں، زبان کا سیدھا چلنا، کہ زبان اگر سیدھی چلے تو زبان ہے اور اگر ٹیڑھی چلے تو زبون یعنے فساد، اور اگر زیادہ چلے تو زیان یعنی نقصان، دل کی ہدایت کہ اگر دل ٹھیک ہوگیا تو سب کچھ ٹھیک ہے، اور سینہ کی صفائی، تاکہ یہ مدینہ بن جائے، جس میں رحمت کا خزینہ ہے۔ شعر

بنادو میرے سینہ کو مدینہ ٭ نکالو بحر غم سے یہ سفینہ

[2] حضور علیہ السلام کا یہ رونا اپنی امت کے آئندہ حالات ملاحظہ فرما کر تھا کہ اکثر لوگ فتنوں شہوت مال کی حرص اقتدار کی خواہش میں گرفتار ہو جائیں گے (مرقات)
[3] معافی سے مراد محو ذنوب و ستر عیوب ہے، اور عافیت سے یہ مراد ہے کہ لوگ تم سے اور تم لوگوں سے امن میں رہو یا دین کا فتنوں سے اور بدن کا سخت بیماریوں سے محفوظ رہنا یعنے گناہوں سے معافی اور زندگی، موت، قبر، حشر کی آفتوں سے سلامتی مانگو (لمعات)
[4] حق یہ ہے کہ ایمان بھی عافیت ہی کے لیے

اللہِ اَیُّ الدُّعَاءِ اَفْضَلُ قَالَ سَلْ رَبَّكَ الْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ثُمَّ اَتَاهُ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللہِ اَیُّ الدُّعَاءِ اَفْضَلُ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ اَتَاهُ فِي الْيَوْمِ الثَّالِثِ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ ذٰلِكَ قَالَ فَاِذَا اُعْطِيْتَ الْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَقَدْ اَفْلَحْتَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا ۔ وَعَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ يَزِيْدَ الْخَطْمِيِّ عَنْ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ فِي الدُّعَاءِ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يَّنْفَعُنِيْ حُبُّهٗ عِنْدَكَ اَللّٰهُمَّ مَا رَزَقْتَنِيْ

دعا کون سی افضل ہے[۱] فرمایا اپنے رب سے دنیا و آخرت میں امن و چین مانگو[۲] پھر وہ دوسرے دن حاضر ہوا عرض کیا یا رسول اللہ کون سی دعا افضل ہے۔ حضور نے اسی طرح پھر فرمایا[۳] پھر وہ تیسرے دن حاضر ہوا۔ پھر اسی طرح عرض کیا حضور نے فرمایا کہ جب تجھے دنیا و آخرت میں امن و معافی دے دی جائے تو تو کامیاب ہو جائے گا[۴] (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے اسناد سے غریب ہے[۵] روایت ہے حضرت عبداللہ ابن یزید خطمی سے[۶] وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے۔ الٰہی مجھے اپنی محبت نصیب کر اور اس کی محبت بھی جس کی محبت تیرے ہاں نفع دے[۷] الٰہی مجھے جو تو میری

اختیار کیا جاتا ہے اور ایمان کے معنی ہی ہیں اپنے کو آفتوں سے امن و عافیت دینا۔

[۱] یعنی مجھے کون سی دعا زیادہ فائدہ مند ہے یا سارے لوگوں کے لیے ساری دعاؤں میں سے کون سی افضل، اس سوال سے معلوم ہوا صحابہ کرام کا عقیدہ یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر ہم سے زیادہ مہربان ہیں، ہم غلطی سے نقصان دہ دعائیں بھی مانگ لیتے ہیں، حضور کی بتائی ہوئی دعا میں یہ احتمال نہیں، اسی لیے دعائے ماثورہ جو بزرگوں سے منقول ہو غیر ماثورہ سے افضل ہے۔ [۲] یعنی دین و بدن میں امن اور مخلوق کی شر سے چین کہ کوئی جن و انس ہمیں بے چین نہ کر سکے نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ [۳] خیال یہ تھا کہ شاید لمبی چوڑی دعائیں جن میں وقت بہت صرف ہو مانگنی چاہئیں اس مختصر دعا کی اہمیت نہ سمجھ سکے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا یہ تھا کہ میرے غلام کام کاج والے ہیں انہیں چھوٹی مگر جامع دعائیں بتائی جائیں تاکہ ان کے دنیوی کام بھی بند نہ ہوں، اس لیے یہ سوال جواب واقع ہوئے۔ [۴] کیونکہ معافات میں جسمانی، روحانی، نفسانی، شیطانی تمام آفتوں سے سلامتی شامل ہے، جسے ان تمام آفات سے امن مل گئی اس کے لیے باقی کونسی چیز رہ گئی، اس لیے لمبی دعا کی خواہش نہ کر۔ [۵] خیال رہے کہ اسْنَادًا غریب کی تمیز ہے نہ کہ حسن کی کیونکہ غرابت کبھی متن حدیث میں ہوتی ہے کبھی اسنادِ حدیث میں مگر حسن صرف اسناد ہی کے لحاظ سے ہوتی ہے نہ کہ متن کے، اس کے لیے اسْنَادًا کہنے کی ضرورت ہی نہیں طبرانی میں حضرت عباس سے روایت اس طرح ہے کہ ایک بار میں نے بارگاہِ اقدس میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے کچھ دعا سکھا دیجئے، سرکار نے فرمایا اللہ سے عافیت مانگو، کچھ روز بعد پھر میں حاضر ہوا اور میں نے یہی عرض کیا تو فرمایا کہ چچا جان عافیت کی دعا زیادہ مانگا کرو کیونکہ یہ دعا مقاصد حاصل کرنے اور بلائیں دفع کرنے کے لیے کافی ہے۔ [۶] خطم قبیلہ اوس کی ایک شاخ ہے، یہ عبداللہ انصاری ہیں، سترہ سال کی عمر میں صلح حدیبیہ میں حاضر

بِمَا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِّیْ فِیْمَا تُحِبُّ اَللّٰهُمَّ مَا زَوَیْتَ عَنِّیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا لِّیْ فِیْمَا تُحِبُّ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ ❊ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَلَّمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْمُ مِنْ مَّجْلِسٍ حَتّٰى یَدْعُوَ بِهٰؤُلَآءِ الدَّعَوَاتِ لِاَصْحَابِهٖ اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْیَقِیْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَیْنَا مُصِیْبَاتِ الدُّنْیَا وَمَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا اَحْیَیْتَنَا وَ

پسندیدہ چیز ہوے تو اس میں مجھے اس کی قوت بخش جسے تو پسند فرماتا ہے [۱] الٰہی جو میری محبوب چیز تو مجھ سے دور رکھے تو اسے میرے لیئے اپنی محبوب چیز میں فراغت بنادے [۲] (ترمذی) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت کم کسی مجلس سے اٹھتے حتی کہ اپنے صحابہ کے لیئے یہ دعائیں مانگ لیتے [۳] الٰہی ہمیں اپنے خوف سے وہ حصہ عطا فرما جس سے تو ہمارے اور اپنی نافرمانیوں کے درمیان آڑ ہو جائے [۴] اور اپنی اطاعت سے وہ حصہ دے جس سے ہمیں تو اپنی جنت میں پہنچا دے [۵] اور یقین کا وہ حصہ دے جس سے تو ہم پر دنیاوی مصیبتیں آسان کر دے [۶] اور ہمیں ہمارے کانوں اور آنکھوں اور قوت [۷] نفع دے جب تک تو ہمیں زندہ رکھے

ہوئے، [۸] اس عبارت کی دو تفسیریں ہو سکتی ہیں،ایک یہ کہ تو اور تیرے پیارے بندے مجھ سے محبت کریں، دوسرے یہ کہ میں تجھ سے اور تیرے پیارے بندوں سے محبت کروں، رب تعالٰی فرماتا ہے یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ ۔ دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں یعنے مجھے ان لوگوں ان چیزوں ان اعمال کی محبت دے جن کی محبت آخرت میں فائدہ مند ہو، انبیاء اولیاء، قرآن مجید، کعبہ معظمہ نماز روزہ تمام کی محبتیں اس میں شامل ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ بعض چیزوں کی محبت نقصان ہے، بعض کی بے فائدہ اور بعض کی محبت دنیا میں مفید ہے۔ بعض کی آخرت میں آخری محبت مانگے۔

[۱] یعنی جو منہ مانگی مراد تو مجھے دے اُسے اپنی رضا میں صرف کرنے کی توفیق بھی دے، جسمانی قوت، اولاد، مال کو ہمیشہ تیری راہ میں خرچ کروں تاکہ میں غنی شاکرین جاؤں۔ [۲] یعنی اگر تو میری کسی آرزو کو پورا نہ کرے اور میری منہ مانگی مراد نہ دے، تو مجھے اپنی دی ہوئی نعمتوں اور عبادتوں میں اتنا مشغول کر دے کہ مجھے اس کی ضرورت ہی نہ رہے تاکہ میں مسکین صابر بنوں، میرا دل اس مانگی مراد میں مشغول نہ رہے تاکہ میری عبادتیں ناقص نہ ہوں، رضا بالقضاء اللہ کی نعمت ہے۔

[۳] یعنے اکثر کسی مجلس سے اُٹھتے وقت سرکار یہ دعا مانگ لیتے تھے، اور یہ سب کچھ صحابہ کی اور ان کے ذریعہ ہماری تعلیم کے لیے تھا۔ خیال رہے کہ حضور علیہ السلام کی جن دعاؤں میں مغفرت کی طلب یا گناہوں کا اقرار ہے ان سب میں تعلیم امت مقصود ہے ورنہ سرکار خود معصوم ہیں بلکہ ارادۂ گناہ سے محفوظ ہیں۔ [۴] یعنی ہم سب کو اپنا دلی خوف دے جس کی برکت سے ہم گناہوں سے محفوظ رہیں: تَحُوْلُ کا مصدر حائل ہونا ہے اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ خوف خدا اللہ کی نعمت ہے، اور اس خوف کے بعد بھی ہمیں گناہوں سے رب ہی بچاتا ہے ہم خود نہیں بچتے، مطلقًا خوف خدا تو شیطان کو بھی حاصل ہے، رب تعالٰی نے اس کا قول قرآن پاک میں نقل فرمایا اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔ خوف خدا اور عشق جناب مصطفٰے اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں۔ [۵] یعنی ہمیں اپنی بندگی کی توفیق بھی دے اور اسے قبول بھی فرما، یہاں بھی وہی اشارہ ہے کہ فقط عبادت جنت میں پہنچنے کے لیے کافی نہیں، مومن جنات اور فرشتوں کی عبادتیں انہیں جنتی نہیں بناتیں۔ [۶] رب تعالٰے نے قرآن کریم میں ہر مصیبت کے بعد دو آسانیوں کی بشارت دی ہے فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ خدایا ہمیں اس بشارت پر ایسا یقین ہو جائے کہ ہم پر

وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ انْفَعْنِيْ بِمَا عَلَّمْتَنِيْ وَعَلِّمْنِيْ مَا يَنْفَعُنِيْ وَزِدْنِيْ عِلْمًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ

اور اسے ہمارا وارث بنا ۱ اور ہمارا غضب اس پر ڈال جو ہم پر ظلم کرے ۲ اور ہم کو ان پر فتح دے جو ہم سے دشمنی کریں ۳ اور ہمارے دین میں ہم پر مصیبت نہ ڈال ۴ اور دنیا کو ہمارا نہ بڑا مقصود بنا اور نہ ہمارے علم کا منتہا بنا ۵ ہم پر اسے مسلط نہ فرما جو ہم پر رحم نہ کرے ۶ (ترمذی)، اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے ۷ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے الٰہی تو مجھے اس سے نفع دے جو تو نے مجھے سکھایا اور مجھے نافع چیزیں سکھا اور میرا علم بڑھا ۸ ہر حال میں اللہ کا شکر ہے۔

ایسا یقین ہو جائے کہ ہم ہر مصیبت کو آئندہ راحت کا پیش خیمہ سمجھیں، جس کی وجہ سے یہ زحمت رحمت بن جائے۔ شعر

ناخوش او خوش بود در جان من ؛ جاں فدائے یار دل رنجان من

۵ یعنی ہمیں توفیق دے کہ اپنے حواس و قوتوں کے ذریعہ دنیوی و اخروی نفع اٹھائیں کہ انہیں تیری طاعتوں میں صرف کریں۔

۱ اس جملہ کی بہت شرحیں ہیں، بہترین شرح یہ ہے کہ وارث سے مراد میراث ہے یعنی ہمارے تقوے اور مذکورہ نفع کو ہماری میراث بھی بنا کہ ہمارے بعد لوگ ہماری ان صفات کو اختیار کریں اور فائدے اٹھائیں، ہماری میراث صرف مال نہ ہو بلکہ ال، حال، اعمال، کمال اور خوف ذوالجلال سب کچھ ہماری میراث ہو۔ خیال رہے کہ میراث اضطراری صرف بعض رشتہ داروں کو ملتی ہے، مگر میراث اختیاری تا قیامت سارے انسانوں کو کنوئیں، مساجد، سرائیں، قبرستان وغیرہ موقوفہ چیزوں سے سبھی فائدہ اٹھاتے ہیں، یہ مال کی میراث اختیاری ہے، علماء کے علم صوفیاء کے تقوے اور حضور علیہ السلام کے کمالات سے تاقیامت دنیا فائدہ اٹھائے گی، سخیوں کی کمائی میں فقیروں کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ شعر

ہاتھ اٹھا کر ایک ٹکڑا اے کریم ؛ ہیں سخی کے مال میں حقدار ہم۔

۲ یعنی ہمیں توفیق دے کہ ہم بدلہ لینے میں بھی انصاف کا دامن نہ چھوڑیں صرف ظالم سے ہی بدلہ لیں، جاہلیت والوں کی طرح ایک فرد کا بدلہ ساری قوم سے نہ لیں، ثار کے لغوی معنے ہیں کینہ، غصہ اور بدلہ، اس جملہ کی اور بھی شرحیں کی گئی ہیں مگر یہ شرح بہتر ہے۔ ۳ اس طرح کہ ہمیں ذاتی دشمنوں کو معاف کرنیکی ہمت دے اور قومی و دینی دشمنوں کو مغلوب کرنے کی طاقت دے۔ ۴ یعنی ہم پر ایسی مصیبت نہ بھیج جو ہمارا دین برباد کر دے کہ ہمیں بدعقیدہ بنادے یا ناقص کر دے کہ ہم حرام کھانے لگیں یا عبادات میں کوتاہی کرنے لگیں۔ ۵ یعنی نہ تو ہمارا یہ حال ہو کہ مال عزت سلطنت وغیرہ ہمارا اصل مقصد بن جائے اور نہ یہ حال ہو کہ ہمارے علم اور فکر دنیا ہی کے لیے وقف ہوں یا فقط ہم دنیاوی علوم ہی پڑھیں دینی علوم کی طرف توجہ ہی نہ دیں اور دینی علم بھی سیکھیں تو صرف اپنی تعظیم کرانے اور مال کمانے کے لیے، رب تعالٰی فرماتا ہے وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اس دعا میں اشارۃً فرمایا گیا کہ دنیا کا قصد اور علم سے دنیا حاصل کرنا قدرے جائز ہے بلکہ اگر یہ دنیا دین کے لیے ہو تو اس کا طلب کرنا عبادت ہے، دنیا صفر ہے اور دین عدد، صفر اگر اکیلا ہو تو کچھ بھی

حَالٍ وَّاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ حَالِ اَھْلِ النَّارِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ اِسْنَادًا وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اُنْزِلَ عَلَیْہِ الْوَحْیُ سُمِعَ عِنْدَ وَجْھِہٖ دَوِیٌّ کَدَوِیِّ النَّحْلِ فَاُنْزِلَ عَلَیْہِ یَوْمًا فَمَکَثْنَا سَاعَۃً فَسُرِّیَ عَنْہُ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ وَقَالَ اَللّٰھُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَکْرِمْنَا وَلَا تُھِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَیْنَا وَاَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا ثُمَّ قَالَ اُنْزِلَ عَلَیَّ

۱؎ اور دوزخیوں کے حال سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں ۲؎ (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد سے غریب ہے۔ روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی اترتی تو آپ کے چہرہ انور کے پاس شہد کی مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ سنی جاتی تھی ۳؎ ایک دن آپ پر وحی اتری تو ہم کچھ ٹھہرے پھر وہ حالت جاتی رہی ۴؎ حضور نے قبلہ کو منہ کیا دونوں ہاتھ اٹھائے ۵؎ اور عرض کیا الٰہی سب کو بڑھادے گھٹا مت ہمیں عزت دے ہمیں ذلیل نہ کر ہمیں عطائیں دے محروم نہ کر ہم کو ترجیح دے ہم پر اوروں کو ترجیح نہ دے ہم کو راضی کر ہم سے راضی ہوجا ۶؎ پھر فرمایا ہم پر

اور اگر عدد سے مل جائے تو اسے دس گنا کر دیتی ہے۔ ۱۳؎ یعنی دنیا میں ہم پر نفس امارہ، شیطان، کافر و ظالم سلطان کو مسلط نہ کر اور قبر و حشر میں عذاب کے فرشتوں کو ہم پر مقرر نہ فرما، لہذا یہ جملہ پیچھے جملوں کا تکرار نہیں۔ ۱۴؎ اسے نسائی نے اور حاکم نے مع شرط بخاری نقل فرمایا۔ ۱۵؎ علم چند قسم کے ہیں نقصان دہ، بیکار، صرف اپنے کو نافع، دوسروں کو بھی نافع، یہاں چوتھی قسم کے علم کی طلب ہے، بعض علم اوروں کو مفید خود اپنے کو مضر یا بیکار ہیں، اس سے بھی اللہ بچائے، جیسے بدعمل یا بے عمل عالم کا علم، صوفیاء فرماتے ہیں کہ عالم بے عمل ایسا ہے جیسے شب تار میں اندھا شمع دار۔

۱؎ یعنی رنج و خوشی، تنگی و فراخی میں اللہ کا شکر کر۔ عمل، جو شخص چھینک پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ کہہ کر سارے دانتوں پر زبان پھیرے تو انشاء اللہ اس کے دانت خراب نہ ہوں گے اور اگر ساتھ ہی ہر وضو میں مسواک بھی کیا کرے تو سبحان اللہ۔ ۲؎ دنیا میں کفر و فسق اور آخرت میں عذاب و عقاب دوزخیوں کے حالات ہیں، ان سب سے اللہ بچائے۔ ۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ آواز حضرت جبریل علیہ السلام کی ہوتی تھی جسے صحابہ سنتے تو تھے مگر سمجھ نہ سکتے تھے کہ کیا کہہ رہے ہیں جب کسی کی ہلکی آواز سنی جائے اور الفاظ سمجھ میں نہ آئیں، تو شہد کی مکھی کی سی بھنبھناہٹ ہی معلوم ہوتی ہے بعض شارحین نے کہا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خراٹہ کی آواز ہوتی تھی جو نزول وحی کے وقت بے اختیار آپ سے صادر ہوتی تھی، اس سے حضور کو سخت سردی میں پسینہ بھی آجاتا تھا اور جسم مبارک بہت بھاری ہوجاتا تھا حتی کہ اگر کسی پر ران شریف رکھی ہوتی، تو وہ شخص ران شریف میں بہت ہی زیادہ وزن محسوس کرتا تھا، مگر پہلی شرح درست ہے کہ وہ حضرت جبریل کی آواز ہوتی تھی (لمعات و مرقات)۔ ۴؎ نزول وحی ختم ہوجانے پر کچھ دیر تک یہ ہی حالت رہتی تھی، پھر جب یہ حالت رہتی تھی پھر جب یہ حالت منقطع ہوتی تھی تب حضور علیہ السلام صحابہ کو وحی سناتے تھے کہ آج یہ آیت یا یہ حکم آیا ایسے ہی آج ہوا۔ ۵؎ یعنی دعا مانگنے کے لیے آپ رو بقبلہ بھی ہوگئے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بھی اٹھائے کہ یہ دونوں کام سنت دعا ہیں، دعا میں دونوں ہاتھ اٹھانے چاہئیں کہ مولیٰ ہم کو دونوں جہان کی نعمتیں دے (مرقات)۔ ۶؎ اولًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعائیں مانگیں پھر سورۂ مؤمنون کی دس اگلی آیتیں سنائیں، کیونکہ ان آیات میں دس

عَشْرُ اٰیَاتٍ مَنْ اَقَامَهُنَّ دَخَلَ الْجَنَّةَ ثُمَّ قَرَأَ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى خَتَمَ عَشْرَ اٰیَاتٍ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا ضَرِيْرَ الْبَصَرِ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يُّعَافِيَنِيْ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ وَاِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قَالَ فَادْعُهُ قَالَ فَاَمَرَهُ اَنْ يَّتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ الْوُضُوْءَ

دس آیتیں اتری ہیں جو انہیں قائم کرے (عمل کرے) تو جنت میں جائے گا پھر تلاوت کی قد افلح المومنون دس آیات تک [1] (احمد، ترمذی)

تیسری فصل - روایت ہے حضرت عثمان ابن حنیف سے فرماتے ہیں ایک نابینا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا [2] عرض کیا حضور اللہ سے دعا کریں کہ مجھے آرام دے [3] فرمایا اگر تو چاہے تو دعا کر دوں اور اگر چاہے تو صبر کر یہ صبر تیرے لیئے اچھا ہے [4] وہ بولا حضور رب سے دعا کر دیں [5] راوی کہتے ہیں تو حضور نے اسے حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کرے

احکام ہیں جن کے عاملین کو رحمت کی بشارت ہے غافلین کو عذاب کی دھمکی ان دعاؤں کا مضمون یہ ہے کہ الٰہی ہماری تعداد یا ہماری نعمتیں بڑھا تا رہ، گھٹا نہیں ہمیں دنیا و آخرت میں عزت دے، ذلیل نہ کر دوسروں کے مقابل ہم کو ہر نعمت سے ترجیح دے، ہمارے مقابل دوسروں کو ترجیح نہ دے ہمیں اپنے سے راضی رکھ اور ہم سے تو راضی رہ، [1] ان آیتوں میں نماز میں عجز و نیاز، بے ہودہ باتوں سے علیحدہ رہنا، زکوۃ کی ادائیگی، بدخلقی سے بچنا، اپنی پارسائی کی حفاظت، امانتوں کی ادائیگی اور وعدوں کی پابندی، حق گوئی نہ چھپانا وغیرہ مذکور ہیں، اور ان کی پابندی پر جنت کا وعدہ ہے، رب تعالٰی ان پر عمل نصیب کرے، [2] ظاہر یہ ہے یہ شخص بالکل نابینا تھا، بعض شارحین نے جو کہا ہے کہ وہ ضعیف البصر تھے یا ان کی ایک آنکھ بیکار تھی خلاف ظاہر ہے، [3] اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بیماریوں کی شکایات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے تھے، اور اکثر براہ راست خود رب تعالٰی سے دعا نہ مانگتے تھے بلکہ عرض کرتے تھے کہ حضور ہمارے لیے دعا مانگیں تاکہ الفاظ کے ساتھ زبان کی برکت و تاثیر بھی حاصل ہو، یہ ہے توسل کا عقیدہ، رب تعالٰی کی کوئی نعمت بغیر وسیلہ نہیں ملتی، [4] کیونکہ رب تعالٰی فرماتا ہے کہ جس کی آنکھیں میں بیکار کر دوں پھر اس پر صبر کرے، تو میں اسے جنت ہی دوں گا، آنکھوں سے جنت بہتر ہے، [5] ان نابینا صحابی کا مطلب یہ تھا کہ حضور مجھے آنکھیں بھی مل جائیں اور آخرت کی بھلائی بھی، آپ کے پاس کس چیز کی کمی ہے، شعر

جھولیاں کھول کے بے سمجھے نہیں دوڑ آئے ٭ ہمیں معلوم ہے دولت تری عادت تیری

یا یہ مطلب تھا کہ حضور کے صدقہ مجھے آخرت کی نیکیاں تو مل ہی گئی ہیں کہ مجھے رب تعالٰی نے ایمان و تقوٰی بخشا آپ کی صحابیت نصیب کی میری یہ ضرورت بھی پوری ہو جائے، لہذا نہ تو سائل پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ انھوں نے آخرت پر دنیا کو ترجیح کیوں دی، حق یہ ہے کہ انھوں نے تو اس آیت پر عمل کیا رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل شریف پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آپ نے ایسے شخص کو دعا کیوں سکھائی، سرزنش کیوں نہ کی، نیز اس عرض میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم صبر سے سرتابی نہیں ہے انھیں صبر کا حکم دیا ہی کب گیا، بطور مشورہ اختیار دیا گیا تھا بلکہ نازِ غلامانہ کے انداز پر داتا سے زیادہ مانگنا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقعہ پر عرفات میں حاجیوں کی بخشش کی دعا کی، حقوق اللہ معاف کئے گئے، پھر مزدلفہ میں حقوق العباد کی معافی کے لیے بھی دعا فرمائی۔

وَيَدْعُوْا بِهٰذَا الدُّعَآءِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الرَّحْمَةِ اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّیْ لِيَقْضِیَ لِیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ ۔ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاؤدَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ يُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَمَالِیْ

اور یہ دعا مانگے[۱] الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف رحمت والے نبی حضور محمد مصطفٰے کے توسل سے متوجہ ہوتا ہوں[۲] یارسول اللہ میں آپ کے توسل سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت پوری کردے[۳] الٰہی میرے بارے میں انکی شفاعت قبول کر[۴] (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داؤد علیہ السلام کی دعا یہ تھی کہ آپ عرض کرتے تھے، الٰہی میں تجھ سے تیری محبت اور تیرے محبوبوں کی محبت مانگتا ہوں[۵] اور وہ عمل مانگتا ہوں جو تیری محبت تک پہنچا دے[۶] الٰہی مجھے اپنی محبت کو میری جان و مال

۱؎ یعنی مسواک اور تمام سنتوں کے ساتھ وضو کرکے دو رکعت نماز حاجت پڑھے پھر یہ دعا مانگے (مرقات)، معلوم ہوا کہ دعا کے لیے وضو اور نفل بہتر ہے: خیال رہے کہ اس موقعہ پر انہیں سرکار نے خود دعا نہ دے دی بلکہ دعا اور اپنے وسیلہ کے الفاظ انہیں سکھائے تاکہ قیامت تک کے مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں اگر سرکار خود ہی دعا دے دیتے، تو بعد والے لوگ یہ فیض کیسے پاتے بعض شارحین نے یہاں فرمایا کہ سرکار ان پر ناراض ہوگئے تھے کیونکہ انہوں نے حضور علیہ السلام کی بات نہ مانی اس لیے دعا نہ فرمائی، مگر یہ صحیح نہیں، ورنہ سرکار نہ انہیں دعا سکھاتے نہ انہیں اپنے وسیلہ کی تعلیم دیتے۔ ۲؎ یعنی تیری بارگاہ میں براہ راست بغیر وسیلہ نہیں حاضر ہوا اُن کا وسیلہ لے کر آیا ہوں جو خود رحمۃ للعالمین ہیں اور ان کی اُمت اُمت مرحومہ ہے یعنی تو ارحم الراحمین ہے اور تیرے نبی رحمۃ للعلمین ہیں اور میں تیرے فضل و کرم سے مرحوم۔ ۳؎ بِكَ میں حضور سے عرض معروض ہے بعض روایتوں میں یوں ہے یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّیْ لِتُقْضٰى الخ (مرقات) اس تقضی میں دو احتمال ہیں واحد مؤنث مجہول ہو یعنی تاکہ میری حاجت پوری کردی جائے، یا واحد مخاطب معروف ہو یعنی یارسول اللہ آپ میری حاجت پوری کردیں، اس آخری معنی کی تائید قرآن شریف کی اس آیت سے ہوتی ہے لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ، اے موسیٰ علیہ السلام اگر آپ نے ہم سے عذاب دور کردیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے: مذکورہ آیت و حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے محبوبین بحکم پروردگار دافع بلا اور صاحب عطا ہیں اور حاجتوں میں انہیں پکارنا جائز ہے، کیونکہ یہ دعا قیامت تک کے مسلمان پڑھ سکتے ہیں، اور اس میں حضور علیہ السلام کو پکارا بھی گیا ہے اور حضور علیہ السلام کا وسیلہ بھی لیا گیا ہے ۴؎ سبحان اللہ اس دعا میں تین خطاب ہیں آگے پیچھے رب ہے اور بیچ میں اس کے حبیب ہیں جیسے انگوٹھی کے وسط میں نگینہ۔ ۵؎ اس جملہ کے کئی معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ مجھے توفیق دے کہ تجھ سے بھی محبت کروں اور ان بندوں سے بھی جو تجھ سے محبت کرتے ہیں، علماء اولیاء انبیاء سے محبت بالواسطہ تجھ سے ہی محبت ہے، دوسرے یہ کہ خدایا مجھ سے تو بھی محبت کر اور تیرے محبوب بندے بھی محبت کریں یعنی حب کی اضافت یا مفعول کی طرف ہے یا فاعل کی طرف۔ ۶؎ اس کے بھی دو ہی معنی ہیں کہ ایسے عمل کی

وَاَهْلِي وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ قَالَ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَكَرَ دَاوُدَ يُحَدِّثُ عَنْهُ يَقُولُ كَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ ، وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِيهِ قَالَ صَلّٰى بِنَا عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ صَلٰوةً فَاَوْجَزَ فِيهَا فَقَالَ لَهٗ بَعْضُ الْقَوْمِ لَقَدْ خَفَّفْتَ وَاَوْجَزْتَ الصَّلٰوةَ فَقَالَ اَمَا عَلَيَّ ذٰلِكَ لَقَدْ دَعَوْتُ فِيهَا بِدَعَوَاتٍ سَمِعْتُهُنَّ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَامَ تَبِعَهٗ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ هُوَ اُبَيٌّ غَيْرَ

گھربار اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب بنادے [۱] راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب داؤد علیہ السلام کا ذکر فرماتے تو کہتے کہ وہ عابد ترین انسان تھے [۲] (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ روایت ہے حضرت عطا ابن سائب سے وہ اپنے والد سے راوی [۳] فرماتے ہیں ہم کو حضرت عمار ابن یاسر نے نماز پڑھائی تو اس میں اختصار فرمایا [۴] تو ان سے بعض لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے نماز بہت ہلکی اور مختصر پڑھی تو فرمایا مجھے اس کا کوئی نقصان نہیں میں نے اس میں وہ دعائیں مانگ لی ہیں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیں۔ [۵] جب آپ اٹھے تو قوم میں سے ایک شخص آپ کے پیچھے چلا وہ میرے والد تھے۔

توفیق دے جس کی برکت سے تو میرا محبوب بن جائے یا میں تیرا محبوب بن جاؤں، اس سے معلوم ہوا کہ بعض اعمال میں عشق و محبت پیدا کرنے کی تاثیر ہوتی ہے۔

[۱] یعنی مجھے توفیق دے کہ تو مجھے میری اپنی ذات گھربار مال و دولت سے زیادہ پیارا ہو جائے بلکہ جیسے سخت گرمی اور پیاس کی شدت میں ٹھنڈا پانی پیارا ہوتا ہے اس سے زیادہ تیری محبت مجھے پیاری ہو، خیال رہے کہ خدا کی محبوبیت کے لیے اس کے محبوب بندوں کی محبت لازم ہے، شعر

حاصل نشود رضائے سلطاں ✦ تا خاطر بندگاں نجوئی

[۲] یعنی داؤد علیہ السلام اپنے زمانہ میں سب سے بڑے عابد تھے، جیسے رب تعالٰی بنی اسرائیل سے فرماتا ہے اَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ لہٰذا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ داؤد علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام یا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عابد ہوں اور نہ یہ فرمان اس آیت کریمہ کے خلاف ہے جس میں نوح علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں فرمایا گیا اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا۔ [۳] حضرت عطا تابعی ہیں اور ان کے والد سائب ابن یزید صحابی ہیں کہ ان کی پیدائش ۲ھ میں ہوئی اور حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپ کی عمر سات سال تھی اپنے والد یزید کے ساتھ اس حج میں شریک ہوئے تھے۔ (مرقات) [۴] غالبًا یہ کوئی نفل نماز تھی، بعض نوافل کی جماعت اہتمام سے بھی جائز ہے جیسے نماز کسوف اور بلا اہتمام تو ہر نفل کی جماعت جائز۔ آپ نے یا تو اس نماز کی قرأت قرآن میں اختصار کیا یا دعائیں تھوڑی مانگیں، لمعات نے پہلی بات کو ترجیح دی اور مرقات نے دوسری کو، اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ نے ارکان نماز بھی صحیح طور ادا نہ کیے کہ یہ صحابہ کی شان سے بعید ہے۔ [۵] اس اَمَا میں شارحین نے بہت احتمال نکالے ہیں، ظاہر تر یہ ہے کہ ہمزہ ندائے قریب کا ہے اور مَا نافیہ یعنے اے دوست اس اختصار میں کوئی نقصان نہیں، کیونکہ میں نے وہ دعائیں پڑھ لی ہیں جن سے اس مختصر تلاوت یا چھوٹی دعاؤں کا بدلہ ہو جائے گا کہ ان کے الفاظ تھوڑے ہیں اور ثواب و فائدے زیادہ، ظاہر یہ ہے کہ یہ دعا ئیں بعد ہی مانگی تھیں، سجدے یا سلام سے پہلے قعدہ میں۔

اَنَّهٗ كَنّٰى عَنْ نَفْسِهٖ فَسَاَلَهٗ عَنِ الدُّعَاۗءِ ثُمَّ جَاۗءَ فَاَخْبَرَ بِهِ الْقَوْمَ اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ اَحْيِنِيْ مَا عَلِمْتَ الْحَيٰوةَ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِّيْ اَللّٰهُمَّ وَاَسْئَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَاَسْاَلُكَ كَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الرِّضَاۗءِ وَالْغَضَبِ وَاَسْاَلُكَ الْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنٰى وَاَسْاَلُكَ نَعِيْمًا لَّا يَنْفَدُ وَاَسْاَلُكَ قُرَّةَ عَيْنٍ لَّا تَنْقَطِعُ وَاَسْاَلُكَ الرِّضَاۗءَ بَعْدَ الْقَضَاۗءِ وَاَسْاَلُكَ بَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَاَسْاَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ

ہاں انہوں نے اپنی ذات کو کنایۃً ذکر کیا[1] تو ان سے وہ دعا پوچھی پھر آئے وہ دعا قوم کو بتائی[2] الٰہی اپنے علم غیب اور مخلوق پر اپنی قدرت کے صدقہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ زندگی کو میرے لیے بہتر جانے اور وفات دیدے جب موت کو میرے لیے بہتر جانے[3] الٰہی میں تجھ سے تیرا خوف مانگتا ہوں ظاہر و باطن میں[4] اور تجھ سے خوشی و ناخوشی میں حق بات کی توفیق مانگتا ہوں[5] اور تجھ سے امیری غریبی میں میانہ روی مانگتا ہوں[6] اور تجھ سے نہ ختم ہونے والی نعمت مانگتا ہوں اور تجھ سے وہ آنکھ کی ٹھنڈک مانگتا ہوں جو ختم نہ ہو[7] اور تجھ سے رضا بالقضا مانگتا ہوں اور تجھ سے بعد موت کے ٹھنڈی زندگی مانگتا ہوں[8] اور تجھ سے تیری ذات کو دیکھنے کی لذت اور تیری

[1] "ھُوَ اَبِیْ" سے یہاں تک کلام عطاء کا ہے یعنی میرے والد کہتے تھے کہ قوم میں سے ایک شخص حضرت عمار کے پیچھے دعا پوچھنے کیلیے گئے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ جانے والے والد سائب ہی تھے انہوں نے اپنا نام نہ لیا بلکہ ایک شخص کہہ دیا تاکہ اپنی بڑائی ظاہر نہ ہو۔ [2] بعض صحابہ کی ہیبت زیادہ تھی کہ ان سے ہر شخص بات نہیں پوچھ سکتا تھا، اس لئے صرف حضرت سائب نے پوچھا وہ بھی علیحدہ جا کر، خیال رہے کہ یہ دعا تو ایک ہی ہے مگر اس میں ماتگی بہت چیزیں گئیں ہیں۔ اسی لیے یہاں دعا واحد فرمایا اور وہاں دعوات جمع۔ [3] بِعِلْمِکَ میں ب استعطاف کی ہے یعنی اپنے علم غیب اور اپنی قدرت کے صدقہ میں مجھے یہ نعمتیں بخش۔ معلوم ہوا کہ صفات الٰہی کو وسیلہ بنا سکتے ہیں۔ خیال رہے کہ جب تک بندہ کو نیکیوں کی توفیق ملے اور دنیا میں فتنہ نہ پھیلیں اور بندہ دوسروں پر بوجھ نہ بنے تب تک تو زندگی موت سے افضل ہے، اور جب ان تینوں باتوں میں سے کوئی بات فوت ہو جائے تو موت زندگی سے بہتر ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ شر کی زندگی سے خیر کی موت اچھی۔ شعر

ظالمے خوابش بہتر از بیداری است ~~~ زاں چناں بد زندگانی مردہ بہ

[4] درمیان دعا میں بار بار ربنا یا اللّٰھم کہنا سنت ہے۔ اس میں دعا کی قبولیت کی قوی امید ہے۔ اسی طرح ہر عرض کے اول واؤ بولنا بھی بہتر ہے رب تعالٰی نے فرمایا رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا، ظاہر و باطن سے مراد یا تو علانیہ و خفیہ ہے یا قالب و قلب یعنی الٰہی مجھے ہر حال میں اپنا خوف دے خواہ لوگوں کے سامنے ہوں یا تنہائی میں یا میرا دل و جسم دونوں پر تیرا خوف ہو کہ دل میں ڈر ہو، آنکھیں تر ہوں، دل میں درد ہو منہ میں آہ سرد ہو۔ [5] یعنی خلق مجھ سے راضی ہو یا ناراض میں حق بات کہوں یا میں لوگوں سے راضی ہوں یا ناراض، ہر حال میں حق بولوں نہ میں حق کو چھوڑوں نہ حق مجھے چھوڑے [6] یعنی امیری غریبی میں مجھے روزی، گفتار، رفتار، خرچ وغیرہ میں درمیانی چال چلنے کی توفیق دے۔ کہ نہ تو امیری میں فضول خرچ بن جاؤں۔ نہ غریبی میں تنگ بھوکا ہو جاؤں۔ درمیانی چال اللہ کی رحمت ہے جسے نصیب ہو جائے۔ [7] یعنی جنت کی لازوال نعمتیں اور وہاں کی پاک بیویاں مانگتا ہوں جو آنکھ کی

اِلٰى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰى لِقَائِكَ فِيْ غَيْرِ ضَرَّآءَ مُضِرَّةٍ وَّلَا فِتْنَةٍ مُّضِلَّةٍ اَللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِيْنَةِ
الْاِيْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُّهْتَدِيْنَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ ۔ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْاَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا وَّرِزْقًا
طَيِّبًا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ ۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ دُعَاءٌ
حَفِظْتُهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَآ اَدَعُهٗ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْٓ اُعْظِمُ شُكْرَكَ وَاُكْثِرُ
ذِكْرَكَ وَاَتَّبِعُ نُصْحَكَ وَاَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ

ملاقات کا شوق مانگتا ہوں بغیر مضر چیز کے نقصان اور بغیر گمراہ کن فتنہ کے لے اے اللہ ہم کو ایمان کی زینت سے آراستہ کر ے اور ہم کو
دینے والا ہدایت پانے والا بنا ے (نسائی) ۔ ے روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے بعد یہ کہتے تھے
الٰہی میں تجھ سے نفع بخش علم مقبول عمل اور حلال طیب روزی مانگتا ہوں ے (احمد، ابن ماجہ، بیہقی دعوات کبیر) روایت
ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے ایک دعا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یاد کی ہے۔ جسے میں کبھی نہیں چھوڑتا۔
الٰہی مجھے تو ایسا کر دے کہ تیرا بہت شکر کروں اور تیرا بہت ذکر کروں ے اور تیری نصیحت کی پیروی کروں اور تیری وصیت لے
کی حفاظت کروں ے (ترمذی) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں

ٹھنڈک کا باعث ہوں یا نیک ہونے والی مومن نسل یا نماز دائمی کی توفیق مانگتا ہوں اولاد ازواج، نماز سب کچھ آنکھ کی ٹھنڈک ہیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے رَبَّنَا
هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ خیال رہے کہ دنیا کی ہر چیز کو فنا ہے۔ آخرت کی ہر چیز کو بقا ہے یاد کی عبادات دنیا میں فنا ہو جائے
گی۔ اللہ کے لیے کھانا پینا بھی آخرت کا توشہ ہے اور فانی ہے گھر گھڑا پانی فانی ہے نکلنے کا پانی باقی ہے کہ گھر سے وابستہ ہے ہم کو حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام سے وابستگی چاہیئے۔ جو عزت وعظمت وغیرہ کا مرکز ہیں۔ ے یعنی برزخ و محشر میں آرام کی زندگی کا طلبگار ہوں ۔

ے یعنی مجھے آخرت میں اپنا دیدار دے اور دنیا میں شوقِ دید نصیب کر۔ مگر ایسا شوق دے جو مجھے سیر الی اللہ سے منع نہ کر دے، جذب نہیں مانگتا سلوک مانگتا ہوں
ے جسم کی ظاہری زینت لباس و زیور سے ہے۔ دل کی زینت ایمان سے، اور بدن کی حقیقی زینت نیک اعمال سے ہے خدایا تو مجھے جسمانی و دلی زینت نصیب کر۔
ے اس طرح کہ ہم خود بھی ہدایت پر رہیں اور دوسروں کو بھی ہدایت پر رکھیں۔ ے اسے حاکم، احمد اور طبرانی نے بھی روایت کیا۔ ے علم دل کا رزق ہے
عمل بدن کی معنوی روزی۔ اور حلال رزق ان دونوں کی اصل، حرام روزی سے نہ دل میں نورِ معرفت پیدا ہو نہ اعمال میں لذت آئے صوفیاء فرماتے ہیں کہ بغیر
علم نافع کے عمل صالح کی توفیق نہیں ملتی۔ تم جس کا علم و عمل تو اچھا دیکھو مگر اس کی روزی حرام ہو، تو اس کی مچھر کے پر برابر پرواہ نہ کرو۔ عبادات خزانۂ الٰہی میں محفوظ
ہیں۔ دعا اس خزانہ کی چابی ہے اور رزق حلال اس چابی کے دانتے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ اس کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے پیٹ میں حرام ہو۔
خیال رہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا بعد نماز فجر یا تو گھر میں ہوتی تھی یا مسجد میں۔ مگر بلند آواز سے جو گھر تک پہنچ جاتی تھی یا حضرت ام سلمہ خود مسجد کی
آخری صفوں میں ہوتی تھیں اس لیے آپ کی دعا سنتی تھیں۔ ے اعظم اور اکثر باب تفعیل سے بھی ہو سکتے ہیں اور باب افعال سے بھی مگر افعال سے ہونا زیادہ بہتر ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضٰى بِالْقَدْرِ وَعَنْ اُمِّ مَعْبَدٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِيْ مِنَ الرِّيَاءِ وَلِسَانِيْ مِنَ الْكَذِبِ وَعَيْنِيْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَادَ رَجُلًا مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَدْ خَفَتَ فَصَارَ مِثْلَ الْفَرْخِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كُنْتَ تَدْعُو اللّٰهَ بِشَيْءٍ

کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ میں تجھ سے تندرستی، پاکدامنی، امانت داری اور اچھے اخلاق اور تقدیر پر رضا مانگتا ہوں روایت ہے حضرت ام معبد سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ الٰہی میرے دل کو نفاق سے اور میرے عمل کو دکھلاوے سے اور میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو بددیانتی سے پاک کردے کیونکہ تو جانتا ہے خیانت والی آنکھ کو اور اس کو جو سینے چھپاتے ہیں یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کیں روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کی بیمار پرسی کی جو بہت کمزور ہوگیا تھا کہ چوزہ کی طرح ہو گیا تھا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو اللہ سے کوئی خاص دعا کرتا تھا یا کوئی

یعنی الٰہی مجھے بہت نعمتیں دے اور ہر نعمت کے ہر شکر کی توفیق دے شکر قولی بھی اور شکر عملی بھی، اور مجھے توفیق دے کہ میں لسانی جانی ارکانی ہر طرح تیرا بہت ذکر کروں، ذکر و شکر کی تفصیل ہماری تفسیر نعیمی جلد دوم میں دیکھئے۔ ۷؎ نصیحت کے معنی ہیں خیرخواہی اور وصیت سے مراد رب کے تاکیدی حکم، یعنی رب کے ہر حکم میں ہماری خیرخواہی ہے اگرچہ وہ حکم ہم پر گراں ہوں، اور ہماری نسبت دعائیں جو رد ہو جاتی ہیں۔ ان میں بھی ہماری خیرخواہی ہوتی ہے کہ ہم ناسمجھی سے بری چیزیں مانگ لیتے ہیں۔ اس لیے رب کی قضا پر رضا اور اس کے احکام کی اتباع چاہیے۔

۱؎ یہ پانچ چیزیں لاکھوں نعمتوں کی جڑ ہیں، تندرستی میں ساری بیماریوں سے حفاظت آگئی۔ اور پاکدامنی میں برے اعمال، اقوال و احوال سے حفاظت اور امانت میں تمام دلی بیماریوں سے امن اور حسن خلق میں ہر قسم کی بدمعاملگی سے نجات، اور رضا بالقضا میں دل کی بے چینی اور گھبراہٹ سے امان داخل ہے جسے یہ پانچ نعمتیں مل جائیں، اسے سب کچھ مل گیا۔ ۲؎ ام معبد دو ہیں۔ ام معبد بنت خالد اور ام معبد بنت کعب ابن مالک انصاریہ دونوں صحابیہ ہیں۔ پہلی ام معبد کے گھر میں بحالت ہجرت کچھ دن قیام فرمایا تھا جن کا واقعہ مشہور ہے۔ یہاں دوسری ام معبد مراد ہیں (اشعۃ اللمعات)

۳؎ چونکہ سرکار ان تمام عیبوں سے پاک ہیں اس لیے اس دعا کے یہی معنی کئے جائیں گے کہ پاک رکھ یعنی مجھے اس پر استقامت دے۔ جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ یعنی اے نبی کریم یونہی اللہ سے ڈرتے رہو۔ ۴؎ خیانت والی آنکھ سے مراد چور نظری کرنے والی آنکھیں ہیں کن انکھیوں سے ناجائز چیزوں کو دیکھنا چور نظری ہے، اور سینے کے سارے عیوب حسد، کینہ، بغض، نفاق مَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ میں داخل ہیں اس کی اور بہت شرحیں کی گئی ہیں مگر یہ شرح مختصر بھی ہے اور قوی بھی۔ ۵؎ خفت کے معنی ہیں کمزور آواز جو بمشکل سنائی دے، اہل عرب کہتے ہیں خفت المیت مردہ خاموش ہوگیا یعنی بیمار بوجہ کمزوری کے

اَوْتَسْئَلُہٗ اِیَّاہُ قَالَ نَعَمْ کُنْتُ اَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ مَاکُنْتَ مُعَاقِبِیْ بِہٖ فِی الْاٰخِرَۃِ فَعَجِّلْہُ لِیْ فِی الدُّنْیَا فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰہِ لَاتُطِیْقُہٗ اَوْلَا تَسْتَطِیْعُہٗ اَفَلَا قُلْتَ اَللّٰھُمَّ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ قَالَ فَدَعَا اللّٰہَ بِہٖ فَشَفَاہُ اللّٰہُ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔ وَعَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایَنْبَغِیْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ یُّذِلَّ نَفْسَہٗ قَالُوْا وَکَیْفَ یُذِلُّ نَفْسَہٗ قَالَ یَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَایُطِیْقُ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ

مانگتا تھا وہ بولا ہاں میں یہ کہتا تھا الٰہی تو جو سزا مجھے آخرت میں دینے والا ہو وہ مجھے دنیا میں ہی دیدے تب اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ تو اسکی طاقت اور قدرت نہیں رکھتا تو نے یہ کیوں نہ کہا خدایا ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور ہمکو آگ کے عذاب سے بچالے فرماتے ہیں اس نے اللہ سے یہی دعا مانگی تو اللہ نے اسے شفا بخشی (مسلم) روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ لائق نہیں کہ اپنے کو ذلیل کرے لوگوں نے پوچھا حضور ذلیل کیسے کرے فرمایا اپنے کو ان آفتوں پر پیش کرے جنکی طاقت نہ رکھتا ہو (ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی شعب الایمان) اور ترمذی نے فرمایا ......

ضعیف اللاغر ہو گیا تھا جیسے بطور لزوم اس کی کمزوری جسم بھی معلوم ہو گئی لہٰذا اگلا کلام اس سے پورا ربط رکھتا ہے۔ ملہ یہاں راوی کو شک ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو یہ فرمایا کہ تو خاص چیز مانگتا تھا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کا حکیم مطلق بنا کر بھیجا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے ظاہری و باطنی امراض اور ان کے اسباب جانتے ہیں۔ ۲ ان صحابی کی یہ عرض دعا بوجہ خوف آخرت اور خوف عذاب کی بنا پر ہے وہ سمجھ رہے تھے کہ گناہوں پر سزا ضرور ملتی ہے، اگر آخرت میں ملی تو سخت اور دیرپا ہو گی اور اگر دنیا میں ملی تو ہلکی اور عارضی ہو گی کہ موت ہر مصیبت کی انتہا ہے۔ ان کی نظر اللہ کی معافی کی طرف نہ گئی، معلوم ہوا کہ بعض تو رب تعالٰی سے مانگنا بھی نہیں آتا جب تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ سکھائیں۔

۳ یعنی نہ تو تو دنیا کے عذاب کی طاقت رکھتا ہے اور نہ آخرت کے عذاب کی، لہٰذا یہ کلمہ ممکن نہیں۔ اگرچہ خطاب ان صاحب ہی سے ہے مگر روئے سخن سب کی طرف ہے یعنی ساری مخلوق اس کے عذاب کی طاقت نہیں رکھتی وہ اپنا کرم ہی کرے۔ ۴ اس دعا کی شرح پہلے کی جا چکی ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہاں بھلائی سے مراد گناہوں کی معافی، نعمتوں کی عطا اور دونوں جہان کی عافیت و امان ہے۔ ۵ یا تو اس دعا ہی کی برکت سے بغیر دوا استعمال یا کسی دوا کے ذریعہ صحیح دوا کا میسر آنا اور اس کی تاثیر رب تعالٰی کے کرم سے ہے، دوسرے معنی مرقات نے اختیار فرمائے مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔

۶ یعنی اپنی خواہش اور مرضی سے اپنے کو ذلت میں نہ ڈالے۔ لہٰذا یہ فرمان اس حدیث کے خلاف نہیں کہ مومن ملت یا قلت یا ذلت سے خالی نہیں رہتا۔ یہاں ذلت سے مراد عزت کے مقابلے میں ذلت نہیں بلکہ بے بسی مراد ہے۔

۷ یعنی یا تو رب سے سختیاں مانگ لے یا اپنے آپ کو بلا ضرورت سختیوں میں ڈال لے۔ لہٰذا یہ حدیث احکام جہاد کے خلاف نہیں۔ بدر میں ۳۱۳ بے سامان صحابہ ہزار ہتھیار بند کفار کے مقابلہ میں ڈٹ گئے کہ وہاں دینی ضرورت تھی۔

هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ ◆ وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِيْ خَيْرًا مِّنْ عَلَانِيَتِيْ وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِيْ صَالِحَةً اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ مِنْ صَالِحِ مَا تُؤْتِي النَّاسَ مِنَ الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ غَيْرِ الضَّالِّ وَلَا الْمُضِلِّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ◆

كِتَابُ الْمَنَاسِكِ

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ ◆ عَنْ اَبِيْ

یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔ روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا سکھائی فرمایا کہو اے اللہ میرا باطن میرے ظاہر سے اچھا کردے اور میرے ظاہر کو نیک و صالح بنادے [1] اے اللہ میں تجھ سے وہ اچھا گھربار، مال، اولاد، جو نہ گمراہ ہو اور نہ گمراہ گر مانگتا ہوں جو تو لوگوں کو دیتا ہے [2] (ترمذی) کتاب ارکان حج [3] پہلی

---

[1] سبحان اللہ کیسی پیاری دعا ہے یعنی خدایا مجھے جسمانی پرہیزگاری بھی عطا فرما اور دلی تقویٰ ظاہری پرہیزگاری سے اعلیٰ ہو ظاہر کا باطن سے اعلیٰ ہونا غضب الٰہی ہے کہ یہ ریا ہے، نیز ظاہر خراب ہونا دل کا اچھا ہونا بھی برا کہ یہ فسق ہے، غذا بھی اچھی و اعلیٰ چاہیئے اور برتن بھی صاف ستھرا۔

[2] ظاہر یہ ہے کہ گمراہ اور گمراہ گر ولد کی صفت ہے، کیونکہ مال اگرچہ گمراہ گر تو ہوتا ہے مگر گمراہ نہیں ہوتا، اور ہوسکتا ہے کہ ضالّ سے مراد خبیث اور برا ہو تو تینوں کی صفت ہے یعنی خدایا ہمیں ایسی بیوی بچے اور مال دے جو خود بھی خبیث ہوں اور ہمیں بھی خبیث کردیں۔

الحمد للہ کہ دعاؤں کا باب بخیر و بخوبی ختم ہوا، دعاؤں کے متعلق آخری گذارش یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمودہ دعائیں بفضلہٖ تعالٰی تیر بہدف ہیں مگر دعاؤں کی قبولیت کے لیے چند چیزیں ضروری ہیں سچی زبان، حلال روزی، دل حاضر، آنکھیں تر، قبولیت کی امید تقویٰ و پرہیزگاری، رات کے آخری حصہ کی دعائیں جلد قبول ہوتی ہیں، اگر کبھی کسی دعا کے ظہور میں دیر لگے، تو یقین کرنا چاہیئے کہ ہم میں کچھ کوتاہی ہے، رب سچا اس کے محبوب سچے ہم جھوٹے ہمارے اعمال کھوٹے ہیں۔ شعر

مری رات کی دعائیں جو نہیں قبول ہوتیں　　میں سمجھ گیا یقیناً ابھی میں کچھ کمی ہے

کبھی دعا اس لئے بھی قبول نہیں ہوتی کہ کسی کی بددعا ہمارے پیچھے پڑی ہوتی ہے، پہلے بددعاؤں کو بند کرو تاکہ دعائیں قبول ہوں، رب تعالٰی مقبول دعائیں نصیب کرے۔ احمد یار خاں

[3] مناسک۔ منسک کی جمع ہے جو نسیکہ سے بنا، نسیکہ کے معنی ہیں عبادت، اسی لیے قربانی کو نسیکہ اور قربانی کے وقت یا جگہ کو منسک کہا جاتا ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے "لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا" اب شریعت میں مناسک ارکان حج کو کہتے ہیں یعنی اس باب میں حج کا ذکر ہوگا، حج کے معنی ہیں قصد اور ارادہ، عبادت کی نیت سے کعبہ شریف کا ارادہ کرنا حج ہے، حج کا سبب کعبہ معظمہ ہے، کعبہ شریف سب سے پہلے فرشتوں نے بنایا بیت المعمور کے مقابل، اسی کا نام فرشتوں کے ہاں ضراح تھا، آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے سے فرشتے اس کا حج کرتے تھے پھر آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف انبیائے کرام نے حج کعبہ کیا، کسی اُمت پر حج فرض نہ تھا، ۸ھ یا ۹ھ یا ۱۰ھ میں مسلمانوں پر حج فرض فرمایا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرضیت حج سے پہلے، قبل ہجرت جو حج کیے وہ بطور عبادت کیے تھے، آدم علیہ السلام نے

هُرَيْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ اَكُلَّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلٰثًا فَقَالَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُوْنِيْ مَا تَرَكْتُكُمْ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى اَنْبِيَائِهِمْ فَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَهَيْتُكُمْ

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا تو فرمایا اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا لہذا حج کرو۱؎ تو ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا ہر سال۲؎ حضور خاموش رہے حتی کہ اس شخص نے تین بار کہا۳؎ تو فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے۴؎ پھر فرمایا مجھے چھوڑے رہو جس میں میں تم کو آزادی دوں۵؎ کیونکہ تم سے اگلے لوگ اپنے نبیوں سے زیادہ پوچھ گچھ اور زیادہ جھگڑنے کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئے۶؎ لہذا جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک ہو سکے کرگزرو اور جب تمہیں کسی چیز سے منع

ہندوستان سے پیدل چل کر چالیس حج کیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام و یونس علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام نے بھی شرکت کی اور حضور علیہ السلام کے ساتھ حج کیا۔ معلوم ہوا کہ انبیائے کرام زندہ ہیں عبادتیں کرتے ہیں، مگر ان کی یہ عبادتیں شرعی تکلیف سے نہیں ان کی خود اپنی خوشی سے ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو حضور علیہ السلام نے ان کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا (مرقات و لمعات و اشعہ)۔

۱؎ یہ خطبہ حج فرض ہونے کے سال مدینہ منورہ میں تھا ۸ھ میں فتح مکہ ہوئی تو بعض لوگوں نے حج کیا ۹ھ میں حضرت ابوبکر صدیق نے لوگوں کو حج کرایا اور ۱۰ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ حج کی فرضیت ۸ھ یا ۹ھ یا ۱۰ھ میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنے عرصہ تک حج نہ کرنا اس لیے تھا کہ آپ کو اپنی زندگی اور اپنے حج کرنے کا علم تھا، حق یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے بھی دو یا تین حج کیے ہیں جیسا کہ ترمذی، ابن ماجہ و حاکم نے حضرت جابر وغیرہم سے روایت کی (مرقات)۔ ۲؎ اگر حج کی فرضیت فتح مکہ سے پہلے ۶ھ یا ۷ھ میں ہوئی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جب تمہیں مکہ معظمہ پہنچنا میسر ہو جائے تو حج کرنا فرض تو ابھی ہوگیا ہے مگر اس کی ادا جب لازم ہوگی اور اگر فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں فرض ہوا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اسی سال ہی حج کرو۔ ۳؎ یہ عرض کرنے والے حضرت اقرع ابن حابس تھے۔ وہ سمجھے یہ کہ ہر رمضان میں روزے فرض ہوتے ہیں، تو چاہیے کہ ہر بقرعید میں حج فرض ہو کہ پھر یہ سوچا کہ اس میں لوگوں کو بہت دشواری ہوگی کیونکہ روزے تو اپنے گھر میں ہی رکھ لیے جاتے ہیں مگر حج کے لیے مکہ معظمہ جانا پڑتا ہے اور اطراف عالم سے ہر سال بیت اللہ شریف پہنچنا بہت مشکل ہوگا، اس لیے آپ نے یہ سوال کیا اور بار بار کیا تاکہ مسئلہ واضح ہوجائے۔ ۴؎ اس سوال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی اس لئے تھی کہ سائل سوال سے باز آجائے تاکہ ہم کو جواب کی ضرورت نہ ہو مگر سائل شوق کی زیادتی سے یہ اشارہ نہ سمجھ سکا۔ ۵؎ یعنی پورا جواب تو کیا معنی اگر ہم صرف ہاں کہہ دیتے تب بھی ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام شرعیہ کا مالک بنایا ہے کہ آپ کی ہاں اور نہ میں تاثیر ہے جس کے بہت قوی دلائل موجود ہیں کیوں نہ ہو کہ آپ کا کلام وحی الٰہی ہے رب تعالٰی فرماتا ہے "وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الْہَوٰی اِنْ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی" اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں ملاحظہ فرمایئے۔ دوسرے یہ کہ بزرگوں سے اعمال اور وظیفوں میں قید یا پابندی نہ لگوانی چاہیے بلاقید عمل کرنا چاہیے۔ ۶؎ یعنی ہمارے احکام میں کیوں، کیسے اور

عَنْ شَیْءٍ فَدَعُوْهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ قَالَ اِيْمَانٌ بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ ۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ

تو اسے چھوڑ دو ۲ (مسلم) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کونسا عمل بہتر ہے فرمایا اللہ رسول پر ایمان لانا ۳ عرض کیا گیا پھر کون سا۔ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ۴ عرض کیا گیا۔ پھر کونسا فرمایا مقبول حج ۵ (مسلم بخاری) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ کے لیئے حج کرے تو نہ فحش کلامی کرے۔ نہ فسق کی باتیں تو ایسا لوٹے گا جیسے اُسے ماں نے آج جنا ۶ روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عمرہ دوسرے عمرے تک درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے ۸ اور مقبول حج کا بدلہ

کب کب تک قیدیں لگائیں ہم شرعی احکام کی تبلیغ ہی کیلیئے تو بھیجے گئے ہیں ضروری چیزیں ہم خود بیان فرمادیں گے (لمعات) ۱ اس طرح کہ انہوں نے زیادہ پوچھ پوچھ کر پابندیاں لگوالیں، پھر ان پابندیوں پر عمل نہ کر سکے یا انہوں نے عمل تو کیا مگر بہت مشکل سے جیسے ذبح گائے کا واقعہ ہوا۔

۲ یعنی میرے احکام پر عمل کرنا فرض ہے اور ممنوعات سے بچنا لازم یہ دونوں کام بقدر طاقت ہیں، اگر نماز کھڑے ہوکر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھ لو، اگر جان پر بن جائے تو مردار کھالو، اس سے معلوم ہوا کہ جیسے وجوب و فرضیت کے لیئے امر ضروری ہے ایسے ہی حرمت و ممانعت کیلئے نہی لازم جس چیز کا حکم بھی نہ ہو اور ممانعت بھی نہ ہو وہ جائز ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔ بعض جو کہتے ہیں کہ جو کام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ کیا ہو وہ حرام ہے غلط ہے قرآن شریف کے بھی خلاف ہے اور اس قسم کی احادیث کے بھی۔ ۳ افضل سے مراد درجہ اور ثواب میں زیادہ ہے چونکہ ایمان عقائد کا نام ہے اور عقیدہ دل کا عمل ہے اس لیے ایمان کو اعمال میں داخل کیا گیا، نحوی لوگ جاننے پہچاننے اور ماننے کو افعال قلوب کہتے ہیں، چونکہ سارے اعمال کی صحت و قبولیت ایمان پر موقوف ہے اسلئے ایمان کا سب سے پہلے ذکر کیا گیا۔ ۴ اللہ کی راہ کا جہاد وہ جنگ ہے جس میں محض رب کو راضی کرنا اور اسلام کی اشاعت منظور ہو، مال ملک عزت حاصل کرنے کے لیئے جنگ کرنا فتنہ ہے جہاد نہیں۔

شعر:

جنگِ شاہان فتنہ غارت گری است — جنگِ مومن سنتِ پیغمبری است

۵ چونکہ حج بدنی و مالی عبادات کا مجموعہ ہے۔ اس لیئے اس کا بھی بڑا درجہ ہے۔ حج مقبول و مبرور وہ ہے جو لڑائی جھگڑے گناہ و ریا سے خالی ہو اور صحیح ادا کیا جائے۔ خیال رہے کہ بعض احادیث میں ایمان کے بعد نماز کا ذکر ہے مگر یہاں جہاد کا ذکر آیا۔ اس لیئے کہ جہاد فی سبیل اللہ اکثر نمازی ہی کرتے ہیں یا بعض ہنگامی حالات میں جہاد نماز سے افضل ہو جاتا ہے، دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق میں زیادہ مشغولیت کی بنا پر پانچ نمازیں قضا فرمادیں، لہذا احادیث میں تعارض نہیں، ہنگامی حالات اور ہوتے ہیں، معمول پر پہنچنے کے بعد دوسرے حالات۔ ۶ حج کے بیان میں رفث سے مراد ہوتا ہے

الْجَنَّةَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عُمْرَةً فِيْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ رَكْبًا بِالرَّوْحَاءِ فَقَالَ مَنِ الْقَوْمُ قَالُوا الْمُسْلِمُوْنَ فَقَالُوْا مَنْ اَنْتَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَرَفَعَتْ اِلَيْهِ امْرَاَةٌ صَبِيًّا فَقَالَتْ اَلِهٰذَا حَجٌّ قَالَ نَعَمْ وَلَكِ اَجْرٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ امْرَاَةً مِّنْ خَثْعَمَ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ فِي الْحَجِّ اَدْرَكَتْ

جنت کے سوا کچھ نہیں ۱؎ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ماہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے ۲؎ (مسلم بخاری) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقام روحا میں ایک قافلہ سے ملے ۳؎ تو فرمایا یہ کون قوم ہے وہ بولے ہم مسلمان ہیں۔ پھر بولے آپ کون ہیں فرمایا اللہ کا رسول ۴؎ تب آپ کی خدمت میں کسی عورت نے ایک بچہ آپ کی طرف اٹھایا بولی کیا اس کا بھی حج ہو سکتا ہے ۵؎ فرمایا ہاں اور تجھے ثواب ہے ۶؎ (مسلم) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے عرض کیا ۷؎ یارسول اللہ اللہ کے فریضے نے جو حج کے متعلق بندوں پر ہے پکڑ لیا میرے

بیوی سے صحبت یا صحبت کے اسباب پر عمل یا صحبت کی گفتگو، اور فسق سے مراد حقارت ساتھیوں سے لڑائی جھگڑا، یعنی جو رضائے الٰہی کے لیے حج کرے اور حج کو فحش باتوں، لڑائی جھگڑوں سے پاک صاف رکھے تو گناہ صغیرہ سے تو یقیناً اور کبیرہ سے احتمالاً بالکل پاک صاف ہو جائیگا۔ حقوق العباد تو ادا ہی کرنا پڑیں گے حق یہ ہے کہ ہر حاجی کو بھی ثواب ملیگا مگر مخلص حاجی سے کم (مرقات) ۵؎ علماء فرماتے ہیں کہ دو عمروں کے درمیان کے گناہ صغیرہ معاف ہوجاتے ہیں، اور حج مقبول میں گناہ کبیرہ کی معافی کی بھی قوی امید ہے۔

۱؎ یعنی حج مقبول کی جزاء تو یقیناً ہے، اس کے علاوہ دنیا میں غنا، دعا کی قبولیت بھی عطا ہو جائے تو رب کا کرم ہے حصر ایک جانب ہی ہے۔ ۲؎ یعنی ماہ رمضان میں کسی وقت عمرہ ملنا یا طاعات میں اسکا ثواب حج کے برابر ہے۔ معلوم ہوا کہ جگہ اور وقت کا اثر عبادت پر پڑتا ہے، اعلیٰ جگہ اور اعلیٰ وقت میں عبادت بھی اعلیٰ ہوتی ہے (مرقات) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے عمرے ذیقعدہ میں ہوئے۔ ۳؎ روحا مدینہ منورہ سے چھتیس ۳۶ یا چالیس میل دور مکہ معظمہ کے رستہ پر ایک منزل ہے، یہاں ہی حضرت آمنہ خاتون کا انتقال ہوا۔ ۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع تشریف لے جارہے تھے ادھر سے کوئی اور قافلہ بھی حج کے لیے آرہا تھا کہ ملاقات ہوگئی اور یہ سوال و جواب واقع ہوئے۔ ۵؎ غالبًا یہ بچہ شیر خوار تھا، اس نے عرض کیا کہ اگر میں اس کا احرام بندھوادوں اور اسے گود میں لیکر سارے ارکان حج ادا کروں تو کیا میرے حج کے ساتھ اسکا حج بھی ہو جائیگا۔ ۶؎ یعنی بچہ کو بھی حج کا ثواب ملیگا حج کرنے کا اور تجھے بھی اس کے حج کا ثواب ملیگا حج کرانے کا۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگرچہ نابالغ بچہ کا حج ثواب کے لحاظ سے تو ہو جائیگا مگر اس سے حجۃ الاسلام ادا نہ ہوگا، بالغ ہونے پر پھر حج کرنا پڑیگا لیکن اگر فقیر یا غلام حج کرے تو انکا حجۃ الاسلام ادا ہو جائیگا کہ امیری یا آزادی کے بعد انہیں دوبارہ حج کرنا ضروری نہیں، کہ ہر شخص مکہ معظمہ پہنچکر وہاں کا ہی مانا جاتا ہو مکہ کا فقیر یا غلام حج اسلام کرسکتا ہے مگر معظمہ کے چھوٹے بچوں کے حج سے حجۃ الاسلام ادا نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں کی نیکیوں کا ثواب ماں باپ کو بھی ملتا ہے لہذا انہیں نماز روزہ کا پابند بناؤ۔ ۷؎ یہ وہ عورت ہے جس کے متعلق بیہقی شریف میں ہے کہ ایک حسینہ عورت نے حضور انور سے یہی مسئلہ پوچھا۔

اَبِیْ شَیْخًا کَبِیْرًا لَّا یَثْبُتُ عَلَی الرَّاحِلَۃِ اَفَاَحُجُّ عَنْہُ قَالَ نَعَمْ وَذٰلِکَ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَعَنْہُ قَالَ اَتٰی رَجُلُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اُخْتِیْ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ وَاِنَّہَا مَاتَتْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ کَانَ عَلَیْہَا دَیْنٌ اَکُنْتَ قَاضِیَہٗ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاقْضِ دَیْنَ اللّٰہِ فَہُوَ اَحَقُّ بِالْقَضَاءِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَۃٍ وَلَا تُسَافِرَنَّ امْرَاَۃٌ اِلَّا وَمَعَہَا مَحْرَمٌ

باپ کو بہت بڑھاپے میں پایا ہے جو سواری پر بیٹھ نہیں سکتا تو کیا میں اس کی طرف سے حج کردوں فرمایا ہاں یہ واقعہ حجۃ الوداع میں ہوا (مسلم، بخاری) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا کہ میری بہن نے حج کی منت مانی تھی اور وہ مر گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس پر قرض ہوتا تو تو ادا کرتا بولا ہاں فرمایا تو اللہ کا قرض بھی ادا کرو وہ تو زیادہ ادا کے لائق ہے (مسلم، بخاری) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص کسی عورت سے خلوت نہ کرے اور کوئی عورت سفر نہ کرے مگر اس کے ساتھ کوئی محرم ہو

حضرت فضل ابن عباس جو اسوقت حضور کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ پر سوار تھے اسے دیکھنے لگے اور وہ انہیں دیکھنے لگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل کا منہ دوسری طرف پھیر دیا۔ اور فرمایا کہ زمانہ حج میں جو شخص اپنے آنکھ کان زبان کی حفاظت کرے۔ ان کا مالک ہے تو اس کی ضرور بخشش کی جاتی ہے (مرقات وغیرہ) حضرت فضل ابن عباس بھی بہت خوبصورت جوان تھے اس لیے وہ عورت بھی اس طرف دیکھتی تھی۔ ۱؎ یعنی میرے باپ پر بڑھاپے میں حج فرض ہوا ہے یا اس طرح کہ اسلام میں فرضیت حج کا حکم جب آیا تو بڈھے تھے یا اسطرح کہ ان کے پاس مال بڑھاپے میں ہی آیا ہے یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اس نے حج نہ کیا۔ حتی کہ بڈھا ہوگیا پہلے معنی پر یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے: خیال رہے کہ اگر بہت بڑھاپے و معذوری کی حالت میں مسلمان صاحب نصاب ہو جبکہ سواری پر بھی سفر نہ کر سکے تو امام ابوحنیفہ کے ہاں اس پر حج فرض نہ ہوگا کہ وہ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا میں داخل نہیں۔ امام شافعی کے ہاں فرض ہوجائیگا۔ ہاں صاحبین کے ہاں اگر بڈھا دوسرے ساتھی مددگار کے خرچ پر بھی قادر ہو تو حج فرض ہوجائیگا۔ ۲؎ اس جواب سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ ایسا معذور شخص جس میں طاقت آنے کی امید نہ ہو حج بدل کرا سکتا ہے۔ حج نفل میں طاقتور آدمی بھی کرا سکتا ہے، دوسرے یہ کہ عورت مرد کی طرف سے حج کر سکتی ہے اگرچہ مرد و عورت کے طریقہ حج میں تھوڑا سا فرق ہوتا ہے۔ ۳؎ یعنی وہ بہن حج نذر ادا کئے بغیر مرگئی۔ کیا میں انکی طرف سے حج کروں یا کسی سے کرادوں، غالبًا یہ شخص اس بہن کے مال کا وارث ہوا تھا۔ ۴؎ امام شافعی کے ہاں میت کا حج فرض اصل مال سے کرایا جائیگا کہ حج ایک قسم کا قرض ہے۔ اور قرض میراث پر مقدم ہوتا ہے، ہمارے امام صاحب کے ہاں اگر میت حج بدل کرانے کی وصیت کرگیا ہے تو تہائی مال سے حج کرایا جائیگا غرضکہ امام شافعی کے ہاں میت کے ذمہ کا حج قرض کی طرح ہے اور ہمارے ہاں وصیت، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقہی قیاس برحق ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حق اللہ کو حق العبد پر قیاس فرمایا، یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی بھی قیاس کر سکتے ہیں۔ ۵؎ کیونکہ خدا تعالٰی کا حق بندوں کے حق سے زیادہ ہے کہ وہ ہمارا مالک و مولٰی ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان استحباب پر مبنی ہے یعنی بہتر ہے کہ تو اس کی طرف سے حج کردے، ورنہ اگر میت کے ذمہ زکوۃ یا کفارہ قسم وغیرہ رہ گئے ہوں تو وہ کسی کے ہاں میراث پر مقدم نہیں بلکہ وصیت کی صورت میں تہائی مال سے ادا کئے جائیں گے۔ لہذا مذہب حنفی نہایت قوی ہے۔ بندوں کے قرض میراث پر

فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ اُكْتُتِبْتُ فِيْ غَزْوَةِ كَذَا وَخَرَجَتِ امْرَأَتِيْ حَاجَّةً قَالَ اِذْهَبْ فَاحْجُجْ مَعَ امْرَأَتِكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِسْتَاْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ جِهَادُكُنَّ الْحَجُّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُسَافِرُ امْرَأَةٌ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ اِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ مُتَّفَقٌ

ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ میں فلاں جہاد میں لکھ دیا گیا ہوں اور میری بیوی حج کو جا رہی ہے فرمایا جاؤ اپنی بیوی کیساتھ حج کرو ۸ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کے متعلق اجازت مانگی ۹ تو فرمایا عورتوں کا جہاد حج ہے ۱۰ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی عورت ایک دن و رات کا سفر اس کے بغیر نہ کرے ۱۱ کہ اس کے ساتھ اس کا محرم ہو ۱۲ (مسلم، بخاری)

مقدم نہیں کہ بندہ محتاج ہے رب غنی ۔ ۱۱ یعنی جس عورت سے نکاح جائز ہو اس کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے کہ فتنہ کا اندیشہ ہے، مال بہن بیٹی کا یہ حکم نہیں ۔ ۱۲ محرم عورت کا وہ عزیز ہے جس سے نسب یا رضاعت یا صہریت کی وجہ سے ہمیشہ نکاح حرام ہو، لہذا رضاعی بھائی سسر و داماد وغیرہ کیساتھ سفر جائز ہے، لہذا اگر عورت مکہ معظمہ سے تا حد سفر دور ہو اس پر بغیر محرم حج فرض نہ ہوگا، یہی مذہب احناف ہے۔

۸ اس وقت جہاد فرض عین نہ تھا فرض کفایہ تھا کہ تھوڑے مسلمان کفار کا مقابلہ کر سکتے تھے اس لئے اُسکا نام مجاہدین کی فہرست سے خارج کر دیا گیا؛ خیال رہے کہ امام شافعی کے ہاں چند عورتیں تقدمل کر حج کر سکتی ہیں۔ امام مالک کے ہاں ثقہ مرد کے ساتھ بھی حج جائز ہے جیسے ہجرت، بعض اماموں کے ہاں اگر چہ چند عورتیں مل کر حج کریں اور ان میں سے ایک عورت کا محرم ساتھ ہو تو سب کا حج درست ہے مگر مذہب احناف قوی ہے۔ چونکہ اس شخص کی جگہ دوسرا آدمی جہاد کر سکتا تھا مگر دوسرا آدمی اسکی بیوی کو حج نہیں کرا سکتا تھا، اسلئے اُسے مجاہدین سے نکالکر حج کرانے کا حکم دیا گیا۔ اور ابھی اسکی بیوی حج کو روانہ نہ ہوئی تھی بلکہ تیاری کر رہی تھی۔ ۹ کہ مجھے بھی میدان جہاد میں اپنے ساتھ لے چلیں، مجاہدین کی مرہم پٹی و دیگر خدمات کرونگی اور اگر ضرورت پڑی تو کفار سے لڑونگی بھی۔ ۱۰ یعنی عورتوں پر جہاد فرض نہیں حج فرض ہے۔ اگر ان میں اسکی طاقت ہو۔ خیال رہے کہ کبھی ہنگامی حالات ایسے نازک ہو جاتے ہیں کہ عورتوں کا بھی جہاد کرنا پڑتا ہے جبکہ مرد جہاد کے لیے ناکافی ہوں، کفار کا دباؤ بڑھ جائے: یہ حدیث نارمل (NORMAL) حالات کی ہے۔ اور جن احادیث میں عورتوں کا جہاد میں جانا ثابت ہے وہ ہنگامی حالات میں ہے، لہذا احادیث میں تعارض نہیں اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں، جو جوان لڑکیوں کو تعلیم کے بہانہ اکیلی پردیس میں بھیج دیتے ہیں، جہاں اسکولوں میں مخلوط تعلیم دی جاتی ہے۔ وہ بھی عبرت پکڑیں جو جہاد پریڈ (PARADE) کے بہانہ عورتوں کو بے پردہ پھراتے ہیں۔ شعر

کر اب یہ فکر کہ بیٹا ترا خفیفہ ہو ۔ یہ فکر چھوڑ کہ بیٹی تری عفیفہ ہو

۱۱ اس ممانعت کے حکم سے مہاجرہ اور کفار کی قید سے چھوٹنے والی عورت خارج ہے کہ یہ دونوں عورتیں بغیر محرم اکیلی ہی دار الاسلام کی طرف سفر کر سکتی ہیں بلکہ یہ سفر ان پر واجب ہے، اسکی دلیل وہ حدیث ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب ہے کہ عورت اکیلی حیرہ سے بیت اللہ آئے گی اور بجز رب تعالٰی کے کسی سے خوف نہ کرے گی (بخاری) لہذا یہ حدیث نہ تو اس حدیث کے مخالف ہے نہ حکم فقہاء اس حدیث کے خلاف (مرقاۃ وغیرہ)۔

عَلَيْهِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ وَقَّتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ وَلِاَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ وَلِاَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ وَلِاَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ فَهُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ اَتٰى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ اَهْلِهِنَّ لِمَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَمَنْ كَانَ دُوْنَهُنَّ

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کے لیئے جو ذوالحلیفہ کو (میقات،) احرامگاہ بنایا اور شام والوں کیلیے جحفہ کو[۱] اور نجدیوں کے لیئے قرن منازل کو[۲] اور یمن والوں کے لیئے یلملم کو[۳] یہ میقات ان کے باشندوں کے لیئے بھی ہیں اور ان کے لیئے بھی جو ان کا باشندہ نہ ہو مگر ان پہ سے گزرے[۴] جو حج یا عمرہ کا ارادہ کرتا ہو[۵] پھر جو ان میقاتوں کے اندر کا

۵ محرم کے معنی پہلے بیان کیئے گئے کہ جس عورت سے نسبی و رضاعی رشتہ کی بنا پر نکاح ہمیشہ کے لیئے حرام ہو لہذا بہنوئی کے ساتھ سالی دیور کے ساتھ بھاوج، یوں ہی بالشبہ موطوءہ کی ماں اس داماد کے ساتھ سفر نہیں کرسکتی کہ دیور اور بہنوئی سے نکاح دائما حرام نہیں اور بالشبہ موطوءہ کی ماں سے اگرچہ ہمیشہ کے لیئے نکاح حرام ہے مگر وہ محرم نہیں ان سے پردہ فرض ہے، خیال رہے کہ یہاں تو ایک دن رات کا ذکر ہوا اور بعض روایات میں دو دن دو رات کا ذکر ہے، بعض میں تین دن تین رات کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ ان احادیث میں حد بندی مقصود نہیں مطلب یہ ہے کہ چھوٹا بڑا کوئی سفر اکیلے نہ کرے یا یہ احکام مختلف حالات میں ہیں، نازک حالات میں ایک دن رات کا سفر بھی اکیلے نہ کرے، بعض نارمل (NORMAL) حالات میں تین دن سے کم کا سفر اکیلے کرسکتی ہے۔

۱ میقات وہ جگہ کہلاتی ہے جہاں سے حاجی یا عمرہ کرنے والے کو بغیر احرام آگے بڑھنا حرام ہے، مکہ مکرمہ کے چار راستے ہیں، ان چاروں راستوں کیلئے یہ چار حدود ہیں چنانچہ مدینہ والوں کے مقام ذوالحلیفہ میقات ہے جو مدینہ طیبہ سے قریبًا تین میل ہے جسے اب بیر علی کہتے ہیں فقیر نے زیارت کی ہے، بعض روافض کہتے ہیں کہ یہاں حضرت علی نے کنوئیں میں جنات سے جنگ کی تھی اس لیے اُسے بیر علی کہا جاتا ہے مگر یہ محض جھوٹ ہے (مرقات) اب شام کے لوگ مدینہ منورہ کے راستے جاتے ہیں، لہذا ان کا میقات بھی یہی ہے، ان کے پرانے راستے پر جحفہ میقات تھا جحفہ مکہ معظمہ سے پچاس کوس جانب شام ہے جحف کے معنی ہیں سیلاب کا بہاؤ، یہاں ایک دفعہ زبردست سیلاب آیا تھا اس لیے جحفہ نام ہوا، اصل نام مہیعہ ہے اسے ایک شخص مہیعہ نامی نے آباد کیا تھا (مرقات)

۲ نجد کے معنی ہیں اونچی زمین غور کا مقابل، اب یہ عرب کا ایک صوبہ ہے جو یمامہ سے عراق تک پھیلا ہوا ہے، قرن منازل کے معنی ہیں منزلوں کے ملنے کی جگہ، یہ ایک گول پہاڑ ہے چکنا۔ ۳ یلملم یا الملم بھی ایک پہاڑ ہے ہندی اور پاکستانیوں کا میقات بھی یہی ہے جو کامران سے نکل کر سمندر میں آتا ہے وہاں ہی ہم لوگ احرام باندھتے ہیں کیونکہ ہم لوگ براستہ عدن مکہ معظمہ جاتے ہیں عدن یمن کا مشہور شہر ہے۔ ۴ یعنی جو حاجی ان مقامات سے گذرے وہ ان ہی جگہوں سے احرام باندھے خواہ یمن کا باشندہ ہو۔ ۵ یعنی احرام باندھنا ان مقامات پر اُسے لازم ہے جو بارادۂ حج یا عمرہ یہاں سے گزرے، مگر جو مکہ معظمہ جا ہی نہ رہا ہو تو ان میقاتوں پر اُسے احرام باندھنا لازم نہیں، جیسے اب جو حجاج پہلے مدینہ منورہ جانا چاہیں وہ میقات سے بغیر احرام گذر جائیں، پھر زیارت مدینہ منورہ کے بعد جب مکہ معظمہ چلیں، تو ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں، امام شافعی اس جملہ کے معنی یہ کہتے ہیں کہ جو شخص مکہ معظمہ تو جا رہا ہو مگر حج یا عمرہ کے لیے نہیں بلکہ کسی اور کام کے لیئے وہ بغیر احرام میقات سے گذر سکتا ہے، ہمارے مذہب میں بیرون میقات رہنے والا کسی نیت سے مکہ معظمہ جائے میقات پر اُسے احرام لازم ہے۔

فَمُهَلُّهٗ مِنْ اَهْلِهٖ وَكَذٰلِكَ وَكَذَاكَ حَتّٰى اَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّوْنَ مِنْهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ جَابِرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُهَلُّ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَ الطَّرِيْقُ الْاٰخَرُ الْجُحْفَةُ وَمُهَلُّ اَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ ذَاتِ عِرْقٍ وَمُهَلُّ اَهْلِ نَجْدٍ قَرْنٌ وَ مُهَلُّ اَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اِعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ عُمَرٍ كُلُّهُنَّ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ اِلَّا الَّتِيْ كَانَتْ مَعَ حَجَّتِهٖ عُمْرَةً مِنَ الْحُدَيْبِيَةِ فِيْ

باشندہ ہو تو اس کا احرام اپنے گھر سے ہے اور اسی طرح حتی کہ مکہ والے مکہ سے ہی احرام باندھیں [۱] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت جابر سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا مدینہ والوں کا احرام گاہ ذوالحلیفہ سے ہے اور انکا دوسرا راستہ جحفہ ہے [۲] اور عراق والوں کا احرام گاہ ذات عرق سے ہے [۳] اور نجد والوں کا احرامگاہ قرن، اور یمن والوں کا احرامگاہ یلملم ہے (مسلم) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے جو سب ذی قعدہ میں تھے۔ سوائے اس عمرہ کے جو آپ کے حج کے ساتھ تھا [۴] حدیبیہ کا عمرہ

ہاں خود مکہ والا اگر کسی وجہ سے میقات سے باہر گیا، پھر مکہ معظمہ لوٹا اسے احرام باندھنے کی ضرورت نہیں۔ جیسے دن رات مکہ معظمہ سے لوگ طائف آتے جاتے ہیں ہماری دلیل وہ حدیث ہے لَا يُجَاوِزُ اَحَدٌ الْمِيْقَاتَ اِلَّا مُحْرِمًا کوئی شخص میقات سے بغیر احرام آگے نہ بڑھے اور اس حیلہ کے دو معنی ہیں جو عرض کیے گئے کہ مکہ معظمہ جانے کا ارادہ کرے تو احرام باندھے۔ [۱] یعنی میقات کے اندر رہنے والے حج کا احرام اپنے گھر سے باندھیں حتی کہ مکہ والے بھی اپنے گھر سے باندھیں، لہذا جدہ والے حج یا عمرہ کا احرام گھر سے باندھ کر ہی چلیں۔ خیال رہے کہ مکہ والے عمرہ کا احرام حرم شریف کی حدود سے باہر آکر باندھیں گے اور حج کا احرام گھر سے (کیونکہ عمرہ مکہ معظمہ میں ادا ہوتا ہے اور حج بیرون حرم عرفات میں ادا ہوتا ہے، تو کچھ سفر کرانے کیلیے شریعت نے مکہ کے عمرہ کیلئے یہ پابندی لگائی) اب مقام تنعیم مسجد عائشہ سے عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے۔ [۲] یعنی مدینہ والے اگر براستہ شام مکہ معظمہ جائیں کہ ان کی راہ میں ذوالحلیفہ بھی آئے اور جحفہ بھی تو ان پر جحفہ سے احرام باندھنا واجب ہے، لیکن اگر ذوالحلیفہ سے ہی احرام باندھ لیں تو بہتر ہے: یہ حدیث احناف کی قوی دلیل ہے کہ جو شخص دو میقاتوں سے گذرے اس پر آخری میقات سے احرام باندھنا فرض ہے نہ کہ پہلے میقات پر امام شافعی کے ہاں پہلے میقات پر احرام باندھنا فرض ہے، یہ حدیث ہماری تائید فرما رہی ہے۔ [۳] عرق کے لغوی معنی ہیں کنارۂ دریا چونکہ عراق کا علاقہ دجلہ وفرات کے کناروں پر ہے اس لیے اسے عراق کہتے ہیں، عراق کی لمبائی عبادان سے موصل تک ہے، اور چوڑائی قادسیہ سے حلوان تک، ذات عرق، قرن منازل کے مقابل واقع ہے، عراق کے مشہور مقامات بصرہ، بغداد، کربلا، نجف، موصل ہیں۔ اگرچہ عراق وشام عہد فاروقی میں فتح ہوئے، مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ یہ علاقے فتح ہوں گے اور یہاں سے حجاج آیا کریں گے اسی لیے ان کے میقات مقرر فرمادیئے، ان پر عمل عہد فاروقی سے ہوا جن روایات میں ہے کہ ان دونوں میقاتوں کو حضرت عمر نے مقرر فرمایا وہاں عملی تقرر مراد ہے۔ [۴] یعنی ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کل چار عمرے کئے بیرون مکہ سے آکر (مرقات) [۵] یعنی حج کے ساتھ والا عمرہ تو ذی الحجہ کے مہینہ میں ہوا باقی تین ذیقعدہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں قران کیا تھا یہی قوی ہے۔

ذِی الْقَعْدَۃِ وَعُمْرَۃً مِّنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فِیْ ذِی الْقَعْدَۃِ وَعُمْرَۃً مِّنَ الْجِعْرَانَۃِ حَیْثُ قَسَمَ غَنَائِمَ حُنَیْنٍ فِیْ ذِی الْقَعْدَۃِ وَعُمْرَۃً مَّعَ حَجَّتِہٖ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ اِعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ ذِی الْقَعْدَۃِ قَبْلَ اَنْ یَّحُجَّ مَرَّتَیْنِ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ عَلَیْکُمُ الْحَجَّ فَقَامَ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ فَقَالَ اَفِیْ کُلِّ عَامٍ

ذیقعدہ میں سال آیندہ کا عمرہ ذیقعدہ میں ہی [1] اور جعرانہ کا عمرہ جہاں حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائیں وہ بھی ذیقعدہ میں [2] اور ایک عمرہ آپ کے حج کے ساتھ والا [3] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج سے پہلے ذیقعدہ میں دو بار عمرے کیے [4] (بخاری) دوسری فصل۔ روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے لوگو اللہ نے تم پر حج فرض کیا تو اقرع ابن حابس کھڑے ہوگئے [5] عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہر سال

[1] مکہ معظمہ سے نو میل دور جانب مدینہ منورہ ایک میدان اور وہاں کے ایک درخت کا نام حدیبیہ ہے، اس کا اکثر حصہ حرم شریف میں داخل ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شروع ذی قعدہ ۶ھ پیر کے دن مدینہ منورہ سے چودہ سو صحابہ کے ہمراہ عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے، جب حدیبیہ میں پہنچے، تو قریش مکہ نے مسلمانوں کو عمرہ سے روک دیا۔ آخر کار اس پر صلح ہوئی کہ سال آئندہ عمرہ کریں، اس سال ویسے ہی بغیر عمرہ کئے واپس جائیں، پھر ۷ھ ذی قعدہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ قضاء کیا، اگرچہ ۶ھ میں عمرہ نہ ہوسکا مگر اسے عمرہ ہی شمار کیا گیا کہ ثواب تو عمرہ کا مل ہی گیا، غرضکہ بعد ہجرت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین عمرے حقیقی کئے اور ایک عمرہ حکمی کیا۔ اس سے مذہب حنفی ثابت ہوا کہ نفل عبادت شروع کردینے سے واجب ہوجاتی ہے کہ اگر پوری نہ ہوسکے تو قضاء کرنی پڑتی ہے کیونکہ یہ عمرہ نفل تھا جس کے رہ جانے پر قضاء کرنی پڑی۔ [2] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا عمرہ وہ ہے جو جنگ حنین فتح فرمانے کے بعد تقسیم غنیمت فرماکر حضور نے کیا کہ بارہ ذیقعدہ ۸ھ میں بعد نماز عشاء مقام جعرانہ سے احرام باندھ کر روانہ ہوئے اور راتوں رات عمرہ کرکے واپس آئے، نماز فجر جعرانہ میں ہی ادا کی، جعرانہ مکہ معظمہ سے قریبًا تین میل طائف کے راستہ پر واقع ہے، اب اسے سہل کہتے ہیں، فقیر نے اس میدان کی زیارت کی ہے۔ [3] یعنی چوتھا عمرہ ۱۰ھ میں حج کے ساتھ کیا، یہ عمرہ شروع ذی الحجہ میں ہوا مگر حجۃ الاسلام حضور نے ایک ہی کیا، ہجرت سے پہلے قریش کے ساتھ بہت حج کئے جن کی تعداد معلوم نہیں۔ (اشعہ) [4] یہاں حقیقی عمرے مراد ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقۃً کل تین عمرے کئے، دو تو حج سے پہلے، ایک حدیبیہ کی قضاء کا دوسرا فتح حنین کے بعد جعرانہ سے احرام باندھ کر، تیسرا حج کے ساتھ جس کا احرام ذیقعدہ کی آخری تاریخوں میں باندھا اور افعال عمرہ چار ذی الحجہ کو ادا کئے، جن راویوں نے چار عمروں کی روایت کی وہ حکمی عمرے کو بھی شامل کرتے ہیں۔ یعنی خود صلح حدیبیہ کے سال کا عمرہ، لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔ [5] اس کی شرح پہلے گذر چکی کہ اقرع ابن حابس نے حج کو روزہ اور زکوۃ پر قیاس کیا کہ جب وہ ہر سال ہوتے ہیں تو یہ بھی ہر سال چاہیئے، مگر چونکہ حج ہر سال واجب ہونے میں نہیں دشواری ہوگی، اس لیے یہ سوال کیا: خیال رہے کہ حضرت اقرع ابن حابس فتح مکہ کے موقعہ پر بنی تمیم کے وفد میں حاضر ہوکر

يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ لَوْ قُلْتُهَا[1] نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَوْ وَجَبَتْ لَمْ تَعْمَلُوْا بِهَا وَلَمْ تَسْتَطِيْعُوْا فَالْحَجُّ مَرَّةً[2] فَمَنْ زَادَ فَتَطَوُّعٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ[3] وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَلَكَ زَادًا اَوْ رَاحِلَةً[4] تُبَلِّغُهُ اِلٰى بَيْتِ اللهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ اَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا[5] وَذٰلِكَ اَنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا[6] رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَفِيْ اِسْنَادِهٖ مَقَالٌ

فرمایا اگر ہم ہاں کہہ دیتے تو اسی طرح فرض ہو جاتا[1] اور اگر یہ فرض ہوتا تو تم نہ عمل کرتے اور نہ کر سکتے پس حج تو ایکبار ہی ہے جو زیادہ کیا تو نفل کیا[2] (احمد، نسائی، دارمی)[3] روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص توشہ اور سواری کا مالک ہو[4] جو اسے بیت اللہ تک پہنچا سکے پھر حج نہ کرے تو اس میں فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر[5] اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگوں پر اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج فرض ہے جو وہاں تک کا راستہ طے کر سکے[6] (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے جس کی اسناد میں گفتگو ہے

اسلام لائے، اسلام سے پہلے بھی اور بعد اسلام بھی بہت شاندار تبلیغ کئے گئے۔

۱ قلتہا میں ھا ضمیر کلمۂ اقرع کی طرف لوٹ رہی ہے، اور یہاں مضاف پوشیدہ ہے یعنی اگر ہم کلمۂ اقرع کے جواب میں ہاں کہہ دیتے تو ایسا ہی ہو جاتا، معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک احکام ہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ ۲ یعنی مکہ والوں اور غیر مکی پر عمر میں ایکبار ہی حج فرض ہے، اس کے علاوہ نفل۔ بعض شافعی لوگ کہتے ہیں کہ ایکبار حج فرض عین ہے اس کے سوا فرض کفایہ، یہ حدیث ان کے صراحۃً خلاف ہے اور اس کی احکام شرعیہ میں نظیر بھی نہیں ملتی۔ ہاں جسے خدا قدرت دے اسے ہر پانچ سال میں ایکبار حج کرنا مستحب ہے۔ ابن حبان نے مرفوعًا روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے خدا تندرستی، مال اور قدرت دے، پھر وہ پانچ سال تک حج نہ کرے وہ محروم ہے۔ بعض لوگوں نے اس حدیث کی بنا پر پانچ سال میں ایکبار حج واجب مانا ہے، مگر یہ خلاف اجماع ہے (مرقات)۔ ۳ اسے دارقطنی، حاکم، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا، حاکم نے علی شرط شیخین فرمایا (مرقاۃ)۔ ۴ زاد سے مراد بقدر ضرورت اپنا اور اپنے بچوں کا خرچ ہے، یعنی اپنا تو سفر کا خرچ اور اپنے لوٹنے تک بچوں کا گھر کا خرچ، یہ مصارف مکہ معظمہ سے قرب و بعد اور زمانہ کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے، اس لئے اس کا تقرر نہیں ہو سکتا، اور سواری سے مراد ہر قسم کی ضروری سواری ہے جیسے آجکل ریل، جہاز، موٹر کار کا خرچ، ملکیت سے مراد سواری کے نفع کی ملکیت ہے لہٰذا جو سواری کے کرایہ پر قادر ہو اس پر حج فرض ہے، اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔ سواری میں جانے آنے کا خرچ مراد ہے نہ کہ صرف جانے کا۔ ۵ یعنی اس تارک حج کی موت اور یہودی، عیسائی کی موت میں فرق نہیں کہ اللہ تعالٰی اس سے راضی ہوگا نہ ان سے اگرچہ دونوں پر ناراضگیوں میں فرق ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر یہ شخص حج کا منکر ہو کر مرا تو اس میں اور اہل کتاب میں کفر میں فرق نہیں اور اگر حج کا تارک ہو کر مرا تو کفران یعنی ناشکری میں فرق نہیں۔ بہر حال اس کلام میں انتہائی غضب کا اظہار ہے۔ اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حج نہ کرنا کفر ہے۔ ۶ اس آیت کے آخر میں ہے وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری آیت کریمہ تلاوت فرمائی ہوگی کہ محل استدلال آخر میں ہے، مگر راوی نے صرف اس قدر تلاوت کی۔

وَهِلَالُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ مَجْهُولٌ وَالْحَارِثُ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَرُورَةَ فِي الْإِسْلَامِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيُعَجِّلْ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَابِعُوا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ

ہلال ابن عبداللہ مجہول آدمی ہے اور حارث حدیث میں ضعیف مانا جاتا ہے۱ روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اسلام میں ترک دنیا نہیں۲ (ابوداؤد) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حج کا ارادہ رکھتا ہو تو جلدی کرے۳ (ابوداؤد، دارمی)۴ روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ حج و عمرہ ملا کر کرو۵ کہ یہ دونوں غریبی اور گناہوں کو ایسے مٹا دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کو۶ اور مقبول حج کا

۱ یعنی اس حدیث کا ایک راوی تو مجہول ہے جس کے حالات کا پتہ نہیں اور دوسرا ضعیف ہے، مرقات نے فرمایا کہ یہ حدیث مرفوع بہت اسنادوں سے مروی ہے، اس کی روایت ابوامامہ سے بھی ہے اور اسے ابن عدی نے ابوہریرہ سے بھی روایت کیا، اور جب ضعیف حدیث مختلف اسنادوں سے مروی ہو جائے تو اس میں قوت آجاتی ہے، اور حضرت عمر پر موقوف صحیح ہے۔ ۲ صرورت بروزن ضرورت، صرٌّ سے مشتق ہے یعنی روکنا یا منع کرنا یا باز رہنا، تارک دنیا یعنی تبتّل کو بھی صرورۃ کہتے ہیں اور تارک حج کو بھی، یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی اسلام میں تارک الدنیا ہو جانا منع ہے کہ کوئی نکاح کرنے یا اچھا کھانا پینا ترک کرنے کا عہد کرے یا اسلام میں قادر و مالدار کو حج نہ کرنا منع ہے، غالبًا صاحب مشکوٰۃ کے نزدیک صرورت کے یہی معنی ہیں اسی لئے وہ یہ حدیث حج کے بیان میں لائے۔ ۳ کیونکہ موت آجانے اور مال یا قوت چلے جانے کا ہر وقت اندیشہ و خطرہ ہے، اور ایک حج رہ جانے پر سال بھر تک انتظار کرنا ہے، سال کس نے دیکھا ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ حج علی الفور واجب ہے کہ بلاوجہ دیر لگانا منع ہے، بلکہ امام ابویوسف و امام مالک کے ہاں یہ شخص فاسق ناقابل گواہی ہے۔ دیگر اماموں کے ہاں فاسق نہیں: خیال رہے کہ تمام ائمہ کے ہاں حج علی الزمان واجب ہے یعنی جب بھی کرے گا ادا ہی ہوگا قضاء نہ ہوگا کہ اس کا وقت عمر بھر ہے: اس میں اختلاف ہے کہ بلاوجہ دیر لگانا فسق ہے یا نہیں: اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو مالدار ہوتے ہیں، بچوں کی شادیاں وغیرہ کے لیے حج نہیں کرتے بعض جہلاء میں مشہور ہے کہ حج بڑھاپے میں کرنا چاہیے حالانکہ حج تو جوانی کا ہے جبکہ طواف وسعی و سفر بآسانی کر سکے، اکثر لوگ بڑھاپے کے انتظار میں بغیر حج مر جاتے ہیں۔ ۴ اسے حاکم نے بھی روایت کیا، بعض روایات میں ہے کہ اس سے پہلے حج کرلو جبکہ حج نہ کر سکو۔ ۵ یعنی ایک سفر میں حج و عمرہ دونوں ادا کرلو، خواہ قران کرو یا تمتع، یہ تو باہر والوں کے لیے ہوا یا اے مکہ والو حج کے بعد عمرہ بھی کرلو، کیونکہ مکہ والوں کو زمانہ حج میں عمرہ منع ہے۔ بہرحال یہ حدیث سارے ہی مسلمانوں کے لیے ہے مکی ہوں یا غیر مکی، اور اس پر یہ اعتراض نہیں کہ مکہ والے اس پر کیسے عمل کریں۔ ۶ خبث، خ اب کے زبر سے بھی پڑھا گیا ہے اور خ کے پیش اب کے زبر سے بھی، اور بری ر۔ نہ زیادہ موزون ہے یعنی قران یا تمتع یا حج و عمرہ ملا کر کرنے سے دل کی اور ظاہری فقیری بھی بفضلہ تعالٰی دور ہوتی ہے۔ اور گناہ بھی

الْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ اِلَّا الْجَنَّةَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ عُمَرَ اِلٰى قَوْلِهٖ خَبَثَ الْحَدِيْدِ • وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا يُوْجِبُ الْحَجَّ قَالَ الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَعَنْهُ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا الْحَاجُّ قَالَ الشَّعِثُ التَّفِلُ فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الْحَجِّ اَفْضَلُ قَالَ الْعَجُّ وَالثَّجُّ فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا

ثواب جنت کے سوا اور کچھ نہیں ۱ (ترمذی، نسائی) اور احمد و ابن ماجہ نے حضرت عمر سے لوہے کے میل تک روایت کی ۲ روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا یارسول اللہ کون چیز حج فرض کرتی ہے فرمایا توشہ اور سواری ۳ (ترمذی، ابن ماجہ) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا عرض کیا حاجی کون ہے فرمایا میلا بو والا ۴ پھر دوسرا کھڑا ہوا عرض کیا یارسول اللہ کون سا حج افضل ہے فرمایا خون بہانا شور مچانا ۵ پھر دوسرا اٹھا عرض کیا یارسول اللہ

ہونے میں اس کا تجربہ بھی ہے۔ خیال رہے کہ گناہ و فقر دور کرنا رب کا کام ہے مگر یہاں اسے حج وعمرہ کی طرف نسبت کیا گیا کہ یہ اس کا سبب ہے۔ لہذا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ رسول غنی کردیتے ہیں رب فرماتا ہے۔ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ۔ ۱ حج مبرور کی تعریف پہلے ہوچکی کہ یہ وہ ہے جو حلال کمائی اور صحیح طریقہ سے ادا کیا جائے اخلاص کے ساتھ اور مرتے دم تک کوئی ایسی حرکت نہ ہو جس سے حج باطل ہوجائے۔ یعنی مقبول حج کا بدلہ صرف دنیاوی غنا اور گناہوں کی معافی یا دوزخ سے نجات یا تخفیفِ عذاب نہ ہوگا بلکہ جنت ضرور ملے گی۔ ۲ منذری کی روایت میں ہے کہ جو حج کے لیے اخلاص سے جائے تو اس کی بخشش بھی ہوگی اور اس کی شفاعت بھی قبول ہوگی اور حاجی گھر واپس آنے تک اللہ کی امان میں رہتا ہے حج میں ایک درہم خرچ کرنا دوسرے مقامات پر دس لاکھ درہم خرچ کرنے سے افضل ہے۔ ۳ توشہ سے مراد اپنا سفر کا سامان نان ونفقہ دیگر خرچ ہے اور اپنے بال بچوں کے گھر کا خرچ اس کی واپسی تک اور سواری میں وہ ساری سواریاں داخل ہیں جن سے مکہ معظمہ کا راستہ طے ہو جیسے ہم پاکستانیوں کے لیے کراچی تک ریل، پھر کراچی سے جدہ تک جہاز اور جدہ سے مکہ معظمہ تک لاری بس یہ سواریاں مختلف فاصلوں کیلئے مختلف ہیں یہ حدیث امام مالک کے خلاف ہے کہ ان کے ہاں پیدل چلنے کی طاقت رکھنے والے پر پیدل حج فرض ہے۔ ۴ سوال یہ تھا کہ کامل حاجی کون ہے۔ فرمایا جس پر دو علامتیں ہوں۔ پراگندگی بال بکھرے، کیونکہ بحالت احرام بال ٹوٹنے کے اندیشہ سے سر کم دھوتے ہیں اور بو والا کیونکہ بحالت احرام خوشبو لگانا منع ہے، اور بسا اوقات پسینہ اور لوگوں کے اژدہام سے کچھ بو سی محسوس ہونے لگتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حاجی بحالت حج دنیاوی تکلفات سے ایک دم کنارہ کش ہوجاتا ہے۔ ۵ یعنی ارکان حج کے سوا کونسا عمل حج میں بہتر ہے، زیادہ کونسی صفات ہیں جن سے حج افضل ہو جاتا ہے۔ ارکان تو سب ہی ادا کرتے ہیں۔ شعر

حاجی تو سارے کہلاویں حج کرے کوئی ایک ⁂ ہزاروں میں تو ہے نہیں لاکھوں میں جا دیکھ

۶ یعنی احرام باندھتے ہی بلند آواز سے تلبیہ کہتے رہنا اور دسویں ذوالحجہ کو قربانی دینا، بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے سارے اعمال حج مراد

السَّبِيْلُ قَالَ زَادٌ وَرَاحِلَةٌ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ فِي سُنَنِهِ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرِ الْفَصْلَ الْأَخِيْرَ وَعَنْ أَبِي رَزِيْنٍ الْعُقَيْلِيِّ أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ أَبِي شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَا يَسْتَطِيْعُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ وَلَا الظَّعْنَ قَالَ حُجَّ عَنْ أَبِيْكَ وَاعْتَمِرْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ قَالَ مَنْ شُبْرُمَةُ قَالَ أَخٌ لِي أَوْ قَرِيْبٌ لِي قَالَ أَحَجَجْتَ عَنْ نَفْسِكَ قَالَ لَا قَالَ حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ

سبیل کیا چیز ہے [1] فرمایا توشہ اور سواری [2] اسے شرح سنہ میں روایت کیا اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں مگر انہوں نے آخری چیز بیان نہ کی۔ روایت ہے حضرت ابی رزین عقیلی سے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا یارسول اللہ میرے والد بہت بوڑھے ہیں جو نہ حج و عمرہ کی طاقت رکھتے ہیں نہ سوار ہونے کی [3] فرمایا اپنے باپ کی طرف سے حج و عمرہ کرو [4] (ترمذی ابوداؤد، نسائی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن و صحیح ہے۔ روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یوں کہتے سنا۔ لبیک (حاضر ہوں) شبرمہ کی طرف سے [5] فرمایا شبرمہ کون۔ عرض کیا میرا بھائی ہے یا عزیز ہے فرمایا کیا تم اپنا حج کرچکے ہو عرض کیا نہیں فرمایا اپنا حج کرو۔

ہیں کیونکہ شور مچانا تلبیہ کہنا اول عمل ہے اور قربانی آخر عمل، درمیان کے اعمال ان میں خود ہی آگئے یعنی تلبیہ سے قربانی تک سارے عمل افضل ہیں۔

[1] یعنی رب تعالٰی نے جو فرمایا وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا کہ بیت اللہ کا حج اس پر فرض ہے جو وہاں تک راستہ کی طاقت رکھتا ہو راستہ سے کیا مراد ہے۔ [2] بعض اماموں نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ فرضیت حج کے لیے صحت و تندرستی ضروری نہیں، اگر مدقوق مریض یا بہت بوڑھے کے پاس مال آیا، جو سواری پر بیٹھتا تو کیا حرکت بھی نہیں کرسکتا اس پر بھی حج فرض ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے تندرستی کا ذکر نہ فرمایا، مگر یہ استدلال کچھ ضعیف سا ہے اس لئے کہ یہاں تو راستہ کے امن کا بھی ذکر نہیں، حالانکہ اگر امن نہ ہو تو بالاتفاق حج فرض نہیں اگر کہا جائے کہ سواری میں راستہ کا امن بھی داخل ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ سواری میں اس پر بیٹھ سکنے کی طاقت بھی داخل ہے، لہذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں، ہاں جو پہلے سے مالدار تھا مگر حج نہ کیا، پھر بیمار یا بہت بوڑھا ہوگیا تو اس پر حج فرض ہے۔ [3] یعنی میرے والد زیادہ بڑھاپے ہونے کی وجہ سے نہ تو حج و عمرہ کے ارکان ادا کرسکتے ہیں، طواف سعی وغیرہ اور نہ سواری پر بیٹھ سکتے ہیں، جو مکہ معظمہ تک پہنچائے، لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں غالبًا ان کے والد پر پہلے سے حج فرض تھا کسی مجبوری کی وجہ سے حج نہ کیا تھا، ورنہ ایسے بڑھاپے پر اگر اس کمزوری میں مال آئے تو حج فرض نہیں [4] یا تو ان کی طرف سے حج وغیرہ خود کردو یا کسی سے کرادو، خیال رہے کہ حج بدنی و مالی عبادت کا مجموعہ ہے، لہذا بوقت مجبوری دوسرا اس کی طرف سے کرسکتا ہے، یعنی حج بدل، مگر قدرت ہوتے ہوئے خود ہی کرنا ہوگا، محض بدنی عبادات میں نیابت مطلقًا ناجائز ہے اور محض مالی عبادت کی مطلقًا جائز، لہذا کوئی کسی کی طرف سے نماز روزہ کبھی ادا نہیں کرسکتا، اور زکوۃ قربانی بہرحال ادا کرسکتا ہے، اس کی اجازت سے: خیال رہے کہ عمرہ فرض یا واجب نہیں، سنت ہے، لہذا حدیث میں دونوں کا حکم دینا استحبابی ہے، یعنی بہتر یہ ہے کہ دونوں ہی باپ کی طرف سے ادا کرو، آیت کریمہ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ

ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ• وَعَنْهُ قَالَ وَقَّتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَهْلِ الْمَشْرِقِ الْعَقِيْقَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ• وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِاَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتَ عِرْقٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَهَلَّ بِحَجَّةٍ اَوْ عُمْرَةٍ مِّنَ الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى اِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ اَوْ

پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرو [2] (شافعی، ابوداؤد، ابن ماجہ) [3] روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورب والوں کے لیئے عقیق کو میقات بنایا [4] (ترمذی، ابوداؤد) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عراق والوں کے لیئے ذات عرق کو میقات بنایا [5] (ابوداؤد، نسائی) [6] روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو مسجد اقصیٰ سے مسجد حرام تک حج یا عمرہ کا احرام باندھے [7] تو اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں یا

[1] میں عمرہ شروع کردینے کے بعد اس کے پورا کردینے کا حکم ہے، یعنی جب حج وعمرہ شروع کردیا، تو انہیں ضرور پورا کرو، کیونکہ ہر نفل شروع کردینے سے فرض ہوجاتا ہے۔ [2] وہ صاحب شبرمہ کی طرف سے حج بدل کر رہے تھے، اس لیے ان ہی کے نام سے تلبیہ کہہ رہے تھے۔ [3] اس حدیث کی بنا پر امام شافعی، امام احمد، امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ جس نے اپنا حج نہ کیا ہو وہ حج بدل ہرگز نہیں کرسکتا، اگر کریگا تو وہ خود اس کا اپنا حج ادا ہوگا نہ کہ بدل والے کا، مگر امام اوزاعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ حج بدل ادا تو ہوجائیگا مگر ایسا کرنا بہتر نہیں، چاہیئے یہ کہ پہلے اپنا حج کرے پھر حج بدل، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے باپ کی طرف سے حج کرنے کی اجازت دی۔ اور یہ نہ پوچھا کہ تو اپنا حج کرچکی ہے یا نہیں۔ لہذا وہ حدیث بیان جواز کے لیے تھی اور یہ حدیث بیان استحباب کے لیے ہے۔ [4] امام ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں مضطرب ہے کیونکہ اس کے راوی سعید ابن عروبہ اولاً بصرہ میں تو اسے حضرت ابن عباس پر موقوفاً روایت کرتے تھے پھر بعد میں کوفہ آکر مرفوعاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے لگے، معلوم ہوا کہ ان پر یہ حدیث مشتبہ ہے۔ نیز اس میں تدلیس ہے (مرقات) لہذا اس سے استدلال درست نہیں۔ [5] اہل شرق سے مراد عراق والے ہیں، عقیق عقٌ سے بنا بمعنی قطع ہوجانا، چونکہ اس جگہ پانی کا سیلاب آتا رہتا ہے جس سے یہ علاقہ دوسری زمین سے کٹ جاتا ہے۔ اس لیے اُسے عقیق کہتے ہیں۔ یہ عقیق وہ عقیق نہیں ہے جو مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ بلکہ یہ عقیق مکہ معظمہ سے شرقی جانب ہے ذات عرق کے مقابل، امام طیبی نے فرمایا کہ صحیح تر یہ ہے کہ یہ میقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق فتح فرماکر مقرر کیا یہ حدیث مرفوعاً صحیح نہیں (اشعہ ومرقات) بلکہ عراق والوں کے لیے میقات ذات عرق ہے جیسے اگلی حدیث میں آرہا ہے۔ [6] اس حدیث سے

بعض لوگوں نے فرمایا کہ عراق والوں کے لیے دو میقات ہیں عقیق اور ذات عرق، جس سے عقیق پہلے ہے۔ اور ذات عرق بعد میں، لہذا اگر عراق والے حجاج عقیق سے ہی احرام باندھ لیں تو بہت بہتر ہے اور اگر ذات عرق سے احرام باندھیں تو گنہگار نہیں۔ [7] یہ حدیث دارقطنی نے بھی روایت کی احمد

رَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ ◆ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ ◆ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ اَهْلُ الْيَمَنِ يَحُجُّوْنَ فَلَا يَتَزَوَّدُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ نَحْنُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ فَاِذَا قَدِمُوْا مَكَّةَ سَاَلُوا النَّاسَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ◆ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَى النِّسَاءِ جِهَادٌ قَالَ نَعَمْ لَا قِتَالَ فِيْهِ الْحَجُّ وَ الْعُمْرَةُ

اس کے لیئے جنت واجب ہو جاتی ہے [1] (ابوداؤد، ابن ماجہ) تیسری فصل - روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ یمن کے لوگ حج کرنے آتے تو توشہ ساتھ نہ لاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متوکل لوگ ہیں [2] پھر جب مکہ معظمہ پہنچتے تو لوگوں سے سوال کرتے تھے [3] اس پر اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری کہ توشہ ساتھ لو کیونکہ بہترین توشہ سوال سے بچنا ہے [4] (بخاری) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا عورتوں پر جہاد ہے فرمایا ہاں ان پر وہ جہاد ہے جس میں جنگ نہیں [5] یعنی حج و عمرہ

کی سند علی شرط بخاری ہے۔ اور یہ حدیث مسلم شریف کے موافق ہے جو پہلی فصل میں گذر چکی، بخاری نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ جب عہد فاروقی میں عراق فتح ہوا تو عراقیوں نے فاروق اعظم کی خدمت میں عرض کیا کہ امیرالمومنین ہمارا میقات کیا ہے، کیونکہ نجد کا میقات قرن ہم سے بہت دور ہے تو آپ نے قرن کے مقابل ذات عرق مقرر کیا کہ انہیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے مقرر فرمادینے کی خبر نہ تھی (مرقات) [1] اس طرح کہ پہلے بیت المقدس کی زیارت کرے، پھر وہاں سے حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ حاضر ہو کر حج یا عمرہ کرے۔

[1] یہ شک راوی کا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مغفرت کا وعدہ فرمایا یا جنت کی عطا کا: اس سے معلوم ہوا کہ جس قدر دور سے احرام بندھے گا اسی قدر زیادہ ثواب ملیگا: خیال رہے کہ اشہر حرم سے پہلے حج کا احرام باندھنا ہمارے ہاں مکروہ ہے۔ امام شافعی کے ہاں وہ احرام عمرہ کا ہو جائیگا یا بندھیگا ہی نہیں، مگر میقات سے پہلے احرام باندھ لینا حتی کہ اپنے گھر سے ہی احرام باندھ کر نکلنا افضل ہے، بشرطیکہ احرام کی پابندیاں پوری کرسکے اشہر حج یعنی حج کے مہینے شوال، ذیقعدہ اور دس دن ذی الحجہ کے ہیں کل دو ماہ دس دن [2] حاکم نے مستدرک میں عبداللہ ابن سلمہ مری سے روایت کیا۔ حضرت علی سے کسی نے اس آیت کے متعلق پوچھا اَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ کہ حج وعمرہ کا پورا کرنا کیا ہے فرمایا یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھ کر نکلو: مشکوۃ کی اس حدیث کو بیہقی وغیرہم نے بھی روایت کیا۔ امام نووی نے فرمایا کہ یہ حدیث قوی نہیں ہو مگر محدثین نے فرمایا حسن ہے: غرضکہ یہ حدیث حسن لغیرہ ہے اور دونوں کلاموں میں تعارض نہیں۔ [3] یا تو یہ لوگ بالکل ہی توشہ ساتھ نہ لاتے تھے مانگتے کھاتے آتے تھے یا اس قدر تھوڑا توشہ لاتے تھے جو راستہ میں ہی خرچ ہو جاتا اور مکہ معظمہ پہنچ کر بے خرچ رہ جاتے، وہ اپنے کو متوکل کہتے تھے مگر درحقیقت سائل تھے یعنی مانگنے والے وہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے گھر جا رہے ہیں، اس کے مہمان ہیں، مہمان ساتھ کھانا کیوں لائے۔ [4] بلکہ جب بھیک مانگنے سے کام نہ چلتا تو چوری ڈکیتی کرتے تھے (مرقات) یہ غلط توکل آج بھی بعض نکموں کے دل میں سمایا ہوا ہے کہ بیکار رہنے بھیک مانگنے کو توکل کہتے ہیں حالانکہ توکل کے معنی یہ ہیں:۔

گر توکل مے کنی در کار کن | کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

[5] یعنی دنیا میں حج وغیرہ کے موقعہ پر بقدر ضرورت توشہ تو ساتھ لو، یہ توشہ توکل کے خلاف نہیں، پرہیزگاری اسی میں ہے کہ بھیک، چوری، ڈکیتی، قرض اور غضب سے بچا جائے: صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا کے سفر کا توشہ مال ہے اور آخرت کے سفر کا توشہ نیک اعمال، رب تک پہنچنے کا توشہ کمال۔ [6] بلا جنگ کے

رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ • وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ أَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ أَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُودِيًّا وَإِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ • وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ الْحُجَّاجُ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللهِ إِنْ دَعَوْهُ أَجَابَهُمْ وَإِنِ اسْتَغْفَرُوهُ غَفَرَ لَهُمْ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ • وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ وَفْدُ اللهِ ثَلٰثَةٌ الْغَازِيْ

(ابن ماجہ) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو حج سے کوئی ظاہری ضرورت؎۱ یا ظالم بادشاہ؎۲ یا روکنے والی بیماری نہ روکے؎۳ پھر وہ حج کیے بغیر مرجائے تو چاہے یہودی ہوکر مرے اور چاہے عیسائی ہوکر مرے؎۴ (دارمی) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا حج و عمرہ کرنے والے اللہ کی جماعت ہیں؎۵ اگر یہ خدا سے دعا کریں تو رب ان کی قبول کرے اور اگر اس سے مغفرت مانگیں تو انہیں بخش دے؎۶ (ابن ماجہ) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ کی جماعتیں تین ہیں؎۷ غازی

جہاد میں سفر تھکن اور مشقت ہے جنگ نہیں، اسی مناسبت سے حج کو جہاد فرمایا، اس حدیث کی بنا پر بعض شوافع نے عمرہ کو واجب فرمایا کہ علیٰ وجوب کے لیے آتا ہے، اس کی بحث پہلے ہوچکی ہے۔ ؎۱ جیسے فقیری یعنی توشہ و سواری پر قدرت نہ ہونا کہ یہ دونوں چیزیں وجوب حج کی شرطیں ہیں۔ ؎۲ یا تو خود اپنے ملک کا بادشاہ ظالم ہوکر ظلمًا حج کو جانے کی اجازت نہ دیتا ہو یا راستہ میں کسی سلطان کی حکومت ہو وہ حجاج کو گذرنے نہ دیتا ہو یا مکہ معظمہ کا بادشاہ ظالم ہوکر حجاج کو داخل نہ ہونے دے۔ ان تینوں صورتوں میں راستہ کا امن مفقود ہے، اور راستہ کا امن وجوب ادائے حج کی شرط ہے، ظالم کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر بادشاہ حجاج کو مہربانی و محبت سے روکے، تو اس کا اعتبار نہیں حج فرض ہوگا (مرقات) ؎۳ بیماری سے وہ بیماری مراد ہے جو سفر سے مانع ہو تندرستی بعض کے نزدیک شرط وجوب ہے اور بعض کے ہاں شرط ادا، پہلی صورت میں بیمار کی طرف سے حج بدل کرانا لازم ہوگا، دوسری صورت میں نہیں، ہمارے امام صاحب کے ہاں شرط ادا ہے کہ اگر کسی کے پاس مال سخت بیماری یا معذوری کی حالت میں آیا، اس پر حج فرض نہیں (مرقات)، ؎۴ یعنی اس کی موت یہود و نصاریٰ کی سی ہے کہ وہ لوگ کتاب اللہ پڑھتے تھے مگر عمل نہ کرتے تھے۔ ایسے ہی یہ قرآن شریف پڑھتا رہا اور حج کی آیت پر بلا عذر عمل نہ کیا، لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بدعملی فسق ہے کفر نہیں، پھر اس کی موت کو یہودیوں عیسائیوں کی موت کیوں فرمایا۔ ؎۵ جو اللہ تعالٰی کے گھر جارہے ہیں، رب سے ملنے جارہے ہیں۔ اور سلطان اپنے ملاقاتیوں کی بات مانتا ہے ان کی سفارش قبول کرتا ہے۔ اس لیے یہ لوگ بھی مقبول الدعا ہیں ان شاءاللہ۔ ؎۶ مسلمانوں کا طریقہ ہے کہ حجاج کو پہنچانے، وداع کرنے اور واپسی پر ان کا استقبال کرنے کے لیے اسٹیشن تک جاتے ہیں۔ ان سے دعا کراتے ہیں۔ یہ اس حدیث پر ہی عمل ہے کہ حاجی گھر سے نکلتے ہی مقبول الدعا ہے اور واپس گھر میں داخل ہونے تک مستجاب الدعوات رہتا ہے۔ خیال رہے کہ حاجی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واحد فرمایا اور عمرہ کرنے والوں کو جمع تاکہ پتہ لگے کہ عمرہ والے سے حج والے کا درجہ زیادہ ہے کہ ایک حاجی عمرہ والوں کی جماعت کے برابر ہے کیوں نہ ہو کہ حج فرض ہے اور عمرہ سنت، یہی مذہب احناف ہے۔ ؎۷ یعنی تین شخص یا تین قسم کے لوگ ہیں، وفد وہ جماعت کہلاتی ہے جو اپنی قوم کی

وَالْحَاجِّ وَالْمُعْتَمِرِ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ، وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَقِيْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ أَنْ يَّسْتَغْفِرَ لَكَ قَبْلَ أَنْ يَّدْخُلَ بَيْتَهٗ فَإِنَّهٗ مَغْفُوْرٌ لَّهٗ رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا أَوْ غَازِيًا ثُمَّ مَاتَ فِيْ طَرِيْقِهٖ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ أَجْرَ الْغَازِيْ وَالْحَاجِّ وَالْمُعْتَمِرِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ، بَابُ الْإِحْرَامِ وَالتَّلْبِيَةِ

اَلْفَصْلُ الْأَوَّلُ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حاجی اور عمرہ کرنے والے (نسائی، بیہقی شعب الایمان) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم حاجی سے ملو تو اسے سلام کرو اور اس سے مصافحہ کرو۳ اور اس کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اپنی دعائے مغفرت کے لیئے کہو کیونکہ وہ بخشا ہوا ہے۴ (احمد) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو حاجی یا غازی یا عمرہ کرنے والا ہو کر نکلا۔ پھر راستہ میں مرگیا۵ تو اس کے لیئے غازی، حاجی، اور عمرہ والے کا ثواب لکھ دیا گیا۶ (بیہقی شعب الایمان) احرام باندھنے تلبیہ کہنے کا باب ۷ پہلی فصل۔ روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے خوشبو تیار کررہی تھی۔

نمائندہ بن کر سلطان کی خدمت میں عرض معروض کرنے پر حاضر ہو۔ ۱؎ چونکہ یہ حضرات راہ الٰہی میں بہت محنت و مشقت اٹھاتے ہیں اور ان کی دعائیں تمام مسلمانوں کو کام آتی ہیں، اس لئے انہیں وفد اللہ فرمایا گیا یعنی اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں مسلمانوں کی طرف سے نمائندہ بن کر آنے والے لوگ ۲؎ ایک حاجی یا حاجیوں کی جماعت سے کہ حاج دونوں پر بولا جاتا ہے (اشعہ) مراد وہ ہے جو حج کرکے واپس وطن آیا؛ عمرہ یا زیارت مدینہ منورہ کرنے والا غازی طالب علم بھی اسی حکم میں ہیں (مرقات) ان سب سے دعا کرانا چاہیئے۔ ۳؎ یعنی کوشش کرو کہ تم ہی سلام و مصافحہ کی ابتداء کرو، اگر حاجی غریب ہے اور تم امیر، تو اسے سلام و مصافحہ کرنے میں اپنی توہین محسوس نہ کرو۔ ۴؎ اور ابھی اس نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے کہ گھر میں نہیں پہنچا ہے، سفر ختم نہیں کیا ہے، معلوم ہوا کہ حاجی کے آتے جاتے ہوئے راستہ کے گناہ بھی معاف ہیں، اگھر میں آکر گناہ شروع ہوں گے: یہ بھی معلوم ہوا کہ مغفور لوگوں سے دعا کرانی چاہیئے۔ لہذا اولیاء اللہ اور چھوٹے بچوں سے دعا کرانی چاہیئے۔ ۵؎ یعنی جاتے ہوئے مرگیا، حج یا عمرہ یا غزوہ نہ کرسکا، جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے ۶؎ اس کی تائید اس آیت سے ہے "وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ" جو اپنے گھر سے مہاجر ہو کر نکلا پھر اسے موت آگئی، تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ کرم پر ثابت ہوگیا: مگر جو حج فرض ہونے کے بعد برسوں حج کو ٹالتا رہا، پھر بڑھاپے میں گیا اور راہ میں مرگیا تو وہ ضرور اس دیر لگانے کا گنہگار رہے، یہ حدیث اس کے لیئے ہے جو بلا عذر حج میں دیر نہ لگائے کیونکہ حج فوراً ادا کرنا چاہیئے، اور ہوسکتا ہے کہ یہ شخص بھی دیر لگانے کا گنہگار ہو، مگر اس کا یہ حج بھی ہوجائے، اللہ تعالٰی کریم ہے (مرقات) ۷؎ احرام و تحریم کے لغوی معنی ہیں، حرمت میں یا حرمت والی چیز میں داخل ہوجانا، نماز کی پہلی تکبیر کو تحریمہ اور حج یا عمرہ کی نیت و تلبیہ کو احرام اس لیے کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کہتے ہی مسلمان پر کھانا پینا، بولنا وغیرہ حرام ہوگیا، اور وہ حرمت والی چیز یعنے نماز میں داخل ہوگیا اور حج وغیرہ کا احرام باندھتے ہی اس پر

لِاِحْرَامِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّحْرِمَ وَلِحِلِّهٖ قَبْلَ اَنْ يَّطُوْفَ بِالْبَيْتِ بِطِيْبٍ فِيْهِ مِسْكٌ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى وَبِيْصِ الطِّيْبِ فِيْ مَفَارِقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ مُلَبِّدًا يَقُوْلُ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَايَزِيْدُ

آپ کے احرام کے لیئے احرام باندھنے سے پہلے لہ اور آپ کے کھلنے کے لیئے طواف بیت اللہ سے پہلے ایسی خوشبو جس میں مشک ہوتا تھا گویا میں اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں خوشبو کی چمک بحالت احرام دیکھ رہی ہوں۳ (مسلم بخاری) اور روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بال جماتے تلبیہ کہتے سنا۴ کہ فرماتے تھے حاضر ہوں یا اللہ حاضر ہوں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں حاضر ہوں یقیناً حمد و نعمت تیری ہے اور ملک تیرا ہے تیرا کوئی شریک نہیں ان کلمات پر زیادتی

شکار، سلا کپڑا، سرڈھکنا وغیرہ حرام ہوگیا اور وہ زمین حرم میں داخل ہونے کے لائق ہوگیا: احرام ہمارے امام صاحب کے ہاں شرط حج وعمرہ ہے، بعض اماموں کے ہاں رکن، تلبیہ کے معنی ہیں لبیک کہنا، جیسے تکبیر کے معنی ہیں اللہ اکبر کہنا۔ ۱؎ یعنی جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حج یا عمرہ کے احرام کا ارادہ فرماتے، تو میں خوشبو تیار رکھتی، آپ غسل فرما کر بغیر سلے کپڑے پہن کر خوشبو ملتے، پھر نفل پڑھ کر تلبیہ کہتے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ حجۃ الوداع میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں اور اس سے پہلے عمروں میں بھی، تب ہی ماضی استمراری فرمارہی ہیں۔ ۲؎ بقرعید کے دن حاجی جمرہ عقبہ کی رمی کرکے کچھ حلال ہوجاتا ہے، پھر طواف زیارت کرکے پورا حلال ہوجاتا ہے کہ اسے اپنی عورت سے صحبت بھی جائز ہوجاتی ہے۔ فرماتی ہیں کہ میں ناقص حل پر ہی خوشبو حضور کو لگادیتی تھی، اس کے بعد آپ زیارت کرتے تھے۔ ۳؎ یعنی احرام باندھتے وقت جو جو خوشبو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم استعمال فرماتے تھے وہ بعینہٖ آپ کی مانگ شریف میں بعد احرام بھی باقی رہتی تھی گویا میں تصور میں اب بھی اسے دیکھ رہی ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ بحالت احرام خوشبو لگانا حرام ہے، مگر احرام سے پہلے کی خوشبو کا بقا جائز ہے خواہ خوشبو کا جرم باقی رہے یا اثر یہ ہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے، اور یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے، امام مالک و شافعی کے ہاں پہلی خوشبو کا بقا بھی حرام ہے بلکہ اس میں بھی فدیہ واجب ہے، یہ حدیث ان کے صراحۃً خلاف ہے، حضرت عبداللہ ابن عمر نے جو اس کے خلاف فرمایا تھا انہیں حضرت عائشہ کی یہ حدیث نہ پہنچی تھی، یہ حدیث سنکر انہوں نے اپنا فتویٰ واپس لے لیا تھا (مرقات) لہذا امام شافعی رضی اللہ عنہ کا اس حدیث سے استدلال درست نہیں، مذہب حنفی بہت قوی ہے۔ ۴؎ امام مالک کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری مسلم شریف میں ہے کہ ایک شخص خوشبو میں تھڑا ہوا احرام باندھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور انور نے اس سے فرمایا کہ خوشبو دھو ڈال، اپنا جبہ اتار دے پھر عمرہ کے ارکان ادا کر، وہ فرماتے ہیں کہ احرام میں خوشبو لگی رہنا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے، ورنہ اس شخص کو خوشبو دھونے کا حکم کیوں دیتے، مگر یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ اس شخص نے بعد احرام خوشبو لگائی تھی (ابن ہمام و مرقات) ۵؎ یہل اہلال سے بنا بمعنی چیخنا، شور مچانا لغوی معنی ہیں۔ چاند دکھانا مگر چونکہ چاند دکھاتے وقت شور مچاتے ہیں کہ وہ ہے چاند، اس لیے اب اس کے معنی ہیں پرچلانا۔ ملبد تلبید سے بنا بمعنی بال چپکانا کسی گوند وغیرہ سے تاکہ بال نہ اڑیں اور ان میں گرد و غبار نہ بھرے، امام شافعی کے ہاں بحالت احرام تلبید جائز ہے، امام اعظم کے ہاں ممنوع، کہ یہ سر ڈھکنے کے حکم میں ہے۔ یہ حدیث

هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَدْخَلَ رِجْلَهُ فِي الْغَرْزِ وَاسْتَوَتْ بِهِ نَاقَتُهُ قَائِمَةً أَهَلَّ مِنْ عِنْدِ مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصْرُخُ بِالْحَجِّ صُرَاخًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنْتُ رَدِيْفَ أَبِي طَلْحَةَ وَإِنَّهُمْ لَيَصْرُخُوْنَ

نہ فرماتے تھے (مسلم بخاری) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنا پاؤں شریف رکاب میں داخل فرمایا اور آپ کو لے کر آپ کی اونٹنی سیدھی کھڑی ہوئی تو آپ نے ذوالحلیفہ کی مسجد کے پاس آواز تلبیہ کہا (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے کہ حج کا خوب شور مچاتے تھے (مسلم) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں میں حضرت ابوطلحہ کا ردیف تھا اور صحابہ حج و عمرہ

امام شافعی کی دلیل ہے۔ امام اعظم کے ہاں یہاں تلبیہ لغوی معنی میں ہے۔ یعنی بالکل مطلقاً جمع کر لینا، انہیں پریشان نہ رکھنا۔ ؎ لبیک کا ترجمہ ہے حاضر جناب: یہ لفظ کسی پکارنے والے کے جواب میں بولا جاتا ہے۔ پکارنے والے حضرت ابراہیم خلیل اللہ تھے کہ انہوں نے تعمیر کعبہ کے بعد چار آواز رب تعالٰی کے حکم سے دی تھیں۔ عباد اللہ تعالوا الی بیت اللہ اے اللہ کے بندو اللہ کے گھر کی طرف آؤ: حاجی احرام باندھ کر اس پکار کا جواب دیتا ہوا جاتا ہے کہ حاضر جناب حاضر جناب: بعض نے فرمایا کہ پکارنے والے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ خود رب تعالٰی ہے۔ مگر پہلی بات قوی ہے (مرقات)۔

؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات تلبیہ میں ان الفاظ پر زیادتی نہ فرماتے تھے، کبھی زیادتی بھی فرماتے تھے: امام طحاوی کے ہاں زیادتی کرنا مکروہ ہے، اسی بنا پر مگر دوسرے اماموں کے ہاں زیادتی جائز بلکہ مستحب ہے، اچنانچہ صحابہ و تابعین تلبیہ یوں کہتے تھے۔ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ وَالرَّغْبَاءُ إِلَيْكَ وَالْعَمَلُ لَكَ لَبَّيْكَ اور بہت زیادتیاں فرماتے تھے جیسا کہ کتب احادیث میں موجود ہے۔ ہاں منقول الفاظ سے کمی کرنا مکروہ ہے: مرد کو تلبیہ بلند آواز سے کہنا چاہیے اور عورت کو آہستہ آواز سے۔ ؎ یعنی حضور علیہ السلام نے ذوالحلیفہ میں پہلا احرام کے نفل ادا کیے پھر مکہ کی طرف روانگی کے لیے اونٹنی قصواء پر سوار ہوئے، جب اونٹنی آپ کو لے کر کھڑی ہوگئی۔ ؎ یہ دوسری بار تلبیہ کہا پہلی بار نفل پڑھتے ہی کہا تھا کیونکہ احرام کے نفل پڑھتے ہی تلبیہ کہنا چاہیے، پھر بار بار کہتا رہے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں، نہ یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہے جن میں فرمایا گیا کہ آپ نے بعد نفل بیٹھے ہوئے تلبیہ کہا۔ ؎ بیہقی و ترمذی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے نفل پڑھتے ہی تلبیہ کہا اسے بیہقی نے تو ضعیف کہا، مگر ترمذی نے حسن فرمایا۔ ابوداؤد نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے ان دونوں حدیثوں کی تطبیق یوں روایت کی، بعض لوگوں نے حضور کا نفل کے بعد والا تلبیہ سنا انہوں نے وہ روایت کر دیا اور دوسروں نے ناقہ پر سوار ہوتے وقت کا تلبیہ سنا انہوں نے وہ روایت کر دیا، دونوں وقت تلبیہ کہنا سنت ہے (از مرقات) امام شافعی کے ہاں پہلا تلبیہ اونٹ پر سوار ہو کر کہے، امام اعظم کے ہاں نفل سے فارغ ہوتے ہی کہے، امام مالک و احمد امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہیں، یہی عمل بہتر ہے (لمعات) ؎ کیونکہ صحابہ نے اولاً صرف حج کا احرام باندھا تھا، پھر انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اس احرام میں عمرہ بھی داخل کر لیں اور بجائے افراد کے قران کریں، یہ اول حالت کا ذکر ہے، لہذا یہ حدیث آئندہ احادیث کے

بِهِمَا جَمِيْعًا الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ • وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ وَعُمْرَةٍ وَمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِالْحَجِّ وَاَهَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ فَاَمَّا مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فَحَلَّ وَاَمَّا مَنْ اَهَلَّ بِالْحَجِّ اَوْ جَمَعَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَلَمْ يَحِلُّوْا حَتّٰى كَانَ يَوْمَ النَّحْرِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ تَمَتَّعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ بَدَاَ فَاَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ ثُمَّ

دونوں کا شور مچاتے تھے [1] (بخاری) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع کے سال نکلے تو ہم میں بعض وہ تھے جنہوں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا [2] اور ہم میں بعض وہ تھے جنہوں نے حج و عمرہ کا احرام باندھا اور بعض وہ تھے جنہوں نے صرف حج کا احرام باندھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا تھا [3] تو جس نے عمرہ کا احرام باندھا تھا وہ تو کھل گئے [4] لیکن جس نے حج کا احرام باندھا تھا یا حج و عمرہ جمع کیا تھا وہ دسویں تاریخ تک نہ کھلے [5] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عمرہ کا حج کے ساتھ تمتع کیا [6] ابتداءً عمرہ کا احرام باندھا پھر

خلاف نہیں [7] الخ ان حضرات نے تلبیہ میں صرف حج کا ذکر کیا، پھر حج و عمرہ دونوں کا۔ [1] حضرت طلحہ جناب انس کے سوتیلے والد ہیں، ایک گھوڑے یا اونٹ پر دو شخص سوار ہوں تو پیچھے والے کو ردیف کہا جاتا ہے یعنی میں اپنے والد کے پیچھے ایک ہی اونٹ پر سوار تھا۔

[1] یعنی خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے صحابہ تلبیہ میں حج و عمرہ دونوں میں تلبیہ کا نام پکارتے تھے۔ لبیک اللھم لبیک بالحج والعمرۃ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عام صحابہ کرام نے حجۃ الوداع میں قران کیا، اور قران افراد و تمتع دونوں سے افضل ہے۔ دوسرے یہ کہ قارن تلبیہ میں بار بار حج و عمرہ کا نام لے، یہ ہی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ امام شافعی کے ہاں افراد قران سے افضل ہے اور صرف پہلے تلبیہ میں حج و عمرہ کا ذکر کرے پھر نہیں، یہ حدیث ان کے مخالف ہے امام اعظم کی مؤید ہے۔ [2] مرقات نے اَہَلَّ کے معنی کئے لبّٰی یعنی بعض لوگ تلبیہ میں صرف حج کا نام لے رہے تھے۔ اور بعض صرف عمرہ کا اور بعض حج و عمرہ دونوں کا، مگر احرام عموماً سب کا حج و عمرہ دونوں کا تھا یعنی قران کا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اَہَلَّ کے معنی احرام باندھنا ہوں، یعنی بعض صحابہ نے صرف عمرہ کا احرام باندھا، کیونکہ وہ حج اس سے پہلے سال کر چکے تھے یا انہوں نے تمتع کیا ہو۔ [3] خیال رہے کہ بعض راویوں نے حضور سے صرف عمرہ کی روایت کی ہے بعض نے صرف حج کا، بعض نے حج و عمرہ دونوں کی، حضرت ام المومنین نے یہاں صرف حج کی روایت کی، وجہ یہ ہے کہ حضور انور نے قران کیا تھا، لہٰذا آپ تلبیہ میں کبھی صرف حج کا نام لیتے تھے کبھی صرف عمرہ کا اور کبھی حج و عمرہ دونوں کا جیسا کہ قارن کو اختیار ہے، ہر راوی نے جو سنا اسی کی روایت کی، لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں لہٰذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور نے افراد کیا تھا جیسا کہ شوافع نے سمجھا اور نہ یہ امام اعظم کے خلاف ہے۔ [4] طواف و سعی کرکے عمرہ سے کھل گئے، پھر بعد کو حج کا احرام باندھا اس درمیان میں حلال رہے۔ [5] یعنی جن حضرات نے اول ہی سے حج و عمرہ کا احرام باندھا تھا وہ اور جنہوں نے صرف حج کا احرام باندھا تھا بعد میں عمرہ بھی شامل فی الاحرام کر لیا تھا وہ یہ دونوں حضرات دسویں ذی الحجہ کو احرام سے فارغ ہوئے جمرہ عقبہ کی رمی کرکے سوائے عورتوں کے تمام چیزیں انہیں حلال ہو گئیں اور طواف زیارت کرکے بیوی سے صحبت بھی حلال ہو گئی۔ [6] یہاں تمتع لغوی معنی میں ہے یعنی ایک سفر میں حج

أَهَلَّ بِالْحَجِّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اَلْفَصْلُ الثَّانِي

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجَرَّدَ لِإِهْلَالِهِ وَاغْتَسَلَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ، وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبَّدَ رَأْسَهُ بِالْغُسْلِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَعَنْ خَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَانِي جِبْرِيلُ فَأَمَرَنِي أَنْ آمُرَ أَصْحَابِي أَنْ يَرْفَعُوا أَصْوَاتَهُمْ بِالْإِهْلَالِ أَوِ التَّلْبِيَةِ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

حج کا احرام باندھ لیا[۱] (مسلم، بخاری) دوسری فصل روایت ہے حضرت زید ابن ثابت سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے احرام کیلئے کپڑے اتارے اور غسل کیا[۲] (دارمی، ترمذی) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کیلئے اپنے سر کے بال شریف خطمی سے چپکائے[۳] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت خلاد ابن سائب سے وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس جبریل آئے مجھے حکم پہنچایا کہ میں اپنے صحابہ کو حکم دوں[۴] کہ احرام یا تلبیہ اونچی آواز سے کریں[۵] (مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

عمرہ سے فائدہ اٹھانا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا پھر عمرہ کرنے سے پہلے حج کا احرام بھی باندھ لیا اور قران فرمالیا، لہذا یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے خلاف نہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں تلبیہ فرماتے سنا لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا امام ابن حزم نے ایک مستقل کتاب اس بارے میں لکھی ہے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے قران فرمایا، خیال رہے کہ امام اعظم کے ہاں قران افضل ہے، امام شافعی کے ہاں افراد بہتر، امام احمد کے ہاں تمتع افضل: یہ اختلاف اس بنا پر ہے کہ حضور نے کونسا حج کیا۔ جن امام کے ہاں جس حج کا ثبوت ہوا انہوں نے اسی کو افضل کہا، ہمارے ہاں حضور کے قران کا ثبوت ہے لہذا وہ ہی افضل ہے، مذہب حنفی قوی ہے (از مرقات و لمعات) عمرہ کرنے سے پہلے ہی، لہذا قران کیا۔ [۲] یعنی آپ نے سلے کپڑے اتار دیئے اور غسل کرکے بغیر سلے کپڑے پہنے پھر نفل پڑھ کر تلبیہ کہا معلوم ہوا کہ احرام کے وقت غسل سنت ہے اگرچہ وضو بھی جائز ہے۔ [۳] یہاں غسل غین کے کسرہ سے ہے بمعنی خطمی بوٹی جس سے غسل کیا جائے چونکہ خطمی سے نہاتے ہیں اس لئے غسل کہہ دیتے ہیں۔ احناف کے نزدیک یہ غسل اور بال شریف چپکانا احرام کے وقت نہ تھا بلکہ احرام سے پہلے تھا کیونکہ بحالت احرام بال چپکانا منع ہے بعض لوگوں نے اسے عسل پڑھا یعنی شہد مگر یہ غلط ہے۔ [۴] یہ ترجمہ نہایت موزوں ہے کہ جبریل نے مجھے حکم پہنچایا خود حکم دیا نہیں، بلکہ حکم الٰہی بطور قاصد پہنچایا، کیونکہ حضرت جبریل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص اور پیغام رساں ہیں، خدام حکم دے نہیں سکتے، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے نبی مطاع ہیں، حضور انہیں حکم دیں گے۔ اسی لئے جبریل امین خود صحابہ سے نہیں کہتے تھے کہ میں جبریل تمہیں یہ حکم دیتا ہوں، بلکہ حضور سے کہلواتے تھے۔ [۵] شک راوی کو ہے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے اہلال فرمایا یا تلبیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شک نہیں ہے: اصحاب سے مراد ساری امت کے مرد ہیں، عورتوں کو اونچی آواز سے تلبیہ کہنا منع ہے۔ وہ اتنی پست آواز سے کہیں کہ خود اپنی آواز سن سکیں، مرد بھی اتنی اونچی آواز نہ کریں کہ مشقت میں پڑجائیں، بلکہ درمیانی اونچی آواز سے کہیں (مرقات) یہ بلند آواز سنت ہے جس کا ثواب زیادہ ہے۔ اگر پست آواز سے کہیں تو گنہگار نہیں۔ ہاں ثواب کم ہوجائے گا۔

وابن ماجة والدارمي، وعن سهل بن سعد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من مسلم يلبي الا لبى من عن يمينه وشماله من حجر او شجر او مدر حتى تنقطع الارض من ههنا وههنا رواه الترمذي وابن ماجة، وعن ابن عمر قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يركع بذي الحليفة ركعتين ثم اذا استوت به الناقة قائمة عند مسجد ذي الحليفة اهل بهؤلاء الكلمات ويقول لبيك اللهم لبيك لبيك وسعديك و الخير في يديك لبيك والرغباء اليك والعمل متفق عليه ولفظه لمسلم، وعن

ابن ماجہ، دارمی) روایت ہے سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی مسلمان نہیں جو تلبیہ کہے
مگر انتہاء زمین تک ادھر ادھر یعنی دائیں بائیں کے تمام پتھر درخت ڈھیلے تلبیہ کہتے ہیں ؎ (ترمذی، ابن ماجہ) روایت ہے
حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ میں دو رکعت نفل پڑھتے تھے ؎ پھر جب مسجد ذوالحلیفہ کے
پاس آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہو جاتی تو ان کلمات سے تلبیہ کہتے کہ فرماتے ؎ حاضر ہوں میں یا اللہ حاضر ہوں حاضر
ہوں خدمت میں حاضر ہوں اور ساری بھلائی تیرے قبضہ میں ہے ؎ حاضر ہوں رغبت و اعمال تیرے لیئے ہیں ؎ (مسلم بخاری) اور
لفظ مسلم کے ہیں ؎ روایت ہے حضرت

؎ اس طرح کہ حاجی کے قریب کے درخت و پتھر اور کنکر تلبیہ کہتے ہیں۔ ان سے سنکر ان کے قریب کے کنکر پتھر وغیرہ ان سے سنکر ان کے قریب کے یہاں تک کہ ساری دنیا کے کنکر پتھر ڈھیلے تلبیہ کا شور مچاتے ہیں۔ یہ تلبیہ بزبان قال کہتے ہیں صرف زبان حال سے نہیں، اللہ نے پتھر لکڑیوں میں احساس بھی دیا ہے، گویائی بھی بخشی ہے جس سے وہ رب تعالٰی کی تسبیح کرتے ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے۔ وان من شيء الا يسبح بحمده بلکہ بزرگان دین نے ان کی تسبیح وغیرہ سنی بھی ہیں (مرقات) مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

نطق آب و نطق خاک و نطق گل — ہست محسوس حواس اہل دل

فلسفی کو منکر حنانہ است — از حواس اولیاء بیگانہ است

ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کا تلبیہ سنتے تھے۔ ؎ احرام کے لئے دو نفل جس کے اوّل رکعت میں سورۃ کفرون دوسری میں قل ھو اللہ غالبًا غسل و تبدیلی لباس گھر پر ہی کر لیتے تھے، ظاہر یہ ہی ہے۔ ؎ پہلی بار تو نفل پڑھتے ہی کہتے تھے پھر اونٹنی پر سوار ہو کر جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ غالبًا حضرت ابن عمر نے یہی تلبیہ سنا اس لیے اسطرح روایت کی، لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے، کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نفل کے بعد ہی تلبیہ کہتے تھے ؎ اگرچہ تمام خیر و شر اللہ تعالٰی ہی کے قبضہ میں ہے اس کے ارادہ سے ہے مگر ادب یہ ہے کہ بندہ خیر کو رب کی طرف اور شر کو اپنی طرف نسبت کرے۔ ؎ یعنی ہر حال میں تیری طرف راغب اور تجھ سے راضی ہوں اور میری نیکیاں تیرے قبضہ میں ہیں قبول فرمائے یا نہ فرمائے تو مالک ہے۔ ؎ نسائی شریف میں ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر یعنی قصر پڑھی پھر ناقہ پر سوار ہوئے اور تلبیہ کہا: اس بناء پر بعض علماء نے فرمایا کہ فرض نماز کے بعد احرام باندھے، مگر جمہور علماء کا فرمان ہے کہ احرام کے لیے مستقل نفل پڑھے

عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا فَرَغَ مِنْ تَلْبِيَتِهٖ سَاَلَ اللّٰهَ رِضْوَانَهٗ وَالْجَنَّةَ وَاسْتَعْفَاهُ بِرَحْمَتِهٖ مِنَ النَّارِ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ ٭ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ ٭ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَرَادَ الْحَجَّ اَذَّنَ فِي النَّاسِ فَاجْتَمَعُوْا فَلَمَّا اَتَى الْبَيْدَاءَ اَحْرَمَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ٭ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يَقُوْلُوْنَ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ فَيَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلَكُمْ قَدْ قَدْ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا وَهُمْ يَطُوْفُوْنَ بِالْبَيْتِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ٭ بَابُ قِصَّةِ حَجَّةِ الْوَدَاعِ

عمارہ ابن خزیمہ ابن ثابت سے وہ اپنے والد سے [1] وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ جب تلبیہ سے فارغ ہوتے تو اللہ سے اس کی رضا اور جنت مانگتے اور اس کی رحمت کے وسیلے سے آگ سے پناہ مانگتے تھے [2] (شافعی) فصل تیسری ۔ روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج کا ارادہ فرمایا تو لوگوں میں اعلان فرمادیا [3] پھر لوگ جمع ہوگئے پھر جب میدان میں پہنچے تو احرام باندھا [4] (بخاری) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ مشرکین کہتے تھے حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے تمہیں خرابی ہو بس کرو بس کرو [5] وہ کہتے مگر تیرا ایک شریک ہے کہ اس کا اور اس کی ملک کا مالک ہے [6] یہ کہتے جاتے تھے اور بیت اللہ کا طواف کرتے تھے (مسلم) باب وداعی حج کا قصہ

یہی بہتر ہے ۔ بعض علماء نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رکعتیں نماز فجر تھی مگر حق یہی ہے کہ نفل نماز تھی (مرقات) ۔ [1] عمارہ تابعی ہیں ان کے والد خزیمہ ابن ثابت مشہور صحابی ہیں ، انہی کی گواہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہیوں کے برابر قرار دی تھی ، آپ جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے اسی جنگ میں شہید ہوئے (مرقات) [2] یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تلبیہ کے الفاظ ادا فرماکر پھر یہ دعائیں آہستہ مانگتے تھے ، اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ حاجی تلبیہ کہہ کر آہستہ آواز سے درود شریف پڑھے ، پھر یہ دعائیں مانگے اور ہر بار تین دفعہ تلبیہ کہے مسلسل کہے جن میں دنیاوی بات کا فیصلہ نہ ہو ، تلبیہ کہنے والے کو کوئی سلام بھی نہ کرے [3] سارے عرب میں اپنے حج کا اعلان فرمایا کہ ہم فلاں تاریخ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہورہے ہیں ، اس سے معلوم ہوا کہ حج وہ عبادت ہے جس کا اعلان کرنا افضل ہے تاکہ دوسروں کو بھی حج کا شوق ہو اور لوگ آکر اس سے دعا وغیرہ کرالیں ، حرمین شریفین کو تحفے صدقے ، نذرانے اس کی معرفت بھیجیں ، آجکل جو رواج ہے کہ حاجی کو جلوس کی شکل میں اسٹیشن پہنچانے جاتے ہیں ، گلے میں ہار پھول ڈالتے ہیں ، ان تمام کاموں کا ماخذ یہ حدیث ہے کہ یہ سب اعلان کی صورتیں ہیں ۔ [4] یوں تو بیداء ہر میدان کو کہتے ہیں مگر یہاں ذوالحلیفہ کا خاص میدان ہے ، احرام کے معنی ہیں حضور علیہ السلام نے یہاں اپنے احرام کا اظہار فرمایا ، ورنہ اصل احرام تو مسجد ذوالحلیفہ میں بندھ چکا تھا جیسا کہ پچھلی روایتوں میں گزر چکا ۔ [5] یعنی جب مشرکین لاشریک لک پر پہنچتے تو سرکار فرماتے بس اسی پر رہو آگے شرکیہ لفظ نہ بولو یعنی الاشریکا الخ نہ کہو ، مگر وہ کب باز آتے تھے ۔ [6] ایک شریک سے مراد ایک قسم کا شریک ہے ۔ اس سے وہ اپنے سارے بت مراد لیتے تھے ان بتوں کو وہ خدا کا بندہ بھی مانتے تھے اور اس کا مملوک بھی ، پھر خدا کی برابر دخیل بھی ۔ رب تعالٰی فرماتا ہے اذ نسویکم برب العلمین گویا بت ان کے عقیدے میں پارلیمنٹ کے ممبر تھے کہ رب تعالٰی ان کی مدد کے بغیر اکیلا دنیا کا انتظام فرما سکتا ہی نہ تھا ، اور بعض مشرکین فرشتوں کو رب کی بیٹیاں مانتے تھے ، لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَثَ بِالْمَدِيْنَةِ تِسْعَ سِنِيْنَ لَمْ يَحُجَّ ثُمَّ اُذِّنَ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ فِى الْعَاشِرَةِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجٌّ فَقَدِمَ الْمَدِيْنَةَ بَشَرٌ كَثِيْرٌ فَخَرَجْنَا مَعَهٗ حَتّٰى اِذَا اَتَيْنَا ذَا الْحُلَيْفَةِ فَوَلَدَتْ اَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ مُحَمَّدَ بْنَ اَبِىْ بَكْرٍ فَاَرْسَلَتْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ

پہلی فصل۔ روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نو برس مدینہ پاک میں مقیم رہے کہ حج نہ کیا[1] پھر دسویں سال لوگوں میں حج کا اعلان کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف لے جانے والے ہیں چنانچہ بہت ہی لوگ مدینہ پاک میں آگئے[2] تو ہم آپ کے ہمراہ نکلے[3] حتی کہ جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو حضرت اسماء بنت عمیس کے ہاں محمد ابن ابوبکر صدیق پیدا ہوئے[4] ان بی بی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہلا

وہ بتوں کو رب کا بندہ اور مملوک مانتے تھے تو مشرک کیوں تھے۔ کوئی مسلمان کسی نبی ولی کو الٰہی پارلیمنٹ کا ممبر مانتا ہے نہ رب کی اولاد بلکہ کہتا ہے عبدہ ورسولہ۔ اسکی تحقیق ہماری کتاب علم القرآن میں ملاحظہ فرمائیے۔ [1] وداع واؤ کے فتح یا کسرہ سے بمعنی رخصت ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اسلام صرف ایک ہی کیا ہے جو سنہ ۱۰ھ میں ہوا، چونکہ حضور نے اس حج میں لوگوں کو وداعیہ کلمات فرمائے اور اپنی وفات شریف کی خبر دی اسلیے اسے حجۃ الوداع کہتے ہیں حجۃ الوداع کا تفصیلی واقعہ حضرت جابر ہی سے مروی ہے، امام محمد باقر نے بھی حضرت جابر سے احادیث اور حجۃ الوداع کا واقعہ روایت کیا، حضور انور نے فرمایا تھا کہ اے جابر میرے اہلبیت میں سے ایک شخص تم سے علم لے گا (اشعہ)۔

[1] حج ۵ھ یا ۶ھ یا ۹ھ میں فرض ہوا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض ہوتے ہی نہ کیا کہ آپ کو اپنی زندگی شریف کی خبر تھی کہ ابھی وفات نہیں ہے، ہم پر فورًا اس لیے فرض ہوتا ہے کہ ہمیں زندگی کی خبر نہیں، سنہ ۱۰ھ میں حج کیا، اسی کا نام حجۃ الوداع ہے، لہذا حضور انور نے بعد فرضیت حج صرف ایک حج کیا، حضور نے عمرے کل چار کیے ہیں۔ [2] مرقات نے فرمایا کہ کل ایک لاکھ تیس ہزار حجاج جمع ہوگئے، اشعہ میں ہے کہ وہ حضرات ایک لاکھ تھے یا ایک لاکھ چودہ ہزار یا ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوسکتا ہے کہ اولًا تھوڑے ہوں، آگے جاتے ہوئے ملتے ہوں گے۔ خیال رہے کہ کل صحابہ ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں سے اصحاب بدر تین سو تیرہ، پھر ان میں خلفائے راشدین چار، ان میں سے حضرت ابوبکر صدیق افضل الخلق بعد الانبیاء ہیں۔ جیسے نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں، رسول تین سو تیرہ، مرسلین چار، ان میں سے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق ہیں۔ دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ؛ [3] یہ حضرات اپنے گھروں سے سیدھے مکہ معظمہ نہ پہنچ گئے، بلکہ پہلے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تھے تاکہ کعبہ ایمان کے ساتھ کعبۂ اجسام کی طرف سفر کریں، اب بعض عشاق پہلے مدینہ منورہ حاضر ہوتے ہیں پھر مکہ معظمہ اسی سنت پر عمل کرنے کے لیے، بعض اس کے برعکس کرتے ہیں وللناس فیما یعشقون مذاہب۔ [3] یہ روانگی ۲۵ ذیقعدہ سنہ ۱۰ھ بعد ظہر ہوئی جیسا کہ ترمذی، ابن ماجہ نے حضرت انس سے، اور طبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی، جس کجاوے پر حضور انور سوار تھے اس کی قیمت چار درہم یعنی ایک روپیہ دو آنے تھی۔ (مرقات) [4] اسماء بنت عمیس پہلے حضرت جعفر ابن ابی طالب کی زوجہ تھیں۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے نکاح میں آئیں۔ آپ کے بعد حضرت علی مرتضیٰ نے نکاح کیا، محمد ابن ابی بکر ان سے پیدا ہوئے، پھر حضرت علی سے یحیی ابن علی انہیں کے بطن سے پیدا ہوئے (مرقات) محمد ابن ابوبکر صدیق

أَصْنَعُ قَالَ اغْتَسِلِي وَاسْتَثْفِرِي بِثَوْبٍ وَأَحْرِمِي فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتّٰى إِذَا اسْتَوَتْ بِهِ نَاقَتُهُ عَلَى الْبَيْدَاءِ أَهَلَّ بِالتَّوْحِيدِ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ قَالَ جَابِرٌ لَسْنَا نَنْوِي إِلَّا الْحَجَّ لَسْنَا نَعْرِفُ الْعُمْرَةَ حَتّٰى إِذَا أَتَيْنَا الْبَيْتَ مَعَهُ اسْتَلَمَ الرُّكْنَ فَطَافَ

بھیجا کہ اب میں کیا کروں؟ فرمایا نہالو اور کوئی کپڑا باندھ لو اور احرام باندھ لو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز ادا کی پھر قصواء اونٹنی پر سوار ہوئے حتی کہ جب اونٹنی آپ کو لیکر میدان میں سیدھی کھڑی ہوئی تو حضور نے کلمہ توحید بلند آواز سے پکارا کہ حاضر ہوں الٰہی میں حاضر ہوں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں بے شک تعریف نعمت ملک تیرے ہی ہیں تیرا کوئی شریک نہیں حضرت جابر کہتے ہیں کہ ہم صرف حج ہی کی نیت کرتے تھے عمرہ کو جانتے بھی نہ تھے حتی کہ ہم جب کعبہ شریف میں حضور انور کے ساتھ پہنچے تو حضور نے رکن کو

صغیر بن صحابی ہیں، ۳۸ھ میں اصحاب امیر معاویہ کے ہاتھوں شہید ہوئے (مرقات)۔

۱؎ یعنی میں اس حالت میں احرام یا حج کیسے ادا کروں، خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں عصر، مغرب، عشاء اور اگلی فجر و ظہر پڑھیں۔ حضور کی تمام ازواج پاک آپ کے ساتھ تھیں (مرقات)، حضرت اسماء کا جوش ایمانی اور شوق حج قابل داد ہے کہ اس حالت میں بھی حضور کے ساتھ روانہ ہو گئیں۔ ۲؎ یعنی نفاس نہ تو احرام سے مانع ہے نہ ادائے حج و عمرہ سے صرف طواف ممنوع ہے کہ وہ مسجد میں ہوتا ہے اور نفساء کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں اور احرام کے وقت یہ عورت نفل نہ پڑھے، کہ نفاس میں نماز پڑھنا حرام ہے۔ ۳؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور نے احرام کے نفل علاوہ فرض ظہر کے ادا کئے پھر قصواء پر سوار ہوئے قصواء قصی بمعنی دوری سے بنا، یا قصو یعنی کان کٹنے سے بنا، چونکہ یہ اونٹنی بہت تیز رفتار اور دور تک جانے والی تھی یا چونکہ اس کے ایک کان کا کچھ حصہ کٹا ہوا تھا اس لئے اسے قصواء کہتے تھے، یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی خاص اونٹنی تھی۔ ۴؎ یہاں اہل کے معنی ہیں بلند آواز سے پکارا، توحید سے مراد ہے رب تعالٰی کی وحدانیت یعنی رب کی توحید پکاری، چونکہ تلبیہ میں لاشریک لك بھی ہوتا ہے اس لئے بالتوحید فرمایا، بعض شوافع نے توحید کے معنی افراد حج کئے یعنی صرف حج کا تلبیہ فرمایا، اور اس سے ثابت کیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے افراد کیا مگر یہ معنی بہت ہی بعید ہیں قوی وہ ہی ہے جو عرض کیا گیا لہذا یہ جملہ شوافع کی تائید نہیں اور احناف کے خلاف نہیں۔ ۵؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ حاجی کا لبیک کہنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار اور بلاوے کا جواب ہے، چنانچہ حاکم نے حضرت ابن عباس سے روایت فرمایا کہ جب خلیل بناء کعبہ سے فارغ ہوئے تو رب نے فرمایا لوگوں کو حج کے لیے بلاؤ عرض کیا مولا میری آواز سب تک کیسے پہنچے گی، فرمایا پکارنا بلانا تمہارا کام ہے تمہاری آواز سب تک پہنچانا ہمارا کام چنانچہ آپ نے پکارا، زمین و آسمان میں آپ کی آواز پہنچی، اور یہ لبیک اسی پکار کا جواب ہے (مرقات) معلوم ہوا کہ بحکم پروردگار نبی کی آواز زمین و آسمان میں پہنچ سکتی ہے آج بذریعہ ریڈیو (RADIO) تار (TELEGRAPH) کی طاقت سے لاکھوں میل دور آواز پہنچائی جاتی ہے تو نور کی طاقت نار سے کہیں زیادہ ہے۔ ۶؎ کفار عرب اسلام سے پہلے حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا سخت گناہ اور بدترین جرم سمجھتے تھے ماہ صفر کو عمرہ جائز مانتے تھے، چنانچہ حضرات صحابہ کا اس موقعہ پر عمرہ کی طرف دھیان بھی نہ گیا، بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی کہ حضور انور نے احرام کے وقت ہی لوگوں کو احرام کے اقسام بتا کر فرما دیا تھا کہ جو حج کا احرام باندھنا چاہے وہ یہ احرام باندھے، جو عمرہ کرنا چاہے وہ عمرہ کا احرام باندھے

سَبْعًا فَرَمَلَ ثَلٰثًا وَّمَشٰى اَرْبَعًا ثُمَّ تَقَدَّمَ اِلٰى مَقَامِ اِبْرَاهِيْمَ فَقَرَاَ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ
اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَجَعَلَ الْمَقَامَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْبَيْتِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَرَاَ فِي
الرَّكْعَتَيْنِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ثُمَّ رَجَعَ اِلَى الرُّكْنِ فَاسْتَلَمَهٗ ثُمَّ خَرَجَ
مِنَ الْبَابِ اِلَى الصَّفَا فَلَمَّا دَنٰى مِنَ الصَّفَا قَرَاَ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ اَبْدَاُ بِمَا
بَدَاَ اللّٰهُ بِهٖ فَبَدَاَ بِالصَّفَا فَرَقٰى عَلَيْهِ حَتّٰى رَاَى الْبَيْتَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَوَحَّدَ اللّٰهَ وَ

بوسہ دیا پھر سات پھیرے طواف کیا جس میں تین چکروں میں رمل فرمایا اور چار میں معمولی چال چلے پھر مقام ابراہیم پر تشریف لائے تو یہ آیت تلاوت کی کہ مقام ابراہیم کو جائے نماز
بناؤ پھر دو رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ مقام کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کرلیا ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے ان دونوں رکعتوں میں قل ہو اللہ احد اور قل یا ایہا
الکافرون پڑھیں پھر رکن اسود کیطرف لوٹے اسے چوما پھر دروازے سے صفا پہاڑ کیطرف تشریف لے گئے جب صفا کے قریب ہوئے تو یہ آیت تلاوت کی کہ صفا و مروہ اللہ کی دینی نشانیوں
میں سے ہیں ہم اس سے ابتدا کریں گے جس سے رب نے ابتدا کی چنانچہ آپ نے صفا سے سعی شروع کی کہ اس پر چڑھے حتی کہ کعبہ معظمہ کو دیکھ لیا تو کعبہ کو منہ کیا اللہ کی توحید و

(مرقات) ۱؎ اس طرح کہ تین ذی الحجہ ہفتہ کے دن ذی طویٰ پہنچ گئے وہاں رات گذاری اور ۴ ذی الحجہ اتوار کے دن صبح کے وقت باب السلام کیطرف
سے مسجد حرام میں داخل ہوئے اور سب سے پہلے طواف قدوم کیا بیت اللہ شریف کی تحیۃ طواف ہے دوسری مسجدوں کی تحیۃ دو رکعت نفل۔
۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ اسلام سے سیدھے رکن اسود پر پہنچے، اس کو بوسہ دے کر طواف قدوم کیا، طواف میں اکڑ کر چلنے کو
رمل کہتے ہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چکروں میں رمل کیا یعنی پہلوان کی طرح اظہار قوت دکھاتے چلے، رمل کی وجہ اور جگہ بیان ہوگی ان شاء اللہ
اور چار چکر آہستہ معمولی رفتار پر۔ ۳؎ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر جناب خلیل اللہ نے کعبہ کی دیواریں اونچی فرمائیں ہر طواف کے بعد دو نفل
پڑھے جاتے ہیں وہ نفل اسی جگہ پڑھنا سنت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جس پتھر پر نبی کے قدم پڑ جائیں وہ پتھر بھی قابل احترام ہو جاتا ہے، یہ بھی
معلوم ہوا کہ عین نماز میں بزرگوں کے تبرکات کی تعظیم کرنا ثواب ہے، شرک نہیں، تو جو کہے نماز میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال کرنا شرک ہے وہ دراصل حضور
کی اہانت کرتا ہے، جب جناب خلیل اللہ کے نشانِ قدم والے پتھر کو آگے رکھ کر نماز پڑھنا درست ہوا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دھیان تو بہت
اعلیٰ ہے۔ ۴؎ واو ترتیب کے لیے نہیں صرف جمع کے لیے ہے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نفل طواف کی پہلی رکعت میں قل یا ایہا
الکافرون اور دوسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھی کہ یہ جگہ پہلے بت خانہ بنی ہوئی تھی، اب رب تعالٰی کے کرم سے پاک
وصاف ہوئی تو پہلی رکعت میں شرک سے بیزاری کا اظہار اور دوسری رکعت میں توحید الٰہی کا اعلان فرمایا، چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ قرات میں
بھی بعض لفظ اونچی آواز سے پڑھ دیتے تھے۔ اس لئے لوگوں کو پتہ چل جاتا تھا کہ فلاں رکعت میں فلاں سورت پڑھی۔ ۵؎ باب الصفا سے صفا پہاڑ
کی طرف گئے، اور یہ آیت پڑھ کر صفا پر کچھ چڑھے وہاں دعائیں مانگیں، خیال رہے کہ صفا مروہ وہ پہاڑ ہیں جن پر بی بی حاجرہ رضی اللہ عنہا تلاش
پانی میں سات بار چڑھیں، چونکہ ان پہاڑوں کو اس بی بی پاک کی قدم بوسی میسر ہوئی، اس لیے انہیں رب تعالٰی نے شعائر اللہ یعنی اللہ کے
دین کی نشانیاں قرار دیا، معلوم ہوا کہ بزرگوں کے مزارات، ان کے تبرکات شعائر اللہ بن جاتے ہیں۔ ان کی تعظیم ثواب ہے شرک نہیں

كَبَّرَهٗ وَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ ثُمَّ دَعَا بَيْنَ ذٰلِكَ قَالَ مِثْلَ هٰذَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ نَزَلَ وَمَشٰى اِلَى الْمَرْوَةِ حَتّٰى انْصَبَّتْ قَدَمَاهُ فِيْ بَطْنِ الْوَادِيْ ثُمَّ سَعٰى حَتّٰى اِذَا صَعِدَتَا مَشٰى حَتّٰى اَتَى الْمَرْوَةَ فَفَعَلَ عَلَى الْمَرْوَةِ كَمَا فَعَلَ عَلَى الصَّفَا حَتّٰى اِذَا كَانَ اٰخِرُ طَوَافٍ عَلَى الْمَرْوَةِ نَادٰى وَهُوَ عَلَى الْمَرْوَةِ وَالنَّاسُ تَحْتَهٗ فَقَالَ

تکبیر بیان کی [۱] اور فرمایا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے اسی کی تعریف ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے [۲] اللہ اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اپنے بندے کی مدد کی اس اکیلے نے احزاب کو بھگا دیا [۳] پھر ان ذکر وں کے درمیان دعا مانگی [۴] تین بار یہ فرمایا [۵] پھر اترے پھر مروہ کی طرف چلے حتی کہ بطن وادی میں آپ کے قدم شریف برابر سیدھے ہو گئے [۶] پھر دوڑے حتی کہ جب آپ کے قدم چڑھنے لگے تو معمولی چال چلے [۷] حتی کہ مروہ پہنچے پھر مروہ پر وہ ہی کیا جیسا صفا پر کیا تھا [۸] حتی کہ جب مروہ پر آخری چکر ہوا تو آپ نے آواز دی حالانکہ آپ مروہ پر تھے اور لوگ آپ کے نیچے تو فرمایا

سعی میں صفا سے شروع کرنا سنت ہے اور حج میں صفا مروہ کے درمیان سعی واجب ہے رکن نہیں، یہ ہی مذہب احناف ہے۔

[۱] اس زمانہ میں صفا اور کعبہ معظمہ کے درمیان کوئی آڑ نہ تھی، اس لیے صفا پر کچھ چڑھنے میں کعبہ معظمہ نظر آتا تھا، اب آڑ واقع ہو چکی ہے، اب کعبہ معظمہ نظر نہیں آتا، لیکن نظر آنا ضروری نہیں صرف کعبہ کو منہ کرنا ضروری ہے۔ اب تو صفا پہاڑ پر حرم مسجد وسیع کر دی گئی ہے کہ سعی مسجد ہی میں ہوتی ہے۔ [۲] اب بھی سنت یہ ہے کہ صفا شریف پر یہ ہی دعا پڑھی جائے۔ [۳] اس کلمہ میں غزوۂ خندق کی طرف اشارہ ہے جبکہ ہر قسم کے کفار نے متفق ہو کر مدینہ طیبہ پر یلغار کی تھی، رب تعالٰی نے تیز و سرد ہوا کے ذریعہ انہیں بھگا دیا: اس سے معلوم ہوا کہ سخت مصیبت کا وقت یاد رکھنا اور اس کے دفع پر رب تعالٰی کا شکر کرتے رہنا سنت ہے، یہ واقعہ بہت پہلے ہو چکا تھا مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم آخر دم تک وقتًا فوقتًا اسکا ذکر فرماتے رہے رب تعالٰی کی حمد و شکر کے لیے۔ [۴] اس طرح کہ پہلے بھی اللہ کا ذکر کیا بعد میں بھی، اور درمیان میں دعائیں مانگیں، سنت یہ ہی ہے کہ دعا اللہ کے ذکر سے گھری ہو کہ ایسی دعا انشاء اللہ رد نہیں ہوتی۔ [۵] اولًا ذکر الٰہی پھر دعا پھر ذکر الٰہی یہ ایک بار ہوا، اس طرح تین دفعہ عمل کیا، حاجی اسی پر عمل کرے۔ [۶] یعنی صفا کی ڈھلائی اور مروہ کی چڑھائی کے درمیان جو ہموار زمین ہے جسے بطن وادی کہتے ہیں وہاں سعی کی، سعی کے معنی ہیں دوڑ لگانا، چونکہ اسی جگہ حضرت ہاجرہ دوڑی تھیں، اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ سعی فرمائی، اس مقبول بی بی کی پوری نقل اتارنا سنت ہے، مقبولوں کی نقل بھی اچھی، کہ اللہ تعالٰی اصل کے طفیل نقل پر کرم فرما دے، بطن وادی لغۃً پہاڑ یا ٹیلے کے درمیان شگاف کو کہتے ہیں۔ [۷] یعنی جب مروہ شریف کی چڑھائی شروع ہوئی تو پھر معمولی رفتار سے چلنا شروع فرما دیا، دوڑ ختم کر دی۔ [۸] یعنی اس قدر چڑھنا کہ کعبہ معظمہ سامنے آ جائے، کعبہ معظمہ کو منہ کرنا اللہ کا ذکر و دعائیں کرنا غرضکہ جو کچھ صفا پر کیا، وہ ہی مروہ پر بھی کیا۔ وہ ہی دعائیں وہ ذکر جو صفا پر کیا تھا وہ ہی مروہ پر کیا: اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدل سعی فرمائی، سواری پر نہ کی، یہ ہی سنت ہے۔ بلا عذر سواری پر سعی کرنا خلاف سنت ہے، مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت کی کہ حضور نے سواری پر سعی فرمائی وہ عمرۂ قضاء کا واقعہ ہے، اور وہ سوار ہونا بھی دشواری و معذوری کی وجہ سے تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ

لَوْ اَنِّیْ اِسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسُقِ الْهَدْیَ وَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ لَيْسَ مَعَهٗ هَدْیٌ فَلْيَحِلَّ وَلْيَجْعَلْهَا عُمْرَةً فَقَامَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلِعَامِنَا هٰذَا اَمْ لِاَبَدٍ فَشَبَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَابِعَهٗ وَاحِدَةً فِی الْاُخْرٰی وَقَالَ دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِی الْحَجِّ مَرَّتَيْنِ لَا بَلْ لِاَبَدٍ اَبَدٍ وَقَدِمَ عَلِیٌّ مِنَ الْيَمَنِ بِبُدْنٍ

اگر ہم اس کام کا پہلے سے خیال کرتے جس کا بعد میں خیال آیا تو ہم ہدی نہ لاتے اور اسے عمرہ قرار دیتے[۱] لہذا تم میں سے جس کے ساتھ ہدی نہ ہو وہ احرام کھول دے اور اسے عمرہ بنالے[۲] تب حضرت سراقہ ابن مالک جعشم کھڑے ہوکر بولے یارسول اللہ کیا یہ حکم ہمارے اسی سال کیلئے ہے یا ہمیشہ کیلئے[۳] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل فرمائیں اور دوبارہ فرمایا کہ عمرہ حج میں داخل ہوگیا یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے ہے[۴] جناب علی یمن سے نبی کریم

وسلم کو دیکھنے کے لیے مکہ والے ہجوم بن کر آئے اور حضور کے پاس سے ہٹتے نہ تھے پیدل سعی ناممکن ہوگئی تھی، لہذا احادیث میں تعارض نہیں (از مرقات)۔

[۱] یعنی ہم نے قران کا احرام باندھ لیا اور ہدی ہمارے ساتھ ہے، اب ہم کو عمرہ کرکے احرام کھول دینا جائز نہ رہا۔ اور ہم نے تم کو حکم دیا کہ عمرہ کرکے احرام کھول دو۔ شاید تم کو احرام کھولنا گراں گذرے کہ تم ہماری سنت پر عمل کرنے کے دلدادہ ہو تم ہمارے سے اعمال کرنا چاہتے ہو، اگر ہمیں احرام سے پہلے یہ خیال آجاتا تو ہم ہدی ساتھ نہ لاتے اور نہ قران کا احرام باندھتے اور ہم بھی عمرہ کرکے کھل جاتے، تاکہ تم کو عمرہ پر کھل جانا گراں نہ ہوتا اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے قران کیا اور قران ہی افضل ہے، دوسرے یہ کو عمرہ کرکے کھل جانے کا حکم ایک مصلحت کی بنا پر دیا جیساکہ پہلے عرض کیا گیا کہ زمانہ جاہلیت میں حج کے زمانہ میں عمرہ کرنا اور حج کے قریب تک حلال رہنا سخت گناہ سمجھا جاتا تھا اور یہ رسم توڑنا تھی: دوسرے یہ کہ صحابہ کرام حضور کی ہر ادا کی نقل کرنا سعادت سمجھتے تھے۔ [۲] یعنی صرف حج یا عمرے کا احرام بندھا ہو اور اس کے ساتھ ہدی ہو تو ہدی کی قربانی کے بعد احرام کھولے، دسویں ذی الحجہ کو، مگر جس نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہو اور اس کے ساتھ ہدی نہ ہو، تو وہ عمرے کے افعال ادا کرکے احرام کھول دے اس طرح کہ حج کے احرام کو عمرہ بنادے اسے فسخ حج الی العمرہ کہتے ہیں، یہ فسخ صرف اس سال ہی صحابہ کے لیے جائز ہوا، اب تاقیامت کسی کو جائز نہیں، اب حج کا احرام بعد حج ہی کھل سکتا ہے چنانچہ روایات میں ہے کہ بلال ابن حارث نے عرض کیا یارسول اللہ فسخ ہمارے لئے خاص ہے یا آئندہ بھی ہوگا، فرمایا صرف تمہارے لیے خاص طور پر ہے (مرقات)۔ [۳] چار وجہ سے یہ حکم حاضرین پر گراں ہوا، ایک تو زمانہ حج میں عمرہ کرنا کیونکہ اسلام سے پہلے زمانہ حج میں عمرہ گناہ کبیرہ سمجھا جاتا تھا: دوسرے حج کا احرام عمرہ کرکے کھول دینا۔ اور تیسرے یوم عرفات کے قریب احرام کھولنا: چوتھے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع میسر نہ ہونا کہ حضور تو احرام میں ہیں اور ان حضرات کے احرام کھل گئے سرکار کا یہ حکم صرف اس لیے تھا کہ لوگ اس زمانہ میں عمرہ کو گناہ نہ سمجھیں، حضرت سراقہ ابن مالک نے بھی پہلے مسئلہ کے متعلق سوال کیا کہ یارسول اللہ زمانہ حج میں عمرہ کا جواز صرف اس سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے، بقیہ تین مسائل کے متعلق نہیں ہے، جیساکہ جواب عالی سے معلوم ہورہا ہے۔ لہذا اب فسخ حج ہرگز جائز نہیں۔ [۴] یعنی عمرہ کا جواز زمانہ حج میں قیامت کے لیے ہے۔ امام احمد اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ فسخ حج الی العمرہ تاقیامت رہیگا۔ ان کے ہاں اب حج کا احرام عمرہ کرکے کھول سکتے ہیں، مگر امام ابو حنیفہ، شافعی، مالک و جمہور علماء رضی اللہ عنہم کے ہاں نہیں کرسکتے، ان کی دلیل مسلم

النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَاذَا قُلْتَ حِیْنَ فَرَضْتَ الْحَجَّ قَالَ قُلْتُ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُهِلُّ بِهٖ رَسُوْلُكَ قَالَ فَاِنَّ مَعِیَ الْهَدْیَ فَلَا تَحِلَّ قَالَ فَكَانَ جَمَاعَةُ الْهَدْیِ الَّذِیْ قَدِمَ بِهٖ عَلِیٌّ مِنَ الْیَمَنِ وَالَّذِیْ اَتٰی بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِائَةً قَالَ فَحَلَّ النَّاسُ كُلُّهُمْ وَقَصَّرُوْا اِلَّا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ كَانَ مَعَهٗ هَدْیٌ فَلَمَّا كَانَ یَوْمُ التَّرْوِیَةِ تَوَجَّهُوْا اِلٰی مِنًی فَاَهَلُّوْا بِالْحَجِّ وَرَكِبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی بِهَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدی کے اونٹ لے کر آئے تو ان سے حضور نے پوچھا کہ جب تم نے حج کی نیت کی تو کیا کہا تھا عرض کیا میں نے کہا تھا الٰہی میں اس کا احرام باندھتا ہوں جس کا احرام تیرے رسول نے باندھا فرمایا میرے ساتھ تو ہدی ہے لہٰذا تم حلال نہ ہونا راوی فرماتے ہیں کہ مجموعہ ان ہدیوں کا جو جناب علی یمن سے لائے اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لائے کل سو تھا فرماتے ہیں پھر تمام لوگ حلال ہو گئے اور بال کٹوا لیے سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ان حضرات کے جن کے ساتھ ہدی جانور تھا پھر جب آٹھویں بقر عید ہوئی تو لوگوں نے منیٰ کا رخ کیا تب حج کا احرام باندھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے تو منیٰ میں ظہر عصر مغرب

کی یہ حدیث ہے کہ متعہ یعنی فسخ حج صرف صحابہ کے لیے تھا، اور نسائی کی روایت ہے کہ یارسول اللہ فسخ حج صرف ہم لوگوں کے لیے خاص ہے یا تمام مسلمانوں کے لیے۔ فرمایا صرف ہم لوگوں کے لیے (مرقات ولمعات) ہاں یہ جائز ہے کہ عمرہ کا احرام والا جب عمرہ نہ کر سکے کہ تنگ وقت میں مکہ معظمہ پہنچے یا عورت کو حیض آجائے جس سے وہ طواف نہ کر سکے، تو اس پر حج کا احرام باندھ لے، پہلے حج کرے بعد میں عمرہ، جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس موقعہ پر کیا تھا۔ ؎۱ اس زمانہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ یمن کے قاضی بنا کر بھیجے گئے تھے انہیں وہاں ہی اطلاع دے دی گئی تھی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حج کو جا رہے ہیں تم مکہ معظمہ پہنچو اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کچھ ہدی ساتھ لیتے آؤ کچھ اونٹ تو حضور خود لے گئے تھے اور بہت سے اونٹ حضور کے لیے جناب علی یمن سے لے آئے تھے، کل سو اونٹ ہو گئے تھے۔ ؎۲ اس سے معلوم ہوا کہ حج میں تعلیقًا نیت کر سکتے ہیں کہ خدایا جو فلاں بزرگ کی نیت وہ میری نیت، نماز میں تعلیق نیت درست نہیں، جیسا کہ فقہ میں مصرح ہے۔ ؎۳ یعنی ہماری طرح تمہارا احرام بھی قران ہو گیا اور ہمارے ساتھ بھی ہدی ہے۔ تمہارے ساتھ بھی، لہٰذا ہماری طرح تم بھی عمرہ کر کے احرام پر قائم رہنا۔ خیال رہے کہ جناب علی اپنے لیے بھی ہدی لائے تھے۔ ؎۴ یہ نہیں پتہ لگا کہ حضور انور مدینہ منورہ سے اپنے ہمراہ کتنے اونٹ قربانی کے لیے لائے تھے۔ اور حضرت علی رضی کتنے لائے۔ بعض نے فرمایا ہے کہ چالیس اونٹ سرکار لائے تھے اور ساٹھ اونٹ حضرت علی رضی واللہ اعلم۔ ؎۵ اس سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی علیحدہ ہیں کہ آپ کے ساتھ ہدی نہ تھی، پھر بھی آپ کو حلال ہو جانے کا حکم نہ دیا گیا بلکہ عمرہ کے احرام پر حج کا احرام بندھوا دیا گیا (مرقات) خیال رہے کہ احرام کھولتے وقت سر منڈانا افضل ہے، مگر صحابہ نے اس موقعہ پر بال کٹوائے تھے منڈائے نہیں، کیونکہ عنقریب ہی انہیں حج کا احرام باندھ کر کھولنا تھا اس وقت تک منڈے ہوئے بال بڑھ نہ سکتے تھے۔ نیز انہوں نے چاہا کہ ہم محلقین و مقصرین دونوں پر عمل کریں، اس وقت بال کٹوا لیے اور حج کا احرام کھولتے وقت منڈوا دیے (اشعہ) ؎۶ کہ وہ حضرات حلال نہ ہوئے مگر وہ تھوڑے سے تھے، زیادہ تر غیر ہدی والے تھے۔ ؎۷ آٹھویں ذی الحجہ کو ترویہ کہتے ہیں بمعنی سیراب کرنا، یا بمعنی غور کرنا، چونکہ اہل عرب حج کے لیے آٹھویں ذی الحجہ کو اونٹوں کو پانی پلا لیتے تھے، یا حضرت خلیل اللہ نے آٹھویں

وَالْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ ثُمَّ مَكَثَ قَلِيْلًا حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَاَمَرَ بِقُبَّةٍ مِّنْ شَعْرٍ تُضْرَبُ لَهٗ بِنَمِرَةَ فَسَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَشُكُّ قُرَيْشٌ اِلَّا اَنَّهٗ وَاقِفٌ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ كَمَا كَانَتْ قُرَيْشٌ تَصْنَعُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاَجَازَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَتٰى عَرَفَةَ فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهٗ بِنَمِرَةَ فَنَزَلَ بِهَا حَتّٰى اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ اَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ فَرُحِلَتْ لَهٗ فَاَتٰى بَطْنَ الْوَادِيْ فَخَطَبَ النَّاسَ وَقَالَ اِنَّ دِمَاءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِّنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ

عشا اور فجر پڑھی۱ پھر تھوڑا ٹھہرے حتی کہ سورج نکل آئے اور حضور نے حکم دیا تھا تو نمرہ میں حضور کے لیے اونی خیمہ لگادیا گیا تھا۲ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے قریش کو اس میں شک و تردد ہی نہ تھا کہ آپ مشعرحرام کے پاس قیام کریں گے وہاں ٹھہر جائیں گے۳ جیسے اسلام سے پہلے قریش کرتے تھے۴ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے آگے بڑھ گئے حتی کہ عرفہ پہنچ گئے تو آپ نے مقام نمرہ میں خیمہ لگا ہوا پایا وہاں ہی اتر پڑے۵ حتی کہ سورج ڈھل گیا تو اونٹنی قصواء کا حکم دیا اسے کجاوا کس دیا گیا آپ بطن وادی میں تشریف لائے۶ لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ تمہارے خون تمہارے آپس کے مال تم پر یوں ہی حرام ہیں جیسے تمہارے اس دن کی اس مہینہ اور اس شہر میں حرمت ہے۷ خبردار رہو زمانہ جاہلیت کی تمام رسمیں میرے قدم کے نیچے روندی گئیں۸

ذی الحجہ کو اپنی خواب کے متعلق غور کیا تھا کہ قربانی کس چیز کی دوں اس لیے اسے ترویہ کہتے ہیں۔ غرضکہ ترویہ یا روئی سے ہے یا رائی سے۔ منٰی کے معنی ہیں بہانا، چونکہ اس میدان میں قربانیوں کا خون بہایا جاتا ہے لہذا منٰے کہا جاتا ہے۔

۱ یعنی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ آٹھویں ذی الحجہ کی نماز فجر پڑھ کر سورج نکلتے مکہ معظمہ سے منٰی روانہ ہوگئے، منٰی کا یہ قیام احناف کے ہاں واجب نہیں سنت ہے۔ ۲ نمرہ عربی میں چیتے کو کہتے ہیں، عرفات کے قریب کنارہ حرم پر ایک پہاڑی کا نام نمرہ ہے جس پر حضرت عمر نے مینار بنایا تھا تاکہ حد حرم کی علامت رہے۔ چونکہ اس پر سیاہ و سفید پتھر ہیں جو چیتے کے داغ کے مشابہ ہیں۔ اس لیے اسے نمرہ کہتے ہیں (لمعات و اشعہ) اس جگہ حضور کے قیام کے لیے خیمہ لگا دیا گیا تھا، معلوم ہوا کہ عرفات وغیرہ میں پہلے سے اپنے واسطے خیمہ لگالینا جگہ پر قبضہ کرلینا جائز ہے جیسا کہ عموماً معلم حضرات آجکل کرتے ہیں، اس عمل کا ماخذ یہ حدیث ہے ۳ اسلام سے پہلے کفار عرب کا دستور تھا کہ قریش مکہ تو مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے عرفات نہ پہنچتے تھے اور عوام حجاج عرفات شریف جاتے تھے، تمام مسلمانوں کو یقین تھا کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم بھی مزدلفہ میں ہی قیام کریں گے عرفات تشریف نہ لے جائیں گے، کہ آپ تو قریش کے سردار ہیں، قرشی ہیں ہاشمی ہیں مطلبی ہیں صلے اللہ علیہ وسلم: مرقات نے فرمایا کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے ظہور نبوت سے پہلے جو حج کئے، ان میں عوام کے ساتھ عرفات شریف میں ہی قیام فرماتے رہے۔ ۴ قریشی کہتے تھے کہ ہم حرم شریف کے کبوتر ہیں حرم سے باہر نہ جائیں گے عرفات حرم سے باہر ہے، نیز اس میں اپنا شرف بھی ظاہر کرتے تھے کہ ہم سردار معلوم ہوں۔ ۵ یعنی اس قبہ میں قیام پذیر ہوئے، معلوم ہوا کہ بحالت احرام چھت، چھتری خیمہ وغیرہ کا سایہ لینا جائز ہے، امام مالک و احمد کے ہاں ممنوع ہے، یہ حدیث انکے خلاف نہیں۔ ۶ بطن وادی عرفات میں ایک میدان کا نام ہے جسے بطن عرنہ بھی کہتے ہیں، یہ جگہ عرفات میں داخل نہیں ہے۔ یہاں مسجد ابراہیم ہے، صحیح یہ ہے کہ ابراہیم قبیس عباسی کی طرف منسوب ہے، اب بھی نماز ظہر و عصر

مَوْضُوْعٌ وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ وَكَانَ مُسْتَرْضِعًا فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ فَقَتَلَهُ هُذَيْلٌ وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ وَاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ مِنْ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَاِنَّهُ مَوْضُوْعٌ كُلُّهُ فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَاِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ

اور جاہلیت کے زمانہ کے خون ختم کر دیئے گئے ۹ میں اپنے خونوں میں سے پہلا خون ختم کرتا ہوں وہ ابن ربیعہ ابن حارث کا خون ہے ۱۰ یہ بنی سعد میں شیرخوار تھے تو انہیں قوم ہذیل نے قتل کر دیا تھا ۱۱ اور جاہلیت کے زمانہ کے سود ختم ہیں میں اپنے سودوں میں سے پہلا سود ختم کرتا ہوں وہ عباس ابن عبدالمطلب کا سود ہے وہ سارا ہی ختم ہے ۱۲ عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو کہ تم نے انہیں اللہ کی امان میں لیا ہے اور کلمہ الٰہیہ سے ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے ۱۳ تمہارے ان پر یہ حقوق ہیں کہ وہ تمہارے بستروں کو اس پامال نہ

وہاں ہی ہوتی ہے، اسی میدان میں ہی مسجد شریف واقع ہے جسے مسجد نمرہ کہتے ہیں۔ ۷ یعنی جیسے ماہ ذی الحجہ خصوصًا عرفہ کے دن حرم شریف کی زمین میں گناہ کرنا بدترین جرم ہے، مگر اس میں تین جرموں کا مجموعہ ہے۔ گناہ جرم محترم جگہ کی بے حرمتی جرم حرمت والی تاریخ و مہینہ کی بے ادبی جرم ایسے ہی مسلمان کا خون بہانا، مال مارنا کئی جرموں کا مجموعہ ہے کہ ظلم بھی ہے اور اللہ تعالٰی کی ناراضی کا باعث بھی اور میری تکلیف و ایذا کا سبب بھی ہے: لطیفہ نے فرمایا کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے نفس یعنی خون کی حرمت کو حرم شریف کی حرمت سے تشبیہ دی جو دائمی و باقی ہے، اور حرمت مال کو اس زمانہ کی حرمت سے تشبیہ دی جو عارضی ہے مگر پہلی توجیہ قوی ہے۔ اور یہ کلام شریف بہت ہی بلیغ ہے۔ ۸ یعنی ہم نے اسلام سے پہلے والی تمام بری رسمیں مٹا دیں نوحہ ماتم، بتوں کے نام کے ذبیحہ وغیرہ تمام مٹا دیں، اب کوئی وہ رسوم احانہ کرے۔

۹ یعنی اسلام سے پہلے جو ظلمًا خون کر دیئے گئے تھے۔ اور ان کا قصاص باقی تھا وہ تمام خون معاف کر دیئے گئے، اب ان میں سے کسی قاتل پر قصاص نہیں، اب نیا طرح ہے نیا راج، نیا دور ہے نئے دور والا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۱۰ اس بچے کا نام ایاس ابن ربیعہ ابن حارث ابن عبدالمطلب ہے حارث حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں ان کے بیٹے ربیعہ صحابی ہیں جنہوں نے خلافت فاروقی میں وفات پائی۔ ۱۱ اس طرح کہ بنی سعد و ہذیل قبیلوں میں جنگ ہوئی تھی۔ ہذیل کا ایک پتھر ایاس کے لگا جس سے وہ وفات پا گئے، مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں دم ربیعہ ہے بغیر ابن کے تو خون سے مراد ربیعہ کے مطالبہ کا خون ہے جس کے وہ ولی ہیں، ورنہ مقتول ایاس ابن ربیعہ ہیں نہ کہ خود ربیعہ۔ ۱۲ یعنی زمانہ جاہلیت تمام غصب کئے ہوئے، لوٹے ہوئے اور سودی کاروبار کے مال معاف ہیں، جن کے ذمہ کسی کا قرض ہے اور سود بھی چڑھا ہوا ہے ان کے سود معاف، وہ اصل رقم ادا کر دے۔ حضرت عباس اسلام سے پہلے سود لیتے تھے، ان لوگوں پر بہت قرض و سود تھے جو حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے معاف فرما دیئے: اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے جان و مال کے مالک ہیں، دیکھو آپ بذات خود خون بھی معاف فرما رہے ہیں۔ اور مال بھی ان حق والوں سے معاف نہیں کرایا، دوسرے یہ کہ قانون پر پہلے بادشاہ اور اس کے اہل قرابت عمل کریں پھر رعایا سے عمل کرائیں تب قانون چلتا ہے، اگر خود عمل نہ کریں تو رعایا عمل نہ کرے گی۔ جیسے آج دیکھا جا رہا ہے کہ قانون فٹ بال (FOOT BALL) بن کر رہ گئے ہیں۔ دیکھو سرکار نے یہ دونوں قانون پہلے اپنے اور اپنے اہل قرابت پر جاری فرمائے۔ ۱۳ یہ ف عاطفہ ہے یعنی مال و خون کے معاملات میں ظلم نہ کرو، پھر اپنی بیویوں پر بھی

أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ فَإِنْ فَعَلْنَ ذَلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابَ اللّٰهِ وَأَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّي فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ قَالُوا نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ فَقَالَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ اللّٰهُمَّ اشْهَدْ اللّٰهُمَّ اشْهَدْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ أَذَّنَ بِلَالٌ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ

کرائیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو[1] پھر اگر وہ عورتیں ایسا کریں تو تم انہیں غیر مہلک مار مارو[2] اور عورتوں کی تم پر بھلائی سے ان کی روزی اور بھلائی سے ان کا کپڑا ہے[3] میں تم میں وہ چیز چھوڑ تا ہوں کہ اس کے ہوتے تم کبھی گمراہ نہ ہو گے جب تک تم اسے تھامے رہے یعنی قرآن کریم[4] اور تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے۔ سب بولے ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے تبلیغ فرمادی اور امانت ادا کردی اور خیر خواہی فرمائی[5] تو آپ نے اپنے کلمے کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور لوگوں کی طرف جھکائی فرمایا خدایا گواہ ہو جا خدایا گواہ ہو جا تین بار،[6] پھر حضرت بلال نے اذان دی پھر تکبیر کہی حضور انور نے نماز ظہر پڑھی پھر تکبیر کہی تو عصر پڑھی اور

زیادتی نہ کرو: امان معنی امانت و عہد ہے یعنی تم نے انہیں اللہ کی ضمانت پر اپنے نکاح میں لیا ہے: کلمۃ اللہ سے مراد اللہ کا حکم ہے کہ فانکحوھن یعنی اللہ تعالٰی کے فرمان کے ماتحت تمہارے لیے وہ حلال ہوئی ہیں: ہمارے ہاں بوقت نکاح دولہا دلہن کو کلمہ پڑھاتے ہیں اس کا ماخذ یہ حدیث ہوسکتی ہے تاکہ دونوں کا معاہدہ مضبوط ہے۔ کلمہ پڑھ کر عہد و پیمان کریں۔

[1] یعنی تمہارے گھروں میں کسی ایسے کو نہ آنے دیں۔ اور تمہارے بستروں پر کسی ایسے کو نہ بیٹھنے دیں جن کا آنا بیٹھنا تم ناپسند کرتے ہو۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ عورت کے میکے والے حتی کہ اس کے ماں باپ بھی بغیر خاوند کی اجازت اس کے گھر نہ جائیں، اگر خاوند ان کا آنا اپنے گھر میں ناپسند کرے تو عورت انہیں نہ بلائے بلکہ میکے جاکر ان سے مل آئے، اس کا ماخذ یہ حدیث ہے، ہاں مرد عورت کو ماں باپ کے ملنے سے منع نہیں کرسکتا کہ اس میں قطع رحم ہے۔ [2] یعنی انہیں اس قصور پر سزا دے سکتے ہو معلوم ہوا کہ مرد عورت کو سزاءً معمولی طور پر مار سکتا ہے، کیونکہ مرد عورت کا حاکم ہے جیسے ماں باپ، استاد اپنی اولاد شاگرد کو تنبیہاً مار پیٹ سکتے ہیں۔ ایسے ہی خاوند بیوی کو، مگر مار معمولی ہو اسی لئے غیر مبرح فرمایا کہ اس مارسے ایذاء مقصود نہیں اصلاح مقصود ہے [3] بھلائی سے روٹی کپڑے کے معنے یہ ہیں کہ خوشدلی سے دو ان کے خرچ کو بوجھ نہ سمجھو اور جیسا خود کھاؤ پہنو ویسا ہی انہیں کھلاؤ پہناؤ۔ [4] یعنی میں جارہا ہوں اور قرآن کریم تم میں چھوڑے جاتا ہوں، اگر تم نے اپنے عقائد و اعمال اس کے مطابق رکھے تو گمراہ نہ ہو گے: خیال رہے کہ بعد سے قرآن پر عمل ضروری اور قرآن شریف میں تو یہ حکم بھی ہے کہ اللہ و رسول کی اطاعت کرو، اور یہ بھی ہے کہ جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت، لہذا سنت پر عمل لازم ہوا، اب یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ سنت پر عمل ضروری نہیں قرآن کافی ہے۔ [5] معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے ایمان کی گواہی دیں گے اور ہم لوگ حضور کی تبلیغ کی گواہی دیں گے، ہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا کوئی بے ایمان انکار نہ کرسکے گا تاکہ پھر اس کی تحقیق کی جائے، لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ یہ سوال اور ہے اور جس سوال کی نفی ہے وہ اور سوال ہے۔ [6] یعنی ہولے تو ان کی گواہی کا گواہ ہو جا رب تعالٰی فرماتا ہے وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا، رب تعالٰی احکم الحاکمین بھی ہے اور گواہوں کا گواہ بھی ہر حاکم گواہوں کا گواہ ہوتا ہے۔

يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ثُمَّ رَكِبَ حَتّٰى اَتَى الْمَوْقِفَ فَجَعَلَ بَطْنَ نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ اِلَى الصَّخَرَاتِ وَجَعَلَ حَبْلَ الْمُشَاةِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ قَلِيْلًا حَتّٰى غَابَ الْقُرْصُ وَاَرْدَفَ اُسَامَةَ وَدَفَعَ حَتّٰى اَتَى الْمُزْدَلِفَةَ فَصَلّٰى بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِاَذَانٍ وَاحِدٍ وَاِقَامَتَيْنِ وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ثُمَّ اضْطَجَعَ

ان دو نمازوں کے درمیان کچھ نہ پڑھا[1] پھر سوار ہوئے حتی کہ عرفات کے جائے قیام پر تشریف لائے تو اپنی قصواء کا پیٹ بڑے پتھروں کی طرف کردیا اور جبل مشاۃ کو اپنے سامنے لیا[2] اور قبلہ کو منہ کیا[3] پھر وہاں اتنا ٹھہرے رہے کہ سورج ڈوب گیا اور کچھ زردی غائب ہوگئی تاآنکہ سورج کی ٹکیہ پوری چھپ گئی[4] اور حضرت اسامہ کو ردیف بنایا اور روانہ ہوگئے حتی کہ مزدلفہ پہنچ گئے[5] پھر وہاں ایک آذان اور دو تکبیروں سے نماز مغرب وعشاء پڑھی[6] درمیان میں نوافل کچھ نہ پڑھے[7] پھر کچھ لیٹ گئے۔

لہذا یہ گواہی مذہب توری حالیت کے خلاف نہیں،بعض نسخوں میں یکبھا ب سے ہے تکب بمعنی جھانکنا اور نکت ت سے بمعنی کریدنا۔

[1] یہ جمع صلوتین ہے۔عرفات میں ظہر وعصر ایک اذان اور دو تکبیروں سے ظہر کے وقت میں ادا کی جاتی ہے۔ظہر کی سنتیں و نفل چھوڑ دی جاتی ہیں تاکہ عرفات پہاڑ پر جلد پہنچیں اور دعاؤں کے لیے کافی وقت ملے۔لطیفہ معمہ:سوال:وہ کون سی جگہ ہے جہاں نفل کی وجہ سے فرض چھوڑ دیا جاتا ہے؟ جواب:وہ عرفات ہے،جہاں نفل یعنی دعاؤں کی وجہ سے عصر کا وقت جو فرض ہے چھوڑ دیا جاتا ہے؛امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاں یہ جمع صلوتین حج کی وجہ سے ہے؛امام شافعی کے ہاں سفر کی وجہ سے مذہب حنفی قوی ہے۔کیونکہ خود مکہ والے جو مسافر نہیں ہوتے وہ بھی یہاں جمع صلوتین کرتے ہیں اب امام مکہ معظمہ میں رہتا ہے مگر جمع کرتا ہے۔[2] جبل ریگ رواں کو کہتے ہیں جس پر رسیوں کی طرح سلوٹیں پڑی ہوتی ہیں اور مشاۃ ماشی کی جمع بمعنی چلنے والے،چونکہ ریگ کی وجہ سے یہاں سواری پر نہیں چل سکتے پیدل چلنا پڑتا ہے اس لیے اسے جبل مشاۃ کہتے ہیں:یہ ایک میدان ہے عرفات شریف میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر یلے علاقہ پر اونٹنی کھڑی کی،اس طرح کہ یہ ریگستانی خط حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آگیا[3] اور قبلہ کو آپ کا منہ ہوگیا،حجاج کو اس جگہ کھڑے ہونے کی کوشش کرنی چاہیے،شاید کبھی حضور کی جائے قیام پر کھڑا ہونا نصیب ہوجائے۔[4] پہلے غائب ہونے سے مراد تھا سورج کا کچھ حصہ غائب ہونا اور اس غائب ہونے سے مراد ہے پورا سورج ڈوب جانا،بیان میں ترتیب نہیں کیونکہ زردی سورج ڈوب چکنے کے بعد غائب ہوجاتی ہے،راوی نے غروب آفتاب کا ذکر دوبار کیا تاکید کے لیے،تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ غروب سے قریب غروب ہونا مراد ہے۔[5] یعنی آفتاب عرفات ہی میں غروب ہوگیا،اس کے بعد آپ مزدلفہ کی طرف اس طرح روانہ ہوئے کہ حضرت اسامہ ابن زید کو اپنی اونٹنی پر اپنے پیچھے سوار کرلیا،مزدلفہ زلف بمعنی قرب سے ہے یا ازدلاف بمعنی ہموار زمین سے چونکہ یہ جگہ منٰے سے قریب ہے،نیز اسی جگہ حضرت آدم وحوا کی ملاقات کا قرب ہوا اور یہاں کی زمین ہموار ہے،اس لئے اُسے مزدلفہ کہتے ہیں:مزدلفہ میں رات گذارنا ہمارے ہاں اور امام احمد کے ہاں سنت ہے،بعض شوافع کے ہاں فرض ہے(لمعات واشعہ)بعض کے ہاں واجب۔[6] امام احمد و زفر کے ہاں یہی طریقہ ہے،ہمارے ہاں یہ دونوں نمازیں ایک ہی اذان اور ایک ہی تکبیر سے ہوں گی،کیونکہ عرفات میں تو عصر وقت سے پہلے ہوئی تھی،اس لیے اس کی علیحدہ اطلاع ضروری تھی،مگر یہاں عشاء اپنے وقت میں ہورہی ہے۔اس کی نئی اطلاع کی ضرورت نہیں،مسلم و ترمذی نے حضرت ابن عمر سے ایک تکبیر کی روایت کی،ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح فرمایا(اشعہ)[7] ع شراو

حَتّٰی طَلَعَ الْفَجْرُ فَصَلَّی الْفَجْرَ حِیْنَ تَبَیَّنَ لَهُ الصُّبْحُ بِاَذَانٍ وَّاِقَامَةٍ ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَآءَ حَتّٰی اَتَی الْمَشْعَرَ الْحَرَامَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَدَعَاهُ وَكَبَّرَهٗ وَهَلَّلَهٗ وَوَحَّدَهٗ فَلَمْ یَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰی اَسْفَرَ جِدًّا فَدَفَعَ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَاَرْدَفَ الْفَضْلَ بْنَ عَبَّاسٍ حَتّٰی اَتٰی بَطْنَ مُحَسِّرٍ فَحَرَّكَ قَلِیْلًا ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِیْقَ الْوُسْطٰی الَّتِیْ تَخْرُجُ عَلَی الْجَمْرَةِ الْكُبْرٰی حَتّٰی اَتَی الْجَمْرَةَ الَّتِیْ عِنْدَ الشَّجَرَةِ فَرَمَاهَا بِسَبْعِ حَصَیَاتٍ یُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ مِّنْهَا مِثْلَ حَصَی

حتی کہ فجر طلوع ہوگئی تو سویرا چمکتے ہی اذان و تکبیر کے ساتھ فجر پڑھی [۱] پھر قصواء پر سوار ہو لیئے۔ حتی کہ مشعر پہاڑ کے پاس تشریف لائے پھر قبلہ کو منہ کیا اور رب سے دعا مانگی۔ تکبیر و تہلیل و توحید کہتے رہے وہاں ٹھہرے رہے حتی کہ خوب اجیالا ہوگیا [۲] تو سورج نکلنے سے پہلے روانہ ہوگئے اور حضرت فضل ابن عباس کو اپنے پیچھے سوار کرلیا [۳] حتی کہ بطن وادی میں آئے تو اپنی اونٹنی کو کچھ حرکت دی [۴] پھر درمیانی راستے پر پڑ گئے جو بڑے جمرے پر نکلتا ہے [۵] حتی کہ اس جمرہ پہنچے جو درخت کے پاس ہے [۶] تو اسے سات کنکر مارے جن میں سے ہر کنکر کے ساتھ تکبیر کہتے تھے جو کنکر ٹھیکری جیسے تھے [۷]

کی سنتیں و وتر و نفل پڑھ کر لیٹے، اس لئے ثُمَّ ارشاد فرمایا، اب بھی حاجی کو مزدلفہ میں پہلی عشاء مع سنت وتر پڑھنا چاہیئے (مرقات) مرقات نے فرمایا کہ سنت مغرب بھی پڑھنا بہتر ہے۔ اس صورت میں یہاں نوافل اوابین کی نفی ہوگی۔

[۱] آپ ہمیشہ تو فجر اجیالے میں پڑھا کرتے تھے، مگر آج مزدلفہ میں فجر اول وقت پو پھٹتے ہی پڑھی، اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ فجر اجیالے میں پڑھنا چاہیئے۔ معلوم ہوا کہ مزدلفہ کی شب میں حاجی کو سونا سنت ہے، اگرچہ عموماً عید کی رات کو جاگنا بہتر ہے۔ [۲] مشعر حرام مزدلفہ میں ایک خاص جگہ کا نام ہے جہاں اب مسجد بنی ہوئی ہے، یہ جگہ قزح پہاڑ کے قریب ہے، اسی جگہ حاجی کو ٹھہرنا چاہیئے۔ [۳] کفار مکہ سورج نکلنے کے بعد مزدلفہ سے روانہ ہوتے تھے جبکہ پہاڑ کی چوٹی چمک جاتی تھی، حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے سورج نکلنے سے پہلے روانگی فرمائی اور یہاں سے حضرت فضل ابن عباس کو اپنے پیچھے سوار کرلیا۔ [۴] وادی محسر مزدلفہ و منیٰ کے درمیان ایک جنگل ہے، محسر کے معنی ہیں تھک جانے کی جگہ، رب تعالٰی فرماتا ہے خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ اصحاب فیل کا ہاتھی اس جنگل میں پہنچ کر تھک گیا تھا اس لئے اُسے محسر کہتے ہیں، بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں ہی اصحاب فیل پر عذاب آیا تھا اس لیے یہاں سے جلد گذر جانا چاہیئے، جیسے قوم ثمود و عاد کی زمین سے جلد گزر جانا چاہیئے، بعض نے فرمایا کہ یہاں مشرکین ٹھہر جاتے تھے، ان کی مخالفت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے جلد گذرے واللہ اعلم (اشعہ) [۵] یعنی عرفات کو جاتے وقت اور راستہ اختیار کیا تھا واپسی پر دوسرا راستہ اختیار فرمایا۔ یہ راستہ جمرہ عقبہ پر نکلتا ہے۔ معلوم ہوا کہ عرفات کو جاتے آتے علیحدہ راستے اختیار کرنا سنت ہے۔

[۶] یہ جمرہ عقبہ ہے۔ شاید اس زمانہ میں یہاں کوئی درخت ہوگا، اب وہاں کوئی درخت نہیں ہے، یہ جمرہ مسجد خیف سے دور ہے، مکہ معظمہ کی جانب ہے، آخری جمرہ ہے۔ چونکہ اس پہاڑ کے پیچھے ہے، جہاں بیعت عقبہ ہوئی، اسی لئے اسے جمرہ عقبہ کہتے ہیں۔

[۷] خذف کے لفظی معنے ہیں انگلیوں سے کنکر پھینکنا۔ یہ کنکر باقلا کے دانہ کے برابر تھے۔ جو کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے سے پکڑ کر جمرہ وستون) پر مارے جاتے تھے اب بھی ایسے ہی کنکر مارنا چاہئیں، بعض جہلاء بڑے بڑے پتھر مارتے ہیں، بعض جوتے مارتے ہیں، یہ غلط بھی ہے اور حماقت بھی۔

الْخَذْفِ رَمٰى مِنْ بَطْنِ الْوَادِیْ ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَی الْمَنْحَرِ فَنَحَرَ ثَلٰثًا وَّسِتِّیْنَ بُدْنَةً بِیَدِہٖ ثُمَّ اَعْطٰی عَلِیًّا فَنَحَرَ مَا غَبَرَ وَاَشْرَکَہٗ فِیْ ھَدْیِہٖ ثُمَّ اَمَرَ مِنْ کُلِّ بُدْنَةٍ بِبَضْعَةٍ فَجُعِلَتْ فِیْ قِدْرٍ فَطُبِخَتْ فَاَکَلَا مِنْ لَحْمِھَا وَشَرِبَا مِنْ مَرَقِھَا ثُمَّ رَکِبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَفَاضَ اِلَی الْبَیْتِ فَصَلّٰی بِمَکَّةَ الظُّھْرَ فَاَتٰی عَلٰی بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ یَسْقُوْنَ عَلٰی زَمْزَمَ فَقَالَ انْزِعُوْا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَوْلَا اَنْ یَّغْلِبَکُمُ النَّاسُ عَلٰی سِقَایَتِکُمْ لَنَزَعْتُ مَعَکُمْ فَنَاوَلُوْہُ دَلْوًا فَشَرِبَ مِنْہُ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ اَھَلَّ بِعُمْرَةٍ وَمِنَّا مَنْ اَھَلَّ بِحَجٍّ فَلَمَّا قَدِمْنَا مَکَّةَ فَقَالَ

بطن وادی سے رمی کی[1] پھر قربانی گاہ کی طرف لوٹے[2] تو تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے قربانی کیے پھر حضرت علی کو مرحمت فرمائے تو بقیہ انہوں نے قربانی کیے[3] اور حضور نے انہیں اپنی ہدی میں شریک کر لیا[4] پھر حکم دیا تو ہر اونٹ کی ایک بوٹی لے کر ہانڈی میں ڈالی اور پکائی گئی تو ان دونوں صاحبوں نے وہ گوشت کھایا اس کا شوربا پیا[5] پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور بیت اللہ شریف چلے تو نماز ظہر مکہ میں پڑھی[6] پھر بنی عبدالمطلب کے پاس تشریف لائے جو زمزم پر پانی کھینچ رہے تھے۔ فرمایا اے بنی عبدالمطلب کھینچے جاؤ[7] اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ سب لوگ تمہارے پانی کھینچنے میں تم پر غلبہ کر لیں گے تو میں تمہارے ساتھ پانی کھینچتا[8] لوگوں نے حضور کو ڈول پیش کیا آپ نے اس سے پیا[9] (مسلم) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں ہم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں روانہ ہوئے تو ہم میں سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج کا[10] ہم جب مکہ آئے تو

[1] یعنی جمرہ کے سامنے کھڑے ہو کر ہموار زمین سے رمی کی جسے بطن وادی کہتے ہیں، اوپر کے حصہ سے رمی نہ کی، بطن وادی کا پتہ وہ جگہ دیکھ کر ہی لگتا ہے۔

[2] قربانی گاہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام گاہ سے قریب ہی تھا مسجد خیف کے قبلہ کی طرف جمرہ عقبہ سے قریب اگرچہ منیٰ ساری ہی قربانی گاہ ہے مگر بہتر یہ ہے کہ حضور انور کی قربانی گاہ میں ذبح کی جائے (از مرقات)۔ [3] اس طرح کہ اپنی ہر قربانی میں حضرت علی مرتضٰی کا بھی حصہ رکھا یہ جناب علی کی بڑی عظمت ہے۔ [4] یعنی حضرت علی مرتضٰی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیگچی سے بوٹیاں بھی کھائیں اور شوربا بھی پیا۔ معلوم ہوا کہ اپنی قربانی کا گوشت کھانا سنت ہے۔ بعض نے واجب کہا ہے اب تو قرماتا ہے فَکُلُوْا مِنْھَا۔ [5] حق یہ ہی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ پہنچکر زوال سے پہلے طواف زیارۃ کیا، پھر وہاں ہی ظہر پڑھی، بعض روایات میں ہے کہ حضور نے منیٰ سے واپس ہو کر پڑھی وہاں راوی کو دھوکا ہو گیا، وہاں حضور نے نوافل پڑھے علاوہ فرض ظہر کے، ورنہ ظہر غیر وقت مستحب میں پڑھنا لازم ہو گا، اب بھی مستحب یہ ہی ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو ہی طواف زیارت کرے اور ظہر حرم شریف میں ہی پڑھے مگر یہ مشکل میسر ہوتا ہے کہ اس دن کام زیادہ ہوتے ہیں اور قربانی میں بہت دیر لگ جاتی ہے، اکثر حجاج مکہ معظمہ میں پڑھتے ہیں۔ [6] یہ لوگ حضرت عباس کی اولاد اور کچھ دوسرے حضرات تھے۔ وہاں چاہ زمزم سے ہر شخص پانی نہیں بھر سکتا، یہ بھی خاص لوگوں کا حق ہے۔ [7] یعنی اگر ہم پانی کھینچا تو یہ عمل سنت ہو جائیگا اور ہر شخص اس سنت پر عمل کرے گا تمہیں یہاں سے نکلنا پڑے گا، اس لیے ہم خود نہیں کھینچتے۔ [8] آپ نے کھڑے کھڑے ہی ڈول سے زمزم پیا، بقیہ پانی چاہ زمزم میں ڈال دیا گیا، اب اس پانی میں دو برکتیں ہیں۔ ایک تو حضرت ذبیح اللہ کے پاؤں شریف کا دھوون ہے اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اھل بعمرۃ ولم یھد فلیحلل ومن احرم بعمرۃ واھدی فلیھلل بالحج مع العمرۃ ثم لا یحل حتی یحل منھما وفی روایۃ فلا یحل حتی یحل بنحر ھدیہ ومن اھل بحج فلیتم حجہ قالت فحضت ولم اطف بالبیت ولا بین الصفا والمروۃ فلم ازل حائضا حتی کان یوم عرفۃ ولم اھلل الا بعمرۃ فامرنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان انقض راسی وامتشط واھل بالحج واترک العمرۃ ففعلت حتی قضیت حجی بعث معی عبد الرحمٰن بن ابی بکر وامرنی ان اعتمر مکان عمرتی من التنعیم قالت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور ہدی نہ لایا ہو وہ حلال ہو جائے اور جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور ہدی لایا ہو وہ عمرہ کے ساتھ حج کا احرام باندھ لو۔ پھر حلال نہ ہو حتی کہ ان دونوں سے حلال ہو اور ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر حلال نہ ہو حتی کہ ہدی کی قربانی کرے اور جس نے حج کا احرام باندھا ہو وہ اپنا حج پورا کرے فرماتی ہیں کہ میں کپڑوں سے ہو گئی حالانکہ میں نے نہ بیت اللہ کا طواف کیا تھا نہ صفا اور مروہ کی سعی تو میں کپڑوں ہی میں رہی حتی کہ عرفہ کا دن آ گیا اور میں نے صرف عمرہ کا ہی احرام باندھا ہوا تھا تو مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں اپنے بال کھول دوں اور کنگھی کرلوں اور حج کا احرام باندھ لوں عمرہ چھوڑ دوں میں نے ایسا ہی کیا حتی کہ میں نے اپنا حج پورا کر لیا میرے ساتھ عبدالرحمان ابن ابوبکر صدیق کو بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے چھوٹے ہوئے عمرہ کی جگہ مقام تنعیم سے عمرہ کروں فرماتی ہیں

دوسرے حبیب اللہ کا پیا ہوا پانی اس میں ہے مبارک ہیں وہ جنہیں اس کا پینا نصیب ہو۔ ۹؎ یہ حدیث ابن ابی شیبہ، ابوداؤد، نسائی، عبد ابن حمید، بزار، دارمی نے بھی حضرت امام جعفر صادق عن ابیہ عن جابر روایت کی۔ ۱۰؎ ہم تمام ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام ۱۱؎ صرف حج کا یا حج مع عمرہ کا یا بعض نے صرف حج کا بعض نے حج و عمرہ دونوں کا، غرضکہ صحابہ کے حالات مختلف تھے (مرقات)۔

۱؎ یعنی یہ دونوں قسم کے حضرات تمتع کریں، ہدی لانے والے تو ہدی کا تمتع کریں کہ درمیان میں حلال نہ ہوں اور ہدی نہ لانے والے بغیر ہدی کا تمتع کریں کہ درمیان میں حلال ہو جائیں۔ خیال رہے کہ حج چار قسم کا ہوتا ہے افراد، قران، تمتع ہدی والا، تمتع بغیر ہدی۔ ۲؎ دونوں عبارتوں کا مطلب قریبًا یکساں ہے کیونکہ قارن اور ہدی والا تمتع دسویں بقر عید کو ہی قربانی کرتے ہیں اور اسی دن دونوں احراموں سے کھلتے ہیں۔ ۳؎ یعنی افراد بالحج والا خواہ ہدی لایا ہو یا نہ لایا ہو بقر عید کے دن ہی احرام کھولے جیسا کہ مفرد کرتے ہیں۔ ۴؎ یعنی میں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا مگر حج سے پہلے عمرہ نہ کر سکی کیونکہ میں ایام آ جانے کی وجہ سے طواف نہ کر سکی، اور بغیر طواف صفا مروہ کی سعی ہوتی نہیں، لہذا عمرہ کا کوئی رکن ادا نہ کر سکی، خیال رہے اگر عورت کو طواف کے بعد ایام آ جائیں تو وہ سعی کر سکتی ہے۔ اگر طواف سے پہلے آ جائیں تو نہ طواف کر سکتی ہے نہ سعی۔ ۵؎ اسے فسخ عمرہ یا رفض عمرہ کہتے ہیں کہ عمرہ کا احرام باندھ کر بغیر عمرہ کئے کھل جانا یعنی خلاف احرام افعال کر لینا۔ ۶؎ اس طرح کہ حج کا احرام باندھ کر بغیر طواف قدوم کئے عرفات چلی گئی، پھر عرفات مزدلفہ منٰے کے افعال سے فارغ ہو کر طواف زیارت کر لیا کہ اب میں ایام سے فارغ ہو چکی تھی، طواف قدوم ایام کی وجہ سے نہ کر سکی تھی، اب بھی عورت کو عارضہ آ جانے پر یہی حکم ہے کہ اسے طواف قدوم بلکہ طواف وداع بھی معاف ہو جاتا ہے۔ ۷؎ تنعیم مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلہ پر حدود حرم سے باہر جگہ ہے۔ اب وہاں مسجد عائشہ بنی ہوئی ہے۔ عام حجاج وہاں جا کر نفلی عمروں کا احرام باندھتے ہیں، یہ جگہ قریب ترین حد حرم ہے۔

فَطَافَ الَّذِيْنَ كَانُوْا اَهَلُّوْا بِالْعُمْرَةِ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ حَلُّوْا ثُمَّ طَافُوْا طَوَافًا بَعْدَ اَنْ رَجَعُوْا مِنْ مِنًى وَاَمَّا الَّذِيْنَ جَمَعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَاِنَّمَا طَافُوْا طَوَافًا وَاحِدًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ تَمَتَّعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَسَاقَ مَعَهُ الْهَدْيَ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ فَبَدَاَ فَاَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ ثُمَّ اَهَلَّ بِالْحَجِّ فَتَمَتَّعَ النَّاسُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَكَانَ مِنَ النَّاسِ

کہ جن لوگوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ انہوں نے بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی کی پھر حلال ہوگئے ۱ پھر منیٰ سے لوٹنے کے بعد ایک طواف کیا ۲ لیکن جنہوں نے حج و عمرہ جمع کیا تھا۔ انہوں نے ایک ہی طواف کیا ۳ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وداعیہ حج میں۔ حج و عمرہ کا تمتع کیا ۴ تو اپنے ساتھ ذوالحلیفہ سے ہدی لے گئے تو ابتداء یوں فرمائی کہ پہلے عمرہ کا پھر حج کا احرام باندھا ۵ لوگوں نے بھی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج و عمرہ کا تمتع کیا ۶ بعض لوگ تو

یہ حدیث احناف کی دلیل ہے، کہ حائضہ عورت اپنا عمرہ چھوڑ دے، اور بعد حج اس کی جگہ دوسرا عمرہ یعنی عمرہ قضا کرے، حضرت عائشہ صدیقہ کا تمتع ہوا نہ کہ قرآن، اور یہ بعد والا عمرہ، عمرہ واجبہ تھا نہ کہ عمرہ نفلی، جیسا کہ شوافع نے سمجھا۔ ۱ یہ حضرات، ذی الحجہ تک حلال رہے آٹھویں کو احرام باندھ کر منیٰ روانہ ہوگئے، جیسا کہ تمتع والے اب بھی کرتے ہیں۔ ۲ طواف زیارت جسکا وقت دسویں بقر عید سے بارہویں بقر عید کی شام تک ہے، یہ طواف فرض ہے۔ ۳ یعنی قرآن والوں نے بھی منیٰ سے واپس ہوکر صرف ایک طواف ہی کیا، طواف زیارت انہوں نے قرآن کی وجہ سے اب دو طواف نہ کئے، لہذا یہ حدیث نہ تو احناف کے خلاف ہے نہ شوافع کی دلیل: خیال رہے کہ قارن احناف کے نزدیک بعد احرام عرفات جانے سے پہلے طواف قدوم اور صفا مروہ کی سعی کریگا، اور بعد عرفات طواف زیارت کریگا، امام شافعی کے ہاں قارن طواف قدوم نہیں کرتا صرف بعد عرفات طواف زیارت کرتا ہے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے مگر آپ نے عمرہ کے بعد طوافِ قدوم کیا، نیز دارقطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے مگر آپ نے عرفہ سے دو طواف کئے اور دو سعی، ایک طواف و سعی عمرہ کا، دوسرا طواف و سعی حج کا، نیز طحاوی نے عمران ابن حصین، علی، عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کی کہ قارن دو طواف کرے اور دو سعی، لہذا اس حدیث عائشہ کے یہ ہی معنی ہیں کہ عرفات کے بعد قارن صحابہ نے ایک طواف کیا تاکہ تمام احادیث جمع ہوجائیں اور یہ حدیث بخاری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہ ہو۔ ۴ یہاں تمتع بمعنی لغوی میں ہے یعنی حج و عمرہ دونوں سے نفع حاصل کرنا تمتع عرفی یعنی قرآن کا مقابل مراد نہیں تاکہ یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہ ہو جن میں قرآن ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً حج کا احرام باندھا پھر عمرہ کا بھی باندھ لیا جس سے قرآن ہوگیا (اشعہ، مرقات، لمعات) یا اس کے برعکس دوسری صورت زیادہ ظاہر ہے۔ ۵ بعض علماء نے فرمایا کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلے حج کا احرام باندھا تھا پھر عمرہ کا مگر چونکہ قرآن میں عمرہ پہلے ہوتا ہے حج بعد میں، اس لئے عمرہ کا پہلے ذکر ہے بعض نے اسکو ظاہری معنی پر رکھا اور کہا کہ جن روایات میں اس کے برعکس ہے وہاں حج کے فرض ہونے کی وجہ سے اسکا ذکر پہلے ہے واللہ اعلم (مرقات)۔

مَنْ اَهْدٰى وَمِنْهُمْ مَنْ لَّمْ يُهْدِ فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلنَّاسِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ اَهْدٰى فَاِنَّهٗ لَا يَحِلُّ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى يَقْضِيَ حَجَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ مِنْكُمْ اَهْدٰى فَلْيَطُفْ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَلْيُقَصِّرْ وَلْيَحْلِلْ ثُمَّ لِيُهِلَّ بِالْحَجِّ وَلْيُهْدِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ هَدْيًا فَلْيَصُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةً اِذَا رَجَعَ اِلٰى اَهْلِهٖ فَطَافَ حِيْنَ قَدِمَ مَكَّةَ وَاسْتَلَمَ الرُّكْنَ اَوَّلَ شَيْءٍ ثُمَّ خَبَّ ثَلٰثَةَ اَطْوَافٍ وَمَشٰى اَرْبَعًا فَرَكَعَ حِيْنَ قَضٰى طَوَافَهٗ بِالْبَيْتِ عِنْدَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَانْصَرَفَ فَاَتَى الصَّفَا فَطَافَ

ہدی لے گئے تھے اور بعض نہ لے گئے تھے تو جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لوگوں سے فرمایا کہ تم میں سے جو ہدی لایا ہو وہ کسی حرام شدہ چیز سے حلال نہ ہو تا آنکہ حج پورا کرے اور جو ہدی نہ لایا ہو وہ کعبہ کا طواف کرے اور صفا مروہ میں دوڑے اور بال کٹوائے۔ حلال ہو جائے پھر حج کا احرام باندھے اور قربانی دے جو قربانی نہ پائے وہ تین روزے رکھے زمانہ حج میں رکھے اور سات روزے گھر لوٹتے وقت پھر جب حضور انور مکہ آئے تو طواف کیا سب سے پہلے سنگ اسود چوما پھر تین چکروں میں رمل فرمایا اور چار میں عام رفتار سے چلے پھر جب طواف کعبہ پورا کر چکے۔ تو مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر سلام پھیرا پھر لوٹے تو صفا پر آئے

۱۰ یعنی بعض صحابہ نے بھی قرآن کیا یہاں بھی تمتع لغوی معنی میں ہے یعنی حج وغیرہ سے نفع حاصل کرنا۔ ۱۱ یعنی ہدی والے تو احرام پر قائم رہیں اور بغیر ہدی والے عمرہ کرکے احرام کھولدیں اسکی وجہ پہلے عرض کی جا چکی ہے۔ شیخ نے یہاں فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حج کا احرام باندھا تھا پھر عمرہ کا جن لوگوں نے پہلا احرام دیکھا انہوں نے افراد کی روایت کی اور جنہوں نے بعد کا حال بھی دیکھا انہوں نے قران کی روایت کی، تمتع والی روایات میں تمتع سے لغوی معنی مراد ہیں، قران بھی لغۃً تمتع ہے۔ لہذا تمام احادیث درست و مطابق ہیں (اشعہ) ۱۲ خلاصہ یہ ہے کہ حج کا احرام والا بھی عمرہ کرکے کھل جائے، حج کو فسخ کردے، پھر بعد میں نئے احرام سے حج کرے تاکہ لوگوں کا یہ خیال ٹوٹ جائے کہ حج کے زمانہ میں عمرہ حرام ہے یا احرام کھولنا حرام۔ اب یہ درست نہیں کہ حج کا احرام باندھ کر عمرہ کرکے کھول دے، جن صحابہ کرام نے تمتع کا انکار کیا انکی یہی مراد ہے یعنی حج فسخ کرکے عمرہ کرنا پھر حج کرنا یہ بات خوب ذہن میں رکھیے۔ ۱۳ متمتع یا قارن اگر قربانی کے لیے میسر نہ پائیں تو دس روزے رکھیں، تو حج سے پہلے ۱۰ سے حج میں شوال، ذیقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن میں، مگر بہتر یہ ہے کہ تیسرا روزہ نویں ذوالحجہ کو ہو، اور سات روزے حج کے بعد گھر پہنچکر یا ایام تشریق کے بعد مکہ معظمہ میں (مرقات و کتب فقہ) ۱۴ رمل یا خب اکڑ کر چلنے یا بہادروں کی رفتار سے چلنے کو کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے عمرہ قضا کے طواف میں تین چکروں میں رمل کیا تھا مشرکین مکہ کو اپنی طاقت و قوت دکھانے کے لیے، پھر یہ رمل دائمی سنت ہو گیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے طواف قدوم میں بھی کیا اب بھی حجاج رمل کرتے ہیں: معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و افعال کی نقل عبادت ہے اس رب کے گھر میں طواف جو عبادت اسکی حالت میں اکڑنا عقل کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ بارگاہ الٰہی میں عجز و انکسار چاہیئے۔ مگر چونکہ یہ اکڑنا سنت ہے لہذا محبوب ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ عین عبادت کی حالت میں کفار کو اپنی طاقت دکھانا بہتر ہے کہ اسلامی قوت کا اظہار

بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعَةَ اَطْوَافٍ ثُمَّ لَمْ يَحِلَّ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى قَضٰى حَجَّهٗ وَنَحَرَ هَدْيَهٗ
يَوْمَ النَّحْرِ وَاَفَاضَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ وَفَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاقَ الْهَدْيَ مِنَ النَّاسِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهٖ عُمْرَةٌ اِسْتَمْتَعْنَا بِهَا فَمَنْ لَّمْ يَكُنْ عِنْدَهُ
الْهَدْيُ فَلْيَحِلَّ الْحِلَّ كُلَّهٗ فَاِنَّ الْعُمْرَةَ قَدْ دَخَلَتْ فِي الْحَجِّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ
وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِيْ **اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ** عَنْ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ
جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ فِيْ نَاسٍ مَعِيْ قَالَ اَهْلَلْنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ خَالِصًا

صفا مروہ کا سات بار طواف کیا۔ پھر آپ کسی حرام شدہ چیز سے حلال نہ ہوئے ۱؎ حتی کہ حج پورا فرمالیا اور قربانی کے
ہدی ذبح کردیئے اور منیٰ سے چلے بیت اللہ کا طواف کیا پھر تمام حرام شدہ چیزوں سے حلال ہوگئے ۲؎ اور حضور انور صلی اللہ
علیہ وسلم کے سے کام تمام ہدی لانے والے لوگوں نے کیئے ۳؎ (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت ابن عباس سے
فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ وہ عمرہ ہے جس سے ہم نے تمتع کرلیا ۴؎ تو جس کے پاس ہدی
نہ ہو وہ پورا پورا حلال ہوجائے ۵؎ کیونکہ اب قیامت تک کو عمرہ حج میں داخل ہوگیا ۶؎ (مسلم) یہ باب
دوسری فصل سے خالی ہے۔ تیسری فصل۔ روایت ہے حضرت عطاء سے فرماتے ہیں میں نے اپنے ساتھی لوگوں کی جماعت
میں حضرت جابر بن عبداللہ کو سنا فرماتے تھے ۱؎ کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے خالص حج کیلئے احرام باندھا

بھی عبادت ہے۔ اب بھی فوجی پریڈ، فوجی سلامی میں پھرتی و طاقت کا اظہار ہوتا ہے۔ ۱؎ بلکہ احرام پر قائم رہے کیونکہ آپ قارن تھے اور
قران میں بقر عید کے دن ہی احرام کھولا جاتا ہے، یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے بعد حج کا احرام باندھا، لہذا یہی ظاہر
ہے کہ حج و عمرہ کیلئے احرام ایک ساتھ ہی باندھے تھے اور قران ہی کیا تھا یہ احناف کا مذہب ہے کہ قران افضل ہے۔ ۲؎ اس طرح کہ بقر عید کے دن رمی
جمرہ سے تو حل ناقص ہوا جس سے سوا جماع باقی تمام چیزیں حلال ہوگئیں اور طواف زیارت سے حل کامل ہوگیا کہ صحبت بھی درست ہوگئی ۳؎ یعنی ہدی والے
صحابہ کرام تو احرام سے بقر عید کے دن فارغ ہوئے اور بغیر ہدی والے صحابہ خواہ انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا یا حج کا عمرہ کرکے احرام سے کھل گئے پھر
۸ ذی الحجہ کو محرم ہوئے جیسا کہ گذر گیا۔ ۴؎ یہاں بھی تمتع لغوی معنی میں ہے یعنی حج و عمرہ سے نفع اٹھالے دونوں ایک سفر میں کرنا قران کا مقابل
نہیں یعنی الگ الگ احرام سے حج و عمرہ کرنا جیسا کہ بعض شارحین نے کہا۔ ۵؎ پورا حلال ہونا یہ ہے کہ بیوی سے صحبت بھی جائز ہوجائے ناقص حل یہ ہے
کہ سلا کپڑا، خوشبو، سر ڈھانپنا تو حلال ہوجائے مگر صحبت حرام رہے، اس حکمت سے یہاں پورے حلال کا حکم دیا۔ ۶؎ یعنی عمرہ حج کے مہینوں میں داخل ہو
گیا کفار عرب کا عقیدہ تھا کہ شوال سے محرم تک عمرہ کرنا حرام ہے ماہ صفر سے جائز ہوتا ہے یہ عقیدہ ختم فرمادیا گیا، بعض علماء جو فرماتے ہیں کہ مکہ والے
حج کے زمانہ میں عمرہ نہ کریں، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے عمرہ کرنے سے ہجوم زیادہ ہوجائیگا اور باہر والوں پر طواف و سعی میں دشواری ہوگی یہ لوگ تو ہر وقت
عمرہ کرسکتے ہیں، باہر کے حجاج کو اس زمانہ میں عمرہ آسانی سے کرنے دیں۔ ۱؎ آپ کا نام عطاء ابن ابی رباح ہے، جلیل القدر تابعی ہیں مکہ معظمہ کے رہنے والے

وَحْدَهُ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ جَابِرٌ فَقَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُبْحَ رَابِعَةٍ مَضَتْ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ فَأَمَرَنَا أَنْ نَحِلَّ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ حِلُّوا وَأَصِيبُوا النِّسَاءَ قَالَ عَطَاءٌ وَلَمْ يَعْزِمْ عَلَيْهِمْ وَلٰكِنْ أَحَلَّهُنَّ لَهُمْ فَقُلْنَا لَمَّا لَمْ يَكُنْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ عَرَفَةَ إِلَّا خَمْسٌ أَمَرَنَا أَنْ نُفْضِيَ إِلٰى نِسَائِنَا فَنَأْتِيَ عَرَفَةَ تَقْطُرُ مَذَاكِيرُنَا الْمَنِيَّ قَالَ يَقُولُ جَابِرٌ بِيَدِهٖ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلٰى قَوْلِهٖ بِيَدِهٖ يُحَرِّكُهَا قَالَ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِينَا فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّي أَتْقَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَصْدَقُكُمْ وَأَبَرُّكُمْ وَلَوْلَا هَدْيِي لَحَلَلْتُ كَمَا تَحِلُّونَ وَلَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا

۱ عطا کہتے ہیں کہ حضرت جابر نے فرمایا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بقر عید کی چار تاریخ کی صبح مکہ معظمہ پہنچے . تو ہم کو کھل جانے کا حکم دیا عطا کہتے ہیں کہ فرمایا حلال ہوجاؤ ۔ عورتوں سے صحبت کرو ۲ عطا کہتے ہیں صحبت ان پر واجب نہ کی لیکن ان کے لیئے عورتیں حلال فرمادیں ۳ ہم نے سوچا کہ جب ہمارے اور عرفہ کے درمیان صرف پانچ دن باقی رہ گئے تو ہم کو بیویوں کے پاس جانے کی اجازت دے دی تو کیا ہم عرفہ کو اس حال میں جائیں کہ ہمارے ذکر منی ٹپکاتے ہوں ۴ راوی کہتے ہیں کہ حضرت جابر اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے گویا میں ان کا ہاتھ ہلتا دیکھ رہا ہوں ۵ فرماتے ہیں تو ہم میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے فرمایا تم جانتے ہو کہ میں تم میں سب زیادہ اللہ سے ڈرنے والا سب سے زیادہ سچا اور نیک اعمال ہوں ۶ اگر میری ہدی نہ ہوتی تو جیسے تم حلال ہو رہے ہو میں بھی حلال ہو جاتا اور جو بات بعد میں

ساتھیوں کی جماعت کا ذکر قوت استدلال کیلئے کیا یعنی میں نے اکیلے یہ حدیث نہ سنی اس کے سننے والے دوسرے لوگ بھی ہیں ۔ ۱ اکثر صحابہ نے یا ہدی نہ رہنے جانے جو اسے صحابہ نے حج کا احرام باندھا یا حضرت جابر نے اپنے اندازے سے یہ فرمایا ورنہ بہت سے صحابہ نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا خیال رہے کہ یہاں صحابہ کا ذکر ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تو قِران کیا تھا جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا بہرحال یہ حدیث دیگر احادیث کے خلاف نہیں ۔ ۲ یعنی پورے حلال ہوجاؤ جس میں بیوی سے صحبت بھی جائز ہے اس موقعہ پر کھل جانے کا حکم تو وجوبی تھا اور صحبت کا حکم اباحت کا زیادہ سے زیادہ استحباب کا بہرحال دونوں حکم یکساں نہیں ہیں ۔ ۳ علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ امر اباحت کا تھا مگر اس وقت ان لوگوں پر اپنی بیویوں سے صحبت مستحب ہوچکی تھی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تو تھا ۔ ۴ یہ کہنا یا سوچنا انکار کیلیے نہ تھا بلکہ حیرت کے لیے تھا جیسا کہ فرشتوں نے خلیفہ الٰہی کا اعلان سنکر عرض کیا تھا اَتَجْعَلُ فِيْهَا لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ نبی کے فرمان کا انکار تو کفر ہے، چونکہ یہ عمل صدیوں کے مروجہ عقیدے و عمل کے خلاف تھا اس لیے انہیں حیرت ہوئی، اسکا پہلے سے اعلان ہُوا کبھی نہ تھا اچانک حکم پہنچا ۔ ۵ یہ حضرت عطاء کا قول ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت جابر نے یہ کلام ہاتھ ہلا کر کیا جیسا کہ عادتًا بات کرتے ہیں ہاتھ ہلاتے جاتے ہیں، یا بقیہ مدت کی کمی بیان کرنے کے لیے ہاتھ ہلایا کہ جب اتنی سی رتی بھر گھڑیاں باقی رہ گئیں عرفہ کا دن بالکل قریب ہی آگیا تو صحبت حلال کی گئی ۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ ہاتھ کی حرکت ذکر کے منی ٹپکانے کی طرف اشارہ ہے مگر یہ درست نہیں معلوم ہوتا ورنہ پھر انگلی ہلائی جاتی نہ کہ ہاتھ، پہلی دو توجیہیں بہت قوی ہیں (مرقات) ۶ سرکار کے اس فرمان سے معلوم ہُوا کہ صحابہ کرام کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کی درستی میں کچھ شبہ نہ ہُوا تھا نہ انہیں قبول حکم سے سرتابی تھی صدیوں کے عقیدے کے خلاف پر تعجب تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کا شوق تھا کیونکہ حضور عالی خود حلال نہ ہوئے تھے تو گویا اسوقت حلال نہ ہونا انہوں نے سنت جانا

اِسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسُقِ الْهَدْیَ فَحِلُّوْا فَحَلَلْنَا وَسَمِعْنَا وَاَطَعْنَا قَالَ عَطَاءٌ قَالَ جَابِرٌ فَقَدِمَ
عَلِیٌّ مِنْ سِعَایَتِہٖ فَقَالَ بِمَ اَھْلَلْتَ قَالَ بِمَا اَھَلَّ بِہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ
فَاَھْدِ وَامْکُثْ حَرَامًا قَالَ وَاَھْدٰی لَہٗ عَلِیٌّ ھَدْیًا فَقَالَ سُرَاقَۃُ بْنُ مَالِکِ بْنِ جُعْشُمٍ
یَارَسُوْلَ اللہِ اَلِعَامِنَا ھٰذَا اَمْ لِاَبَدٍ قَالَ لِاَبَدٍ رَوَاہُ مُسْلِمٌ، وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ
اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَرْبَعٍ مَضَیْنَ مِنْ ذِی الْحِجَّۃِ اَوْ خَمْسٍ فَدَخَلَ عَلَیَّ وَھُوَ غَضْبَانُ
فَقُلْتُ مَنْ اَغْضَبَکَ یَارَسُوْلَ اللہِ اَدْخَلَہُ اللہُ النَّارَ قَالَ اَوَمَا شَعَرْتِ اَنِّیْ اَمَرْتُ النَّاسَ

کھل اگر پہلے سے ہم جانتے تو ہدی لاتے ہی نہیں لہذا حلال ہو جاؤ چنانچہ ہم حلال ہو گئے ہم نے آپ کا حکم سنا اور بجا لائے عطا فرماتے ہیں
کہ حضرت جابر نے کہا پھر حضرت علی اپنے دارالعمالہ سے آئے حضور انور نے پوچھا کون سا احرام باندھا عرض کیا وہ جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے باندھا حضور نے فرمایا ہدی ذبح کرو اور احرام میں ٹھہرو حضرت علی ہدی لائے تھے حضرت سراقہ ابن مالک ابن جعشم نے عرض کیا یارسول
اللہ کیا یہ ہمارے اسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کیلئے فرمایا ہمیشہ کیلئے (مسلم) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم جب بقر عید کے چار یا پانچ دن گزر گئے تو مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو میرے پاس غصہ کی حالت میں تشریف لائے میں نے
عرض کیا یارسول اللہ آپ کو کس نے رنجیدہ کیا خدا اسے دوزخ میں ڈالے فرمایا کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہم نے لوگوں کو ایک حکم دیا تو وہ

حلال ہو جانا بالکل ناجائز مانا، شوق تھا کہ افضل پر عمل کریں۔ لہذا اس سے روافض دلیل نہیں پکڑ سکتے۔ ۵۱ اس جملہ نے معاملہ صاف کر دیا کہ صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا شوق تھا نہ کہ حکم سے سرتابی، اگر مجھے تمہارے اس شوق کا پہلے سے اندازہ ہوتا تو میں بھی نہ لاتا اور تمہارے ساتھ میں بھی حلال ہو جاتا، تاکہ تمہیں حلال ہونے میں تکلف نہ ہوتا۔ خیال رہے کہ لو استقبلت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی نہیں ہوتی یہاں ظہور واقع مراد ہے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے، لو علم اللہ فیھم خیرًا یا جیسے وَلَمَّا یَعْلَمِ اللہُ الَّذِیْنَ الخ اب تک رب نے انہیں نہ جانا، یا یہ کلام اظہار افسوس کیلئے ہوتا ہے، کہ اگر ہمیں پہلے سے یہ اندازہ ہوتا کہ تمہیں اتباع سنت کا اتنا شوق ہے تو ہم بھی ہدی نہ لاتے۔ ۵۲ اس سے معلوم ہوا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل میں تعارض ہو تو قول کو ترجیح ہوتی ہے کہ عمل میں خصوصیت کا احتمال ہے، یہ احناف کا مذہب ہے، صحابہ کرام نے طاعت خوشی سے کی نہ کہ ناراضگی سے، جو کچھ تامل تھا وہ پہلے ہی ظاہر کر دیا، اس لیے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ یہ اطاعت منافقت سے تھی۔ ۵۳ اس موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن کے ساعی تھے جو صدقات وصول فرمانے وہاں تشریف لے گئے تھے، غالبًا اس گفتگو کے بعد حضرت علی یمن سے یہاں پہنچے۔ ۵۴ یعنی تم بھی ہماری طرح قارن ہو اور تمہارے ساتھ بھی ہماری طرح ہدی ہے لہذا تم بھی احرام نہ کھولو حج سے فارغ ہو کر کھولنا۔ ۵۵ یعنی تا قیامت حج کے زمانہ میں عمرہ کرنا درست ہو گیا، وہ دستور ختم کر دیا گیا کہ شوال سے صفر تک عمرہ حرام ہو مگر حج کا فسخ صرف اس سال کیلئے تھا آئندہ کبھی جائز نہ ہوگا، یہ اشارہ جواز عمرہ کی طرف ہے، نہ کہ فسخ حج کی جانب، یہ ہی جمہور علماء کا قول ہے، مرقات و لمعات ۵۶ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ناراضگی ان حضرات کے فسخ حج میں تامل کرنے کی وجہ سے تھی، کہ ان لوگوں نے ہمارے حکم پر عمل کرنے میں دیر کیوں لگائی، حضرت عائشہ صدیقہ کی یہ بددعا اظہار ناراضی کے لیے ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ غصہ اور حضرت عائشہ کی اس ناراضی سے حضرات صحابہ اسلام سے خارج نہ ہو گئے، ورنہ حضور انور

بِاَمْرٍ فَاِذَا هُمْ يَتَرَدَّدُوْنَ وَلَوْ اَنِّیْ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا سُقْتُ الْهَدْیَ مَعِیْ حَتّٰی اَشْتَرِيَهٗ ثُمَّ اَحِلَّ كَمَا حَلُّوْا رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ بَابُ دُخُوْلِ مَكَّةَ وَالطَّوَافِ

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْدَمُ مَكَّةَ اِلَّا بَاتَ بِذِیْ طُوًی حَتّٰی يُصْبِحَ وَيَغْتَسِلَ وَيُصَلِّیَ فَيَدْخُلَ مَكَّةَ نَهَارًا وَاِذَا نَفَرَ مِنْهَا مَرَّ بِذِیْ طُوًی وَبَاتَ بِهَا حَتّٰی

اس میں تردد کرتے ہیں [1] اور اگر ہم پہلے سے وہ جانتے جو بعد میں جانا تو ہم اپنے ساتھ ہدی نہ لاتے حتی کہ یہاں سے ہی قربانی خرید لیتے پھر جیسے یہ حلال ہورہے ہیں ہم بھی حلال ہوجاتے [2] (مسلم) باب۔ مکہ کا داخلہ اور طواف۔ پہلی فصل۔ روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کبھی مکہ معظمہ داخل نہ ہوتے مگر پہلے صبح تک ذی طوی میں رات گزار لیتے۔ غسل کرتے۔ نماز پڑھتے پھر دن میں مکہ معظمہ میں داخل ہوتے [3] اور جب مکہ سے واپس ہوتے تو ذی طوی پر گزرتے وہاں رات گزارتے حتی کہ

صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ساتھ حج نہ کراتے بلکہ پہلے انہیں دوبارہ کلمہ پڑھوا کر مسلمان کرتے ان کے نکاح نئے کراتے پھر حج کراتے کیونکہ کافر حج نہیں کرسکتا نہ مکہ معظمہ حج کے لیے جاسکتا ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے "فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا" کوئی کافر اس سال کے بعد مکہ معظمہ کے قریب بھی نہ ہو، یہ ناراضی ایسی ہی ہے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی پر ناراض ہوئے تھے جبکہ انہوں نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا تھا، حتی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر علی کو ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا ہے تو فاطمہ کو طلاق دیدیں، باپ بیٹے پر غصہ کرتا ہے عداوت نہیں کرتا، سعید بیٹا باپ پر رشک کرتا ہے دشمنی نہیں کرتا۔ [1] تردد اعتقاد میں نہیں عمل میں تھا، وہ بھی حضور علیہ السلام کی سنت پر عمل کے شوق میں، اگر اس موقعہ پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی احرام کھول دیا ہوتا تو کسی صحابی کو کوئی تردد وتامل نہ ہوتا۔ [2] اور ہمارے حلال ہوجانے کی صورت میں ان حضرات کو حلال ہوجانے میں کوئی تامل نہ ہوتا۔ [3] اس باب میں دو باتیں ہوں گی، مکہ معظمہ میں داخلہ کے آداب، کہ کس وقت آئے کس طرف سے آئے اور کدھر سے جائے، اور طواف کعبہ کا طریقہ، کہ طواف کس عمل سے شروع کرے اور کس پر ختم کرے۔ مکہ مَکٌّ سے بنا بمعنی ہلاکت اور سر کچل ڈالنا چونکہ اللہ تعالٰی نے کئی بار مکہ معظمہ کے دشمنوں کو ہلاک کیا انہیں کچل ڈالا اس لیے اسے مکہ کہتے ہیں یا چونکہ مکہ معظمہ متکبرین و مغروروں کے مجاہدے ریاضات کرا کے ان کے تکبر کو کچل ڈالتا ہے لہذا مکہ کہلاتا ہے۔ مکہ معظمہ کے نام و فضائل ان شاء اللہ آخر باب حج میں بیان ہوں گے، صاحب مشکوۃ خود اس کا ایک باب باندھیں گے۔ [4] ذی طوی مکہ معظمہ سے قریب مدینہ کے راہ پر ایک چھوٹی سی بستی یا کنوئیں کا نام ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں رات میں پہنچ گئے تھے، رات وہاں گزار کر بعد نماز فجر وہاں سے چلے تھے، اور دن میں مکہ معظمہ داخل ہوئے تھے، حضرت ابن عمر اس سنت پر عامل تھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ دن میں داخل ہوتا کہ کعبہ معظمہ پر پہلی نظر ہیبت و جلال سے پڑے اور دعا خوب دل سے مانگی جائے، اول نظر پر دعا بہت قبول ہوتی ہے، کعبہ کی تجلی دن میں خوب نظر آتی ہے، بہتر یہ ہے کہ چاشت کے وقت داخل ہو، غسل کرکے مکہ معظمہ میں داخل ہونا بہت بہتر ہے (مرقات) نسائی شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقعہ پر دن میں مکہ معظمہ تشریف لائے اور عمرہ کے وقت رات میں، سیدنا عبداللہ ابن عمر رات کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے منع فرماتے تاکہ حجاج کا سامان گم نہ ہو۔ ابن حبان میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ انبیاء کرام مکہ معظمہ میں پیدل برہنہ پا داخل ہوتے تھے، عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ حج کعبہ سات لاکھ بنی اسرائیل نے کیا جو مقام تنعیم سے ننگے پاؤں ہوجاتے تھے (مرقات)

يُصْبِحَ وَيَذْكُرُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ عَائِشَةَ
قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا جَاءَ اِلٰى مَكَّةَ دَخَلَهَا مِنْ اَعْلَاهَا وَخَرَجَ مِنْ اَسْفَلِهَا
مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَدْ حَجَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَتْنِيْ
عَائِشَةُ اَنَّ اَوَّلَ شَيْءٍ بَدَاَ بِهٖ حِيْنَ قَدِمَ مَكَّةَ اَنَّهٗ تَوَضَّاَ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ عُمْرَةً ثُمَّ حَجَّ
اَبُوْ بَكْرٍ فَكَانَ اَوَّلَ شَيْءٍ بَدَاَ بِهِ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ عُمْرَةً ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ مِثْلَ
ذٰلِكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا طَافَ فِي الْحَجِّ

صبح ہوجاتی اور فرماتے تھے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم یہ عمل کرتے تھے ۱؎ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ آئے تو مکہ کے اوپر کے حصہ سے داخل ہوئے اور اس کے نچلے حصے سے تشریف لیگئے ۲؎ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عروہ ابن زبیر سے ۳؎ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو مجھے حضرت عائشہ نے خبر دی کہ پہلا وہ کام جس سے حضور انور نے مکہ معظمہ آتے وقت ابتدا کی یہ تھا کہ آپ نے وضو کیا پھر بیت اللہ کا طواف کیا ۴؎ پھر عمرہ نہ ہوا ۵؎ پھر حضرت ابوبکر نے حج کیا تو پہلا وہ کام جس سے ابتدا کی یہ تھا کہ بیت اللہ کا طواف کیا پھر عمرہ نہ ہوا پھر حضرت عمر نے پھر حضرت عثمان نے اسی طرح عمل کیا ۶؎ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب

۱؎ واپسی پر ذی طویٰ میں رات گذارنا اس لیے تھا کہ تمام صحابہ جمع ہوجائیں، اور اب یہاں سے سفر مدینہ کی تیاری کرلی جائے غرضکہ آتے جاتے دونوں بار ذی طویٰ میں قیام فرمایا مگر مختلف مصلحتوں سے۔ ۲؎ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں جس میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں مکہ معظمہ اس طرف سے داخل ہوئے جسکا نام کداء تھا، مکہ معظمہ کے قبرستان جنت معلٰی کی طرف جسے اب حجون کہتے ہیں، اور واپسی کے وقت اس طرف سے نکلے جسے کدی کہتے تھے، اب اسے باب الشبیکہ کہا جاتا ہے۔ فتح مکہ میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں راستوں سے داخل و خارج ہوئے، یہ تبدیلی راہ انہیں مصلحتوں سے فرمائی جو عید کے دن عیدگاہ جاتے آتے وقت ہوا کرتی تھیں کہ تبدیلی راہ تبدیلی حال کی علامت ہو دونوں راستے گواہ بن جاویں، سارے شہر کی برکتیں میسر ہوجائیں وغیرہ وغیرہ۔ ۳؎ عروہ ابن زبیر ثقہ تابعین میں سے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ کے بھانجے یعنی اسماء کے صاحبزادے، آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایات کیں۔ ۴؎ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم غسل تو ذی طویٰ میں فرماچکے تھے اب بھی باوضو تھے یہ وضو پر وضو فرمایا: خیال رہے کہ احناف کے نزدیک طواف کے لیے طہارت واجب ہے، دوسرے اماموں کے ہاں شرط ہے، ان کی دلیل وہ حدیث ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ طواف نماز ہی ہے، ہاں طواف میں رب نے کلام جائز فرمادیا ہے، جب طواف نماز ہے تو نماز میں طہارت شرط ہے، لہذا طواف میں بھی شرط، مگر استدلال ضعیف ہے اولًا تو وہ حدیث ہی صحیح نہیں، دوم تشبیہ ہر بات میں نہیں ہوتی، دیکھو نماز میں کھانا پینا مفسد ہے مگر طواف میں کھانا پینا بالاتفاق طواف نہیں توڑتا۔
۵؎ یعنی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے سواء حج کے ساتھ والے عمرہ کے اور دوسرا عمرہ نہ کیا، آپ سے دوسرا عمرہ ثابت نہ ہوا، بعض شارحین نے یہ جملے کے اور معانی بھی کئے ہیں مگر یہ معنی بہت قوی ہیں۔ ۶؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات خلفائے راشدین نے بھی اسی طرح

اَوِ الْعُمْرَةِ اَوَّلَ مَا يَقْدِمُ سَعٰى ثَلٰثَةَ اَطْوَافٍ وَمَشٰى اَرْبَعَةً ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَطُوْفُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ **وَعَنْهُ** قَالَ رَمَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْحَجَرِ اِلَى الْحَجَرِ ثَلٰثًا وَّمَشٰى اَرْبَعًا وَّكَانَ يَسْعٰى بِبَطْنِ الْمَسِيْلِ اِذَا طَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ **وَعَنْ جَابِرٍ** قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ اَتَى الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَهٗ ثُمَّ مَشٰى عَلٰى يَمِيْنِهٖ فَرَمَلَ ثَلٰثًا وَّمَشٰى اَرْبَعًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ **وَعَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَرَبِيٍّ** قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ اِبْنَ عُمَرَ اِسْتِلَامِ الْحَجَرِ فَقَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یا عمرہ کا آتے ہی طواف کرتے تو تین چکروں میں تیز چلتے اور چار میں درمیانی چال چلتے [۱] پھر دو رکعتیں پڑھتے پھر صفا و مروہ کا طواف فرماتے [۲] (مسلم بخاری) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سنگ اسود سے سنگ اسود تک تین چکروں میں رمل فرماتے اور چار میں معمولی رفتار [۳] اور جب صفا و مروہ کا طواف کیا تو بطن مسیل میں دوڑتے تھے [۴] (مسلم) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ تشریف لائے تو حجر اسود پر پہنچے اسے چوما [۵] پھر اس کی داہنی طرف چلے تو تین چکروں میں رمل کیا اور چار میں معمولی چال اختیار کی [۶] (مسلم) روایت ہے حضرت زبیر ابن عربی سے [۷] فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت ابن عمر سے سنگ اسود چومنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

عمل کیا کہ مکہ معظمہ میں آتے ہی طواف کیا اور حج سے پہلے صرف یہی ایک عمرہ کیا جس کا احرام حج کے احرام کے ساتھ باندھا تھا: بعض حجاج حج سے پہلے اور حج کے بعد بہت سے عمرے کرتے رہتے ہیں یہ بھی اچھا ہے، بعض شارحین نے فرمایا کہ مکہ معظمہ سے عمرہ کے لیے بار بار جانا صحابہ سے ثابت نہیں بجز حضرت عائشہ صدیقہ کے کہ آپ بیے ہوئے عمرہ کو پورا کرنے کے لیے تنعیم سے احرام باندھ کر آئیں (مرقات) لیکن عمدۃ حضرت عروہ کا قول ہے ذکر عائشہ صدیقہ کا ۔ [۱] ایک طواف میں سات چکر ہوتے ہیں، پہلے طواف میں تین چکروں میں سینہ تان کر اکڑتے ہوئے، بہادری دکھاتے ہوئے چلنا، بقیہ چار چکروں میں معمولی رفتار پر چلنا سنت ہے، باقی طوافوں میں رمل نہ کرے۔ [۲] ہر طواف کے بعد دو نفل پڑھنا سنت ہے، بہتر یہ ہے کہ یہ نفل مقام ابراہیم کے سامنے پڑھے، اگر فجر یا عصر کے بعد طواف کرے، تو ان وقتوں میں نفل نہ پڑھے، جتنے طواف کرلے ہوں اتنی نوافل بعد میں پڑھے۔ [۳] اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ رکن یمانی و رکن اسود کے درمیان رمل نہ کرے معمولی رفتار سے چلے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پورے چکر میں رمل کرے طواف کا ہر چکر رکن اسود سے شروع ہوتا ہے اور وہاں ہی ختم ہوتا ہے۔ [۴] یعنی صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے دو ہرے میلوں کے درمیان تو دوڑتے تھے آگے پیچھے راستہ میں رفتار سے چلتے تھے۔ [۵] سنگ اسود چومنے کے چار طریقے ہیں خود اس پر لب لگا کر بوسہ دینا اسے ہاتھ سے چھو کر ہاتھ چوم لینا چھڑی وغیرہ لگا کر چھڑی چوم لینا دور سے سنگ اسود کی طرف ہاتھ کرکے ہاتھ چوم لینا، پہلی صورت بہت بہتر ہے اگر میسر ہو باقی دو صورتیں بھی جائز ہیں یہاں پہلی صورت مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں طرح سنگ اسود چوما ہے، منہ لگا کر چومنا کبھی کبھی میسر ہوتا ہے اکثر چوتھی صورت ہی میسر ہوتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف شروع کرتے وقت سنگ اسود چومنا سنت ہے۔ [۶] ظاہر یہ ہے کہ اگلے تین چکروں میں پورے چکر میں رمل فرمایا یعنی سنگ اسود سے سنگ اسود تک۔ [۷] زبیر ابن ابی عربی تابعی بصری ہیں، حضرت ابن عمر سے سماع ثابت ہے ان سے مرو۔

يَسْتَلِمُهُ وَيُقَبِّلُهُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ أَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُ مِنَ الْبَيْتِ إِلَّا الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَلَى بَعِيرٍ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔ وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ بِالْبَيْتِ عَلَى بَعِيرٍ كُلَّمَا أَتَى عَلَى الرُّكْنِ أَشَارَ إِلَيْهِ بِشَيْءٍ فِي يَدِهِ وَكَبَّرَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔ وَعَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوفُ

کو اسے ہاتھ لگاتے اور چومتے دیکھا [۵] (بخاری) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کے دو گوشوں یمانیوں کے سوا کسی اور چیز کو چومتے نہ دیکھا [۲] (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اونٹ پر طواف کیا [۳] اور رکن اسود کو چھڑی سے چومتے تھے [۴] (مسلم، بخاری) روایت ہے انہی سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کا طواف اونٹ پر کیا۔ جب بھی رکن پر آتے تو اپنے ہاتھ کی کسی چیز سے اس کی طرف اشارہ کر دیتے [۵] (بخاری) روایت ہے حضرت ابوطفیل سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

یہ بھی ایک حدیث مروی ہے (اشعہ) اور زبیر ابن عدی کوفی ہیں تابعی ہیں، انہوں نے حضرت انس ابن مالک سے سنا ہے (مرقات) [۵] کہ یہ چومنا جائز ہے یا ناجائز، اگر جائز ہے تو سنت بھی ہے یا نہیں، بعض جہلا کو خیال ہو گیا تھا کہ یہ پتھر پرستی ہے، ان پر شیطانی توحید کا زور ہو گیا تھا، اس لیے صحابہ کرام سے یہ سوالات ہوتے تھے۔ [۱] اس طرح کہ کبھی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے منہ لگا کر چوما اور کبھی ہاتھ سے سنگ اسود چھو اور ہاتھ شریف چوم لیا۔ [۲] خانہ کعبہ کے چار گوشے ہیں، ہر گوشہ کو رکن کہتے ہیں، رکن اسود، رکن یمانی، رکن عراقی، رکن شامی، رکن اسود کو دو عظمتیں حاصل ہیں، ایک یہ بناء ابراہیمی پر ہے، دوسرے اس میں سنگ اسود واقع ہے اس لئے اسے منہ یا ہاتھ لگا کر چومنا سنت ہے، رکن یمانی کو صرف ایک عظمت حاصل ہے بنیاد ابراہیمی پر ہونا، اس لیے اسے صرف ہاتھ لگا کر چومنا سنت ہے منہ نہ لگانا بہتر (مرقات) باقی دو رکن عراقی، شامی کو ان دونوں میں سے کوئی عظمت حاصل نہیں، کیونکہ یہ درمیان کعبہ میں ہیں حطیم شریف بھی داخل کعبہ ہے اس لیے انہیں چومنا سنت نہیں۔ [۳] بلا مجبوری و معذوری سواری پر طواف کرنا ممنوع ہے، طواف میں چلنا واجب ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ پر طواف لوگوں کی تعلیم کیلیے تھا تاکہ تمام لوگ یہ طواف دیکھ کر طواف کرنا سیکھ لیں۔ لہذا یہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے اور یہ حضور کا معجزہ ہے کہ اونٹ نے اس وقت پیشاب پاخانہ نہ کیا ہم لوگ مجبوری کی حالت میں بھی اونٹ گھوڑا حرم شریف میں نہیں لے جا سکتے ڈولی میں طواف کریں گے جیساکہ بیمار و بڈھے لوگ کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف قدوم تو پیدل کیا اور طواف زیارت سواری پر۔ لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور نے طواف میں رمل کیا اور سواری پر رمل ناممکن ہے بعض شارحین نے فرمایا کہ حضور انور اس وقت بیمار تھے، اس لیے سواری پر طواف کیا مگر یہ غلط ہے، ہاں بعض روایات میں ہے کہ حضور انور نے ایک عمرہ میں صفا مروہ کی سعی سواری پر کی مگر بیماری کی وجہ سے اس سعی میں حضور ان پہاڑوں پر چڑھے بھی نہیں، صفا مروہ کی سعی سواری پر کرنا ممنوع ہے (از مرقاۃ) [۴] کوئی ٹیڑی چھڑی حضور انور کے ہاتھ شریف میں تھی جو اونٹ سے سنگ اسود تک پہنچ جاتی تھی اس طرح چومنا جائز ہے۔ [۵] اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک

بِالْبَيْتِ وَيَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ مَعَهُ وَيُقَبِّلُ الْمِحْجَنَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْكُرُ اِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفٍ طَمِثْتُ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِيْ فَقَالَ لَعَلَّكِ نُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّ ذٰلِكِ شَيْءٌ كَتَبَهُ اللهُ بَنَاتِ اٰدَمَ فَافْعَلِيْ مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ غَيْرَ اَنْ لَّا تَطُوْفِيْ بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَطْهُرِيْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَنِيْ اَبُوْ بَكْرٍ فِي الْحَجَّةِ الَّتِيْ اَمَّرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ حَجَّةِ

بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھا ۱؎ آپ اپنے پاس ہاتھ کی چھڑی سے سنگ کو چھوتے اور چھڑی چوم لیتے (مسلم) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے حج کے سوا کسی چیز کا خیال بھی نہ کرتے تھے ۲؎ جب ہم مقام سرف میں پہنچے ۳؎ تو میں کپڑوں سے ہوگئی ۴؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو میں رو رہی تھی فرمایا شاید تم حیض سے ہوگئی میں نے عرض کیا ہاں ۵؎ فرمایا کہ یہ تو وہ شے ہے جو اللہ تعالٰی نے عورتوں پر مقرر فرمادی ۶؎ جو کچھ حاجی کریں تم بھی کرو بجز اس کے کہ طواف بیت اللہ نہ کرنا حتی کہ پاک ہوجاؤ ۷؎ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں حضرت ابوبکر نے اس حج میں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امیر الحج بنایا تھا یعنی حجۃ الوداع سے پہلے ۸؎

یہ کہ سواری پر طواف کرنے والا صرف رکن اسود پر اشارہ سے بوسہ دے گا رکن کی طرف اشارہ کرنا نہیں چاہیئے اسے صرف ہاتھ لگا کر چومنا ہی سنت ہے دوسرے یہ کہ رکن اسود سے کوئی لمبی چیز لگا کر اسے چومنا بھی سنت سے ثابت ہے اور صرف اشارہ کرکے ہاتھ چوم لینا بھی درست ہے۔ ۱؎ یعنی میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری پر طواف کرتے دیکھا، تب ہی تو حضور علیہ السلام نے چھڑی سے سنگ اسود کو مس کرکے چھڑی چوم لی (مرقات)۔ ۲؎ کیونکہ صدیوں سے اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ شوال سے محرم تک عمرہ جائز نہیں، یہ حج کے مہینے ہیں، ہم بھی یہ ہی خیال لئے ہوئے حج کو گئے تھے، مگر یہ فرمان پچھلی روایت کے خلاف ہے جہاں آپ نے فرمایا تھا کہ میں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا، ممکن ہے کہ یہاں عوام کا خیال مراد ہو نہ کہ اپنا۔ ۳؎ سرف مکہ معظمہ سے چھ میل کے فاصلہ پر جانب مدینہ منورہ پر ایک مقام ہے، اب مدینہ منورہ کا راستہ بدل چکا ہے سرف نہیں، یہاں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا مزار ہے۔ ۴؎ نفست نون کے فتح سے بمعنی حیض ہے اور نون کے پیش سے ولادت کے خون کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں پہلے معنی میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ سمجھی تھیں کہ حائضہ کی حالت میں عورت حج نہیں کرسکتی، کیونکہ طواف حج کا رکن اعلٰی ہے جب وہ ہی نہ ہوسکا تو باقی ارکان بھی ادا نہ ہوسکیں گے اسلئے آپ روئیں کہ اب کیا کروں ۵؎ بنات آدم سے ساری عورتیں مراد ہیں جن میں حضرت حوا بھی داخل ہیں کہ انہیں بھی ماہواری آتی تھی، بعض علماء نے فرمایا کہ حضرت مریم کو، اور بعض نے کہا فاطمہ زہرا کو بھی ایام نہ آتے تھے، یعنی اے عائشہ اس میں رونے کی کیا بات ہے یہ عارضہ تو ساری عورتوں کو ہوا ہی کرتا ہے ع مرگ انبوہ جشنے دارد۔ ۶؎ کیونکہ طواف مسجد میں ہوتا ہے اور حائضہ عورت مسجد میں جا نہیں سکتی نیز بعد والی سعی بھی نہیں کرسکتی کہ سعی طواف کے بعد ہی چاہیئے ۷؎ فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں حج فرض ہوا، مگر اس سال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف نہ لے گئے کیونکہ حضور کو علم تھا کہ ابھی ہمارا حج فوت ہونے والا نہیں اور دینی امور میں بہت مشغولیت تھی، بلکہ حضرت صدیق اکبر کو مع حضرت علی و چند صحابہ کے امیر الحج بنا کر بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کو حج بھی کرادیں اور یہ اعلان بھی کردیں اس میں خلافت صدیقی کی طرف اشارہ ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر ہی کو حج کا امام بنایا اور انہیں کو نماز کا امام بنا کر اپنے مصلے پر کھڑا کیا، عمل استخلاف ہوگیا۔

الْوَدَاعِ يَوْمَ النَّحْرِ فِي رَهْطٍ أَمَرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ فِي النَّاسِ لَا لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَّلَا يَطُوفَنَّ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اَلْفَصْلُ الثَّانِي

عَنِ الْمُهَاجِرِ الْمَكِّيِّ قَالَ سُئِلَ جَابِرٌ عَنِ الرَّجُلِ يَرَى الْبَيْتَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فَقَالَ قَدْ حَجَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ نَكُنْ نَفْعَلُهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ اَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ مَكَّةَ فَاَقْبَلَ اِلَى الْحَجَرِ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ اَتَى الصَّفَا فَعَلَاهُ حَتّٰى

بقر عید کے دن مجھے ایک جماعت میں بھیجا جسے آپ نے حکم دیا کہ لوگوں میں یہ اعلان کر دو[1] کہ خبردار اس سال کے بعد کوئی کافر حج نہ کرے اور کوئی ننگا طواف نہ کرے[2] (مسلم بخاری) دوسری فصل۔ روایت ہے حضرت مہاجر مکی سے فرماتے ہیں کہ حضرت جابر سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو بیت اللہ کو دیکھ کر اپنے ہاتھ اٹھائے فرمایا ہم نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا ہم تو یہ نہ کرتے تھے[3] (ترمذی، ابوداؤد) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ حجر اسود کے سامنے آئے اسے چوما پھر بیت اللہ کا طواف کیا پھر صفا پر تشریف لائے تو اس پر اتنا چڑھے

[1] یعنی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے جناب صدیق کو حج کا امیر بنایا، اور جناب صدیق نے مجھے اس اعلان کا حکم دیا، چونکہ اس جماعت مؤذن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ امیر تھے دوسرے حضرات مامور، اس لئے ضمیر واحد ارشاد ہوئی۔ [2] سوائے قریش کے باقی تمام کفار عرب بالکل ننگے طواف کرتے تھے کہتے تھے کہ قریش تو ہوئے بے گناہ ہم ہیں گنہگار، ہم ان کپڑوں میں طواف نہ کریں گے جن میں گناہ کرتے رہے ہیں یا آئندہ گناہ کریں، لہذا نہ تو پرانے کپڑوں میں طواف کرتے تھے نہ نئے سلوا کر ان نئے کپڑوں میں، ہاں اگر کسی کو قرشی کرایہ پر کپڑا دے دیتا وہ پہن کر طواف کر سکتا تھا، اس کپڑوں کے کرایہ سے انہیں بہت آمدنی تھی۔ اس اعلان میں دو چیزوں سے روکا گیا، مشرکوں و کفار کو حج کرنے سے، رب تعالٰی فرماتا ہے۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا مشرک و کفار گندے ہیں اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔ دوسرے ننگے طواف کرنے سے رب تعالٰی فرماتا ہے وَخُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ اس سے معلوم ہوا کہ عام مسجدوں میں کفار کو اپنی عبادات کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ خیال رہے کہ ننگے طواف کرنا ہمیشہ ہی کیلئے منع فرما دیا گیا حج میں ہو یا بعد حج، یہ حکم دائمی ہے غیر منسوخ۔ [3] یعنی بیت اللہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بدعت ہے سنت نہیں، امام ابوحنیفہ و شافعی و مالک رضی اللہ عنہم کا یہ مذہب ہے، امام احمد کے ہاں ہاتھ اٹھانا سنت ہے، مرقات نے فرمایا کہ ان تین اماموں کے ہاں بھی کعبہ دیکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا سنت ہے، فتح القدیر و مرقات میں بیہقی سے ہے کہ فاروق اعظم فرماتے ہیں۔ کہ جب بیت اللہ شریف کو دیکھو تو ہاتھ اٹھا کر پڑھو اللھم انت السلام شافعی نے حضرت ابن جریج سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظمہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھاتے اور یہ دعا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ زِدْ هٰذَا الْبَيْتَ تَشْرِيْفًا وَّتَعْظِيْمًا الٰہی اس گھر کی عزت و شرف اور بڑھا دے، بیہقی نے بھی اس کی مثل روایت کی، اجبکہ ثبوت و نفی کی روایات میں تعارض ہوا تو ثبوت کی روایات کو ترجیح ہو گی، نفی کرنے والوں کو اسکی خبر نہ ہوئی، یا یوں کہو کہ اول نظر پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے، پھر جب بھی کعبہ نظر آئے بغیر ہاتھ اٹھائے دعا کرے، اس طرح دونوں روایتیں جمع ہیں، بہرحال ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ممنوع نہیں بلکہ سنت سے ثابت ہے (مرقات) [4] یہ واقعہ یا تو حجۃ الوداع کا ہے یا کسی عمرہ کا اور صفا کی طرف جانا طواف اور طواف کی نماز ادا کرکے ہے۔

يَنْظُرُ اِلَى الْبَيْتِ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يَذْكُرُ اللهَ مَاشَآءَ وَيَدْعُوْا رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطَّوَافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلٰوةِ اِلَّا اَنَّكُمْ تَتَكَلَّمُوْنَ فِيْهِ فَمَنْ تَكَلَّمَ فِيْهِ فَلَا يَتَكَلَّمَنَّ اِلَّا بِخَيْرٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَذَكَرَ التِّرْمِذِيُّ جَمَاعَةً وَقَفُوْهُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ الْحَجَرُ الْاَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ اَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِيْ اٰدَمَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ

کہ بیت اللہ نظر آگیا۔ تو اپنے ہاتھ اٹھائے تو اللہ کا ذکر و دعا کرتے رہے جتنا رب نے چاہا ۱؎ (ابوداؤد) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیت اللہ کے گرد طواف نماز کی طرح ہے ۲؎ بجز اس کے کہ تم اس میں بات کرسکتے ہو تو جو طواف میں کلام کرے تو اچھا ہی کلام کرے ۳؎ (ترمذی، نسائی، دارمی) اور ترمذی نے اس جماعت کا ذکر کیا جنہوں نے اسے ابن عباس پر موقوف کیا۔ روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ حجر اسود جنت سے آیا ۴؎ وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ اسے آدمیوں کے گناہوں نے سیاہ کردیا ۵؎ (احمد، ترمذی) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے ۶؎ روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں

۱؎ اس زمانہ میں صفا پر بہت اوپر چڑھ کر کعبہ نظر آتا تھا، اب تو زمین پر ہی نظر آجاتا ہے کہ زمین بہت اونچی ہوچکی ہے اور مروہ پر بالکل نظر نہیں آتا، مگر ادائے سنت کے لیے کچھ چڑھ جانا چاہیئے، بہتر یہ ہے کہ وہاں جو دل چاہے دعا مانگے، کوئی خاص مقرر نہ کرے کہ اس مقرر کرنے میں دل میں خشوع نہیں پیدا ہوتا۔ ۲؎ طواف بھی نماز کی طرح بہترین عبادت ہے، علماء فرماتے ہیں کہ مکہ والوں کیلیے نماز طواف سے افضل ہے اور باہر والوں کیلیے طواف نماز سے افضل کہ انہیں اس خاص زمانہ ہی میں طواف میسر ہوتا ہے (اشعہ) ۳؎ یعنی طواف کی حالت میں دنیاوی کلام بھی جائز ہے لیکن جائز کلام کرے ناجائز باتیں غیبت جھوٹ وغیرہ نہ کرے۔ اس حدیث کی بنا پر بعض اماموں نے طواف میں وضو فرض مانا کہ نماز میں وضو فرض ہے اور طواف نماز کی طرح ہے لہذا اس میں بھی وضو فرض ہوا۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ہاں وضو فرض نہیں، اولًا تو اس لیے کہ یہ حدیث ظنی ہے اور ظنیات سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی، دوسرے اس لیے کہ کپڑوں کی پاکی، کعبہ کو منہ، قرأت قرآن، رکوع، سجود وغیرہ ان اماموں کے ہاں بھی طواف میں فرض نہیں، حالانکہ یہ چیزیں نماز میں فرض ہیں معلوم ہوا کہ طواف کو نماز سے صرف عبادت ہونے میں تشبیہ دی گئی ہے نہ کہ شرائط و ارکان کے اشتراط میں (اشعہ) ۴؎ حدیث بالکل ظاہری معنی میں ہے بلا وجہ کسی تاویل و توجیہ کی ضرورت نہیں، واقعی یہ پتھر جنت سے آیا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ گھر جو آدم علیہ السلام کے طواف و سجدوں کیلیے جنت سے آیا تھا جو طوفان نوح کے وقت اٹھا لیا گیا اسی کا یہ پتھر ہو جو باقی رکھا گیا یا مستقل طور پر وہاں سے یہ پتھر لایا گیا ہو۔ ۵؎ یعنی یہ پتھر شفاف آئینہ یا سیاہی چوس کاغذ کی طرح ہے جیسے شفاف آئینہ گرد و غبار سے میلا، اور سیاہی چوس کاغذ گیلے حرفوں پر لگنے سے سیاہ ہوجاتا ہے، ایسے ہی یہ پتھر ہم گنہگاروں یا گزشتہ مشرکوں کے ہاتھ لگنے سے برابر سیاہ ہوتا چلا گیا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جب ہمارے گناہ چھونے سے سنگ اسود سیاہ ہوگیا تو گناہوں سے دل بھی میلا ہوجاتا ہے اور بدکاروں گنہگاروں کی صحبت سے

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَجَرِ وَاللّٰهِ لَيَبْعَثَنَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَهٗ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا وَلِسَانٌ يَّنْطِقُ بِهٖ يَشْهَدُ عَلٰى مَنِ اسْتَلَمَهٗ بِحَقٍّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الرُّكْنَ وَالْمَقَامَ يَاقُوْتَتَانِ مِنْ يَّاقُوْتِ الْجَنَّةِ طَمَسَ اللّٰهُ نُوْرَهُمَا وَلَوْلَمْ يَطْمِسْ نُوْرَهُمَا لَاَضَاءَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔ وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُزَاحِمُ عَلَى الرُّكْنَيْنِ زِحَامًا مَا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر کے متعلق فرمایا رب کی قسم اللہ اسے قیامت کے دن ایسے اٹھائیگا کہ اس کی دو آنکھیں ہونگی جن سے وہ دیکھتا ہوگا اور ایک زبان ہوگی جس سے بولتا ہوگا حق سے چومنے والوں کی گواہی دیگا [۱] (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ رکن اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے یاقوت ہیں [۲] جن کی روشنی اللہ نے چھپالی ہے اگر ان کی روشنی نہ چھپاتا تو یہ پورب پچھم کے درمیان کو چمکا دیتے [۳] (ترمذی) روایت ہے حضرت عبید ابن عمیر سے کہ حضرت ابن عمر دو رکنوں میں اس قدر بھیڑ میں گھستے [۴] کہ

اچھے برے بن جاتے ہیں، بروں کی صحبت سے پرہیز چاہیئے، رب فرماتا ہے فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ صحبت کی تاثیر ضروری ہے [۵] یہ حدیث احمد، نسائی، ابن عدی، بیہقی، طبرانی وغیرہ نے مختلف اسنادوں سے روایت کی، غرضکہ حدیث بہت قوی ہے۔

[۱] حدیث بالکل ظاہر ہے، کسی تاویل و توجیہ کی ضرورت نہیں قیامت میں قرآن ہمارے نیک اعمال وغیرہ تمام کی شکلیں ہوں گی اور سب کلام کریں گے بلکہ ہمارے اعضاء بھی بولیں گے، رب تعالٰی فرماتا ہے۔ وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ جو رب تعالٰی ان چیزوں کو گویائی بخش سکتا ہے وہ سنگ اسود کو بھی گویائی، آنکھ وغیرہ بخش سکتا ہے۔ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ سنگ اسود حاجیوں کی شفاعت کرے گا۔ دوسرے یہ کہ سنگ اسود بحکم الٰہی نافع ہے۔ تیسرے یہ کہ سنگ اسود کا چومنا مفید ہے قیامت میں کام آئیگا۔ چوتھے یہ کہ کروڑوں آدمیوں نے اسے چوما اس سب کو جانتا پہچانتا ہے۔ پانچویں یہ کہ سنگ اسود ہمارے دلوں کے اخلاص و نفاق کو بھی جانتا ہے کہ کون اخلاص سے چوم رہا ہے اور کون نفاق سے۔ چھٹے یہ کہ سنگ اسود حاجیوں کے اچھے برے خاتمہ کو جانتا ہے۔ کہ کون ایمان پر مرا اور کون کفر پر، تب ہی تو وہ مومن مخلص کی شفاعت کریگا، مرتد، منافق کی شفاعت نہ کرے گا جب ایک پتھر کے علم و تقوے کا یہ حال ہے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم جن کو رب نے سید الخلق بنایا ان کے علوم کا کیا پوچھنا، جو لوگ حضور انور کے لیے علم غیب نہیں مانتے وہ اس حدیث میں غور کریں۔ [۲] یعنی ان دونوں جنتی یاقوتوں کو دنیا میں بھیجنے سے پہلے ان کا اصلی نور چھپا لیا گیا، تاکہ جنت پر ایمان بالغیب رہے، حجر اسود اور مقام ابراہیم دونوں ہی جنت کے جواہرات میں سے ہیں۔ [۳] اور ان کی جگمگاہٹ سورج کو خیرہ کردیتی، سنگ اسود کو کفار قرامطہ اٹھالے گئے تھے، انہوں نے مکہ معظمہ میں اتنا قتل و خون کیا تھا کہ حرم شریف اور چاہ زمزم خون سے بھر گیا تھا، حجر اسود سے بولے کہ تو ہی شرک کا سرچشمہ خدا کے سوا تو کب تک بنا رہے گا، بائیس سال تک یہ ان کے قبضہ میں رہا، پھر مکہ والوں نے انہیں بہت سا مال دے کر سنگ اسود مانگا تو وہ بولے کہ وہ پتھر دوسرے پتھروں سے مخلوط ہوگیا ہے آؤ پہچان کرلے جاؤ، مکہ معظمہ کے علماء نے کہا کہ جس پتھر پر آگ اثر نہ کرے وہ سنگ اسود ہے کیونکہ جنتی چیز میں آگ اثر نہیں کرتی، چنانچہ پتھر آگ سے تپے گئے یہ گرم بھی نہ ہوا، اس علامت سے واپس لائے، جاتے وقت اس پتھر کے بوجھ سے کئی سواونٹ دب کر

رَأَيْتُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُزَاحِمُ عَلَيْهِ قَالَ إِنْ أَفْعَلْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ مَسْحَهُمَا كَفَّارَةٌ لِلْخَطَايَا وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ مَنْ طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ أُسْبُوعًا فَأَحْصَاهُ كَانَ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ لَا يَضَعُ قَدَمًا وَلَا يَرْفَعُ أُخْرٰى إِلَّا حَطَّ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةً وَكَتَبَ لَهُ بِهَا حَسَنَةً رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ رَوَاهُ أَبُو دَاوٗدَ وَعَنْ

میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی کو وہاں اس قدر گھستے نہ دیکھا ۱ فرماتے ہیں اگر میں یہ کرتا ہوں تو درست ہے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ان کا چھونا گناہوں کا کفارہ ہے ۲ اور میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ جو اس بیت اللہ کا ایک ہفتہ نہایت حفاظت و احتیاط سے طواف کرے گا تو غلام آزاد کرنے کی طرح ہوگا اور میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ طواف کرنیوالا ایک قدم نہیں رکھتا اور دوسرا نہیں اٹھاتا مگر رب تعالٰی ان کی برکت سے ایک گناہ مٹاتا ہے اور ایک نیکی لکھتا ہے ۳ (ترمذی) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سائب سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دو رکنوں کے درمیان فرماتے سنا الٰہی ہم کو دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچالے ۴ (ابوداؤد) روایت ہے

رہ گئے تھے مگر واپسی کے وقت ایک دُبلا اونٹ لے کر مکہ سے آیا، غرضکہ سنگ اسود عجیب نورانی بابرکت پتھر ہے (مرقاۃ) ۴ آپ جلیل القدر تابعی ہیں، حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں پیدا ہوئے تھے مگر زیارت نہ کر سکے آپکی کنیت ابوعاصم ہے قبیلہ بنی لیث سے ہیں حجازی ہیں مکہ معظمہ کے قاضی ہیں، حضرت ابن عمر کی وفات سے کچھ پہلے ہی وفات پا گئے۔ ۵ یعنی ہر طواف کے اوّل و آخر میں حضرت ابن عمر سنگ اسود و یمانی چومنے کی بہت کوشش کرتے تھے۔ بھیڑ میں گھس کر چومتے تھے، مگر اس طرح کہ کسی کو آپ سے ایذاء نہ ہو کہ وہاں ایذاء دینا ممنوع ہے۔

۱ حتی کہ کبھی حضرت ابن عمر کی ناک شریف اس بھیڑ میں زخمی ہو جاتی تھی، دیگر صحابہ کرام اس ایذاء کو دیکھ کر بھیڑ میں نہ گھستے تھے بلکہ اشارے سے چوم لیتے تھے، آجکل ان صحابہ کی سنّت پر عمل کرنا چاہیے، اگر چومنے کا شوق ہو تو رات کے آخری حصے میں یا دوپہری میں طواف کرے ان اوقات میں آسانی سے بوسہ نصیب ہو جاتا ہے، فقیر کا تجربہ ہے۔ ۲ گناہ صغیرہ کا نہ کہ حقوق العباد کا، بعض لٹیرے بدّو حجاج کو قتل اُنکا مال لوٹ کر، سنگ اسود چوم جاتے طواف کر جاتے تھے اور کہتے یہ تھے کہ جو ہم کر آئے تھے وہ معاف ہو گیا یہ انکی جہالت و حماقت تھی، اب تو وہاں بہت امن ہے ۳ اسطرح کہ مسلسل ایک ہفتہ طواف کرے، کوئی دن ناغہ نہ ہو، اور طواف کی تمام سنتیں و مستحبات ادا کرے یہ دونوں چیزیں احصاہا سے ثابت ہوئیں۔ ۴ اسطرح کہ ایک قدم رکھنے پر گناہ کی معافی دوسرا قدم اٹھانے پر بلندی درجہ میسّر ہوتی ہے۔ اور بے گناہ آدمی کو دونوں قدموں پر بلندی درجات ہے۔ ۵ یعنی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم طواف کی حالت میں رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیان ہوتے تو یہ جامع دعا مانگتے تھے کیونکہ اس جگہ ستر فرشتے مقرر ہیں جو طواف والے کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں، اور یہاں فاصلہ بھی اتنا ہی ہے کہ یہ مختصر دعا پڑھ لی جائے، اسلئے سرکار یہاں یہ جامع دعا پڑھتے تھے، شیخ نے اشعۃ میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالت طواف اس دعا کے سوا کوئی اور دعا منقول نہیں اب جو طواف کیساتھ چکروں کی الگ

صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَتْ اَخْبَرَتْنِي بِنْتُ اَبِي تَجْرَاةَ قَالَتْ دَخَلْتُ مَعَ نِسْوَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ دَارَ اٰلِ اَبِي حُسَيْنٍ نَنْظُرُ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَرَأَيْتُهُ يَسْعٰى وَاِنَّ مِئْزَرَهُ لَيَدُوْرُ مِنْ شِدَّةِ السَّعْيِ وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ اِسْعَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَى اَحْمَدُ اِخْتِلَافٍ **وَعَنْ** قُدَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمَّارٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ عَلٰى بَعِيْرٍ لَا

حضرت صفیہ بنت شیبہ سے[1] فرماتی ہیں مجھے ابی تجارہ کی بیٹی نے خبر دی فرماتی تھیں کہ میں چند قرشی بیبیوں کے ساتھ ابی حسین کے خاندان کے گھر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے گئی[2] جب کہ آپ صفا و مروہ کے درمیان سعی کر رہے تھے تو میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کا تہبند شریف تیز دوڑنے کے باعث گردش کر رہا تھا[3] اور میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ لوگو سعی کرو اللہ نے تم پر سعی واجب کی[4] (شرح سنہ) اور احمد نے کچھ اختلاف سے روایت کی۔ روایت ہے حضرت قدامہ ابن عبداللہ ابن عمار سے[5] فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو صفا مروہ کے درمیان اونٹ پر سعی کرتے دیکھا[6]

الگ دعائیں مانگی جاتی ہیں وہ سلف صالحین سے منقول ہیں: اس دعا کی شرح ہم کتاب الدعوات میں کر چکے ہیں: یہاں اتنا سمجھ لو کہ دنیا و آخرت کی بھلائی کی ستر شرحیں کی گئی ہیں مگر مختصر و جامع و لذیذ شرح یہ ہے کہ دنیا کی بھلائی اتباع آقا و اطاعت مولیٰ ہے۔ آخرت کی بھلائی حضور کا قرب و دیدار ہے اور عذاب نار حجاب یار ہے۔ اللہ تعالٰی یہ نعمتیں نصیب کرے اور حجاب سے بچائے آمین۔ [1] یہ صفیہ تابعین میں سے ہیں، ان کا نام صفیہ بنت شیبہ ابن عثمان ابن طلحہ حجبی ہے یعنی عثمان ابن طلحہ جو کعبہ شریف کے کلید بردار ہیں۔ انکی پوتی ہیں اور بنت ابی تجراۃ کا نام حبیبہ ہے بنی عبدالدار سے ہیں، تجراۃ ت کے زبر یا پیش سے جیم کے سکون رے کے زبر سے ہے۔ [2] آل حسین کا یہ گھر سعی کے کنارہ پر تھا جہاں سے سعی بخوبی دیکھی جاسکتی تھی یہ حضور کی سعی دیکھنے اس لیے گئیں کہ سعی کا طریقہ سیکھ لیں اور حضور انور کی زیارت سے شرف حاصل کریں جو تمام عبادات سے بہتر عبادت ہے، کہ کعبہ کے دیکھنے سے انسان حاجی بنتا ہے حضور کو دیکھنے سے صحابی، اور ایک صحابی تمام جہان کے حاجیوں، غازیوں سے افضل ہے، کوئی شخص صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، رب فرماتا ہے "وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ" یعنی دوسرے مسلمان صحابہ کو نہیں مل سکتے۔ [3] اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے سعی پیدل کی نہ کہ سواری پر، یہ ہی سنت ہے، بلا عذر سواری پر سعی کرنا مکروہ و خلاف سنت ہے، جن روایات میں ہے کہ حضور نے سواری پر سعی کی وہ کسی عمرے میں تھی، جو بیماری وغیرہ کسی عذر کی وجہ سے یا لوگوں کی تعلیم کے لیے تھی جیسے حضور انور نے بغرض تعلیم سواری پر طواف بھی کیا۔ [4] حج میں سعی امام شافعی و احمد و مالک رحمہم اللہ تعالٰی کے ہاں فرض ہے کہ اس کے رہ جانے پر حج باطل ہوگا مگر امام اعظم قدس سرہ کے ہاں واجب ہے کہ اس کے رہ جانے پر دم واجب ہوگا، ان اماموں کی دلیل یہ حدیث ہے۔ امام اعظم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی: بعض علماء کے ہاں سعی نفل ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا" مگر یہ دلیل کمزور ہے (مرقات، و لمعات وغیرہ) حضرت ابن عباس، ابن زبیر، انس ابن مالک رضی اللہ عنہم سعی کو نفل ہی مانتے ہیں۔ [5] آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں ضعفاء مکہ معظمہ سے تھے، اس لیے وہاں سے ہجرت نہ کرسکے (اشعہ) [6] یہ سعی حجۃ الوداع کی سعی نہیں بلکہ کسی عمرہ کی سعی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا

ضَرْبٌ وَّلَا طَرْدٌ وَّلَا اِلَيْكَ اِلَيْكَ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ ۞ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ اُمَيَّةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ بِالْبَيْتِ مُضْطَبِعًا بِبُرْدٍ اَخْضَرَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ ۞ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابَهٗ اِعْتَمَرُوْا مِنَ الْجِعْرَانَةِ فَرَمَلُوْا بِالْبَيْتِ ثَلٰثًا وَجَعَلُوْا اَرْدِيَتَهُمْ تَحْتَ اٰبَاطِهِمْ ثُمَّ قَذَفُوْهَا عَلٰى عَوَاتِقِهِمُ الْيُسْرٰى رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ ۞ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَا تَرَكْنَا اِسْتِلَامَ هٰذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيْ وَالْحَجَرِ فِيْ شِدَّةٍ وَّلَا رَخَاءٍ مُنْذُ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

جس میں نہ ڈانٹ کا مارنا پیٹنا تھا نہ لوگوں کو ہٹانا نہ ہٹو بچو فرمانا [۱] (شرح سنہ) روایت ہے حضرت یعلے ابن امیہ سے کہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سبز چادر بغل سے نکالے ہوئے بیت اللہ کا طواف کیا [۲] (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے جعرانہ سے عمرہ کیا [۳] تو بیت اللہ شریف کا تین بار رمل کیا اور اپنی چادروں کو اپنی بغلوں کے نیچے سے لیا پھر انہیں اپنے بائیں کندھے پر ڈال لیا (ابوداؤد) تیسری فصل روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں ہم نے رکن یمانی و اسود کا چومنا چھونا سہولت یا دشواری میں کبھی نہ چھوڑا۔ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ

سواری پر سعی کرنا کسی تحت مجبوری یا بیماری کی وجہ سے ہے۔ لہذا یہ حدیث گزشتہ اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور انور کا تہبند شریف زیادہ تیز دوڑنے کی وجہ سے گھوم رہا تھا کہ وہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے۔ [۱] اس میں ان امراء و سلاطین پر طعن ہے جو سعی میں راستہ خالی کراتے تھے یا ہٹو بچو کہتے تھے۔ چاہیے یہ کہ امیر و فقیر ایک ساتھ سعی کریں، وہاں ہٹو بچو کیسی، موت، نماز، حج وغیرہ، دنیاوی فرق مٹاتے ہیں۔ [۲] آپ صحابی ہیں، فتح مکہ کے دن ایمان لائے، غزوہ حنین، طائف و تبوک میں حاضر ہوئے، حضرت عمر کی طرف سے نجران کے حاکم تھے، جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے، اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ [۳] اضطباع کے معنی عرض کئے جا چکے ہیں کہ احرام کی چادر داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر داہنا کندھا کھلا رکھنا اور بایاں کندھا ڈھکا رکھنا، چادر یہ دریمانی تھی، یہ ہی حضور انور کا محبوب کپڑا تھا، علماء فرماتے ہیں کہ سبز چادر سے مراد مخلوط سبز ہے نہ کہ خالص سبز کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خالص سبز یا سرخ کپڑا نہیں پہنا: اضطباع یعنی داہنا کندھا کھولنا صرف اس طواف کے وقت مستحب ہے۔ بعض حجاج احرام کے وقت ہی سے کندھا کھلا رکھتے ہیں یہ غلط ہے اس طرح نماز مکروہ ہوگی (مرقات) بعض وارثی فقراء ہمیشہ احرام کا لباس پہنتے ہیں اس میں حرج نہیں، لیکن اضطباع نہ کریں اور ننگے سر رہیں۔ [۴] جعرانہ مکہ معظمہ سے جانب طائف ایک منزل فاصلہ پر ہے وادی حنین سے وحوازن سے متصل اسی جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائیں اور یہاں سے ہی عمرہ کیا، یہاں سترہ دن یا کچھ کم و بیش قیام فرمایا اب بھی بعض عشاق مکہ معظمہ سے یہاں آکر عمرہ کا احرام باندھتے ہیں۔ جسے بڑا عمرہ کہتے ہیں۔ فقیر نے اس مقام کی زیارت کی ہے: اشعہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ عمرہ راتوں رات کیا تھا، کسی کو اطلاع نہ تھی، صحابہ کرام نے اس کے بعد دوسرے وقت میں عمرہ کیا۔

[۵] اس سے معلوم ہوا کہ اضطباع صرف طواف میں کیا جائیگا نہ سعی میں ہوگا نہ کسی وقت: یہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ امام شافعی کے

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهُمَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا قَالَ نَافِعٌ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَسْتَلِمُ الْحَجَرَ بِيَدِهٖ ثُمَّ قَبَّلَ يَدَهٗ وَقَالَ مَا تَرَكْتُهٗ مُنْذُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهٗ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ شَكَوْتُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ أَشْتَكِيْ فَقَالَ طُوْفِيْ مِنْ وَّرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ فَطُفْتُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ إِلٰى جَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَأُ بِالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَيَقُوْلُ إِنِّيْ لَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ مَّا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا أَنِّيْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ

علیہ وسلم کو انہیں چومتے دیکھا۱؎ (مسلم،بخاری) اور ان کی دوسری روایت میں یوں ہے کہ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر کو دیکھا کہ آپ سنگ اسود کو اپنا ہاتھ لگاتے پھر ہاتھ چوم لیتے اور فرمایا کہ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کرتے دیکھا تب سے کبھی یہ نہ چھوڑا۲؎ روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں بیمار ہوں تو فرمایا کہ تم لوگوں کے پیچھے سے سوار ہو کر طواف کرلو۳؎ تو میں نے طواف کیا جب کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کعبہ سے متصل نماز پڑھ رہے تھے اور سورہ وَالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ پڑھ رہے تھے۴؎ (مسلم،بخاری) روایت ہے حضرت عابس ابن ربیعہ سے فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر کو دیکھا کہ آپ سنگ اسود چومتے تھے اور کہتے تھے میں جانتا ہوں تو پتھر ہے نہ نفع دے نہ نقصان اگر میں نے رسول اللہ

کے ہاں سعی میں اضطباع سنت ہے، طواف پر قیاس کرتے ہوئے مگر یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ طواف میں اضطباع رمل کی طرح شجاعت ظاہر کرنے کے لئے تھا، حضور انور نے اور کسی موقع پر نہ اضطباع کیا نہ رمل۔ ۱؎ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے سنگ اسود کو منہ مبارک لگا کر چوما مگر رکن یمانی کو ہاتھ لگا، البتہ بیہقی و حاکم بسند ضعیف اور امام احمد نے بسند صحیح منہ لگا کر بوسہ دینے کی بھی روایت کی ہے، اسی لیے امام محمد فرماتے ہیں کہ اُسے بھی منہ لگا کر چومے ہو سکتا ہو کہ یہ منہ لگانا شاذ و نادر ہوا ہو (مرقات)۔ ۲؎ یعنی طواف کے کسی چکر میں اس کا بوسہ نہ چھوڑا، موقعہ ہوا تو منہ لگا کر چوما، ورنہ ہاتھ لگا کر، اور اگر نہ بن پڑا تو اشارہ کرکے، اس سے معلوم ہوا کہ رکن عراقی و شامی کو نہ چوما جائیگا، یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی سنت پر ہمیشگی کرنا برا نہیں۔ بیہقی میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس نے سنگ اسود کو چوما بھی اور اس پر سجدہ بھی کیا اور فرمایا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنگ اسود پر سجدہ کرتے دیکھا، جناب عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کو اس پر سجدہ کرتے دیکھا: حاکم نے باسناد صحیح حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی کہ آپ نے سنگ اسود پر پیشانی رکھ کر سجدہ کیا، لہذا امام مالک کا یہ فرمانا کہ اس پر سجدہ کرنا بدعت ہے درست نہیں (مرقات)۔ ان روایات سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم سنگ اسود کے بوسہ سے ناراض تھے۔ ۳؎ بیماری سے وہ مرض مراد ہے جس میں چلنا پھرنا اور طواف دشوار ہو جائے اور سواری سے ڈولی پر سواری مراد ہے جسے لوگ اپنے کندھوں پر اٹھا کر مریض کو طواف کرادیں، نہ کہ جانور سواری، جانور پر طواف کرنا حضور کی خصوصیات سے ہے ہم کو حرم شریف میں جانور لیجانا جائز نہیں، لوگوں کے پیچھے کی قید اس زمانہ کے لحاظ سے ہے کہ اس وقت مسجد حرام اتنی ہی بڑی تھی جتنا اب مطاف ہے (طواف کی جگہ) اب جبکہ مسجد چوطرف بہت دور تک پھیل گئی ہے تو صرف جماعت کے وقت مطاف میں نماز ہوتی ہے، اس کے بعد پورا مطاف طواف والوں کیلئے خالی کردیا جاتا ہے اور لوگ باقی حصوں میں نماز پڑھتے رہتے ہیں وہاں نمازی کے آگے سے گزرنا جائز ہے۔ ۴؎ یہ نماز فجر تھی۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وُكِّلَ بِهِ سَبْعُونَ مَلَكًا يَعْنِي الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ فَمَنْ قَالَ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ قَالُوا آمِيْنَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر یعنے رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں ۲ تو جو کہتا ہے الٰہی میں تجھ سے معافی اور امن وعافیت دینی ودنیاوی مانگتا ہوں ۳ اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچائے تو فرشتے کہتے ہیں آمین ۴ (ابن ماجہ) روایت ہے ان ہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت ام سلمہ فجر پڑھ چکی تھیں، اور بعد فجر نفل جائز نہیں، اس لیے آپ اس وقت طواف کرتی ہیں، غالب یہ ہے کہ حضور انور نے دونوں رکعتوں میں سورت والطور پڑھی۔ ۵ یعنی اے سنگ اسود میں تجھے پوجتا نہیں بلکہ چومتا ہوں، تجھے عبادت کا بوسہ نہیں دیتا بلکہ تعظیم کا بوسہ دیتا ہوں کیونکہ عبادت اس اللہ کی ہے جو بذات خود نفع نقصان کا مالک ہے، یہ اس لیے فرمایا کہ عہد فاروقی کے نومسلم لوگ جو اب تک پتھر پوجتے تھے وہ اس تعظیم کو پتھر کی عبادت نہ سمجھ لیں: مرقات میں ہے کہ یہاں نفع نقصان سے مراد بالذات نفع پہنچانا ہے ورنہ اسود بحکم پروردگار بہت نافع ہے کہ اسکا چومنا عبادت اور باعث ثواب ہے۔ اور ابھی کچھ پہلے عبداللہ ابن عباس کی روایت گزر چکی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں اس کی آنکھیں بھی ہوں گی اور زبان بھی، اپنے اخلاص سے چومنے والوں کے ایمان کی گواہی دیگا۔ ۶ یعنی تجھے چومنا ایک تعبدی چیز ہے اور حضور انور کی اتباع میں ہے۔ اس جگہ ملا علی قاری نے مرقاۃ میں اور شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں، مولانا عبدالحی لکھنوی نے نفایۃ الہدایہ اور ابن حاتم نے بروایت حاکم فرمایا کہ فاروق اعظم کے اس فرمان پر حضرت علی مرتضیٰ نے عرض کیا اے امیر المومنین یقیناً سنگ اسود مفید بھی ہے اور مضر بھی، رب العالمین نے تمام روحوں سے جو اپنی وحدانیت کا اقرار لیا تھا وہ اقرار نامہ اسی پتھر میں محفوظ ہے اور یہ قیامت میں اس طرح آئیگا کہ اسکی آنکھیں و ہونٹ ہونگے، مخلصین کی گواہی دیگا، یہ اللہ کا امین ہے، تو حضرت عمر نے فرمایا کہ ابوالحسن جس زمین میں تم نہ ہو مجھے خدا وہاں نہ رکھے، مرقات نے فرمایا کہ حدیث بشرط شیخین نہیں ہے کیونکہ اسکی اسناد میں ابوہارون عبدی ہیں جن سے مسلم و بخاری حدیث نہیں لیتے (یعنی حدیث صحیح ہے اگرچہ بشرط شیخین نہیں) اسی جگہ مرقات نے فرمایا، مستحب یہ ہے کہ سنگ اسود کو چومنے کے بعد اس پر پیشانی رکھ کر سجدہ بھی کرے، اور ابن حاتم نے فرمایا کہ ابن ماجہ میں بروایت حضرت ابن عمر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگ اسود پر ہونٹ مبارک رکھے اور بہت دیر تک روتے رہے پھر فاروق اعظم سے فرمایا کہ اے عمر اس جگہ آنسو بہائے جاتے ہیں (مرقاۃ) فقیر حقیر احمد یار کہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس زمانہ کے جہلا کا انتظام فرماتے ہوئے سنگ اسود سے یہ فرمایا اور حضرت علی مرتضیٰ نے قیامت تک کے گمراہیوں کا انتظام فرماتے ہوئے اس کے یہ فضائل بیان فرمائے دونوں بزرگوں کے کلام برحق ہیں اور مسلمانوں کو مفید۔ ۲ یعنی بہ کی ضمیر کا مرجع رکن یمانی ہے، یہ تفسیر غالباً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے ۳ ذنوب کی معافی عفو ہے اور عیوب کی معافی عافیت یا دنیا میں معافی عافیت ہے اور آخرت میں معافی عفو ہے۔ رکن یمانی اور سنگ اسود کے درمیان بحالت طواف یہ دعا ضرور مانگے ۴

مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا وَلَا يَتَكَلَّمُ اِلَّا بِسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مُحِيَتْ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَكُتِبَ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَرُفِعَ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَمَنْ طَافَ فَتَكَلَّمَ وَهُوَ فِي تِلْكَ الْحَالِ خَاضَ فِي الرَّحْمَةِ بِرِجْلَيْهِ كَخَائِضِ الْمَآءِ بِرِجْلَيْهِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ ۔

بَابُ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ

جو شخص بیت اللہ کا طواف سات چکر کرے اور اس کے سوا اور بات چیت نہ کرے[1] کہ اللہ پاک ہے اللہ کی تعریف ہے[2] اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ بہت بڑا ہے اللہ کے سوا نہ طاقت ہے نہ قوت تو اسکے دس گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور اس کے لیئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اسکے دس درجے بلند ہوں گے[3] اور جو شخص طواف کرے اور اسی حالت میں باتیں کرے تو رحمت میں اپنے دونوں پاؤں سے ایسے گھس جائے گا جیسے پانی میں پاؤں سے گھس جاتا ہے[4] (ابن ماجہ) باب عرفہ میں ٹھہرنا[1] پہلی فصل - روایت ہے

چونکہ اس جگہ یعنی رکن یمانی والے پر فرشتے آمین کہتے ہیں، اس لیے یہاں جامع دُعا مانگنی چاہیئے، یہ مطلب نہیں کہ اس دُعا پر تو آمین کہتے ہیں اور اگر کوئی اور دُعا مانگی جائے تو آمین نہ کہیں، مرقات نے یہاں فرمایا کہ طواف کے چکروں میں دعائیں مقرر نہیں کہ فلاں چکر میں یہ دعا مانگے فلاں میں یہ، ہاں بحالت طواف قرآن مجید حضور انور سے ثابت نہیں بہتر یہ ہے کہ دعائیں ہی مانگے۔ [1] نہ دنیاوی بات کرے نہ تلاوت قرآن، یا یہ مطلب ہے کہ سوائے اس کے اور کوئی دعا ہی نہ مانگے: خیال رہے کہ رکن یمانی اور سنگ اسود کا درمیانی فاصلہ اس حکم سے علیحدہ ہے، وہاں وہ دعا مانگے جو ابھی گذر چکی، لہذا یہ حدیث گذشتہ حدیث کے خلاف نہیں۔ [2] یعنی پورے طواف کا یہ فائدہ ہوگا یا ہر چکر کا یا ہر دفعہ یہ دعا پڑھنے کا، مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے علماء فرماتے ہیں کہ اللہ کی حمد کرنا بھی دعا ہے، دیکھو ان کلمات میں دعائیہ لفظ ایک بھی نہیں، صرف رب کی حمد و ثنا ہے مگر اسکے اتنے بڑے فائدے ہیں: خیال ہو کہ یہ فائدے ہم گنہگاروں کے لیے ہیں بے گناہ بندوں کیلئے تیس درجوں کی بلندی ہوگی۔ [3] اس جملے کی بہت شرحیں ہیں، محقق شرح یہ ہے کہ باتیں کرنے سے مراد یہی کلمات بولنا ہیں، چونکہ ان کلمات کا اب دوسرا فائدہ بیان ہو رہا ہے اسلئے اسطرح ارشاد فرمایا، بعض لوگوں نے اسکا مطلب یہ سمجھا ہے کہ جو شخص طواف میں دنیوی باتیں کرے وہ تو گھٹنوں گھٹنوں دریائے رحمت میں آجاتا ہے اور جو گذشتہ کلمات پڑھے وہ دریائے رحمت میں غوطے لگاتا ہے، مگر یہ شرح ضعیف ہے کیونکہ مسجد میں خصوصًا طواف میں دنیوی باتیں مکروہ ہیں جن سے نیکیاں برباد ہوتی ہیں اس پر ثواب کا وعدہ کیسا، حضرت آدم علیہ السلام نے جب بیت اللہ کا طواف کیا تو آپ سے فرشتوں نے مصافحہ کرکے عرض کیا کہ ہم دو ہزار سال سے یہاں طواف کر رہے ہیں، آپ نے پوچھا کہ تم طواف میں کیا پڑھتے ہو وہ بولے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تو آپ نے فرمایا کہ ہم اس پر یہ زیادہ کیا کریں گے وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (مرقات)۔ [4] عرفہ عرف سے بنا بمعنی پہچاننا، نویں تاریخ کو بھی عرفہ کہتے ہیں اور عرفات میدان کو بھی، مگر لفظ عرفات عرفہ میدان کو کہا جاتا ہے نہ کہ اس دن کو، رب فرماتا ہے فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ چونکہ اس جگہ کا ہر حصہ عرفہ ہے، اسلئے اُسے جمع عرفات کہا جاتا ہے، اس جگہ کو چند وجہ سے عرفہ کہتے ہیں (۱) اسی جگہ حضرت آدم و حوا کی ملاقات زمین پر برسوں کے فراق کے بعد ہوئی، اور ایک دوسرے کو پہچانا تھا (۲) اسی جگہ جبرئیل امین نے جناب خلیل کو ارکان حج سکھائے، اور آپ نے فرمایا عرفت میں نے پہچان لیا (۳) یہ جگہ تمام دنیا میں جانی پہچانی ہے، کہ یہاں حج ہوتا ہے یعنی مشہور ہے (۴) رب تعالٰی اس دن حاجیوں کو مغفرت کا تحفہ دیتا ہے، عرف یعنی عطیہ رب فرماتا ہے

مُحَمَّدِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ الثَّقَفِیِّ اَنَّهٗ سَاَلَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَهُمَا غَادِيَانِ مِنْ مِنًى اِلٰی عَرَفَةَ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ فِیْ هٰذَا الْيَوْمِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يُهِلُّ مِنَّا الْمُهِلُّ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ وَيُكَبِّرُ الْمُكَبِّرُ مِنَّا فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَحَرْتُ هٰهُنَا وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ فَانْحَرُوْا فِیْ رِحَالِكُمْ وَوَقَفْتُ هٰهُنَا وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَوَقَفْتُ هٰهُنَا وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ يَوْمٍ اَكْثَرَ مِنْ اَنْ يُّعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْدًا مِّنَ النَّارِ

حضرت محمد بن ابی بکر ثقفی سے کہ انہوں نے منیٰ سے عرفہ جاتے ہوئے حضرت انس ابن مالک سے پوچھا کہ آپ حضرات اس دن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کیا کیا کرتے تھے ۱؎ تو وہ بولے کہ ہم میں تلبیہ کہنے والا لبیک کہتا تھا اور اس پر اعتراض نہ ہوتا تھا اور ہم میں سے تکبیر والا اللہ اکبر کہتا تھا اس پر اعتراض نہ ہوتا تھا ۲؎ (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نے یہاں قربانی کرلی ہے مگر سارا منیٰ ہی قربانی گاہ ہے لہذا اپنی منزلوں میں قربانی کرسکتے ہو ۳؎ اور ہم نے یہاں قیام فرمایا ہے مگر سارا عرفہ ہی قیام گاہ ہے ۴؎ اور ہم نے یہاں وقوف مزدلفہ کیا ہے مگر سارا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے ۵؎ (مسلم) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفہ سے بڑھ کر ایسا کوئی دن نہیں جس میں اللہ اپنے بہت سے بندوں کو آگ سے آزاد کردے ۶؎

عَنْ فُقَهَائِهِمْ (۵) تمام حجاج وہاں پہنچ کر اپنے گناہوں کا اقرار و اعتراف کرتے۔ خیال رہے کہ قیام عرفہ حج کا رکن اعلیٰ ہے جسے یہ مل گیا اسے حج مل گیا۔ ۱؎ شاید سائل کا خیال تھا کہ حجاج کو عرفات پہنچکر کوئی خاص عبادت کرنا ہوتی ہوگی، اس لیے یہ سوال کیا حالانکہ کچھ پڑھنے کا نام حج نہیں ہے بلکہ حاجی کا اس دن میں اس جگہ پہنچ جانے کا نام حج ہے۔ ۲؎ عرفہ میں حاجیوں کا تلبیہ کہنا سنت ہے اور تکبیر کہنا جائز، تلبیہ دسویں بقرعید جمرہ عقبیٰ کی رمی پر ختم ہوتا ہے: خیال رہے کہ نماز پنجگانہ کے بعد تکبیر تشریق کہنا اور جگہ واجب ہے، عرفات میں نہیں اس مرتبات، لہذا صحابہ کرام کا یہ تکبیر کہنا ذکر اللہ کی بنا پر تھا، یہ تکبیر تشریق نہ تھی۔ ۳؎ ھھنا سے منیٰ کی اس جگہ کی طرف اشارہ ہے جہاں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی یعنی صرف یہاں ہی قربانی کرنا واجب نہیں بلکہ سارا ہی منٰے قربانی گاہ ہے جہاں بھی کر لوگے ہو جائے گی حتی کہ اپنے خیموں میں بھی قربانی کرسکتے ہو، اب حکومت نے منیٰ میں قربانی کیلئے الگ جگہ خاص کردی ہے تاکہ خیموں اور راستوں میں خون نہ بہے اور بیماری نہ پھیلے، یہ حکم انتظامی ہے نہ کہ شرعی اور سرکار کا یہ فرمان اباحت کیلئے ہے نہ کہ وجوب کیلئے۔ حضور نے مسجد خیف کے پاس قربانی کی تھی، وہاں اب مسجد بنی ہوئی ہے جسے مسجد نحر کہتے ہیں۔ ۴؎ یعنی ہم نے جبل رحمت کے پاس وہاں کی چٹانوں سے متصل اپنا خیمہ ڈالا اور قیام فرمایا، عرفات میں قیام کی جگہ صرف یہی نہیں بلکہ بطن عرفہ کے سوا سارا میدان قیام گاہ ہے ۵؎ یعنی ہم نے مزدلفہ میں مشعر الحرام کے پاس قیام کیا مگر وادی محسر کے سوا سارا مزدلفہ قیام گاہ ہے، مزدلفہ زلف سے بنا باب افتعال کی ت دال بن گئی، اسی کے معنی ہیں قرب کی جگہ، چونکہ حاجی یہاں پہنچکر اللہ سے قریب ہوتا ہے، نیز یہ جگہ منیٰ سے قریب ہے، اس لیے مزدلفہ کہا جاتا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے "وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ" علماء فرماتے ہیں کہ ان تینوں مقامات میں جسقدر حضور کی قیام گاہ سے قریب ہو اتنا ہی اچھا۔ ۶؎ یعنی تمام دنوں سے زیادہ نویں ذی الحجہ کو گنہگار بخشے جاتے ہیں، عبد کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰی اس دن حاجیوں کے علاوہ اور

مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَإِنَّهُ لَيَدْنُو ثُمَّ يُبَاهِي بِهِمُ الْمَلَائِكَةَ فَيَقُولُ مَا أَرَادَ هٰؤُلَاءِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اَلْفَصْلُ الثَّانِي عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللهِ ابْنِ صَفْوَانَ عَنْ خَالٍ لَهُ يُقَالُ لَهُ يَزِيدُ بْنُ شَيْبَانَ قَالَ كُنَّا فِي مَوْقِفٍ لَنَا بِعَرَفَةَ يُبَاعِدُهُ عَمْرٌو مِنْ مَوْقِفِ الْإِمَامِ جِدًّا فَأَتَانَا ابْنُ مِرْبَعٍ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْكُمْ يَقُولُ لَكُمْ قِفُوا عَلَى مَشَاعِرِكُمْ فَإِنَّكُمْ عَلَى إِرْثٍ مِنْ إِرْثِ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ ‌• وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ

رب تعالیٰ اس دن بہت ہی قریب ہوتا ہے پھر ان سے فرشتوں پر فخر فرماتا ہے۔ کہتا ہے کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں ۱ (مسلم)

دوسری فصل۔ روایت ہے حضرت عمرو ابن عبداللہ ابن صفوان سے وہ اپنے ماموں سے راوی جنہیں یزید ابن شیبان کہا جاتا تھا ۲ فرماتے ہیں ہم عرفات میں اپنی منزل میں تھے عمرو نے فرمایا کہ وہ جگہ امام کی جگہ سے بہت دور تھی ۳ تو ہمارے پاس ابن مربع انصاری آئے ۴ بولے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمہاری طرف پیغامبر ہوں حضور تم سے فرماتے ہیں کہ تم لوگ اپنی اپنی جگہ ٹھہرے ہو ۵ تم لوگ اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی وراثت پر ہو ۶ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

بندوں کو بھی بخشتا ہے۔ اسی لئے غیر حاجی کے لیے اس دن روزہ سنت ہے۔ ۱ یعنی اس دن اللہ کی رحمت بندوں سے قریب تر ہوتی ہے، اور رب تعالیٰ فرشتوں پر حاجیوں کی افضلیت، ان کی شرافت و کرامت ظاہر فرماتا ہے کہ اے فرشتو تم نے کہا تھا کہ انسان خونریزی و فساد کریگا تم نے اس پر غور نہ کیا کہ انسان اپنا گھر بار وطن چھوڑ کر، پردیسی بن کر، پریشان بال، کفن پہنے، لبیک لبیک کی صدائیں لگاتا عرفات کے میدان میں بھی آئیگا۔ بتاؤ ان حاجیوں نے سوا میری رضا کے اور کیا چاہا ہے، صرف مجھے راضی کرنے کے لیے یہ لوگ ان میدانوں میں مارے مارے پھر رہے ہیں یہ شرف نہ ملائکہ کو حاصل ہے نہ جنات کو صرف ان ہی کا حصہ ہے ۲ حضرت عمرو ثقہ تابعین میں سے ہیں حجمی ہیں قرشی ہیں اور یزید ابن شیبان ازدی صحابی ہیں۔ ۳ اسلام سے پہلے کفار مکہ نے عرفات کے حصے بخرے کرلیے تھے، کہ ہر قبیلہ کے قیام کا الگ ٹھکانہ تھا چنانچہ یزید ابن شیبان کے قبیلہ کا بھی ایک مقام تھا، قدیمی رسم کے مطابق یہ حضرت اپنی خاندانی قیام گاہ میں ٹھہرے، مگر آج دل کی کیفیت کچھ اور تھی، اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ سے بہت دور دیکھ کر پشیمان ہوئے، اسلئے اگلا واقعہ پیش آیا۔ ۴ ان کا نام زید یا یزید ابن مربع ہے: علماء فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دور افتادگان حجاج کی دلی کیفیت خود معلوم فرمائی اس لیے یہ پیغام بھیجا، ان حضرات نے چاہا تھا کہ اس جگہ سے منتقل ہو کر حضور کے قدموں میں جا پڑیں، اس لئے یہ پیغام آیا، سرکار ہم پر ہمارے ماں باپ سے زیادہ مہربان ہیں۔ ۵ مشاعر مشعر کی جمع ہے یعنی عبادت گاہ یعنی زمانۂ جاہلیت سے جو تمہارے مقام مقرر ہو چکے ہیں، اور اب تم آکر ٹھہر گئے ہو وہاں سے منتقل نہ ہو کہ اس میں سخت دشواری ہوگی سارا عرفات قیام گاہ ہے، مجھ سے دوری تمہارے لیے مضر نہیں (لمعات)، ۶ سبحان اللہ کیسا پاکیزہ فرمان ہے یعنی تم اپنے جاہل باپ دادوں کی پیروی میں یہاں نہ ٹھہرو، بلکہ سنت ابراہیمی سمجھ کر یہاں قیام کرو، اور میرے پاس آنے کی کوشش نہ کرو، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي ...

عَرَفَةَ مَوْقِفٌ وَكُلُّ مِنًى مَنْحَرٌ وَكُلُّ الْمُزْدَلِفَةِ مَوْقِفٌ وَكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ طَرِيقٌ وَمَنْحَرٌ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ • وَعَنْ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ عَرَفَةَ عَلٰى بَعِيْرٍ قَائِمًا فِي الرِّكَابَيْنِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ • وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ وَخَيْرُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ قَبْلِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوٰى مَالِكٌ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ إِلٰى قَوْلِهٖ لَا شَرِيْكَ لَهٗ

عرفات جائے وقوف ہے اور سارا منیٰ قربانی گاہ ہے اور سارا مزدلفہ قیام گاہ ہے اور مکہ معظمہ کی ہر سڑک راستہ اور قربانی گاہ ہے[۱] (ابوداؤد، دارمی) روایت ہے حضرت خالد ابن ہوذہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ عرفات میں اونٹ پر دو رکابوں کے درمیان کھڑے ہوئے لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے[۲] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفہ کے دن کی دعاؤں میں سے بہترین ہے[۳] اور جو ہم نے اور ہم سے پہلے نبیوں نے عرض کیا ان میں سے بہترین عرض یہ ہے کہ اللہ اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا ملک ہے اسی کی تعریف اور وہ ہر چیز پر قادر ہے[۴] (ترمذی) اور مالک نے حضرت طلحہ ابن عبید اللہ سے لاشریک لہٗ تک روایت کی

[۱] فجاج فج کی جمع ہے بمعنی چوڑا راستہ یعنی اگرچہ ہم براستہ کدا مکہ معظمہ پہنچے، لیکن مکہ معظمہ تک پہنچنے والے تمام راستے ٹھیک ہیں، جس راستہ سے یہاں آؤ درست ہے، اور سارا مکہ معظمہ قربانی گاہ ہے، کہ حج کی قربانی حرم میں چاہیئے، جہاں بھی ہو جائے، حجاج اپنی آسانی کے لیے منیٰ میں قربانی کر لیتے ہیں، علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ حج وعمرہ کی قربانی سارے حرم میں ہو سکتی ہے لیکن حج کی قربانی منیٰ میں افضل ہے اور عمرہ کی قربانی مکہ معظمہ میں، خصوصًا مروہ پہاڑ کے پاس بہتر (مرقات) [۲] یہ خطبۂ حج ہے جو نویں بقرعید کو عرفات میں دیا جاتا ہے جس میں عرفات سے چلنے، مزدلفہ میں ٹھہرنے، منیٰ میں قربانی اور طواف زیارت وغیرہ کے احکام سکھائے جاتے ہیں۔ قَائِمًا بمعنی وَقَفَ ہے، یہ مطلب نہیں کہ آپ اونٹ پر کھڑے ہوئے تھے کہ یہ تو بہت مشکل ہے مطلب یہ ہے کہ آپ وقوفِ عرفات اونٹ پر کر رہے تھے، فِی الرِّکَابَیْنِ کے معنی یہ ہیں کہ دونوں قدم شریف رکاب میں رکھے ہوئے تھے چونکہ وہاں منبر تھا نہیں اور منشاء یہ تھا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں سے اونچے رہیں تاکہ دور تک کے لوگ آپ کی زیارت بھی کر سکیں اور آپ کا کلام شریف بھی سن سکیں، اس لیے یہ خطبہ اونٹ پر دیا، اب بھی عرفات شریف میں امام اونٹ پر ہی خطبہ دیتا ہے۔ [۳] کیونکہ اس دن کی دعا جلد قبول ہوتی ہے اور اس پر مانگنے سے زیادہ ملتا ہے۔ ثواب دعا اس کے علاوہ ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نویں بقرعید کی دعا بہترین عمل ہے خواہ کہیں مانگی جائے، اگر حج میسر ہو اور میدان عرفات میں مانگی جائے تو زہے نصیب ورنہ اپنے گھر یا مسجد وغیرہ جہاں ہو سکے مانگے، یہ دن غفلت میں نہ گذار دے، اسی لئے سمجھدار لوگ نویں بقرعید کو روزہ رکھتے ہیں، عبادات و دعاؤں میں مشغول رہتے ہیں، اس دن کو لہو و لعب میں نہیں گذارتے۔

[۴] اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ اس دن صرف دعا ہی نہ مانگے، بلکہ رب تعالٰی کی حمد و ثنا بھی کرے کہ اللہ کے ذکر سے دل کو چین اور قرار ہے اور ذکروں میں بہترین ذکر یہ ہے کہ اس میں رب تعالٰی کی اعلیٰ درجہ کی حمد و ثنا بھی ہے اور سنت انبیاء پر عمل بھی یعنی ذکر اور زبان دونوں کی تاثیریں جمع ہیں

وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ كَرِيْزٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا رُئِيَ الشَّيْطٰنُ يَوْمًا هُوَ فِيْهِ اَصْغَرُ وَلَا اَدْحَرُ وَلَا اَحْقَرُ وَلَا اَغْيَظُ مِنْهُ فِيْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَمَا ذَالِكَ اِلَّا لِمَا يَرٰى مِنْ تَنَزُّلِ الرَّحْمَةِ وَتَجَاوُزِ اللهِ عَنِ الذُّنُوْبِ الْعِظَامِ اِلَّا مَا رُئِيَ يَوْمَ بَدْرٍ فَقِيْلَ مَا رَاٰى يَوْمَ بَدْرٍ قَالَ فَاِنَّهٗ قَدْ رَاٰى جِبْرِيْلَ يَزَعُ الْمَلٰٓئِكَةَ رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ

روایت ہے حضرت طلحہ ابن عبیداللہ ابن کریز سے [۱] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرفہ کے دن سے زیادہ کسی دن شیطان بہت چھوٹا بہت پھٹکارا ہوا اور بہت ذلیل وغمگین نہ دیکھا گیا [۲] یہ صرف اس لیئے ہے کہ وہ آج کے دن رحمت باری کا نزول اور اللہ کا بڑے گناہوں کی معافی دینا مشاہدہ کرتا ہے [۳] اس کے سوا جو بدر کے دن دیکھا گیا [۴] عرض کیا گیا حضور بدر کے دن کیا دیکھا گیا فرمایا اس نے حضرت جبریل کو دیکھا کہ وہ فرشتوں کی صف آرائی کر رہے ہیں [۵] (مالک) مرسلًا اور شرح سنہ میں نفظ

اسی لئے لوگ دعائے ماثورہ جو بزرگوں سے منقول ہوں زیادہ پڑھتے ہیں، دوسرے یہ کہ تمام دعاؤں میں بہترین دعا یہ ہے کیونکہ حق تعالٰی کی حمد وثنا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود کہنا یہ دعا ہے، حدیث قدسی میں ہے کہ جسے میرا ذکر دعا مانگنے سے روک دے تو اسے میں مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا نیز اس میں رضا بالقضاء علٰے وجہ الکمال ہے، شاعر کہتا ہے۔ شعر

وَكَلْتُ اِلَى الْمَحْبُوْبِ اَمْرِيْ كُلَّهٗ　　　فَاِنْ شَآءَ اَحْيَانِيْ وَاِنْ شَآءَ اَتْلَفَ

یہ کلمات چوتھے کلمے کے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوتے ہی یہ پڑھا کرتے تھے، جیسا کہ گذر چکا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعلٰی تاریخوں میں ذکر الٰہی افضل ہے کہ اس صورت میں ذکر کے ساتھ وقت کی فضیلت بھی جمع ہو جاتی ہے۔ [۱] یہ طلحہ تابعی ہیں، اہل شام میں سے ہیں، اسی لئے مصنف نے ان کے دادا کا نام بھی لے دیا کیونکہ طلحہ ابن عبیداللہ ابن عفان مشہور صحابی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، ان کے دادا عثمان یعنی ابوقحافہ صدیق اکبر کے والد ہیں فقط طلحہ سے ذہن انہی کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ جیسے صرف عبداللہ سے عبداللہ ابن مسعود اور صرف حسن سے خواجہ حسن بصری سمجھے جاتے ہیں۔

[۲] اصغر صغار سے ہے بمعنی حقارت، ادحر دحر سے بنا بمعنی ذلت کے ساتھ نکالنا، رب تعالٰی فرماتا ہے مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا اور فرماتا ہے اُخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا، شیطان سے مراد یا تو ابلیس ہے یا وہ اور اس کی ساری ذریت، یعنی یوں تو شیطان ہمیشہ ہی ذلیل وخوار اور غمگین رہتا ہے، مگر نویں تقرعید کو حاجیوں کو عرفہ میں دیکھ کر بہت غمگین ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ نیک کام پر غم کرنا اور نیکیوں سے جلنا شیطانی عمل ہے۔

[۳] اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کی نگاہ سے غیبی پردے اٹھے ہوئے ہیں جن سے وہ فرشتوں کو بھی دیکھ لیتا ہے اللہ کی رحمتیں اترتے ہوئے دیکھتا ہے اور رب تعالٰی کے فیصلوں سے بھی خبردار رہتا ہے، ورنہ اس دن اس کے زیادہ غمگین ہونے کے کیا معنی، جب اس ناری کا یہ حال ہے تو نوری مخلوق کی شان کیا ہوگی۔ [۴] کہ اس دن وہ عرفہ کے دن سے بھی زیادہ پریشان غمگین وذلیل وخوار تھا، اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں سے شیطان اور اس کی ذریت چھپی ہوئی نہیں، حضور تو اس کی دلی کیفیتوں تک سے مطلع ہیں، کہ اس کے دل پر اس وقت کیا گذر رہی ہے، [illegible] سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے اسے آنکھوں سے دیکھا۔ [۵] یزع وزع سے بنا بمعنی تقسیم وترتیب، رب تعالٰی فرماتا ہے فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ، اہل عرب صفیں ترتیب دینے والے کو وازع کہتے ہیں۔

الْمَصَابِيحِ • وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ إِنَّ اللهَ يَنْزِلُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيُبَاهِي بِهِمُ الْمَلَائِكَةَ فَيَقُوْلُ انْظُرُوْا إِلَى عِبَادِي أَتَوْنِي شُعْثًا غُبْرًا ضَاجِّيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ أُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ فَيَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ يَا رَبِّ فُلَانٌ كَانَ يُرَهَّقُ وَفُلَانٌ وَفُلَانَةُ قَالَ يَقُوْلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ

مصابیح سے، روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عرفہ کا دن ہوتا ہے تو رب تعالٰی دنیاوی آسمان کی طرف نزول کرم فرماتا ہے ۱ تو حجاج کے ذریعے فرشتوں پر فخر کرتا ہے ۲ فرماتا ہے میرے بندوں کو دیکھو کہ میرے پاس بکھرے بال گرد آلود دور دراز کے راستوں سے شور مچاتے آئے ہیں میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا ۳ فرشتے عرض کرتے ہیں یارب فلاں مرد اور فلاں عورت تو بدکاری کرتے رہے ہیں ۴ فرمایا رب تعالٰی فرماتا ہے میں نے انہیں بھی بخش دیا ۵ فرمایا رسول اللہ

یہاں فرشتوں سے وہ پانچ ہزار فرشتے مراد ہیں، جو مسلمانوں کی امداد کیلئے جنگ بدر کے دن آئے، یہ فرشتے کفار کو ہلاک کرنے نہ آئے تھے، ورنہ ایک فرشتہ پورے ملک کو ہلاک کرسکتا ہے، بلکہ مسلمانوں کی معیت اور حضور کی ماتحتی کی عظمت حاصل کرنے آئے تھے جیسے بدری صحابہ تمام صحابہ سے افضل ہیں ایسے ہی بدری فرشتے دوسرے فرشتوں سے افضل، شعر

معلوم ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں ✣ اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

۱ اللہ تعالٰی اترنے چڑھنے آنے جانے سے پاک ہے، ایسے مقام پر اللہ کی رحمت اس کی مغفرت کا اترنا مراد ہوتا ہے آسمان دنیا سے پہلا آسمان مراد ہے جو زمین سے قریب تر ہے، چونکہ اس آسمان کے فرشتے زمین والوں سے بہت واقف ہوتے ہیں اسلئے رب کی رحمتیں پہلے اس آسمان پر آتی ہیں پھر زمین پر تاکہ ان فرشتوں کی نگاہ میں خصوصیت سے مسلمانوں کا وقار قائم ہو، اور ان کیلئے دعائے مغفرت کیا کریں۔ ۲ رب کے فخر فرمانے کے معنی ہم پہلے عرض کرچکے ہیں، حجاج سے مراد عرفہ میں ٹھہرے ہوئے حاجی ہیں اور فرشتوں سے مراد عموماً سارے فرشتے ہیں اور خصوصاً پہلے آسمان کے، چونکہ فرشتے انسانوں کے گناہ دیکھتے رہتے ہیں، اسلئے انہیں خصوصیت سے مسلمانوں کی نیکیاں دکھائی جاتی ہیں یہ رب کی بندہ نوازی ہے، کہ ہمارے گناہوں پر فرشتوں کو اس طرح اہتمام سے متوجہ نہیں کیا جاتا مگر نیکیوں پہ جو اسی کی توفیق سے ہیں فرشتوں کو متوجہ بھی کیا جاتا اور ثواب بھی، انہیں گواہ بنا کر دیا جاتا ہے۔ ۳ سبحان اللہ کیا پیارے کلمات ہیں بحالت احرام حجاج پراگندہ بال بھی ہوتے ہیں کہ اس حال میں کنگھی کرنا منع ہے اور گرد و غبار میں اٹے ہوئے بھی کہ وہ ریگستانی علاقہ ہے، حجاج زیادہ غسل بھی نہیں کرسکتے، دور دراز ملک سے لبیک کا شور کرتے پہنچتے ہیں، اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ کسی برکت والی جگہ جانا رب کے پاس جانا ہے، دیکھو عرفات میں پہنچنے والوں کو فرمایا گیا کہ میرے پاس آئے کیونکہ عرفات وہ مقام ہے جہاں انبیائے کرام گزرے ہیں، لہذا انبیاء و اولیاء کے مزارات پر حاضری دینا رب کے پاس ہی جانا ہے: دوسرے یہ کہ اللہ کے مقبولوں کو اچھے کام پر گواہ بنا لینا چاہیئے ہم نے لوگوں کو کہتے سنا کہ نیکیاں مقبولوں کے سامنے کرو اور گناہ ان سے چھپاؤ، ان سے غیرت کرو۔ ۴ یہ کلام اظہار تعجب کیلئے ہے کہ خدایا ہم نے فلاں حاجی اور فلاں حاجن کو فسق اور بڑے بڑے گناہ گزشتہ زمانہ میں کرتے دیکھا ہے کیا یہ بھی بخش دیئے گئے، اس سے معلوم ہوا کہ آسمان کے رہنے والے فرشتے بھی ہمارے ہر عمل سے خبردار ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے "یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ" تو اگر اللہ کے حبیب گنبد خضراء میں رہتے ہوئے ہمارے ہر عمل سے خبردار ہوں اور ہماری بدکاریوں کی ستاری اور ہماری

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا مِنْ يَوْمٍ اَكْثَرُ عَتِيْقًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ
اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ قُرَيْشٌ وَمَنْ دَانَ دِيْنَهَا يَقِفُوْنَ بِالْمُزْدَلِفَةِ
وَكَانُوْا يُسَمَّوْنَ الْحُمْسَ فَكَانَ سَائِرُ الْعَرَبِ يَقِفُوْنَ بِعَرَفَةَ فَلَمَّا جَاءَ الْاِسْلَامُ اَمَرَ اللّٰهُ
تَعَالٰى نَبِيَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّاْتِيَ عَرَفَاتٍ فَيَقِفَ بِهَا ثُمَّ يُفِيْضَ مِنْهَا فَذٰلِكَ قَوْلُهُ عَزَّ
وَجَلَّ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ عَبَّاسِ بْنِ مِرْدَاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا لِاُمَّتِهٖ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ بِالْمَغْفِرَةِ فَاُجِيْبَ اِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ

صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عرفہ سے زیادہ کوئی دن لوگوں کے آگ سے چھٹکارا پانے کا نہیں ۱؎ (شرح سنہ) تیسری فصل روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں قریش اور ان کا طریقہ کرنے والے مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے ۲؎ انہیں حمس (بہادر وغیرہ) کہا جاتا تھا ۳؎ باقی عرب عرفات میں ٹھہرتے تھے پھر جب اسلام آیا تو اللہ تعالٰی نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ عرفات پہنچیں وہاں ہی ٹھہریں پھر وہاں سے واپس ہوں ۴؎ یہ حکم ہے اللہ عزوجل کا کہ تم وہاں سے چلو جہاں سے لوگ چلیں ۵؎ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عباس ابن مرداس سے ۶؎ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام اپنی امت کے لیئے دعائے مغفرت کی ۷؎ تو جواب ملا کہ

گنہگاروں کی شفاعت اور نیک کاروں کی دعائے قبولیت فرماتے ہوں تو کیا تعجب ہے۔ ۵؎ کیونکہ یہ اگرچہ بُرے ہیں مگر اچھی جگہ، اچھوں کی جگہ اور اچھوں کے پاس آگئے ہیں نے انہیں بھی بخش دیا۔ کہ اچھوں کا ساتھی بھی محروم نہیں رہتا، اور لکڑی کے سنگ لوہا بھی تر جاتا ہے۔ ۶؎ چنانچہ حاکم کی روایت میں یوں ہے کہ اے میرے حاجی بندو اگر تمہارے گناہ ریگستانوں کے ذرّوں، پانی کے قطروں، درختوں کے پتوں کے برابر بھی ہوں جب بھی تمہیں بخش دیا، جاؤ تمہیں بھی بخشا اور جسکی تم سفارش کرو اسکو بھی بخشا (مرقات) اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ نویں بقر عید کو عام مسلمانوں کی بخشش ہوتی ہے حاجی ہوں یا غیر حاجی ۷؎ یعنی سرداران عرب خواہ قریش یا غیر قریش، حج کے موقعہ پر اپنی بڑائی اسطرح ظاہر کرتے تھے کہ غریب حاجی تو عرفات پہنچتے تھے اور یہ لوگ مزدلفہ تک آکر لوٹ جاتے تھے ۸؎ حمس ح کے پیش سے احمس کی جمع حماسہ سے بنا بمعنی سختی و بہادری، اسی لیے کعبہ کو حمساء کہتے ہیں کہ وہ مضبوط پتھر سے بنایا گیا، نیز وہ کہتے تھے کہ ہم حرم کے کبوتر ہیں، حدود حرم سے آگے نہ بڑھیں گے۔ ۹؎ کیونکہ حج کی جان اور اسکا رکن اعلیٰ تو حج کا قیام ہی ہے جس سے یہ لوگ تکبر اور فخر کی بناء پر محروم رہے اے محبوب آپ وہاں ہی قیام کریں، صرف مزدلفہ سے واپس نہ ہوں۔ معلوم ہوا کہ متکبر انسان کبھی بڑی رحمتوں سے محروم رہتا ہے۔ ۱۰؎ یعنی عرفات سے جہاں سے حجاج واپس ہوتے ہیں تاکہ متکبروں کا غرور ٹوٹے: خیال رہے کہ قبرستان اور عرفات کا میدان، جماعت نماز کی صفیں وہ مقامات ہیں، جہاں سب چھوٹے بڑے برابر کردیئے جاتے ہیں۔ ۱۱؎ آپ کی کنیت ابوالہیثم ہے، قبیلہ بنی سلیم سے ہیں، بڑے پایہ کے شاعر تھے، فتح مکہ سے کچھ پہلے اسلام لائے مؤلفۃ القلوب سے تھے، فتح مکہ میں آپ پانچ سو ساتھیوں کے ساتھ شریک تھے، زمانہ جاہلیت میں آپ نے اور آپکے ساتھیوں نے اپنے پر شراب حرام کرلی تھی، اور آپ اپنی قوم کے سردار تھے (اشعہ، مرقات) ۱۲؎ ظاہر یہ ہے کہ امت سے مراد تاقیامت حجاج ہیں کہ جو حج کو آئے بالکل بخشا جائے، بعض شارحین نے ساری امت مراد لی ہے اور بعض نے صرف حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرنے والے فرمایا، مگر پہلی بات قوی تر ہے (لمعات، مرقات)۔

مَا خَلَا الْمَظَالِمَ فَاِنِّیْ اٰخِذٌ لِلْمَظْلُوْمِ مِنْهُ قَالَ اَیْ رَبِّ اِنْ شِئْتَ اَعْطَیْتَ الْمَظْلُوْمَ مِنَ الْجَنَّةِ وَغَفَرْتَ لِلظَّالِمِ فَلَمْ یُجَبْ عَشِیَّتَهٗ فَلَمَّا اَصْبَحَ بِالْمُزْدَلِفَةِ اَعَادَ الدُّعَاءَ فَاُجِیْبَ اِلٰی مَا سَاَلَ قَالَ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْ قَالَ تَبَسَّمَ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ بَكْرٍ وَّعُمَرُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اِنَّ هٰذِهٖ لَسَاعَةٌ مَا كُنْتَ تَضْحَكُ فِیْهَا فَمَا الَّذِیْ اَضْحَكَكَ اَضْحَكَ اللّٰهُ

حقوق العباد کے سوا باقی گناہ بخش دیئے مظلوم کا حق تو لوں گا[۱] عرض کیا یارب اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت دے دے اور ظالم کو بخش دے[۲] اس شام کو تو جواب نہ ملا مگر جب مزدلفہ میں حضور نے صبح کی تو وہ ہی دعا دوبارہ کی تب آپ کا سوال پورا کیا گیا[۳] راوی فرماتے ہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے یا مسکرائے[۴] خدمت عالی میں حضرت ابوبکر و عمر نے عرض کیا ہمارے ماں باپ فدا اس گھڑی حضور ہنسا نہ کرتے تھے اللہ حضور کو خوش و خرم رکھے کیا چیز آپ کو ہنسا رہی ہے[۵]

۱ مظالم سے مراد حقوق العباد ہیں خواہ مالی حق ہوں یا جانی، حق العبد وہ ہے جو بندے کے معاف کر دینے سے معاف ہو جائے اور حق اللہ وہ ہے جسے بندہ معاف نہ کر سکے۔ لہذا قتل کی سزا حق العبد ہے اور زنا کی سزا حق اللہ اور چوری کی سزا مقدمہ پہنچنے سے پہلے تو حق العبد ہے، پھر حق اللہ بن جاتی ہے یعنی حق اللہ حج سے معاف نہ ہو گا وہ تو ادا ہی کرنا ہو گا: خیال رہے کہ یہ حج مقبول کی جزا ہے، حج مقبول ہوتا ہی وہ ہے جو نمازیں وغیرہ ادا کر کے کیا جائے۔ لہذا اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عمر بھر تارک نماز اور شرابی، زانی رہو، حج کر آؤ سب معاف ہو گیا، بلکہ پہلے ان جرموں سے صحیح توبہ کر لو پھر آئندہ ان کے قریب نہ جاؤ، تو ان شاء اللہ گذشتہ کوتاہیوں کی معافی ہو جائے گی۔ ۲ یعنی مظلوم کو جنت دے کر ظالم سے راضی کرا دے کہ مظلوم ظالم کو معافی دیدے۔ اپنا حق مظلوم معاف کر دے اور اے مولیٰ تو اپنا حق معاف فرما دے: خیال رہے کہ ہر حق العبد میں حق اللہ بھی شامل ہوتا ہے، ہاں غالب حق العبد ہوتا ہے۔ قاتل جیسے مقتول کا مجرم ہے ایسے ہی رب کا بھی مجرم، کہ اس نے رب کا قانون توڑا، لہذا حدیث بالکل ظاہر ہے، قیامت میں مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دینا یا ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دلوا دینا عدل ہے، مگر مظلوم کو جنت دے کر راضی کر دینا اور ظالم کی معافی کرا دینا، یہ رب تعالیٰ کا فضل ہے، یہاں یہ تیسری صورت مراد ہے۔ ۳ یعنی حقوق العباد کا بھی وعدہ کر لیا گیا، اسکا مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا، لہذا اگر مقروض نے ادائے قرض میں ٹال مٹول کی تھی، پھر ادا کر کے حج کو گیا تو حج کی برکت سے ٹال مٹول کا گناہ معاف ہو گیا اور اگر قرضخواہ لاپتہ ہو گیا تھا یا کسی وجہ سے ابھی قرض ادا نہ کیا تھا کہ حج کر لیا تو بھی اب تک تاخیر کا گناہ معاف ہے لیکن اگر حج کے بعد بھی قرض ادا نہ کیا تو اب ٹال مٹول کا گناہ اب از سر نو شروع ہو گا، ہاں اگر حج میں مر گیا اور بعد میں ورثاء نے بھی ادا نہ کیا مگر اس حاجی کی نیت ادا کی تھی تو امید ہے کہ معافی ہو جائے، غرضکہ اس حدیث پر چکڑالویوں کا کوئی اعتراض نہیں، اس قسم کی امید افزا آیات قرآن کریم میں بھی بہت ہیں: نیز حاجی کو اس حدیث کی بنا پر دلیر ہونا جائز نہیں، کیا خبر کس کا حج قبول ہوا اور اس بشارت کا اہل ہو۔ ۴ یہ شک کسی نیچے کے راوی کو ہے نہ کہ حضرت عباس کو، حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام زندگی شریف میں کبھی قہقہہ نہ لگایا، تبسم فرماتے تھے۔ ۵ یعنی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم ادائے عبادت کے موقعہ پر تبسم نہ فرماتے تھے بلکہ اکثر گریہ و زاری فرماتے تھے، اللہ تعالٰے حضور بندگان عالی کو ہمیشہ ہی خوش رکھے، آج مزدلفہ میں بجائے گریہ و زاری کے تبسم کیا، معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی بگڑی بنوادی، اس پر خوشی ہے سبحان اللہ کیا پیارا سوال ہے اور کس خوش اسلوبی سے ہے، دعا دے کر کلام کرنا غلاموں کا طریقہ چاہیئے۔

بِسَنَدِهٖ قَالَ اِنَّ عَدُوَّ اللّٰهِ اِبْلِيْسَ لَمَّا عَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدِ اسْتَجَابَ دُعَائِيْ وَغَفَرَ لِاُمَّتِيْ اَخَذَ التُّرَابَ فَجَعَلَ يَحْثُوْهُ عَلٰى رَاْسِهٖ وَيَدْعُوْا بِالْوَيْلِ وَالثُّبُوْرِ فَاَضْحَكَنِيْ مَا رَاَيْتُ مِنْ جَزَعِهٖ رَوَاهُ اِبْنُ مَاجَةَ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ نَحْوَهٗ

بَابُ الدَّفْعِ مِنْ عَرَفَةَ وَالْمُزْدَلِفَةِ

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سُئِلَ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِيْرُ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ حِيْنَ دَفَعَ

فرمایا کہ جب اللہ کے دشمن ابلیس نے دیکھا کہ اللہ تعالٰی نے میری دعا قبول کرلی اور میری امت کو بخش دیا ۱؎ تو مٹی اٹھا کر اپنے سر پہ ڈالنے لگا اور ہائے وائے پکارنے لگا ۲؎ ہم نے جو اس کی گھبراہٹ دیکھی جس سے ہمیں ہنسی آگئی ۳؎ (ابن ماجہ) اور بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں اس کی مثل روایت کی ۴؎ باب، عرفہ اور مزدلفہ سے روانگی ۵؎ پہلی فصل۔ روایت ہے حضرت ہشام ابن عروہ سے ۶؎ وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ اسامہ ابن زید سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں جب عرفہ سے روانہ ہوئے تو کس چال سے چلتے رہے

۱؎ معلوم ہوا کہ شیطان جہاں بھی ہو عالم کے ہر حال کی خبر رکھتا ہے اور ہر ظاہر و چھپی باتوں کو سنتا جانتا ہے، ظاہر ہے کہ ابلیس اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو تھا نہیں، نہ آپ کے سجدے کے وقت وہاں کان لگائے ہوئے تھا، وہ مردود اپنی جگہ تھا، مگر یہاں سے خبردار تھا، جب ناری کی یہ کیفیت ہے تو نوری جماعتوں کے علم و فضل اور باخبری کا کیا پوچھنا، رب تعالٰی ابلیس کے متعلق فرماتا ہے "انہ یرٰکم وجنودہ من حیث لا ترونہم"۔ ۲؎ ابلیس کی یہ گریہ زاری اپنی نامرادی اور ناکامی پر تھی کہ میں عمر بھر کوشش کرکے بندوں سے گناہ کراؤں گا، مگر ایک حج کرکے وہ گناہوں سے پاک و صاف ہوجائیں گے۔ ۳؎ معلوم ہوا کہ بے دینوں کے ایسے غم پر مومنوں کو خوش ہونا چاہیئے، کہ یہ خوشی بھی عبادت ہے اور سنت بھی ہے۔ ۴؎ یہ حدیث طبرانی، ابویعلی، خطیب وغیرہ محدثین نے مختلف اسنادوں، مختلف عبارتوں سے نقل فرمائی، جن کی تمام اسنادیں ضعیف ہیں، ابن جوزی نے اسے موضوع بتایا، بیہقی نے اس حدیث کے ماتحت فرمایا کہ کوئی حاجی اس حدیث سے دھوکا نہ کھائے اور اپنے کو بالکل مغفور نہ جانے خدا سے خوف رکھے، بعض علماء نے فرمایا کہ یہ وعدہ مشیت الٰہی پر موقوف ہے، رب تعالٰی نے اعلان فرمادیا کہ "ویغفر ما دون ذلک لمن یشآء" (مرقات)، امام عسقلانی نے ایک کتاب لکھی ہے قوت الحجاج فی عموم المغفرۃ للحاج جس میں ابن جوزی کی موضوع کہنے کی تردید کی ہے اور فرمایا کہ اگرچہ اس حدیث کی اسنادیں ضعیف ہیں مگر چند ضعیف اسنادیں مل کر حدیث قوی کردیتی ہیں، بہرحال حاجی رب تعالٰی کے کرم کی امید تو رکھے، مگر مغرور نہ ہوجائے۔ ذنوب کی معافی کی امید رکھے، اور حقوق فوراً ادا کرے، خواہ حقوق شرعیہ ہوں جیسے قضا نمازیں، یا حقوق عباد جیسے قرض وغیرہ (لمعات، اشعہ، مرقات)، ۵؎ یا تو دفع سے مراد نکلنا ہے نہ کہ نکالنا، یا اپنی سواری کو اژدہام سے نکالنا ہے کہ ان روانگیوں میں ہجوم بہت ہوتا ہے، جہاں حاجی بڑی ہوشیاری سے اپنی سواری کو نکالتا ہے- لہذا اسے دفع کہتے ہیں۔ ۶؎ ہشام بھی تابعی ہیں اور ان کے والد عروہ ابن زبیر اعلام بھی تابعی ہیں، عروہ ابن زبیر مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء سے ہیں۔ آپ کا کنواں اور باغ بیر عروہ کی فقیر نے زیارت کی ہے، اس کا پانی بھی پیا ہے۔

قَالَ كَانَ يَسِيْرُ الْعَنَقَ فَإِذَا وَجَدَ فَجْوَةً نَصَّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ دَفَعَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَرَفَةَ فَسَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاءَهٗ زَجْرًا شَدِيْدًا وَضَرْبًا لِلْاِبِلِ فَاَشَارَ بِسَوْطِهٖ اِلَيْهِمْ وَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ فَاِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِالْاِيْضَاعِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَعَنْهُ اَنَّ اُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ كَانَ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ اِلَى الْمُزْدَلِفَةِ ثُمَّ اَرْدَفَ الْفَضْلَ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ اِلٰى مِنًى فَكِلَاهُمَا قَالَ لَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَبِّيْ حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِجَمْعٍ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا بِاِقَامَةٍ وَّلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا وَلَا

فرمایا آپ قدم سے تیز چلتے رہے دولکی، پھر جب کھلا راہ پاتے تو زیادہ تیز چلتے (میدانی) [1] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ آپ عرفہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس ہوئے [2] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے اونٹوں کو سخت ڈانٹ ڈپٹ اور مار سنی [3] تو انہیں اپنے کوڑے سے اشارہ فرمایا اور حکم دیا کہ اے لوگو اطمینان اختیار کرو تیز دوڑنے میں خوبی نہیں [4] (بخاری) روایت ہے ان ہی سے کہ حضرت اسامہ ابن زید عرفہ سے مزدلفہ تک نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ردیف (پیچھے سوار) رہے۔ پھر حضور انور نے مزدلفہ سے منیٰ تک حضرت فضل کو پیچھے بٹھالیا [5] ان دونوں صاحبوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جمرہ عقبہ کو کنکر مارنے تک تلبیہ کہتے رہے [6] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب و عشا جمع کرکے پڑھیں، [7] کہ ان میں سے ہر نماز علیحدہ تکبیر سے ادا کی اور نہ ان کے درمیان نفل پڑھے اور نہ

[1] فجوہ کے معنی ہیں کشادگی اور کھلی جگہ، رب تعالٰی فرماتا ہے وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ اصحاب کہف غار کی کھلی جگہ میں ہیں۔ نص اور عنق اونٹ کی رفتار کے نام ہیں، نص عنق سے زیادہ تیز ہوتی ہے جیسے گھوڑے کی رفتاروں کے نام دلکی، میدان، سرپٹ وغیرہ ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ عام حالت میں معمولی رفتار پر چلایا، اور اگر کوئی جگہ خالی ملی تو تیز رفتار سے تاکہ حتی الامکان اگلے مقام پر جلد پہنچ کر عبادات کریں یہ بھی سبقت الی الخیرات کی قسم ہے [2] عرفات سے مزدلفہ کی طرف چلے دسویں ذوالحجہ کی شب کو، چونکہ یہ شب بھی نویں تاریخ میں داخل ہے اس لیے اسے یوم عرفہ فرمایا گیا بعض لوگوں نے یوم عرفہ سے دھوکا کھایا اور سمجھے کہ منیٰ سے عرفات کی روانگی مراد ہے یہ غلط ہے کیونکہ دسویں ذی الحجہ کی شب میں جو عرفات پہنچ جائے اسے حج مل جاتا ہے [3] کہ حجاج اونٹوں کو دوڑانے کے لیے انہیں ڈانٹ ڈپٹ و مار کر رہے تھے۔ [4] یعنی اس جگہ اونٹ دوڑانا ثواب نہیں بلکہ خطرہ ہے کہ گناہ بن جائے کہ ہجوم زیادہ ہے تیز دوڑانے میں حجاج کے کچل جانے، چوٹ کھا جانے کا خطرہ ہے، بلکہ ثواب تو اطمینان سے ارکان ادا کرنے میں ہے اب بھی حجاج کو چاہیے کہ وہ بھاگ دوڑ سے بچیں۔ [5] خلاصہ یہ ہے کہ عرفات سے منیٰ تک دو حضرات کو آگے پیچھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمرکابی کی سعادت میسر ہوئی، عرفات سے مزدلفہ تک حضرت اسامہ ابن زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور انور کے ساتھ حاضر تھے اور مزدلفہ سے منیٰ تک حضرت فضل ابن عباس کو اسکا شرف ملا، چونکہ حضور انور کی ہمرکابی اعلٰی درجہ کا شرف ہے نیز اس قرب سے حضور کے اعمال طیبہ بخوبی معلوم ہو سکتے ہیں اس لیے یہ واقعہ بیان فرمایا [6] معلوم ہوا کہ حج کا تلبیہ دسویں ذی الحجہ کی جمرہ عقبہ تک رہتا ہے۔ یہاں پہلا کنکر مارتے ہی تلبیہ ختم ہو جاتا ہے۔ [7] اس طرح کہ مغرب

عَلَىٰ اِثْرِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلٰوةً اِلَّا لِمِيْقَاتِهَا اِلَّا صَلٰوتَيْنِ صَلٰوةَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ وَصَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَئِذٍ قَبْلَ مِيْقَاتِهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَنَا مِمَّنْ قَدَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى

ان میں سے کسی نماز کے پیچھے [1] (بخاری) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز غیر وقت میں پڑھی ہو سوا دو نمازوں کے مزدلفہ میں تو مغرب و عشاء [2] اور اس دن نماز فجر اپنے وقت معہود سے پہلے پڑھ لی [3] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں تھا جنہیں نبی صلے اللہ

عشاء کے وقت میں پڑھی، کہ وہاں آج مغرب کا وقت یہی ہے۔ اگر کوئی عرفات میں یا راستہ میں نماز مغرب پڑھ بھی لیگا تو نہ ہوگی کہ اس نے وقت سے پہلے پڑھ لی۔ خیال رہے کہ عرفات شریف میں تو عصر اپنے وقت سے آگے پڑھتے ہیں کہ ظہر کے وقت میں پڑھی جاتی ہے اس لیے وہاں دونوں نمازوں کے لیے تکبیریں بھی دو ہونگی، اور جو حاجی جماعت امام کیساتھ پڑھے گا وہ ہی جمع صلوٰتین کریگا، مگر مزدلفہ میں نماز مغرب پیچھے ہٹ گئی، کہ عشاء کے وقت میں پڑھی گئی، تو خواہ با جماعت نماز پڑھے یا علیحدہ اور خواہ امام کے ساتھ جماعت پڑھے یا اپنی جماعت علیحدہ کرے، بہر حال جمع صلوٰتین کریگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ عرفات میں دونوں نمازوں کے لیے اذان ایک اور اقامت دو ہونگی۔ [1] یہ مذہب امام زفر کا ہے کہ مزدلفہ میں بھی مغرب عشاء دو تکبیروں سے پڑھے، انکی دلیل یہ حدیث ہے باقی ائمہ فرماتے ہیں کہ یہاں اذان بھی ایک ہوگی اور تکبیر بھی ایک، انکی دلیل وہ احادیث ہیں جو مسلم شریف نے حضرت سعید ابن جبیر سے اور ابن ابی شیبہ نے حضرت جابر سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ایک اذان ایک اقامت سے دونوں نمازیں پڑھیں، وہ احادیث مطابق قیاس ہیں اور یہ حدیث بخاری خلاف قیاس لہذا ان روایات کو ترجیح ہے۔ کیونکہ تکبیر لوگوں کو جمع کرنے کیلیے ہوتی ہے لوگ پہلی اذان و تکبیر پر جمع ہو چکے ہیں اور نماز عشاء کا یہ وقت بھی ہے تو ظاہر ہے کہ بغیر عشاء پڑھے نہ متفرق ہوں گے مگر عرفات میں ظہر اپنے وقت میں ہے، اندیشہ ہے کہ لوگ سلام پھیرتے ہی چل دیں اسلئے تکبیر فوراً ہی کہہ دی جاتی کہ عصر بھی ابھی ہو رہی ہے جاؤ مت بہر حال مذہب ائمہ قوی ہے۔ امام طحاوی نے امام زفر کا مذہب اختیار کیا، ان دونوں نمازوں کے درمیان یا بعد میں نوافل و سنن وغیرہ ہرگز نہ پڑھے کہ یہی سنت ہے [2] یہ حدیث امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل ہے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی سفر میں جمع بین الصلوتین نہ کیا یعنی چند نمازیں ایک وقت نہ پڑھیں، وہاں جمع صوری تھا کہ ظہر آخر وقت میں پڑھی اور عصر اول وقت میں، رہا غزوہ خندق میں چند نمازیں یکدم پڑھنا وہ جمع نہ تھا بلکہ قضاء پڑھی گئی تھیں، جمع ادا ہے قضاء کچھ اور [3] یعنی مزدلفہ میں مغرب و عشاء کو حقیقۃً جمع فرمایا کہ مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی اور دوسری عرفات ہیں کہ وہاں عصر ظہر کے وقت میں پڑھی، چونکہ وہ جمع صلوٰتین دن میں اور سب کے سامنے ہوا تھا، اسی لیے اسکا علیحدہ نام نہ لیا اور مزدلفہ میں نمازوں کا اجتماع رات میں تھا جس میں سارے حجاج جمع نہ تھے، اس لئے صرف اس کا ذکر صراحۃً علیحدہ بھی کر دیا، لہذا حدیث واضح ہے دو نمازوں سے مراد عرفہ و مزدلفہ کی نمازیں ہیں۔ [4] یعنی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فجر خوب اجیالے میں پڑھتے تھے مگر آج مزدلفہ میں پو پھٹتے ہی بعد اندھیرے میں پڑھی، یہ حدیث امام اعظم قدس سرہ کی قوی دلیل ہے کہ ہمیشہ فجر اجیالے میں پڑھی جائے، صرف مزدلفہ میں اندھیرے منہ پڑھے کیونکہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہی نماز فجر پو پھٹتے ہی پڑھتے ہوتے تو آج وقت معتاد سے پڑھنے کے کیا معنی، کیا وقت سے پہلے پڑھ لی ہرگز نہیں

اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَۃَ الْمُزْدَلِفَۃِ فِیْ ضَعَفَۃِ اَھْلِہٖ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَعَنْہُ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ وَکَانَ رَدِیْفَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ فِیْ عَشِیَّۃِ عَرَفَۃَ وَغَدَاۃِ جَمْعٍ لِلنَّاسِ حِیْنَ دَفَعُوْا عَلَیْکُمْ بِالسَّکِیْنَۃِ وَھُوَ کَافٌّ نَاقَتَہٗ حَتّٰی دَخَلَ مُحَسِّرًا وَّھُوَ مِنًی قَالَ عَلَیْکُمْ بِحَصَی الْخَذْفِ الَّذِیْ یُرْمٰی بِہِ الْجَمْرَۃُ وَقَالَ لَمْ یَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُلَبِّیْ حَتّٰی رَمَی الْجَمْرَۃَ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَفَاضَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ جَمْعٍ وَّعَلَیْہِ السَّکِیْنَۃُ وَاَمَرَھُمْ بِالسَّکِیْنَۃِ وَاَوْضَعَ فِیْ وَادِیْ مُحَسِّرٍ وَّاَمَرَھُمْ اَنْ یَّرْمُوْا بِمِثْلِ حَصَی الْخَذْفِ وَقَالَ

علیہ وسلم نے مزدلفہ کی رات ضعیف بال بچوں کے ساتھ آگے بھیج دیا ۱ (مسلم بخاری) روایت ہے انہی سے وہ حضرت فضل ابن عباس سے راوی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے کہ حضور انور نے عرفہ کی شام اور مزدلفہ کے سویرے جب لوگ روانہ ہوئے تو ان سے فرمایا سکون اختیار کرو حضور خود بھی اپنی اونٹنی کی لگام کھینچے ہوئے تھے ۲ حتی کہ وادی محسر میں داخل ہوگئے جو منیٰ کا ہی حصہ ہے ۳ فرمایا کنکریاں چن لو ٹھیکریوں کی طرح جن سے جمرہ کو مارا جائے ۴ اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ کی رمی تک تلبیہ کہتے رہے (مسلم) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مزدلفہ سے یوں روانہ ہوئے کہ آپ پر نہایت سکون و اطمینان تھا اور لوگوں کو بھی سکون کا ہی حکم دیا اور وادی محسر میں سواری کچھ تیز کی ۵ اور انہیں حکم دیا کہ ٹھیکریوں کی سی کنکریوں سے رمی کریں اور فرمایا

لہذا قول احناف قوی ہے، یہاں تمام ائمہ کے ہاں وقت سے مراد وقت معتاد ہے۔ ۱ ضعفہ جمع ضعیف کی ہے یعنی کمزور، اس سے مراد چھوٹے بچے اور عورتیں ہیں یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دسویں بقرعید کی رات میں اپنے گھر والی بیبیاں اور چھوٹے بچے رات ہی میں مزدلفہ سے منیٰ روانہ کردیئے تاکہ صبح کو بھیڑ بھاڑ میں تکلیف نہ ہو اور یہ حضرات منیٰ میں پہلے پہنچ کر آرام سے خیمہ میں پہنچ جائیں، اب بھی یہ جائز ہے مگر طاقتور لوگوں کی یہ ساری رات مزدلفہ میں گذارنی ہوگی، بعد نماز فجر سورج نکلنے سے کچھ پہلے یہاں سے روانہ ہوں گے، مسلم بخاری میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھاری جسم تھیں وہ بھی نصف رات کے بعد مزدلفہ سے روانہ ہوگئیں، حضور سے پوچھ کر یہ عذر کی بنا پر اجازت ہے۔ ۲ یعنی ان دونوں روانگیوں میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے حجاج کو اطمینان سے آہستہ چلنے کا حکم دیا، عرفہ سے مزدلفہ آتے وقت اور پھر صبح کو مزدلفہ سے منیٰ آتے وقت اگر یہ اطمینان نہ ہو تو نوبت لوگ کچل کر مر جائیں، اب تو بسیں چلتی ہیں مگر وہ بھی دو تین میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پھر بھی ٹھہرتی ہوئی۔ ۳ یہ راوی کی تفسیر ہے علماء کے اس کے متعلق مختلف خیال ہیں، بعض کے نزدیک یہ منیٰ میں داخل ہے بعض کے خیال میں مزدلفہ میں، بعض کہتے ہیں کہ یہ ان دونوں کے درمیان برزخ ہے، یہ تیسرا قول ہی قوی ہے اور اس جملے کے معنی یہ ہیں، کہ وہ منیٰ سے قریب ہے (لمعات اشعہ ومرقات) منیٰ جمرہ عقبہ سے وادی محسر تک کے علاقہ کا نام ہے اس طرح یہ دونوں حدود منیٰ سے خارج ہیں (مرقات)۔ ۴ خذف چٹکی سے پھینکنے کو کہتے ہیں، پھر ٹھیکری کو کہنے لگے کہ وہ چٹکی سے ہی پھینکی جاتی ہے۔ ان کنکروں کی مقدار باقلا کے دانہ کے برابر چاہیئے بہتر یہ ہے کہ وادی محسر سے چنے جائیں، اگر مزدلفہ سے ہی چن لئے گئے تب بھی جائز ہے نتر کنکر لیے جائیں جو سات دسویں ذی الحجہ کو کام آویں اور ۲۱ ۔ گیارہویں بارہویں تیرھویں کو، کیونکہ آج صرف جمرۂ عقبہ کی رمی ہوگی، ان تواریخ میں تینوں جمروں کی ہر جمرہ پر سات کنکر، بعض بے وقوف بڑے بڑے پتھر بلکہ جوتے مارتے ہیں اور شیطان کو گالیاں دیتے جاتے ہیں یہ جہالت ہے۔ خیال رہے کہ

لَعَلِّیْ لَا اَرَاکُمْ بَعْدَ عَامِیْ هٰذَا لَمْ اَجِدْ هٰذَا الْحَدِیْثَ فِی الصَّحِیْحَیْنِ اِلَّا فِیْ جَامِعِ التِّرْمِذِیِّ مَعَ تَقْدِیْمٍ وَّتَاخِیْرٍ اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَیْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِیَّةِ کَانُوْا یَدْفَعُوْنَ مِنْ عَرَفَةَ حِیْنَ تَکُوْنُ الشَّمْسُ کَاَنَّهَا عَمَائِمُ الرِّجَالِ فِیْ وُجُوْهِهِمْ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ وَمِنَ الْمُزْدَلِفَةِ بَعْدَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ حِیْنَ تَکُوْنُ کَاَنَّهَا عَمَائِمُ الرِّجَالِ فِیْ وُجُوْهِهِمْ وَاِنَّا لَا نَدْفَعُ مِنْ عَرَفَةَ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَنَدْفَعُ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ هَدْیُنَا مُخَالِفٌ لِهَدْیِ عَبَدَةِ الْاَوْثَانِ وَالشِّرْکِ

شاید میں تمہیں اس سال کے بعد نہ دیکھوں گا ۱ میں نے یہ حدیث مسلم بخاری میں نہ پائی۔ صرف ترمذی میں پائی۔ وہ بھی کچھ تقدیم و تاخیر سے ۲ دوسری فصل۔ روایت ہے حضرت محمد ابن قیس ابن مخرمہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا تو فرمایا کہ جاہلیت والے جب عرفہ سے چلتے تھے ۳ جب کہ سورج ایسا ہو جاتا تھا جیسے لوگوں کی پگڑیاں ان کے چہروں میں ۴ غروب سے پہلے اور مزدلفہ سے آفتاب چمکنے کے بعد جب کہ دھوپ ایسی ہوتی جیسے لوگوں کی پگڑیاں ان کے چہرے میں اور ہم عرفہ سے سورج ڈوبنے تک روانہ ہوں گے اور مزدلفہ سے سورج نکلنے سے پہلے چلیں گے۔ ہمارا طریقہ بت پرستوں اور مشرکوں کے خلاف ہو گا ۵

کہ یہاں جمرہ سے مراد جنس جمرہ ہے۔ ۸ یعنی مزدلفہ سے منیٰ تک کا بقیہ راستہ تو آہستگی سے طے فرمایا، مگر یہ مقام قدرے تیزی سے اسکی وجہ پہلے بیان کی جاچکی ہے۔ مگر یہ تیزی بھی ایسی نہ تھی جس سے لوگوں کو تکلیف ہو اسی لیے اوضع فرمایا۔ ایضاع کے معنی ہیں جانور کو ایڑھ لگانا تاکہ وہ قدرے تیز ہوجائے۔

۱ یعنی یہ ہمارا آخری حج ہے بلکہ مکہ مکرمہ کی حاضری بھی آخری ہے، اور ہماری حیات کا آخری سال ہے، جو کچھ سیکھنا ہے ہم سے جلد سیکھ لو اے مشتاق آنکھو دیدار محبوب سیر ہو کر کرلو، پھر ترسو گے۔ یہ لعل یقین کے لیے ہے جیسے قرآن کریم میں جگہ جگہ لعلّ فرمایا گیا، اور دیکھنے سے مراد ان ظاہری آنکھوں سے دیکھنا ہے، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفات بھی عالم کے ذرہ ذرہ کو ملاحظہ فرما رہے ہیں، جس پر بہت دلائل قائم ہیں، دیکھو ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول انہی الفاظ کی بنا پر اس حج کا نام حجۃ الوداع ہوا کہ حضور نے اس میں اپنے وداع کی خبر دی اور امت کو وداع فرمایا اور ہوا بھی ایسا ہی کہ چند ماہ بعد یعنی بارہویں ربیع الاول کو وفات ہوگئی، خیال رہے کہ ذی الحجہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع ہوا، اور ربیع الاول ۱۱ھ میں وفات تین مہینہ بعد۔ ۲ اس میں مصنف پر دو اعتراض ہیں ایک یہ کہ مصنف ترمذی کی حدیث فصل اول میں لے آئے، یہ ان کے قاعدہ کے خلاف ہے وہ فصل اول میں صرف شیخین کی روایات لاتے ہیں، دوسرے یہ کہ روایت ترمذی کی بھی ترتیب الفاظ بدلی ہوئی ہے۔ ۳ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ عرفات میں دیا کیونکہ وہاں ارکان حج سکھائے جاتے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ حج سے پہلے کسی جمعہ میں ارشاد فرمایا ہو تاکہ حج کو جانے والے ابھی سے احکام سیکھ لیں اہل جاہلیت سے مراد قریش کے سوا دیگر کفار ہیں، قریش تو عرفات جاتے ہی نہ تھے، مزدلفہ سے ہی لوٹ جاتے تھے۔ ۴ یعنی آفتاب ڈوبنے سے کچھ پہلے وہ عرفات سے روانہ ہوجاتے تھے جب سورج کنارۂ مغرب میں پہنچ جاتا اور اسکی دھوپ چہروں پر ایسی ہلالی پڑتی تھی جیسے پیشانی پر عمامہ کا حصہ یعنی سروں پر دھوپ نہ رہتی صرف چہرہ ہلال کی طرح رہتی، یا مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں پر دھوپ ایسی پڑتی تھی جیسے چہروں پر پگڑی کا کنارہ عمامہ کی شکل نصف

رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ وَقَالَ خَطَبَنَا وَسَاقَهٗ نَحْوَهٗ . وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ اُغَيْلِمَةَ بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَلٰى حُمُرَاتٍ فَجَعَلَ يَلْطَحُ اَفْخَاذَنَا وَيَقُوْلُ اُبَيْنِيَّ لَا تَرْمُوا الْجَمْرَةَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ . وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاُمِّ سَلَمَةَ لَيْلَةَ النَّحْرِ فَرَمَتِ الْجَمْرَةَ قَبْلَ الْفَجْرِ ثُمَّ مَضَتْ فَاَفَاضَتْ وَكَانَ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْيَوْمَ الَّذِيْ يَكُوْنُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(بیہقی) وہاں یہ بھی روایت کی کہ ہم پر حضور نے خطبہ ارشاد کیا پھر اس کی مثل روایت کی [1] روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم بنی عبدالمطلب کے بچوں کو گدھوں پر سوار کرکے آگے روانہ کردیا حضور انور ہماری رانوں کو ہاتھ لگاتے [2] اور فرماتے تھے بچو سورج نکلنے سے پہلے جمرہ کو کنکر نہ مارنا [3] (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کو بقرعید کی رات بھیج دیا [4] انہوں نے فجر سے پہلے جمرہ کے کنکر مار لیے [5] پھر وہ چلی گئیں تو طواف زیارت کرلیا [6] یہ دن وہ تھا جس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس

کرتی ہے، ایسے ہی پہاڑوں پر دھوپ کی شکل ہوجاتی تھی۔ [8] خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین عرفات سے سورج ڈوبنے سے پہلے چلتے تھے، اور مزدلفہ سے سورج نکلنے کے بعد اسلام میں اس کے برعکس ہے کہ عرفات سے سورج ڈوبنے کے بعد چلتے ہیں تاکہ وہاں ہی رات کی ایک ساعت بھی گذر جائے۔ اور مزدلفہ سے سورج نکلنے سے پہلے روانہ ہوجائیں، کیونکہ پو پھٹنے پر دن نکل آتا ہے، رات ودن کا اجتماع عرفہ میں بھی کریں گے اور مزدلفہ میں بھی مگر بات یہ ہے کہ اکثر علماء کے ہاں دن چھپنے تک عرفہ میں رہنا واجب ہے اور دن نکلتے وقت تک مزدلفہ میں ٹھہرنا سب کے ہاں سخت مکروہ ہے۔

[1] یہاں مشکوٰۃ شریف میں سفیدی چھوڑی ہوئی ہے یعنی مؤلف کو یہ حدیث کہیں نہیں ملی، مگر شیخ ابن حجر اور جزری نے فرمایا کہ یہ حدیث بیہقی شعب الایمان میں ہے۔ [2] یلطح لطح سے بنا، اس کے معنی ہیں ہتھیلی سے تھپکورنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ گدھے پر حج کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ [3] یعنی تم اگرچہ رات ہی میں منٰی پہنچ جاؤ گے مگر جمرہ کی رمی آفتاب نکلنے کے بعد کرنا، امام شافعی کے ہاں آدھی رات کے بعد رمی جائز ہے، اور امام ابوحنیفہ و احمد کے ہاں پو پھٹنے کے بعد رمی جائز ہے، مگر امام صاحب کے ہاں مستحب یہی ہے کہ آفتاب نکلنے کے بعد رمی کی جائے، یہ حدیث امام صاحب کی دلیل ہے، اور امام شافعی صاحب کے خلاف۔ [4] یعنی دسویں بقرعید کی شب مزدلفہ سے منٰی روانہ فرمادیا مع بچوں اور دوسری ازواج کے جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ [5] ظاہر یہ ہے کہ فجر سے مراد نماز فجر ہے نہ کہ وقت فجر یعنی حضرت ام سلمہ نے پو پھٹنے کے بعد پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کی، پھر نماز فجر پڑھی، لہذا یہ حدیث گذشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمادیا گیا تھا کہ آفتاب نکلنے سے پہلے رمی نہ کرنا کہ وہاں بیان استحباب تھا اور یہاں جواز پر عمل ہے۔ جن بزرگوں نے فرمایا ہے کہ رات میں بھی رمی جائز ہے، نصف شب کے بعد یہ حدیث ان کی دلیل نہیں اور نہ حنفیوں کے خلاف، وقت رمی صبح صادق سے شروع ہوتا ہے خیال ہے کہ حج کے احکام میں آئندہ راتیں دن میں شمار ہوتی ہیں نہ کہ گذشتہ راتیں، دیکھو نویں تاریخ کے بعد والی شب میں عرفات میں ٹھہر جانے سے حج مل جاتا ہے، لیکن اس سے پہلی رات میں حج نہیں ملتا، ایسے ہی گیارھویں بقرعید کی شب دسویں میں شمار ہوگی کہ اگر اس میں جمرۂ عقبہ کی رمی کی گئی تو ہوجائیگی اگرچہ مکروہ ہوگی، مگر دسویں کی شب میں رمی درست ہی نہ ہوگی۔ [6] طواف زیارت کا وقت دسویں بقرعید کی صبح سے بارھویں کی مغرب تک ہے مگر دسویں کو

وَسَلَّمَ عِنْدَهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ ◆ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ يُلَبِّي الْمُقِيْمُ اَوِ الْمُعْتَمِرُ حَتّٰى يَسْتَلِمَ الْحَجَرَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَقَالَ وَرُوِيَ مَوْقُوْفًا عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ يَعْقُوْبَ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عُرْوَةَ اَنَّهُ سَمِعَ الشَّرِيْدَ يَقُوْلُ اَفَضْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا مَسَّتْ قَدَمَاهُ الْاَرْضَ حَتّٰى اَتٰى جَمْعًا رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ ◆ وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ سَالِمٌ اَنَّ الْحَجَّاجَ بْنَ يُوْسُفَ عَامَ نَزَلَ بِابْنِ الزُّبَيْرِ سَاَلَ عَبْدَ اللّٰهِ كَيْفَ نَصْنَعُ فِي الْمَوْقِفِ يَوْمَ عَرَفَةَ

قیام فرما ہوتے تھے [1] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ مقیم یا عمرہ کرنے والا حجر اسود چومنے تک تلبیہ کہے (ابوداؤد) ابوداؤد نے فرمایا یہ حضرت ابن عباس سے موقوفًا مروی ہے [2] تیسری فصل۔ روایت ہے حضرت یعقوب ابن عاصم ابن عروہ سے کہ انہوں نے حضرت شرید کو فرماتے سنا [3] کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرفات چلا تو آپ کے قدم شریف زمین سے نہ لگے حتی کہ مزدلفہ میں پہنچ گئے [4] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت ابن شہاب سے فرماتے ہیں مجھے سالم نے خبر دی کہ جس سال حجاج ابن یوسف نے حضرت زبیر پر حملہ کیا [5] تو اس نے حضرت عبداللہ سے پوچھا کہ ہم عرفہ کے دن قیام گاہ میں کیا کریں

کر لینا بہت بہتر ہے۔ [1] یعنی حضرت ام سلمہ نے ان کاموں میں جلدی اس لیے کی کہ آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام ان کے ہاں تھا تو آپ نے چاہا کہ ان عبادات سے جلد فارغ ہو جائیں تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اچھی طرح کر سکیں کہ وہ تمام عبادات سے افضل ہے دیگر ازواج کی چونکہ باری نہ تھی، اس لیے انہوں نے دن چڑھے اطمینان سے رمی کی۔ [2] یہ اَوْ راوی کے شک کی بنا پر ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے مقیم فرمایا یا معتمر (لمعات) اور ہو سکتا ہے کہ مقیم سے مراد وہ شخص ہے جو مکہ مکرمہ میں ٹھہرا ہوا ہو خواہ وہاں کا باشندہ ہو یا باہر کا آدمی ٹھہر گیا ہو اور معتمر سے مراد وہ ہے جو باہر سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ وارد ہوا، دونوں سے مراد عمرہ کرنے والے ہی ہیں یعنی عمرہ والا کوئی بھی ہو مکہ کا یا باہر کا سنگ اسود چومتے ہی تلبیہ ختم کر دے، جیسے کہ حاجی جمرہ عقبہ کی رمی پر تلبیہ ختم کرتا ہے، مرقات میں یہ حدیث اس باب میں طبعًا لائی گئی کہ اس سے حج کے تلبیہ بند کرنے کا حکم اشارۃً معلوم ہوتا ہے۔ [3] یعقوب ابن عاصم ابن عروہ ابن مسعود تابعی ہیں ثقفی ہیں اور شرید ابن سوید کا نام مالک ہے یہ زمانہ جاہلیت میں اپنی قوم کا ایک آدمی قتل کرکے مکہ بھاگ آئے تھے۔ اس لیے اس کا لقب شرید ہو گیا (مرقات) [4] یعنی سرکار عرفات سے مزدلفہ تک پیدل چلنے کے لیے کبھی آپ سواری پر ہی رہے، لہٰذا یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں، کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم اس راہ میں ایک جگہ پیشاب کے لیے اترے استنجا فرما کر وضو کیا، عرض کیا گیا، حضور نماز مغرب؟ فرمایا نماز آگے ہے۔ چونکہ یہاں چلنے کے لیے اترنے کی نفی ہے اور وہاں حاجت کے لیے اترنے کا ثبوت؛ خیال رہے کہ پیدل حج کا بہت ثواب ہے کہ ہر قدم پر سات کروڑ نیکیاں کا وعدہ ہے۔ اور سواری پر حج سنت رسول ہے۔ ثواب اس کا زیادہ تقرب اس میں زیادہ، جیسے بعد وتر نفل کھڑے ہو کر پڑھنے کا ثواب زیادہ اور بیٹھ کر پڑھنے کا تقرب زیادہ کہ سرکار یہ نفل بیٹھ کر ہی پڑھتے تھے۔ یہاں پیدل حج سے مراد مکہ مکرمہ سے عرفات جانا آنا ہے نہ کہ گھر سے پیدل جانا [5] ابن شہاب امام زہری کی کنیت ہے اور سالم عبداللہ ابن عمر کے فرزند ہیں، حجاج ابن یوسف ثقفی مشہور ظالم حاکم گذرا ہے جو عبدالملک ابن مروان کی طرف سے حجاز کا گورنر تھا، اس نے ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمی باندھ کر قتل کرائے۔ (مرقات) جو جنگوں میں مارے گئے وہ اس کے علاوہ ہیں، اس نے عبداللہ ابن زبیر پر حملہ کیا تھا جو کہ مکہ

فَقَالَ سَالِمٌ إِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ السُّنَّةَ فَهَجِّرْ بِالصَّلٰوةِ يَوْمَ عَرَفَةَ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ صَدَقَ إِنَّهُمْ كَانُوْا يَجْمَعُوْنَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِي السُّنَّةِ فَقُلْتُ لِسَالِمٍ أَفَعَلَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَالِمٌ وَهَلْ يَتَّبِعُوْنَ ذٰلِكَ إِلَّا سُنَّتَهُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ • بَابُ رَمْيِ الْجِمَارِ

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِيْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ يَوْمَ النَّحْرِ وَيَقُوْلُ لِتَأْخُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ فَإِنِّيْ لَا أَدْرِيْ لَعَلِّيْ لَا أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِيْ هٰذِهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

سالم نے فرمایا کہ اگر تو سنت پر عمل چاہتا ہے تو عرفہ کے دن نماز ظہر دوپہری میں ہی پڑھ لے؂۱ اس پر عبداللہ ابن عمر نے فرمایا یہ سچے ہیں صحابہ کرام بطریق سنت ظہر و عصر جمع کرکے پڑھتے ؂۲ تھے تو میں نے سالم سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ عمل کیا ہے تو سالم نے فرمایا کہ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی کی پیروی کرتے تھے ؂۳ (بخاری) باب: رمی جمروں کی ؂۴

فصل پہلی - روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بقر عید کے دن اپنی سواری پر رمی کرتے دیکھا؂۵ آپ فرماتے جاتے تھے اپنے ارکان حج سیکھ لو مجھے خبر نہیں شاید میں اس حج کے بعد حج نہ کروں؂۶ (مسلم)

مکہ مکرمہ اور عراق کے بادشاہ بن چکے تھے انہیں سوئی مسی عبدالملک نے اسی سال اسے حکم دیا تھا کہ تو حج پر جا اور عبداللہ ابن عمر کی پیروی کر ہر کام ان سے پوچھ کر کرنا کسی کام میں ان کی مخالفت نہ کرنا تب اس نے آپ سے پوچھا۔ ؂۱ یعنی روزانہ ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھتے ہیں مگر نویں ذی الحجہ عرفات میں دوپہری میں زوال ہوتے ہی پڑھ لو۔ ؂۲ یعنی عرفہ میں دو کام نئے ہوں گے، ایک ظہر جلدی پڑھنا، دوسرے ظہر کے وقت میں عصر پڑھنا۔ ؂۳ یعنے ابن شہاب (امام زہری) نے حضرت سالم سے پوچھا کہ عرفات میں ظہر جلد پڑھنا اور عصر و ظہر ملا کر پڑھنا صرف صحابہ کا اپنا اجتہادی عمل تھا یا سنت رسول اللہ بھی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ سنت ہے: خیال رہے کہ حضرت سالم اور حضرت عبداللہ ابن عمر کا اس موقعہ پر صحابہ کا عمل پیش فرمانا اس لیے تھا کہ حجاج ظالم کو انکار کی گنجائش نہ رہے۔ عمل عام کی مخالفت آسان نہیں ہوتی: سیدنا عبداللہ ابن عمر کو حجاج ہی نے ایک حیلہ سے شہید کرادیا کہ آپ کے پاؤں شریف میں زہر آلودہ برچھی بہانہ سے چبھوادی، علیہ ما علیہ (مرقات) ؂۴ جمار جمرہ کی جمع ہے، عربی میں جمرہ چھوٹے کنکر یا سنگریزے کو کہتے ہیں مگر حج کے موقعہ پر ان سنگریزوں کو جمرہ کہا جاتا ہے جو دسویں گیارہویں بارہویں بلکہ تیرھویں ذی الحجہ کو تین ستونوں پر مارے جاتے ہیں پھر خود ان ستونوں کو جمرہ کہا جانے لگا جنہیں یہ کنکر مارے جاتے ہیں، کیونکہ وہاں ان کنکروں کا اجتماع ہوتا ہے: بعض لغت والے کہتے ہیں کہ اجمار کے معنی ہیں جلدی کرنا۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ جن حجاج کے کنکر قبول ہوجاتے ہیں وہ غائب کردیئے جاتے ہیں صرف غیر مقبول کنکری وہاں رہتے ہیں، ورنہ وہاں ہر سال کنکریاں کے پہاڑ لگ جایا کرتے: اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ ان مقامات میں آدم علیہ السلام نے ابلیس کو کنکر مارے تھے جس سے وہ تیزی سے دوڑ گیا تھا یہ انہی کی نقل ہے: بعض روایات میں ہے کہ یہاں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے شیطان کو کنکر مارے تھے: بہرحال یہ فعل بھی بزرگوں کی نقل ہے۔ ؂۵ تمام ائمہ کے ہاں سواری پر رمی کرنا جائز ہے، البتہ افضلیت میں فرق ہے، امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ جس رمی کے بعد اور بھی رمی ہو وہ رمی پیادہ افضل، کیونکہ اس وقت دعا مانگنا سنت ہے، اور دعا میں خشوع خضوع پیادہ ہونے سے زیادہ ہوگا اور جس رمی کے بعد دوسری رمی نہیں وہ سواری پر افضل کیونکہ اس کے بعد کوئی دعا نہیں، یہ مسئلہ امام ابویوسف نے اپنے نزع کی حالت میں ابراہیم ابن جراح کے سوال پر بیان فرمایا اور اسی پر اسی وقت آپ کا انتقال ہوگیا، طرفین کے

وَعَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَى الْجَمْرَةَ بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ[1]
وَعَنْهُ قَالَ رَمٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى وَّاَمَّا بَعْدَ ذٰلِكَ فَاِذَا
زَالَتِ الشَّمْسُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ[2] وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ انْتَهٰى اِلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرٰى فَجَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ
يَّسَارِهٖ وَمِنًى عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَرَمٰى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَمَى الَّذِيْ
اُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ[3] وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے جمرہ کو ٹھیکری کے برابر کنکروں سے رمی کیا[1] (مسلم) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرعید کے دن دوپہر کے وقت جمرہ کی رمی کی مگر اس کے بعد سورج ڈھل جانے پر[2] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے کہ وہ بڑے جمرہ پر پہنچے تو بیت اللہ کو اپنے بائیں اور منیٰ کو اپنے داہنے رکھا اور سات کنکریاں ماریں کہ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے پھر فرمایا اسی طرح انہوں نے رمی کی جن پر سورہ بقرہ اتری[3] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے

ہاں تمام منیٰ اس حدیث کی وجہ سے جانا ہو کر افضل، امام ابو یوسف نے اس سواری کی تعلیم پر عمل فرمایا، امام شافعی کے ہاں دسویں ذی الحجہ کو اگر منیٰ میں سوار ہو کر پہنچا تو سوار ہو کر رمی افضل، اور اگر پیادہ پہنچا تو رمی پیادہ افضل، گیارہویں بارہویں کو پیادہ افضل اور تیرھویں کو سوار افضل ہو (اشعۃ اللمعات، مرقات، اشعہ ولمعات) خلفاء راشدین کا عمل مختلف رہا ہو۔ بعض نے پیدل رمی کی بعض نے سواری پر۔ [۵] یعنی مجھے خبر ہے کہ میری وفات قریب ہے اگلا حج میری زندگی میں نہ آئیگا، مگر یہ خبر درایت یعنی اٹکل وقیاس سے نہیں بلکہ وحی الٰہی سے ہے اس لیے لاادری بھی فرمایا اور لعلی بھی درایت اٹکل وقیاس کے علم کو کہتے ہیں، اسی لیے خدا کے علم کو درایت نہیں کہا جاتا: رب تعالٰی فرماتا ہے مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ تم اٹکل وقیاس سے کتاب وایمان کو نہیں جانتے تھے ورنہ نبی کبھی ایمان سے بےخبر نہیں ہوتے، عیسٰی علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا تھا اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ
[1] اس کی شرح ابھی گزر چکی کہ یہ کنکر یا قلاکے دانہ سے لے کر چھوہارے کی گٹھلی یا انگلی کے پورے کے برابر ہوں اور بہتر یہ ہے کہ اسے کلمہ کی انگلی پر رکھ کر انگوٹھے کے سرے سے پھینکے، مگر اب یہ کثرت ہجوم کی وجہ سے مشکل ہے۔ [2] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دسویں ذی الحجہ کو زوال سے پہلے رمی کر لے اور گیارہویں بارہویں کو زوال کے بعد، فتح القدیر میں ہے کہ ان دو تاریخوں میں زوال سے پہلے رمی کا وقت ہوتا ہی نہیں، ہاں ابوحنیفہ سے ایک غیر مشہور روایت ہے کہ ان دو دنوں میں زوال کے بعد رمی افضل ہے اور پہلے بھی جائز: بخاری شریف میں عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ ہم تمام صحابہ سورج ڈھلنے کا انتظار کرتے تھے اور ڈھلنے پر رمی کرتے تھے: امام ماوردی نے اس جگہ مسئلہ اجماع بیان فرمایا، تیرھویں ذی الحجہ کو بالاتفاق زوال سے پہلے بھی جائز ہے۔ [3] آپ نے جمرۂ عقبہ کی اس رُخ پر کھڑے ہو کر رمی کی اور باقی جمروں کی روبقبلہ ہو کر، یہی ہمارے ہاں مستحب ہے جمہور کا یہی قول ہے، ان کا ماخذ یہ حدیث ہے، بعض کے نزدیک ہر جمرہ کی رمی روبقبلہ ہو کر کی جائے: امام شافعی کے ہاں جمرۂ عقبہ کی رمی کعبہ کو پشت کر کے کی جائے، یہ حدیث ان سب کے خلاف ہے۔ [4] ساتھ سے مراد متصل ہے، لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ ہر کنکری کے بعد تکبیر کہی: رب تعالٰی بلقیس کا قول نقل فرماتا ہے۔ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ یہاں بھی معیت سے اتصال مراد ہے: سیدنا عبداللہ ابن عمر ہر کنکری

اَلْاِسْتِجْمَارُ تَوٌّ وَرَمْیُ الْجِمَارِ تَوٌّ وَالسَّعْیُ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ تَوٌّ وَالطَّوَافُ تَوٌّ وَاِذَا اسْتَجْمَرَ اَحَدُکُمْ فَلْیَسْتَجْمِرْ بِتَوٍّ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔ **اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ** عَنْ قُدَامَۃَ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمَّارٍ قَالَ رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرْمِیْ یَوْمَ النَّحْرِ عَلٰی نَاقَۃٍ صَہْبَاءَ لَیْسَ ضَرْبٌ وَّلَا طَرْدٌ وَّلَیْسَ قِیْلُ اِلَیْکَ اِلَیْکَ رَوَاہُ الشَّافِعِیُّ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیُّ وَعَنْ عَائِشَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ رَمْیُ الْجِمَارِ وَالسَّعْیُ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ لِاِقَامَۃِ ذِکْرِ اللّٰہِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ہٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ

استنجا طاق بار ہے ۱؎ جمروں کی رمی طاق بار اور صفا مروہ کے درمیان دوڑنا طاق بار اور طواف طاق بار ۲؎ اور جب تم میں سے کوئی ڈھیلے لے تو طاق بار لے ۳؎ (مسلم) دوسری فصل۔ روایت ہے حضرت قدامہ ابن عبداللہ ابن عمار سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بقرعید کے دن سرخ اونٹنی پر رمی کرتے دیکھا ۲؎ نہ اونٹنی کو مارنا تھا نہ ہانک اور نہ ہٹو بچو فرمانا ۳؎ (شافعی، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، دارمی) روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا جمروں کی رمی اور صفا مروہ کے درمیان دوڑ ذکر اللہ قائم کرنے کے لیئے مقرر کی گئی ہے ۴؎ (ترمذی، دارمی) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

یہ پڑھتے تھے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُمَّ اجْعَلْہُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّذَنْبًا مَّغْفُوْرًا وَّعَمَلًا مَّشْکُوْرًا اور فرماتے تھے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا چونکہ ارکان حج زیادہ سورۂ بقر میں ہیں، اس لیے سورۂ بقر کا ذکر کیا، ورنہ حضور پر سارا ہی قرآن اترا ہے۔ ۱؎ یہ حکم استحبابی ہے یعنی پاخانہ کے استنجاء میں تین ڈھیلے مستحب ہیں، یا میت کے کفن کو دھونی تین بار دینا مستحب ہے، استجمار کے دونوں معنی ہیں (اشعہ) ۲؎ جمرہ کی رمی اور صفا مروہ کی دوڑ سات بار واجب ہے، لیکن طواف کے چار چکر فرض ہیں باقی تین واجب، یہ مذہب احناف ہے۔ دیگر ائمہ کے ہاں ساتوں فرض۔ ۳؎ یہ کلام مکرر نہیں، کیونکہ پہلے استجمار سے دھونی مراد ہے یہاں ڈھیلے یا اس کے برعکس۔ ۱؎ آپ مکہ معظمہ کے باشندے قدیم الاسلام صحابی ہیں، ہجرت نہ کر سکے، حجۃ الوداع میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، قبیلہ بنی کلاب یا بنی عامر سے ہیں۔ ۲؎ صہباء اصہب کا مؤنث ہے اصہب وہ اونٹ ہے جس کے بالوں کی نوکیں سرخ ہوں جڑیں وغیرہ سفید یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی اونٹنی پر سوار تھے جس کے بال ایسے تھے، غالبًا یہ اونٹنی قصواء تھی (لمعات)۔ ۳؎ یعنی جیسے امراء و سلاطین عمومًا لوگوں کو ہٹاتے بچاتے ہوئے اپنی سواری بڑھاتے ہیں، یہ عمل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھا، یہ سب ہم کو مساوات سکھانے کے لیے ہے۔ حج، نماز وہ عبادات ہیں جو شاہ و گدا کو ایک کر دیتی ہیں۔ ۴؎ یعنی رمی اور سعی کے درمیان جو تکبیریں اور دعائیں ہوتی ہیں وہ ان عبادتوں کا مغز ہیں، تو جو شخص یہ کام تو کرے اور ان میں اللہ کا ذکر نہ کرے تو اس نے عبادت کا قالب تیار کیا مگر اس میں روح نہ پھونکی، یا یہ مطلب ہے کہ یہ کام گذشتہ بزرگوں کی یادگاریں ہیں کہ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے ان مقامات پر شیطان کے کنکر مارے، جب اس نے آپ کو قربانی سے روکنے کی کوشش کی، اور آدم علیہ السلام نے بھی جمرہ عقبہ کی جگہ شیطان کو کنکر مارے ہیں اسی لئے ہم بقرعید کو صرف جمرۂ عقبہ کی رمی کرتے ہیں اور باقی دو یا تین دن میں تینوں جمروں کی، تاکہ دونوں بزرگوں کی یادگاریں قائم رہیں، ایسے ہی صفا مروہ کے

صَحِیۡحٌ ۔ وَعَنۡهَا قَالَتۡ قُلۡنَا یَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ اَلَا نَبۡنِیۡ لَكَ بِنَاءً یُظِلُّكَ بِمِنًی قَالَ مِنًی مُنَاخُ مَنۡ سَبَقَ رَوَاهُ التِّرۡمِذِیُّ وَابۡنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ ۔ اَلۡفَصۡلُ الثَّالِثُ ۔ عَنۡ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ ابۡنَ عُمَرَ کَانَ یَقِفُ عِنۡدَ الۡجَمۡرَتَیۡنِ الۡاُوۡلَیَیۡنِ وُقُوۡفًا طَوِیۡلًا یُکَبِّرُ اللّٰهَ وَیُسَبِّحُهٗ وَیَحۡمَدُهٗ وَیَدۡعُو اللّٰهَ وَلَا یَقِفُ عِنۡدَ جَمۡرَةِ الۡعَقَبَةِ رَوَاهُ مَالِكٌ ۔ بَابُ الۡهَدۡیِ ۔ اَلۡفَصۡلُ الۡاَوَّلُ ۔ عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلَّی رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ الظُّهۡرَ بِذِی الۡحُلَیۡفَةِ

صحیح ہے روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم منیٰ میں آپ کے لیے کوئی گھر نہ بنا دیں جو آپ پر سایہ کرے ۱؎ فرمایا نہیں۔ منیٰ اس کی جگہ ہے جو پہلے پہنچ جائے ۲؎ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) تیسری فصل روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر پہلے دو جمروں کے پاس بہت دراز ٹھہرتے تھے ۳؎ اللہ کی تکبیر۔ تسبیح، اور حمد کرتے رہتے تھے اللہ سے دعا مانگتے رہتے اور جمرہ عقبہ کے پاس نہ ٹھہرتے تھے ۴؎ (مالک) ہدی کا باب ۵؎ فصل پہلی روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ذوالحلیفہ میں ظہر پڑھی ۶؎

درمیان دوڑ، حضرت ہاجرہ کی اس دوڑ کی یادگار ہے جو آپ نے تلاش پانی میں کی جس کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑی سے پانی کا چشمہ پیدا ہوا، آپ خوشی خوشی آئیں اور اس چشمہ کے آس پاس ریت کی دیوار بنادی اور فرماتی تھیں یَا مَاءُ زَمۡزَمۡ، اے پانی تھم تھم۔ تو ہر حاجی کو یہ افعال انہی بزرگوں کی نقل میں کرنے چاہئیں کہ اچھوں کی نقل بھی اچھی ہوتی ہے (مرقات و اشعہ) ورنہ ان فعلوں کا عبادت ہونا عقل سے وراء ہے ۱؎ یعنی آپ کے لیے یہاں پختہ عمارتیں بنادیں، جو ہمیشہ آپ کے اور آپ کی اولاد کے لیے خاص رہے۔ کسی کو وہاں ٹھہرنے کا حق نہ ہو لہذا اس سے عارضی خیمے ڈال لینا منع نہیں، سایہ سے مراد قوی سایہ ہے جس میں دھوپ کا اثر نہ ہو، وہ چھت ہی کا ہوتا ہے، خیمہ کا سایہ ضعیف ہے۔ ۲؎ مُنَاخٌ اِنَاخَۃٌ کا اسم مفعول ہے یعنی ظرف، اِنَاخَۃٌ کے معنی ہیں اونٹ بٹھانا یعنی سارا منیٰ زمین موقوفہ ہے جس میں سارے مسلمان شریک ہیں اور برابر کے حقدار، اگر یہاں عمارتیں بننا شروع ہوگئیں تو حجاج پر سخت تنگی ہوگی، سڑکوں، راستوں اور بازار کے عمومی مقامات کا یہی حکم ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمین حرم ساری موقوف ہے، اس کے کسی حصہ کا کوئی مالک نہیں ہوتا (مرقات) امام صاحب کی دلیل یہ آیت ہے سَوَاءَ ن الۡعَاکِفُ فِیۡهِ وَالۡبَادِ ۳؎ یعنی جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کی رمی کے بعد بقدر سورۂ بقر ٹھہر کر دعائیں کرتے تھے، اس طرح کہ دونوں جگہ کے قیام سورۂ بقر کی تلاوت کے بقدر ہوتے، ان دونوں جگہ میں تمام اماموں کے نزدیک ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگنا سنت ہے، امام مالک کے ہاں ہاتھ اٹھانا منع، شاید انہیں ہاتھ اٹھانے کی حدیث نہ پہنچی یہ حدیث بخاری میں ہے۔ ۴؎ یعنی جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد ٹھہر کر دعا نہ مانگتے تھے، ٹھہرنے کی نفی ہے نہ کہ دعا مانگنے کی، جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد نہ دسویں ذی الحجہ کو ٹھہرتے تھے نہ اس کے بعد۔ ۵؎ ہدی ہدیۃ کی جمع ہے یعنی پیش کش کی چیز، شریعت میں ہدی وہ جانور ہے جو بیرون حرم سے حرم شریف میں قربانی کے لیے لایا جائے، اونٹ اور گائے کی ہدی بالاتفاق جائز ہے، بھیڑ بکری کی ہدی ہمارے امام صاحب کے ہاں جائز، دیگر اماموں کے ہاں منع، خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں جس جانور کی قربانی جائز ہے اس کی ہدی بھی جائز ہے، ہدی صرف زمین حرم میں ہوسکتی ہے رب تعالٰی فرماتا ہے ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَی الۡبَیۡتِ الۡعَتِیۡقِ اور قربانی ہر جگہ، رب تعالٰی فرماتا ہے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ مسلم بخاری میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حج وداع میں سو

ثُمَّ دَعَا بِنَاقَتِهٖ فَاَشْعَرَهَا فِيْ صَفْحَةِ سَنَامِهَا الْاَيْمَنِ وَسَلَتَ الدَّمَ عَنْهَا وَقَلَّدَهَا نَعْلَيْنِ ثُمَّ رَكِبَ رَاحِلَتَهٗ فَلَمَّا اسْتَوَتْ بِهٖ عَلَى الْبَيْدَاءِ اَهَلَّ بِالْحَجِّ رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَهْدَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً اِلَى الْبَيْتِ غَنَمًا فَقَلَّدَهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ ذَبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَائِشَةَ بَقَرَةً يَوْمَ النَّحْرِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَعَنْهُ قَالَ

پھر آپ نے اونٹنی منگائی اس کے کوہان کے داہنے حصہ میں نیزہ مارا اور اس سے خون لیپ دیا اور دو جوتوں کا اسے ہار پہنایا۱۱ پھر اپنی سواری پر سوار ہوگئے پھر جب اونٹنی آپ کو لے کر بیدا میدان میں سیدھی ہوئی تو حج کا تلبیہ پڑھا۲ (مسلم) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ایکبار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ شریف کی طرف بکری ہدی بھیجی جسے ہار پہنادیا۳ (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کی طرف سے بقر عید کے دن ایک گائے قربانی کی۴ (مسلم) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں

اونٹ ہدی لے گئے، بعض روایات میں ہے کہ آپ عمرہ حدیبیہ میں ستر اونٹ اور انکی تعداد میں ساٹھ اونٹ (مرقات و اشعہ)۔ ۵ حج وداع کے موقعہ پر ذوالحلیفہ سے احرام باندھا، یہ جگہ اہل مدینہ کا میقات ہے، جو مدینہ منورہ سے قریبًا تین میل فاصلہ پر ہے، اب اسے بیر علی کہتے ہیں۔ ۱ یہ اونٹنی ہدی کی تھی منجملہ دیگر اونٹنیوں کے، اہل جاہلیت ہدی کے جانور کا کوہان چیر کر اسکا کوہان خون سے رنگ دیتے تھے اور گلے میں جوتا ڈال دیتے تھے تاکہ یہ ہدی کی علامت ہو، کوئی ڈاکو چور اس پر حملہ نہ کرے، اور اگر یہ جانور راستہ میں تھک کر رہ جائے کہ اسے وہیں ذبح کرنا پڑجائے تو اسکا گوشت اس علامت کی بنا پر صرف فقراء کھائیں امیر نہ کھائیں، چونکہ اس کام میں کوئی برائی نہ تھی فائدہ ہی تھا اس لیے اسلام نے اسے باقی رکھا یہ فصد و ختنہ اور زخم پر داغ لگانے کی طرح ہے، ہمارے امام صاحب نے مطلقًا اشعار (کوہان چیرنا) کو منع نہ فرمایا، بلکہ اپنے زمانہ کے اشعار کو منع کیا کہ لوگ اتنا گہرا گھاؤ لگاتے تھے جو ہڈی میں سرایت کرجاتا تھا اور مکہ مکرمہ پہنچتے پہنچتے اس میں کیڑے پڑجاتے تھے غرضکہ ہے اشعار کرنا ذاتی لیے مکروہ ہے (مرقات، لمعات، اشعہ) دیکھو آج عمومًا اونٹ کو ذبح کرتے ہیں نحر نہیں کرتے، کیونکہ نحر جانتے نہیں حالانکہ اونٹ میں نحر سنّت ہے۔ خیال رہے کہ اشعار صرف اونٹ اور گائے میں ہوگا بکری میں نہ ہوگا کیونکہ وہ کمزور ہے اس میں صرف ہار ڈالا جائیگا جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ۲ یعنی احرام کے سارے کام غسل تبدیلی لباس اور نوافل تو پہلے ادا کرلیے، مگر بلند آواز سے تلبیہ اب کہا جائیگا، یہاں فقط حج کا ذکر ہے مگر حضرت انس کی روایت میں جو مسلم، بخاری میں ہے حج و عمرہ دونوں کا ذکر ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کیا تھا شاید اس راوی نے لفظ عمرہ سنا نہیں یا اسکا ذکر نہیں کیا کہ حج مقصود ہے اور عمرہ تابع۔ ۳ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ بکری کی ہدی بھی جائز ہے کہ اسکی قربانی جائز ہے۔ دوسرے یہ کہ بکری کا اشعار نہ ہوگا بلکہ اسے صرف ہار یعنی رسی میں جوتا ڈال کر پہنایا جائے گا اس پر تمام آئمہ متفق ہیں، تیسرے یہ کہ بکری کی ہدی میں ہار پہنانا سنت ہے، اس میں امام مالک کا اختلاف ہے۔ خیال رہے کہ یہ بکری قربانی کی نہ تھی اسی لیے مکہ معظمہ بھیجی گئی، قربانی ہمیشہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہی میں کی ہے بعض جہلاء نے اس حدیث کی بنا پر کہدیا کہ قربانی صرف مکہ معظمہ میں ہوسکتی ہے اور جگہ نہیں ہوسکتی نعوذ باللہ۔ ۴ غالبًا یہ قربانی ہی جو مدینہ منورہ میں کی گئی، گائے میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں مگر ایک کی طرف سے بھی جائز ہے، اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ گائے کی قربانی بھی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی کا کار مختار اسکی طرف سے قربانی کرسکتا ہے، اذن خصوصی سے بھی اور اذن عمومی سے بھی۔

نَحَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِّسَائِهٖ بَقَرَةً فِیْ حَجَّتِهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَتَلْتُ قَلَائِدَ بُدْنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِیَدَیَّ ثُمَّ قَلَّدَهَا وَاَشْعَرَهَا وَاَهْدَاهَا فَمَا حَرُمَ عَلَیْهِ شَیْءٌ كَانَ اُحِلَّ لَهٗ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔ وَعَنْهَا قَالَتْ فَتَلْتُ قَلَائِدَهَا مِنْ عِهْنٍ كَانَ عِنْدِیْ ثُمَّ بَعَثَ بِهَا مَعَ اَبِیْ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی رَجُلًا یَّسُوْقُ بَدَنَةً فَقَالَ ارْكَبْهَا فَقَالَ اِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا فَقَالَ اِنَّهَا بَدَنَةٌ

کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں اپنی تمام بیویوں کی طرف سے ایک گائے قربانی کی ۱ (مسلم) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے اپنے ہاتھوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدیوں کے ہار بٹے حضور نے انہیں پہنائے اور ان کا شعار کیا اور ان کی ہدی بھیجی ۲ تو اس سے آپ پر کوئی حلال چیز حرام نہ ہوگئی ۳ (مسلم بخاری) روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں میں نے اپنے پاس کی اون سے ہدیوں کے ہار بٹے پھر حضور انور نے وہ مکہ معظمہ میرے والد کے ساتھ بھیجے ۴ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ ہدی کا ایک اونٹ ہانک رہا ہے ۵ فرمایا اس پر سوار ہوجاوہ بولا یہ تو بدنہ ہے ۶ فرمایا سوار ہو جاوہ پھر بولا یہ بدنہ ہے

اس لیے کہ یہاں امہات المؤمنین کی خصوصی اجازت لینے کا ذکر نہیں ۔اس سے دو لوگ عبرت پکڑیں جو محض ہندوؤں کو خوش کرنے کیلئے قربانی گائے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خلاف اسلام ہے۔ مرقات نے فرمایا کہ افضل قربانی اونٹ کی ہے پھر گائے کی ۔ ۱؎ یہ دوسرا واقعہ ہے جو حج میں ہوا ، اور یہ قربانی نہیں ، کیونکہ مسافر پر قربانی واجب نہیں ، حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم حج میں مسافر تھے بلکہ یہ حج کا دم ہے ۔ نحر بمعنی ذبح ہے کیونکہ گائے کو نحر کرنا منع ہے اگر حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے ایک گائے دی ہے تو یہ حضور کی خصوصیات سے ہے ۔ آپ نے تو اپنی ساری امت کے فقراء کی طرف سے ایک بکری بھی قربانی دی ہے ۔ فقراء کروڑوں ہیں ، اور اگر یہ گائے کچھ ازواج کی طرف سے تھی ، اور کچھ ازواج کو ان کے اونٹوں میں شریک فرمایا ہو ، تو یہ عمومی حکم ہے ، امام مالک اس حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ ایک گائے تمام گھر والوں کی طرف سے درست ہے اگرچہ سات سے زیادہ ہوں ، مگر یہ استدلال کچھ کمزور سا ہے کہ اس میں وہ احتمالات ہیں جو عرض کیے گئے ۔ ۲؎ یہ واقعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج سے ایک سال پہلے کا ہے ، جب آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کو حج کے موقعہ پر مکہ معظمہ کچھ اعلانات کے لیے امیر حج بنا کر بھیجا ۔ ۳؎ ام المؤمنین کو خبر پہنچی تھی کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس ہدی بھیجنے والے کو محرم مانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب تک مکہ معظمہ میں اس کی ہدی ذبح نہ ہوجائے تب تک یہ تمام ممنوعات احرام سے بچے ، ان کے جواب میں آپ یہ فرما رہی ہیں کہ ہدی بھیجنے سے انسان محرم نہیں ہوجاتا ، سیدنا عبداللہ ابن عمر ، عطاء ، مجاہد سعید ابن جبیر کا بھی یہی مذہب تھا ، شاید ان بزرگوں کو یہ حدیث پہنچی نہیں ۔ ۴؎ یہ پہلی حدیث کا ہی بیان ہے ، آپ سے جناب مسروق و دیگر تابعین یہ مسئلہ پوچھنے آتے تھے تو آپ مختلف عنوان سے اسے بیان فرماتے تھے ، صحاح ستہ ، بزاز وغیرہ میں مختلف الفاظ سے یہ حدیث منقول ہے ۵؎ کیونکہ خود اس کے پاس سواری نہیں ہے ، پیدل چل رہا ہے ، سخت مشقت میں ہے اور ہدی کو ہانکتا ہوا لے جارہا ہے ۔ ۶؎ یعنی ہدی ہے ، ہدی کو بدنہ اس لئے کہتے ہیں کہ مسلمان ایسے جانور کو کھلا پلا کر خوب موٹا کرتے تھے جیسے آج بعض شوقین اپنی قربانی سال بھر تک کھلا پلا کر موٹی کرتے ہیں ، بدنہ کے معنی ہیں ڈیل دار جسیم ضخیم جانور اسی لیے بکری کو بدنہ نہیں کہتے صرف اونٹ یا گائے کو کہتے ہیں ، رب تعالٰی فرماتا ہے وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ

قَالَ ارْكَبْهَا وَيْلَكَ فِي الثَّانِيَةِ اَوِ الثَّالِثَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ سُئِلَ عَنْ رُكُوْبِ الْهَدْيِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ارْكَبْهَا بِالْمَعْرُوْفِ اِذَا اُلْجِئْتَ اِلَيْهَا حَتّٰى تَجِدَ ظَهْرًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ عَشَرَ بَدَنَةً مَعَ رَجُلٍ وَاَمَّرَهُ فِيْهَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ اَصْنَعُ بِمَا اُبْدِعَ عَلَيَّ مِنْهَا قَالَ انْحَرْهَا ثُمَّ اصْبِغْ نَعْلَيْهَا فِي دَمِهَا ثُمَّ اجْعَلْهَا عَلٰى صَفْحَتِهَا وَلَا تَاْكُلْ مِنْهَا اَنْتَ وَلَا اَحَدٌ مِنْ اَهْلِ رُفْقَتِكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَحَرْنَا مَعَ

تو دوسری یا تیسری بار میں فرمایا تجھ پر افسوس ہے ارے سوار ہو جا [۱] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابو الزبیر سے [۲] فرماتے ہیں میں نے حضرت جابر ابن عبداللہ کو سنا کہ ان سے ہدی پر سوار ہونے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس پر احتیاط و اعتدال سے سوار ہو جاؤ جب تمہیں اس کی ضرورت پڑے حتی کہ دوسری سواری پالو [۳] (مسلم) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ساتھ سولہ ہدی کے اونٹ بھیجے کہ اسی شخص کو ان کا منتظم بنایا [۴] اس نے عرض کیا یارسول اللہ کہ ان میں سے اس کا کیا کروں جو تھک رہے [۵] فرمایا اسے ذبح کر دو پھر اسکے جوتے اسکے خون میں رنگ دو پھر وہ جوتے اسکے کوہان کے حصہ پر رکھ دو [۶] اور اس سے نہ تم کھاؤ۔ نہ تمہارے ساتھیوں میں سے کوئی کھائے [۷] (مسلم) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ہم

شعائر اللہ (وہاں بھی اونٹ اور گائے ہی مراد ہے) [۱] اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ بدنہ یعنی ہدی کے اونٹ پر سوار ہونا واجب ہے کیونکہ یہ امر وجوب کے لیے ہے۔ بعض نے فرمایا مطلقاً جائز ہے۔ بعض نے فرمایا جائز ہے۔ مگر اس شرط سے کہ اس سواری سے جانور میں عیب نہ پیدا ہو جائے مگر امام ابو حنیفہ و شافعی رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ ہے کہ مجبوراً و ضرورۃً جائز۔ بلا ضرورت منع۔ جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے یہاں پر وہ شخص مجبور و معذور ہی تھا جیسا کہ لفظ فیسوق سے معلوم ہو رہا ہے (از مرقات) [۲] آپ کا نام محمد ابن مسلم ہے۔ تابعی ہیں، مکی ہیں، وسیع العلم عالم ہیں آپ نے صرف حضرت جابر سے احادیث سنی ہیں، ۱۲۵ھ میں وفات پائی۔ [۳] یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے کہ دو شرطوں سے ہدی پر سواری جائز ہے، ایک یہ کہ حاجی اس پر مجبور ہو، دوسرے یہ کہ احتیاط سے سواری کرے، اُسے دوڑا کر یا مار پیٹ کر ناقص نہ کر دے۔ بعض علماء کے ہاں اگر ناقص کر دیا، تو اس کا بدل نقصان خیرات کرنا پڑیگا۔ امام اعظم کے ہاں ہدی پر سامان لادنا ضرورۃً بھی جائز نہیں، امام شافعی، مالک واحمد علیہم الرحمۃ کے ہاں جائز ہے (مرقات) [۴] ان صاحب کا نام ناجیہ ابن جندب اسلمی ہے۔ ان کے ذمہ راستہ کی حفاظت۔ اور وہاں پہنچکر ذبح کا انتظام تھا، یہ واقعہ حضور علیہ السلام کے حج سے ایک سال پہلے ہی کا ہے جس میں ابو بکر صدیق امیر الحج تھے اور یہ صاحب امیر ہدی، اسی لیے فیہا فرمایا۔ [۵] ابداع کے معنی ہیں تھک کر رہ جانا، اگر اس کے بعد ب آئے تو معنے ہوتے ہیں انسان کا بے سواری رہ جانا کہ وہ سواری پر تھا سواری چلنے کے قابل نہ رہی، یہ پیدل رہ گیا، اور اگر علی آئے تو معنی ہوتے ہیں جانور کا رہ جانا چونکہ یہ حضرت ہدی پر سوار نہ تھے اسلئے علی فرمایا یعنی اگر کوئی ہدی جانور راستہ میں تھک کر آگے چلنے کے قابل نہ رہے تو اس کا کیا کروں۔ [۶] تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے علامت ہو کہ یہ ہدی کا جانور ہے تو کوئی امیر نہ کھالے فقراء کھائیں۔ [۷] خلاصہ یہ ہے کہ اگر ہدی کا جانور حرم شریف میں پہنچکر وقت پر ذبح ہو تو اُسے ہدی والا بھی کھا سکتا ہے، اور دوسرے

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَیْبِیَۃِ اَلْبُدْنَۃَ عَنْ سَبْعَۃٍ وَّالْبَقَرَۃَ عَنْ سَبْعَۃٍ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ اَتٰی عَلٰی رَجُلٍ قَدْ اَنَاخَ بُدْنَتَہٗ یَنْحَرُھَا قَالَ اِبْعَثْھَا قِیَامًا مُّقَیَّدَۃً سُنَّۃُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقُوْمَ عَلٰی بُدْنِہٖ وَاَنْ اَتَصَدَّقَ بِلَحْمِھَا وَجُلُوْدِھَا وَاَجِلَّتِھَا وَاَنْ لَّا اُعْطِیَ الْجَزَّارَ مِنْھَا قَالَ نَحْنُ نُعْطِیْہِ مِنْ عِنْدِنَا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ کُنَّا نَاْکُلُ مِنْ لُّحُوْمِ بُدْنِنَا

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے سال سات آدمیوں کیطرف سے اونٹ اور سات کیطرف سے گائے ذبح کی لے (مسلم) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ آپ ایک شخص پر گزرے جس نے ہدی کا اونٹ نحر کرنے کے لیے بٹھایا تھا فرمایا اسے اٹھا کر کھڑا کر دو پاؤں باندھ دے یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے ۲ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ آپ کے قربانی کے اونٹوں کا انتظام کروں ۳ اور ان کے گوشت کھالیں اور جھولیں خیرات کر دوں ۴ اور یہ کہ ان میں سے قصائی کو کچھ نہ دوں فرمایا ہم قصائی کو اپنے پاس سے اجرت دیں گے ۵ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں ہم اپنی قربانیوں کے گوشت نہیں ۔۔۔

امیر و غریب بھی، لیکن اگر راستہ ہی میں ذبح کرنا پڑ جائے تو ہدی والا بھی نہ کھائے، کوئی امیر بھی نہ کھائے، یہ صدقہ ہے، صرف فقراء کھائیں، جیسے قربانی کا جانور اگر قربانی کے دنوں میں ذبح ہو تو قربانی والا اور سارے مسلمان امیر و غریب کھائیں، اگر وقت سے پہلے ذبح کرنا پڑ جائے، تو بعض صورتوں میں صرف فقراء کھا سکتے ہیں قربانی والا اور امراء نہیں کھا سکتے، اور بعض صورتوں میں اسکے احکام جدا گانہ ہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجیہ ابن جندب اور انکے ساتھیوں کو کھانے سے اسلئے منع فرمایا کہ یہ سب حضرات غنی تھے ان میں فقیر کوئی نہ تھا (مرقات) بڑا ۱ یہ حدیث ائمہ کرام کی دلیل ہے کہ اونٹ و گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں جنہوں نے کہا کہ اونٹ میں دس اور گائے میں سات، ان کے خلاف ہے، خیال رہے کہ احناف کے ہاں بدنہ اونٹ و گائے دونوں کو کہتے ہیں، امام شافعی کے ہاں صرف اونٹ کو بظاہر یہ حدیث انکی دلیل ہے، مگر عربی میں تجرید کر کے لفظ کو بعض معنے میں استعمال کر لیتے ہیں، یہاں ایسا ہی ہے کہ بدنہ سے مراد اس کی ایک فرد یعنے اونٹ لیا اور گائے کا ذکر علیحدہ کیا، جبکہ یہاں ہی لفظ میں تضمین کر کے نحر و ذبح دونوں مراد لئے گئے، ورنہ نحر صرف اونٹ کا ہوتا ہے، گائے کو ذبح ہی کرنا چاہیئے ۲ خلاصہ یہ ہے کہ اونٹ کی نحر سنت ہے اور ذبح خلاف اولٰے، نحر کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے اونٹ کا بایاں پاؤں رسی سے باندھ دیں، پھر سینے سے متصل گردن میں نیزہ ماریں اور اوپر کو کھینچیں تاکہ رگیں و حلقوم طول میں چر جائیں، جب گر جائے تو استعمال کریں، لیکن جسے نحر نہ آتا ہو وہ ذبح کرے، رب تعالٰے فرماتا ہے فَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْھَا صَوَافَّ کے معنے ہیں تین پاؤں پر کھڑا ہو، اور فرماتا ہے فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُھَا جب اونٹ کی کروٹ زمین پر گرے، معلوم ہوا کہ کھڑا کر کے نحر کرو نحر کے بعد وہ گرے، گائے بکری وغیرہ میں ذبح چاہیئے، ذبح لٹا کر ہوتا ہے، رگیں و حلقوم چوڑائی میں کاٹی جاتی ہیں (اشعہ و مرقات) ۳ یہ واقعہ حج وداع کا ہے، حضور انور نے سو اونٹ قربان کئے تھے، کچھ اپنے دست اقدس سے اور کچھ حضرت علی سے قربانی کرائے، ان اونٹوں کے متعلق یہاں ذکر ہے جو جناب علی سے قربانی کرائے گئے ۴ اب بھی قربانی اور ہدی وغیرہ کا یہی حکم ہے، جھول سے مراد وہ جھولیں ہیں جو قربانی کے جانور کے لئے خریدی گئی ہوں یا اس کے ساتھ آئی ہوں، اور اگر اپنے پالتو جانوروں کی جھول قربانی کے جانور پر عارضی طور سے ڈال دی تو وہ اپنی ملکیت ہے اپنے کام میں لائے کھال کا خیرات کر دینا استحبابی حکم ہے، اگر چاہے تو قربانی والا اپنے کام میں لائے جوتا یا ڈول، مصلےٰ وغیرہ بنائے، لیکن اگر

فَوْقَ ثَلٰثٍ فَرَخَّصَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كُلُوْا وَتَزَوَّدُوْا فَاَكَلْنَا وَتَزَوَّدْنَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ **اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ** عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْدٰى عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فِيْ هَدَايَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَلًا كَانَ لِاَبِيْ جَهْلٍ فِيْ رَأْسِهٖ بُرَّةٌ مِّنْ فِضَّةٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ مِّنْ ذَهَبٍ يُغِيْظُ بِذٰلِكَ الْمُشْرِكِيْنَ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَعَنْ نَاجِيَةَ الْخُزَاعِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ اَصْنَعُ بِمَا عَطِبَ مِنَ الْبُدْنِ قَالَ انْحَرْهَا ثُمَّ اغْمِسْ

سے زیادہ نہ کھاتے تھے ۱؎ پھر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی فرمایا کھاؤ اور توشہ بناؤ پھر ہم نے کھایا بھی بچایا بھی (مسلم بخاری) دوسری فصل روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال ہدی بھیجی ۳؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدیوں میں ابوجہل کا اونٹ بھی تھا۔ جس کے سر میں چاندی کی بالی تھی اور ایک روایت میں ہے سونے کی بالی تھی جس سے مشرکین کو جلائیں ۴؎ (ابوداؤد) روایت ہے حضرت ناجیہ خزاعی سے ۵؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ اس ہدی اونٹ کا میں کیا کروں جو تھک کر رہ جائے فرمایا اسے ذبح کردو۔ پھر اس کی جوتی

کھال فروخت کردی، تو قیمت خیرات ہی کرنی پڑے گی۔ ۵؎ قال کا فاعل نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں یعنے ہم قصائی کی مزدوری اپنی گرہ سے ادا کریں گے، اس سے معلوم ہوا، کہ قصائی کو اُجرت میں قربانی کا گوشت، جھول، کھال وغیرہ دینا ہرگز جائز نہیں اُسے اُجرت علیحدہ دو، ہاں اجرت کے علاوہ اسلامی رشتہ سے اُسے کچھ گوشت دے دو تو حرج نہیں، ہمارے ہاں پنجاب میں قصائی قربانی کی مزدوری بھی لیتے ہیں اور خود ہی گوشت بھی رکھ لیتے ہیں بعض دفعہ وہ گوشت فروخت کرتے بھی دیکھے گئے یہ سخت ناجائز ہے۔

۱؎ یہ حکم شروع اسلام میں تھا، جب مسلمانوں میں غریبی زیادہ تھی، قربانی کرنے والے امیروں کو حکم تھا کہ تین دن کی بقدر گوشت رکھ لو باقی خیرات کردو تاکہ زیادہ فقراء گوشت کھا سکیں۔ ۲؎ اب مدینہ شریف میں عرب لوگ قربانی کے گوشت سکھا کر سال بھر تک کھاتے ہیں بالکل درست ہے کہ وہ ممانعت منسوخ ہوچکی، اللہ نے مسلمانوں کو غنی کردیا، علت گئی احکم بھی گیا، خیال رہے کہ اگر ہدی حرم میں پہنچنے سے پہلے یا قربانی کے وقت سے پہلے مجبوراً ذبح کرنی پڑ جائے تو اس کا حکم یہ نہیں، پھر وہاں صدقہ کرنا عبادت ہے ذبح کرنا عبادت نہیں، اور جو اپنے وقت اپنی جگہ میں قربانی ہو اس کا ذبح کرنا عبادت ہے، کھائے جس کا جی چاہے کہ عبادت ادا ہوچکی۔ ۳؎ یعنے جس سال حضور انور عمرہ کرنے مکہ معظمہ تشریف لے گئے، اور مشرکین مکہ نے مقام حدیبیہ میں آپ کو روک لیا یعنے ۶ھ میں اسی سال آپ اپنے ہمراہ ہدی لے گئے تھے۔ بھیجنے سے مراد خود لے جانا ہے، کیونکہ حضور انور نے ہدی کے جانور حدیبیہ میں ہی ذبح کردیئے تھے کہ وہ جگہ حدود حرم میں ہے، مکہ معظمہ نہیں بھیجے تھے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ اھدٰی کے معنے کئے جائیں حضور ہدی لے گئے تاکہ یہ دھوکا نہ پڑے کہ حضور خود تو حدیبیہ میں رہ گئے اور ہدی مکہ معظمہ میں بھیجدی۔ ۴؎ ابوجہل کا یہ اونٹ جنگ بدر میں بطور غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لیا تھا اس سال مکہ معظمہ سے لے جانا مشرکین کو جلانے کیلئے تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی کاموں سے مشرکوں کو جلانا بھی عبادت ہے قربانی کا ایک یہ راز بھی ہے رب تعالٰی فرماتا ہے لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔ شعر:

غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل ؛ یارسول اللہ کی کثرت کیجئے

بعض روایات میں ہے کہ تانبے کی بالی اس کے سر میں تھی، ہوسکتا ہے کہ اس کی ناک کان وغیرہ میں مختلف سوراخ ہوں، کسی سوراخ میں سونے کی بالی ہو کسی میں

نَعْلَهَا فِي دَمِهَا ثُمَّ خَلِّ بَيْنَ النَّاسِ وَبَيْنَهَا فَيَأْكُلُوْنَهَا رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ نَاجِيَةَ الْاَسْلَمِيِّ ۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قُرْطٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَيَّامِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمُ النَّحْرِ ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ قَالَ ثَوْرٌ وَهُوَ الْيَوْمُ الثَّانِي قَالَ وَقُرِّبَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُدُنَاتٌ خَمْسٌ اَوْسِتٌّ فَطَفِقْنَ يَزْدَلِفْنَ اِلَيْهِ بِاَيَّتِهِنَّ

اس کے خون میں بھگو دو پھر اسے لوگوں میں چھوڑ دو کہ اسے کھالیں (مالک، ترمذی، ابن ماجہ) ابوداؤد، دارمی نے یہ حدیث ناجیہ اسلمی سے روایت کی[۲] روایت ہے حضرت عبداللہ ابن قرط سے[۳] وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اللہ کے نزدیک بہت عظمت والا دن بقرعید کا دن ہے[۴] پھر قرار کا دن ثور فرماتے ہیں وہ دوسرا دن ہے[۵] فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پانچ چھ اونٹ ذبح کے لیے پیش کیے گئے تو وہ اپنے کو حضور کے آگے کرنے لگے کہ کس سے

چاندی کی کسی میں تانبے کی، روایات متعارض نہیں۔ [۵] آپ کا نام ذکوان ابن جندب یا ابن عمرو ہے، چونکہ آپ نے قریش کے شر سے نجات حاصل کی تھی، اسلئے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام ناجیہ رکھا یعنی بہت نجات پانے والا، امیر معاویہ کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی، آپ کا لقب صاحب بُدن ہے یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بُدنے لے جانے والے (اکمال، اشعہ)۔

[۱] یعنے جو ہدی حرم شریف تک نہ پہنچ سکے، راستہ ہی میں مرنے لگے تو اسے وہاں ہی ذبح کردو، اور تمہارے ساتھیوں اور دوسرے لوگوں میں جو غریب فقیر ہوں وہ اس کا گوشت کھائیں، اس سے معلوم ہوا کہ ہدی کا جانور صرف حرم شریف میں ذبح ہوسکتا ہے اور جگہ نہیں، اگر اس کی قربانی دوسری جگہ بھی ہو جاتی تو ہر فقیر و امیر بلکہ خود قربانی والے کو بھی کھانا جائز ہوتا، یہ بھی معلوم ہوا کہ بیمار جانور کا گوشت حلال ہے، حرام یا مکروہ نہیں۔ [۲] تقریب میں ہے کہ ناجیہ ابن جندب ابن عمیر اسلمی اور صاحب ہیں، اور ناجیہ ابن حارث خزاعی دوسرے صحابی ہیں، بعض لوگوں نے ان دونوں کو ایک سمجھ لیا، یہ غلط ہے۔ تہذیب میں ہے، ناجیہ ابن جندب ابن کعب ابن جندب یا ناجیہ ابن کعب ابن عمیر ابن یعمر اسلمی ہیں، مگر امام احمد نے انہیں ناجیہ ابن حارث خزاعی فرمایا، غالبًا صاحب مصابیح نے امام احمد ابن حنبل کی اتباع میں انہیں ناجیہ خزاعی کہا، اور صاحب مشکوۃ نے جمہور علماء کی اتباع میں ناجیہ اسلمی فرمایا (مرقات) اشعہ نے فرمایا کہ نسبتوں میں فرق ہے، ذات ایک ہی ہے، کسی نے انہیں اسلمی کہا کسی نے خزاعی۔ [۳] ان کا نام زمانہ جاہلیت میں شیطان تھا حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رکھا۔ [۴] یعنے قربانی کے دنوں میں سب سے افضل دن دسویں بقرعید ہے یا عشرہ ذی الحجہ میں یہ دن افضل ہے، لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض روایات میں ہے کہ عرفہ کا دن افضل ہے بعض میں ہے کہ ماہ رمضان کا عشرہ افضل ہے، اور ہوسکتا ہے کہ ان میں سے سب ہی افضل ہوں مختلف جہات سے لہذا حدیث واضح ہے۔ [۵] یعنے بقرعید کی گیارھویں چونکہ دسویں بقرعید کو حجاج مزدلفہ سے منٰے پہنچتے ہیں اور بارھویں کو منٰے سے مکہ معظمہ روانہ ہوجاتے ہیں، اس لئے انہیں یوم النفر کہا جاتا ہے، اور گیارھویں کو حجاج منٰے میں ہی ٹھہرے رہتے ہیں، اس لئے اسے یوم القر کہتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ قربانی کے تین دنوں میں افضل دن دسواں پھر گیارھواں پھر بارھواں اور ہفتہ کے دنوں میں جمعہ سال کے ایام میں عرفہ افضل (اشعہ)۔

بِيَدِهٖ[١] قَالَ فَلَمَّا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا قَالَ فَتَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ خَفِيَّةٍ لَمْ اَفْهَمْهَا فَقُلْتُ مَا قَالَ قَالَ مَنْ شَاءَ
اِقْتَطَعَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَذُكِرَ حَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرٍ فِيْ بَابِ الْاُضْحِيَةِ۔ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ
عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ضَحّٰى مِنْكُمْ فَلَا يُصْبِحَنَّ بَعْدَ
ثَالِثَةٍ وَفِيْ بَيْتِهٖ مِنْهُ شَيْءٌ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَفْعَلُ كَمَا فَعَلْنَا
الْعَامَ الْمَاضِيَ قَالَ كُلُوْا وَاَطْعِمُوْا وَادَّخِرُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ الْعَامَ كَانَ بِالنَّاسِ جَهْدٌ
فَاَرَدْتُّ اَنْ تُعِيْنُوْا فِيْهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ وَعَنْ نُبَيْشَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضور ذبح شروع کریں[١] پھر جب وہ کروٹوں کے بل گر گئے تو حضور نے آہستہ سے کچھ فرمایا جسے میں سمجھ نہ سکا۔ میں نے پوچھا کہ حضور نے کیا فرمایا تو بتایا کہ یہ فرمایا جو چاہے اسے کاٹ لے[٢] (ابوداؤد) اور حضرت ابن عباس و جابر کی حدیث قربانی کے باب میں ذکر کی گئی۔ فصل تیسری۔ روایت ہے سلمہ ابن اکوع سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے جو قربانی کرے تو تیسرے کے بعد سویرا اس حال میں نہ ہو کہ اس کے گھر میں قربانی سے کچھ ہو[٣] پھر جب اگلا سال ہوا تو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم پچھلے سال کی طرح اس سال بھی کریں۔ فرمایا خوب کھاؤ کھلاؤ اور بچاؤ (ذخیرہ کرو) کیونکہ پارسال تو لوگوں کو بھوک تھی اس لیئے ہم نے چاہا کہ تم ان کی مدد کرو[٤] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت نبیشہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ

[١] یعنے ہر اونٹ چاہتا تھا کہ حضور میری قربانی پہلے کریں، اور آپ کے ہاتھ سے ذبح ہونے کا شرف مجھے حاصل ہو اسلئے ہر ایک اپنی گردن پیش کرتا تھا؛ شعر

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف　　　بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

اور شکار شکاری سے بھاگتے ہیں، مگر محبوب ایسے شکاری ہیں کہ شکار اپنی گردنیں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں اعشاق تو اپنے دل قربانی کے لئے پیش کرتے ہیں، مولانا جامی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں شعر

اوہم طالقی ور زیر پاکن　　　شراک از رشتۂ جانہائے ماکن

حضور کی یہ محبوبیت آپ کا زندۂ جاوید معجزہ ہے، جانور بھی حضور کے ہاتھ سے ذبح ہو جانے کو زندگی سے بہتر جانتے ہیں [٢] یعنے جو شخص حضور سے قریب تھا اس سے میں نے پوچھا کیونکہ میں کچھ دور ہونے کی وجہ سے سن نہ سکا تھا۔ [٣] معلوم ہوا کہ قربانی کے گوشت کی تملیک بھی جائز ہے اور اباحت بھی بعض علماء نے اس حدیث سے نچھاور، بکھیر اور چھوہارے پیسے لٹانے پر دلیل پکڑی ہے کہ وہاں عملاً اباحت عامہ ہی ہوتی ہے اشعہ۔ [٤] یعنے قربانی کرنے سے تین دن اس کا گوشت کھا سکتے ہو، چوتھے دن سے پہلے ہدیہ و خیرات کر کے ختم کر دو، لہذا جس نے بارھویں تاریخ کو قربانی کی ہے وہ چودھویں بلکہ پندرھویں تک اسکا گوشت نہ کھا سکتا ہے۔ اشیء سے مراد گوشت ہے، کھال و بال اس میں داخل نہیں۔ [٥] جہد جیم کے فتح سے بمعنے مشقت اور جیم کے پیش سے بمعنے کوشش کرنا، یہاں دونوں بن سکتے ہیں یعنے وہ حکم منسوخ ہے، اور ایک ضرورت کی بنا پر عارضی طور پر دیا گیا تھا کہ اسوقت مسلمانوں پر غربت زیادہ تھی بہت کم مسلمانوں نے قربانیاں کی تھیں، اگر قربانی والے ہی گوشت کا ذخیرہ کر لیتے تو فقراء کو کیا ملتا، اس سال رب کا فضل ہے قربانیاں عام ہوئی ہیں

وَسَلَّمَ اِنَّا كُنَّا نَهَيْنَاكُمْ عَنْ لُحُوْمِهَا اَنْ تَاْكُلُوْهَا فَوْقَ ثَلٰثٍ لِكَيْ تَسَعَكُمْ جَآءَ اللّٰهُ بِالسَّعَةِ فَكُلُوْا وَادَّخِرُوْا وَاْتَجِرُوْا اَلَا وَاِنَّ هٰذِهِ الْاَيَّامَ اَيَّامُ اَكْلٍ وَّشُرْبٍ وَّذِكْرِ اللّٰهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ

بَابُ الْحَلْقِ، اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَلَقَ رَاْسَهٗ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَاُنَاسٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ وَقَصَّرَ بَعْضُهُمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ لِيْ مُعَاوِيَةُ اِنِّيْ قَصَّرْتُ مِنْ رَاْسِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْمَرْوَةِ بِمِشْقَصٍ

وسلم نے ہم نے تم لوگوں کو قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے سے منع کیا تھا تاکہ تم سب کو فراخی ہو[1] اب اللہ نے گنجائش وفراخی بخش دی لہذا اب کھاؤ اور ذخیرہ کرو اور ثواب کماؤ[2] یہ کھانے پینے اور ذکر الٰہی کرنے کے دن ہیں[3] (ابوداؤد)

سر منڈانے کا باب[4] پہلی فصل۔ روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اور کچھ صحابہ نے حجۃ الوداع میں سر منڈائے اور بعض صحابہ نے بال کٹوائے[5] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت معاویہ نے فرمایا کہ میں نے مروہ کے پاس تیر سے[6] نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کاٹے تھے

لہذا خوب کھاؤ خوب بچاؤ، فَادَّخِرُوْا سے معلوم ہوا کہ حضور احکام شرعیہ کے مالک ہیں، آپ کو حرام وحلال فرا دینے کا رب نے اختیار دیا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ اور فرماتا ہے وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ یعنی اے اہل کتاب یہ نبی اس لئے تشریف لائے ہیں تاکہ تم پر بعض حرام کردہ چیزوں کو حلال فرمائیں اور وہ کفار اللہ رسول کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے اس کی تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفٰی میں دیکھئے۔

[1] اس طرح کہ تھوڑے گوشت کو امیر فقیر سب مل بانٹ کر کھائیں یعنے وہ گوشت تم سب میں کچھ نہ کچھ پہنچ جائے۔ [2] یعنے خیرات کرکے ثواب کماؤ یعنے کچھ کھاؤ کچھ بچاؤ کچھ خیرات کرو، کھانے میں اپنا کھانا بھی داخل ہے اور دوست واحباب کا بھی، قربانی کے گوشت کے تین حصے کرنا بہتر ہیں، ایک اپنے لئے، دوسرا احباب کیلئے تیسرا فقراء کے لئے، یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اس گوشت کے کھانے، بچانے، لٹانے سب میں ثواب ہے۔ [3] اسی لئے ان دنوں یعنے ایام تشریق میں روزہ رکھنا حرام ہے کیونکہ سب مسلمان اللہ کے مہمان ہیں۔ [4] تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حج وعمرہ سے فارغ ہونے پر مردوں کو سر منڈانا بھی جائز ہے اور کتروانا بھی مگر منڈانا افضل، لیکن عورتوں کو منڈانا حرام، لہذا وہ اپنے بال کی نوکیں کٹوائیں گی چہارم سر کے بال کٹوانا یا منڈانا ضروری ہے پورا سر سنت۔ جیسے کہ مسح سر میں ہے، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے سوا حج وعمرہ کے کبھی سر نہ منڈایا، داڑھی منڈانا حرام ہے، جسم کے باقی بالوں میں بہت تفصیل ہے، گنجا شخص بھی احرام کھولتے وقت سر پر استرہ پھروائے اور جو روزانہ عمرہ کرے وہ بھی ہر دفعہ سر پر استرہ پھیر لیا کرے (از اشعہ)۔ [5] یعنے حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرام نے سر مبارک منڈائے اور بعض صحابہ نے بال کٹوائے عمرہ میں حضور نے بھی بال کٹوائے، جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے، لہذا سر منڈوانا اور کتروانا دونوں جائز ہے رب تعالٰی فرماتا ہے مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ مگر منڈانا افضل ہے، سارا سر منڈانا یا کتروانا چاہیئے کہ بعض سر منڈانا، کتروانا قزع کہلاتا ہے جو شرعًا مکروہ ہے، امام مالک کے ہاں پورا سر منڈانا یا کتروانا فرض ہے۔ [6] مشقص کے حقیقی معنے ہیں لمبا دھار دار تیر، مجازًا قینچی کو بھی کہہ دیتے ہیں، یہاں یا حقیقی معنے میں ہے کیونکہ بڑھے ہوئے بال کسی چیز پر رکھ کر تیر کی نوک سے کاٹ دیتے ہیں یا مجازی معنے میں ہے یعنے قینچی (مرقات)۔ [7] محدثین نے اس حدیث کو بہت مشکل فرمایا ہے کیونکہ حجۃ الوداع میں

فَاَعْطَاهُ اِيَّاهُ ثُمَّ نَاوَلَ الشِّقَّ الْاَيْسَرَ فَقَالَ اِحْلِقْ فَحَلَقَهٗ فَاَعْطَاهُ اَبَا طَلْحَةَ فَقَالَ اقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ يُّحْرِمَ وَيَوْمَ النَّحْرِ قَبْلَ اَنْ يَّطُوْفَ بِالْبَيْتِ بِطِيْبٍ فِيْهِ مِسْكٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَاضَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ رَجَعَ فَصَلَّى الظُّهْرَ بِمِنًى رَوَاهُ

وہ بال انہیں عطا فرمادیئے پھر بائیں جانب حالق کے سامنے کی فرمایا مونڈ دو اس نے مونڈ دی پھر وہ بال ابوطلحہ کو عطا فرماکر فرمایا انہیں لوگوں میں بانٹ دو (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احرام باندھنے سے پہلے اور بقرعید کے دن بیت اللہ کے طواف سے پہلے وہ خوشبو ملتی تھی جس میں مشک ہوتا تھا (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرعید کے دن طواف زیارت کیا پھر لوٹ کر نماز ظہر منیٰ میں پڑھی

نے ایک سو قربانیاں کی تھیں ۶۳ اپنے دست مبارک سے باقی ۳۷ سیدنا علی سے کرائیں۔ ۲ اس سے معلوم ہوا کہ حجامت میں داہنا حصہ پہلے، بایاں حصہ بعد میں منڈانا چاہیئے، امام ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ نائی کا داہنا اور بایاں معتبر ہے کہ نائی رو برو ہے اس صورت میں محلوق کا بایاں پہلے منڈے گا داہنا بعد میں، مگر یہ حدیث سن کر امام صاحب نے اپنے قول سے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ حدیث قیاس پر مقدم ہے اگر نائی پیچھے کھڑا ہو کر حجامت بنائے تو دونوں کا داہنا بایاں ایک ہی ہوگا، حجامت کے بعد دوسری طرف ہونا، پھر ناخن ترشوانا سنت ہے (مرقات)۔

۳ اس موقعہ پر حضور انور نے اپنے ناخن شریف بھی لوگوں میں تقسیم کرائے، یہ بال و ناخن تبرک کے لیے ساروں میں تقسیم کیے گئے ان میں سے بعض حضرات تو یہ تبرکات اپنی قبروں میں لے گئے تاکہ وہاں کی مشکلات آسان ہوں، جیسے حضرت امیر معاویہ و عمرو ابن عاص وغیرہم، اور بعض حضرات چھوڑ گئے تاکہ قیامت تک مسلمان ان کی زیارت کرتے رہیں چنانچہ آج تک مختلف جگہ یہ بال شریف موجود ہیں اور ان کی زیارتیں ہورہی ہیں صحابہ کرام ان بالوں کو پانی میں غوطہ دیکر دوا پیتے تھے، حضرت شیخ نے یہاں ایک شعر لکھا:

مرا از زلف تو موئے بسند است ❊ فضولی مے کنم بوئے بسند است

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ انسان کے بال جدا ہو کر بھی پاک ہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالٰی نے حضور کے بعض اجزاء بدن شریف محفوظ رکھے ہیں تیسرے یہ کہ بزرگوں کے تبرکات خصوصًا حضور کے بال و ناخن شریف تبرک بنانا، ان کی زیارت کرنا، ان سے شفا حاصل کرنا، ان کے توسل سے دعائیں مانگنا، قبروں میں اپنے ساتھ لے جانا سب جائز و بہتر ہے کہ یہ تقسیم انہی مقاصد کے لیے ہوئی تھی اس کی تحقیق شامی اور ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کیجئے اور ان شاء اللہ اس شرح میں بھی اپنے موقعہ پر اس کا ذکر آئے گا۔ ۴ ام المؤمنین اس میں ان لوگوں کی تردید فرمارہی ہیں جو کہتے تھے کہ بقرعید کے دن طواف زیارت سے پہلے حاجی کو خوشبو لگانا حلال نہیں، طواف کے بعد حلال ہوگی، فرماتی ہیں کہ میں نے خود حضور انور کے کپڑوں میں طواف زیارت سے پہلے خوشبو ملی ہے، معلوم ہوا کہ حاجی کو قربانی و حلق سے ناقص تحلل حاصل ہوجاتا ہے جس سے بجز بیوی کے تمام چیزیں حلال ہوجاتی ہیں اور طواف زیارت سے تحلل تام ہوجاتا ہے جس سے بیوی بھی حلال ہوجاتی ہے۔ خیال رہے کہ حضور انور نے حج تو صرف ایک ہی کیا مگر عمرے چار کیے ہیں۔ لہذا ام المؤمنین کا فرمانا کہ خوشبو ملتی تھی مجموعہ کے لحاظ سے ہے، لہذا حدیث واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں، علماء فرماتے ہیں کہ بہترین خوشبو

فَاَعْطَاهُ اِيَّاهُ ثُمَّ نَاوَلَ الشِّقَّ الْاَيْسَرَ فَقَالَ احْلِقْ فَحَلَقَهُ فَاَعْطَاهُ اَبَا طَلْحَةَ فَقَالَ اقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ يُّحْرِمَ وَيَوْمَ النَّحْرِ قَبْلَ اَنْ يَّطُوْفَ بِالْبَيْتِ بِطِيْبٍ فِيْهِ مِسْكٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَاضَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ رَجَعَ فَصَلَّى الظُّهْرَ بِمِنًى رَوَاهُ

وہ بال انہیں عطا فرمادیئے پھر بائیں جانب حالق کے سامنے کی فرمایا مونڈ دو اس نے مونڈ دی پھر وہ بال ابوطلحہ کو عطا فرماکر فرمایا انہیں لوگوں میں بانٹ دو ل (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احرام باندھنے سے پہلے اور بقر عید کے دن بیت اللہ کے طواف سے پہلے وہ خوشبو ملتی تھی جس میں مشک ہوتا تھا (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقر عید کے دن طواف زیارت کیا پھر لوٹ کر نماز ظہر منیٰ میں پڑھی

نے اکثر بعد والوں تر انیاں کی تھیں ۱۶۰ اپنے دست مبارک سے باقی ۳۷ سیدنا علی سے کرائیں۔ ۶ اس سے معلوم ہوا کہ حجامت میں داہنا حصہ پہلے، بایاں حصہ بعد میں منڈانا چاہیے۔ امام ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ نائی کا داہنا اور بایاں معتبر ہے کہ نائی کا داہنا اور بایاں یعنی محلوق کا بایاں پہلے منڈے گا داہنا بعد میں، مگر یہ حدیث سن کر امام صاحب نے اپنے قول سے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ حدیث قیاس پر مقدم ہے اگر نائی پیچھے کھڑا ہو کر حجامت بنائے تو دونوں کا داہنا بایاں ایک ہی ہو گا (مرقات)۔ حجامت کے بعد لب درست کرانا، پھر ناخن ترشوانا سنت ہے (مرقات)۔

ل اس موقعہ پر حضور انور نے اپنے ناخن شریف بھی لوگوں میں تقسیم کرائے، یہ بال و ناخن تبرک کے لیے سارے ہی تقسیم کئے گئے ان میں سے بعض حضرات تو یہ تبرکات اپنی قبروں میں لے گئے کہ ان کی مشکلات آسان ہوں، جیسے حضرت امیر معاویہ و عمرو ابن عاص وغیرہم، اور بعض حضرات چھوڑ گئے تاکہ قیامت تک مسلمان ان کی زیارت کرتے رہیں، چنانچہ آج تک مختلف جگہ یہ بال شریف موجود ہیں اور ان کی زیارتیں ہورہی ہیں، صحابہ کرام ان بالوں کو پانی میں غوطہ دیکر دوا پیتے تھے۔ حضرت شیخ نے یہاں ایک شعر لکھا:

مرا از زلف تو موئے بسند است ۔۔ فضولی مے کنم بوئے بسند است

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ انسان کے بال جدا ہو کر بھی پاک ہیں۔ دوسرے یہ کہ رب تعالٰی نے حضور کے بعض اجزاء بدن شریف محفوظ رکھے ہیں۔ تیسرے یہ کہ بزرگوں کے تبرکات خصوصًا حضور کے بال و ناخن شریف سنبھال کر رکھنا، ان کی زیارت کرنا، ان سے شفا حاصل کرنا، ان کے توسل سے دعائیں مانگنا، قبر میں اپنے ساتھ لے جانا سب جائز و بہتر ہے کہ یہ تقسیم انہی مقاصد کے لئے ہوئی تھی۔ اس کی تحقیق شامی اور ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کیجئے اور ان شاء اللہ اس شرح میں بھی اپنے موقعہ پر اس کا ذکر آئے گا۔ ۲ ام المؤمنین اس میں ان لوگوں کی تردید فرمارہی ہیں جو کہتے تھے کہ بقر عید کے دن طواف زیارت سے پہلے حاجی کو خوشبو لگانا حلال نہیں، طواف کے بعد حلال ہوگی۔ فرماتی ہیں کہ میں نے خود حضور انور کے کپڑوں میں طواف زیارت سے پہلے خوشبو ملی ہے۔ معلوم ہوا کہ حاجی کو قربانی و حلق سے ناقص تحلل حاصل ہوجاتا ہے جس سے بجز بیوی کے تمام چیزیں حلال ہوجاتی ہیں اور طواف زیارت سے تحلل تام ہوجاتا ہے جس سے بیوی بھی حلال ہوجاتی ہے۔ خیال رہے کہ حضور انور نے حج تو صرف ایک ہی کیا مگر عمرہ چار کئے ہیں۔ لہذا ام المؤمنین کا فرمانا کہ خوشبو ملتی تھی مجموعہ کے لحاظ سے ہے، لہذا حدیث واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ بہترین خوشبو

فَقَالَ اِذْبَحْ وَلَاحَرَجَ فَجَآءَ اٰخَرُ فَقَالَ لَمْ اَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ فَقَالَ اِرْمِ وَلَاحَرَجَ فَمَا سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَیْءٍ قُدِّمَ وَلَا اُخِّرَ اِلَّا قَالَ اِفْعَلْ وَلَاحَرَجَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ اَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ حَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ قَالَ اِرْمِ وَلَاحَرَجَ وَاَتَاهُ اٰخَرُ فَقَالَ اَفَضْتُ اِلَی الْبَیْتِ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ قَالَ اِرْمِ وَلَاحَرَجَ ● وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُسْاَلُ یَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًی فَیَقُوْلُ لَاحَرَجَ فَسَاَلَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ رَمَیْتُ بَعْدَ مَا اَمْسَیْتُ فَقَالَ لَاحَرَجَ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ ●

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ ● عَنْ عَلِیٍّ قَالَ اَتَاهُ رَجُلٌ

فرمایا اب ذبح کرلو کوئی حرج نہیں پھر دوسرا آیا عرض کیا مجھے مسئلہ معلوم نہ تھا میں نے رمی سے پہلے قربانی کرلی فرمایا اب رمی کرلو کوئی حرج نہیں[۱] تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کے متعلق جو آگے پیچھے کردی گئی ہو سوال نہ ہوا مگر حضور نے یہی فرمایا اب کرلو کوئی حرج نہیں[۲] (مسلم بخاری) مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور کی خدمت میں ایک شخص آیا عرض کیا میں نے رمی سے پہلے سر منڈالیا فرمایا اب رمی کرلو کوئی حرج نہیں دوسرا آیا عرض کیا میں نے بیت اللہ کا طواف رمی سے پہلے کرلیا فرمایا اب رمی کرلو کوئی حرج نہیں[۳] روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منیٰ میں بقر عید کے دن سوالات کیے جاتے تھے حضور یہی فرماتے تھے[۴] کوئی حرج نہیں ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ میں نے شام کے بعد رمی کی فرمایا کوئی حرج نہیں[۵] (بخاری) دوسری فصل روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص آیا

۱ یعنے چونکہ تم نے یہ کام خطاءً یا بے علمی میں کیا لہذا تم پر کوئی گناہ نہیں، حرج بمعنے گناہ ہے۔ خطا تو عذر ہے جہالت عذر نہیں جیسا کہ تمام کتب میں مذکور ہے۔ **۲** دسویں ذی الحجہ کو حج کے افعال چار ادا ہوتے ہیں اولًا جمرہ عقبہ کی رمی، پھر قربانی، پھر سر منڈانا، پھر طواف زیارت۔ ان چاروں ارکان میں ترتیب امام شافعی، احمد، اسحاق کے ہاں سنت ہے کہ اس کے بدل جانے سے دم واجب نہیں صرف ثواب میں کمی ہوگی۔ مگر ابن جبیر، امام مالک و امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم کے ہاں ان بعض میں ترتیب واجب ہے کہ بدل جانے سے دم واجب ہے۔ ان بزرگوں کے ہاں لاحرج کے معنے ہیں تم پر گناہ نہیں، مگر ان حضرات کے ہاں اسکے معنے ہیں تم پر فدیہ یا قربانی واجب نہیں۔ مگر قول امام ابوحنیفہ قوی ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے بھی اسی کی مثل روایت فرمائی، مگر وہ ترتیب بدلنے سے قربانی واجب فرماتے ہیں، جب راوی کا مذہب یہ ہے تو معلوم ہوا کہ ان کے ہاں بھی اس حدیث کے یہی معنے ہیں (مرقات ولمعات) **۳** خیال رہے کہ امام اعظم کے ہاں رمی، ذبح، سر منڈانا ان میں ترتیب قارن اور متمتع پر واجب ہے، صاحبین کے ہاں سنت، یوں ہی قربانی حج کا صرف قربانی کے دنوں میں ہونا امام اعظم کے ہاں واجب ہے، مگر حرم میں ذبح ہونا بالاتفاق واجب کہ حرم کے علاوہ اور جگہ حج کی قربانی ادا نہیں ہوسکتی۔ مگر حلق و طواف یا رمی و طواف میں ترتیب واجب نہیں، یہ فرق بہت خیال میں رہے، لہذا اگر کوئی طواف پہلے کرے پھر رمی، تو اس پر دم واجب نہ ہوگا، دیکھو اس کی تفصیل کتب فقہ و مرقات میں اسی جگہ۔ یہ بھی خیال رہے کہ جیسے نماز کے واجب رہ جانے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے ایسے ہی حج کا واجب رہ جانے سے دم یعنے قربانی واجب ہوتی ہے۔ **۴** یعنے دن بھر سوالات و جوابات کا سلسلہ قائم رہا کہ لوگ حضور سے پوچھتے تھے، حضور خندہ پیشانی سے جواب دیتے تھے، یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور نے بہت حج کیے اور ہر حج میں یہ سوال و جواب کے واقعات پیش آئے۔ **۵** ظاہر یہ ہے کہ شام سے مراد سورج ڈوبنے کے بعد کا وقت ہے صبح کا مقابل، لہذا یہ حدیث احناف کے منافق ہے اور شوافع کے خلاف، کہ انکے ہاں بقر عید کے

فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ اَفَضْتُ قَبْلَ اَنْ اَحْلِقَ قَالَ اِحْلِقْ اَوْ قَصِّرْ وَلَاحَرَجَ وَجَاءَ اٰخَرُ فَقَالَ ذَبَحْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِىَ قَالَ ارْمِ وَلَاحَرَجَ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ۔ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنْ اُسَامَةَ ابْنِ شَرِيْكٍ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجًّا فَكَانَ النَّاسُ يَاْتُوْنَهٗ فَمِنْ قَائِلٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَعَيْتُ قَبْلَ اَنْ اَطُوْفَ اَوْ اَخَّرْتُ شَيْئًا اَوْ قَدَّمْتُ شَيْئًا فَكَانَ يَقُوْلُ لَاحَرَجَ اِلَّا عَلٰى رَجُلٍ اِقْتَرَضَ عِرْضَ مُسْلِمٍ وَهُوَ ظَالِمٌ فَذٰلِكَ الَّذِىْ حَرِجَ وَهَلَكَ رَوَاهُ

بولا یارسول اللہ میں نے سر منڈانے سے پہلے طواف کرلیا فرمایا کوئی حرج نہیں اب منڈالو یا کتروالو[۱] دوسرا آیا عرض کیا کہ میں نے رمی سے پہلے ذبح کرلیا فرمایا کوئی حرج نہیں رمی کرلو[۲] (ترمذی) تیسری فصل روایت ہے حضرت اسامہ ابن شریک سے[۳] فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں نکلا لوگ آپ کے پاس آتے تھے تو کوئی ملنے والا کہتا یارسول اللہ میں نے طواف سے پہلے سعی کرلی[۴] یا کوئی رکن پیچھے کردیا یا آگے کردیا تو آپ فرماتے تھے کوئی حرج نہیں[۵] ہاں حرج اس شخص پر ہے جو ظلم کرتے ہوئے کسی مسلمان کی آبروریزی کرے یہ وہ شخص ہے جو نقصان میں گیا اور ہلاک ہوگیا[۶]

دن کی رمی اگر سورج ڈوبے کی جائے تو قربانی واجب ہے ہمارے ہاں گنہگار ہوگا قربانی واجب نہ ہوگی، البتہ اگر گیارھویں تاریخ کو یہ رمی کرے تو دم واجب ہے خیال رہے کہ بقرعید کے دن جمرہ عقبہ کی رمی صبح صادق کے بعد سورج نکلنے سے پہلے مکروہ ہے، سورج نکلنے سے زوال سے پہلے تک سنت، زوال سے سورج چھپنے تک جائز رات میں جائز مگر مکروہ اور کل کو کرنا خلاف واجب ہے جس میں قربانی لازم، گیارھویں بارھویں بقرعید کو جمروں کی رمی زوال کے بعد سے سورج ڈوبے تک سنت ہے اور رات میں مکروہ تیرہ[۱۳] ذی الحجہ تک اس کی قضا کا وقت ہے تیرھویں کے بعد نہ ادا کا وقت ہے نہ قضا کا، یہ تفصیل یاد رکھنی چاہیے۔ یہاں حرج نفی کے معنے میں قربانی واجب نہیں (مرقات)۔ [۱] یعنے طواف سر منڈانے کے بعد سنت تھا لیکن اگر اس کے برعکس ہوگیا تو خیر، نہ اس میں گناہ ہے نہ قربانی نہ کفارہ نہ کوئی فدیہ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ [۲] رمی سے پہلے ذبح کرلینے میں مفرد یعنے صرف حج کرنے والے پر نہ گناہ ہے نہ فدیہ نہ کفارہ یا قربانی: ہاں بہتر تھا کہ رمی کے بعد کرتا مگر قران و تمتع والے پر عمدًا ایسا کرنے میں گناہ بھی ہے کفارہ بھی اور خطاءً ایسا ہوجانے پر گناہ تو نہیں مگر کفارہ واجب ہے اس کی تفصیل کتب فقہ میں اور مرقات میں لاحظہ کیجئے: یہ شخص اگر مفرد تھا تب تو گناہ و کفارہ دونوں کی نفی ہے، اور اگر قارن یا متمتع تھا اور خطاءً ایسا کر بیٹھا تھا تو گناہ کی نفی ہے۔ [۳] آپ اسامہ ابن شریک ذبیانی ثعلبی ہیں، کوفہ کے ہیں، صحابی ہیں، ان سے زیاد ابن علاقہ وغیرہ نے روایات لیں۔ [۴] یعنے احرام باندھ کر جب مکہ معظمہ حاضر ہوا تو طواف قدوم سے پہلے سعی کرلی، پھر طواف قدوم کیا، حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ پہلے طواف قدوم کرتا پھر سعی۔ [۵] حرج کے معنے پہلے عرض کردیئے گئے کہ ان تبدیلیوں سے حج باطل نہ ہوگا یا گناہ نہیں جبکہ سہوًا کیا ہو کہ حج میں زیادہ مشغولیت کی وجہ سے غلطیاں ہوجاتی ہیں، اگرچہ بعض صورتوں میں دم یا کفارہ ہوجائیگا۔ [۶] اس جملہ سے معلوم ہوا کہ گذشتہ تمام جگہ حرج سے مراد گناہ تھا نہ کہ کفارہ وغیرہ، ظلم کی قید اسلئے لگائی کہ ضرورۃً یا سزاءً تو مسلمان کی جان بھی لے سکتے ہیں، آخر قصاص و رجم میں جان لی جاتی ہے: خلاصہ جواب یہ ہے کہ عبادات کی غلطی کا بدل ہوسکتا ہے، معاملات درست کرو کہ معاملات میں زیادتی حقوق العباد سے ہے جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے، حاجی کو چاہیئے کہ حج کے بعد اپنے معاملات بہت صاف رکھے اور کوئی حرکت ایسی نہ کرے جس سے حج برباد ہوجائے، حج کو سنبھالے رکھنا آسان ہے مگر بچانا مشکل۔

ابوداؤد۔ بَابُ خُطْبَةِ يَوْمِ النَّحْرِ وَرَمْيِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ وَالتَّوْدِيْعِ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ قَالَ اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ خَلَقَ اللهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَلسَّنَةُ اِثْنٰى عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلٰثٌ مُتَوَالِيَاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِيْ بَيْنَ جُمَادٰى وَشَعْبَانَ وَقَالَ اَيُّ

ابوداؤد۔ باب بقرعید کے دن کا خطبہ اور تشریق کے دنوں کی رمی اور رخصتی طواف ۱ پہلی فصل ۲ روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں کہ بقرعید کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ دیا ۳ فرمایا کہ زمانہ گھوم پھر کر اپنی اسی حالت پر آ گیا ۴ جس پر اللہ نے اسے آسمان و زمین بنانے کے دن کیا تھا ۵ سال بارہ مہینے کا ہے جن میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں ۶ تین تو مسلسل ہیں ذیقعدہ، ذی الحجہ محرم چوتھا قبیلہ مضر کا ماہ رجب جو دو جمادوں اور شعبان کے درمیان ہے ۷ فرمایا یہ کون

۱ اس باب میں تین چیزیں بیان ہوں گی، بقرعید کے دن کا خطبہ اور گیارھویں بارھویں تیرھویں کی رمی اور واپسی کے وقت کا طواف، وداع بمعنی رخصت ہے عورت کو پیغام نکاح دینا خ کے پیش سے خطیم الشان کام یا اعلیٰ صبح کلام بشرطیکہ نظم میں نہ ہو نثر میں ہو، بقرعید کے دن یعنی دسویں ذی الحجہ کے بعد والے تین دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں کہ ان دنوں میں اہل عرب قربانی کے گوشت سکھاتے انہیں دھوپ دیتے ہیں، تشریق بمعنی سکھانا اور دھوپ دینا ہے، بہتر یہ ہے کہ طواف وداع مکہ معظمہ سے واپسی کے وقت کرے پہلے نہ کرے۔ اہل مکہ پر نہ طواف قدوم ہے نہ طواف وداع یہ دونوں طواف باہر والوں کے لئے ہیں۔ ۲ یہ خطبہ بمعنی وعظ و نصیحت ہے نہ کہ وہ خطبہ مسنونہ جو حج میں ہوتا ہے کہ وہ گیارھویں بقرعید کو نہیں ہے، یہ خطبہ اس خطبہ کے علاوہ ہے جو نویں کو عرفات میں دیا جاتا ہے ان خطبوں میں بقیہ ارکان حج کی تعلیم ہوتی ہے، اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ خطبہ حج نہیں ہے ورنہ اس میں مسائل حج بیان ہوتے، یہ خطبہ بعد نماز ظہر تھا۔ ۳ زمانہ مطلقاً وقت کو کہتے ہیں، یہاں بمعنی سال ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہو رہا ہے، سال بھی قمری مراد ہے نہ کہ شمسی۔ ۴ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں دو حرکتیں کرتے تھے ایک تو کبھی سال کو تیرہ ماہ کا بنا دینا دوسرے مہینوں کی تبدیلی، اگر ان کی جنگ کے زمانہ میں ماہ حرم مثلاً رجب آ جاتا اور ابھی جنگ باقی ہوتی تو اسے کوئی اور مہینہ قرار دے لیتے تاکہ جنگ جاری رکھ سکیں، پھر جنگ ختم ہونے کے بعد کسی اور مہینہ کو رجب مان لیتے، یوں ہی بقرعید میں تبدیلی کر لیتے تھے تاکہ حج جس موقعہ پر آسان ہو اس پر کر لیں چنانچہ جس سال جناب آمنہ خاتون حاملہ ہوئی ہیں اسی سال رجب کو بقرعید مان کر حج کیا گیا تھا، اسی لئے روایات میں آتا ہے کہ جناب آمنہ کا حاملہ ہونا ایام منٰی میں ہوا جس سال حضور انور نے حج کیا اسی سال حسن اتفاق سے سال بارہ ماہ کا ہوا اور ہر مہینہ اپنے اصل پر منایا گیا، اس فرمان عالی میں یہی ارشاد ہے کہ اس سال ہر مہینہ اس موقعہ میں ہوا ہے جس وقت رب نے اسے مقرر کیا تھا مہینے گھومتے پھرتے ہوئے اس سال اپنے صحیح وقت پر گزرے، ہماری اس تقریر سے وہ اعتراض اٹھ گیا کہ جب استقرار حمل شریف ایام حج میں ہوا اور ربیع الاول میں ولادت مبارک ہوئی تو نو ماہ کیسے پورے ہوئے، معلوم ہو گیا کہ وہ ماہ رجب تھا جسے بقرعید بنا کر حج کیا گیا تھا۔ ۵ حق یہ ہے کہ السنۃ جملہ مستقلہ ہے اور اثنا عشر بوجہ خبر مبتدا ہونے کے مرفوع ہے، بعض کے خیال میں السنۃ خلق کا مفعول اول ہے اثنی عشر مفعول دوم، اس فرمان میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے "اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ" الخ ۶ زمانہ جاہلیت میں یہ چار ماہ بڑی حرمت والے تھے جن میں جنگ حرام تھی، اسلام میں ان مہینوں کی حرمت تو برقرار رکھی کہ ان میں گناہ کو سخت جرم قرار دیا، جیسے بحالت احرام حرم شریف میں گناہ سخت جرم ہے، مگر جنگ کی حرمت کو منسوخ فرما دیا چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ طائف شوال میں اور غزوۂ حنین ذی قعدہ میں۔

شَهْرٍ هٰذَا قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اِسْمِهٖ فَقَالَ اَلَيْسَ ذَا الْحِجَّةِ قُلْنَا بَلٰى قَالَ اَيُّ بَلَدٍ هٰذَا قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اِسْمِهٖ قَالَ اَلَيْسَ الْبَلْدَةَ قُلْنَا بَلٰى قَالَ فَاَيُّ يَوْمٍ هٰذَا قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اِسْمِهٖ قَالَ اَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلٰى قَالَ فَاِنَّ دِمَاءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ

مہینہ ہے ہم نے عرض کیا اللہ رسول جانیں حضور انور خاموش رہے حتی کہ ہم نے گمان کیا کہ حضور اس کا اسکے نام کے سوا کوئی اور نام رکھیں گے ۱؎ تو فرمایا کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا یہ کونسا شہر ہے ہم نے عرض کیا اللہ رسول جانیں حضور خاموش رہے حتی کہ ہم سمجھے کہ آپ اس کے نام کے علاوہ کوئی اور نام رکھیں گے ۲؎ فرمایا کیا یہ مکہ معظمہ شہر نہیں ہے ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا اچھا یہ کون دن ہے ہم نے عرض کیا اللہ رسول جانیں حضور خاموش رہے حتی کہ ہم سمجھے کہ آپ اسکا کوئی اور نام رکھیں گے (اصلی نام کے سوا) فرمایا کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہم نے عرض کیا ہاں ۳؎ فرمایا تو تمہارے خون تمہارے مال

کیا حضور انور کے بعد صحابہ کرام ہر مہینہ میں حساب کرتے رہے، مضر ایک قبیلہ کے مورث اعلےٰ کا نام ہے جس کے نام سے یہ قبیلہ مضر کہلاتا ہے چونکہ وہ شخص لسی بہت پسند کرتا تھا اور اس کا رنگ بھی لسی کی طرح سفید تھا اس لئے اسے مضر کہتے تھے مضر کے معنے ہیں کھٹی لسی چونکہ یہ قبیلہ ماہ رجب کا بہت ہی ادب و احترام کرتا تھا اسلئے رجب اس قبیلہ کی طرف منسوب فرمایا گیا، خیال رہے کہ مکہ معظمہ ۸ھ میں فتح ہوا اس سال حضور انور نے امیر الحج عتاب ابن اسید کو مقرر کیا اور ۹ھ کے حج کا امیر ابوبکر صدیق کو اور ۱۰ھ میں خود حج فرمایا، تو یقیناً ۹ھ و ۱۰ھ میں بھی ہر مہینہ اپنے موقعہ پر تھا اور حج صحیح وقت پر ادا ہوا تھا اور نہ سرکار کبھی غلط وقت پر حج کی اجازت نہ دیتے، لہذا اس جملہ شریف کے یہ معنے نہیں کہ صرف اس سال ہی سال درست گذرا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس سال صحیح حج ہوا گذشتہ سالوں کی طرح، اور اب تم مہینے اسی حساب سے گذارنا (مرقات و فتح الباری) خیال رہے کہ قبیلہ مضر نے ماہ رجب میں کبھی تبدیلی نہ کی تھی اسلئے رجب کو انہیں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا اور انہیں کے رجب سے حساب لگتا تھا۔

۱؎ یہ صحابہ کرام کا ادب بارگاہ رسالت ہے کہ باوجودیکہ وہ جانتے تھے کہ آج حج ہے، بقر عید کا مہینہ ہے، دسویں ذی الحجہ ہے مگر جواب نہ دیا کیونکہ رب نے فرمایا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ حضور انور کا کچھ خاموش رہنا اہتمام کیلئے تھا کہ جو چیز انتظار کے بعد معلوم ہو وہ یاد خوب رہتی ہے، اس جواب سے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا اللہ رسول جانیں، معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر رب کے ساتھ کرنا شرک نہیں عین ایمان ہے، اللہ رسول کے ملانے کا نام ایمان ہے الگ کرنے کا نام کفر رب تعالٰے فرماتا ہے يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ، اور فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا

۲؎ صحابہ کے اس گمان سے معلوم ہو رہا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو نام تبدیل کرنے کا اختیار ہے، اور آپ ہی کا رکھا ہوا نام باقی رہے گا، دیکھو حضور نے ایک صحابی کا نام رکھ دیا ابوہریرہ یعنے بلیوں والے تو ان کے ماں باپ کا رکھا ہوا نام گم ہوگیا۔ ۳؎ بلدہ ہر شہر کو اور نحر ہر ذبح کو کہتے ہیں مگر اب عرف میں بلدہ سے مکہ معظمہ اور نحر سے قربانی مراد ہوتی ہے جیسے بیت لغۃً ہر گھر ہے مگر اب عرف میں مطلقاً بیت کعبہ معظمہ یعنے بیت اللہ کو کہتے ہیں، اسی بنا پر یہ گفتگو ہو رہی ہے مکہ معظمہ ہمیشہ سے شہر رہا ہے اور انشاء اللہ شہر رہے گا، جن بزرگوں نے کہا کہ شہر وہ بستی ہے جہاں کے مسلمان اس کی بڑی مسجد میں نہ سما سکیں یہ غلط ہے ورنہ پھر مکہ معظمہ تو شہر نہ رہے گا کہ حرم شریف میں مکہ والے تو کیا، سارے حجاج سما جاتے ہیں اور چھوٹے گاؤں جن کی مسجد چھوٹی سی ہو شہر بن جائے گا۔

وَاَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِىْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِىْ شَهْرِكُمْ هٰذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْاَلُكُمْ عَنْ اَعْمَالِكُمْ اَلَا فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِىْ ضُلَّالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ اللّٰهُمَّ اشْهَدْ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ وَبَرَةَ قَالَ سَاَلْتُ ابْنَ عُمَرَ مَتٰى اَرْمِى الْجِمَارَ قَالَ اِذَا رَمٰى اِمَامُكَ فَارْمِهٖ

تمہاری آبروئیں تم میں سے ایک دوسرے پر ایسی حرام ہیں جیسے ہمارے اس دن کی حرمت ہمارے اس شہر اور اس مہینہ میں۱ تم عنقریب اپنے رب سے ملو گے وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا۲ تو خبردار میرے بعد گمراہ ہو کر نہ لوٹ جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں۳ خبردار رہو کیا میں نے تبلیغ کردی سب بولے ہاں فرمایا الٰہی گواہ ہو جا لازم ہے کہ حاضرین غائبوں کو پہنچا دیں بہت سے پہنچائے ہوئے سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں گے۴ (مسلم، بخاری) حضرت وبرہ سے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر سے پوچھا۵ کہ میں جمروں کی رمی کب کروں فرمایا جب تمہارا امام رمی کرے تو تم بھی کرو۶

۱ عام علماء فرماتے ہیں کہ حدودِ حرم میں جیسے نیکی ایک کی ایک لاکھ بن جاتی ہے ویسے ہی گناہ بھی ایک کا لاکھ ہے، اس لیے حضور نے ارشاد فرمایا کہ جیسے یہاں کا گناہ دوسرے مقامات کے گناہ سے سخت تر ہے، ایسے ہی مسلمان کے خون، مال، آبرو ظلمًا برباد کرنا سخت تر ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ محققین علماء فرماتے ہیں کہ یہ زیادتی کیفیت میں ہے نہ کہ مقدار میں، رب تعالٰی فرماتا ہے وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا۔ ۲ یعنی قیامت میں رب تعالٰی تمہارے ہر چھوٹے بڑے، جانی مالی اعمال کا حساب فرمائے گا ابھی سے اس حساب کا خیال رکھو، حضرت علی مرتضٰے فرماتے ہیں حاسبوا قبل ان تحاسبوا حساب دینے سے پہلے اپنا حساب خود لیتے رہو۔ ۳ یہاں ضلال فرمایا گیا ضال کی جمع، بعض روایات میں کفار ہے یعنی میرے بعد تم لوگ گمراہ یا کفار جیسے ظالم نہ بن جانا کہ بعض مسلمان بعض کو ظلمًا قتل کرنے لگیں، یہ خطاب صرف صحابہ کرام سے نہیں بلکہ تاقیامت ساری امت سے ہے خیال رہے کہ آخر خلافتِ عثمانیہ اور خلافتِ مرتضویہ میں جو صحابہ کرام میں لڑائیاں ہوئیں وہ غلط فہمی یا خطاء اجتہادی کی بنا پر تھیں نہ کہ نفسانیت و ظلم سے، جیسے حضرت خالد نے خود حضور انور کے زمانہ میں ایک قوم کو جنہوں نے صبانا کہا تھا کافر سمجھ کر قتل کردیا اور حضور انور نے حضرت خالد کو نہ فاسق قرار دیا نہ ظالم یا کافر بلکہ انہیں توبہ کا بھی حکم نہ دیا، یہاں ظالم قاتل کو کافر یا گمراہ فرمانا عمل کے لحاظ سے ہے نہ کہ عقیدے کے اعتبار سے، یعنے یہ قتل و خونریزی کفار کا طریقہ ہے، جیسے قرآن کریم فرماتا ہے واقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین تم لوگ نماز قائم کرو مشرکوں سے نہ ہوجاؤ: حالانکہ نماز نہ پڑھنا شرک نہیں لہذا اس حدیث سے روافض یہ نہیں کہہ سکتے کہ صحابہ حضور کے بعد آپس کی جنگوں کی وجہ سے کافر ہوگئے۔ ۴ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تین چیزیں فرمائیں، اپنی تبلیغ پر تمام کو گواہ بنایا، اب بھی حجاج روضۂ اقدس پر عرض کرتے ہیں یارسول اللہ آپ نے پوری تبلیغ فرمادی، یہ عرض اس سوال کا جواب ہے، دوسرے تمام صحابہ کو احادیث کی تبلیغ کا حکم دیا، علماء کو چاہیے کہ دین چھپائیں نہیں یہ حضور کی امانت ہے، اُمت کے حوالہ کردیں، تیسرے یہ کہ رحمتِ الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہیگا، چمنِ اسلام میں پھول کھلتے رہیں گے، میرے بعد بعض علماء آجکل کے بعض صحابہ سے زیادہ ذہین و نکتہ رس ہوں گے، رب نے اپنے حبیب کی اس بات کو کیسا سچا کیا سبحان اللہ چاروں امام مجتہدین دیگر فقہاء صوفیاء بعد میں پیدا ہوئے جنہوں نے ان ہی احادیث سے قیمتی موتی نکالے دین کو واضح کردیا۔ ۵ وبرہ ابن عبدالرحمٰن تابعی ہیں حضرت ابن عمر و سعید ابن جبیر سے روایات کرتے ہیں، آپ کی کنیت ابوخزیمہ حارثی ہے۔ ۶ یعنے تم میں جب بڑے علماء رمی کریں تم بھی کرو، ہر مسئلہ پوچھنے کی ضرورت نہیں،

فَاَعَدْتُ عَلَیْهِ الْمَسْئَلَةَ فَقَالَ كُنَّا نَتَحَیَّنُ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ رَمَیْنَا رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَعَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ یَرْمِیْ جَمْرَةَ الدُّنْیَا بِسَبْعِ حَصَیَاتٍ یُكَبِّرُ عَلٰی اَثَرِ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ یَتَقَدَّمُ حَتّٰی یُسْهِلَ فَیَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ طَوِیْلًا وَّیَدْعُوْ وَیَرْفَعُ یَدَیْهِ ثُمَّ یَرْمِی الْوُسْطٰی بِسَبْعِ حَصَیَاتٍ یُكَبِّرُ كُلَّمَا رَمٰی بِحَصَاةٍ ثُمَّ یَاْخُذُ بِذَاتِ الشِّمَالِ فَیُسْهِلُ وَیَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ یَدْعُوْ وَیَرْفَعُ یَدَیْهِ وَیَقُوْمُ طَوِیْلًا ثُمَّ یَرْمِیْ جَمْرَةَ ذَاتِ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِیْ بِسَبْعِ حَصَیَاتٍ

میں نے پھر یہی سوال کیا تو فرمایا ہم وقت کے منتظر رہتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رمی کر لیتے تھے[1] (بخاری) روایت ہے حضرت سالم سے وہ حضرت ابن عمر سے راوی کہ وہ قریبی جمرہ کی سات کنکروں سے رمی کرتے تھے[2] ہر کنکر پر تکبیر کہتے تھے[3] پھر آگے بڑھ جاتے حتی کہ نرم زمین میں آجاتے پھر رو بقبلہ دیر تک کھڑے رہتے ہاتھ اٹھائے دعا مانگتے[4] پھر درمیانی جمرہ کی سات کنکریوں سے رمی کرتے جب بھی کنکری پھینکتے تو تکبیر کہتے پھر بائیں طرف ہٹ جاتے نرم زمین میں پہنچ جاتے رو بقبلہ کھڑے ہوتے پھر ہاتھ اٹھائے دعا کرتے رہتے دیر تک کھڑے رہتے پھر بطن وادی سے پیچھے والے جمرہ کو سات کنکریاں مارتے[5]

علماء کی پیروی کرنا چاہیئے عالم کی پیروی کرنے والا رب سے سالم ہو کر ملے گا، یہاں یوم النحر کے بعد کی رمی کے متعلق سوال تھا جیسا کہ جواب سے معلوم ہو رہا ہے پتہ لگا کہ ہر بات عالم سے پوچھنا ہی نہ چاہیئے بلکہ ان کو دیکھ کر بھی مسائل حل کر لینا چاہئیں یہاں عالم باعمل کا ذکر ہے۔

۱ یعنی ہم دسویں بقر عید کے بعد کی رمی بعد نماز ظہر کیا کرتے تھے یہاں بھی آپ نے صحابہ کا عمل ہی بتایا یعنی مسئلہ عمل علماء سے ثابت کیا، رمی کے اوقات کا ذکر تفصیل وار پہلے ہو چکا ہے۔ ۲ اس ستون کا نام جمرہ اولیٰ بھی ہے اور جمرہ دنیا بھی کیونکہ مسجد خیف سے قریب ہے اسی کے قریب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج میں قیام فرمایا تھا۔ ۳ اس جمرہ کی رمی گیارھویں بارھویں تیرھویں بقر عید کو ہوتی ہے، دسویں کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی ہے، ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہنا چاہیئے ذکر بعد علیٰ اثرہ سے یہی مراد ہے، کنکری پھینکنے کی ابتداء اللہ پر اور انتہاء اکبر پر ہوتی ہے، لہذا علیٰ اثر فرمانا درست ہے، صرف اللہ اکبر کہنا کافی ہے، بعض حجاج بسم اللہ اللہ اکبر کہتے ہیں، بعض لوگ کچھ دعا بھی پڑھتے ہیں اس میں حرج نہیں (مرقات و فتح القدیر)۔ ۴ یعنی زمین کے سخت حصہ پر کھڑے ہو کر تو رمی کرتے پھر بعد رمی وہاں سے ہٹ جاتے تاکہ دوسرے رمی والوں کیلئے جگہ خالی ہو جائے، اور نرم حصہ میں آکر رو بقبلہ ہو کر دیر تک دعائیں مانگتے رہتے، اب یہی سنت ہے، سورۂ بقرہ تلاوت کرنے کی بقدر کھڑے رہ کر دعائیں کرتے رہتے، اب لوگ مختصر ٹھہرتے ہیں۔ ۵ رمی میں جمروں کی ترتیب احناف کے ہاں سنت ہے شوافع کے ہاں واجب، اور لگاتار رمی کرنا کہ ہر جمرہ کی رمی دعا کے بعد فوراً دوسرے کی رمی کرنا احناف کے ہاں سنت ہے امام مالک کے ہاں واجب، اسلئے حجاج کو چاہیئے کہ ترتیب وار اور لگاتار ہی رمی کریں، جیسے اعضاء وضو کا دھونا ترتیب وار اور لگاتار چاہیئے۔ ۶ جمرہ عقبہ کے سامنے کنارہ راہ پر نشیبی زمین ہے اور اس کے مقابل بلند زمین، سنت یہ ہے کہ نشیبی زمین سے رمی کرے تاکہ اوپر والی زمین پر کھڑے ہوئے آدمی کو کنکر نہ لگے، اوپر کی طرف سے رمی کرنے میں نیچے والوں کو لگ جانے سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے، مگر یہ سنت ہے، اگر کوئی بلندی کی طرف سے رمی کرے تو بھی جائز ہے، بعض صحابہ نے یہ کیا تو دوسرے حضرات نے اس پر نہ اعتراض کیا نہ اعادہ کا حکم دیا، خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نشیبی زمین سے رمی کی مگر بلندی کی طرف سے رمی کی ممانعت نہ فرمائی لہذا حق یہ ہے کہ یہ سنت ہے

يُكَبِّرُ عِنْدَ كُلِّ حَصَاةٍ وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْلُ هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ يَفْعَلُهٗ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِسْتَأْذَنَ الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَسُوْلَ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّبِيْتَ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى مِنْ اَجْلِ سِقَايَتِهٖ فَاَذِنَ لَهٗ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ
وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ اِلَى السِّقَايَةِ فَاسْتَسْقٰى فَقَالَ الْعَبَّاسُ
يَا فَضْلُ اذْهَبْ اِلٰى اُمِّكَ فَأْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرَابٍ مِنْ عِنْدِهَا فَقَالَ

کہ ہر کنکری پر تکبیر کہتے تھے مگر اس کے پاس کھڑے نہ ہوتے تھے [1] پھر واپس ہو جاتے حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ عمل کرتے دیکھا [2] (بخاری) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ حضرت عباس ابن عبدالمطلب نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے منیٰ کی راتوں میں مکہ معظمہ رہنے کی اجازت مانگی [3] زمزم پلانے کی وجہ سے [4] تو حضور نے انہیں اجازت دیدی [5] (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمزم کے سقایہ (مٹی) پر تشریف لائے پانی مانگا [6] تو حضرت عباس نے فرمایا اے فضل اپنی والدہ کے پاس جاؤ ان کے پاس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پینے پانی لے آؤ [7] حضور انور نے فرمایا

[1] جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد وہاں نہ ٹھہرنا اور فوراً اپنی منزل وغیرہ پر آجانا سنت ہے یا اس لئے کہ یہ جگہ بر سر راہ ہے، یہاں کھڑا ہونا اور لوگوں کی تکلیف کا باعث ہے یا اس لئے کہ اب رمی کی عبادت ختم ہو چکی دوران عبادت کی دعا کافی ہو گئی یا اس لئے کہ حاجی پر رحمت الٰہی کا نزول ہو چکا اب ٹھہرنے کی مشقت برداشت کرنا ضروری نہیں، بہرحال سنت یہی ہے کہ اس رمی پر نہ ٹھہرے واللہ و رسولہ اعلم (مرقات)۔ [2] یعنی یہ مذکورہ عمل سنت رسول اللہ بھی ہے اور سنت صحابہ بھی۔ [3] یعنی عرض کیا کریں گیارھویں بارھویں تیرھویں ذی الحجہ کو دن میں منیٰ آکر جمروں کی رمی کر جایا کروں گا باقی اوقات مکہ معظمہ میں ہی رہونگا اس کی وجہ آگے آرہی ہے۔ [4] یعنی چونکہ میرے ذمہ کنوئیں سے آب زمزم نکالنے اور لوگوں کو پلانے کی خدمت ہے لوگ ہر وقت خصوصًا طوافوں کے بعد اور خصوصًا ان دنوں میں طواف زیارت کے بعد زمزم پیتے ہیں اگر میں منیٰ میں رہوں تو یہ خدمت بخوبی انجام نہیں پا سکتی۔ خیال رہے کہ یہ زمزم نکالنے اور پلانے کی خدمت قصے ابن کلاب کو ملی تھی پھر ان کے بیٹے عبد مناف کو پھر ان کے بیٹے ہاشم کو، پھر ان کے بیٹے عبدالمطلب کو ملی پھر ان کے فرزند عباس کو منتقل ہوئی، ان سے عبداللہ ابن عباس کو، ان سے ان کے فرزند علی ابن عبداللہ کو ملی اور اب تک یہ خدمت آل عباس ہی کے قبضہ میں ہے جیسے کہ کعبہ معظمہ کی کلید برداری طلحہ ابن عبداللہ شیبی کی اولاد کے قبضہ میں ہے وہاں کی خدمات تقسیم ہو چکی ہیں جو وراثۃً منتقل ہوتی ہیں۔ [5] خیال رہے کہ منیٰ کے زمانہ میں راتیں منیٰ میں گذارنا ہمارے ہاں سنت ہے، امام شافعی کے ہاں اکثر رات وہاں رہنا واجب، مگر ان دونوں اماموں کے ہاں سخت مجبوری یا معذوری میں یہ حکم اٹھ جاتا ہے۔ [6] اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ خود چاہِ زمزم پر جانا اور پانی بھرنے والوں سے مانگ کر زمزم پینا بھی سنت ہے جیسے گھر پر منگا کر پینا سنت ہے۔ دوسرے یہ کہ پانی وغیرہ مانگنا ممنوع نہیں اور یہ ان سوالات سے نہیں جن میں ذلت ہے اور جن سے شریعت میں ممانعت ہے، سوال ذلت اور ہے سوال خدمت کچھ اور۔ غالبًا یہ واقعہ دسویں بقرعید کا ہے جب حضور انور منیٰ سے طواف فرمانے مکہ معظمہ تشریف لائے اور طواف کے بعد منیٰ واپس ہو گئے اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ طواف زیارت کے بعد زمزم پینا سنت ہے۔ [7] یعنی اے فرزند فضل ہم نے تم لوگوں کے لئے زمزم اپنے گھر بھیج دیا ہے۔

اِسْقِنِیْ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّھُمْ یَجْعَلُوْنَ اَیْدِیَھُمْ فِیْہِ قَالَ اِسْقِنِیْ فَشَرِبَ مِنْہُ ثُمَّ اَتٰی زَمْزَمَ وَھُمْ یَسْقُوْنَ وَیَعْمَلُوْنَ فِیْھَا فَقَالَ اِعْمَلُوْا فَاِنَّکُمْ عَلٰی عَمَلٍ صَالِحٍ ثُمَّ قَالَ لَوْلَا اَنْ تُغْلَبُوْا لَنَزَلْتُ حَتّٰی اَضَعَ الْحَبْلَ عَلٰی ھٰذِہٖ وَاَشَارَ اِلٰی عَاتِقِہٖ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ ‏۔ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلَّی الظُّھْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ ثُمَّ رَقَدَ رَقْدَۃً بِالْمُحَصَّبِ ثُمَّ رَکِبَ اِلَی الْبَیْتِ فَطَافَ بِہٖ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ ‏۔ وَعَنْ عَبْدِ الْعَزِیْزِ بْنِ رُفَیْعٍ قَالَ سَاَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِکٍ قُلْتُ اَخْبِرْنِیْ

مجھے پانی پلاؤ[1] عرض کیا یارسول اللہ اس میں لوگ ہاتھ ڈالتے ہیں فرمایا ہم کو پانی پلاؤ چنانچہ حضور نے اس ہی سے پیا[2] پھر چاہ زمزم پر تشریف لائے جبکہ وہ پانی بھر رہے تھے اور اسمیں کام کاج کر رہے تھے تو فرمایا کیے جاؤ تم لوگ اچھے کام میں لگے ہو[3] پھر فرمایا اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مغلوب ہو جاؤ گے تو ہم خود اترتے حتی کہ رسی اس پر رکھتے اور اپنے کندھے کی طرف اشارہ کیا[4] (بخاری) روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام محصب میں ظہر و عصر مغرب اور عشاء پڑھی پھر کچھ سوئے پھر بیت اللہ کی طرف سوار ہو گئے تو اس کا طواف کیا[5] (بخاری) روایت ہے حضرت عبدالعزیز ابن رفیع سے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس ابن مالک سے پوچھا میں نے کہا مجھے وہ چیز

جس میں لوگوں کے ہاتھ نہیں پڑے ہیں کسی کے استعمال میں نہیں آیا ہے حضور انور کیلئے اس میں سے پانی لاؤ۔ معلوم ہوا کہ زمزم شریف گھروں میں بھیجنا بھی سنت ہے جیسا کہ اب بھی وہاں رواج ہے کہ حجاج کے ٹھکانوں پر معلم لوگ روزانہ زمزم بھجواتے ہیں، اس کی اصل یہ حدیث ہے۔

۲؎ یعنے اسی سقایہ سے پلاؤ جہاں سے عام حجاج پی رہے ہیں تاکہ یہاں ہر چھوٹے بڑے کی برابری کا ظہور ہو۔ دارقطنی نے اپنے افراد میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے مرفوعًا روایت فرمایا کہ تواضع و انکسار سے یہ ہے کہ انسان مسلمان بھائی کا جھوٹا پانی پیئے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے وضو سے بچا پانی پینا پسند فرماتے تھے۔ غرضکہ عمومًا اور حج میں خصوصًا اپنے کو بڑائی و نخرے سے بچائے۔

۳؎ کیونکہ زمزم شریف کنوئیں سے نکالنا بھی عبادت ہے اور پلانا بھی عبادت۔ خیال رہے کہ حضرت عباس زمزم کے منتظم تھے، ان کے ماتحت بہت سے لوگ پانی نکالتے اور پلاتے تھے، انتظام ان ہی کا تھا۔

۴؎ یعنے اگر ہم لوگوں کے سامنے زمزم بھرنا شروع کر دیں، تو لوگ اس عمل کو سنت سمجھ کر اسی کام کے لیے دوڑ پڑیں گے، پھر ڈول رسی تمہارے ہاتھ نہ آئیگا اس لیے ہم یہ نہیں کرتے ورنہ دل چاہتا ہے کہ ہم بھی ڈول بھریں۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور انور نے ڈول بھرا اور ڈول سے ہی زمزم پیا، پھر کچھ پانی ڈول میں ڈالا، وہ ڈول کنوئیں میں ڈال دیا، یہ دوسرے موقعہ پر ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔ حضرات علماء فرماتے ہیں کہ چاہ زمزم پر چڑھ کر اس میں جھانکنا نفاق کو دور کرتا ہے، اور خود ڈول بھرنا بہت بہتر ہے اگر میسر ہو، اس کی اصل بھی موجود ہے۔

۵؎ محصب عربی میں کنکریلی زمین کو کہتے ہیں، اب ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے منےٰ جاتے راستہ میں آتی ہے جنت معلےٰ یعنے مکہ معظمہ کے قبرستان سے متصل ہے اسے بطح، بطحا اور خیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں۔ یہ واقعہ تیرھویں ذی الحجہ کا ہے جب سرکار عالی منےٰ سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ واپس ہو رہے تھے، طواف زیارت تو حضور انور دسویں ذی الحجہ کو ہی کر چکے تھے مگر معظمہ پہنچنے کی جلدی نہ تھی اگر رب نصیب کرے تو اب بھی محصب میں ٹھہرے۔

۶؎ یہ طواف وداع تھا جو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانگی کے وقت کیا گیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ محصب میں یہ قیام ارادۃً نہ تھا اتفاقًا تھا (بخاری)۔ حضرت ابو رافع فرماتے ہیں کہ مجھے حضور انور نے محصب میں خیمہ لگانے کا حکم نہ دیا تھا میں نے خود ہی اپنے حضور وہاں

بِشَیْءٍ عَقَلْتَهٗ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیْنَ صَلَّی الظُّهْرَ یَوْمَ التَّرْوِیَةِ قَالَ بِمِنًی قَالَ فَاَیْنَ صَلَّی الْعَصْرَ یَوْمَ النَّفْرِ قَالَ بِالْاَبْطَحِ ثُمَّ قَالَ اِفْعَلْ کَمَا یَفْعَلُ اُمَرَآؤُكَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ نُزُوْلُ الْاَبْطَحِ لَیْسَ بِسُنَّةٍ اِنَّمَا نَزَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّهٗ کَانَ اَسْمَحَ لِخُرُوْجِهٖ اِذَا خَرَجَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَعَنْهَا قَالَتْ اَحْرَمْتُ مِنَ التَّنْعِیْمِ بِعُمْرَةٍ فَدَخَلْتُ

بتائیے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمجھی یاد کی ہو حضور انور نے آٹھویں بقرعید کو ظہر کہاں پڑھی[1] فرمایا منیٰ میں[2] عرض کیا پھر واپسی کے دن عصر کہاں پڑھی[3] فرمایا مقام ابطح میں[4] پھر فرمایا جیسا تمہارے امیر کریں ویسا تم بھی کرو[5] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ مقام ابطح میں اترنا سنت نہیں[6] وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیئے اترے تھے کہ آپ کی روانگی کے لیئے آسان تر تھا (مسلم بخاری) روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں میں نے مقام تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھا پھر میں مکہ معظمہ آئی

خیمہ لگا دیا اور سرکار نے وہاں قیام فرمایا (مسلم) حضرت اسامہ ابن زید فرماتے ہیں کہ حضور انور نے مجھ سے منےٰ میں فرمایا تھا کہ ہم کل خیف بنی کنانہ میں اتریں گے جہاں قریش نے مسلمانوں کے بائیکاٹ پر حلف اٹھایا تھا خلفائے راشدین بھی حج کے موقعہ پر اس تاریخ میں یہاں قیام فرماتے تھے، مقصد یہ تھا رب کی نعمت کا شکر کرنا کہ کل ہمارے بائیکاٹ پر یہاں حلف اٹھائے جاتے تھے اور آج ہم کو اللہ نے یہاں آزادی بخشی ہے، ان روایات سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ محصب میں ٹھہرنا سنت ہے مگر واجب نہیں میسر ہو تو بہت اچھا (مرقات ولمعات وغیرہ)۔ ۱؎ یعنی حضور نے آٹھویں بقرعید کو فجر تو مکہ معظمہ میں پڑھی مگر ظہر کہاں پڑھی۔ ۲؎ معلوم ہوا کہ آٹھویں بقرعید کو بعد نماز فجر مکہ معظمہ سے منےٰ روانہ ہوجانا سنت ہے، ظہر منےٰ میں پڑھے۔ ۳؎ واپسی کے دن دو ہی نفر اول یہ دسویں بقرعید کو ہے جب منےٰ سے مکہ معظمہ طواف کرنے آتے ہیں، اور نفر دوم تیرھویں بقرعید کو جب منےٰ کے افعال سے فارغ ہوکر لوٹتے ہیں، یہاں نفر دوم کے متعلق سوال ہے جب معلوم ہورہا ہے کہ حضور انور نے آج عصر محصب یعنی ابطح میں پڑھی، اور گذشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ ظہر یہاں پڑھی، ہوسکتا ہے کہ آج تیرھویں کو بعد زوال رمی کی ہو اور عصر کے قریب یہاں پہنچکر ظہر و عصر یہاں ہی پڑھی ہو۔ ۴؎ یعنی اب جو امیر حج کرے تم بھی کرو، اگر وہ محصب میں ٹھہرے تم بھی ٹھہرو، اگر نہ ٹھہرے تم بھی نہ ٹھہرو کہ ان کی مخالفت میں خطرہ ہے، یہاں ٹھہرنا واجب نہیں کہ ضرور کیا جائے (مرقات)۔ ۵؎ یعنی سنت مؤکدہ نہیں یا حج کی سنت نہیں جس کے چھوٹ جانے سے حج ناقص ہوجائے یا سنت ہدیٰ نہیں بلکہ سنت زائدہ ہے، خیال رہے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا ہر کام جو امت کیلئے لائق عمل ہو سنت ہے، اگرچہ حضور انور نے ایکبار ہی کیا ہو اور اگرچہ عادت کریمہ کے طور پر ہی ہو، ہاں جو خلاف اولیٰ کام بیان جواز کے لئے کئے ہیں یا تعلیماً کئے وہ اس سے خارج ہیں، سنت کی پوری بحث مع اقسام کے ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں ملاحظہ کیجئے۔ ۶؎ یعنی منےٰ سے واپسی پر وادی محصب میں جسے ابطح بھی کہتے ہیں اترنا وہاں قیام و آرام کرنا سنت حج نہیں، حضور انور نے اس لئے وہاں قیام فرمایا کہ اس قیام میں اپنا سامان وہاں ہی چھوڑ دیا اور مکہ معظمہ جاکر طواف وداع کیا، پھر اسی راستے سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے، راستہ میں یہاں سے اپنا سامان لے لیا، اس شرح کی بنا پر یہ حدیث بالکل واضح ہے، اس میں کوئی ایچ پیچ نہیں، خیال رہے کہ حضرات خلفائے راشدین و ابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم اس قیام ابطح کو سنت حج فرماتے تھے ان کے نزدیک حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارادۃً یہاں قیام فرمایا تھا تاکہ مشرکین کی تذلیل ہو اور خدا کا شکر کریں کہ کل تک یہاں اسلام کے خلاف بائیکاٹ کی کمیٹیاں ہوتی تھیں اور آج ہم آزادانہ یہاں نمازیں پڑھ رہے ہیں جیسے طواف میں رمل، اور حضرت عائشہ صدیقہ، ابن عباس، ابو رافع وغیرہم رضی اللہ تعالٰے عنہم کے ہاں یہ سنت حج نہیں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے اتفاقاً یہاں قیام فرمایا تھا، یہی قول امام

فَقَضَيْتُ عُمْرَتِيْ وَانْتَظَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْاَبْطَحِ حَتّٰى فَرَغْتُ فَاَمَرَ النَّاسَ بِالرَّحِيْلِ فَخَرَجَ فَمَرَّ بِالْبَيْتِ فَطَافَ بِهٖ قَبْلَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ هٰذَا الْحَدِيْثُ مَا وَجَدْتُّهٗ بِرِوَايَةِ الشَّيْخَيْنِ بَلْ بِرِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ مَعَ اخْتِلَافٍ يَسِيْرٍ فِيْ اٰخِرِهٖ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَنْصَرِفُوْنَ فِيْ كُلِّ وَجْهٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْفِرَنَّ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ اٰخِرُ عَهْدِهٖ بِالْبَيْتِ اِلَّا اَنَّهٗ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ

اپنا عمرہ پورا کیا ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ابطح میں میرا انتظار فرمایا حتی کہ میں فارغ ہوگئی ۲؎ پھر لوگوں کو کوچ کا حکم دیا پھر آپ وہاں سے آگئے تو بیت اللہ شریف پر گزرے فجر سے پہلے اس کا طواف کیا ۳؎ پھر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگئے ۴؎ یہ حدیث مسلم بخاری کی روایت میں نہ پائی بلکہ آخر میں تھوڑے سے فرق سے ابوداؤد کی روایت پائی یہ روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ لوگ ہر طرف چل دیتے تھے ۵؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی واپس نہ ہو حتی کہ اس کا آخری کام بیت اللہ سے ہو ۶؎ مگر حائضہ سے یہ حکم ہلکا کردیا گیا ۷؎ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں

یعنی منٰی اور مکہ کا ہے، اگر وہاں قیام نصیب ہو تو بہتر ہے، اگرچہ یہ سنت حج نہیں مطلقًا سنت تو ہے (لمعات واشعہ)۔

۱؎ ام المومنین کا یہ عمرہ وہ ہے جو حج سے پہلے رہ گیا تھا کہ عمرہ کا احرام تھا مگر بوجہ ماہواری عارضہ کے ادا نہ ہوسکا اب بعد میں کیا گیا، چونکہ عمرہ کا احرام حرم سے باہر بندھتا ہے اس لئے آپ مقام تنعیم گئیں جو حد حرم سے باہر مکہ معظمہ سے تین میل دور جگہ ہے اب یہاں مسجد عائشہ ہے، عام حجاج عمرہ کا احرام باندھنے وہاں جاتے ہیں۔ ۲؎ ام المومنین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے محصب میں قیام فرمانے کی یہ دوسری وجہ بیان فرمارہی ہیں کہ یہاں حضور انور نے میرے عمرہ کے انتظار میں قیام فرمایا تھا مقصد وہی ہے کہ یہ قیام سنت حج نہیں۔ ۳؎ یہ طواف وداع تھا جس کو مکہ معظمہ سے چلتے وقت حجاج ادا کرتے ہیں، نہ اس میں رمل ہے نہ اس کے بعد سعی، یہ طواف کرکے وہاں سے روانہ ہوجاتے ہیں، غالبًا حضور انور نے یہ طواف تو نماز فجر سے پہلے کیا ہوگا مگر وہاں سے روانگی بعد فجر اشراق و سنت طواف ادا کرکے کی ہوگی (مرقات) اور ہوسکتا ہے کہ صرف طواف کرکے روانہ ہوگئے ہوں اور کچھ راستہ طے کرکے فجر پڑھی ہو وہاں ہی نفل طواف ادا کی ہوں، طواف کے نفل ہر جگہ درست ہیں۔ ۴؎ اس جملہ میں صاحب مصابیح پر دو اعتراض ہیں ایک یہ کہ فصل اول میں وہ مسلم بخاری کے علاوہ حدیث لائے، دوسرے یہ کہ یہ حدیث ابوداؤد میں تو ہے مگر اس کے الفاظ بعینہٖ یہ نہیں ان میں کچھ فرق ہے۔ مصنف یہاں مسلم بخاری کی روایت لاتے یا ابوداؤد کی روایت بعینہٖ انہی الفاظ سے لاتے جن میں وہاں موجود ہے۔

۵؎ یعنی پہلے حجاج رخصت کے وقت طواف وداع نہ کرتے تھے یوں ہی چلے جاتے تھے من کل وجہ کے معنے ہیں ہر طرف سے ہر محلہ سے روانہ ہوجاتے تھے، یہ گویا بے قاعدگی سی تھی۔ ۶؎ یعنی بیت اللہ کا طواف کرکے مکہ معظمہ سے روانہ ہو تاکہ تمہاری آمد طواف سے ہو اور روانگی بھی طواف سے، یہ حال مدینہ منورہ کا ہے کہ حجاج پہنچتے ہی سلام عرض کرتے ہیں اور چلتے وقت سلام وداع کرکے چلتے ہیں اس وقت جو دل کی کیفیت ہوتی ہے بیان نہیں ہوسکتی شعر

بدن سے جان نکلتی ہے آہ سینہ سے ؎ ترے فدائی نکلتے ہیں جب مدینہ سے

۷؎ یعنی حائضہ و نفساء عورت طواف وداع کے لئے حیض بند ہونے کا انتظار نہ کرے بلکہ یوں ہی چلی جائے ورنہ بہت دشواری ہوگی۔

حَاضَتْ صَفِيَّةُ لَيْلَةَ النَّفْرِ فَقَالَتْ مَا اُرَانِي اِلَّا حَابِسَتَكُمْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقْرٰى حَلْقٰى اَطَافَتْ يَوْمَ النَّحْرِ قِيْلَ نَعَمْ قَالَ فَانْفِرِيْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْاَحْوَصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اَيُّ يَوْمٍ هٰذَا قَالُوْا يَوْمُ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ قَالَ فَاِنَّ دِمَاءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ

کہ حضرت صفیہ واپسی کے دن حائضہ ہوگئیں [1] تو بولیں مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں تم کو روک ہی لوں گی [2] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اری بانجھ منڈی [3] کیا تم نے بقر عید کے دن طواف کرلیا تھا عرض کیا ہاں فرمایا تو چلو [4] (مسلم، بخاری) دوسری فصل روایت ہے حضرت عمرو ابن احوص سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع میں فرماتے سنا یہ کون دن ہے صحابہ نے عرض کیا حج اکبر کا دن [5] فرمایا تمہارے خون تمہارے مال تمہاری آبروئیں آپس میں ایک دوسرے پر ایسے حرام ہیں جیسے

[1] حضرت صفیہ بنت حیی ابن اخطب ہیں ان کے والد یہودی تھے خیبر کے باشندے بنی اسرائیل تھے حضرت ہارون کی اولاد سے، آپ جنگ خیبر میں گرفتار ہوکر آئیں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آزاد فرما کر اُن سے نکاح فرمالیا آپ ام المومنین ہیں۔ [2] اس طرح کہ میں حائضہ میں مبتلا ہوگئی ہوں اور طواف وداع نہ کرسکوں گی، طواف کے لئے ایام گذرنے کا مجھے انتظار کرنا پڑے گا، اور آپ حضرات میری وجہ سے ٹھہریں گے۔ [3] بانجھ منڈی ناراضی کیلئے بلکہ محبت کے اظہار کیلئے ہے جیسے بچوں کو اسے پاگل، اے بے وقوف یا پنجابی اڑا بانیے وغیرہ کہہ دیتے ہیں اور نہ حضرت صفیہ کا اس میں قصور کیا تھا جو ان پر غصہ آتا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ کو طواف زیارت معاف نہیں، اس کے لئے اسے ٹھہرنا پڑے گا، طواف وداع معاف ہے۔

مسئلہ مکہ والوں پر یا جس نے کہ معظمہ میں مستقل رہائش کا ارادہ کرلیا تھا، مگر اب روانہ ہو رہا ہے اس پر جو حج کا احرام باندھ کر حج نہ کرسکا عمرہ کرکے کھل گیا، اس پر طواف وداع واجب نہیں، یونہی صرف عمرہ کرنے والے پر واجب نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ طواف کے بعد پھر زیادہ دیر مکہ معظمہ میں نہ ٹھہرے، اور اگر دن میں طواف وداع کیا تھا مگر رات تک وہاں ٹھہرنا پڑ گیا تو بہتر یہ ہے کہ دوبارہ طواف کرے یہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے (مرقات وغیرہ)۔

[4] ظاہر یہ ہے کہ بعض صحابہ نے یہ جواب دیا اور بعض نے عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم یا یہ کوئی دوسرا واقعہ ہے، لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ صحابہ نے اللہ ورسولہ اعلم کہا۔ حج اکبر کے بہت سے معانی ہیں (۱) بقر عید کا دن حج اکبر ہے، کیونکہ اکثر ارکان حج اسی دن میں ہوتے ہیں، رب تعالٰے فرماتا ہے اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ یہ اعلان بقر عید کے دن منٰے میں ہوا تھا۔ (۲) یا نویں بقر عید کا دن حج اکبر کا دن ہے کہ اس دن قیام عرفات ہے جو حج کا رکن اعلیٰ ہے۔ (۳) یا صرف حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا حج حج اکبر تھا کہ رسول اکبر نے حج فرمایا تھا، اور حسن اتفاق سے اس دن یہود، نصاریٰ، مجوسی وغیرہ کی چھ عیدیں جمع ہوگئی تھیں (۴) یا جب نویں بقر عید جمعہ کو واقع ہو کہ اس کا ثواب ستر حج کے برابر ہے یہ زیادہ مشہور ہے، اور حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا حج بھی جمعہ ہی کا ہوا تھا۔ (۵) یا ہر حج حج اکبر ہے اور عمرہ حج اصغر۔ غرضکہ اس کے بہت معانی ہیں۔ (مرقات، لمعات، اشعہ)

يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا أَلَا لَا يَجْنِي جَانٍ عَلٰى نَفْسِهٖ أَلَا لَا يَجْنِي جَانٍ عَلٰى وَلَدِهٖ وَلَا مَوْلُودٌ عَلٰى وَالِدِهٖ أَلَا وَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يُّعْبَدَ فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا أَبَدًا وَلٰكِنْ سَتَكُوْنُ لَهٗ طَاعَةٌ فِيْمَا تَحْتَقِرُوْنَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَسَيَرْضٰى بِهٖ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهٗ ۔ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ عَمْرٍو الْمُزَنِيِّ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ بِمِنًى حِيْنَ ارْتَفَعَ

اس شہر میں اس دن کی حرمت[1] خبردار کوئی مجرم اپنی جان پر ظلم نہ کرے[2] خبردار کوئی مجرم اپنی اولاد پر جرم نہ کرے اور نہ کوئی فرزند اپنے باپ پر[3] خبردار شیطان اس سے تو مایوس ہو چکا کہ تمہارے اس شہر میں کوئی اسے پوجے[4] مگر جن گناہوں کو تم معمولی سمجھتے ہو ان میں اسکی اطاعت ہو جایا کرے گی جس سے وہ راضی ہو تا رہے گا[5] (ابن ماجہ ترمذی) اور ترمذی نے اسے صحیح کہا روایت ہے حضرت رافع ابن عمر مزنی سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ منیٰ میں اپنے چتکبرے خچر پر خطبہ پڑھ رہے

[1] یعنے جیسے مکہ معظمہ میں ان حج کی تاریخوں میں احرام کی حالت میں گناہ کرنا حرام کہ اس گناہ میں حرم شریف، مبارک تاریخ اور احرام کی بے حرمتی تین جرم اور شامل ہو جاتے ہیں، ایسے ہی کسی مسلمان بھائی کا ناحق خون کرنا، مال مارنا، بے آبروئی کرنا بہت سے جرموں کا مجموعہ ہے کہ اس میں اُس مظلوم بندہ کی حق تلفی بھی رب تعالٰے کی قانون شکنی اور میری مخالفت ہے کہ مجھے اپنی امت بہت عزیز ہے اُسے ستانے والا مجھے کب پیارا ہو سکتا ہے۔ [2] یعنے خود کشی نہ کرے کہ یہ اپنی جان پر ظلم و زیادتی ہے یا دوسرے مسلمان پر ظلم نہ کرے، کہ یہ درحقیقت اپنے پر ظلم ہے، رب تعالٰے فرماتا ہے لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ یعنے اپنے کو قتل نہ کرو یعنے بعض بعض کو قتل نہ کرے۔ لَا يَجْنِي صیغہ تو نفی کا ہے، مگر بمعنے نہی ہے، جیسے لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ یا جیسے رحمہ اللہ یا غفرلہ کہ سب خبری بمعنے انشائی ہیں۔ [3] یہ جملہ یا تو نہی ہے تو معنے یہ ہیں کہ ماں باپ اولاد پر ظلم نہ کریں کہ انکا حق نہ دیں اُنہیں تعلیم وغیرہ سے محروم رکھیں، اور اولاد ماں باپ پر ظلم نہ کرے کہ اُن کا ادائے حق و خدمت نہ کرے، یا بمعنے نفی یعنے ماں باپ کے جرم میں اولاد گرفتار نہ ہو گی اور اولاد کے جرم میں ماں باپ کو پکڑ نہ ہو گی، اپنی کرنی اپنی بھرنی، لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى اہل جاہلیت باپ کا بدلہ اولاد سے اور اولاد کا بدلہ ماں باپ سے لیتے تھے، اُس سے ممانعت ہے۔ [4] شیطان کو پوجنے سے مراد بُت پرستی ہے اور اس میں غیبی خبر ہے، ان شاء اللہ مکہ معظمہ میں تا قیامت شرک و بُت پرستی نہ ہو گی، مرقات نے فرمایا کہ علانیہ نہ ہو گی، کوئی خفیۃً وہاں جا کر چھپ کر بُت پرستی کرے تو اس کی بدنصیبی ہے، غرضکہ یہ جگہ شرک سے محفوظ ہے۔ [5] یعنے مکہ معظمہ میں مسلمان گناہ لڑائی، چوری، غیبت، جھوٹ وغیرہ کر لیا کریں گے، اور شیطان اس پر خوش ہو جایا کرے گا کہ میں ان سے کفر تو نہ کرا سکا، یہ غنیمت ہے، یا سارے مسلمانوں سے روئے سخن ہے کہ مومن کے گناہوں سے شیطان راضی ہے، اور کافر کے کفر سے راضی حاسی لئے جھوٹ، خیانت، دوسرے گناہ مسلمانوں میں زیادہ ہیں، دوسری قوموں میں کم، کہ شیطان کفار سے جب کفر کرا لیتا ہے، تو پھر دوسرے گناہ کرانے کی کوشش نہیں کرتا، مگر جب مسلمانوں سے کفر نہیں کرا سکتا، تو ان سے دوسرے گناہ کرانے کی بہت کوشش کرتا ہے ہمیشہ چور بھرے گھر میں جاتا ہے، جس میں کچھ نہیں وہاں چور نے کا کیا، حضرت علی رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں کہ جس نماز میں وسوسہ نہ آئیں وہ یہود و عیسائیوں کی سی نماز ہے (مرقات) مگر وسوسہ آنا اور ہے لانا کچھ اور مقصد یہ ہے کہ مسلمان وسوسوں کے باعث نماز سے بددل نہ ہو جائیں، لہٰذا حضرت علی کے فرمان پر کوئی اعتراض نہیں کھانے پر مکھیاں آتی ہیں، مکھیاں

الضُّحٰى عَلٰى بَغْلَةٍ شَهْبَاءَ وَعَلِيٌّ يُعَبِّرُ عَنْهُ وَالنَّاسُ بَيْنَ قَائِمٍ وَّقَاعِدٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَعَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَّرَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ يَوْمَ النَّحْرِ اِلَى اللَّيْلِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ ، وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرْمُلْ فِي السَّبْعِ الَّذِيْ اَفَاضَ فِيْهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ ، وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَمٰى اَحَدُكُمْ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ فَقَدْ حَلَّ لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ اِلَّا النِّسَآءَ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ

تھے جب کہ دن چڑھ چکا تھا اور جناب علی اس کی تفسیر و تعبیر کررہے تھے لوگ کچھ بیٹھے تھے کچھ کھڑے تھے [۳] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت عائشہ اور ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرعید کے دن طواف زیارت رات تک موخر فرمایا [۳] (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی نے طواف زیارت کے سات چکروں میں رمل نہ کیا [۴] (ابوداؤد، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی جمرہ عقبہ کی رمی کرے تو اس کے لیئے بیوی کے سوا ہر چیز حلال ہوگئی [۵] (شرح سنہ)

اڑائے جاؤ اور کھانا کھائے جاؤ۔ **۱** غالبًا یہ وعظ دسویں بقرعید کو فرمایا،حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے رمی تو اونٹنی پر کی اور وعظ خچر پر۔ **۲** یعنی کچھ فاصلہ پر جہاں تک حضور انور کی آواز پہنچ رہی تھی،وہاں جناب علی کھڑے ہو کر حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام لوگوں تک پہنچا رہے تھے،مرقات نے یہاں فرمایا کہ اس حج میں ایک لاکھ تیس ہزار مسلمان شریک تھے،مگر صواعق محرقہ وغیرہ میں ہے کہ صحابہ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے،حج میں ایک لاکھ سے زیادہ نے شرکت کی،یہ ہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے،صحابہ کی تعداد انبیاء کرام کی تعداد کے برابر ہے،خیال رہے کہ حج میں تین خطبے سنت ہیں،آٹھویں بقرعید کو مکہ معظمہ میں،نویں کو عرفات میں،دسویں کو منےٰ میں (اشعہ)۔ **۳** یعنی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے دسویں تاریخ کو طواف زیارت کی رات تک اجازت دی،اگر جو آج طواف کرنا چاہے وہ رات تک کرے،رات میں جاکر نہ کرے،اس کا مطلب نہ تو یہ ہے کہ حضور نے آج رات میں طواف کیا،حضور انور نے ظہر سے پہلے طواف کیا اور ظہر مکہ معظمہ بلکہ منےٰ میں واپس آکر ادا کی،نہ یہ مطلب ہے کہ صرف آج رات تک طواف کا وقت ہے،اس کا وقت احناف کے ہاں دسویں کی فجر سے بارھویں کے غروب آفتاب سے پہلے تک ہے زیادہ تاخیر سے دم واجب ہے،شوافع کے ہاں دسویں کی آدھی رات سے جب تک چاہے (مرقات)۔ **۴** رمل نہ تو طواف زیارت میں ہے نہ طواف وداع میں،صرف طواف قدوم میں ہے،رمل کے معنے پہلے عرض کئے جاچکے ہیں کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں سینہ تان کر اکڑتے ہوئے چلنا رمل کہلاتا ہے۔ **۵** یعنی جب حاجی دسویں بقرعید کو جمرہ عقبہ کی رمی کرچکے،تو جو چیزیں احرام سے حرام ہوچکی تھیں وہ تمام حلال ہوگئیں،ہاں ابھی بیوی سے صحبت حلال نہ ہوئی،یہ تو طواف زیارت سے حلال ہوگی،امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہاں نساء سے مراد اپنی بیوی سے صحبت ہے،امام شافعی کے ہاں اس سے مراد عورت سے نکاح کرنا ہے،کیونکہ ان کے ہاں احرام میں نکاح کرنا بھی حرام ہے،طواف زیارت کے بعد حلال ہوتا ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ جمرہ عقبہ کی رمی سے مراد رمی مع ملحقات ہے،یعنی سر منڈانا و قربانی کرنا کہ ان تین کاموں سے ہر چیز حلال ہوتی ہے،اور یہ دونوں چیزیں رمی کی ملحقات سے ہیں لہذا رمی کے بعد سر منڈانے اور قربانی سے پہلے سلے کپڑے اور خوشبو استعمال نہیں کرسکتا۔

وَقَالَ اِسْنَادُہٗ ضَعِيْفٌ وَفِیْ رِوَايَةِ اَحْمَدَ وَالنَّسَائِیِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِذَا رَمَی الْجَمْرَةَ فَقَدْ حَلَّ لَہٗ كُلُّ شَیْءٍ اِلَّا النِّسَاءَ وَعَنْهَا قَالَتْ اَفَاضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اٰخِرِ يَوْمِهٖ حِيْنَ صَلَّی الظُّهْرَ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰی مِنًی فَمَكَثَ بِهَا لَيَالِیَ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ يَرْمِی الْجَمْرَةَ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ كُلَّ جَمْرَةٍ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ وَيَقِفُ عِنْدَ الْاُوْلٰی وَالثَّانِيَةِ فَيُطِيْلُ الْقِيَامَ وَيَتَضَرَّعُ وَيَرْمِی الثَّالِثَةَ فَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَعَنْ اَبِی الْبَدَّاحِ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عَدِیٍّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرِعَاءِ

اور فرمایا کہ اس کی اسناد ضعیف ہے اور احمد و نسائی کی روایت میں حضرت ابن عباس سے یوں ہے کہ خود ان ہی نے فرمایا کہ جب جمرہ کی رمی کرے تو عورتوں کے سوا سب حلال ہے[۱] روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دن کے آخری حصہ میں جب کہ ظہر پڑھ چکے تو طواف زیارت کیا[۲] پھر منیٰ لوٹ آئے پھر تشریق کے زمانہ میں وہاں ہی قیام فرمایا کہ سورج ڈھل جانے پر جمرہ کی رمی کرتے تھے[۳] ہر جمرہ کی سات کنکریوں سے ہر کنکری پر تکبیر کہتے تھے پہلے اور دوسرے جمروں کے پاس کچھ ٹھہرتے تھے تو دراز قیام کرتے تھے عاجزی زاری کرتے تھے[۴] اور تیسرے جمرہ کی رمی کرتے تو وہاں نہ ٹھہرتے تھے[۵] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت ابو البداح ابن عاصم ابن عدی سے[۶] وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ چرانے والوں کو

۱؎ یعنی احمد و نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عباس کا خود اپنا قول نقل کیا، مرفوع حدیث نقل نہ کی، مگر اس قسم کی موقوف حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے خیال رہے کہ احرام سے فارغ ہونے پر حجامت ہمارے ہاں واجب ہے، امام شافعی رضی اللہ عنہ کے ہاں سنت، ہماری دلیل رب تعالٰی کا یہ فرمان ہے "ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ" اس سے مراد حجامت ہے، اور رب تعالٰی کا یہ فرمان "اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ" مگر چونکہ یہ استدلال ظنی ہے اسلئے اس سے وجوب ثابت ہے نہ کہ فرضیت۔ ۲؎ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت نماز ظہر پڑھ کر کیا بلکہ یہ کہ ظہر منیٰ میں پڑھی پھر مکہ معظمہ تشریف لے گئے، مگر پہلے گزر چکا کہ حضور انور نے نماز ظہر سے پہلے طواف کیا بعد میں ظہر پڑھی، مکہ معظمہ میں یا منیٰ واپس آکر اس لئے بعض شارحین نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ حضور انور نے ظہر سے پہلے تو خود آپ طواف زیارت کیا، پھر بعد نماز ظہر اپنی ازواج مطہرات کو طواف کرانے لے گئے، دسویں بقر عید کو دو بار مکہ معظمہ تشریف لائے۔ ان گزشتہ احادیث میں اپنے طواف کرنے کا ذکر ہے اور یہاں ازواج پاک کو طواف کرانے کا تذکرہ یا ازواج پاک کو یہ طواف گیارھویں یا بارھویں کو کرایا، یہاں اسی کا ذکر ہے، بہرحال یہ حدیث واجب التاویل ہے (مرقات وغیرہ)۔ ۳؎ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ دسویں بقر عید کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی ہوگی اور زوال سے پہلے پھر باقی گیارھویں بارھویں کو تینوں جمروں کی رمی ہوگی، مگر زوال کے بعد، آجکل حجاج بارھویں کو زوال سے پہلے ہی جمروں کی رمی کرکے مکہ معظمہ روانہ ہوجاتے ہیں یہ سخت برا ہے خلاف سنت ہے، جب حج کرنے اتنی دور سے اتنا خرچ کرکے آئے ہو تو اچھی طرح کرو کوشش کرو کہ دسویں کو طواف زیارت کرو تاکہ آج بارھویں کو بھاگنا نہ پڑے۔ ۴؎ صرف اللہ اکبر یا بسم اللہ اللہ اکبر اس کی تحقیق پہلے ہوچکی ہے۔ ۵؎ یہ ہی سنت ہے کہ آخری جمرہ کی رمی کے بعد وہاں نہ ٹھہرے پہلے دو جمروں کی رمی کے بعد ٹھہرے اور وہاں دعائیں مانگے اس کی حکمتیں پہلے عرض ہوچکی ہیں۔ ۶؎ مرقات نے فرمایا کہ ابن عاصم، ابوالبداح کا بدل ہے اور ان کی کنیت ابو عمرو ہے، ابوالبداح لقب ہے، آپ اچھے

الْإِبِلِ فِي الْبَيْتُوتَةِ أَنْ يَرْمُوا يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ يَجْمَعُوا رَمْيَ يَوْمَيْنِ بَعْدَ يَوْمِ النَّحْرِ فَيَرْمُوهُ فِي أَحَدِهِمَا رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ ۔

بَابُ مَا يَجْتَنِبُهُ الْمُحْرِمُ

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ فَقَالَ لَا تَلْبَسُوا الْقُمُصَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا السَّرَاوِيْلَاتِ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْخِفَافَ اِلَّا اَحَدٌ لَا يَجِدُ نَعْلَيْنِ فَيَلْبَسْ خُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَلَا تَلْبَسُوْا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَسَّهٗ زَعْفَرَانٌ وَلَا وَرْسٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ الْبُخَارِيُّ فِيْ رِوَايَةٍ وَلَا تَنْتَقِبُ

شب گزاری کی اجازت دی ۱؎ کہ بقر عید کے دن رمی کرلیں پھر بقر عید کے بعد دو دن کی رمی جمع کرلیں اس طرح کہ ان دونوں میں سے ایک ہی رمی کریں ۲؎ (مالک، ترمذی، نسائی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے باب جن چیزوں سے محرم بچے ۱؎ - پہلی فصل - روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ محرم کون سے کپڑے پہنے ۲؎ تو فرمایا کہ نہ قمیص پہنے نہ پگڑیاں، نہ پاجامے اور نہ ٹوپیاں ۳؎ نہ موزے مگر اس کے جو جوتے نہ پائے تو وہ موزے پہن لے اور انہیں ٹخنوں کے نیچے کاٹ دے ۴؎ اور نہ وہ کپڑے پہنو جنہیں زعفران لگا ہو نہ وہ جنہیں ورس لگا ہو ۵؎ (مسلم بخاری) اور ایک روایت میں بخاری نے زیادہ کیا کہ محرمہ عورت نہ

اپنے لقب میں مشہور ہو گئے ہیں، بعض کے خیال میں آپ تابعی ہیں مگر حق یہ ہے کہ صحابی ہیں جیسا ابن عبدالبر نے فرمایا۔ ۱؎ کہ منٰے کے زمانہ میں راتیں اپنے گھر گزاریں، منٰے میں رات گزارنا اُن پر لازم نہیں۔ ۲؎ اس کی صورت یہ ہے کہ بقر عید کے دن جمرہ عقبہ کی رمی کرلیں، مگر چلے جائیں گیارھویں کو نہ آئیں، بارھویں کو دونوں دنوں یعنے گیارھویں بارھویں کی رمی کرلیں، امام شافعی و مالک بلکہ امام اعظم کے ہاں بھی تقدیم جائز نہیں بلکہ تاخیر جائز ہے یعنے گیارھویں کو، دونوں دن کی رمی نہ کریں بلکہ بارھویں کو کریں۔ ۳؎ یعنے بحالتِ احرام محرم کون کام کرسکتا ہے اور کون کام نہیں کرسکتا، نہ کرسکنے میں تمام ممنوعات داخل ہیں خواہ اُن سے قربانی واجب یا صدقہ یعنے آدھا صاع (سوا دو سیر) گندم یا ایک صاع (ساڑھے چار سیر جَو) یا کچھ واجب نہ ہو، مگر اسکا کرنا اچھا۔ اس باب میں یہ تمام چیزیں مذکور ہیں اور انکی تفصیل کتب فقہ سے معلوم ہوسکتی ہے حج میں ترک واجب سے قربانی واجب ہو جاتی ہے۔ ۴؎ سائل کو سوال کرنا تھا کہ آیا پوچھنے والی بات یہ تھی کہ کون سے کپڑے نہ پہنے، اس لیے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ پہننے والے کپڑے بتائے جواب حکیمانہ دیا۔ ۵؎ چونکہ روئے سخن مرد حجاج کی طرف ہے اسلیئے پگڑی و ٹوپی کا بھی ذکر فرمایا، مطلب یہ ہے کہ مرد حاجی سلا کپڑا نہ پہنے اور نہ سر ڈھکے ان دونوں حکموں سے عورتیں علیحدہ ہیں، پہننے سے مراد عادت کے مطابق پہننا ہے پائنچوں میں پاؤں ڈال کر اور قمیض کی آستینوں میں ہاتھ ڈال کر، اگر کوئی محرم تہبند کی طرح پائجامہ لپیٹ لے اور چادر کی طرح قمیض اوڑھ لے تو جائز ہے کہ یہ لپیٹ ہے پہننا نہیں، برنس ایک خاص قسم کی لمبی ٹوپی کو کہتے ہیں جو پہلے مروج تھی مگر یہاں مطلقاً سر ڈھکنے والی چیز مراد ہے لہذا محرم سر پر کپڑا، چادر، دوپٹہ بھی نہیں ڈال سکتا جب وہ سر سے متصل ہو، ہاں چھتری لگانا، خیمہ میں بیٹھنا درست ہے کہ چھتری اور خیمہ کی چھت سر سے علیحدہ رہتی ہے۔ ۶؎ احناف کے ہاں یہاں کعبین سے مراد درمیانِ قدم پر اُبھری ہوئی سخت ہڈی ہے، اُس کا کھلا رہنا ضروری ہے اسے ڈھانپنا منع، شوافع کے ہاں وہی عرفی ٹخنے یعنے قدم کے آس پاس کی دو ہڈیاں مراد ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ محرم کو بحالتِ احرام نہ موزہ پہننا درست ہے۔

الْمَرْأَةُ الْمُحْرِمَةُ وَلَا تَلْبَسُ الْقُفَّازَيْنِ۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ وَهُوَ يَقُوْلُ اِذَا لَمْ يَجِدِ الْمُحْرِمُ نَعْلَيْنِ لَبِسَ خُفَّيْنِ وَاِذَا لَمْ يَجِدْ اِزَارًا لَبِسَ سَرَاوِيْلَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ اُمَيَّةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِعِرَّانَةِ اِذْ جَآءَهٗ رَجُلٌ اَعْرَابِيٌّ عَلَيْهِ جُبَّةٌ وَهُوَ مُتَضَمِّخٌ بِالْخَلُوْقِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَحْرَمْتُ بِالْعُمْرَةِ وَهٰذِهٖ عَلَيَّ فَقَالَ اَمَّا الطِّيْبُ الَّذِيْ بِكَ فَاغْسِلْهُ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَاَمَّا الْجُبَّةُ

منہ پر نقاب نہ ڈالے اور نہ دستانے پہنے۱؎ روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے سنا آپ فرماتے تھے کہ جب محرم جوتے نہ پائے تو موزے پہن لے اور جب تہبند نہ پائے تو پاجامہ پہن لے۲؎ (مسلم،بخاری) روایت ہے حضرت یعلے ابن امیہ سے۳؎ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام جعرانہ میں تھے۴؎ کہ آپ کے پاس ایک بدوی حاضر ہوئے جن پر قبا تھی اور وہ خلوق خوشبو میں لتھڑے ہوئے تھے۵؎ تو بولے یارسول اللہ میں نے عمرہ کا احرام باندھا ہے اور مجھ پر یہ ہے فرمایا اپنی خوشبو تو تین بار دھو ڈالو۶؎ رہا جبہ

نہ ایسا جوتا یا بوٹ جس سے وسط قدم کی ہڈی ڈھک جائے۔ خفین چمڑے کے موزے کو کہتے ہیں سوتی یا اونی موزے کو جوراب کہا جاتا ہے وہ ممنوع نہیں،مطلب یہ ہے کہ اگر حاجی کے پاس جوتے نہ ہوں تو چمڑے کے موزے کو کاٹ کر جوتے کی طرح بنالے پھر پہن لے۔۸؎ چونکہ پہلا حکم صرف مردوں کو تھا اور یہ حکم مرد و زن سب کو،اسی لئے لاتلبسوا مکرر ارشاد ہوا۔اور ورس عرب کی ایک مشہور گھاس ہے جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں،اسکا رنگ بھی زعفران کی طرح پیلا ہوتا ہے،یعنی کوئی محرم مرد ہو یا عورت،زعفران یا ورس میں رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے،یہاں پہننے سے مراد استعمال کرنا ہے لہذا اس رنگ کی چادر،تہبند بھی استعمال نہیں کرسکتا۔

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ محرم عورت سر پر کپڑا ڈال سکتی ہے مگر منہ پر نقاب نہیں ڈال سکتی جبکہ نقاب منہ سے متصل ہو اگر منہ سے دور رہے تو جائز ہے ایسے ہی اگر پنکھا وغیرہ آڑ کر کے منہ چھپالے تو کوئی بھی حرج نہیں،جیسے مرد کے سر کے لئے چھتری یا چھتہ۔ ۲؎ اس کا مطلب احناف کے یہاں یہ ہے کہ جس محرم کے پاس جوتا نہ ہو وہ موزے کاٹ کر پہنے،جیسا کہ پہلے گزر گیا مگر صدقہ پھر بھی دینا ہوگا،اور اگر تہبند نہ ہو تو پاجامہ چادر کی طرح لپیٹ لے اس میں فدیہ نہیں،اگر پاجامہ عادت کے مطابق پہنا تو دم یعنی قربانی دینا ہوگی۔دوسرے اماموں کے ہاں اسکے اور معانی ہیں،امام شافعی کے ہاں موزے کاٹ کر پہننے میں فدیہ بھی نہیں۔ ۳؎ آپ صحابی ہیں فتح مکہ کے دن ایمان لائے،غزوہ حنین وطائف میں حاضر ہوئے،تمیمی ہیں حنظلی ہیں،جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے،اسی میں شہید ہوئے۔ ۴؎ یہ جگہ حرم شریف سے خارج ہے،طائف کے راستہ پر ہے آج کل اسکا نام سُتّی ہے،فقیر یہاں دو بار حاضر ہوا ہے۔بعض ائمہ کے ہاں عمرہ کا احرام جعرانہ سے باندھنا افضل ہے،ہمارے امام اعظم کے ہاں تنعیم سے باندھنا بہتر کہ جعرانہ سے احرام کا عمل حضور نے فرمایا تھا اور تنعیم سے احرام باندھنے کا حضرت عائشہ صدیقہ کو حکم دیا،اور حکم عمل سے اعلٰی ہوتا ہے،اب تنعیم والے عمرہ کو چھوٹا عمرہ کہتے ہیں اور جعرانہ والے کو بڑا عمرہ۔ ۵؎ خلوق عرب کی مشہور خوشبو ہے جس میں زعفران ہوتا ہے،بہت مہکتی ہے اور رنگت بھی رکھتی ہے۔ ۶؎ چونکہ اس خوشبو میں زعفران ہوتا ہے رنگت دیتی ہے اسلئے مرد کو بہرحال ممنوع ہے،اسی لئے اس کے دھو ڈالنے کا حکم دیا،ورنہ محرم اگر احرام سے پہلے خوشبو لگائے پھر احرام باندھے،وہ خوشبو باقی ہو تو کوئی

فَانْزِعْهَا ثُمَّ اصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِي حَجِّكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ وَلَا يَخْطُبُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ الْاَصَمِّ ابْنِ اُخْتِ مَيْمُونَةَ عَنْ مَيْمُونَةَ اَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا

تو اسے اتار ڈالو پھر عمرہ میں وہ ہی کرو جو حج میں کرتے ہو[1] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عثمان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم نہ نکاح کرے نہ کرائے اور نہ نکاح کا پیغام دے[2] (مسلم) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی میمونہ سے بحالت احرام نکاح کیا[3] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت یزید ابن الاصم سے جو حضرت میمونہ کے بھانجے ہیں[4] وہ جناب میمونہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے

سے افضل نہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا بعض لوگوں نے اس حدیث کی بنا پر احرام سے پہلے والی خوشبو کو بھی منع کیا انہوں نے غلطی کی۔ [1] یعنے جن چیزوں سے حج میں بچتے ہو ان سے ہی عمرہ میں بچو، یا جیسے طواف وسعی حج میں کرتے ہو عمرے میں بھی کرو، یہ مطلب نہیں کہ عمرہ میں حج کے سارے ارکان ادا کرو، خیال رہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ہاں اگر بھول کر بھی اس قسم کی غلطی کرے تو بھی اس پر فدیہ ہے، دیگر ائمہ کے ہاں بھول میں فدیہ نہیں، یہ حدیث ان بزرگوں کی دلیل ہے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے فدیہ کا حکم نہ دیا، مگر ظاہر ہے کہ کسی چیز کا ذکر نہ ہونا اسکی دلیل نہیں، عدم ثبوت اور ہے، ثبوتِ عدم کچھ اور۔ [2] یہ حدیث امام شافعی و دیگر ان اماموں کی دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ بحالتِ احرام نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے، ہمارے امام اعظم کے نزدیک یہ نہی تنزیہی ہے یا لاینکح نفی مضارع کا صیغہ ہے، یعنے بحالتِ احرام محرم اپنے ارکان ادا کرنے میں مشغول رہتا ہے اور دنیاوی کاموں میں پھنستا نہیں، یہاں کاموں کیلئے نہیں آیا ہے، ان کاموں کے لئے اور وقت ہیں اسی لئے کہ خود حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے بحالتِ احرام نکاح کیا ہے، جیسا کہ اگلی حدیث میں ہے، بہر حال یہ کراہت تنزیہی ہے، اور نکاح کرنے سے مراد ان کاموں میں پھنسنا ہے (مرقات، اشعہ، لمعات) ورنہ ظاہر حدیث ان حضرات کے بھی خلاف ہے، کیونکہ ان کے ہاں محرم کو نکاح کرنا حرام ہے، نکاح کی وکالت یا پیغام کو وہ بھی حرام نہیں فرماتے، لہذا مذہب حنفی قوی ہے، اور یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں۔ [3] یہ نکاح عمرۃ القضا میں ہوا۔ بمقام سرف جو مکہ معظمہ سے قریبًا چھ میل فاصلہ پر ہے وادی فاطمہ کے قریب: خیال رہے کہ حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ ہیں، ان کی سگی بہن لبابہ کبریٰ ام الفضل حضرت عباس کے نکاح میں ہیں، اور اخیافی بہن اسماء بنت عمیس حضرت جعفر کے نکاح میں، اور دوسری اخیافی بہن سلمٰی بنت عمیس جناب حمزہ کے نکاح میں ہیں، لہذا حضرت میمونہ ابن عباس کی سگی خالہ ہیں، حضرت میمونہ کے اس نکاح میں حضرت عباس وکیل میمونہ تھے، انہوں نے حضور انور سے آپ کا نکاح کیا، واپسی پر اسی مقام میں زفاف ہوا اور اسی جگہ حضرت میمونہ کی وفات و قبر ہوئی لوگ زیارت کرتے ہیں (مرقات) اس سے معلوم ہوا کہ اس نکاح کا حال جس قدر حضرت ابن عباس کو معلوم ہو سکتا ہے دوسرے کو نہیں، کہ یہ خود ان کی خالہ کا معاملہ ہے اور آپ کے والد ماجد اس نکاح میں وکیل ہیں، یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ محرم بحالتِ احرام نکاح کر سکتا ہے، یہ عمل بیان جواز کے لئے ہے اور گذشتہ بیان استحباب کیلئے، لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔ [4] یزید ابن اصم بھی حضرت میمونہ کے بھانجے ہیں اور حضرت ابن عباس بھی، مگر یزید ابن اصم تابعی ہیں اور ابن عباس فقیہ صحابی ہیں، لہذا یزید ابن اصم سن کر فرما رہے ہیں، اور حضرت ابن عباس وہ نکاح دیکھ کر کیونکہ وہ خود اس نکاح میں موجود تھے، ان کے والد حضرت عباس وکیل نکاح تھے، یہ نہیں خبر کہ یزید ابن اصم نے یہ واقعہ کس کس سے سنا، خود حضرت

وَهُوَ حَلَالٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ مُحْيِ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَالْأَكْثَرُوْنَ عَلٰى اَنَّهٗ تَزَوَّجَهَا حَلَالًا وَظَهَرَ اَمْرُ تَزْوِيْجِهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ ثُمَّ بَنٰى بِهَا وَهُوَ حَلَالٌ بِسَرِفَ فِيْ طَرِيْقِ مَكَّةَ وَعَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْسِلُ رَأْسَهٗ وَهُوَ مُحْرِمٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ

بحالت حلال نکاح کیا[1] (مسلم) حضرت شیخ امام محی السنہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء اس پر ہیں کہ حضور انور نے ان سے نکاح تو بحالت حلال کیا مگر بحالت احرام نکاح کا حال کھلا پھر مکہ معظمہ کے راستہ میں مقام سرف میں آپ نے زفاف حلال ہو کر کیا[2] روایت ہے حضرت ایوب سے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بحالت احرام اپنا سر مبارک دھو لیتے تھے[3] (مسلم بخاری) روایت ہے

میمونہ سے یا کسی اور سے، انہوں نے حضرت میمونہ سے سیان عن میمونہ ہے سمعت میمونۃ نہیں ہے۔

1 تزوج سے مراد تیاری نکاح ہے، اور حلال سے مراد احرام سے پہلے کا حل ہے، یعنے احرام باندھنے سے پہلے بحالت حل تیاری نکاح فرمائی اور احرام کے بعد نکاح کیا، رب تعالے فرماتا ہے اذا قرأۃ القران فاستعذ باللہ اور فرماتا ہے اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم یعنے جب تم قرآن پڑھنا چاہو تو اعوذ باللہ پڑھو اور جب تم نماز پڑھنا چاہو تو وضو کرو یوں ہی تزوج کے معنے ہیں نکاح کرنا چاہا، تیاری نکاح، نکاح سے پہلے ہوتی ہے، لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث ابن عباس کے خلاف نہیں، اور اگر خلاف بھی ہو تب بھی حدیث ابن عباس کو ترجیح ہے، جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا۔

2 یہاں اکثرون سے مراد شوافع علماء ہیں، انہوں نے یہ تاویل کی ہے، مگر یہ تاویل بالکل خلاف ظاہر ہے، کیونکہ اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے کہ نکاح احرام میں کیا ہو، اور ظہور نکاح حلال ہونے کی حالت میں ہوا ہو: نیز تزوج کو ظہور نکاح کے معنے میں لینا بہت ہی بعید ہے۔ غرضکہ مذہب احناف بہت قوی ہے، امام زہری نے جب یزید ابن اصم کی حدیث عمرو ابن دینار پر پیش کی تو عمرو نے فرمایا کہ یزید جو دیہات کے باشندے تھے حضرت ابن عباس کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں، حدیث ابن عباس کو صحاح ستہ نے روایت کیا اور حدیث یزید کو مسلم نے، ابو رافع کی حدیث میں ہے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ نکاح بحالت حلال کیا، اور میں ہی اس نکاح میں پیغام رساں تھا، یہ حدیث درجہ صحت کو نہ پہنچی اسے ابن حبان نے نقل کیا، اور ترمذی نے اسے صحیح نہ کہا حسن کہا، اور اگر صحیح بھی ہو تو مطلب وہ ہی ہے کہ تیاری نکاح بحالت احرام بھی ہو پیغام رسانی ارادۂ نکاح میں ہوتی ہے نہ کہ عین نکاح کے وقت، اس وقت تو وکالت ہوتی ہے، جو حضرت عباس نے کی: حضرت ابن عباس کی جو روایت ہے کہ آپ نے حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا وہ بالکل محکم ہے جسے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھنا چاہیے: اور اگر یہ روایات متعارض مان لی جائیں، تو دونوں قسم کی حدیثیں ناقابل عمل ہوں گی اور قیاس پر عمل ہوگا۔ جیسا کہ تعارض کا حکم ہے، قیاس چاہتا ہے کہ نکاح محرم درست ہو کیونکہ نکاح دوسرے عقود بیع، اجارہ وغیرہ کی طرح ایک عقد ہے، جب محرم بیع اجارہ کر سکتا ہے تو نکاح بھی کر سکتا ہے؛ نیز اصل اشیاء اباحت ہے اور حرمت عارضی، حدیث ابن عباس نکاح محرم کی اباحت ثابت کر رہی ہے، لہذا اسی کو ترجیح ہے کہ اباحت اصلیہ اس کی مرجح ہے، نیز حدیث ابن عباس مثبت ہے، یہ احادیث نافی، اور مثبت کو ترجیح ہوتی ہے (از مرقات مع الزیادۃ)

3 احرام کی حالت میں سر محض پانی سے دھونا جائز ہے جب کہ بال نہ ٹوٹے، خطمی سے دھونے میں قربانی واجب ہے (حنفی، مالکی) اشنان یا خوشبودار چیز سے دھونے میں صدقہ واجب ہے، بیری، صابون سے دھونا جائز ہے۔

(عن) ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ احْتَجَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ عُثْمَانَ حَدَّثَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ إِذَا اشْتَكَى عَيْنَيْهِ وَهُوَ مُحْرِمٌ ضَمَّدَهَا بِالصَّبِرِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ أُمِّ الْحُصَيْنِ قَالَتْ رَأَيْتُ أُسَامَةَ وَبِلَالًا وَأَحَدُهُمَا آخِذٌ بِخِطَامِ نَاقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْآخَرُ رَافِعٌ ثَوْبَهُ يَسْتُرُهُ مِنَ الْحَرِّ حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهِ وَهُوَ بِالْحُدَيْبِيَةِ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ مَكَّةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَهُوَ يُوْقِدُ تَحْتَ قِدْرٍ وَالْقَمْلُ تَتَهَافَتُ عَلَى وَجْهِهِ فَقَالَ أَيُؤْذِيْكَ هَوَامُّكَ

حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرام پچھنے لگوائے[1] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عثمان سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں حدیث نقل کی جس کی آنکھیں دکھتی ہوں اور وہ محرم ہو کہ ایلوے سے لیپ کرے[2] (مسلم) روایت ہے حضرت ام الحصین سے فرماتی ہیں میں نے حضرت اسامہ و بلال کو دیکھا کہ ان میں سے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور دوسرے صاحب اپنا کپڑا تانے ہوئے تھے[3] آپ کو گرمی سے بچاتے تھے حتی کہ آپ نے جمرہ عقبہ کی رمی کی[4] (مسلم) روایت ہے حضرت کعب ابن عجرہ سے[5] کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر گزرے جب کہ وہ مقام حدیبیہ میں تھے[6] مکہ معظمہ داخل ہونے سے پہلے وہ محرم تھے اور ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہے تھے اور جوئیں ان کے چہرے پر گر رہی تھیں[7] تو فرمایا کیا تمہیں جوئیں دکھ دے رہی ہیں

۱؎ محرم کو پچھنے لگوانے بھی جائز ہیں جبکہ بال نہ ٹوٹے، کسی نے حضرت عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ محرم کو اپنا سر یا بدن کھجلانا کیسا؟ تو آپ نے فرمایا جائز ہے مگر بال نہ ٹوٹنے پائے (مرقات)۔ ۲؎ چونکہ ایلوے میں کوئی خاص خوشبو یا مہک نہیں، اسلئے دوا اس کا استعمال جائز ہے، مگر خوشبودار سُرمہ یا دوا لگانا ممنوع ہے جس سے صدقہ واجب ہوگا، مہندی لگانا محرم کو منع ہے کہ اس میں خوشبو ہے۔ ۳؎ حضرت بلال تو اونٹنی کی مہار پکڑے تھے اور حضرت اسامہ سر انور پر سایہ کئے ہوئے تھے، اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ اپنے خدام سے خدمت لینا جائز ہے، خواہ خدام تنخواہ دار نوکر ہوں، یا اپنے شاگرد و مرید، معتقد۔ دوسرے یہ کہ محرم بحالتِ احرام چھتری، خیمہ، چادر کا سایہ لے سکتا ہے بشرطیکہ یہ چیزیں اس کے سر سے علیحدہ رہیں، روافض کے ہاں چھتری وغیرہ سے سایہ لینا بھی محرم کو درست نہیں۔ ۴؎ اس میں یہ تصریح نہیں کہ یہ رمی دسویں بقرعید کی تھی، ممکن ہے کہ بعد والے دنوں کی ہو (مرقات)۔ ۵؎ آپ صحابی ہیں، بیعۃ الرضوان میں حاضر تھے، زمانہ جاہلیت میں عبادہ ابن صامت سے دوستی تھی، آپ کا ایک بت تھا جس کی پرستش کرتے تھے ایک دن حضرت عبادہ نے ان کی غیر موجودگی میں بت توڑ دیا، آپ نے آکر بت کو ٹوٹا ہوا اور حضرت عبادہ کو وہاں بیٹھا ہوا پایا، تو حضرت عبادہ پر غصہ آیا مگر فورًا دل سے آواز آئی کہ اے کعب اگر بت کچھ کر سکتے ہوتے تو اپنے کو عبادہ سے کیوں نہ بچاتے، یہ خیال آتے ہی اسلام قبول کرلیا (اشعہ)، کوفہ میں قیام رہا، مدینہ منورہ میں وفات پائی، پچھتر سال عمر پائی، ۵۱ھ میں انتقال ہوا (اکمال)۔ ۶؎ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے سال کا ہے، ابھی کفار مکہ سے صلح کی گفتگو شروع نہ ہوئی تھی، مسلمانوں کو عمرہ کرنے کی قوی امید تھی۔ ۷؎ یعنے سر میں جوئیں بہت ہوگئی تھیں مگر احرام کی وجہ سے نہ مار سکتے تھے، نہ سر خطمی وغیرہ سے دھو سکتے تھے، رہتے رہتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ چہرے پر جوئیں رینگنے لگیں۔

قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاحْلِقْ رَأْسَكَ وَاَطْعِمْ فَرَقًا بَيْنَ سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ وَالْفَرَقُ ثَلٰثَةُ اٰصُعٍ اَوْصُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اَوِانْسُكْ نَسِيْكَةً مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ **اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ** عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى النِّسَآءَ فِيْ اِحْرَامِهِنَّ عَنِ الْقُفَّازَيْنِ وَالنِّقَابِ وَمَا مَسَّ الْوَرَسُ وَالزَّعْفَرَانُ مِنَ الثِّيَابِ وَلْتَلْبَسْ بَعْدَ ذٰلِكَ مَا اَحَبَّتْ مِنْ اَلْوَانِ الثِّيَابِ مُعَصْفَرًا اَوْخَزًّا اَوْ حُلِيًّا اَوْسَرَاوِيْلَ اَوْقَمِيْصًا اَوْخُفًّا رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّوْنَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْرِمَاتٌ فَاِذَا جَاوَزُوْا بِنَا سَدَلَتْ اِحْدَانَا جِلْبَابَهَا

عرض کیا ہاں فرمایا تو اپنا سر منڈا دو اور ایک فرق (تین صاع) [1] دانے [2] چھ مسکینوں میں بانٹ دو فرق تین صاع کا ہوتا ہے یا تین دن کے روزے رکھ لو یا قربانی دے دو [3] (مسلم، بخاری) دوسری فصل۔ روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ عورتوں کو بحالت احرام دستانوں اور نقاب [4] اور ان کپڑوں سے جنہیں ورس یا زعفران لگا ہو منع فرماتے تھے [5] ہاں احرام کے بعد جو رنگ برنگے کپڑے سرخ یا ریشمی یا زیور یا پاجامہ یا کرتہ یا موزہ چاہے پہنے (ابوداؤد)۔ روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ہم پر قافلے گزرتے تھے جب کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام میں باندھے ہوئے تھے جب قافلے ہم پر گزرتے [6] تو ہم میں سے ہر ایک اپنے سر سے

[1] فرق عرب کے ایک پیمانہ کا نام ہے جس میں سولہ رطل یا بارہ مد یا تین صاع گندم سماتے ہیں، راء کے سکون سے بھی ہے اور فتح سے بھی۔ [2] لہٰذا ہر مسکین کو آدھا صاع ملے گا، دانہ سے مراد گندم ہے، ہمارا یہی مذہب ہے کہ محرم پر سر منڈانے کی صورت میں تین صاع گندم چھ مسکینوں میں تقسیم کرنا لازم ہے (مرقات)۔

[3] یہ حدیث اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ یعنے قربانی اپنے ٹھکانے پر پہنچنے سے پہلے سر نہ منڈاؤ، جو تم میں بیمار یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو اس پر فدیہ لازم ہے روزے یا صدقہ یا قربانی، حدیث شریف نے بتایا کہ روزے تین واجب ہوں گے اور اگر صدقہ دے تو تین صاع چھ مسکینوں کو دیگا ہر مسکین کو نصف صاع، غرضکہ ضرورۃً سر منڈانے کا محرم پر کفارہ ہے۔ [4] یعنے عورت کو بحالت احرام تین چیزیں منع ہیں، دستانہ پہننا، چہرے پر نقاب اس طرح ڈالنا کہ کپڑا منہ کو لگے، بعد میں کپڑے پر خوشبو ملنا۔ [5] بعد ذٰلک کے معنی اشعۃ اللمعات میں تو یہ کئے کہ احرام کے بعد جو چاہے پہنے کہ مانع جاتا رہا، مگر مرقات میں بعد کے معنی کئے سوا، ذٰلک سے اشارہ کیا گزشتہ تین چیزوں کی طرف، اور معنی یہ کئے کہ ان تین لباسوں کے علاوہ محرمہ عورت بحالت احرام جو چاہے لباس پہنے، مطلب یہ ہے کہ عورت پر مردوں کی سی پابندی نہیں، سر ڈھکے یا سلے کپڑے نہ پہنے وغیرہ بلکہ اُسے سر ڈھکنا، سلے کپڑے پہننا سب جائز ہے، بلکہ اگر نقاب چہرے سے الگ رہے تو وہ بھی جائز ہے، مرقات کے یہ دوسرے معنی زیادہ قوی معلوم ہوتے ہیں واللہ اعلم۔ [6] یعنے ویسے تو ہم اپنی سہیلیوں کے ساتھ اپنے چہرے کھلے رکھتے تھے مگر جب قافلے ہم پر گزرتے تو ان میں مرد بھی ہوتے تھے اُن سے ہم پردہ کرنے کی کوشش کرتے تھے، لہٰذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ حضرات اپنے مدینہ والے مردوں سے پردہ نہ کرتی تھیں جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا، پردہ ہر اس مرد سے واجب ہے جس سے نکاح درست ہو خواہ مدینہ کا ہو یا باہر کا۔

مِنْ رَاْسِهَا عَلٰى وَجْهِهَا فَاِذَا جَاوَزُوْنَا كَشَفْنَاهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَلِابْنِ مَاجَةَ مَعْنَاهُ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدَّهِنُ بِالزَّيْتِ وَهُوَ مُحْرِمٌ غَيْرَ الْمُقَتَّتِ يَعْنِيْ غَيْرَ الْمُطَيَّبِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ **اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ** عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ وَجَدَ الْقُرَّ فَقَالَ اَلْقِ عَلَيَّ ثَوْبًا يَا نَافِعُ فَاَلْقَيْتُ عَلَيْهِ بُرْنُسًا فَقَالَ تُلْقِيْ عَلَيَّ هٰذَا وَقَدْ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّلْبَسَهُ الْمُحْرِمُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ احْتَجَمَ رَسُوْلُ اللهِ

چہرے پر چادر ڈال لیتی[1] پھر جب وہ آگے بڑھ جاتے تو ہم منہ کھول لیتے تھے[2] (ابوداؤد) ابن ماجہ کی روایت میں اسکے معنی ہیں روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم بحالت احرام روغن زیتون لگا لیتے تھے جو کسی خوشبو سے بہکایا نہ جاتا تھا[3] (ترمذی) تیسری فصل۔ روایت ہے حضرت نافع سے کہ حضرت ابن عمر نے سردی محسوس کی[4] تو فرمایا اے نافع مجھ پر کپڑا ڈال دو تو میں نے آپ پر ایک برنس ڈال دی[5] تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم مجھ پہ ڈالتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کو اس کے پہننے سے منع فرمایا[6] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مالک ابن بحینہ سے فرماتے ہیں کہ رسول

[1] مگر اس طرح کہ چادر کا یہ حصہ چہرے سے مس نہ کرے اس سے علیحدہ رہے کہ اس میں پردہ بھی ہو گیا اور نقاب چہرے سے مس بھی نہ ہوا لہٰذا یہ حدیث گزشتہ نقاب کی مخالفت کی حدیث کے خلاف نہیں۔ [2] کیونکہ اب کوئی نامحرم مرد نہ رہتا تھا جس سے پردہ ہو۔ خیال رہے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں رب تعالٰے فرماتا ہے وازواجہ امہاتہم مگر پردہ حجاب اُن پر بھی فرض ہے رب تعالٰی فرماتا ہے واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء الحجاب اب موجودہ زمانہ کی بے پردہ عورتوں کو اس حدیث سے عبرت لینا چاہیئے۔ [3] مقتت تقیت سے بنا بمعنی روغن کو خوشبو سے مہکانا، یا تو خوشبو کے ساتھ پکا کر یا تلوں وغیرہ کو پھولوں میں بسا کر، یا تیل میں پھول ڈال کر یہ سب تقتیت کی صورتیں ہیں۔ خیال رہے کہ خوشبودار تیل عضو کامل پر لگانے سے محرم پر بالاتفاق قربانی واجب ہے مگر خالص تل یا زیتون کے تیل لگانے میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اسے خوشبو مانتے ہیں کہ اس کے لگانے سے امام صاحب کے ہاں قربانی اور صاحبین کے ہاں صدقہ واجب ہے، مگر جبکہ خوشبو کیلئے ملا جائے، اگر دواءً استعمال یا اس کی مالش کی جائے، تو ہمارے یہاں بھی کچھ واجب نہیں۔ دیگر ائمہ کے ہاں ان تیلوں سے کچھ واجب نہیں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے یہاں اس حدیث میں دواءً تیل لگانا مراد ہے اور دوسرے اماموں کے ہاں خوشبو کیلئے لگانا مراد لہٰذا یہ حدیث امام اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں۔ [4] حضرت ابن عمر محرم تھے اور موسم سرد تھا یا اتفاقًا سردی ہو گئی جیسے کبھی جون جولائی میں بھی بارش یا اولے پڑ جانے سے عارضی سردی ہو جاتی ہے۔ [5] برنس لمبی ٹوپی کو بھی کہتے ہیں اور لمبی چادر کو بھی جو سر بھی ڈھانپ لے۔ یہاں دوسرے معنے مراد ہیں۔ یعنی میں نے اُن پر وہ لمبی چادر ڈال دی جس سے اُن کا سر بھی ڈھک گیا۔ برنس میں ایسی سلائی ہوتی ہے جس میں سر ڈھکنے کا حصہ بن جاتا ہے۔ [6] خیال رہے کہ محرم کو سلا کپڑا پہننا منع ہے، نہ کہ اس کا اپنے پر ڈالنا۔ پہننا یہ ہے کہ سلائی کے ذریعہ کپڑا جسم پر رکے، ڈالنا یہ ہے کہ کسی اور ذریعہ سے اُسے روکا جائے۔ حضرت ابن عمر نے یا تو اس لئے منع فرمایا کہ آپ کا سر ڈھک گیا تھا، اور محرم کو سر ڈھانپنا منع ہے، یا آپ نے سلا کپڑا ڈالنا بھی مکروہ سمجھا۔ فتح القدیر میں فرمایا کہ سلا کپڑا اس طرح اپنے پر ڈالنا کہ پہننے کے مشابہ ہو جائے مکروہ ہے (مرقات)۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِلَحْيِ جَمَلٍ مِنْ طَرِيْقِ مَكَّةَ فِيْ وَسَطِ رَاسِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ احْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ عَلٰى ظَهْرِ الْقَدَمِ مِنْ وَجْعٍ كَانَ بِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَعَنْ اَبِيْ رَافِعٍ قَالَ تَزَوَّجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَيْمُوْنَةَ وَهُوَ حَلَالٌ وَبَنٰى بِهَا وَهُوَ حَلَالٌ وَكُنْتُ اَنَا الرَّسُوْلُ بَيْنَهُمَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ • بَابُ الْمُحْرِمِ يَجْتَنِبُ الصَّيْدَ • اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنِ الصَّعْبِ

اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرام اپنے سر کے وسط میں مکہ معظمہ کے راستہ میں لحی جمل میں پچھنے لگوائے (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرام ایک درد کی وجہ سے جو آپکو تھا قدم کی پشت پر پچھنے لگوائے (ابوداؤد، نسائی) روایت ہے حضرت ابورافع سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے حلال ہونے کی صورت میں نکاح کیا اور حلال ہی ہونے کی حالت میں ان سے زفاف فرمایا میں ہی دونوں کے درمیان پیغام رساں تھا (احمد، ترمذی) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے باب۔ محرم شکار سے بچے۔ پہلی فصل۔ روایت ہے حضرت صعب

۱؎ ظاہر ہے کہ وسط پر بال ہوتے ہیں وہ دور کئے بغیر وہاں فصد نہیں ہوسکتی اور بال کھیڑنا، مونڈنا بحالت احرام جرم ہے اس لئے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے ضرورۃً یہاں کے بال علیحدہ کرکے فصد کھلوائی ہوگی اور بعد میں فدیہ بھی ادا کردیا ہوگا، یہاں فدیہ کا ذکر نہیں ہے اس سے ثابت ہے ہماری اس توجیہ کی بنا پر نہ تو حدیث قرآنی آیت کے خلاف ہے اور نہ اُن احادیث کے جن میں حاجی کو فصد لینے یا بال منڈانے سے منع فرمایا گیا ہے، اگر یہ عمل ضرورۃً تھا اور وہ فرمان بلا ضرورت کی صورت میں ہے۔ ۲؎ چونکہ درمیان قدم پر بال ہوتے ہی نہیں، لہٰذا وہاں فصد کی صورت میں بال دور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہٰذا اس حدیث میں کسی تاویل یا توجیہ کی ضرورت نہیں خصوصًا جبکہ یہ فصد عذر کی بنا پر تھی، عذر میں تو بال مونڈ کر فصد لینا بھی جائز ہے، اگرچہ فدیہ واجب ہوگا (لمعات واشعہ وغیرہ)۔ ۳؎ آپ کا نام صعب یا ابراہیم ہے، کنیت ابورافع، آپ پہلے حضرت عباس کے غلام تھے کسی قبطی نے آپ کو عطیہ دیا تھا حضرت عباس نے بطور نذر حضور کو ان کا مالک بنادیا، بدر سے کچھ پہلے ایمان لائے مگر بدر میں حاضر نہ ہوسکے جب انہوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت عباس کے ایمان لانے کی خبردی، تو حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے خوش ہوکر انہیں آزاد کردیا۔ اکمال میں ہے کہ آپ کا انتقال شہادت حضرت عثمان سے کچھ پہلے ہوا ہے، مگر بعض مورخین فرماتے ہیں کہ آپ کا انتقال خلافت مرتضوی میں ہوا (اشعہ واکمال) آپ آزاد ہونے کے بعد بھی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہے۔ ۴؎ اس کی تحقیق ابھی کچھ پہلے حضرت ابن عباس کی حدیث کے ماتحت ہوچکی کہ مسلم بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ حضور نے یہ نکاح بحالت احرام کیا لہٰذا اس حدیث ابورافع میں تزوّج کے معنے ہیں تیاری نکاح فرمائی اور ظاہر بھی یہی ہے، کیونکہ رسالت و پیغام رسانی نکاح کے وقت نہیں بلکہ نکاح سے پہلے ہوتی ہے اَنَا الرَّسُوْلُ سے معلوم ہورہا ہے کہ نکاح سے پہلے کا واقعہ ہے، وکیل نکاح حضرت عباس تھے اُن کے فرزند فرماتے ہیں کہ نکاح بحالت احرام ہوا، لہٰذا حق یہی ہے کہ نکاح احرام میں ہوا ہے اور محرم کو نکاح کرنا جائز ہے صحبت حرام۔ ۵؎ یعنے یہ حدیث صحیح نہیں بلکہ حسن ہے، اور حدیث ابن عباس جس میں نکاح بحالت احرام ثابت ہے صحیح ہے، مسلم بخاری کی روایت ہے لہٰذا وہ اس پر راجح ہے۔ ۶؎ اگر بَابٌ کو تنوین پڑھی جائے تو یہ ھٰذا پوشیدہ کی خبر ہے اور المحرم مبتدا یجتنب خبر اور اگر باب کو تنوین نہ پڑھی جائے تو المحرم بوجہ مضاف الیہ ہونے کے مجرور ہوگا اور یجتنب اسکا حال،

ابن جثامة انه اهدى لرسول الله صلى الله عليه وسلم حمارا وحشيا وهو بالابواء او بودان فرد عليه فلما راى ما في وجهه قال انا لم نرده عليك الا انا حرم متفق عليه وعن ابي قتادة انه خرج مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فتخلف مع بعض اصحابه وهم محرمون

ابن جثامہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گورخر پیش کیا جبکہ حضور انور مقام ابوا یا ودان میں تھے تو آپ نے وہ واپس فرمادیا پھر جب حضور نے ان کے چہرے کی حالت دیکھی تو فرمایا کہ ہم نے صرف اسلئے واپس کیا کہ ہم محرم ہیں (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے تو اپنے بعض ساتھیوں کے ساتھ پیچھے رہ گئے وہ ساتھی تو محرم

عیلہ کے معنے ہیں شکار کرنا یا شکار کھانا یعنے محرم شکار کرنے سے بچے یا شکار کھانے سے بچے، خیال رہے کہ محرم کو دریائی شکار مطلقًا حلال ہے جانور حلال ہو یا حرام دریا حرم کا ہو یا بیرون حرم کا، رہا خشکی کا شکار، اس میں تفصیل ہے درندے وشکاری جانور کا شکار حلال ہے، جیسے سانپ شیر بھیڑیا وغیرہ، دیگر حرام جانور جو بذات خود موذی تو نہیں مگر کبھی حملہ کردیتے ہیں، تو حملہ کرنے کی صورت میں ان کا شکار حلال ہے ورنہ نہیں: حلال جانور کا نہ خود شکار کرے نہ شکاری کی امداد کرے نہ اس کی طرف اشارہ کرے: اگر کریگا تو اس کی قیمت دینا ہوگی رہا شکار کھانا اس میں بہت تفصیل اور ائمہ کا بہت اختلاف ہے، مذہب امام اعظم یہ ہے کہ محرم کا کیا ہوا شکار حرام ہے خواہ خود ہی شکار کرے یا دوسرا محرم یا اس محرم کی امداد یا اشارہ سے حلال شکار کرے: رہا حلال کا شکار وہ محرم کھا سکتا ہے خواہ اس نے اپنے لئے کیا ہو یا محرم کیلئے جیسا کہ حدیث ابوقتادہ میں آئیگا رب تعالٰے فرماتا ہے احل لکم صید البحر وطعامه متاعا لکم وللسیارة اور فرماتا ہے وحرم علیکم صید البر ما دمتم حرما خیال رہے کہ شکار وہ جانور ہے جو خلقت کے لحاظ سے وحشی ہو اس کی پیدائش و پرورش جنگل میں ہو (از مرقات واشعہ)۔

۱؎ آپ صحابی ہیں حضرت ابن عباس آپ سے احادیث لیتے ہیں، خلافت صدیقی میں وفات ہوئی (اشعہ، اکمال)۔ ۲؎ بعض روایات میں ہے کہ زندہ جانور پیش کیا تھا اور بعض میں ہے کہ ذبح کرکے اس کا کوئی عضو پاؤں سرین وغیرہ، ہوسکتا ہے کہ پہلے زندہ گورخر پیش کیا ہو بعد میں ذبح کرکے اس کا کوئی عضو، لہذا احادیث میں تعارض نہیں، حمار وحشی کا فارسی میں نام گورخر ہے اردو میں بھی یہی ہے۔ ۳؎ ابوا مدینہ منورہ سے دس میل فاصلہ پر مکہ معظمہ کے شرقی قدیمی راستہ پر ہے اور ودان آٹھ میل فاصلہ پر: ابوا کے مقام میں حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کا مزار مقدس ہے، اللہ تعالٰی کبھی مجھے وہاں کی حاضری نصیب کرے تو ان کی تربت اطہر کی مٹی کا سرمہ لگاؤں: حضرت صعب مقام ابوا کے رہنے والے تھے۔ ۴؎ یعنے جب حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کا شکار واپس کیا تو انہیں رنج ہوا، جس کا اثر ان کے چہرے پر محسوس ہوا تب حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی اس ارشاد عالی سے فرمادی، اگر زندہ شکار کو واپس فرمایا ہے تب تو حدیث بالکل ظاہر ہے کہ محرم کو زندہ شکار نہ پکڑنا درست ہے نہ پکڑا ہوا رکھنا یا ذبح کرنا درست: اور اگر اس کا گوشت واپس فرمایا ہے، تو اس کی وجہ شوافع کے ہاں تو یہ ہے کہ حضرت صعب نے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے شکار کیا تھا، احناف کے ہاں اس لئے رد فرمایا کہ اس شکار میں کسی محرم نے کوئی مدد کی تھی، اور حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کا پتہ تھا: یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم جب ابوا پہنچے تو حضرت صعب نے حضور کی میزبانی اس طرح کی جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ ۵؎ یہ واقعہ ۶ھ صلح حدیبیہ کا ہے، چونکہ تمام حضرات عمرہ کے لئے مکہ معظمہ جانے کا ارادہ رکھتے تھے اس لئے انہوں نے احرام باندھ لیا تھا اور حضرت ابوقتادہ مکہ معظمہ جانے کا ارادہ نہ رکھتے تھے، کچھ دور ساتھ ساتھ گئے تھے، اسی لئے آپ نے احرام نہ باندھا، لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ابوقتادہ بغیر احرام میقات سے آگے کیوں بڑھ گئے، اہل مدینہ کا میقات تو ذوالحلیفہ ہے۔

وَهُوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ فَرَأَوْا حِمَارًا وَحْشِيًّا قَبْلَ أَنْ يَرَاهُ فَلَمَّا رَأَوْهُ تَرَكُوْهُ حَتّٰى رَاٰهُ أَبُوْ قَتَادَةَ فَرَكِبَ فَرَسًا لَهُ
فَسَأَلَهُمْ أَنْ يُّنَاوِلُوْهُ سَوْطَهُ فَأَبَوْا فَتَنَاوَلَهُ فَحَمَلَ عَلَيْهِ فَعَقَرَهُ ثُمَّ أَكَلَ فَأَكَلُوْا فَنَدِمُوْا فَلَمَّا أَدْرَكُوْا
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلُوْهُ قَالَ هَلْ مَعَكُمْ مِنْهُ شَيْءٌ قَالُوْا مَعَنَا رِجْلُهُ فَأَخَذَهَا
النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَكَلَهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا فَلَمَّا أَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ أَمِنْكُمْ أَحَدٌ أَمَرَهُ أَنْ يَّحْمِلَ عَلَيْهَا أَوْ أَشَارَ إِلَيْهَا قَالُوْا لَا قَالَ فَكُلُوْا مَا بَقِيَ مِنْ
لَحْمِهَا • وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسٌ لَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ قَتَلَهُنَّ فِي الْحَرَمِ
وَالْإِحْرَامِ الْفَأْرَةُ وَالْغُرَابُ وَالْحِدَاءَةُ وَالْعَقْرَبُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ عَائِشَةَ

تھے یہ محرم نہ تھے انہوں نے حضرت ابوقتادہ کی نظر پڑنے سے پہلے ایک گورخر دیکھا، دیکھا تو چھوڑ دیا[1] حتی کہ اسے ابوقتادہ نے دیکھ لیا تو آپ اپنے گھوڑے پر سوار ہوگئے ساتھیوں سے کہا کہ انکا کوڑا اٹھادیں انہوں نے انکار کیا[2] آپ نے خود اٹھالیا شکار پر حملہ کیا اسکے پاؤں کاٹ دیئے پھر ابوقتادہ نے کھایا اور ساتھیوں نے بھی پھر اس پر نادم ہوئے[3] جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو آپ سے مسئلہ پوچھا حضور نے فرمایا کیا تمہارے پاس اسکا کچھ ٹکڑا ہے بولے ہمارے ساتھ اسکا پاؤں ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پاؤں لیا اور کھایا[4] (مسلم بخاری) ان دونوں کی دوسری روایت میں یوں ہے کہ جب وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے انہیں حملہ کرنے کو کہا تھا اس طرف اشارہ کیا تھا بولے نہیں فرمایا تو بقیہ گوشت بھی کھالو[5] روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا پانچ جانور وہ ہیں[6] جنہیں احرام میں قتل کرنے والے پر گناہ نہیں چوہا، کوا، چیل، بچھو اور دیوانہ کتا[7] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عائشہ سے

۱ ترکوہ میں ہ ضمیر یا تو ابوقتادہ کی طرف ہے یا شکار کی طرف یعنی محرم صحابہ نے حضرت ابوقتادہ کو شکار کی رہبری سے چھوڑ دیا انہیں بتایا نہیں یا اس شکار کو چھوڑ دیا کہ اس کی طرف اشارہ کیا نہ حملہ۔ ۲ بعض روایات میں بجائے سَوْطَہٗ کے رُمْحَہٗ ہے یعنی اپنا نیزہ یا بھالا مانگا، ہوسکتا ہے کہ دونوں ہی مانگے ہوں یعنی جلدی میں بغیر کوڑا او نیزہ گھوڑے پر سوار ہوگئے تھے پھر خیال آیا تو مانگا، محرم صحابہ نے اٹھا کر دینے سے اسلئے انکار کیا کہ یہ شکار پر مدد ہے جو محرم کو حرام ہے۔ ۳ یعنی محرم صحابہ شکار کا گوشت کھانے پر نادم ہوئے ان کا خیال تھا کہ محرم کو شکار کا گوشت کھانا مطلقًا حرام ہے کسی طرح حلال نہیں، پہلے خیال نہ آیا، کھالیا، پھر خیال آیا تو پچھتائے۔ ۴ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ عملی جواب دیا، کہ اس کا کھانا حلال ہے کیونکہ اس شکار میں کسی محرم کی مدد اور تعاون شامل نہیں، جواب قولی بھی ہوتا ہے عملی بھی، مگر عملی جواب قوی تر ہے (مرقات)۔ ۵ اس سے معلوم ہوا کہ اگر غیر محرم شکار کرے اور محرم کسی قسم کی اس میں مدد نہ دے تو محرم اس کا گوشت کھا سکتا ہے خواہ اس نے صرف اپنے لئے شکار کیا ہو یا محرم کے لئے بھی کیونکہ حضرت ابوقتادہ نے اتنا بڑا گورخر صرف اپنے لئے تو مارا نہ تھا سب کو کھلانے کی نیت تھی لہٰذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل قوی ہے، دلالۃ و اشارۃ میں فرق یہ ہے کہ دلالت یعنی رہبری تو زبان سے بتانا ہے اور اشارہ ہاتھ سے، بعض نے فرمایا کہ غائب چیز کا بتانا دلالت ہے اور حاضر چیز کو دکھانا اشارہ (مرقات)۔ ۶ یہ پانچ جانور موذی ہیں یعنی اپنے نفع کے بغیر دوسرے کا نقصان کردینے والے ان کا قتل ہر جگہ اور ہر حال میں درست ہے، موذی کی یہ تعریف خیال میں رہے۔ ۷ یعنی یہ پانچ جانور چونکہ موذی ہیں کہ ابتداءً لوگوں کو ستاتے ہیں اور بغیر اپنے نفع کے لوگوں کا نقصان کر

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسٌ فَوَاسِقُ یُقْتَلْنَ فِی الْحِلِّ وَالْحَرَمِ الْحَیَّۃُ وَالْغُرَابُ الْاَبْقَعُ وَالْفَارَۃُ وَالْکَلْبُ الْعَقُوْرُ وَالْحُدَیَّا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔ **اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ** عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَحْمُ الصَّیْدِ لَکُمْ فِی الْاِحْرَامِ حَلَالٌ مَالَمْ تَصِیْدُوْہُ اَوْ یُصَادُ لَکُمْ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْجَرَادُ مِنْ صَیْدِ الْبَحْرِ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ۔ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ

وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا پانچ جانور موذی ہیں حل و حرم میں قتل کیے جائیں ۱؎ سانپ، چتکبرا کوا، چوہا دیوانہ کتا، اور چیل ۲؎ (مسلم بخاری) دوسری فصل: روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لیئے شکار گوشت حلال ہے جب تک کہ تم نے اسے شکار نہ کیا ہو ۳؎ یا تمہارے لیئے شکار نہ کیا گیا ہو ۴؎ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا ٹڈی دریائی شکار سے ہے ۵؎ (ابوداؤد، ترمذی) ۶؎ روایت حضرت ابوسعید خدری سے

دیتے ہیں، لہٰذا انہیں ہر جگہ حل و حرم اور ہر حالت حلال و احرام میں قتل کر سکتے ہو احداۃ بروزن عِنَبَۃ اسے کے معنے ہیں چیل، اسی سے حُدَیَّۃ تصغیر بنا ہے، دیوانہ کتا فرمانے سے معلوم ہوا کہ شکاری یا آوارہ یا پالتو کتا مارنا درست نہیں کہ یہ موذی نہیں (مرقات) خیال رہے کہ ان پانچ کا ذکر حصر کے لئے نہیں، لہٰذا یہ حدیث اُن احادیث کے خلاف نہیں جن میں زیادہ جانوروں کا ذکر ہے، چنانچہ سانپ، درندہ شکاری موذی جانور جیسے شیر بھیڑیا وغیرہ بھی حل و حرم میں، احرام و احلال میں قتل کیا جائے، بعض علماء نے شیر وغیرہ میں حملہ کی قید لگائی، کہ اگر یہ حملہ کریں تو دفاعی طور پر انہیں مارا جا سکتا ہے۔

۱؎ موذی کے معنے ابھی عرض کئے جاچکے ہیں کہ اپنے فائدہ کے بغیر انسان کا نقصان کردینے والا جانور، لہٰذا جوں کھٹمل وغیرہ اگرچہ تکلیف دہ ہیں مگر شرعی موذی نہیں کہ وہ اپنا پیٹ بھرنے کو ہمیں کاٹتے ہیں۔ ۲؎ چتکبرا کوا جنگلی کوے کو کہتے ہیں جس کی پیٹھ و پیٹ سفید، باقی جسم سیاہ ہوتا ہے، چتکبرا کتا بھی ہوتا ہے آدمی بھی چنانچہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں ایک چتکبرے کتے کو دیکھتا ہوں کہ میرے اہل بیت کا خون کر رہا ہے، چنانچہ شمر مردود حضرت حسین علیہ السلام کا قاتل کوڑھی تھا، جسم پر سفید داغ والا اشعہ احق یہ ہے کہ پانچ میں حصر نہیں اور جانور بھی موذی ہیں جن کا قتل حرم و احرام میں درست ہے (لمعات)۔ ۳؎ محرم کے شکار کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ محرم بذات خود شکار کو قتل کرے یہ جانور تو تمام مسلمانوں کیلئے حرام ہے کہ محرم کا شکار کسی کو حلال نہیں، دوسرے یہ کہ محرم حلال کو شکار بتائے یا مدد کرے یہ شکار حلال تو کھا سکتا ہے محرم نہیں کھا سکتا، مگر ان دونوں صورتوں میں محرم پر شکار کی قیمت خیرات کرنی ہوگی تصیدوہ میں دونوں صورتیں داخل ہیں۔ ۴؎ یہ مذہب شافعی ہے کہ اگر محرم کے لئے کوئی حلال شکار کرے تو محرم کو اس کا کھانا حرام ہے، ہمارے ہاں حلال ہے، ہماری دلیل حضرت ابوقتادہ کی گذشتہ حدیث ہے، اس حدیث کی توجیہ ہمارے ہاں یہ ہے کہ حلال زندہ شکار محرم کے لئے پکڑے اور پیش کرے یا اس میں کسی محرم کی مدد شامل ہو، تاکہ یہ حدیث حضرت ابوقتادہ کی حدیث کے خلاف نہ ہو، ہاں اگر محرم کے حکم سے حلال نے شکار کیا تو بھی محرم کو حرام ہے یصاد لکم کی یہ ہی توجیہیں ہوئیں (لمعات)۔ ۵؎ بعض علماء نے اس حدیث سے ثابت کیا کہ ٹڈی کا شکار محرم کو سکتا ہے کہ یہ دریائی شکار ہے رب تعالٰی نے فرمایا

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ السَّبُعَ الْعَادِيَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ ◦ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ عَمَّارٍ قَالَ سَاَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ الضَّبُعِ اَصَيْدٌ هِيَ فَقَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ اَيُؤْكَلُ فَقَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ سَمِعْتَهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ ◦ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الضَّبُعِ قَالَ هُوَ صَيْدٌ وَّيَجْعَلُ

وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا محرم حملہ کرنے والے درندہ کو قتل کر سکتا ہے[1] (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن ابی عمار سے فرماتے ہیں میں نے حضرت جابر ابن عبداللہ سے بجو کے متعلق پوچھا کیا وہ شکار ہے فرمایا ہاں[2] میں نے کہا کیا اسے کھایا جاسکتا ہے فرمایا ہاں میں نے کہا کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے فرمایا ہاں[3] (ترمذی، نسائی، شافعی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بجو کے متعلق پوچھا فرمایا وہ شکار ہے[4] اور جب

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ہمارے امام اعظم کے ہاں ٹڈی خشکی کا شکار ہے کہ خشکی میں ہی انڈے بچے دیتی ہے اور خشکی ہی میں بنتی پلتی ہے اور خشکی کے ہی پتے وغیرہ کھاتی ہے اس حدیث کے متعلق احناف کہتے ہیں کہ ٹڈی دو قسم کی ہے بحری و بری بحری ٹڈی مچھلی کے ناک سے کیڑوں کی طرح نکلتی ہے یہاں اسی کا ذکر ہے، اور اگر یہ ٹڈی معروفہ ہی مراد ہو تو مطلب یہ ہے کہ یہ بھی دریائی شکار یعنی مچھلی کی طرح بغیر ذبح حلال ہے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تَمْرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ جَرَادَةٍ یعنی اگر محرم ٹڈی کا شکار کرے تو ایک کھجور خیرات کرے، حضرت کعب نے فرمایا تھا کہ ٹڈی کے شکار پر محرم ایک درہم خیرات کرے اس کے جواب میں حضرت عمر نے یہ فرمایا، اگر اس کے شکار پر قیمت واجب نہ ہوتی، تو یہ حضرات اس کی قیمت کے یہ تخمینے کیوں لگاتے (مرقات و لمعات)۔[6] تمام محدثین اس پر متفق ہیں کہ یہ حدیث اسناداً ضعیف ہے (مرقات)۔

[1] اس کے دو معنے ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جب درندہ محرم پر حملہ کرے تو محرم اُسے قتل کرسکتا ہے ورنہ نہیں، دوسرے یہ کہ حملہ کرنے والے درندوں کا قتل محرم کو جائز ہے یعنے درندے چونکہ حملہ کرنے کے عادی ہوتے ہیں لہٰذا انکا قتل محرم کو بھی درست ہے۔ [2] یعنے کیا بجو خشکی کا شکار ہے جو محرم کو کرنا حرام ہے، آپ نے جواب دیا ہاں خشکی کا شکار ہے، لہٰذا اگر محرم اس کا شکار کرے گا تو قیمت واجب ہوگی۔ [3] یہ حدیث امام شافعی و امام احمد کی دلیل ہے، امام اعظم و مالک کے ہاں حرام ہے ان کی دلیل آگے آرہی ہے: نیز صحیح حدیث میں ہے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر کیل والے جانور سے منع فرمایا، اور بجو کیل دار جانور ہے، لہٰذا حرام ہے، اور یہ حدیث منسوخ ہے۔ [4] خیال رہے کہ لفظ ضبع مونث ہے، لہٰذا هُوَ ضمیر کا مذکر لانا یا تو اسلئے ہے کہ اس کی خبر یہاں صید مذکر ہے: یا ضبع سے مراد بجو کی جنس ہے: حضرت جابر کے سوال کا منشاء یہ ہے کہ بجو کے قتل میں محرم پر جزء یہ یا کفارہ ہے یا نہیں، اگر یہ موذی جانوروں سے ہے تب تو اس کا قتل محرم کو جائز ہے اور کفارہ وغیرہ بھی اس میں کچھ نہیں اگر شکاری جانوروں سے ہے تو محرم کو اس کا قتل کرنا بھی حرام ہوگا اور اس کی قیمت بھی دینا ہوگی، فرمایا یہ موذی نہیں بلکہ شکار ہے۔

فِيْهِ كَبْشًا اِذَا اَصَابَهُ الْمُحْرِمُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ، وَعَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ جَزْيٍ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَكْلِ الضَّبُعِ قَالَ اَوَيَاْكُلُ الضَّبُعَ اَحَدٌ وَسَاَلْتُهُ عَنْ اَكْلِ الذِّئْبِ قَالَ اَوَيَاْكُلُ الذِّئْبَ اَحَدٌ فِيْهِ خَيْرٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ لَيْسَ اِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ، اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ قَالَ كُنَّا مَعَ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ وَنَحْنُ حُرُمٌ فَاُهْدِيَ لَهُ طَيْرٌ وَطَلْحَةُ رَاقِدٌ فَمِنَّا مَنْ اَكَلَ وَمِنَّا مَنْ تَوَرَّعَ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ

محرم اسے شکار کرے تو اس کے عوض بھیڑ دیدے [۱] (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) روایت ہے حضرت خزیمہ ابن جزی سے [۲] فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بجّو کھانے کے متعلق پوچھا تو فرمایا کیا کوئی بجو بھی کھاتا ہے [۳] اور آپ سے بھیڑیا کھانے کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ جس میں بھلائی ہو وہ بھیڑیا کھا سکتا ہے [۴] (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا کہ اس کی اسناد قوی نہیں [۵] تیسری فصل روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن عثمان تیمی سے [۶] فرماتے ہیں ہم طلحہ ابن عبیداللہ کے ساتھ تھے اور ہم احرام باندھے تھے تو انکے لیئے پرندے لائے گئے اور حضرت طلحہ سوئے تھے تو ہم میں سے بعض نے وہ کھالیئے اور بعض احتیاطاً بچے [۷] پھر جب

[۱] یعنے محرم کے اسے شکار کرلینے پر اس کے عوض ایک خیرات کرنی ہوگی۔ امام شافعی کے ہاں حلال شکار پر جزا واجب ہوتی ہے حرام شکار پر نہیں، ہمارے امام اعظم کے ہاں مطلقاً شکار پر جزا واجب ہے جانور حرام ہو یا حلال، لہذا ہمارے اصول پر اس حدیث سے بجّو کی حلت ثابت نہ ہوگی۔ [۲] خزیمہ خ کے پیش ز کے زبر (فتح) سے ہے اور جزی میں جیم کے زبر ز کے زیر (کسرہ) آپ صحابی ہیں۔ [۳] یعنے کیا کوئی مسلمان بجّو کھائیگا حالانکہ یہ کیل والا جانور ہے، اور کیل والے جانور حرام ہیں، یہ حدیث امام ابوحنیفہ و امام مالک رضی اللہ عنہما کی دلیل ہے کہ بجّو کھانا منع ہے، خواجہ حسن بصری، سعید ابن مسیب اور سفیان ثوری کا بھی یہی مذہب ہے کہ بجّو حرام ہے دیکھو مرقات شرح مشکوٰۃ۔ [۴] بھلائی سے مراد ایمان ہے یعنے مومن بجّو بھیڑیا وغیرہ جانور کبھی نہیں کھا سکتا مومن کو اس سے طبعاً نفرت ہونی چاہیئے۔ [۵] یعنے یہ حدیث امام ترمذی کو غیر قوی ہو کر ملی، مگر جب امام اعظم نے اس حدیث سے یہ مسئلہ استنباط کیا تو اس وقت بالکل صحیح، درست و قوی تھی، جس راوی کی وجہ سے یہ حدیث صحیح نہ رہی، وہ اس کی اسناد میں اس وقت شامل تھا ہی نہیں، امام ترمذی کے زمانہ کا ضعف پہلے والوں کو مضر کیوں ہوگا۔ اس حدیث سے خواجہ حسن بصری، سفیان ثوری نے بھی استدلال فرمایا اور اس کی تقویت ابن ماجہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے، اور جب حلت و حرمت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے لہذا یہی راجح ہے کہ بجّو حرام ہے (مرقات) **لطیفہ** مذہب حنفی کی قوت کی دلیل یہ ہے کہ جو جانور حنفی حرام کہتے ہیں دوسرے امام حلال، انہیں کھاتا کوئی نہیں، دیکھو گھوڑا، گوہ، بجّو وغیرہ کو دوسرے ائمہ نے حلال تو کہا مگر اس کے گوشت آج تک نہ کہیں مارکیٹ میں فروخت ہوتے دیکھے نہ کسی کو کھاتے دیکھا صرف کتابوں میں ہی حلت مذکور ہے، خیال رہے کہ ترمذی نے بھی اس حدیث کو ضعیف نہ کہا بلکہ **لیس بقوی** فرمایا، اس میں حدیث حسن بھی شامل ہے: نیز ترمذی نے اس حدیث پر جرح مجہول کی اور جرح مجہول احناف کے ہاں قبول نہیں ان چھ وجہوں سے یہ حدیث قابل عمل ہے۔ [۶] عبدالرحمن ابن عثمان ابن عبیداللہ صحابی ہیں، حضرت طلحہ ابن عبیداللہ کے بھتیجے ہیں، بیعت الرضوان کے بعد ایمان لائے، حضرت عبداللہ ابن زبیر کے ساتھ شہید کیئے گئے (اشعہ)۔ [۷] یعنے چڑیوں کا بھنا ہوا گوشت لایا گیا تھا حضرت طلحہ کے لئے، مگر وہ سو رہے تھے، ان کے بعض ساتھیوں نے یہ سمجھ کر کہ چونکہ انہیں حلال نے شکار کیا

طَلْحَةَ وَافَقَ مَنْ اَكَلَهُ قَالَ فَاَكَلْنَاهُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ بَابُ الْاِحْصَارِ وَفَوْتِ الْحَجِّ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدْ اُحْصِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَلَقَ رَأْسَهُ وَجَامَعَ نِسَاءَهُ وَنَحَرَ هَدْيَهُ حَتّٰى اعْتَمَرَ عَامًا قَابِلًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ دُوْنَ

طلحہ جاگے تو آپ نے کھانے والوں کی موافقت کی کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پرندے کھائے[۱] (مسلم) روکے اور حج چھوٹ جانے کا باب[۲] پہلی فصل۔ روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روک دیئے گئے تھے تو آپ نے سر شریف منڈا دیا تھا اور اپنی بیویوں سے صحبت فرمائی اپنی ہدی قربان کردی حتی کہ اگلے سال عمرہ کیا[۳] (بخاری) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے[۴] تو کفار قریش بیت اللہ

ہے تاکہ محرم نے لہذا ہمارے لئے ان کا کھانا درست ہے اور یہ بھی خیال کیا کہ حضرت طلحہ ہمارے کھالینے پر ناراض نہ ہوں گے کھائے، لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب یہ چڑیاں حضرت طلحہ کے لئے لائی گئی تھیں تو دوسروں نے کیوں کھائیں کیونکہ یہ کھانے والے اُن کے بے تکلف دوست تھے۔

[۱] غالبًا فاکلنا کی ف تعلیلیہ ہے، یعنی آپ نے فرمایا کہ یہ گوشت ہمارے لئے حلال ہے، کیونکہ ہم نے اس قسم کے ہدایا حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھائے ہیں، اس سے بھی مذہب حنفی ثابت ہوتا ہے کہ جس شکار میں محرم نے مدد نہ دی ہو محرموں کو اس کا کھانا حلال ہے۔ [۲] احصار حصر سے بنا بمعنی روکنا و باز رکھنا، رب تعالٰی فرماتا ہے "اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ"۔ شریعت میں احصار یہ ہے کہ انسان بعد احرام حج کرنے پر قادر نہ ہو۔ مسئلہ احصار میں تین قسم کا اختلاف ہے: ایک یہ ہے کہ ہمارے امام اعظم کے ہاں دشمن، مرض، خرچہ ہلاک ہوجانے، راستہ میں عورت کے محرم کے مرجانے سے احصار ہوجاتا ہے، دیگر اماموں کے ہاں احصار صرف دشمن کا فرسے ہوگا اور کسی وجہ سے نہیں۔ دوسرے یہ کہ ہمارے مذہب میں احصار کی قربانی حرم شریف میں ہی بھیجی جائے گی کہ وہاں ذبح ہو۔ دیگر ائمہ کے ہاں جہاں احصار ہو وہاں ہی ذبح کردی جائے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی حدیبیہ میں ہی کردی تھی، ہم کہتے ہیں کہ وہ مجبور ہوا کہ وہاں سے حرم تک قربانی لے جانے والا کوئی نہ تھا، سب ہی روک دیئے گئے تھے، ایسی مجبوری میں ہم بھی کہتے ہیں حل میں قربانی کردے (اشعہ) یا حدیبیہ کا بعض حصہ حرم میں داخل ہے، یہ قربانیاں داخل حرم والے حصہ میں ہوئیں۔ تیسرے یہ کہ ہمارے ہاں محصر پر قضا واجب ہے، امام شافعی کے ہاں نہیں، مگر حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا عمرہ قضا ہماری تائید کرتا ہے۔ حج کا فوت قیام عرفات رہ جانے سے ہوتا ہے، قیام عرفات کا وقت نویں بقر عید کے زوال سے دسویں کی پو پھٹنے تک ہے اگرچہ ایک ساعت ہی وہاں ٹھہر جائے حتی کہ تنگی کے وقت اس وقوف کے لئے نماز عشا قضا کردے (اشعہ و مرقات)۔

[۳] یعنی ۶ھ میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا، حدیبیہ کے میدان میں کفار مکہ نے آپ کو عمرہ سے روک دیا تب آپ اس میدان میں حلال ہوگئے اور وہاں ہی قربانی احصار دیدی، سال آئندہ ۷ھ میں آپ نے اس فوت شدہ عمرہ کی قضا کی، اس قضا سے معلوم ہوا کہ نفلی عبادت شروع کردینے سے واجب ہو جاتی ہے کہ اس کی قضا ہوتی ہے، شوافع کہتے ہیں کہ یہ دوسرا عمرہ نفلی تھا اسلئے سب نے ادا نہ کیا، سال حدیبیہ میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو صحابہ تھے، قضا میں سات سو بھی نہ تھے، اگر قضا واجب ہوتی تو سب کرتے، ہم کہتے ہیں کہ سب نے قضا کی، بعض نے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعض نے بعد (مرقات) اگر یہ دوسرا عمرہ نفلی ہوتا تو اسے عمرۂ قضا نہ کہا جاتا۔ [۴] عمرہ کرنے ۶ھ میں چودہ سو صحابہ۔

اَلْبَیْتِ فَنَحَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَدَایَاہُ وَحَلَقَ وَقَصَّرَ اَصْحَابُہٗ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ ۔ وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَۃَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَحَرَ قَبْلَ اَنْ یَّحْلِقَ وَاَمَرَ اَصْحَابَہٗ بِذٰلِکَ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ ۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ قَالَ اَلَیْسَ حَسْبُکُمْ سُنَّۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْ حُبِسَ اَحَدُکُمْ عَنِ الْحَجِّ طَافَ بِالْبَیْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ ثُمَّ حَلَّ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ حَتّٰی یَحُجَّ عَامًا قَابِلًا فَیُھْدِیْ اَوْیَصُوْمُ اِنْ لَّمْ یَجِدْ ھَدْیًا رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ ۔ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ

شریف سے آڑے آگئے [1] تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہدیاں قربانی کردیں اور آپ نے سر منڈا دیا اور صحابہ نے بال کٹوا دیئے [2] (بخاری) روایت ہے حضرت مسور ابن مخرمہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر منڈانے سے پہلے ذبح فرمایا اور اپنے صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا [3] (بخاری) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ آپ نے فرمایا کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کافی نہیں [4] اگر تم میں سے کوئی حج سے روک دیا جائے تو بیت اللہ اور صفا مروہ کا طواف کرے پھر ہر چیز سے حلال ہو جائے حتی کہ سال آئندہ حج کرے [5] تو ہدی لائے یا اگر ہدی میسر نہ ہو تو روزے رکھ لے [6] (بخاری) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں

۱ یعنی ہم کو انہوں نے بیت اللہ تک نہ پہنچنے دیا، اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ عمرہ کا فوت بیت اللہ کے طواف سے روکنے سے ہوتا ہے، مگر حج کا فوت عرفات سے روکے جانے پر ہو جاتا ہے۔ **۲** یعنی بعض صحابہ نے بال منڈوائے اور بعض نے کتروائے۔ ہمارے امام صاحب کے ہاں محصر پر یہ منڈانا کتروانا واجب نہیں، بعض کے ہاں واجب ہے، لیکن کرنے پر کوئی کفارہ وغیرہ نہیں (طحاوی، مرقات)۔ **۳** یہ واقعہ بھی حدیبیہ کا ہے کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد صلح مدینہ منورہ واپسی کا ارادہ فرمالیا، تو ہدی وہاں ہی قربانی فرمادی اور سر منڈا دیا: امام اعظم قدس سرہ کے ہاں محصر پر منڈانا یا کتروانا نہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل و حکم شریف اس لئے تھا کہ لوگوں پر آپ کا مصمم ارادہ ظاہر ہو جائے کہ اب عمرہ کرنے کا ارادہ بالکل ہی ترک فرما دیا ہے اور واپسی کا ارادہ ہو چکا، اور جو کام ضرورۃً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے وہ سنت نہیں کہلاتے، امام صاحب فرماتے ہیں کہ سر منڈانے یا کتروانے کا عبادت ہونا خاص جگہ اور خاص وقت میں ہے یعنی عمرہ یا حج کے ارکان ادا کر چکنے کے بعد، رب تعالٰی فرماتا ہے لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ معلوم ہوا کہ بیت اللہ میں داخل ہو کر عمرہ کرنے، حلق و قصر عبادت ہے، صاحبین کے ہاں محصر پر سر منڈانا ہے اگرچہ نہ کرنے پر کوئی کفارہ وغیرہ لازم نہیں، تفصیل کتب فقہ میں ہے (اشعہ)۔ **۴** یہاں سنت سے مراد قولی سنت ہے، یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی نہ کہ عملی سنت، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احرام عمرہ میں روکے گئے تھے نہ کہ احرام حج میں، حج روک دیئے جانے کے معنے یہاں یہ ہیں کہ محرم مکہ معظمہ پہنچ چکنے کے بعد پہنچے یا کوئی دشمن یا بیماری اسے مکہ معظمہ سے عرفات نہ جانے دے، تو وہ محرم حج اب عمرہ کرکے احرام کھول دے، اور اگر محرم مکہ معظمہ پہنچ ہی نہ سکا اس کے احکام دوسرے ہیں۔ **۵** یعنی گذشتہ سال والے رہے ہوئے حج کی قضا کرے، وہ حج خواہ فرض تھا یا نفل، یوں ہی اگر محرم حج کو فاسد کردے تب بھی قضا واجب ہے اگرچہ حج نفل ہو: اس سے معلوم ہوا کہ ہر نفلی عبادت شروع کر دینے سے فرض ہو جاتی ہے، امام شافعی حج میں تو اس کے قائل ہیں مگر دیگر عبادات میں قائل نہیں ان کے ہاں نفلی نماز روزہ شروع کر دینے کے بعد بھی نفل ہی رہتے ہیں کہ توڑ دینے پر قضا نہیں۔

دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى ضُبَاعَةَ بِنْتِ الزُّبَيْرِ فَقَالَ لَهَا لَعَلَّكِ اَرَدْتِ الْحَجَّ قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا اَجِدُنِيْ اِلَّا وَجِعَةً فَقَالَ لَهَا حُجِّيْ وَاشْتَرِطِيْ وَقُوْلِي اللّٰهُمَّ مَحِلِّيْ حَيْثُ حَبَسْتَنِيْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ اَصْحَابَهٗ اَنْ يُّبَدِّلُوا الْهَدْيَ الَّذِيْ نَحَرُوْا عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فِيْ عُمْرَةِ الْقَضَاءِ رَوَاهُ وَعَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ عَمْرٍو الْاَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كُسِرَ اَوْ عَرِجَ

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضباعہ بنت زبیر کے پاس تشریف لے گئے[1] تو ان سے فرمایا شاید تم حج کا ارادہ رکھتی ہو[2] وہ بولیں اللہ کی قسم میں تو اپنے کو بیمار پاتی ہوں[3] حضور نے ان سے فرمایا حج کو چلو اور یوں کہو کہ الٰہی میرے کھلنے کی جگہ وہ ہی ہے جہاں تو مجھے روک دے[4] (مسلم بخاری) دوسری فصل روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ انہوں نے حدیبیہ کے سال جو قربانیاں دی تھیں عمرہ قضا میں ان کے عوض اور دیں[5] ...... [6] روایت ہے حضرت حجاج ابن عمرو انصاری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس کا پاؤں ٹوٹ جائے یا لنگڑا ہو

ک شاید کوئی ان احکام کا منکر تھا، اس لئے حضرت ابن عمر نے یہ حکم بیان فرمایا مع دلیل کے: خیال رہے کہ مفرد کا حج رہ جانے میں صرف حج کی قضا واجب ہوگی قضا کے وقت نہ عمرہ واجب ہوگا نہ ہدی: امام شافعی کے ہاں قربانی واجب ہوگی، اگر قارن کا حج رہ گیا تو وہ عمرہ تو ادا کرے پھر فوت شدہ حج کے لئے عمرہ کرے، اسی سے قران کی قربانی معاف ہوگئی، اگر متمتع کا حج رہ گیا تو تمتع جاتا رہا (مرقات وکتب فقہ)۔

[1] ضباعہ، زبیر ابن عبدالمطلب کی بیٹی ہیں یعنے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی چچازاد بہن، زبیر اسلام نہ لائے تھے، ضباعہ صحابیہ ہیں، مہاجرات سے ہیں حضرت مقداد کی زوجہ ہیں (اشعہ ومرقات)۔ [2] یعنے ہم نے سنا ہے کہ حجۃ الوداع میں ہمارے ساتھ تم بھی حج کو چلنا چاہتی ہو، یہ واقعہ حجۃ الوداع کی تیاری کے وقت کا ہے: معلوم ہوا کہ حاجی دوسرے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ حج کو چلنے کی رغبت دے۔ [3] یعنے ابھی بیماری سے اٹھی ہوں، کمزور ہوں اندیشہ ہے کہ سفر سے پھر مرض عود کر آئے، اور میں احرام کے بعد حج پورا نہ کرسکوں۔ [4] یعنے احرام باندھتے وقت یہ کہہ لینا کہ خدایا اگر میں بعد احرام ادائے حج سے قاصر رہوں، بیمار ہوجاؤں، تو جہاں بیمار ہوں گی وہاں ہی احرام کھول دوں گی: اس سے معلوم ہوا کہ احصار مرض سے بھی ہوجاتا ہے، لہذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے، کہ احصار دشمن ہی سے نہیں ہوتا مرض سے بھی ہوتا ہے: خیال رہے کہ زبان سے یہ شرط لگا لینا استحبابًا ہے، اگر شرط نہ بھی لگائی ہو تب بھی بیمار محرم احرام کھول سکتا ہے: بعض نے فرمایا کہ اس شرط لگانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ بیمار فورًا حج سے کھل سکتا ہے، اگر بغیر شرط لگائے ایسا حادثہ پیش آیا دوسرے حجاج کے ہاتھ ہدی بھیجے گا، اور ہدی حرم شریف میں ذبح ہوچکنے کے بعد احرام کھولے گا۔ [5] یعنے جو قربانی تم گزشتہ سال دے چکے ہو وہ تو قبول ہوگئی، اب دوبارہ قضا عمرہ میں پھر قربانی دو، اگر گزشتہ قربانی حل میں واقع ہوئی تھی تب تو وہ درست ہی نہ ہوئی تھی، اب دینا ضروری ہے، اور اگر حرم کے حدود میں واقع ہوئی تھی، تو اب دوبارہ دینے کا حکم استحبابی ہے (مرقات واشعہ)۔ [6] اس جگہ مشکوٰۃ شریف میں جگہ چھوٹی ہوئی ہے: مگر یہ روایت ابوداؤد میں ہے چونکہ اس کی اسناد میں محمد ابن اسحاق ہے، اسلئے حدیث اس اسناد میں ضعیف ہے واللہ اعلم۔

فَقَدْ حَلَّ وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ
وَزَادَ اَبُوْدَاؤدَ فِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى اَوْ مَرِضَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ وَفِي الْمَصَابِيْحِ ضَعِيْفٌ
وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْمُرَ الدِّيْلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْحَجُّ عَرَفَةُ مَنْ
اَدْرَكَ عَرَفَةَ لَيْلَةَ جَمْعٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَقَدْ اَدْرَكَ الْحَجَّ اَيَّامُ مِنًى ثَلٰثَةٌ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَا
اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ

جائے تو وہ احرام کھول دے اور اس پر سال آئندہ حج ہے[۱] (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) اور ابوداؤد نے یہ زیادہ کیا کہ دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ یا وہ بیمار ہوجائے[۲] ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے اور مصابیح میں ہے کہ ضعیف ہے[۳]

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن یعمر دیلمی سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ حج عرفہ ہے[۴] جو مزدلفہ کی شب فجر طلوع ہونے سے پہلے عرفہ کا قیام پالے اس نے حج پالیا[۵] منیٰ کے دن تین ہیں[۶] تو جو دو دن میں جلدی کرے تو اس پر گناہ نہیں اور جو دیر سے لوٹے تو اس پر گناہ نہیں[۷] (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

[۱] یعنے جس نے احرام حج باندھ لیا ہو پھر اس کے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ جائے یا پھری آئندہ ٹوٹے، لنگ پیدا ہوجائے جس سے وہ آگے سفر اور ارکان حج ادا نہ کرسکے تو وہ اپنا احرام کھول دے اور وہاں سے لوٹ جائے یا ٹھہر جائے، ہدی مکہ معظمہ بھیجدے، اور تاریخ ذبح پر احرام کھول دے، سال آئندہ قضا کرے۔ اس سے دو مسئلے ثابت ہوئے: ایک یہ کہ احصار صرف دشمن ہی سے نہیں ہوتا بلکہ بیماری وغیرہ سے بھی ہوجاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ نفلی عبادت شروع کردینے سے فرض ہوجاتی ہے کہ اگر پوری نہ ہوسکے تو اس کی قضا لازم ہے کیونکہ یہاں حج مطلق فرمایا گیا، فرضی ہو یا نفلی۔ لہذا یہ حدیث احناف کی قوی دلیل ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اگر شرط سے احرام باندھا ہے تب مرض سے احصار ہوسکے گا ورنہ نہیں، مگر یہ بھی صحیح نہیں، اس حدیث پاک میں شرط کا ذکر نہیں، نص مطلق کا اطلاق باقی رکھنا چاہیئے۔ [۲] بیماری سے وہ بیماری مراد ہے جو سفر یا ادائے حج سے روک دے، مطلقًا بیماری نہیں، جیسا کہ ظاہر ہے۔ [۳] یعنے یہ حدیث چند اسنادوں سے مروی ہے ترمذی والی اسناد میں تو حسن ہے اور امام بغوی یعنے صاحب مصابیح کی اسناد میں ضعیف، مگر اس اسناد کا ضعف دوسری اسناد کے حسن کو مضر نہیں ہوسکتا۔ فتح القدیر میں ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس و ابوہریرہ پر پیش کی گئی، تو ان دونوں نے فرمایا کہ حجاج سچے ہیں۔ طحاوی میں ہے کہ حضرت علقمہ فرماتے ہیں ہمارے ایک ساتھی کو سانپ نے کاٹ لیا وہ عمرہ کا محرم تھا ہم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ہدی بھیجدے اور صحت ہوجانے کے بعد عمرہ ادا کرے فی الحال کھل جائے (مرقات وغیرہ)۔ [۴] یعمری کے فتح ع کے جزم میم کے فتح سے ہے، دیلی، د کے کسرہ ی کے سکون سے، آپ صحابی ہیں کوفہ میں رہے خراسان میں وفات پائی۔ [۵] یعنے حج کا رکن اعلےٰ جس پر حج پانے نہ پانے کا مدار ہے، وہ قیام عرفات ہے، اس کے وقت میں اتنی گنجائش کردی گئی ہے کہ اگلی رات بھی نویں تاریخ میں شامل کردی گئی، لہذا جو حاجی دسویں کی فجر سے پہلے پہلے اگر ایک ساعت کے لئے بھی عرفات پہنچ جائے اُسے حج مل جائیگا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ جمعہ کا بھی یہی حال ہے کہ ہفتہ کی رات بھی اس میں شمار ہے کہ اس شب میں مر جانے والا جمعہ کا ہی میت ہوگا۔ [۶] گیارھویں بارھویں تیرھویں بقرعید جنہیں ایام تشریق کہا جاتا ہے۔ [۷] یعنے جو بارھویں بقرعید کو رمی کرکے لوٹ جائے گنہگار نہیں، اور جو تیرھویں کی رمی کے لئے ٹھہر جائے وہ بھی گنہگار نہیں بلکہ ثواب پائے گا، کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہی عمل ہوا تیرھویں کی

وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ ۔ بَابُ حَرَمِ مَكَّةَ حَرَسَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ لَا هِجْرَةَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ وَاِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا وَقَالَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَاِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيْهِ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ وَلَمْ يَحِلَّ لِيْ اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا يُعْضَدُ شَوْكُهٗ وَلَا يُنَفَّرُ

اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔ باب مکہ معظمہ کا حرم اللہ اس کی حفاظت فرمائے [۱] فصل پہلی۔ روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا اب ہجرت نہ رہی [۲] لیکن جہاد اور نیت ہے [۳] اور جب جہاد کیلئے بلائے جاؤ تو نکل پڑو [۴] اور فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اس شہر کو اللہ نے اس دن ہی حرم بنا دیا جس دن آسمان و زمین پیدا کیے لہذا یہ قیامت تک اللہ کے حرم فرمانے سے حرام ہے [۵] اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس شہر میں جنگ جائز نہ ہوئی اور مجھے بھی ایک گھڑی دن کی حلال ہوئی چنانچہ اب وہ تا قیامت اللہ کے حرام کیے سے حرام ہے کہ نہ یہاں کے کانٹے توڑے جائیں [۶] اور نہ یہاں کا

رمی زوال سے پہلے بھی ہوسکتی ہے گیارھویں بارھویں کی رمی بعد زوال ہے، بعض کفار عرب دو دن ٹھہرنے کو برا کہتے تھے بعض تین دن کو برا سمجھتے تھے رب تعالٰے نے دونوں کی تردید قرآن میں فرمادی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل شریف سے استحباب ثابت فرمایا۔ [۱] مکہ معظمہ اور اس کے آس پاس کی وہ زمین جہاں شکار وغیرہ کرنا حرام ہے حرم شریف کہلاتا ہے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ میں سنگ اسود نصب فرمایا تو یہ بہت چمکدار تھا جہاں تک اس کی روشنی پہنچی، وہاں تک حدود حرم مقرر ہوئے، ان حدود پر مینارہ قائم کردیئے گئے ہیں سوائے جدہ اور جعرانہ کی جانب کے کہ اس طرف مینارہ نہیں، یہ علامات حرم سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے قائم فرمائے، پھر اسمٰعیل علیہ السلام نے، پھر عدنان ابن ادس نے، پھر قریش نے، پھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال پھر حضرت عمر نے، پھر حضرت عثمان نے، پھر حضرت امیر معاویہ نے اب تک امیر معاویہ کے قائم کردہ نشان موجود ہیں، یہ حدود ہر طرف یکساں نہیں، قریب تر حد مقام تنعیم ہے جہاں سے عمرہ کے احرام باندھے جاتے ہیں وہاں ہی مسجد حضرت عائشہ ہے۔ [۲] حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مکہ معظمہ سے مدینہ پاک کی طرف ہجرت فرما جانے کے بعد مکہ کے مسلمانوں پر ہجرت فرض تھی اور مکہ معظمہ میں بلا عذر رہنا حرام تھا کہ وہ جگہ دار الحرب ہوگئی تھی، فتح مکہ سے وہ جگہ دار الاسلام بن گئی اور اب اس ہجرت کی فرضیت ختم ہوگئی، یہاں یہی ارشاد ہے یعنے مکہ معظمہ سے ہجرت کرجانا اب فرض نہ رہا، لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ ہجرت قیامت تک ہے، وہاں دوسرے دار الحرب سے ہجرت مراد ہیں ہوسکتا ہے کہ خبر غیبی ہے کہ اب مکہ معظمہ تا قیامت کبھی دار الحرب نہ بنے گا اور نہ یہاں سے ہجرت فرض ہوگی، الحمد للہ ایسا ہی ہوا۔ [۳] یعنی اب جسے جہاد میسر ہو وہ جہاد کرے، اور جو جہاد نہ پائے وہ نیت کرے کہ جب مجھے خدا موقعہ دیگا جہاد کرونگا کہ نیت جہاد بھی ثواب ہے۔ [۴] اگر جہاد اس وقت فرض کفایہ ہو تو بقدر ضرورت لوگ نکلیں، اور اگر فرض عین ہوگیا ہو تو ہر مرد و زن نکلے، یہ کلمہ دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ [۵] یعنے اس شہر پاک کا حرم شریف ہونا صرف اسلام میں نہیں ہے بلکہ بڑا پرانا مسئلہ ہے ہر دین میں یہ جگہ محترم تھی وہ جو باب حرم مدینہ میں آرہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظمہ حرم بنایا، وہاں یہ مطلب ہے کہ اس کے حرم ہونے کا اعلان ابراہیم علیہ السلام نے کیا، کیونکہ طوفان نوحی میں جب بیت المعمور آسمان پر اٹھا

صَیْدُہٗ وَلَا یَلْتَقِطُ لُقْطَتَہٗ اِلَّا مَنْ عَرَّفَہَا وَلَا یُخْتَلٰی خَلَاہَا فَقَالَ الْعَبَّاسُ یَارَسُوْلَ اللہِ اِلَّا الْاِذْخِرَ فَاِنَّہٗ لِقَیْنِہِمْ وَلِبُیُوْتِہِمْ فَقَالَ اِلَّا الْاِذْخِرَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃِ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ لَا یُعْضَدُ شَجَرُہَا وَلَا یَلْتَقِطُ سَاقِطَتَہَا اِلَّا مُنْشِدٌ ٭ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

شکار بھڑکایا جائے ۱؎ اور نہ یہاں کی گری چیز اٹھائی جائے مگر جو اس کا اعلان کرے وہ اٹھائے ۲؎ اور نہ یہاں کی خشک گھاس کاٹی جائے ۳؎ تو حضرت عباس نے عرض کیا یارسول اللہ اذخر کے سوا کہ وہ تو لوہاروں اور یہاں کے گھروں میں کام آتی ہے ۴؎ فرمایا سوائے اذخر کے ۵؎ (مسلم، بخاری) اور حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے کہ وہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں اور سوا اعلان کرنیوالے کے وہاں کی گری چیز کوئی نہ اٹھائے ۶؎ روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

لیا تو لوگ یہاں کی حرمت وغیرہ بھول گئے، حضرت خلیل نے پھر اس کا اعلان فرمایا، لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں (اشعہ) الی یوم القیامہ فرما کر بتایا کہ یہ حرمت کبھی منسوخ نہ ہوگی کہ جیسے ازلی ہے ویسے ہی ابدی بھی ہے ۶؎ اس فرمان عالی میں اشارۃً اس واقعہ کی طرف ہے جو فتح مکہ کے دن حضرت خالد ابن ولید سے صادر ہوا کہ بہت کفار آپ کے ہاتھوں قتل ہوگئے، اس قتل پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے عتاب بھی نہ فرمایا، اس کی وجہ یہاں بیان ہوئی کہ اس وقت ہمارے لئے ایک ساعت کے قتال بھی حلال ہوگیا، اور بغیر احرام مکہ معظمہ میں داخلہ بھی جائز ہوا چنانچہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم اس وقت سیاہ عمامہ باندھے ہوئے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے یعنے بغیر احرام ورنہ سر مبارک کھلا ہوتا، خیال رہے کہ فتح مکہ مذہب احناف میں غلبہ سے ہوئی، اور امام شافعی کے ہاں صلح سے، اسی لئے ان کے ہاں مکہ معظمہ کے مکانات و زمین کی بیع درست اور کرایہ جائز ہے، کہ تمام مقامات کفار مکہ کے اپنے رہے جیسا کہ صلح میں ہوتا ہے ہمارے امام صاحب کے ہاں وہاں کی زمین وغیرہ کی بیع و کرایہ درست نہیں کیونکہ ان تمام کے حضور انور مالک ہوگئے تھے، کیونکہ فاتح بادشاہ مفتوح علاقہ کا مالک ہوجاتا ہے، حضور انور نے مالک ہو کر وقف فرمادیا، وقف کی نہ بیع ہوتی ہے نہ اجارہ، قول امام اعظم بہت ہی قوی ہے، یہ حدیث ان کی دلیل ہے کہ مجھے اس دن قتال درست ہوگیا، صلح میں قتال کیسا، نیز رب تعالٰی نے اسے فتح فرمایا اذا جاء نصر من اللہ والفتح اور فتح جنگ سے ہی ہوا کرتی ہے۔ (اشعہ مع زیادت) ۷؎ یعنے حرم کے خودرو درخت توکیا کانٹے توڑنا بھی جائز نہیں، اذخر و کماۃ کے سوا وہاں کی سبز گھاس کاٹنا یا اس پر جانور چرانا بھی ہمارے ہاں ممنوع ہے، امام یوسف و شوافع و مالک کے ہاں چرانا درست ہے، امام احمد ہمارے ساتھ ہیں، مذہب احناف قوی ہے یہ حدیث ہماری دلیل ہے کہتے کہ ایذاء دینے والا کانٹا بھی ہمارے ہاں نہ کاٹا جائے، خلافًا للشافعی۔

۱؎ یعنے حرم کا شکار مارنا توکیا اسے اس کی جگہ سے ہٹانا بھڑکانا بھی منع ہے، اور اگر بھڑکانے سے وہ ضائع ہوجائے تو اس کی قیمت واجب ہوگی (اشعہ)۔

۲؎ اس کے ظاہری معنے یہ ہیں کہ دیگر مقامات کی ملی ہوئی چیز کا کچھ عرصہ تک اعلان کیا جاتا ہے، پھر مالک نہ ملنے پر یا خیرات کردی جاتی ہے یا پانے والا اگر فقیر ہو تو خود مالک ہوجاتا ہے، مگر حرم شریف کی ملی ہوئی چیز کا اعلان ہی کرنا ہوگا۔ پانے والا نہ کبھی اسے خیرات کرے نہ خود مالک ہو یہی مذہب شافعی ہے، بعض احناف بھی اس طرف مائل ہیں جیسا کہ لمعات وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، مگر مذہب امام ابوحنیفہ یہ ہے کہ حرم کی گمی چیز بھی دیگر مقامات کی طرح ہے مگر یہاں اعلان زیادہ کیا جائیگا ان کی دلیل وہ حدیثیں ہیں جو لقطہ کے بیان میں آئیں گی، اس فرمان عالی کا منشاء یہ ہے کہ صرف زمانہ حج میں ہی اعلان نہ کرے بلکہ بعد میں بھی اعلان کرتا رہے۔

۳؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ خلا تر گھاس کو کہتے ہیں اور حشیش خشک کو، اور بعض کے ہاں اس کے برعکس ہے مقصد یہ ہے کہ حرم شریف کی نہ تر گھاس کاٹی جائے نہ خشک کیونکہ خشک گھاس کانٹے کے حکم میں ہے۔

۴؎ اذخر ایک لمبی گھاس ہوتی ہے جو عرب میں بجائے لکڑی اور کوئلے

يَقُوْلُ لَا يَحِلُّ لِاَحَدِكُمْ اَنْ يَّحْمِلَ بِمَكَّةَ السِّلَاحَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلٰى رَاْسِهِ الْمِغْفَرُ فَلَمَّا نَزَعَهٗ جَآءَ رَجُلٌ وَقَالَ اِنَّ ابْنَ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اُقْتُلْهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ

فرماتے سنا کہ تم میں سے کسی کو یہ حلال نہیں کہ مکہ معظمہ میں ہتھیار اٹھائے پھرے[۱] (مسلم) روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن مکہ معظمہ میں اس طرح تشریف لائے کہ آپ کے سر پر خود تھا[۲] پھر جب خود اتارا تو ایک شخص آیا اور بولا کہ ابن خطل کعبہ شریف کے پردوں سے لٹکا ہوا ہے۔ فرمایا اسے قتل کردو[۳] (مسلم بخاری) روایت ہے جابر سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فتح کے دن مکہ

کی بھٹیوں میں بھی استعمال کی جاتی ہے، اور گھر و قبر کی چھتوں میں بھی جیسے ہمارے ہاں گاؤں میں سینٹے وسرکرے ؛ ۵ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو رب تعالٰے نے احکام شرعیہ کا مالک بنایا ہے کہ اپنے اختیار سے آپ باذن پروردگار حرام وحلال کرسکتے ہیں، دیکھو سرکار عالی نے حضرت عباس کے جواب میں یہ نہ فرمایا کہ اچھا رب کی بارگاہ میں دعا کریں گے یا جبریل امین سے پوچھیں گے، بلکہ خود ہی فرمادیا الا الاذخر۔ اگر حضرت عباس حضور سے یہ نہ کہلوا لیتے تو اذخر بھی حرام ہی رہتی (اشعہ) ؛ ۶ اکثر شوافع کے ہاں حرمین شریفین کی مٹی یا پتھر باہر لے جانا بھی منع ہے اور باہر کی مٹی وہاں پہنچانا خلاف اولٰی، ہاں آب زمزم تبرک کے لئے اور مدینہ پاک کی کھجوریں باہر لے جانا سنت ہے، چنانچہ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے سہیل ابن عمرو سے حدیبیہ کے سال آب زمزم دو مشکیزے مدینہ طیبہ منگوایا، اور حج کے موقعہ پر خود سرکار آب زمزم مشکیزوں و برتنوں میں لے گئے اور عرصہ تک وہ پانی بیماروں کو دواءً پلاتے رہے اور حضرت عائشہ صدیقہ سے بروایت صحیح ثابت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار آب زمزم باہر بھیجا (مرقات) مدینہ پاک سے خاک شفا لانا اور اُسے دواءً استعمال کرنا سنت مسلمین ہے، اس کا ماخذ یہ حدیث ہے کہ حضور نے فرمایا تُرْبَةُ اَرْضِنَا يَشْفِيْ سَقِيْمَنَا ہماری زمین مدینہ کی مٹی بیماروں کو شفا دیتی ہے بلکہ وہاں کا گرد وغبار اپنے منہ اور سینہ پر لے، کہ یہ برص وجذام کے لئے بہت مفید ہے، مسجد نبوی خصوصًا روضہ مطہرہ کا غبار مومنوں کی آنکھوں کا سُرمہ ہے اور عشاق کے زخمی دلوں کا مرہم ؛

۱ مکہ معظمہ میں کھلے ہتھیار اٹھائے پھرنا تاکہ مسلمان مرعوب ہوں حرام ہے، غلاف میں ڈھکے ہتھیار اٹھانا اپنی حفاظت وغیرہ کیلئے درست ہے، حضور صلے اللہ علیہ وسلم عمرہ قضا میں ہتھیار لے کر وہاں داخل ہوئے مگر غلاف میں، یہ عمل اس حدیث کی تفسیر ہے ؛ ۲ یعنے آپ بغیر احرام مکہ معظمہ میں داخل ہوئے ورنہ سر مبارک کھلا ہوتا، آج چونکہ زمین حرم حضور انور کیلئے حلال ہوگئی تھی کہ وہاں قتال حلال ہوگیا تھا اس لئے آج بغیر احرام داخلہ بھی حضور انور کا درست ہوگیا لہٰذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں، کہ کسی نیت سے مکہ معظمہ جائے احرام وعمرہ ضروری ہے، اور نہ یہ حدیث شوافع کی دلیل ہے کہ جو کسی اور کام کیلئے مکہ معظمہ جائے وہ بغیر احرام جاسکتا ہے ؛ ۳ یہ خبر دینے والے فضل ابن عبید یعنے ابو برزہ اسلمی تھے، ابن خطل کا نام عبد اللہ اور لقب غالب تھا یہ پہلے مسلمان ہوا پھر اپنے ایک خادم مسلمان کو قتل کرکے مرتد ہوکر مکہ معظمہ بھاگ آیا تھا، آج ڈر کے مارے غلاف کعبہ میں چھپ گیا، چونکہ آج زمین حرم میں قتال جائز تھا اس لئے اُسے قصاصًا یا مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کرادیا گیا، یا تو حرم شریف میں یا وہاں سے باہر نکال کر، ورنہ باہر کا مجرم اگر حرم میں آجائے تو اُسے قتل نہیں کیا جاتا، رب تعالٰے فرماتا ہے وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا بعض امام حرم شریف میں حد وقصاص جائز مانتے ہیں اس حدیث کی بنا پر، مگر یہ استدلال ضعیف ہے، ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میقات سے آگے بغیر احرام نہ بڑھو

يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ بِغَيْرِ اِحْرَامٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُوْا جَيْشٌ الْكَعْبَةَ فَاِذَا كَانُوْا بِبَيْدَاءَ مِنَ الْاَرْضِ يُخْسَفُ بِاَوَّلِهِمْ وَاٰخِرِهِمْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يُخْسَفُ بِاَوَّلِهِمْ وَاٰخِرِهِمْ وَفِيْهِمْ اَسْوَاقُهُمْ وَمَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ قَالَ يُخْسَفُ بِاَوَّلِهِمْ وَاٰخِرِهِمْ ثُمَّ يُبْعَثُوْنَ عَلٰى نِيَّاتِهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَرِّبُ الْكَعْبَةَ ذُو السُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَاَنِّيْ بِهٖ اَسْوَدَ اَفْحَجَ يَقْلَعُهَا حَجَرًا حَجَرًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

معظمہ میں اس طرح تشریف لائے کہ بغیر احرام کے تھے اور آپ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا [1] (مسلم) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک لشکر کعبہ معظمہ پر حملہ کریگا تو جب میدانی زمین میں ہوں گے تو انکے اگلے پچھلے سب کو دھنسا دیا جائیگا [2] میں نے عرض کی یا رسول اللہ ان کے اگلے پچھلوں کو کیسے دھنسایا جائیگا ان میں سوداگر بھی ہوں گے اور وہ بھی جو اس لشکر سے نہیں [3] فرمایا کہ دھنسایا تو سارے اگلے پچھلوں کو جائیگا پھر اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے [4] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کو حبشہ کا دو چھوٹی پنڈلیوں والا ڈھائے گا [5] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں کالا ٹیڑھی ٹانگوں والا ہے کعبہ کے پتھر پتھر اکھیڑ رہا ہے [6] (بخاری)

نیز فرماتے ہیں کہ میرے لئے ایک ساعت کے واسطے یہ حرم کی زمین حلال کردی گئی تھی اب پھر اس کی حرمت لوٹ آئی۔ [1] یا تو حدود حرم میں داخلہ کے وقت حضور انور نے خود بھی پہنا ہوا تھا یعنے لوہے کی ٹوپی اور عمامہ شریف بھی یا حدود حرم شریف میں داخلہ کے وقت تو خود پہنے تھے اور بیت اللہ شریف میں یعنے مسجد حرام میں داخلہ کے وقت خود اتار دیا تھا اور عمامہ پہن لیا تھا، لہذا یہ حدیث گذشتہ حدیث کے خلاف نہیں۔ خیال رہے کہ لباس سفید افضل ہے مگر عمامہ سیاہ بھی جائز ہے خصوصًا خطبہ کے وقت، سارے کپڑے کالے پہننا خصوصًا محرم میں روافض سے تشبیہ ہے (از مرقات مع زیادت)۔ [2] یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا کہ ایک بڑا لشکر بربادی خانہ کعبہ کیلئے مکہ معظمہ پر حملہ کریگا اور دھنسا دیا جائیگا۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ واقعہ ہوچکا، مہدی موعود شاہ سفیان شاہ مصر کے زمانہ میں، مگر حق پہلی بات ہے۔ [3] اسواق یا تو سوقہ کی جمع ہے یعنے رعایا اور کام کاج والے یا سوق کی جمع ہے یعنے بازار میں رہنے والے سوداگر، سوال کا منشاء یہ ہے کہ مجرم تو ان میں سے بعض ہیں سزا ملی سب کو، کیونکہ اس لشکر میں تجارتی کاروبار کرنے والے سپاہیوں کے خدمتگار اور کھانا وغیرہ پکانے والے اور وہ لوگ بھی ہونگے جو جبرًا لائے گئے ان کی نیت حملے کی نہ تھی۔ [4] یعنے چونکہ ان لوگوں نے بھی اس لشکر کی تعداد بڑھائی ان کی اس جرم پر امداد کی اور مجرموں کے ساتھ رہے اسلئے یہ بھی سزا کے مستحق ہوگئے۔ رب تعالٰے فرماتا ہے وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً۔ معلوم ہوا کہ بروں کی امداد کرنا بھی برا، ہاں پھر قیامت میں یہ فرق ہوجائیگا کہ ان میں سے مومن مومنوں کے زمرے میں اٹھیں گے اور کافر کافروں کے ساتھ۔ [5] سُوَیق ساق کی تصغیر ہے جس کے معنے ہیں چھوٹی پنڈلی، پتلی پنڈلی یا کمزور پنڈلی یعنے بہت پست قد دبلا پتلا کمزور شخص حبشہ کے لشکر میں ہوگا جو مکہ معظمہ پر غالب آنے کے بعد کعبہ معظمہ ڈھا دیگا، یہ واقعہ قیامت کے قریب ہوگا جس کے بعد دنیا برباد ہوجائے گی اور قیامت آجائے گی کیونکہ دنیا کی آبادی کعبہ معظمہ سے وابستہ ہے جب تک یہ ہے دنیا قائم ہے یہ گرا اور برباد ہوا کہ دنیا گئی، ان دو واقعات میں رب کی قدرت کا اظہار ہے کہ وہ بڑا لشکر جس کا ذکر پہلے گذرا کعبہ کو تباہ

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ عَنْ یَعْلَی بْنِ اُمَیَّةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِحْتِکَارُ الطَّعَامِ فِی الْحَرَمِ اِلْحَادٌ فِیْہِ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِمَکَّةَ مَا اَطْیَبَکِ مِنْ بَلَدٍ وَّاَحَبَّکِ اِلَیَّ وَلَوْلَا اِنَّ قَوْمِیْ اَخْرَجُوْنِیْ مِنْکِ مَا سَکَنْتُ غَیْرَکِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ اِسْنَادًا۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَدِیِّ بْنِ حَمْرَاءَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاقِفًا عَلَی الْحَزْوَرَةِ فَقَالَ وَاللّٰہِ

دوسری فصل روایت ہے حضرت یعلٰے ابن امیہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرم شریف میں غلہ بند رکھنا وہاں بے دینی کرنے کی طرح ہے ۱؎ (ابوداؤد) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے فرمایا ۲؎ تو کیسا پاکیزہ شہر ہے اور تو مجھے کیسا پیارا ہے اگر میری قوم مجھے تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور بستی میں نہ رہتا ۳؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے حسن بھی ہے صحیح بھی غریب بھی روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عدی ابن حمرا سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مقام حزورہ پر کھڑے ہوئے دیکھا ۴؎ حضور فرماتے تھے اللہ کی قسم

نہ کر سکیگا خود تباہ ہو جائیگا اگر یہ کمزور، دبلا آدمی کعبہ کو برباد کریگا (اشعہ) ۶؎ بِہٖ کا متعلق فعل پوشیدہ ہے مُتَلَبِّسٌ یا مُتَّصِلٌ اَسْوَدَ، بِہٖ کی ضمیر کا حال ہے اَفْحَجُ وہ ناقص الخلقت انسان جسکی ٹانگیں چلنے میں چری رہیں جیسے رذوہ نکالتے وقت گانے باری کی ٹانگیں یعنے گویا وہ میرے پاس ہے اور میں اس کی یہ حرکت دیکھ رہا ہوں کہ وہ کعبہ ڈھا رہا ہے اور اس کا ایک ایک پتھر گرا رہا ہے اس کے گرانے کو، پتھروں کے گرنے کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، اور پتھر گرنے کی آواز کانوں سے سن رہا ہوں۔ (از اشعہ) معلوم ہوا کہ نگاہ نبی ہمارے خواب و خیال سے زیادہ قوی ہے کہ اگلے پچھلے واقعات ملاحظہ فرمالیتی ہے :

۱؎ احتکار کے معنے ہیں بوقت ضرورت انسان یا جانوروں کی خوراک کو روکنا تاکہ زیادہ قحط پڑنے پر فروخت کیا جائے، یہ حرکت ہر جگہ ہی جرم ہے کہ اس میں اللہ کی مخلوق کی ایذا رسانی ہے، مگر مکہ معظمہ میں ایسی حرکت بہت ہی سخت جرم ہے، وہاں احتکار کرنے والا ابوجہل وغیرہ کفار کی طرح ہے جنہوں نے مسلمانوں کا بائیکاٹ کرکے انہیں ستایا اور روزی اُن پر تنگ کی، مکہ معظمہ کا غلہ روکنا ایسا سخت جرم ہے جیسے وہاں رہ کر بے دینی کرنا، رب تعالٰے فرماتا ہے وَمَنْ یُّرِدْ فِیْہِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْہُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ جیسے مکہ معظمہ میں نیکیوں کا ثواب بہت زیادہ ہے ایسے ہی وہاں گناہ کرنے کا عذاب بھی بہت سخت ہے: سیدنا عبداللہ ابن عباس مکہ معظمہ نہ رہے بلکہ وہاں سے کچھ فاصلے پر طائف شریف میں رہے، وہاں ہی آپ کا مزار پُر انوار ہے، فقیر نے زیارت کی ہے۔ ۲؎ غالبًا یہ فرمان عالی ہجرت کی رات ہے جب حضور انور حضرت صدیق کو ہمراہ لے کر جانب مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور مکہ معظمہ سے باہر پہنچے تو حسرت بھری نگاہوں سے بستی مکہ معظمہ پر نگاہ کی اور یہ فرمایا: مرقات نے کہا کہ یہ کلام فتح مکہ کے دن وہاں سے واپسی کے وقت ہے، مگر پہلی بات زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم۔ ۳؎ جمہور علماء کے نزدیک، مکہ معظمہ شہر مدینہ منورہ سے افضل اور حضور کو زیادہ پیارا ہے، اُن کی دلیل یہ حدیث ہے، امام مالک کے ہاں مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے افضل ہے، وہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس میں پہلی حالت کا ذکر ہے، پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ زیادہ پیارا ہو گیا جیسا کہ اگلے باب میں آرہا ہے، فتوٰی یہی ہے کہ مکہ معظمہ مدینہ منورہ سے افضل ہے، مگر عشاق کی نگاہ میں مدینہ منورہ افضل کیونکہ وہ محبوب

إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ وَلَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْعَدَوِيِّ أَنَّهُ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِيْدٍ وَهُوَ يَبْعَثُ

تو اللہ کی ساری زمین میں بہترین زمین ہے اور اللہ کی تمام زمین میں خدا کو زیادہ پیاری ہے [۱] اگر میں تجھ سے نکالا نہ جاتا تو کبھی نہ نکلتا [۲] (ترمذی، ابن ماجہ) [۳] تیسری فصل روایت ہے حضرت ابو شریح عدوی سے [۴] انہوں نے عمرو ابن سعید سے فرمایا [۵] جبکہ وہ مکہ معظمہ

کی آرام گاہ ذرہ ہے [۳] حزورہ بروزن قسورہ حا کے فتح سے، واؤ کے جزم سے، اس کے معنی ہیں چھوٹا ٹیلہ، چونکہ یہاں پہلے کبھی ٹیلہ تھا اسلئے اس جگہ کا نام حزورہ ہوگیا، بعض نے فرمایا کہ قبیلہ جرہم کے بعد وکیع ابن سلمہ ابن زہیر ابن ایاد کعبہ معظمہ کا متولی ہوا اس نے یہاں ایک عمارت بنائی جس میں اپنی لونڈی حزورہ کو ٹھہرایا اس کے نام سے یہ جگہ حزورہ کہلائی، پھر یہاں مکہ معظمہ کا بازار رہا، اب وہاں مسجد حرام کا ایک دروازہ ہے جسے باب الوداع کہتے ہیں۔

[۱] علماء فرماتے ہیں کہ حاجی طواف وداع کرکے جب چلے تو کعبہ معظمہ کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھے اور کچھ کلمات وداعیہ بھی منہ سے نکالے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات حج وداع میں کعبہ معظمہ سے رخصت ہوتے وقت فرمائے اور باب الوداع سے نکلے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم اسی طرف سے روانہ ہوئے تھے، بلکہ اس وقت الٹے پاؤں کعبہ معظمہ کو دیکھتا ہوا روتا ہوا چلے کہ اگرچہ یہ عمل بدعت ہے مگر بدعت حسنہ ہے، اور سیدنا ابن مسعود مرفوعًا فرماتے ہیں کہ جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے (مرقات)۔ [۲] یہ حدیث بھی جمہور علماء کی دلیل ہے کہ مکہ معظمہ کی بستی مدینہ منورہ سے افضل ہے حضور انور کو بہت پیاری ہے، کیونکہ یہ فرمان ہجرت کے بہت عرصہ بعد ہے، خیال رہے کہ افضلیت میں یہ اختلاف بستیوں کے متعلق ہے، حضور کی قبر انور کا وہ حصہ جو جسم اطہر سے ملا ہے وہ مکہ معظمہ، کعبہ معظمہ بلکہ عرش معلے سے بھی افضل ہے (مرقات)۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ فرمان عالی عمرۂ قضاء میں ہے، جبکہ تین دن کے بعد کفار مکہ نے آپ سے مکہ معظمہ خالی کردینے کیلئے کہا، بعض نے فرمایا کہ یہ بھی ہجرت کی شب تھا، مگر یہ ضعیف ہے کہ اس وقت عبداللہ ابن عدی نے حضور کو کیونکر دیکھ لیا، بعض نے فرمایا کہ فتح مکہ کے دن ہے، مگر یہ بھی ضعیف ہے کیونکہ اس وقت اخراج نہ تھا واللہ اعلم (اشعہ)۔ [۳] یہ حدیث بہت کتابوں میں بہت اسنادوں سے مروی ہے، صحیح ہے اور بہت قوی ہے، طبرانی میں بسند ضعیف ہے کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ مکہ سے افضل ہے، بعض علماء نے فرمایا کہ حضور کی حیات شریفہ میں مدینہ منورہ بعد ہجرت افضل تھا، بعد وفات مکہ مکرمہ افضل (مرقاۃ)۔ **مسئلہ** مکہ مکرمہ کی ایک نیکی ایک لاکھ ہے اور ایک گناہ بھی ایک لاکھ ہے، مدینہ منورہ کی ایک نیکی پچاس ہزار ہے مگر ایک گناہ ایک ہی ہے، اس کی بھی شفاعت سے بخشش کی امید ہے، اسی لئے امام ابو حنیفہ و امام مالک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بیرونی آدمیوں کو مکہ معظمہ رہنے سے وہاں سے وطن لوٹ آنا افضل، وہاں جاتا آتا رہنا بہتر، دیکھو حضرت ابن عباس نے بجائے مکہ معظمہ مکرمہ کے طائف کو اپنا قیام گاہ قرار دیا، حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ارادۂ گناہ پر کہیں پکڑ نہیں سوائے مکہ مکرمہ کے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ الخ، ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ جو مکہ مکرمہ کا رمضان پائے پھر وہاں کے روزہ اور تراویح کی پابندی کرے تو ایک لاکھ رمضان کا ثواب پائیگا، اور ہر دن وہر رات ایک ایک غلام آزاد کرنے اور ایک ایک غازی کو میدان جنگ میں بھیجنے کا ثواب پائیگا، مدینہ منورہ میں رہنا اور مرنا بھی بہت برکت کا باعث ہے بشرطیکہ وہاں کا احترام کرسکے (مرقات)۔ [۴] آپ کا نام خویلد ابن عمرو کعبی عدوی خزاعی ہے کنیت ابو شریح، صحابی ہیں، فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے، ۶۸ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی، اپنی کنیت میں مشہور ہوئے (اکمال)۔ [۵] اور عمرو ابن سعید ابن عاص اموی قرشی اپنے چچا زاد بھائی عبدالملک ابن

الْبُعُوْثَ اِلٰی مَکَّۃَ اِئْذَنْ لِیْ اَیُّہَا الْاَمِیْرُ اُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْغَدَ مِنْ یَوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْہُ اُذُنَایَ وَوَعَاہُ قَلْبِیْ وَاَبْصَرَتْہُ عَیْنَایَ حِیْنَ تَکَلَّمَ بِہٖ حَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مَکَّۃَ حَرَّمَہَا اللّٰہُ وَلَمْ یُحَرِّمْہَا النَّاسُ فَلَا یَحِلُّ لِامْرِءٍ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَّسْفِكَ بِہَا دَمًا وَّلَا یَعْضُدَ بِہَا شَجَرَۃً فَاِنْ اَحَدٌ تَرَخَّصَ بِقِتَالِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْہَا فَقُوْلُوْا لَہٗ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَذِنَ لِرَسُوْلِہٖ وَلَمْ یَاْذَنْ لَکُمْ وَاِنَّمَا اُذِنَ لِیْ فِیْہَا سَاعَۃً مِّنْ نَّہَارٍ وَّقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُہَا الْیَوْمَ کَحُرْمَتِہَا بِالْاَمْسِ وَلْیُبَلِّغِ الشَّاہِدُ الْغَائِبَ فَقِیْلَ لِاَبِیْ

لشکر بھیج رہا تھا کہ اے امیر مجھے اجازت دے کہ میں تجھے وہ فرمان پاک سنادوں جسے کل فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا[1] جسے میرے کانوں نے سنا اور میرے دل نے محفوظ کیا اور حضور کو میری آنکھوں نے کلام کرتے وقت دیکھا[2] آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا کہ مکہ کو اللہ نے حرم بنایا ہے کسی انسان نے نہ بنایا[3] تو کسی بھی اس شخص کو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو یہ جائز نہیں کہ وہاں خون بہائے اور نہ وہاں کا درخت کاٹے[4] اگر کوئی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جہاد سے اجازت سمجھے تو اسے کہہ دو کہ اللہ تعالٰی نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دے دی تھی اور تم کو نہ دی[5] رب نے مجھے دن کی ایک گھڑی اجازت دی تھی اب آج اس کی حرمت کل کی طرح ہی لوٹ آئی[6] حاضرین غائبین کو پہنچا دیں۔ ابو شریح سے کہا گیا

ابن مروان کی طرف سے مدینہ منورہ کا حاکم تھا، پھر اسے عبدالملک نے سیدنا عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے پر مقرر کیا، حضرت ابن زبیر مکہ معظمہ و عراق وغیرہ کے سلطان برحق تھے راشد و مرتاۃ، اجب عمرو نے مکہ معظمہ پر چڑھائی کرنے کے لئے لشکر تیار کیا حضرت ابو شریح نے اُسے عظمت مکہ معظمہ کی طرف متوجہ فرمایا۔ [1] غد سے مراد یا تو فتح مکہ سے دوسرا دن ہے یعنی فتح کی کل یا مطلب یہ ہے کہ یہ کل کی بات ہے ابھی اسے کچھ عرصہ نہ گزرا تو نے ابھی سے اس پر عمل چھوڑ دیا تو آئندہ کیا بنے گا۔ [2] یعنی یہ واقعہ اور یہ حدیث میں کسی سے سُنی سُنائی نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ اسے میں نے خود اپنے کانوں سے سُنا ہے، اور دُور سے نہیں سُنا بلکہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم سے میں بہت قریب تھا، اور بغیر سمجھے نہیں سُنا بلکہ سمجھ کر سُنا، لہذا اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے حدیث بالکل صحیح ہے۔ [3] یعنی مکہ معظمہ کو حرم بنانے والا خود رب تعالٰی ہے کسی شخص نے اپنی رائے سے اسے حرم نہیں بنایا ہے تاکہ دوسرے آدمی کی رائے سے اسکی حرمت جاتی رہے، لہذا یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں، کہ وہاں یہ مطلب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حرم ہونے کی دعا کی رب نے اسے حرم بنا دیا وہاں اسناد مجازی ہے یہاں حقیقی۔ [4] اللہ تعالٰی اور قیامت پر ایمان رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ساری ایمانیات کا معتقد ہو دو کناروں کا ذکر فرمایا۔ تمام عقائد مراد لئے گئے، درخت سے مراد خود رَو درخت ہیں اپنے بوئے ہوئے درخت حرم شریف میں کاٹے جا سکتے ہیں، خون بہانے سے مراد اس کا خون بہانا ہے جو شرعًا واجب القتل ہو اور حرم شریف میں پناہ لے لے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، ورنہ حرم شریف میں جانور ذبح ہوتے ہیں، وہاں کے مجرم کو قتل کیا جا سکتا ہے محفوظ الدم شخص کا خون بہانا غیر حرم میں بھی حرام ہے لہذا حدیث واضح ہے۔ [5] یعنی فتح مکہ کے دن ہمارا مکہ معظمہ پر حملہ کرنا اور حملہ کے دوران میں حضرت خالد ابن ولید کی تلوار سے ستر انسانوں کا حرم شریف میں خون ہو جانا یہ ہماری خصوصیات سے ہے، اور خصوصیات میں پیروی نہیں ہوتی نہ وہ افعال

شُرَیْحٍ مَا قَالَ لَكَ عَمْرٌو قَالَ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ بِذٰلِكَ مِنْكَ يَا اَبَا شُرَيْحٍ اِنَّ الْحَرَمَ لَا يُعِيْذُ عَاصِيًا وَلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخُرْبَةٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي الْبُخَارِيِّ اَلْخُرْبَةُ الْخِيَانَةُ ٭ وَعَنْ عَيَّاشِ بْنِ اَبِيْ رَبِيْعَةَ الْمَخْزُوْمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ هٰذِهِ الْاُمَّةُ بِخَيْرٍ مَا عَظَّمُوْا هٰذِهِ الْحُرْمَةَ حَقَّ تَعْظِيْمِهَا فَاِذَا ضَيَّعُوْا ذٰلِكَ هَلَكُوْا رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ ٭ بَابُ حَرَمِ الْمَدِيْنَةِ حَرَسَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَا كَتَبْنَا عَنْ رَسُوْلِ

کہ تم سے عمرو نے کیا کہا۔ فرمایا وہ بولا اے ابوشریح میں تم سے یہ زیادہ جانتا ہوں کہ حرم شریف نہ تو مجرم کو پناہ دے سکتا ہے[۱] نہ خون کرکے بھاگے ہوئے کو[۲] نہ فساد کرکے بھاگے کو[۳] (مسلم، بخاری) اور بخاری میں ہے کہ حربہ خیانت ہے ٭ روایت ہے حضرت عیاش ابن ابو ربیعہ مخزومی سے[۴] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ امت بھلائی پر رہے گی۔ جب تک اس حرمت کا حق تعظیم احترام کریں جب اسے برباد کریں گے ہلاک ہو جائیں گے[۵] (ابن ماجہ) ٭ باب ٭ مدینہ منورہ کا حرم اللہ اسے محفوظ رکھے[۶] ٭ پہلی فصل ٭ روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ

و اعمال سنت کہلاتے ہیں ہمارے واسطے وہ قتال وقتی طور پر حلال تھا تمہارے لئے دائمی حرام ٭ [۶] کل سے مراد سارا گذشتہ زمانہ ہے یعنے جیسے حرم محترم کی حرمت تھی ایسے ہی آج ہے اور تاقیامت رہے گی ٭

[۱] اُسکا مقصد یہ تھا کہ عبدالملک خلیفہ برحق ہے اور حضرت عبداللہ ابن زبیر اُس کے باغی ہیں، مکہ معظمہ میں باغیوں کی سرکوبی کرنا جائز ہے میں اس فعل پر مجرم نہیں ٭ [۲] یعنے جو حرم کے باہر خون کرے اور حرم میں پناہ لے لے اُسے امن نہیں ہے بلکہ اُس پر روزی تنگ کی جائے، اگر وہ نکلے اور باہر پہنچنے پر قتل کر دیا جائے، اور اگر اُس مردود کا مقصد یہ ہے کہ ہر مجرم کا مجرم حرم میں قتل کیا جائیگا تو غلط ہے، وہ عمرو ابن سعید ظالم و فاسق بھی تھا اور زرا جاہل بھی لہذا یہ جملہ شوافع کی دلیل نہیں، جہلاء کے اقوال سے دلیل کیسی دمرتات ٭ [۳] خربہ، رخ کے پیش رکے جزم سے اس کے لغوی معنے ہیں اونٹ کی چوری اب اصطلاح میں مطلقاً فساد کو کہتے ہیں، اس کی مراد فساد ہے، جانی مالی فساد ہے ٭ [۴] آپ ابوجہل کے اخیافی بھائی ہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کرتے ہی ایمان لائے حضرت عمر کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئے، پھر حضرت عمر ہی کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کرکے آئے ابوجہل اور حارث ابن ہشام نے دھوکہ سے انہیں مکہ معظمہ بلا یا کہ تیری ماں تیرے لئے بیقرار ہے، اور وہاں آپ کو قید کر دیا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے قنوت نازلہ میں آپ کی رہائی کی دعا کی کہ الٰہی عیاش ابن ربیعہ کو نجات دے، آپ عہد فاروقی میں جنگ یرموک میں شہید ہوئے واکمال ٭ [۵] تجربہ سے بھی ثابت ہے کہ جس بادشاہ نے کعبہ معظمہ یا حرم شریف کی بے حرمتی کی ہلاک و برباد ہو گیا، یزید پلید کے زمانہ میں جب حرم شریف کی بے حرمتی ہوئی یزید ہلاک ہوا اُس کی سلطنت ختم ہو گئی ٭ [۶] تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حدود مدینہ منورہ کا ادب و احترام مکہ معظمہ کی حدود کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ مگر اختلاف اس میں کہ حرم مدینہ میں شکار کرنا حلال ہے یا حرام اگر حرام ہے تو اس کی جزا یعنے فدیہ یا کفارہ واجب ہے یا نہیں، ہمارے امام اعظم کے ہاں وہاں شکار بھی حلال ہے اور درخت وغیرہ کا کاٹنا بھی درست، کیونکہ ان چیزوں کی حلت تو قرآن کریم کی صریحی آیات سے ثابت ہے مگر حدود مدینہ میں ان کی حرمت کی نہ کوئی آیت ہے نہ حدیث قطعی بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت انس کے بھائی ابو عمیر نے مدینہ منورہ میں ایک چڑیا پالی تھی جو پنجرے میں رکھی تھی

اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا الْقُرْاٰنَ وَمَا فِیْ ھٰذِہِ الصَّحِیْفَۃِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمَدِیْنَۃُ حَرَامٌ مَّا بَیْنَ عَیْرٍ اِلٰی ثَوْرٍ فَمَنْ اَحْدَثَ فِیْھَا حَدَثًا اَوْ اٰوٰی مُحْدِثًا فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ لَا یُقْبَلُ مِنْہُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ ذِمَّۃُ الْمُسْلِمِیْنَ وَاحِدَۃٌ

صلی اللہ علیہ وسلم سوائے قرآن کے اور اس کے جو اس کتاب میں ہے کچھ اور نہ لکھا [1] فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مدینہ منورہ عیر سے ثور تک کے درمیان حرم ہے [2] تو جو اس میں کوئی بدعت ایجاد کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے [3] اس کے نہ فرائض قبول ہوں نہ نفل [4] مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے

اگر مدینہ منورہ میں شکار حرام ہوتا تو چڑیا کو پنجرے میں بند کرنا بھی حرام ہوتا، حرم مکہ میں شکار حرام ہوا اور کر لینے پر جزا واجب ہونا قرآن کریم سے بھی ثابت ہے۔ اور احادیث قطعیہ سے بھی، بعض آئمہ کے ہاں حرم مدینہ میں شکار حرام تو ہے مگر اس کی جزا واجب نہیں، بعض کے ہاں جزا بھی واجب ہے بعض کے نزدیک وہاں پرندوں کا شکار حلال ہے، چرندوں کا حرام، بہرحال مسئلہ اختلافی ہے اور اس بارے میں مذہب حنفی بہت قوی ہے۔

[1] حضرت علی کے زمانۂ خلافت میں رفض اور خروج کی جو ضعیف قائم ہوئیں چھپے منافق ان گروہوں کی شکل میں نمودار ہوئے، روافض نے مشہور کیا کہ حضرت علی کے پاس نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا خصوصی وصیت نامہ اور خلافت نامہ ہے جس میں لکھا ہے کہ آپ اسلام کے خلیفہ اول ہیں، لہذا گذشتہ خلافتیں باطل تھیں، اور یہ کہ آپ کے پاس کوئی خاص چھپا ہوا قرآن ہے اور وہی اصلی ہے، اس لئے بعض لوگ آپ سے اس کے متعلق سوال کرتے تھے اور جناب علی مرتضٰے یہ جواب دیتے تھے، بعض روافض کو آپ نے زندہ جلوا دیا جیسا کہ مشکوٰۃ کتاب الحدود میں آئیگا، مگر یہ دبی چنگاری سلگتی ہی رہی صحیفہ ایک کاغذ تھا جس میں کچھ شرعی احکام لکھے ہوئے تھے جو جناب علی کی تلوار کے پرتلہ میں رہتا تھا جو آپ لوگوں کو دکھایا بھی کرتے تھے اور سناتے بھی تھے، وہی واقعہ یہاں بیان ہو رہا ہے، آپ فرما رہے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی اور قرآن نہیں یہی قرآن ہے اور حضور انور کی کوئی خاص وصیت یا تحریر نہیں صرف یہ ورق ہے جس میں کچھ احکام لکھے ہوئے ہیں۔ [2] عیر و ثور کے متعلق شارحین کے بہت اقوال ہیں، حضرت شیخ نے اشعہ میں فرمایا کہ یہ دونوں پہاڑ ہیں، جو مدینہ منورہ کے کناروں پر واقع ہیں، بعض نے فرمایا کہ یہ دونوں پہاڑ مکہ معظمہ میں ہیں، ثور پہاڑ وہ ہے جس کے غار میں ہجرت کی رات حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم مع صدیق اکبر چھپے تھے اس لئے اُسے غار ثور کہتے ہیں، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جتنا فاصلہ مکہ کے دو پہاڑوں عیر و ثور کے درمیان ہے اتنا فاصلہ مدینہ منورہ کا حرم ہے، بعض نے فرمایا کہ عیر تو مدینہ منورہ میں ہے اور ثور مکہ معظمہ میں، بعض کے خیال میں ہے کہ عیر و ثور پہاڑ نہیں بلکہ اطراف مدینہ کے دو میدانوں کا نام ہے جنہیں حرتین کہتے ہیں، بعض روایات میں عیر و اُحد ہے راوی نے غلطی سے بجائے اُحد کے ثور کہا، بہرحال مدینہ منورہ کے حدود مراد ہیں۔ [3] یہ فرمان امام اعظم کی قوی دلیل ہیں کہ حدود مدینہ میں شکار حرام نہیں بلکہ یہ چیزیں حرام ہیں جو حضرت علی نے بیان فرمائیں یعنی یہاں بدعتیں ایجاد کرنا، بدعتیوں کو مدینہ میں جگہ دینا سخت گناہ ہے کہ اس میں مدینہ منورہ کی بے حرمتی بھی ہے اور دین میں فساد بھی، خیال رہے کہ بدعت و بدعتی سے عقیدہ کی بدعتیں و بدعتی مراد ہیں جیسے رفض و خروج، وہابیت وغیرہ نہ کہ عملی بدعتیں، کہ وہ تو کبھی فرض واجب بھی ہوتی ہیں، جیسے کتب حدیث کا جمع کرنا، یا قرآن کریم کے تیس پارے اور علم فقہ وغیرہ، اگرچہ ہر جگہ ہی بدعتیں بُری ہیں مگر مدینہ پاک میں زیادہ بُری۔ [4] صرف سے مراد فرائض ہیں یا شفاعت یا توبہ اور عدل سے مراد نوافل ہیں یا فدیہ گناہ کہ صرف کے معنے ہیں پھیرنا فرائض کی ادا یا شفاعت یا توبہ سے عذاب الٰہی پھر جاتا ہے، لوٹ جاتا ہے، عدل

يَسْعٰى بِهَا اَدْنَاهُمْ فَمَنْ اَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ وَّمَنْ وَالٰى قَوْمًا بِغَيْرِ اِذْنِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهُمَا مَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ اَوْ تَوَلّٰى غَيْرَ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ ‏۔ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ اُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِيْنَةِ اَنْ يُّقْطَعَ عِضَاهُهَا اَوْ يُقْتَلَ صَيْدُهَا وَقَالَ الْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا

کران کا ادنٰی آدمی بھی کوشش کرسکتا ہے ؎۱ جو کسی مسلمان کی عہد شکنی کرے اُس پر اللہ فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت ہے نہ اس کے فرض قبول نہ نفل ؎۲ جو اپنے دوستوں کی بغیر اجازت کسی قوم سے عقد دوستی باندھے اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے نہ اس کے فرض قبول ہوں نہ نفل ؎۳ (مسلم بخاری) انہی کی دوسری روایت میں یوں ہے کہ جو اپنے کو اپنے غیر باپ کی طرف منسوب کرے ؎۴ یا اپنے غیر مولاؤں سے ولاء کرے تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے نہ اس کے فرض قبول ہوں اور نہ نفل ؎۵ روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ میں مدینہ کے دو کناروں کے درمیان یہاں سے کانٹے کا ٹنا یا یہاں کا شکار قتل کرنا حرام کرتا ہوں ؎۶ فرمایا مدینہ مسلمانوں کے لیے بہتر ہے اگر وہ جانتے ہوتے

عدل کے معنے ہیں برابری، نفل کبھی فرض کی کمی پوری کرکے کامل فرض کے برابر کردیتے ہیں یا فدیہ اصل فوت شدہ کے برابر ہوتا ہے ؏ ؎۱ یعنے اگر معمولی درجے کا مسلمان کسی کافر کو امان یا ذمہ یا پناہ دیدے تو تمام مسلمانوں پر اُس کا پورا کرنا لازم ہے اُسے توڑنا حرام ہے اور باعث مذمت، سارے مسلمان ایک جسم کے اعضاء کی طرح ہیں کہ روح سب کی ایک ہے، کوشش کرنے سے مراد والی یا متولی یا ذمہ دار ہوتا ہے ؏ ؎۲ یعنے جو مسلمان دوسرے مسلمان کے ذمہ یا اُس کی دی ہوئی امان توڑے یا اُس کے کئے ہوئے وعدوں کے خلاف کرے اُس پر لعنت ہے ؏ ؎۳ ولاء دو قسم کی ہے ولاء موالات اور ولاء عتاقہ، ولاء موالات قوموں کے معاہدے کو کہتے ہیں کہ چند قومیں کسی معاہدے میں شریک ہوکر ایک دوسرے کے معاون و مددگار بن جائیں ان میں سے ہر ایک بغیر دوسرے ساتھیوں سے مشورہ کئے کسی اور قوم سے معاہدہ نہ کرے کہ اس میں عہد شکنی ہے جو حرام ہے یا یہ مطلب ہے کہ آزاد کردہ غلام اپنے آزاد کرنے والے مولیٰ کا عتاقہ ہے کہ اُسے اس غلام کی میراث کا حق پہنچتا ہے، یہ غلام دوسرے کو اپنا مولےٰ نہ بتائے جس کا معتق ہے اُسی کا رہے یا یہ مطلب ہے کہ کوئی مسلمان بھائی بھائی مسلمان کو ستانے کیلئے کافر سے دوستی نہ کرے ورنہ لعنت کا مستحق ہوگا خیال رہے کہ اس جملہ کی تین شرحیں ہیں، اس کلام سے معلوم ہوا کہ علم لکھ لینا سنت صحابہ ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ روافض کا یہ قول غلط محض ہے کہ حضور انور نے اہل بیت کو خلافت کی وصیت کی یا کوئی خاص قرآن دیا یا انہیں قرآن کے ایسے خاص اسرار لکھائے جو دوسروں سے چھپائے، نعوذ باللہ ؏ ؎۴ اس طرح کہ غیر باپ کو اپنا باپ بتائے کہ فلاں کا بیٹا ہوں یا اپنے کو غیر قوم کی طرف نسبت کرے، سید نہ ہو مگر کہے کہ میں سید ہوں، اس میں ماں کو گالی دینا ہے اور سخت لعنت و عذاب کا استحقاق ؎۵ اس فرمان عالی سے آج کل کے وہ لوگ عبرت پکڑیں جنہیں سید یا شیخ یا پٹھان بننے کا شوق ہے، اس بیماری میں بہت مسلمان گرفتار ہیں، رب تعالٰے اس مرض سے شفا بخشے ؏ ؎۶ یہ حدیث ان محدثین و فقہاء کی دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ حرم مدینہ کے حدود میں شکار کرنا خود رو درخت کا ٹنا حرام تو ہے مگر اس کی جزا واجب نہیں

يَعْلَمُوْنَ لَا يَدَعُهَا اَحَدٌ رَغْبَةً عَنْهَا اِلَّا اَبْدَلَ اللّٰهُ فِيْهَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ وَلَا يَثْبُتُ اَحَدٌ عَلٰى لَاْوَائِهَا وَجُهْدِهَا اِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا اَوْ شَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَصْبِرُ عَلٰى لَاْوَاءِ الْمَدِيْنَةِ وَشِدَّتِهَا اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِيْ اِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّاسُ اِذَا رَاَوْا اَوَّلَ الثَّمَرَةِ جَاءُوْا بِهٖ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا اَخَذَهٗ قَالَ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ ثَمَرِنَا وَبَارِكْ لَنَا

۱؎ ایسا کوئی نہیں جو مدینہ سے رغبتی کرتے ہوئے اسے چھوڑے مگر اللہ اس مدینہ میں اس کو اچھا بدلنے والا بسائیگا ۲؎ اور کوئی شخص مدینہ کی سختی اور بھوک پر صبر نہ کریگا مگر میں قیامت کے دن اس کا شفیع یا گواہ ہوں گا ۳؎ (مسلم) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا کوئی امتی مدینہ کی سختیوں اور تکلیف پر صبر نہ کرے گا مگر میں قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں گا ۴؎ (مسلم) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ لوگ جب پہلا پھل دیکھتے تو اسے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاتے تھے ۵؎ جب حضور اسے لیتے تو فرماتے الٰہی ہمارے پھلوں میں ہمارے

(اہم نوٹ) دیکھئے یا) کہ شکار کی حلت قرآنی آیات سے ثابت ہے لہذا اس کی حرمت اس جیسی ظنی حدیث سے ثابت نہیں ہوسکتی بلکہ دوسری احادیث اس کے خلاف ہیں: لابہ پتھریلی زمین کو کہتے ہیں، مدینہ منورہ کے آس پاس کی زمین پتھریلی ہے۔ عضاہ درخت خاردار کو۔ ۱؎ یعنی اگرچہ شام وغیرہ سرسبز ملکوں میں دنیاوی آرام زیادہ ہیں مگر جس مسلمان کو مدینہ پاک میں رہنا سہنا نصیب ہوجائے تو اس کی خوش نصیبی ہے وہ اسے تمام سرسبز ملکوں سے بہتر جانے۔ ۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ ہمیشہ آباد رہے گا کبھی ویران نہ ہوگا، اگر کوئی قوم یا جماعت اسے چھوڑ بھی جائے تو دوسری قوم اسے آباد کرے گی، یہاں رہنے والے بہت ہیں جو یہاں آباد ہونے کی آرزو کرتے ہیں، یہ خبر بالکل برحق ہے جس کا ثبوت مشاہدہ سے ہورہا ہے کتنے کنبے اور کتنی قومیں ہیں جو وہاں آباد ہوگئیں اور کتنے بیٹھے ہیں جن میں وہاں کی تڑپ ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے وان تتولوا یستبدل قومًا غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔ حق یہ ہے کہ یہ قانون قیامت تک کیلئے ہے۔ ۳؎ لاواء اور جہد یا ہم معنے ہیں یا قریب المعنے یعنی جو مدینہ منورہ کی غربت و بے کسی کی زندگی یہاں کی تکالیف وقحط و بھوک پر صبر کرکے حضور کے قدموں میں پڑا رہے گا انشاء اللہ اس کا خاتمہ بخیر ہوگا اور حضور انور اس کے گناہوں کی شفاعت نیکیوں کی گواہی دو فرمائیں گے یا حضور انور کے زمانہ میں مرنے والوں کی گواہی اور بعد میں وہاں مرنے والوں کی شفاعت کریں گے اگرچہ حضور اپنے ہر اُمتی کے گواہ بھی ہیں اور شفیع بھی، مگر مدینہ میں مرنے والوں کی شفاعت بھی خصوصی ہوگی اور گواہی بھی خصوصی: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان حرمین طیبین خصوصًا مدینہ منورہ میں رہنے مرنے کو رب تعالٰی کی اعلٰے نعمت جانے، اگر یہ مٹی وہاں کی پاک مٹی سے مل جائے تو اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتا ہے **شعر**

بس مری جاں مری مٹی ٹھکانے خوب لگ جاتی ✤ میسّر گر مجھے دو گز مدینہ کی زمیں ہوتی

۴؎ شفاعت خصوصی، حق یہ ہے کہ یہ وعدہ ساری اُمت کیلئے ہے کہ مدینہ میں مرنے والے حضور انور کی اس شفاعت کے مستحق ہیں **شعر**

طیبہ میں مرکے سیدھے چلے جاؤ آنکھیں بند ✤ سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

خیال رہے کہ حضور انور کی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں رہنا بہتر تھا اور ہجرت کے بعد فتح مکہ سے پہلے مکہ معظمہ میں رہنا مسلمان کو منع ہوگیا ہجرت واجب

فِیْ مَدِیْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِیْ صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِیْ مُدِّنَا اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ عَبْدُكَ وَخَلِیْلُكَ وَنَبِیُّكَ وَاِنِّیْ عَبْدُكَ وَنَبِیُّكَ وَاِنَّهٗ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَاَنَا اَدْعُوْكَ لِلْمَدِیْنَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَمِثْلِهٖ مَعَهٗ ثُمَّ قَالَ یَدْعُوْا اَصْغَرَ وَلِیْدٍ لَّهٗ فَیُعْطِیْهِ ذٰلِكَ الثَّمَرَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَجَعَلَهَا حَرَامًا وَاِنِّیْ

ہمیں برکت دے ہمارے مدینہ میں برکت دے [1] ہمارے صاع میں ہمارے مد میں ہمارے واسطے برکت دے [2] الٰہی ابراہیم تیرے بندے تیرے خلیل تیرے نبی ہیں اور میں تیرا بندہ تیرا نبی ہوں [3] انہوں نے مکہ کیلئے دعا کی [4] اور میں مدینہ کیلئے ویسی ہی دعا کرتا ہوں جیسی انہوں نے مکہ کے لیے دعا کی اور اتنی ہی اس کے ساتھ اور [5] فرمایا پھر کسی چھوٹے بچے کو بلاتے اسے یہ پھل عطا فرما دیتے [6] (مسلم) روایت ہے حضرت ابو سعید سے وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی، آپ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا [7] اسی کیلئے احرام بنایا [8] اور

ہو گئی اور فتح مکہ کے بعد وہاں رہنا تو جائز ہوا مگر مدینہ منورہ میں رہنا افضل قرار پایا کہ یہاں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم سے قرب ہے اسی لئے زیادہ تر فضائل مدینہ پاک میں رہنے کے آئے ہیں۔ [5] یعنے باغ والے اپنے باغ کا پہلا پھل (یونہی مدینہ والے جب بازار میں نیا پھل دیکھتے) تو حضور انور کی خدمت میں ہدیۃً لاتے تاکہ باغ میں اور گھروں میں برکت ہو بعض لوگ پہلے پھل پر فاتحہ دے کر بچوں میں تقسیم کرتے ہیں انکا ماخذ یہ حدیث ہے، فاتحہ میں ثواب کا نذرانہ ہوتا ہے اگر یہ کوئی میسر نہ ہوا تو ہدیۂ ثواب ہی کریں۔

[1] یعنے مدینہ کی آبادی میں بھی برکت رہے اور یہاں کے پھل فروٹ میں بھی حضور کی دعائیں قبول ہوئیں چنانچہ زمانہ فاروقی میں مدینہ میں چالیس ہزار سوار فوجی تھے، پیادے انکے علاوہ دوسری آبادی ان کے سوا اور وہاں کے پھلوں کی برکت تو مشہور ہی ہے (مرقات)۔ [2] صاع و مد سے مراد ان پیمانوں میں پلنے والے دانے ہیں جیسے گندم جو وغیرہ پھلوں کی برکت کی دعا پہلے گذر گئی اور غلہ کی برکت کی دعا یہ ہے، ہمارے لئے فرما کر یہ بتایا کہ یہ برکتیں مسلمانوں کیلئے ہوں۔ [3] حضور انور نے حضرت ابراہیم کے خلیل ہونے کا تو ذکر فرمایا مگر اپنے حبیب ہونے کا ذکر نہ فرمایا تواضع و انکسار کے لئے، خلیل وہ جو رب کی مانے، حبیب وہ کہ رب اس کی مانے، خلیل بیرونی دوست، حبیب اندرونی دوست، دوستوں سے ملاقات پردہ کے باہر ہوتی ہے، حبیب سے ملاقات پردہ کے اندر

تم تو مغز اور پوست اور ہیں باہر کے دوست ۔ تم ہو درونِ سرا تم پہ کروڑوں درود

نبی و رسول کبھی ہم معنے ہوتے ہیں اور کبھی نبی رسول سے عام، نبوت میں رب تعالٰے سے فیض لیتا ہے، اور رسالت میں دوسروں کو فیض دیتا ہے، حق یہ ہے۔ نبوت سے رسالت افضل ہے، رسول تین سو تیرہ ہیں، نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش، نبی کی ولایت اُن کی نبوت سے بعض کے نزدیک افضل ہے بعض کے ہاں برعکس (مرقات)۔ [4] جناب خلیل نے مکہ معظمہ کے لئے دعا کی تھی فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْۤ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ خدایا لوگوں کے دل مکہ معظمہ کی طرف مائل فرما دے اور یہاں کے باشندوں کو پھل دے۔ [5] اور سے مراد صرف دوگنی نہیں بلکہ کئی گنی، یعنے مدینہ کی طرف لوگوں کے دل خوب مائل کر دے اور یہاں بہت پھل فروٹ پیدا فرما، برکتیں دے، اس دعا شریف کا اثر آج بھی دیکھا جا رہا ہے کہ مکہ معظمہ سے زیادہ مدینہ پاک کی طرف لوگوں کا میلانِ قلبی ہے، مدینہ کی تعریف میں ہزارہا قصیدے لکھے گئے، وہاں کا سا پانی، کھانا، پھل اور جگہ دیکھے نہ گئے۔

[6] اس حدیث سے پہلے پھل پر پھل سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا بچوں میں تقسیم کرنا سب کچھ ثابت ہے کہ حضور انور پھل سامنے رکھ کر یا ہاتھ میں لے کر یہ دعا پڑھتے تھے، فاتحہ میں کھانا، پھل سامنے ہوتے ہیں، ایصالِ ثواب اور دعائیہ کلمات کہے جاتے ہیں، حضور انور نے بچے کو یہ پھل دیئے اب بھی بچوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔

حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ حَرَامًا مَا بَيْنَ مَازِمَيْهَا اَنْ لَّا يُهْرَاقَ فِيْهَا دَمٌ وَلَا يُحْمَلَ فِيْهَا سِلَاحٌ لِقِتَالٍ وَلَا تُخْبَطَ فِيْهَا شَجَرَةٌ اِلَّا لِعَلْفٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ سَعْدًا رَكِبَ اِلٰى قَصْرِهٖ بِالْعَقِيْقِ فَوَجَدَ عَبْدًا يَقْطَعُ شَجَرًا اَوْ يَخْبِطُهٗ فَسَلَبَهٗ فَلَمَّا رَجَعَ سَعْدٌ جَآءَهٗ اَهْلُ

میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں ۱؎ اس کے گوشوں کے درمیان کو ۲؎ کہ اس میں نہ خون بہایا جائے نہ اس میں جنگ کیلئے ہتھیار اٹھایا جائے ۳؎ نہ بجز چارے کے یہاں کا درخت کاٹا جائے ۴؎ (مسلم) روایت ہے حضرت عامر ابن سعید سے کہ جناب سعد اپنے ڈیرے کی طرف سوار ہوئے جو عقیق میں تھا تو ایک غلام کو درخت کاٹتے یا پتے جھاڑتے دیکھا ۵؎ تو اس کے کپڑے چھین لیے جب حضرت سعد لوٹے تو ان کے پاس

۴؎ اس طرح کہ آپ نے مکہ معظمہ کو حرم بنانے کی رب سے دعا کی، اور رب نے آپ کی دعا سے حرم بنایا چونکہ آپ کی دعا حرم بننے کا سبب ہوئی اس لئے گویا انہوں نے ہی حرم بنایا، لہٰذا یہ حدیث اس گذشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالٰی نے خود ہی اسے حرم بنایا جبکہ آسمان و زمین پیدا فرمائے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے اس کے وہ احکام جاری ہوئے جو آج بھی باقی ہیں یعنی یہاں کے شکار کر لینے پر قیمت کا فدیہ واجب ہونا، باقی اس بقعہ پاک کا احترام، وہ تو ابتداء خلق سے ہورہا ہے، اس لئے اس کے حرم بنانے کی نسبت حضرت خلیل کی طرف درست ہے۔
۵؎ یعنی مکہ معظمہ میں احرام باندھ کر آنا، بغیر احرام داخلہ منع ہونا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے آپکی دعا سے ہوا اس جملہ نے حرم بنانے کے معنے واضح کردیئے
۱؎ یعنی اس زمین مدینہ کو تا قیامت محترم و معظم قرار دیتا ہوں، حضرت خلیل اور حبیب کے حرم بنانے میں بہت طرح فرق ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ جناب خلیل نے اس زمین مکہ کو حرم بنایا جو بعض وجوہ سے پہلے بھی حرم تھی، اور لوگوں سے جو عظمت اس کی گم ہوگئی تھی وہ ظاہر فرمائی، مگر حضور انور نے اس زمین مدینہ کو حرم بنایا جو پہلے سے معظم نہ تھی بلکہ لوگ اس سے گھبراتے تھے کہ یہ جگہ وباؤں کی تھی حتٰی کہ اس کا نام بھی یثرب تھا یعنی بلاؤں کا گھر۔
۲؎ مازم دو پہاڑوں کے درمیانی تنگ راستہ کو کہتے ہیں جو کبھی بالکل مل جائے اور کہیں وسیع ہو جائے، اس سے مراد اطراف مدینہ ہیں (مرقات)۔
۳؎ لَا يُحْمَلُ الخ خون نہ بہانے کی تفسیر ہے یعنی مدینہ کی حدود میں مسلمان لڑیں بھڑیں نہیں جس سے خون خرابہ ہو کہ اگرچہ یہ حرکت ہر جگہ بری ہے مگر مدینہ میں زیادہ بری، کسی امام کے ہاں اسکے یہ معنے نہیں کہ اگر مستحق قتل مجرم زمین مدینہ میں پناہ لے لے تو اس سے قصاص نہ لیا جائے، یہ صرف مکہ معظمہ کی شان ہے کہ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۴؎ یہ جملہ امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے کہ حرم مدینہ میں درخت کاٹنا درست ہے کہ یہاں چارے کے لئے کاٹنے کی اجازت دی، اگر درخت کاٹنا حرام ہوتے تو چارے کے لئے بھی نہ کاٹے جاتے جیسا کہ مکہ معظمہ کے حرم میں ہے، رہا وہاں کے شکار کا حرام ہونا تو چڑیوں و دیگر پرندوں کے شکار کے جواز پر قریبًا سب ہی کا اتفاق ہے، چرندے کے شکار کو اکثر و جمہور صحابہ درست مانتے ہیں، بعض نے منع فرمایا، مگر اس شکار کی بھی قیمت خیرات کرنا کسی کے ہاں واجب نہیں اور نہ کسی حدیث سے اس کا وجوب ثابت ہے، غرضکہ حرم مکہ بمعنے تحریم ہے اور حرم مدینہ بمعنے احترام، مدینہ منورہ کا احترام مکہ معظمہ سے بھی زیادہ ہے، بخیال رہے کہ حرم مدینہ کو حرم مکہ سے تشبیہ دینا بعض وجوہ یعنی احترام و تعظیم کے لحاظ سے ہے نہ کہ تمام وجوہ سے جیسے رب تعالٰی کا فرمان اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ مدینہ منورہ دار الہجرۃ ہے یہاں لوگ کثرت سے حاضر ہوں گے لہٰذا یہاں سے درخت وغیرہ نہ کاٹو تاکہ یہاں کی زینت نہ جاتی رہے، آج دیگر سرکاری جگہ میں پھول توڑنا درخت کاٹنا منع ہوتا ہے، کیوں؟ بقاء زینت کے لئے، یہ حکم بھی ایسے ہی ہے، کہ چارے کیلئے کاٹ لو، بلا ضرورت نہ کاٹو۔ ۵؎ عقیق مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے ذوالحلیفہ کے راستہ میں،

أَعْبُدٍ فَكَلَّمُوهُ أَنْ يَرُدَّ عَلٰى غُلَامِهِمْ أَوْ عَلَيْهِمْ مَا أَخَذَ مِنْ غُلَامِهِمْ فَقَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ أَنْ أَرُدَّ شَيْئًا نَفَّلَنِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبٰى أَنْ يَرُدَّ عَلَيْهِمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وُعِكَ أَبُوْ بَكْرٍ وَبِلَالٌ فَجِئْتُ رَسُوْلَ

غلام والے لوگ آئے اور عرض کیا کہ انکے غلام کو یا اُن کو وہ سامان واپس کردیں جو ان کے غلام سے لیا ہے [1] تو آپ نے فرمایا معاذ اللہ کہ میں وہ چیز واپس کروں جو مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے غنیمۃً عطا فرمائی ہے اور واپس کرنے سے انکار کردیا[2] (مسلم) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر و بلال کو بخار آگیا [3] میں رسول اللہ

چونکہ یہ جگہ حرم مدینہ میں داخل ہے اس لئے یہ واقعہ در پیش ہوا شک راوی کو ہے کہ یہ غلام اپنے جانوروں کیلئے یا تو خود رو چھوٹے درخت کاٹ رہا تھا یا کسی بڑے جنگلی درخت کے پتے جھاڑ رہا تھا۔

[2] معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا مذہب یہی ہے کہ حرم مدینہ کے درخت کاٹنے یا پتے جھاڑنے پر ضمان نہیں ہے، حضرت سعد ابن ابی وقاص نے جو اُس غلام کے کپڑے اور سامان چھین لیا ہے وہ یا تو سیاستۃً ہے یا انہوں نے اس حدیث کا مطلب سمجھا نہیں جس میں سامان چھین لینے کا حکم ہے، ورنہ یہ حضرات حضرت سعد ابن ابی وقاص سے سامان واپس نہ مانگتے، بلکہ اُن کی تائید کرتے کہ احکام شرعیہ پر عمل ضروری ہے اس کے خلاف کا مشورہ دینا گناہ ہے، یہ واپسی کا مطالبہ قابل غور ہے۔ [3] یعنی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم کسی کو حرم مدینہ کے درخت یا پتے کاٹتے دیکھو تو بطور غنیمت سامان چھین لو دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو اُس سامان کی قیمت دے دوں مگر سامان نہ دوں گا، یہ حدیث تمام ائمہ کے ہاں واجب التاویل ہے کسی کا اس پر عمل نہیں، کیونکہ یہ کوئی نہیں کہتا کہ درخت کاٹنے والے کا سامان کپڑے وغیرہ چھین لو حرم مکہ میں بھی شکار یا درخت کی قیمت خیرات کرنا ہوتی ہے کوئی شکاری کا سامان چھین نہیں سکتا، لہٰذا یہی کہا جاسکتا ہے کہ سرکار عالی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ اُس کے کپڑے چھین لو تشدیدًا ہے جیسے فرمایا گیا کہ جو نمازی کے آگے سے گزرنے لگے اُس سے جنگ کرو یا نوحہ کرنے والی عورتوں کے منہ میں خاک ڈال دو یا جو کسی کی تعریف اُس کے سامنے کرے تو اس کے منہ میں خاک جھونک دو، یہ احادیث اپنے ظاہری معنے پر نہیں، ایسے ہی یہاں سامان چھیننے کے ظاہری معنے مراد نہیں، بلکہ مراد ہے سختی سے منع کردینا حضرت سعد کا یہ اجتہادی حکم ہے کافر حربی کا مال غنیمت ہوتا ہے ذمی کافر کا مال بھی غنیمت نہیں ہوتا چہ جائیکہ مسلمان کا، خیال رہے کہ امام مالک و شافعی کے ہاں مدینے کے شکار اور درخت کا احترام تو ہیں مگر ان کی جزاء واجب نہیں، بعض ائمہ کے ہاں جزاء یعنے قیمت خیرات کرنا واجب ہے، ہمارے ہاں نہ جزاء ہے نہ یہ کام حرام مکروہ ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، حضرت ابن مسعود و ابن عمر، عائشہ صدیقہ کا یہی مذہب ہے، خود نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت وہاں کی کھجوریں وغیرہ کاٹ دیں، مشرکین کی قبریں اکھیڑ دیں اور وہاں مسجد بنادی حضرت ابن مسعود اور ابن زبالہ نے فرمایا کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسلمہ سے فرمایا تھا کہ اگر تم عقیق میں شکار کھیلو تو ہم تمہاری امداد کریں جیسا کہ ابن ابی شیبہ، طبرانی، منذری نے باسناد حسن روایت کی، نیز طبرانی میں حضرت انس سے مرفوعًا منقول ہے کہ حضور انور نے فرمایا جب تم اُحد پہاڑ پر جاؤ تو وہاں کے درخت یا کچھ گھاس کھالو اور کھانا بغیر اکھیڑے یا کاٹے ناممکن ہے دیکھو مرقات وغیرہ۔ [3] اور یہ دونوں حضرات بخار کی شدت میں مکہ معظمہ کو بہت یاد کرتے تھے چنانچہ حضرت بلال یہ شعر پڑھا کرتے تھے شعر

اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُہٗ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْمَدِیْنَۃَ کَحُبِّنَا مَکَّۃَ اَوْ اَشَدَّ وَ صَحِّحْھَا وَبَارِکْ لَنَا فِیْ صَاعِھَا وَمُدِّھَا وَانْقُلْ حُمَّاھَا فَاجْعَلْھَا بِالْجُحْفَۃِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَ عَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ عُمَرَ فِیْ رُؤْیَا النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَدِیْنَۃِ رَاَیْتُ امْرَاَۃً سَوْدَاءَ ثَائِرَۃَ الرَّاْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِیْنَۃِ حَتّٰی نَزَلَتْ مَھْیَعَۃَ فَتَاَوَّلْتُھَا اَنَّ وَبَاءَ الْمَدِیْنَۃِ نُقِلَ اِلٰی مَھْیَعَۃَ وَھِیَ الْجُحْفَۃُ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ ۔ وَعَنْ سُفْیَانَ ابْنِ اَبِیْ زُھَیْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ یُفْتَحُ الْیَمَنُ فَیَاْتِیْ قَوْمٌ یَبُسُّوْنَ فَیَتَحَمَّلُوْنَ بِاَھْلِیْھِمْ وَمَنْ

صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی میں نے حضور انور کو یہ خبر دی تو فرمایا الٰہی مدینہ ہمیں ایسا پیارا کر دے جیسے کہ پیارا تھا یا اس سے بھی زیادہ اور اسے صحت بخش بنا دے اور اس کے صاع و مد میں ہمیں برکت دے اور یہاں کے بخار کو منتقل کر کے جحفہ میں بھیج دے [1] (مسلم، بخاری) روایت حضرت عبداللہ ابن عمر سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خواب کے متعلق جو مدینہ کے بارے میں دیکھی [2] فرمایا میں نے ایک کالی بال بکھیرے عورت دیکھی کہ مدینہ سے نکلی حتی کہ مہیعہ میں اتر گئی [3] ہم نے اس کی تعبیر یہ کی کہ مدینہ منورہ کی وبا مہیعہ کی طرف منتقل ہو گئی۔ مہیعہ جحفہ کا نام ہے [4] (بخاری) روایت ہے حضرت سفیان ابن ابی زہیر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عنقریب یمن فتح ہوگا تو ایک قوم دوڑتی ہوئی خوشی خوشی آئے گی [5] اور اپنے بال بچوں اور

اَلَا لَیْتَ شِعْرِیْ ھَلْ اَبِیْتَنَّ لَیْلَۃً بِوَادٍ وَّ عِنْدِیْ اِذْخِرٌ وَجَلِیْلُ
وَھَلْ اَرِدَنْ یَوْمًا مِیَاہَ مُجَنَّۃٍ ۔ وَھَلْ یَبْدُوَنْ لِیْ شَامَۃٌ وَطَفِیْلُ

غرضیکہ مکی آب و ہوا اور شیریں پانی حتی کہ وہاں کے گھاس و پہاڑ بھی یاد ہوتے تھے۔

[1] حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ تمام دعائیں قبول ہوئیں چنانچہ آج بھی ہر مسلمان کو بمقابلہ مکہ مکرمہ کے مدینہ منورہ زیادہ پیارا ہے، اور مدینہ پاک کی آب و ہوا بہت ہی صحت بخش ہے حتی کہ وہاں کی خاک، خاک شفا کہلاتی ہے، وہاں کی روزی میں بڑی برکت ہے۔ جحفہ حرمین طیبین کے درمیان چھوٹی سی بستی ہے جہاں اس زمانہ میں یہود آباد تھے، اب بھی وہاں کی آب و ہوا نہایت خراب ہے کہ اگر پرندہ وہاں سے گزر جائے تو بیمار پڑ جاتا ہے (لمعات) یہ حدیث امام مالک کی دلیل ہے کہ مدینہ منورہ افضل ہے۔ [2] یعنے حضرت ابن عمر نے حضور کی خواب کا ایک بڑا واقعہ بیان کیا جس میں الفاظ یہ بھی ہیں جو یہاں منقول ہیں۔ [3] مہیعہ کے معنے ہیں وسیع زمین یا فراخ بستی جب سیلابوں نے اس بستی کو برباد کر دیا تو اس کا نام جحفہ ہو گیا، یعنے کٹی ہوئی زمین (مرقات) غالبًا یہ خواب اس دعا شریف کے بعد دیکھی ہوگی جو پہلے گزری۔ [4] یہاں وبا سے مراد طاعون، ہیضہ وغیرہ وبائی بیماریاں نہیں بلکہ خرابی آب و ہوا کی بنا پر عام بیماریاں مراد ہیں لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جہاں وبا ہو وہاں جانا منع ہے، پھر حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ کیوں تشریف لائے۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اب جحفہ کا یہ حال ہے کہ وہاں ایک مقام غدیر خم ہے وہاں کوئی شخص بلوغ تک زندہ نہیں رہتا، اس سے پہلے ہی بہ... ں کا شکار ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے لہذا اب وہ جگہ ویران ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جیسے کفار کی بستیوں پر بسا اوقات دعا؟ اندازی کر سکتے ہیں،

اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وَيُفْتَحُ الشَّامُ فَيَاْتِيْ قَوْمٌ يَبُسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِيْهِمْ وَمَنْ اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وَيُفْتَحُ الْعِرَاقُ فَيَاْتِيْ قَوْمٌ يَبُسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِيْهِمْ وَمَنْ اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَاْكُلُ الْقُرٰى

اپنے خدام کو وہاں سے جائے گی حالانکہ اگر وہ سمجھتے تو مدینہ ان کے بہتر تھا اور شام فتح ہوگا تو ایک قوم خوشی خوشی دوڑتی آئے گی تو گھر والوں اور خدام کو وہاں سے جائے گی حالانکہ ان کے لیئے مدینہ اچھا تھا اگر وہ جانتے اور عراق فتح ہوگا تو ایک قوم خوشی، خوشی دوڑتی آئے گی اور اپنے بال بچوں اور خادموں کو لے جائے گی حالانکہ مدینہ ان کیلئے بہتر تھا اگر جانتے (مسلم بخاری)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایسی بستی کا حکم دیا گیا جو تمام بستیوں کو کھا جائیگی

ایسے ہی وہاں کے لئے بیماری کی بددعا بھی کر سکتے ہیں، لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور انور نے اپنے مدینہ کی وبا دوسروں پر کیوں منتقل فرمادی۔

۵ یَبُسُّوْنَ بَسٌّ سے بنا بمعنے نرم رفتار، رب تعالٰے فرماتا ہے وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا، یعنی فتح یمن کے بعد بعض مدینہ والے وہاں جاکر وہاں کے عیش و آرام دیکھیں گے تو خراماں خراماں خوش خوش مدینہ آئیں گے اور اپنے بال بچوں کو یمن لے جائیں گے، مدینہ منورہ کی رہائش چھوڑ کر یمن کی بود و باش اختیار کرلیں گے بعض شارحین نے اس جملہ کے یہ معنے کئے کہ فتح یمن کے بعد بعض یمنی لوگ اپنے بال بچے مدینہ منورہ لے آئیں گے اور مدینہ کی بود و باش اختیار کرلیں گے مگر یہ معنے بعید ہیں اگلا مضمون اس کے موافق نہیں الا بالتاویل البعید (از مرقات)

۱ ظاہر یہ ہے کہ لو تمنا کا ہے یعنی کاش یہ چلے جانے والے لوگ یہ جان لیتے کہ دوسرے شہروں سے مدینہ منورہ اُن کے لئے بہتر ہے کہ یہاں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا قرب ہے، مسجد نبوی شریف میں نماز میسر ہے، یہ سرزمین جائے نزول وحی ہے، یہاں دین و دنیا کی بھلائیاں ہیں ۲ خیال رہے، کہ عراق عہد صدیقی میں فتح ہوا اور شام خلافت فاروقی میں، لہٰذا یہاں ذکر کی ترتیب واقعہ کی ترتیب کے موافق نہیں ہے۔ ۳ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یمن، شام، عراق غرضکہ تمام ملکوں سے مدینہ منورہ بہتر اور افضل ہے اگرچہ شام میں ہزارہا انبیاء کرام کے مزارات ہیں، وہاں بیت المقدس ہے اور مدینہ منورہ میں صرف حضور انور آرام فرما ہیں مگر مدینہ ہی افضل ہے کہ سارے تارے شام میں ہیں اور سورج مدینہ میں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس جملہ کے معنے یہ کرتے ہیں کہ تمام جگہ سے بہتر مدینہ ہے اس میں مکہ معظمہ بھی داخل ہے، اسی بنا پر وہ فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ افضل ہے (مرقات) خیال رہے کہ تمام اماموں کے ہاں مدینہ میں رہنا افضل ہے، مکہ میں رہنے سے بھی کسی حدیث میں مکہ معظمہ کے رہنے پر اتنا زور نہیں دیا گیا جتنا مدینہ پاک میں رہنے پر دیا گیا ہے، مکہ معظمہ کا افضل ہونا اور ہے اور وہاں رہنے بسنے کا افضل ہونا کچھ اور، ہم اس کے متعلق پہلے عرض کرچکے ہیں کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے طائف شریف کا قیام اختیار فرمایا **شعر**

میرا دلدار مدینہ میں ہے ؛ میں ہوں یہاں یار مدینہ میں ہے ؛ خلد کا مختار مدینہ میں ہے ؛ دید کا بازار مدینہ میں ہے

۴ غالبًا یہ ارشاد گرامی ہجرت سے پہلے ہوا کہ مجھے ہجرت کرکے وہاں جانے کا حکم دیا ہے، ہوسکتا ہے کہ بعد ہجرت کا یہ فرمان ہو یعنی مجھے رب تعالٰے نے اسی مدینہ کی بستی میں رہنے کا حکم دیا ہے، کھا جانے کے معنے یہ ہیں کہ یہاں کے لوگ تمام ملکوں کو فتح کریں گے اور اُن کے مال و خزانے مدینہ

يَقُوْلُوْنَ يَثْرِبَ وَهِيَ الْمَدِيْنَةُ تَنْفِي النَّاسَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خُبْثَ الْحَدِيْدِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ
وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ اللهَ
سَمّٰى الْمَدِيْنَةَ طَابَةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُوْلَ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَصَابَ الْأَعْرَابِيَّ وَعْكٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لوگ اسے یثرب کہیں گے حالانکہ وہ مدینہ ہے [1] لوگوں کو ایسے صاف کرے گی جیسے بھٹی لوہے کے میل کو [2] (مسلم بخاری)
روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰے نے مدینہ کا نام طابہ
رکھا ہے [3] (مسلم) روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے کہ ایک بدوی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم سے بیعت کی [4] پھر اسے مدینہ منورہ میں بخار آگیا [5] تو وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا

میں پہنچ جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شام، فارس اور روم کے خزانے مدینہ پہنچے یا یہاں کے باشندے پہلے بھی دوسروں پر غالب آتے رہے ہیں چنانچہ پہلے مدینہ منورہ میں قوم عمالقہ رہی تو وہ بہت ملکوں پر غالب آگئی، پھر یہاں یہود آباد ہوئے، تو وہ عمالقہ پر غالب آئے، پھر مہاجرین مومن یہاں رہے وہ تمام روئے زمین پر غالب آگئے۔

[1] مدینہ منورہ کے نام سو سے بھی زیادہ ہیں، طیبہ، طابہ، بطحٰے، مدینہ، البطح وغیرہ، ہجرت سے پہلے لوگ اسے یثرب کہتے تھے یا تو اسلئے کہ یہاں قوم عمالقہ کا جو پہلا آدمی آیا اُس کا نام یثرب تھا یا یہ لفظ ثرب سے مشتق ہے بمعنے سرزنش، سزا، مصیبت، وبلا، رب تعالٰے فرماتا ہے لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اب اسے یثرب کہنا سخت منع ہے، قرآن کریم میں جو اسے یثرب کہا گیا ہے یٰاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ وہ قول منافقین ہے؛ امام احمد فرماتے ہیں کہ جو مدینہ منورہ کو یثرب کہے وہ توبہ کرے، بخاری نے اپنی تاریخ میں فرمایا کہ جو ایکبار اسے یثرب کہے وہ بطور کفارہ دس بار اسے مدینہ کہے؛ مدینہ کے معنے ہیں اجتماع کی جگہ، مدن سے مشتق ہے بمعنے اجتماع، اسی سے بنے تمدن و مدنیت، شہر کو مدینہ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہاں ہر قسم کے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے، کسی شاعر نے مدینہ کے عجیب معنے یہ بیان کئے

معجزۂ شق القمر کا ہے مدینہ سے عیاں ؛ مہ نے شق کر لیا ہے دین کو آغوش میں

[2] یہ زمین مدینہ کی تاثیر ہے کہ اُس نے وہاں سے مشرکین و کفار کو یا تو مومن بنا دیا اور یا وہاں سے نکال دیا، چنانچہ اوس و خزرج تو مومن ہوگئے بنی قریظہ ہلاک اور بنی نضیر وہاں سے جلا وطن کر دیئے گئے؛ صوفیا فرماتے ہیں کہ اگر کوئی خبیث وہاں مر کر دفن بھی ہو جائے، تو فرشتے وہاں سے اُس کی نعش کسی دوسری جگہ منتقل کر دیتے ہیں، اور اگر کوئی وہاں کا عاشق دوسری جگہ دفن ہو جائے تو اُس کی نعش مدینہ منورہ پہنچا دیتے ہیں، غرضیکہ زمین مدینہ بھی بھٹی ہے۔

[3] یعنے لوح محفوظ میں مدینہ منورہ کا نام طابہ یا طیبہ ہے یا رب تعالٰے نے اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اس کا نام طابہ رکھیں، اس کے معنے ہیں پاک وصاف اور خوشبو دار جگہ، اسے رب تعالٰے نے کفر و شرک سے پاک کیا، یہاں کے باشندوں کو بدخلقی وغیرہ سے صاف فرمایا جیسا کہ آج بھی مشاہدہ ہے کہ مدینہ منورہ کے باشندے اخلاق و عادات اور نرمیٔ طبیعت میں بہت اعلٰے ہیں، نیز زمین مدینہ بلکہ در و دیوار میں ایک خاص مہک ہے وہاں کے خس و خاشاک اگرچہ گلی کوچوں میں جمع رہیں مگر بدبو نہیں دیتے، وہاں کی مٹی میں قدرتی خوشبو ہے مگر محسوس اُسے ہو جس کے دماغ میں کفر و نفاق کا نزلہ زکام نہ ہو۔

[4] یعنے ایک دیہاتی آدمی ایمان لایا، پھر اُس نے ہجرت پر حضور انور سے بیعت کی کہ میں اپنے وطن میں جو دارالکفر ہے قیام نہ رکھوں گا بلکہ مدینہ منورہ آپ کے قدموں میں آن بسونگا۔ [5] وہ بے وقوف سمجھا کہ مدینہ کی آب و ہوا مجھے موافق نہیں اور یہ بیعت مجھے راس نہ آئی جس سے میں بیمار ہو گیا اسلئے اُس نے اگلا کلام عرض کیا۔

فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اَقِلْنِیْ بَیْعَتِیْ فَاَبٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ جَآءَہٗ فَقَالَ اَقِلْنِیْ بَیْعَتِیْ فَاَبٰی ثُمَّ جَآءَہٗ فَقَالَ اَقِلْنِیْ بَیْعَتِیْ فَاَبٰی فَخَرَجَ الْاَعْرَابِیُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْمَدِیْنَۃُ کَالْکِیْرِ تَنْفِیْ خَبَثَہَا وَیَنْصَعُ طَیِّبُہَا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی تَنْفِیَ الْمَدِیْنَۃُ شِرَارَھَا کَمَا یَنْفِی الْکِیْرُ خَبَثَ الْحَدِیْدِ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

عرض کیا یا محمد میری بیعت فسخ فرمادیجئے [۱] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا [۲] وہ پھر حاضر ہوا بولا میری بیعت فسخ کردیجئے [۳] حضور نے انکار کیا وہ پھر آیا بولا میری بیعت فسخ فرمادیجئے حضور نے انکار کیا وہ بدوی آخر چلا گیا [۴] تب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ بھٹی کی طرح ہے جو لوہے کے میل کو دور کردیتی ہے اور اچھے کو خالص کرلیتی ہے [۵] (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ مدینہ منورہ برے لوگوں کو یوں نکال دے گا جیسے بھٹی لوہے کا میل نکال دیتی ہے [۶] (مسلم) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[۱] اور مجھے اجازت دیجئے کہ اسلام سے پھر جاؤں یا اپنی ہجرت توڑ کر اپنے وطن چلا جاؤں۔ [۲] کیونکہ پہلی صورت میں تو فسخ بیعت سے آپ سے ارتداد کی اجازت دینا لازم ہوگا، اور دوسری صورت میں مہاجر کو ہجرت ختم کردینے کی اجازت ہوگی: پہلی چیز کفر ہے دوسری چیز حرام: فتح مکہ کے بعد بھی حضور انور نے کسی مہاجر کو مکہ معظمہ بسنے کی اجازت تو کیا وہاں تین دن سے زیادہ بلاضرورت رہنے کی اجازت نہ دی۔ [۳] وہ سمجھا یہ تھا کہ جیسے بیع، نکاح بعض صورتوں میں فسخ ہوجاتے ہیں، ایسے ہی بیعت اسلام یا بیعت ہجرت بھی فسخ ہوسکتی ہے، اس لئے بار بار یہ کہتا رہا: ظاہر یہ ہے کہ وہ مرتد ہونا نہ چاہتا تھا بلکہ ہجرت چھوڑنا چاہتا تھا ورنہ واجب القتل ہوتا کہ کفر وارتداد کا ارادہ کرلینا بھی کفر ہے۔ [۴] یعنے بغیر اجازت ہی مدینہ منورہ سے نکل گیا: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الحال اس کا ارادہ ترک اسلام نہ تھا ترک ہجرت تھا اس کی وہ اجازت مانگتا تھا۔ [۵] اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ زمین مدینہ میں کھوٹوں کو نکالنے، کھروں کو چھانٹ لینے کی تاثیر اول ہی سے ہے اور آخر تک رہے گی، صرف قریب قیامت میں نہ ہوگی، جو منافقین یا یہود وہاں ہی مرکر وہاں ہی دفن ہوگئے اُن کی نعشیں وہاں سے نکال دی گئیں، غرضکہ زمین مدینہ کسی خبیث کو اس کی زندگی میں ہی نکال دیتی ہے کسی کو بعد موت، لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں: ہاں قریب قیامت اس چھانٹ کا خصوصی اثر نمودار ہوگا جسے ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ لیگا، لہذا یہ حدیث اگلی آنے والی حدیث کے خلاف نہیں۔ [۶] ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد ظہور دجال کے زمانہ کا واقعہ ہے، دجال تو مدینہ منورہ میں نہ داخل ہوسکے گا مگر مدینہ پاک میں زلزلہ سا ہوگا جس سے منافقین یہاں سے بھاگ جائیں گے اور دجال کے جال میں پھنس جائیں گے۔ مخلصین نہ نکلیں گے، یہ ہوگی مدینہ پاک چھانٹ: ہوسکتا ہے کہ اس سے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہی مراد ہو، کیونکہ حضور کی تشریف آوری بھی علامت قیامت ہے، یعنے چونکہ اب قیامت قریب آگئی اس لئے مدینہ منورہ کی یہ تاثیر ظاہر ہونے لگی (مرقات) مگر پہلے معنے زیادہ واضح ہیں۔ شرار سے مراد منافقین اور مدینہ کے غیر مناسب لوگ ہیں۔

عَلٰی اَنْقَابِ الْمَدِیْنَةِ مَلٰٓئِکَةٌ لَا یَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ مِنْ بَلَدٍ اِلَّا سَیَطَؤُهُ الدَّجَّالُ اِلَّا مَکَّةَ وَالْمَدِیْنَةَ لَیْسَ نَقْبٌ مِّنْ اَنْقَابِهَا اِلَّا عَلَیْهِ الْمَلٰٓئِکَةُ صَافِّیْنَ یَحْرُسُوْنَهَا فَیَنْزِلُ السَّبْخَةَ فَتَرْجُفُ الْمَدِیْنَةُ بِاَهْلِهَا ثَلٰثَ رَجَفَاتٍ فَیَخْرُجُ اِلَیْهِ کُلُّ کَافِرٍ وَّمُنَافِقٍ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَکِیْدُ اَهْلَ الْمَدِیْنَةِ اَحَدٌ اِلَّا

کہ مدینہ منورہ کے راستوں پر فرشتے ہیں یہاں نہ طاعون آسکتی ہے اور نہ دجال[1] (مسلم بخاری)؛ روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی شہر نہیں جسے دجال روندنہ ڈالے سوائے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے[2] اس کے راستوں میں سے ایسا کوئی راستہ نہیں جس میں صف بستہ فرشتے نہ ہوں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں[3] چنانچہ دہ زمین شور میں اتریگا پھر مدینہ اپنے باشندوں پر تین بار کانپے گا[4] تو دجال کی طرف ہر کافر و منافق نکل جائیگا[5] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی شخص مدینہ والوں سے فریب نہ کرے گا مگر

[1] انقاب نقب کی جمع، پہاڑ کے درہ یا دو پہاڑوں کے درمیان کے راستہ کو نقب کہتے ہیں یہاں مطلقًا راستہ مراد ہے، مدینہ منورہ پر فرشتوں کا یہ پہرہ دائمی ہے کہ اس کے تمام راستوں پر ایسے فرشتے پہرہ دے رہے ہیں جن کی وجہ سے جنات مدینہ پاک میں نہیں آسکتے جن کے اثر سے طاعون پھیلتی ہے، آج تک وہاں طاعون نہ پھیلی اور نہ انشاء اللہ پھیلے گی، دجال بھی وہاں نہ پہنچ سکے گا، پیداوار والے ممالک میں قحط پڑتے رہتے ہیں لوگ بھوک سے ہلاک ہوتے رہتے ہیں، مگر آج تک حرمین شریفین میں قحط نہیں سنا گیا نہ لوگ وہاں بھوک سے ہلاک ہوئے اگرچہ وہاں پیداوار کوئی نہیں یہ کھلا معجزہ ہے، خیال رہے کہ شہر مدینہ کی حفاظت پر اس قسم کے فرشتے مامور ہیں، اور روضہ اطہر پر سلام عرض کرنے کیلئے ستر ہزار دوسرے فرشتے مامور ہیں جن کی دن رات تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ [2] یعنے دجال تمام دنیا کے سارے شہروں، گاؤں میں پہنچکر فساد پھیلادے گا، مگر حرمین طیبین میں داخل نہ ہوسکے گا اور یہاں پہنچکر فساد نہ پھیلا سکے گا، صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جسم پاک مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے مدینہ منورہ دجال سے محفوظ ہے، تو جس دل پر حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم ہوجائے، وہ بھی یقینًا شیطان سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ [3] دجال مدینہ منورہ میں داخل ہونا چاہے گا، مگر ان فرشتوں کو دیکھ کر آگے نہ بڑھ سکے گا، جیسے شیطان فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے، ایسے ہی وہ بھی دیکھ لے گا۔ [4] سبخہ شورستان یعنے کھاری زمین کو کہتے ہیں، اور مدینہ منورہ سے قریب ایک جگہ کا نام بھی ہے باھلھا میں ب یا سببیہ ہے یا صلہ کی پہلی صورت میں اہل سے مراد وہاں کے منافق و کافر باشندے ہیں، دوسری صورت میں سارے اہل مدینہ مراد ہیں یعنے زمین مدینہ وہاں کے بے دین باشندوں کی وجہ سے یا تمام باشندوں پر تین بار کانپے گی یعنے زلزلہ آئے گا، تاکہ بے دین نکل کر دجال کے پاس پہنچ جائیں اور مخلصین سہمے رہ جائیں، مخلصین کسی مصیبت میں بھی مدینہ پاک نہیں چھوڑتے، یہ زلزلے کھوٹوں کھروں میں چھانٹ کے لئے ہونگے، ان سے وہاں کے مکانات نہ گریں گے صرف انسانوں کو جھٹکے محسوس ہونگے اسی لئے باھلھا فرمایا۔ [5] معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں مدینہ طیبہ میں کفار ہونگے چھپے یا کھلے یا وہ لوگ جو اسلام کا دعوے کرینگے مگر ہونگے کافر مشرک نہ ہونگے لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ جزیرۂ عرب میں شیطان کی عبادت نہیں ہوسکتی۔

اِنْمَاعَ كَمَا يَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِي الْمَآءِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَنَظَرَ اِلٰى جُدُرَاتِ الْمَدِيْنَةِ اَوْضَعَ رَاحِلَتَهُ وَاِنْ كَانَ عَلٰى دَابَّةٍ حَرَّكَهَا مِنْ حُبِّهَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَعَ لَهُ اُحُدٌ فَقَالَ هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَاِنِّيْ اُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ

وہ ایسے گھل جائے گا جیسے پانی میں نمک گھل جاتا ہے[۱] (مسلم،بخاری) روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب سفر سے آتے اور مدینہ پاک کی دیواروں کو دیکھتے تو اپنی سواری کو تیز فرمادیتے اگر گھوڑے پر ہوتے تو اسے ایڑی لگاتے اس کی محبت کی وجہ سے[۲] (بخاری) روایت ہے انہی سے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے احد چمکا[۳] تو فرمایا یہ ہے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں[۴] الٰہی یقینًا ابراہیم نے مکہ معظمہ کو حرم بنایا اور میں مدینہ کے کونوں کے درمیان کو حرم بناتا ہوں[۵] (بخاری،مسلم) روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں[۶]

[۱] یہ بالکل صحیح اور مجرب ہے کہ جس نے اہل مدینہ کو ستایا چین نہ پایا، یزید پلید واقعہ حرہ کے بعد دق اور سل میں مبتلا ہو کر مرگیا، حجاج ابن یوسف بڑے حال سے ہلاک ہوا۔ [۲] یعنی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کو مدینہ پاک اتنا پیارا تھا کہ ہر سفر سے واپسی میں یوں تو معمولی رفتار پر جانور چلاتے تھے مگر مدینہ پاک کو دیکھتے ہی وہاں جلد پہنچ جانے کیلئے سواری تیز فرمادیتے تھے، اسی محبت کا اثر ہے کہ مسلمان مدینہ پر دل و جان سے فدا ہیں، کیونکہ یہ محبوب کا محبوب ہے، اس مقدس شہر کی سینکڑوں تاریخیں لکھی گئیں اور نظم و نثر میں ہزارہا اس کی منقبتیں۔ [۳] یا تو سرکار عالی سفر سے لوٹ رہے تھے کہ احد نمودار ہوا یا مدینہ منورہ ہی میں ایکبار احد پر نظر پڑی اور یہ فرمایا: احد شریف مدینہ پاک سے بجانب مشرق تقریبًا تین میل دور ایک پہاڑ ہے، مدینہ منورہ خصوصًا جنت البقیع سے صاف نظر آتا ہے وہاں شہداء احد خصوصًا سید الشہداء امیر حمزہ کے مزارات ہیں، زائرین جوق درجوق اس پہاڑ کی زیارت کرتے ہیں، میں نے حجاج کو اس پہاڑ سے لپٹ کر روتے اور وہاں کے پتھروں کو چومتے دیکھا ہے، ہر مومن کے دل میں قدرتی طور پر اس کی محبت ہے۔ [۴] بعض ظاہر بین شارحین نے کہا ہے کہ اس سے احد کے باشندوں کی محبت مراد ہے، مگر حق یہ ہے کہ خود پہاڑ ہی حضور سے محبت کرتا ہے، لکڑیوں پتھروں میں احساس بھی ہے اور محبت و عداوت کا مادہ بھی، حضور کے فراق میں اونٹ بھی روئے، اور لکڑیوں نے بھی گریہ و زاری و فریاد کی ہے (لمعات،مرقات،اشعۃ اللمعات) لہذا حق یہ ہے کہ خود حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ سے اس علاقے سے، وہاں کے پتھروں سے محبت فرماتے ہیں، اور یہ تمام چیزیں بعینہٖ حضور سے محبت کرتی ہیں: احادیث سے ثابت ہے کہ حضور انور احد پر چڑھے تو احد کو وجد آگیا اور وہ جھومنے لگا۔ [۵] یعنے ابراہیم علیہ السلام نے حدود مکہ معظمہ کو اپنی دعا سے حرم بنایا، یا اس کی حرمت کو ظاہر فرمایا ورنہ وہ حرم تو خدا تعالٰے کے حکم سے ہے اور پہلے سے ہی ہے اور میں حدود مدینہ کو اپنے اختیار خداداد سے حرم بناتا ہوں اس سے پہلے مدینہ حرم نہ تھا نہ اس کی حرمت قرآن پاک میں مذکور ہے۔ مدینہ کو حرم بنانے کے معنے وہ ہی ہیں جو پہلے عرض کئے گئے کہ اس مقدس مقام کی تعظیم و توقیر واجب ہے وہاں سے اجاڑنے ویران کرنے کی کوشش کرنا حرام ہے، یہاں شکار وغیرہ مکروہ ہے۔ [۶] اس حدیث سے چند ایمان افروز مسائل ثابت ہوئے ایک یہ کہ تمام حسین صرف انسانوں

رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ، **اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ** عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ رَاَیْتُ سَعْدَ بْنَ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَخَذَ رَجُلًا یَصِیْدُ فِیْ حَرَمِ الْمَدِیْنَۃِ الَّذِیْ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَلَبَہٗ ثِیَابَہٗ فَجَآءَ مَوَالِیْہِ فَکَلَّمُوْہُ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ ھٰذَا الْحَرَامَ وَقَالَ مَنْ اَخَذَ اَحَدًا یَصِیْدُ فِیْہِ فَلْیَسْلُبْہُ فَلَا اَرُدُّ عَلَیْکُمْ طُعْمَۃً اَطْعَمَنِیْہَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلٰکِنْ اِنْ شِئْتُمْ دَفَعْتُ اِلَیْکُمْ ثَمَنَہٗ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ

(بخاری) ہ دوسری فصل ہ روایت ہے حضرت سلیمان ابن ابی عبداللہ سے فرماتے ہیں میں نے سعد ابن ابی وقاص کو دیکھا کہ آپ نے اس شخص کو پکڑ لیا جو حرم مدینہ میں شکار کر رہا ہے جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حرم بنایا ہے ۱؎ تو آپ نے اس کے کپڑے اتار لیے پھر اس کے مالک آپ کے پاس آئے اور اس بارے میں آپ سے کلام کیا آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حرم کو حرم قرار دیا اور فرمایا کہ جو یہاں کسی کو شکار کرتے ہوئے پکڑے تو اس کے کپڑے چھین لے لہذا وہ مال میں تم کو واپس نہ دوں گا جو مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عطا کیا لیکن اگر تم چاہو تو تمہیں اس کی قیمت دے دوں ۲؎ (ابوداؤد) ۱؎

کے محبوب ہوئے حضور انور انسان، جن، لکڑی، پتھر، جانوروں کے بھی محبوب ہیں بلکہ خدائی کے محبوب ہیں کیونکہ خدا کے محبوب ہیں: دوسرے یہ کہ دوسرے محبوبوں کو ہزاروں نے دیکھا مگر عاشق ایک دو ہوں، حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ آج انکا دیکھنے والا کوئی نہیں اور عاشق کروڑوں ہیں **شعر**

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں ✿ سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

تیسرے یہ کہ حضور انور کو پتھر کے دل کا حال معلوم ہے کہ کس پتھر کے دل میں ہم سے کتنی محبت ہے، تو ہمارے دلوں کا ایمان و عرفان: محبت و عداوت وغیرہ بھی یقیناً معلوم ہے یہ ہے علم غیب رسول: چوتھے یہ کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنا عشق و محبت جتانے، ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں انہیں ہمارے حالات خود ہی معلوم ہیں: اُحد نے منہ سے نہ کہا تھا کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں یا آپ کا چاہنے والا ہوں: پانچویں یہ کہ جس انسان کے دل میں حضور کی محبت نہ ہو وہ پتھر سے بھی بدتر ہے: اللہ تعالٰی حضور کی محبت نصیب کرے: چھٹے یہ کہ حضور کی محبت اُن کی محبوبیت کا ذریعہ ہے جو چاہتا ہے کہ حضور اس سے محبت کریں تو اسے چاہیئے کہ وہ حضور انور سے محبت کرے: دیکھو یہاں فرمایا کہ ہم بھی اُحد سے محبت کرتے ہیں: ساتویں یہ کہ جو حضور انور کا محبوب بن گیا، وہ تمام عالم کا پیارا ہوگیا: دیکھو آج اُحد پہاڑ ہر مومن کی آنکھ کا تارا ہے، ایسے ہی آج وہ حضرات بھی حضور انور کے چاہنے والے بن گئے خلقت کے محبوب ہوگئے اُن کے آستانے مرجع خلائق ہوگئے: دیکھو حضرت خواجہ اجمیری، حضور غوث پاک، حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہم کے آستانوں کی رونقیں یہ اسی محبوبیت کی جلوہ گری ہے۔ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں **شعر**

اُن کے در کا جو ہوا خلقِ خدا اس کی ہوئی ✿ اُن کے در سے جو پھرا اللہ اُس سے پھر گیا

۱؎ یعنے مدینہ منورہ کے حدود جسے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے حرم مدینہ قرار دیا جس کی حرمت و احترام واجب ہے، اسی کی حرمت کا لحاظ رکھتے ہوئے حضرت علی نے کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا اور حضرت حسین کربلا چلے گئے تاکہ ہماری وجہ سے حرم مدینہ میں خون خرابہ نہ ہو حضرت عثمان نے مصر والوں کا خود مقابلہ کیا نہ اپنے کسی غلام کو مقابلہ کی اجازت دی بلکہ صبر سے جام شہادت پی لیا، یہ اسی حرمت کا لحاظ تھا ۲؎ اس کی نہایت نفیس تحقیق ابھی کچھ پہلے اسی جیسی حدیث کی

وَعَنْ صَالِحٍ مَوْلًى لِسَعْدٍ اَنَّ سَعْدًا وَجَدَ عَبِيْدًا مِنْ عَبِيْدِ الْمَدِيْنَةِ يَقْطَعُوْنَ مِنْ شَجَرِ الْمَدِيْنَةِ فَاَخَذَ مَتَاعَهُمْ وَقَالَ يَعْنِيْ لِمَوَالِيْهِمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى اَنْ يُقْطَعَ مِنْ شَجَرِ الْمَدِيْنَةِ شَيْءٌ وَقَالَ مَنْ قَطَعَ مِنْهُ شَيْئًا فَلِمَنْ اَخَذَهٗ سَلَبُهٗ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ. وَعَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ صَيْدَ وَجٍّ وَعِضَاهَهٗ حَرَمٌ

روایت ہے حضرت صالح[1] سے جو سعد کے غلام ہیں کہ حضرت سعد نے مدینہ کے غلاموں میں سے کچھ غلاموں کو مدینہ منورہ کے درخت کاٹتے دیکھا تو آپ نے ان سب کا سامان چھین لیا[2] اور ان کے مولاؤں سے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سنا[3] کہ آپ مدینہ منورہ کے کسی درخت کے کاٹنے سے منع فرماتے تھے اور حضور نے فرمایا جو ان میں سے کچھ بھی کاٹے تو پکڑنے والے کے لیے ہے اس کا سامان[4] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت زبیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ طائف وج کا شکار اور وہاں کے درخت حرام ہیں[5]

شرح میں گذر گئی کہ یہ حدیث ہی بتارہی ہے کہ حرم مدینہ کے شکار کا حکم مکہ معظمہ کے شکار کی طرح نہیں کہ مکہ کے شکار کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہوتی ہے نہ کہ شکاری کے کپڑے چھین لینا اور چھین کر خود آپ مالک بن جانا، حضرت سعد نے یہ حدیث اپنے ظاہری معنے پر محمول کی یہ اُن کا اجتہاد ہے اور نہ کسی صحابی یا کسی امام کا مذہب یہ نہیں کہ جو کسی کو حدود مدینہ میں شکار کرتے دیکھے وہ اس کے کپڑے چھین کر خود اپنے استعمال میں لائے، ہم اس چھیننے کے معنے پہلے عرض کرچکے ہیں، خیال رہے کہ اسلام میں کسی جرم پر مالی جرمانہ کرنا حرام ہے، کہ مجرم سے کچھ پیسے لے کر اپنے خرچ میں لاؤ پھر آپ کا یہ فرمانا کہ میں اس کی قیمت واپس دے سکتا ہوں یہ اور بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ حرم مدینہ کے شکار کے احکام مکہ معظمہ کے شکار کے سے نہیں، کہ وہاں کا شکاری فقراء کو صدقہ دے کر صدقہ کی قیمت اُن سے نہیں لے سکتا۔

[1] یہاں مؤلف یا کاتب سے غلطی ہوئی ہے، اصل عبارت یوں ہے عن صالح عن مولیٰ سعد، عن رہ گیا یعنے صالح نے حضرت سعد کے غلام سے روایت کی صالح خود حضرت سعد کے غلام نہیں بلکہ توامہ کے غلام ہیں، صالح خود تو ثقہ ہیں، مگر سعد کے اس غلام کا پتہ نہیں، جو ان کا شیخ ہے کہ وہ کیسا ہے لہٰذا یہ حدیث مجہول ہے (مرقات) اسماء الرجال کی کتب سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت سعد کا کوئی غلام صالح نامی تھا، لہٰذا یہ حدیث اصل سے ہی مجروح ہے۔

[2] یعنے درخت کاٹنے والے کے صرف کپڑے نہ چھینے بلکہ کلہاڑی، رسی اور اگر بکریاں وغیرہ ساتھ تھیں تو وہ بھی، لطف یہ ہے کہ غلام کا مال دراصل مالک کا ہوتا ہے تو لازم یہ آیا کہ جرم تو کیا غلام نے اور جرمانہ ہوا اُس کے مالک پر اُس کا سارا مال ضبط ہوا۔

[3] اُس غلام کے مولاؤں نے آپ سے اپنے مال کا مطالبہ کیا ہوگا کہ یہ واپس فرمادیں، تب یہ فرمایا۔

[4] یعنے جیسے جہاد میں جو غازی کسی کافر کو قتل کرے تو مقتول کا سامان اُس غازی کا ہوگا، ایسے ہی حرم مدینہ کا یہ شخص درخت کاٹے، تو اُس کا سامان پکڑنے والے کا ہوگا، اس کا مطلب پہلے عرض کیا جاچکا ہے: اگر حدیث ظاہری معنے پر بھی ہو تب بھی یہ سامان خود اس شکاری غلاموں کا نہ تھا بلکہ اُن کے آقاؤں کا تھا وہ مجرم نہ تھے۔

[5] وج واؤ کے فتح، جیم کے شد سے، وادی حنین سے آگے طائف سے قریب ایک وادی کا نام ہے جہاں کوئی آبادی نہیں ہے عضاہ خاردار درختوں کو کہتے ہیں، اس مقام کی حرمت کسی خاص وقت میں ہوگی جو بعد میں منسوخ ہوگئی، یہ جگہ حرم مدینہ سے بہت دور ہے، نہ مکہ معظمہ کے حرم میں داخل ہے نہ مدینہ منورہ کے حرم میں، طائف مکہ معظمہ سے ستر میل فاصلہ پر ہے، اور وادی وج وہاں سے قریب ہے، تو اُسے مدینہ پاک سے تو کوئی قرب ہے ہی نہیں۔

حَرَّمَ اللّٰہُ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَقَالَ مُحْیُ السُّنَّۃِ وَجٌّ ذَکَرُوْا اَنَّھَا مِنْ نَاحِیَۃِ الطَّائِفِ وَقَالَ الْخَطَّابِیُّ اَنَّہٗ بَدَلَ اَنَّھَا۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَّمُوْتَ بِالْمَدِیْنَۃِ فَلْیَمُتْ بِھَا فَاِنِّیْ اَشْفَعُ لِمَنْ یَّمُوْتُ بِھَا رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ اِسْنَادًا۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

جنہیں اللہ نے حرام کیا (ابوداؤد) اور محی السنہ نے فرمایا کہ وج کے متعلق لوگ کہتے ہیں وہ طائف کے اطراف سے ہے اور خطابی نے بجائے اَنَّھَا کے اَنَّہٗ فرمایا[1] روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو مدینہ میں مرسکے وہ وہاں ہی مرے کیونکہ میں مدینہ میں مرنے والوں کی شفاعت کروں گا[2] (احمد، ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد سے حسن بھی ہے، صحیح بھی ہے اور غریب بھی[3]۔ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ

[1] یعنے خطابی کی روایت میں بجائے مؤنث ضمیر کے مذکر ضمیر ہے، مگر اس میں فرق نہیں پڑتا، ایک جگہ کو موضع کے معنے میں مذکر کہہ سکتے ہیں اور بقعہ کے معنے سے مؤنث، مقامات کے ناموں میں یہ وسعت ہے۔ [2] ظاہر یہ ہے کہ یہ بشارت اور ہدایت سارے مسلمانوں کو ہے نہ کہ صرف مہاجرین کو یعنے جس مسلمان کی نیت مدینہ پاک میں مرنے کی ہو وہ کوشش بھی وہاں ہی مرنے کی کرے کہ خدا نصیب کرے تو وہاں ہی قیام کرے خصوصًا بڑھاپے میں، اور بلاضرورت مدینہ پاک سے باہر نہ جائے کہ موت و دفن وہاں کا ہی نصیب ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ دعا کرتے تھے کہ مولے مجھے اپنے محبوب کے شہر میں شہادت کی موت دے، آپ کی دعا ایسی قبول ہوئی کہ سبحان اللہ، فجر کی نماز مسجد نبوی محراب النبی، مصلے نبی اور وہاں شہادت: میں نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ تیس چالیس سال سے مدینہ منورہ میں ہیں، حدود مدینہ بلکہ شہر مدینہ سے بھی باہر نہیں جاتے اسی خطرہ سے کہ موت باہر نہ آجائے حضرت امام مالک کا بھی یہی دستور رہا: یہاں شفاعت سے مراد خصوصی شفاعت ہے، گنہگاروں کے سارے گناہ بخشوانے کی شفاعت اور نیک کاروں کے بہت درجے بلند کرنے کی شفاعت ورنہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ساری ہی امت کی شفاعت فرمائیں گے: خیال رہے کہ مدینہ پاک میں رہنا بھی افضل، وہاں مرنا بھی اعلٰے اور وہاں دفن ہونا بھی بہتر، بعض صحابہ بعد موت مدینہ میں لاکر دفن کئے گئے: اس سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص مدینہ پاک میں مرنے دفن ہونے کی کوشش کرے وہ انشاء اللہ ایمان پر مرے گا، کیونکہ اس کے لئے شفاعتِ خاص کا وعدہ ہے اور شفاعت صرف مومن کی ہوسکتی ہے (از مرقات)

[3] یعنے یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہے، بعض اسنادوں میں صحیح ہے بعض میں حسن بعض میں غریب: علماء فرماتے ہیں کہ بمقابلہ حجون کے بقیع میں دفن ہونا افضل ہے کہ یہ قبرستان روضۂ اطہر سے قریب ہے اس میں بہت صحابہ کے مزارات ہیں جتنا ان سے قرب ہو اتنا ہی اچھا (مرقات) **شعر**

مٹی عزیز بلبلِ بے بال و پر کی ہے

یہ فقیر گنہگار شرمسار احمد یار بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتا ہے کہ صدقہ اپنے محبوب اکبر صلے اللہ علیہ وسلم کا مجھے رب تعالٰے مدینہ پاک کا قیام، وہاں کی مسجد نبوی شریف کا اعتکاف، وہاں کی موت، وہاں کا دفن نصیب کرے، اگر وہاں دفن میسر ہوجائے تو میری مٹی عزیز ہوجائے، آمین یارب العلمین وصلی اللہ علٰی سیدنا محمد وآلہٖ وصحبہ وسلم **شعر**

در کو تکتے تکتے ہو جاؤں ہلاک ؛ وہاں کی خاک پاک سے مل جائے خاک

وَسَلَّمَ اٰخِرُ قَرْيَةٍ مِّنْ قُرَى الْاِسْلَامِ خَرَابًا الْمَدِيْنَةُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ ۔ وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰى اِلَيَّ اَيَّ هٰؤُلَآءِ الثَّلٰثَةِ نَزَلْتَ فَهِيَ دَارُ هِجْرَتِكَ الْمَدِيْنَةَ اَوِ الْبَحْرَيْنِ اَوْ قِنَّسْرِيْنَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ۔ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْمَدِيْنَةَ رُعْبُ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ لَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ اَبْوَابٍ عَلٰى كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔ وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ

وسلم نے کہ اسلام کی بستیوں میں سے آخری بستی جو ویران ہوگی وہ مدینہ پاک ہے[1] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔ روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے مجھے وحی فرمائی ان تینوں بستیوں میں سے جہاں[2] بھی آپ قیام فرمائیں وہ ہی آپ کا مقام ہجرت ہے مدینہ منورہ یا بحرین یا قنسرین[3] (ترمذی)۔ تیسری فصل ۔ روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے[4] وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی ۔ فرماتے ہیں مدینہ میں مسیح دجال کا رعب نہ آسکے[5] اس دن مدینہ کے سات دروازے ہوں گے ہر دروازہ پر دو فرشتے[6] (بخاری)۔ روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روای آپ نے فرمایا الہی جو برکتیں تو نے

[1] اس حدیث میں دو باتیں فرمائی گئیں: ایک یہ کہ قریب قیامت بڑی بڑی بستیاں ویران ہوجائیں گی، مگر وہ مدینہ منورہ آباد رہے گا، یہ بالکل قیامت سے متصل ویران ہوگا، دوسرے یہ کہ عالم کی آبادی مدینہ پاک کی آبادی سے وابستہ ہے جب یہ اجڑ گیا، دُنیا اجڑ جائیگی قیامت آجائے گی (اشعہ مرقاۃ) خیال رہے کہ یہاں قریہ بمعنے بستی ہے جو شہر و گاؤں سب کو شامل ہے بمعنے گاؤں نہیں، عربی میں گاؤں کو قریہ، قصبہ کو بلد، اس سے بڑی بستی کو مدینہ، اُس سے بڑی کو مصر کہتے ہیں، بعض نے بلد اور مدینہ کو یکساں کہا ہے، مگر کبھی قریہ بمعنے مطلقًا بستی بھی آجاتا ہے چھوٹی ہو یا بڑی (اشعہ)۔ [2] لفظ اَیَّ هٰؤُلَآءِ فعل پوشیدہ سے منسوب ہے جس کی تفسیر آگے نزلت کر رہا ہے اوحیٰ سے مراد وحی خفی ہے جو قرآن شریف میں موجود نہیں۔ [3] حق یہ ہے کہ پہلے رب تعالٰے نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا کہ ان تین شہروں میں سے جہاں چاہیں ہجرت فرمادیں، پھر مدینہ پاک کو معین فرمادیا لہٰذا یہ حدیث اُن احادیث کے خلاف نہیں جن میں فرمایا گیا کہ مجھے خواب میں مدینہ دکھایا گیا اور فرمایا گیا کہ آپ کا دار الہجرت یہ ہے، مدینہ پاک حجاز کا شہر ہے، بحرین ایک شہر کا نام بھی ہے اور علاقہ کا بھی جو عمان کے قریب ہے، قنسرین شام کا ایک مشہور شہر ہے۔ [4] آپ کا نام نفیع ابن حارث ابن کلاہ ثقفی ہے طائف کے رہنے والے تھے جب حضور انور نے طائف کا محاصرہ کیا تو آپ نے اپنے کو طائف کے قلعہ سے ایک بیرونی کنویں کی چرخی پر ڈال دیا، اور اس طرح وہاں سے نکل کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوگئے، اسلام لے آئے، آپ کا نام ابوبکرہ یعنے چرخی والے، بکرہ چرخی کو کہتے ہیں، بعد میں بصرہ میں مقیم رہے ۵۲ھ میں وہاں ہی وفات پائی اور وہاں ہی دفن ہوئے (اشعہ و اکمال)۔ [5] یعنے ان فرشتوں کی وجہ سے جو حفاظت مدینہ پر مامور ہونگے نہ تو مدینہ پاک میں دجال ہی آسکے گا اور نہ اُس کا اثر و ہیبت یہاں پہنچ سکے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کی ہیبت ہر جگہ پہنچ جاویگی کہ بعض لوگ اُسکی

بِالْمَدِيْنَةِ ضِعْفَيْ مَا جَعَلْتَ بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ رَجُلٍ مِّنْ اٰلِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ زَارَنِيْ مُتَعَمِّدًا كَانَ فِيْ جِوَارِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ سَكَنَ الْمَدِيْنَةَ وَصَبَرَ عَلٰى بَلَائِهَا كُنْتُ لَهٗ شَهِيْدًا وَّشَفِيْعًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ مَّاتَ فِيْ

مکہ مکرمہ میں دی ہیں اس سے دوگنی برکتیں مدینہ منورہ میں دے[1] (مسلم بخاری) روایت ہے اولاد خطاب کے ایک مرد سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی، حضور نے فرمایا جو قصداً میری زیارت کرے وہ قیامت کے دن میری امان میں ہو گا[2] اور جو مدینہ منورہ میں رہے اور یہاں کی تکالیف پر صبر کرے میں قیامت کے دن اس کا شفیع اور گواہ ہوں گا[3] اور جو دونوں حرم سے

بسبب سے آسمان میں گے: مدینہ طیبہ اس سے بھی محفوظ رہے گا: مقبول بندوں کے اثر سے دل میں قوت ہوتی ہے، بلکہ ان کی برکت سے شہروں میں امن وامان رہتی ہے: حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مدینہ منورہ کی حفاظت کے لئے فرشتے مامور ہوئے، اور فرشتوں کی برکت سے مدینہ کی زمین دجال تو کیا اس کے اثر سے بھی محفوظ رہی ہے۔ ۱؎ بعض علماء نے برکت سے ظاہری و باطنی برکت مراد لی ہے یعنے مدینہ کی عبادات اور یہاں کے رزقوں میں برکت مکہ معظمہ سے دوگنی دے کہ یہاں کی عبادات کا ثواب مکہ معظمہ کی عبادات سے دوگنا ہو، اور یہاں کے غلے ومیوے میں برکتیں مکہ معظمہ سے دوگنی ہوں: اس بنا پر انہوں نے مدینہ منورہ کو مکہ معظمہ سے افضل مانا، اور یہاں کی عبادات کا ثواب مکہ معظمہ کی عبادات سے زیادہ قرار دیا، بعض نے فرمایا کہ یہاں رزق کی برکتیں مراد ہیں یعنے حسی برکتیں، وہ فرماتے ہیں کہ ثواب کی برکتیں مکہ معظمہ میں دوگنی ہیں اور روزی کی برکتیں مدینہ پاک میں دوگنا لہذا حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے اور مدینہ منورہ میں ۵۰ ہزار: مدینہ پاک کی رزق کی برکتیں تو آج بھی آنکھوں دیکھی جارہی ہیں، کہ وہاں پھل فروٹ میسر ہوتے ہیں اور وہاں کی آب وہوا ایسی پیاری ہے کہ مکہ مکرمہ کی نہیں، فیصلہ عشق یہ ہے کہ مکہ معظمہ کی عبادت کا ثواب زیادہ اور مدینہ پاک کی عبادات کا قرب زیادہ، اور درجہ اعلےٰ، لہٰذا برکت قرب و درجہ مدینہ پاک میں دوگنا ہے برکت ثواب مکہ معظمہ میں دوگنی، دونوں حدیثیں درست وصحیح ہیں۔ ۲؎ اس جملہ کے علماء نے اور معنے کئے ہیں عشاق نے کچھ اور علماء فرماتے ہیں کہ جو مدینہ منورہ صرف روضۂ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت سے جائے، نام نمود یا کوئی تجارتی کاروبار دنیاوی کام مقصود نہ ہو وہ قیامت میں حضور کا پڑوسی اور حضور کی امان میں ہو گا: مسجد نبوی کی زیارت بقیع اور مسجد قبا کی حاضری اسی کے تابع ہو، اصل مقصود حاضری بارگاہ عالی ہو جیسے نفل نماز میں اصل مقصود رضاء الٰہی ہے اگرچہ کبھی قضاء حاجات، اداء شکر، تحیۃ الوضوء وغیرہ بھی اس سے ادا ہو جاتے ہیں مگر تبعاً: لیکن عشاق کہتے ہیں کہ مدینہ پاک کی حاضری میں مسجد نبوی شریف جنت البقیع وغیرہ کی حاضری کی بھی نیت نہ کرے، بلکہ بعض عشاق تو حج کے سفر میں مدینہ پاک حاضر نہ ہوئے بلکہ مدینہ کیلئے مستقل علیحدہ سفر کیا اور اس حدیث کو بالکل ظاہری معنے پر محمول فرمایا، مدینہ پاک کی حاضری صرف زیارت کیلئے ہو، اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ وہاں کی حاضری صرف مسجد نبوی کی نماز کی نیت سے ہو، زیارت کی نیت نہ ہو، معاذ اللہ، مسجدیں تو دنیا میں ہزارہا ہیں اس مسجد کی عظمت زیادہ کیوں ہے؟ صرف حضور کے دم قدم سے: اس سے معلوم ہوا کہ قیامت میں حضور کی امان ہی کام آئیگی، اس سے وہ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ خدا کے سوا کسی کی امان نہیں (از مرقات ولمعات واشعہ)۔ ۳؎ یعنے تاقیامت اور خصوصاً میرے حیات شریف کے زمانہ میں جو مدینہ پاک کی ظاہر تکالیف پر صبر کر جائے، اسے کل قیامت میں میری خاص شفاعت میسر ہوگی جو دوسروں کو نصیب نہ ہوگی۔

اَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللّٰهُ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ ٭ وَعَنْ يَحْيَى ابْنِ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ جَالِسًا وَّقَبْرٌ يُّحْفَرُ فِي الْمَدِيْنَةِ فَاطَّلَعَ رَجُلٌ فِي الْقَبْرِ فَقَالَ بِئْسَ مَضْجَعُ الْمُؤْمِنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَمَا قُلْتَ قَالَ الرَّجُلُ اِنِّيْ لَمْ اُرِدْ هٰذَا اِنَّمَا اَرَدْتُ الْقَتْلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

کسی حرم میں مرجائے وہ قیامت کے دن امن والوں سے ہوگا ؎۱ روایت ہے حضرت ابن عمر سے مرفوعًا کہ جو میری وفات کے بعد حج کرے پھر میری قبر کی زیارت کرے ؎۲ وہ اسی طرح ہوگا جو میری زندگی میں میری زیارت کرے ؎۳ بیہقی شعب الایمان ٭ روایت ہے حضرت یحیی ابن سعید سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرماتھے اور مدینہ منورہ میں ایک قبر کھودی جارہی تھی ؎۴ تو ایک شخص قبر میں جھانک کر بولا کہ یہ مومن کا بڑا برا ٹھکانہ ہے ؎۵ تب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ غلط کہا ؎۶ وہ صاحب بولے میری یہ نیت نہ تھی اللہ کی راہ میں شہادت میری مراد تھی ؎۷ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے

؎۱ یعنے مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں مرنے والا قیامت کی بڑی گھبراہٹ جسے فزع اکبر کہتے ہیں اس سے محفوظ رہے گا مگر یہ فوائد مسلمانوں کے لئے ہیں لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ ابوجہل وغیرہ کفار بھی وہاں ہی مرے ٭ ؎۲ ف سے معلوم ہوتا ہے کہ حج پہلے کرے، مدینہ پاک بعد میں حاضر ہو علماء کرام نے فرمایا کہ حج فرض میں پہلے حج کرنا افضل ہے اور حج نفل میں پہلے زیارت مدینہ طیبہ بہتر تاکہ مدینہ پاک سے حج کے لئے رخصت ہو نہ کہ گھر جانے کے لئے ٭ یہ تفصیل بہت اعلٰے ہے: بعض عشاق حج نفل میں زیارت کی نیت سے گھر سے چلتے ہیں راستہ میں مکہ مکرمہ پڑتا ہے تو حج بھی کرلیتے ہیں **شعر**

کعبہ کا نام تک نہ لیا طیبہ ہی کہا ٭ پوچھا کسی نے ہم کو نہضت کدھر کی ہے

کعبہ بھی ہے انہیں کی تجلی کا ایک ظل ٭ روشن انہیں کے نور سے پتلی حجر کی ہے

؎۳ یہ اس لئے ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنی قبر انور میں بحیات حقیقی دنیاوی زندہ و حیات ہیں کہ آپ سے ہر طرح کی مدد و نصرت حاصل کی جاتی ہے (مرقات و لمعات و اشعہ) شہداء کی حیات معنوی ہے حضور انور کی حیات حقیقی دنیاوی ہے کہ رزق بھی ملتا ہے (اشعہ) ہم حیات النبی کی بحث باب الجمعہ میں کرچکے ہیں ٭ ؎۴ یعنے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کے جنازہ میں تشریف لے گئے قبر میں دیر تھی، سرکار عالی اور بندگان خاص اس قبر کے ارد گرد تشریف فرما تھے زہے نصیب اس مرنے والے کے **شعر**

نسخہ کونین را دیباچہ اوست ٭ جملہ عالم بندگان خواجہ اوست

؎۵ یعنے مومن پر جس قدر تکالیف آتی ہیں ان سب میں قبر کی وحشت و دہشت زیادہ سخت ہے جس سے دل کانپتا ہے ٭ ؎۶ کیونکہ مومن کی قبر خصوصًا جبکہ زمین مدینہ میں ہو جنت کی کیاری ہے، مومن کو وہاں دہشت، وحشت کیسی ؟ بلکہ وہ تو یار سے ملنے کی جگہ ہے ٭ ؎۷ یعنے میرا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ شخص میدان جنگ میں شہید ہوتا اور اسے دفن بھی میسر نہ ہوتا تو اس کو بستر پر مرنے اور دفن ہونے سے بہتر ہوتا، بستر کی موت و دفن شہادت کی موت

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مِثْلَ لِقَتْلٍ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا عَلَى الْاَرْضِ بُقْعَةٌ اَحَبُّ اِلَيَّ اَنْ يَّكُوْنَ قَبْرِيْ بِهَا مِنْهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا ٭ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِوَادِي الْعَقِيْقِ يَقُوْلُ اَتَانِي اللَّيْلَةَ اٰتٍ مِّنْ رَّبِّيْ فَقَالَ صَلِّ فِيْ هٰذَا الْوَادِ الْمُبَارَكِ وَقُلْ عُمْرَةٌ فِيْ حَجَّةٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَقُلْ عُمْرَةٌ وَحَجَّةٌ

فرمایا (یہاں کا دفن) شہادت فی سبیل اللہ کے برابر بھی نہیں [۱] زمین کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں مجھے اپنی قبر کا ہونا اس جگہ سے زیادہ پیارا ہو تین بار فرمایا [۲] (مالک) مرسلاً [۳]۔ روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا حضرت عمر ابن خطاب نے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جبکہ آپ عقیق کے میدان میں تھے [۴] کہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے کوئی آنے والا آیا اس نے کہا کہ آپ اس مبارک جنگل میں نماز پڑھیں اور فرمائیں عمرہ حج میں [۵] ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمائیے عمرہ اور حج

اور بے گوری و بے کفنی سے بری ہے مطلقاً قبر کو برا نہ کہا ہے بلکہ شہادت کے مقابلہ میں۔ [۱] یعنی مدینہ پاک میں مرنا یہاں دفن ہونا، دوسری جگہ شہید ہونے اور نعش پامال ہونے سے بھی افضل ہے، جب مدینہ کی موت دوسری جگہ کی شہادت سے افضل ہے تو ان شاء اللہ مدینہ پاک کی زندگی دوسری جگہ کی بعض عبادات سے یقیناً بہتر ہے کہ وہاں رہنا بھی عبادت ہے مگر ایمان کے ساتھ۔ اس صورت میں یہ کلام عالی اس کے کلام کی تردید ہے، یہ احتمال بھی ہے کہ اس کے کلام کی تائید ہو یعنی ہاں شہادت فی سبیل اللہ مدینہ کی موت و دفن سے افضل ہے، اگر کسی کو شہادت میسر نہ ہو تو مدینہ میں مرنے کی کوشش کرے (اشعہ) مگر یہ معنی کچھ بعید سے ہیں، پہلے معنی قوی تر۔ [۲] یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آخری جملہ تین بار فرمایا کہ مجھے زمین مدینہ میں دفن ہونا اس قدر پیارا ہے کہ اور جگہ کی شہادت بھی اتنی پیاری نہیں، میں یہاں کا دفن بہت ہی پسند کرتا ہوں۔ بعض علماء نے اس حدیث کی بنا پر چند مسائل فرمائے: ایک یہ کہ مدینہ منورہ مکہ معظمہ سے افضل ہے۔ دوسرے یہ کہ مدینہ منورہ کی موت مکہ معظمہ کی موت سے بہتر ہے (اس پر تو تمام امت کا اجماع ہے) تیسرے یہ کہ مدینہ منورہ میں جینا مکہ معظمہ میں جینے سے بہتر ہے۔ چوتھے یہ کہ مدینہ پاک کی موت دوسری جگہ کی شہادت فی سبیل اللہ سے اعلیٰ ہے۔ پانچویں یہ کہ مدینہ منورہ میں حضری موت دوسری جگہ سفر و غربت کی موت سے اعلیٰ ہے۔ بعض روایات سے شہادت اور غربت کی موت کی افضلیت ثابت ہے وہ افضلیت جزوی ہوگی اور یہ افضلیت کلیہ ہے، لہذا ان میں تعارض نہیں، اور اگر مدینہ منورہ میں شہادت و غربت کی موت نصیب ہو جائے تو پوچھنا ہی کیا، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی اللھم ارزقنا الموت فی بلد حبیبك صلی اللہ علیہ وسلم (مرقات)۔ [۳] کیونکہ یحیی ابن سعید تابعین میں سے ہیں جنہوں نے انس ابن مالک، سائب ابن یزید اور بہت سے صحابہ کرام سے ملاقات و روایات کیں، اور ان سے ہشام ابن عروہ، مالک ابن انس، شعبہ، ثوری، ابن عیینہ، ابن مبارک وغیرہ بزرگوں نے روایات کیں، تابعی اگر صحابی کا ذکر نہ فرمائیں تو حدیث مرسل ہوتی ہے لہذا یہ حدیث مرسل ہے۔ اور ثقہ تابعی کا ارسال قبول ہے جیسے امام بخاری کی تعلیق معتبر ہے۔ خیال رہے کہ یہ یحیی ابن سعید انصاری ہیں، اور یحیی ابن سعید قطان دوسرے بزرگ ہیں، جو ائمہ محدثین سے ہیں وہ یہاں مراد نہیں (مرقات و اشعہ) [۴] وادی عقیق مدینہ منورہ کے قریب ذوالحلیفہ سے متصل ایک میدان ہے بہت متبرک، یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے، اور وادی عقیق ذات عرق کے پاس ایک جنگل کا بھی نام ہے وہ یہاں مراد نہیں۔ [۵] اگر یہ واقعہ سفر حج کا ہے تو نماز سے مراد کوئی اور نفلی نماز ہے نہ کہ احرام کی نماز کیونکہ حضور انور نے وادی عقیق سے احرام نہ باندھا تھا بلکہ ذوالحلیفہ سے۔ اور قُلْ الخ سے تلبیہ فرمانا ہے یعنی آپ اس جنگل میں نفل نماز بھی پڑھیں اور تلبیہ

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔ كِتَابُ الْبُيُوْعِ بَابُ الْكَسْبِ وَطَلَبِ الْحَلَالِ ۔ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَكَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِّنْ اَنْ يَّاْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ وَاِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَاْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ يٰاَيُّهَا الرُّسُلُ

(بخاری) ۔ تجارتوں کا بیان ۱؎ باب کمائی کرنا اور حلال روزی تلاش کرنا ۲؎ پہلی فصل ۔ روایت ہے حضرت مقداد ابن معدیکرب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی شخص نے کبھی کوئی کھانا اس سے اچھا نہ کھایا کہ انسان ہاتھوں کی کمائی سے کھائے ۳؎ اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کے عمل سے کھاتے تھے ۴؎ (بخاری) ۔ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ طیب ہے اور طیب ہی کو قبول فرماتا ہے ۵؎ اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس چیز کا حکم دیا جس کا انبیائے کرام کو حکم دیا ۶؎ فرمایا اے نبیو!

کہیں جس میں یہ الفاظ ہوں کہ یہ عمرہ مع حج کے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تمتع اور افراد سے قرآن افضل ہے، اور اگر کسی اور سفر کا واقعہ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ یہاں نماز پڑھیں اور لوگوں سے فرمادیں کہ یہاں کی نماز حج وعمرہ کے برابر ثواب رکھتی ہے جب بھی قرآن کی افضلیت ثابت ہے۔

۱؎ بیوع بیع کی جمع ہے بیع بوع یا باع سے بنا بمعنے ہاتھ لمبے کرنا چونکہ تجارت میں خریدار اور بیوپاری ہاتھ بڑھا کر ایک دوسرے کا مال لیتے ہیں اس لئے اسے بیع کہا جاتا ہے، شریعت میں مال کا مال سے تبادلہ کرنا بیع کہلاتا ہے، کبھی پورے عقد کو بیع کہتے ہیں کبھی فقط بیچنے کو کبھی اس کے نتیجہ یعنے ملکیت کو بیع کہا جاتا ہے، یہاں پورے عقد کے معنے میں ہے کیونکہ بیع کی بہت اقسام ہیں بیع مطلق، بیع صرف، بیع مقایضہ، بیع سلم، تولیہ، مرابحہ، وضیعہ وغیرہ اس لئے بیوع جمع فرمایا، خیال رہے کہ شرعی احکام چند قسم کے ہیں خالص حقوق اللہ، خالص حقوق العباد، عقوبات، کفارات وغیرہ، مصنف نے خالص حقوق اللہ یعنے عبادات کا ذکر پہلے کیا اب خالص حق العبد یعنے تجارتوں کا ذکر کیا چونکہ تجارت کے فضائل براہ راست حدیث میں وارد نہیں ہوئے تھے، اس لئے باب الکسب منعقد کرکے اس کے فضائل بیان کردئے۔ ۲؎ کسب کے معنے ڈھونڈنا اور تلاش میں دوڑنا ہے، یہاں مراد مال کمانا ہے، حلال سے مراد حرام کا مقابل ہے۔ ۳؎ ہاتھوں سے مراد پوری ذات ہے، ہاتھ سے کمائے یا پاؤں سے یا آنکھ یا زبان سے غرضکہ اپنی قوت سے حلال روزی کمائے، رب تعالٰی فرماتا ہے بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وہاں بھی اَيْدِيْ یعنے ہاتھوں سے ذات ہی مراد ہے، مقصد یہ ہے کہ دوسروں کی کمائی پر اپنا گذارا نہ کرے خود محنت کرے۔

۴؎ یعنے باوجودیکہ آپ بادشاہ تھے مگر آپ نے کبھی خزانہ سے اپنے پر خرچ نہ کیا بلکہ روزانہ ایک زرہ بناتے تھے جسے چھ ہزار درہم میں فروخت کرتے تھے، دو ہزار اپنے بال بچوں پر خرچ فرماتے تھے اور چار ہزار فقراء بنی اسرائیل پر خیرات کرتے تھے (مرقات)، علماء فرماتے ہیں کہ بقدر ضرورت کمائی فرض ہے اور زیادہ مباح، اور فخر و زیادتی مال کے لئے کمائی مکروہ ہے۔ ۵؎ یعنے رب تعالٰی بے عیب ہے، اور بے عیب صدقات اور نقصانات سے خالی عبادات قبول فرماتا ہے۔ ۶؎ یعنے کسب حلال و طلب معاش ایسا مبارک مشغلہ ہے جس میں رب تعالٰی نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور عوام کو جمع فرمادیا ہے۔ الخ

كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا وَقَالَ تَعَالٰى يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ اِلَى السَّمَآءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ مَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ. وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ

طیب اور لذیذ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو[1] اور رب تعالٰی نے فرمایا اے ایمان والو ہماری دی ہوئی طیب و لذیذ روزی کھاؤ[2] پھر ذکر فرمایا کہ آدمی پراگندہ گرد آلود بال لمبے لمبے سفر کرتا ہے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر کہتا ہے اے رب اے رب اور اس کا کھانا حرام اور پینا حرام لباس حرام اور حرام کی ہی غذا پاتا ہے[3] تو ان وجوہ سے دعا کیسے قبول ہو[4] (مسلم) روایت ہے انہی سے فرماتے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں میں ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ انسان

خدا دوزی بھی ہے سنتِ مصطفوی بھی اور سنتِ انبیاء بھی: اس لئے کسب حلال سنت سمجھ کر کرنا چاہیئے اس میں دنیا کی عزت بھی ہے آخرت کی سرخروئی بھی۔

[1] یا تو میثاق کے دن رب تعالٰے نے نبیوں سے یہ خطاب بیک وقت فرمایا تھا یا ہر نبی سے اُن کے زمانہ میں یہ خطاب ہوا جو قرآن کریم میں نقل فرمایا گیا اور حضور انور کو سنایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ رہبانیت اور ترکِ دنیا نہ اسلام میں ہے نہ پہلے کسی نبی کے دین میں تھی، چنانچہ انبیائے کرام نے مختلف پیشہ اختیار کئے، کسی نے چندوں یا سوال پر زندگی نہ گذاری سوائے مرزا قادیانی کے: آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اولًا کپڑا سازی پھر کھیتی باڑی کرتے تھے: نوح علیہ السلام لکڑی کا پیشہ: ادریس علیہ السلام درزی گری: ھود و صالح علیہما السلام تجارت: ابراہیم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے: شعیب علیہ السلام جانور پالتے تھے: لوط علیہ السلام کھیتی باڑی: موسٰے علیہ السلام نے بکریاں چرانا: داؤد علیہ السلام زرہ بناتے: سلیمان علیہ السلام اتنے بڑے ملک کے مالک ہو کر پنکھے اور زنبیلیں بنا کر گذارہ کرتے تھے: عیسٰے علیہ السلام ہمیشہ سیاحی کرتے تھے، ہمارے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے اولًا تجارت پھر جہاد کئے (اسلامی زندگی)۔ [2] طیب خبیث کی ضد ہے، حلال، پاک، لطیف، پسندیدہ، شرعی چیز طیب ہے، اللہ تعالٰے طیب ہے کہ خبیث چیزیں ناپسند کرتا ہے تمام صفات کمالیہ سے بری و پاک ہے، مسلمانوں کو حکم دیا کہ ظاہری و باطنی نجاست سے دور رہیں نیک اعمال کریں، چیزیں انسان کے لئے ہیں اور انسان رحمان کے لئے۔ [3] یعنے بچپن سے ہی حرام میں پلا اور جوان ہو کر حرام کمائی ہی کی، جس سے غذا، لباس حرام کا رہا۔ [4] یہاں روئے سخن یا حرام خود حاجی یا غازی کی طرف ہے یعنے حرام کمائی سے حج یا غزوہ کرنے گیا، پراگندہ حال، پریشان حال رہا، کعبہ معظمہ یا میدانِ جہاد میں دعائیں مانگیں، مگر قبول نہ ہوئیں کہ روزی حرام تھی، جب ایسے حاجی و غازی کی دعا بھی قبول نہیں، تو دوسروں کا کیا کہنا: صوفیاء فرماتے ہیں کہ دعا کے دو بازو یعنے پر ہیں اکل حلال، صدق مقال، اگر ان سے دعا خالی ہو تو قبول نہیں ہوتی: تقوٰی کی پہلی سیڑھی حلال روزی ہے: حرام سے بچنا عوام کا تقوٰی ہے: شبہات سے بچنا خواص کا تقوٰے، ذریعہ معصیت سے بچنا صدیقین کا تقوٰے، اللہ نصیب کرے، جو محرمات میں پھنس جائے اور لاچار ہو جائے تو ادنٰی پر کفایت کرے، چنانچہ بحالتِ اضطرار اگر مُردار بکری بھی ہو گدھا بھی، تو بکری کھا کر جان بچائے، اور اگر کتا و سور ہی میسر ہو، اور بھوک سے جان نکل رہی ہو تو کتے سے جان بچالے، اور سور کو ہاتھ نہ لگائے (مرقات)۔

لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ مِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ فَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِي يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوشِكُ أَنْ يَّرْتَعَ فِيهِ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهُ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ

پرواہ نہ کرے گا کہاں سے لیا حلال سے یا حرام سے ۱؎ (بخاری)، روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے ۲؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ شبہ کی چیزیں ہیں جنہیں بہت لوگ نہیں جانتے ۳؎ تو جو شبہات سے بچے گا وہ اپنا دین اور اپنی آبرو بچالے گا اور جو شبہات میں پڑے گا وہ حرام میں واقع ہو جائیگا ۴؎ جیسے جو چرواہا شاہی چراگاہ کے آس پاس چرائے تو قریب ہے کہ اس میں جانور چرلیں ۵؎ آگاہ رہو کہ ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی مقرر کردہ چراگاہ اس کے محرمات ہیں آگاہ رہو کہ جسم میں ایک ٹکڑا گوشت ہے جب وہ ٹھیک ہو جاتا ہے تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے اور جب

۱؎ یعنی آخر زمانہ میں لوگ دین سے بے پرواہ ہو جائیں گے، پیٹ کی فکر میں ہر طرح پھنس جائیں گے، آمدنی بڑھانے مال جمع کرنے کی فکر کریں گے، ہر حرام و حلال لینے پر دلیر ہو جائیں گے جیسا کہ آجکل عام حال ہے: صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایسا بے پرواہ آدمی کتے سے بدتر ہے کہ کتا سونگھ کر چیز میں منہ ڈالتا ہے مگر یہ بغیر تحقیق بلاسوچے سمجھے ہر چیز کھا لیتا ہے۔ ۲؎ بشیر بروزن زبیر ہے، آپ بہت خوردسال صحابی ہیں ہجرت سے چودہ ماہ بعد پیدا ہوئے، آپ انصار میں پہلے بچے ہیں جو پیدا ہوئے جیسے مہاجرین میں اول حضرت عبداللہ ابن زبیر پہلے بچے ہیں، حضور کی وفات کے وقت آٹھ سال سات ماہ کے تھے، کوفہ میں تیار ہا امیر معاویہ کی طرف سے عراق کے حاکم رہے، جب حضرت امام حسین نے مسلم ابن عقیل کو کوفہ بھیجا، تو آپ اس وقت یزید ابن معاویہ کی طرف سے کوفہ کے حاکم تھے، آپ نے حضرت مسلم سے کوئی تعرض نہ کیا، اس لئے یزید نے آپ کو معزول کردیا اور عبیداللہ ابن زیاد کو مقرر کیا، جب سر مبارک امام حسین کا کوفہ سے شام بھیجا گیا، اس وقت اہل بیت پر یہی نعمان مقرر تھے، آپ نے راہ میں اہل بیت کی بہت خدمات انجام دیں، اور اہل بیت اطہار نے آپ کو بہت دعائیں دیں، رضی اللہ عنہ و اشعر۔ ۳؎ یہ حدیث اصل اصول دین ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ چیزیں تین قسم کی ہیں: بالکل حلال جن کی حلت منصوص ہے: بالکل حرام جن کی حرمت منصوص ہے جیسے محرمات و فواحش، اور متشبہات جن میں حلت و حرمت کے دلائل متعارض ہیں یا حلت و حرمت کی دلیل نہیں، اصل حلال پر عمل کرو، اصل حرام سے ضرور بچو اور متشبہات سے احتیاطًا پرہیز کرو کہ شاید حرام ہوں، مگر جن میں حلت کی اصل موجود ہو وہ مشتبہ نہیں انہیں حرام سمجھنا محض باطل وہم ہے لہذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ میلاد شریف، عرس بزرگان کو بعض علماء حرام بھی کہتے ہیں لہذا یہ متشبہات سے ہے (از مرقات)۔ ۴؎ یعنی جو شخص مشتبہات سے پرہیز نہ کریگا وہ آخر کار محرمات میں بھی پھنس جائیگا، اس لئے مشتبہات سے بچو۔ ۵؎ شاہی چراگاہ میں جانور چرانا سخت جرم ہوتا ہے، ہوشیار چرواہے شاہی چراگاہ سے دور ہی رہتے ہیں تاکہ کوئی جانور بے قابو ہو کر اس چراگاہ میں نہ گھس جائے اور ہم مجرم ہو جائیں، مگر بے احتیاط چرواہے وہاں قریب پہنچ جاتے ہیں، اور آخر کار ان کا جانور وہاں گھس جاتا ہے، اور یہ مجرم ہو کر پکڑے جاتے ہیں، ایسے ہی مشتبہات میں واقع ہونے والا کبھی حرام میں بھی گرفتار ہو جائے گا۔

فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَنُ الْكَلْبِ خَبِيْثٌ وَمَهْرُ الْبَغِيِّ خَبِيْثٌ وَكَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِيْثٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَبِيْ جُحَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

تو تمام جسم بگڑ جاتا ہے. خبردار وہ دل ہے ۱؎ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے ۲؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ کتے کی قیمت خبیث ہے اور زانیہ کی خرچی اور فصد لینے والے کی اجرت خبیث ہے ۳؎ (مسلم) روایت ہے حضرت مسعود انصاری سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت ۴؎ زانیہ کی خرچی اور نجومی کی مٹھائی سے منع فرمایا ۵؎ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوجحیفہ سے ۶؎ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ

تم چروا ہے ہو، نفس بے سمجھ جانور محرمات شرعیہ شاہی چراگاہ ہے، مشتبہات اس چراگاہ کے متصل زمین۔ ۱؎ یعنے دل بادشاہ ہے جسم اس کی رعایا جیسے بادشاہ کے درست ہوجانے سے تمام ملک ٹھیک ہوجاتا ہے ایسے ہی دل سنبھل جانے سے تمام جسم ٹھیک ہوجاتا ہے، دل ارادہ کرتا ہے جسم اس پر عمل کی کوشش کرتا دل میں برے ارادے نہ پیدا ہوں، اسی لئے صوفیاء کرام دل کی اصلاح پر بہت زور دیتے ہیں، صوفیاء فرماتے ہیں کہ دل کو اپنی منزلوں میں رکھو اسکی منزلیں فرض، واجب، سنت، مستحب، آداب، مباح ہیں، ان حدود میں رہا تو خیر ہے، اگلی منزلیں خطرناک ہیں، اُدھر نہ جانے دو، اگلی منزلیں، مکروہ تنزیہی، مکروہ تحریمی حرام و کفر ہیں، مکروہ تنزیہی سے بچاؤ تاکہ آگے بڑھنے کی ہمت نہ کرے (اشعہ)۔ ۲؎ آپ مشہور انصاری صحابی ہیں غزوۂ بدر میں صغر سنی کے باعث شریک نہ ہو سکے، باقی احد وغیرہ تمام غزوات میں شریک رہے، غزوۂ احد میں تیر سے زخمی ہوئے تو حضور انور نے فرمایا کہ میں قیامت میں تمہارے زخم و ایمان کا گواہ ہوں گا یہ ہی زخم عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں پھر ہرا ہوگیا، اور اسی زخم سے ۷۴ھ میں چھیاسی سال کی عمر میں وفات مدینہ منورہ میں پائی، آپ سے بہت احادیث مروی ہیں ۳؎ خبیث طیب کا مقابل ہے، طیب کے دو معنے ہیں حلال اور نفیس، لہٰذا اس کے مقابل خبیث کے بھی دو معنے ہیں حرام اور خسیس، رنڈی کے زنا کی اجرت بالاتفاق حرام ہے، اور فصد لینے والی کی اجرت بالاتفاق ناپسندیا مکروہ ہے، کتے کی قیمت میں اختلاف ہے، امام شافعی کے ہاں حرام ہے ہمارے ہاں حلال مگر ناپسندیدہ، لہٰذا لفظ خبیث یہاں بطریق عموم مشترک دونوں معنے میں استعمال ہوا ہے، حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود فصد لے کر اس کی اجرت عطا فرمائی اور یہاں اسے خبیث فرمایا یعنے ناپسندیدہ، وہ عمل بیان جواز کیلئے تھا یہ فرمان کراہت کیلئے، لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔ ۴؎ امام ابوحنیفہ کے ہاں یہ ممانعت یا تو تنزیہی ہے یا اس وقت کی ہے جب کتا پالنا اسلام میں مطلقاً ممنوع تھا جب شکار و حفاظت کے لئے اسکی اجازت ہوگئی تو یہ ممانعت بھی منسوخ ہوگئی، امام شافعی و دیگر ائمہ کے ہاں اب بھی کراہت تحریمی باقی ہے، دیوانہ کتے کی قیمت ہمارے ہاں بھی ممنوع ہے کہ وہ قابل نفع مال نہیں جیسے گندا انڈا مال نہیں۔ ۵؎ مہر بغی سے مراد زانیہ کی اجرت زنا ہے، اور کاہن کی مٹھائی سے مراد اس کے فال کھولنے، غیبی باتیں بتانے یا ہاتھ دیکھ کر تقدیر بتانے کی اجرت ہے چونکہ یہ اجرت بغیر محنت حاصل ہوجاتی ہے اس لئے اسے مٹھائی فرمایا، یہ دونوں اجرتیں بالاتفاق حرام ہیں کہ یہ دونوں کام حرام لہٰذا ان کی اجرت بھی حرام۔ ۶؎ آپ کم عمر صحابہ سے ہیں حضور انور کی وفات کے وقت نابالغ تھے، لیکن حضور انور سے کلام مبارک سنا ہے کوفہ میں مقیم رہے

وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الدَّمِ وَثَمَنِ الْكَلْبِ وَكَسْبِ الْبَغِيِّ وَلَعَنَ اٰكِلَ الرِّبٰو وَمُوْكِلَهٗ وَالْوَاشِمَةَ وَ الْمُسْتَوْشِمَةَ وَالْمُصَوِّرَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ؛ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَقُوْلُ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَ الْاَصْنَامِ فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَيْتَ شُحُوْمَ الْمَيْتَةِ فَاِنَّهٗ تُطْلٰى بِهَا السُّفُنُ وَيُدْهَنُ بِهَا الْجُلُوْدُ وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ فَقَالَ لَا هُوَ حَرَامٌ ثُمَّ قَالَ عِنْدَ ذٰلِكَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اِنَّ

وسلم نے خون کی قیمت کتے کی قیمت اور زانیہ کی کمائی سے منع فرمایا لہ اور سود کھانیوالے اور کھلانیوالے لہ اور گودنے والی اور گدوانے والی ٣ہ اور فوٹو لینے والے پر لعنت فرمائی ٤ہ (بخاری) روایت ہے حضرت جابر سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح کے سال جب آپ مکہ معظمہ میں تھے فرماتے سنا کہ اللہ اور اسکے رسول نے شراب مردار، سور اور بتوں کی تجارت کو حرام کیا ٥ہ عرض کیا گیا یارسول اللہ مردار کی چربیوں کے متعلق تو فرمایئے ان سے تو کشتیاں مل جاتی ہیں ان کی کھالیں روغنی جاتی ہیں لوگ ان سے چراغ جلاتے ہیں ٦ہ تو فرمایا نہیں وہ حرام ہے ٧ہ پھر اس موقعہ پر فرمایا یہود کو خدا غارت کرے جب اللہ نے

لہ خون کی قیمت سے مراد یا تو خون نکالنے کی اجرت ہے یعنے فصد کھولنا یا خود خون کی قیمت ہے خون نجس ہے کسی کا ہو انسان کا یا جانور کا، اس کی قیمت حرام ہے خون کی بیع بھی حرام ہے کہ خون نجس ہے، آجکل جو آدمیوں کا خون خریدا جاتا ہے یا دوسرے آدمی میں داخل کیا جاتا ہے سب حرام ہے کہ انسان کے اجزاء کی فروخت اور دوسرے کا استعمال کرنا ممنوع ہے، ہاں اگر طبیب حاذق کہے کہ اس بیمار کی شفا خون داخل کرنے کے سوا اور کسی چیز سے نہیں، تو ایسا ہی جائز ہوگا کہ جیسا کان کے درد میں کبھی عورت کا دودھ کان میں ٹپکانا درست ہوتا ہے جیسا کہ علامہ شامی وغیرہ نے فرمایا۔ ٢ہ سود لینا دینا دونوں حرام ہے اور باعث لعنت، اگرچہ سود لینا زیادہ جرم ہے کہ اس میں گناہ بھی ہے اور مقروض پر بلکہ اس کے بچوں پر ظلم بھی گویا حق اللہ حق العباد دونوں اس میں جمع ہیں۔ ٣ہ گودنے گدوانے سے مراد سوئی کے ذریعہ نیل یا سرمہ جسم میں لگا کر نقش ونگار کرانا یا اپنا نام لکھوانا، یہ دونوں کام ممنوع ہیں طریقہ مشرکین ہیں اور طریقہ کفار و فجار۔ ٤ہ جاندار کا فوٹو لینا حرام ہے خواہ قلم سے ہو یا کیمرہ سے، فوٹو لینے والے پر لعنت فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ کھچوانے والے پر لعنت نہیں فرمائی، اگر کسی کا بےخبری میں فوٹو لے لیا گیا تو ظاہر ہے کہ وہ بےقصور ہے، اور اگر عمداً کھچوایا تو کھچوانا ممنوع ہے کہ یہ جرم پر امداد ہے ٥ہ پتلی نشہ آور چیز خواہ شراب انگوری ہو یا کھجور وغیرہ کی یا تاڑی یا کوئی اور چیز مطلقًا حرام ہے، نشہ دے یا نہ دے اس پر فتویٰ ہے، ان سب کی تجارت بھی حرام ہے، خشک نشہ آور چیزیں جیسے بھنگ، افیون وغیرہ کا استعمال نشہ کے لیے حرام ہے، اور دواؤں میں جبکہ یہ نشہ نہ دیں تو حلال، لہذا ان کی بیع حلال ہے کہ ان سے انتفاع حلال بھی ہے: مردار سے مراد وہ مرا ہوا جانور ہے جو بغیر ذبح کھایا نہیں جاتا لہذا مری مچھلی کی تجارت درست ہے، بتوں کی تجارت خواہ فوٹو کی شکل میں ہوں یا مجسم حرام ہے، جیسے ہنومان، بھوانی، رامچندر وغیرہ کے مجسمے یا فوٹو ان کی تجارت حرام ہے: بچوں کے کھلونے گڑیا وغیرہ کی تجارت حرام نہیں کہ یہ بت نہیں ہیں۔ ٦ہ سائل کا مقصد یہ تھا کہ اگر مردار کی چربی کی تجارت یا اس کا استعمال بند کر دیا گیا تو بہت سے ضروری کام بند ہو جائیں گے لہذا اس کی اجازت دی جائے ٧ہ یعنے مردار کی چربی کا استعمال حرام ہے (حنفی) یا اس کی تجارت حرام ہے (شافعی) احناف کے ہاں مردار کی چربی صابن، چراغ یا چمڑوں میں استعمال کرنا حرام ہے

اللہ لَمَّا حَرَّمَ شُحُوْمَهَا اَجْمَلُوْهُ ثُمَّ بَاعُوْهُ فَاَكَلُوْا ثَمَنَهٗ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَاتَلَ اللہُ الْيَهُوْدَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُوْمُ فَجَمَلُوْهَا فَبَاعُوْهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ حَجَمَ اَبُوْ طَيْبَةَ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ لَهٗ بِصَاعٍ مِّنْ تَمْرٍ وَاَمَرَ اَهْلَهٗ اَنْ يُّخَفِّفُوْا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ **اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ** عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ

مردار کی چربی حرام کی تو انہوں نے اسے پگھلایا پھر اسے بیچا اور اسکی قیمت کھائی لہ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عمر سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود کو خدا غارت کرے ۲ ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے اسے پگھلایا پھر بیچا ۳ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا ۴ (مسلم) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ابو طیبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصد لی تو حضور نے اس کیلئے ایک صاع کھجوروں کا حکم دیا ۵ اور اسکے مالکوں کو حکم دیا تو انہوں نے اسکے وظیفہ آمد سے کمی کردی ۶ (مسلم بخاری) دوسری فصل: روایت ہے حضرت

نجس تیل فروخت بھی کرسکتے ہیں اور ان مقامات میں استعمال بھی کرسکتے ہیں، کافر کی نعش بیچنا حرام ہے چنانچہ نوفل مخزومی جو غزوہ خندق میں مارا گیا تھا کفار نے دس ہزار درہم اس کی نعش کی قیمت پیش کی حضور نے انکار فرمادیا، یوں ہی نجس شہد نجس دودھ نجس کھانا جانور کو کھلا دینا جائز ہے، مگر مردار کی چربی ان میں سے کسی جگہ خرچ نہیں کرسکتے (مرقات واشعہ) نجس تیل کا چراغ مسجد میں جلانا منع ہے (لمعات واشعہ) ۲ مشکوۃ کے عام نسخوں میں شحومھا واحد مؤنث کی ضمیر ہے اسکا مرجع میت ہے بعض نسخوں میں شحومھما ہے تثنیہ کی ضمیر ہے اس کا مرجع گائے بکری ہیں کہ ان کی چربیاں یہود پر حرام تھیں، رب تعالٰی فرماتا ہے وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَا یعنے یہود پر مردار کی یا گائے بکری کی چربی حرام کی گئی تو انہوں نے اسے پگھلا کر فروخت کیا اور قیمت استعمال کی، بولے کہ ہم نے شحم نہیں کھائی بلکہ پگھلی چربی کی قیمت کھائی ہے: معلوم ہوا کہ حرام کا حیلہ کرنا بھی حرام ہے، ہاں حرام سے بچنے کیلئے حیلہ کرنا اچھا ہے (لمعات، مرقات، اشعہ) مسلمان ضرورت پر حرام سے بچنے کا حیلہ کرتے ہیں: ۲ یہ کلمہ بد دعا کیلئے ہے یا اظہار غضب کے لئے، اس میں مسلمانوں کو بتایا جارہا ہے کہ تم نے مردار کی چربی اس طرح استعمال کی تو تم بھی میری بد دعا کے مستحق ہوگے اس سے سخت پرہیز کرو: ۳ یہود کچی چربی کو شحم اور پگھلی ہوئی کو ودک کہتے تھے، انہوں نے کہا ہم پر شحم حرام ہے ودک حرام نہیں، پھر ہم ودک بھی نہیں استعمال کرتے بلکہ اس کی قیمت کام میں لاتے ہیں: خیال رہے کہ مردار کی کھال پکا کر کام آسکتی ہے، مگر چربی پگھلا کر بھی کام نہیں آسکتی: اس حدیث میں چربی کا یہی حکم بتانا مقصود ہے: ۴ یا تو کتے بلی سے مراد غیر نافع کتے بلی ہیں جیسے دیوانہ کتا، وحشی بلی کہ اگر اسے باندھ کر رکھو تو چوہوں کا شکار نہ کرے اور اگر کھول دو تو بھاگ جائے اور یا مطلقًا کتا بلی مراد ہے، اور نہی کراہت تنزیہی کیلئے ہے یعنے ان کا فروخت کرنا غیر مناسب ہے، یہ جانور تو یوں ہی بطور ہبہ دے دینا چاہئیں: یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ کتے کی بیع جائز ہے، کیونکہ بلی کی بیع تمام ائمہ کے ہاں درست ہے، اور یہاں ممانعت میں کتے بلی دونوں کو ملا دیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ کتے کی بیع بھی بلی کی طرح جائز، مگر غیر مناسب ہے: یہ حدیث صحیح ہے: ۵ ابو طیبہ کا نام نافع یا دینار ہے، لقب میسرہ، یہ بنی بیاضہ کے غلام تھے، انکے مولٰے کا نام محیصہ ابن مسعود انصاری ہے: یہ فصد لینے کے فن میں بڑی مہارت رکھتے تھے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فصد کی اجرت جائز ہے جہاں

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَطْيَبَ مَا اَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ وَاِنَّ اَوْلَادَكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِيِّ اِنَّ اَطْيَبَ مَا اَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهٖ فَاِنَّ وَلَدَهٗ مِنْ كَسْبِهٖ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَكْسِبُ عَبْدٌ مَالَ حَرَامٍ فَيَتَصَدَّقُ مِنْهُ فَيُقْبَلُ مِنْهُ وَلَا يُنْفِقُ مِنْهُ فَيُبَارَكُ لَهٗ فِيْهِ وَلَا يَتْرُكُهٗ خَلْفَ ظَهْرِهٖ اِلَّا كَانَ زَادَهٗ اِلَى النَّارِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَمْحُو السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ وَلٰكِنْ

عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پاکیزہ غذا جو تم کھاؤ وہ تمہاری اپنی کمائی اور تمہاری اولاد تمہاری اپنی کمائی ہے [۱] (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اور ابوداؤد و دارمی کی ایک روایت میں یوں ہے۔ کہ پاکیزہ ترین غذا جو انسان کھائے وہ اپنی کمائی کی ہے اور اس کا بیٹا اس کی کمائی سے ہے [۲] روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی بندہ حرام مال کمائے پھر اس سے خیرات کرے تو وہ قبول ہو جائے [۳] اور نہ یہ کہ اس سے خرچ کرے تو اس میں اسے برکت ہو [۴] اور اس حرام کو اپنے پس مرگ کے لیے نہ چھوڑے مگر یہ اس کا آگ کا توشہ ہو گا [۵] اللہ تعالیٰ برائی سے برائی

جہاں ممانعت آئی ہے وہاں تنزیہی کراہت مراد ہے وہ فرمان عالی کراہت کے بیان کیلئے ہے، اور یہ عمل شریف بیان جواز کیلئے لہٰذا احادیث متعارض نہیں [۶] خراج سے غلام کی آمدنی مراد ہے، مولیٰ اپنے غلام کو کاروبار کی اجازت دے دیتا تھا اور کہتا تھا کہ تو مجھے روزانہ اتنے پیسے دے دیا کر باقی کمائی تیری، جیسے آج بعض لوگ تانگے، گاڑیاں ٹھیکے پر دے دیا کرتے ہیں اسے خراج کہتے تھے: اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ دوا و علاج جائز ہے، دوسرے یہ کہ معالج و طبیب کو اجرت دینا جائز ہے: تیسرے یہ کہ خراج کم کرنے کی سفارش کرنا جائز ہے: چوتھے یہ کہ فصد لینا جائز ہے: پانچویں یہ کہ فصد کی اجرت جائز ہے۔

[۱] یعنے اپنے کو بیکار نہ رکھو بلکہ روزی کماؤ اور کما کر کھاؤ اور اولاد کی کمائی بھی تمہاری اپنی کمائی ہی ہے کہ بالواسطہ وہ گویا تم ہی نے کمایا ہے، علماء فرماتے ہیں کہ اولاد پر والدین کا خرچہ بوقت ضرورت واجب ہے، اور اگر انہیں حاجت نہ ہو تو مستحب ہے، اور وجوب کی حالت میں ماں باپ اولاد کی اجازت کے بغیر اس کا کھانا کھا پی سکتے ہیں، مگر غائب اولاد کی چیز اپنے نفقہ میں فروخت نہیں کر سکتے اِلَّا بِاِذْنِ حاکم: اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے [۲] اگرچہ ولد مطلق اولاد کو کہتے ہیں لڑکی ہو یا لڑکا، مگر ایسے مقامات پر عموماً لڑکا مراد ہوتا ہے کیونکہ لڑکیاں کمائی کم کرتی ہیں خود ان کا اپنا خرچ خاوند پر ہوتا ہے، لیکن اگر لڑکی امیر ہو اور باپ فقیر تو لڑکی پر بھی اپنے مال سے باپ کا خرچ لازم ہے: خیال رہے کہ یہ حدیث مختلف الفاظ سے آئی ہے، ایک روایت میں ہے اذھب انت ومالك لابیك یعنے تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے: دوسری روایت میں ہے انت ومالك لابیك غرضکہ باپ کو اولاد کا مال خرچ کرنے شرعاً بھی حق ہے اور قانوناً بھی: اس سے اشارۃً معلوم ہو رہا ہے کہ اگر اولاد کی کمائی خالص حرام ہے تو باپ نہ کھائے کہ اپنی حرام کمائی کھانا بھی حرام ہے، تو اولاد کی حرام کمائی کیسے حلال ہو گی، اسی لیئے اسے کسب فرمایا [۳] خلاصہ یہ ہے کہ حرام مال کا صدقہ قبول نہیں، رب کی بارگاہ میں حلال مال پیش کرو: خیال رہے کہ حرام مال وہ ہے جو حرام ذریعہ سے حاصل کیا جائے، سود، چوری، زنا، شراب، گانا، ناچنا وغیرہ [۴] یعنے حرام کمائی میں خود بھی برکت نہیں، حلال میں برکت ہے، کتیا سال میں دس بار جنتی ہے اور ایک بھی ذبح نہیں ہوتا اور بکری سال میں ایک دو بچے دیتی ہے اور روزانہ ہزاروں ذبح ہوتے ہیں، مگر گلے بکریوں کے نکلتے ہیں نہ کہ کتوں۔

يَمْحُو السَّيِّئَ بِالْحَسَنِ اِنَّ الْخَبِيْثَ لَا يَمْحُو الْخَبِيْثَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَكَذَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ، وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتِ النَّارُ اَوْلٰى بِهٖ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَعَنِ الْحَسَنِ ابْنِ عَلِيٍّ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَا لَا يُرِيْبُكَ فَاِنَّ الصِّدْقَ طُمَاْنِيْنَةٌ وَاِنَّ الْكِذْبَ رِيْبَةٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَ

نہیں مٹاتا لیکن بھلائی سے برائی مٹاتا ہے [۱] یقیناً پلید پلید کو مٹاتا نہیں [۲] (احمد، شرح سنہ میں بھی یوں ہی ہے) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ گوشت جنت میں نہ جائے گا جو حرام سے اگا ہو [۳] اور جو گوشت حرام سے اگے اس سے آگ بہت قریب ہے [۴] (احمد۔ دارمی۔ بیہقی شعب الایمان) روایت ہے حضرت حسن ابن علی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک یہ بات یاد کی ہے [۵] کہ اسے چھوڑ دو جو تمہیں شک میں ڈالے ادھر رجوع کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے [۶] کیونکہ سچ اطمینان ہے اور جھوٹ تردد ہے [۷] (احمد، ترمذی، نسائی) اور

کیونکہ کتا حرام ہے بکری حلال، اور حلال میں برکت ہے حرام میں بے برکتی۔ [۵] یعنے جب تک اس کے وارثین اسکا حرام مال کھائیں گے یا برتیں گے اسے دوزخ میں عذاب ہوتا رہے گا کیونکہ یہ حرام کا سبب بنا، معلوم ہوا کہ جیسے بعض صدقے جاریہ ہوتے ہیں ایسے ہی بعض حرام بھی گناہ جاری ہو جاتے ہیں۔ یہ خیال رہے کہ سود و چوری کا پیسہ تو ملک بنتا ہی نہیں، نہ اس کی میراث جاری ہو، بلکہ حق والے پر واپس کر دینا لازم ہے، اور اگر اس کا پتہ نہ لگے تو اس کے نام پر خیرات کر دیا جائے۔ یہاں ان حرام مالوں کا ذکر ہے جو حرام ذریعوں سے اپنے ملک میں آئیں، جیسے گا کر بجا کر پیسہ کمانا، لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حرام مال کی میراث کیسی۔

[۱] سبحان اللہ کیسا نفیس قاعدہ بیان فرمایا کہ وہ جو قرآن شریف میں ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ کہ بھلائیاں برائیوں کو دفع کر دیتی ہیں اور صدقہ کرنا بھلائی ہے۔ اس صدقے سے حرام کمائی کا گناہ کیوں نہ مٹا، ارشاد فرمایا کہ حرام مال سے صدقہ کرنا بھلائی نہیں بلکہ برائی ہے اور برائی سے برائی نہیں مٹتی، پاک پانی گندے کپڑے کو پاک کر سکتا ہے نہ کہ ناپاک پانی ایسے ہی طیب و حلال صدقہ گناہ مٹائے گا، نہ کہ حرام کا صدقہ۔ [۲] خبیث کے معانی پہلے بیان کئے گئے۔ یہاں یا گندگی کے معنے میں ہے یا حرام کے۔ [۳] یعنے اولاً نہ جائیگا بلکہ سزا پانے کے بعد یا جنت کے درجہ عالیہ میں نہ جائیگا بلکہ ادنے درجہ میں گوشت سے مراد خود گوشت والا ہے، اور اگنے سے مراد پرورش پانا ہے، یعنے جو شخص حرام کھا کر پلا، وہ جنت میں کیسے جائے طیب جگہ طیب لوگوں کے لئے ہے۔

[۴] یعنے حرام خور دوزخ کی آگ کا مستحق ہے کہ مرے اور آگ میں پہنچے، کیونکہ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ گندے لوگوں کیلئے گندی چیزیں ہیں، اگر یہ شخص توبہ کرے یا صاحب حق سے معاف کرا لے یا شفاعت سے معافی ہو جائے، تو ہو سکتی ہے۔ یہ صورتیں اس قاعدے سے علیحدہ ہیں (مرقات)۔ [۵] ظاہر یہ ہے کہ آپ نے بلاواسطہ حضور سے یہ سنا اور یاد کیا، کیونکہ حضور انور کی زندگی شریف میں امام حسن قدرے سمجھدار تھے بچوں کا حدیث سننا معتبر ہے جبکہ کچھ سمجھدار ہوں اور ہو سکتا ہے کہ آپ نے کسی صحابی سے سنا ہو چونکہ یہ قول رسول تھا اس لئے اسے حضور کی طرف نسبت فرما دیا، جیسے ہم کہہ دیتے ہیں کہ حضور نے یہ فرمایا یا ہمیں حضور کا یہ فرمان یاد ہے۔ [۶] یعنے جو کام یا کلام تمہارے دل میں کھٹکے کہ نہ معلوم حرام ہے یا حلال، اسے چھوڑ دو، اور جس پر دل گواہی دے کہ یہ ٹھیک ہے

رَوَی الدَّارمیُّ ۞ الفَصْلُ الاَوَّلُ ۞ وَعَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا وَابِصَۃُ جِئْتَ تَسْأَلُ عَنِ الْبِرِّ وَالْاِثْمِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَجَمَعَ اَصَابِعَہٗ فَضَرَبَ بِھَا صَدْرَہٗ وَقَالَ اِسْتَفْتِ نَفْسَكَ اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ ثَلٰثًا اَلْبِرُّ مَا اطْمَاَنَّتْ اِلَیْہِ النَّفْسُ وَاطْمَاَنَّ اِلَیْہِ الْقَلْبُ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِی النَّفْسِ وَتَرَدَّدَ فِی الصَّدْرِ وَاِنْ اَفْتَاكَ النَّاسُ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ

راوی نے پہلی چیز روایت فرمائی ؛ روایت ہے حضرت وابصہ ابن معبد سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے وابصہ تم نیکی اور گناہ کے متعلق پوچھنے آئے ہوئے ہو۔[۱] عرض کیا ہاں لہ فرماتے ہیں کہ حضور انور نے اپنی انگلیاں جمع کرکے ان کے سینہ پر لگائیں اور تین بار فرمایا اپنے دل سے فتویٰ لے لیا کرو[۲] نیکی وہ ہے جس پر طبیعت جمے اور جس پر دل مطمئن ہو۔[۳] اور گناہ وہ ہے جو طبیعت میں نہ جمے اور دل میں کھٹکے۔ اگرچہ لوگ اس کا فتویٰ دے دیں[۴] (احمد و

اسے اختیار کرو مگر یہ ان حضرات کے لئے ہے جو حضرت حسن جیسی قوت قدسیہ و علم لدنی والے ہوں جن کا فیصلہ قلب کتاب و سنت کے مطابق ہو عام لوگ یا جو نفسانی و شیطانی وہمیات میں پھنسے ہوں اُن کے لئے یہ قاعدہ نہیں (مرقات و اشعہ) بعض لاپرواہ لوگ قطعی حراموں میں کوئی تردد نہیں کرتے، اور بعض وہم پرست جائز چیزوں کو بلاوجہ حرام و مشکوک سمجھ لیتے ہیں اُن کیلئے یہ قاعدہ نہیں ہے، لہذا حدیث واضح ہے[۵] یعنے مومن کامل کا دل سچے کام و سچے کلام سے مطمئن ہوتا ہے اور مشکوک اشیاء سے قدرتی طور پر متردد ہوتا ہے؛ یہاں لمعات میں فرمایا گیا کہ جب آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہو تو حدیث کی طرف رجوع کرو اور اگر حدیثیں بھی متعارض نظر آئیں تو اقوال علماء کو تلاش کرو، اور اگر ان میں بھی تعارض نظر آئے، تو اپنے دل سے فتوے لو اور احتیاط پر عمل کرو، یہ سارے احکام صاف دل اور پاکیزہ نفوس کے لئے ہیں (لمعات مختصرًا) کسی کو جھوٹ سے اطمینان ہو اور گناہ سے خوشی ہو نیکیوں سے دل گھبرائے، تو وہ دل کی آواز نہیں بلکہ نفس امارہ کی شرارت ہے نفس اگر دل پر غالب آجائے تو بہت پریشان کرتا ہے، اور اگر دل نفس پر غالب ہو تو سبحان اللہ یہی حال عقل کا ہے

عقل زیر حکم دل یزدانی است ؎ چون ز دل آزاد شد شیطانی است

اللہ تعالٰے دل کو نفس و عقل پر غالب رکھے، آمین ؛

[۱] یہ غیبی خبر ہے کہ حضرت وابصہ جو سوال دل میں لے کر آئے تھے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کے بغیر عرض کئے ہوئے ارشاد فرما دیا، معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰے نے انہیں دلوں کے حال پر مطلع فرمایا ہے، کیوں نہ ہو انہیں تو پتھروں کے دلوں پر اطلاع ہے کہ فرماتے ہیں احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے

اے کہ ذات پاک تو صبح ظہور ؎ چشم تو بینندہ ما فی الصدور

[۲] حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت وابصہ کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر اُن کے قلب کو فیض دیا جس سے اُن کا نفس بجائے امارہ کے مطمئنہ ہو گیا اور دل خطرات شیطانی و وسوسوں سے پاک و صاف ہو گیا، صوفیاء کرام جو مریدوں کے سینے پر ہاتھ مار کر یا توجہ ڈال کر انہیں فیض دیتے ہیں اُن کی اصل یہ حدیث بھی ہے ؛

[۳] یعنے آج سے اے وابصہ گناہ اور نیکی کی پہچان یہ ہے کہ جس پر تمہارا دل و نفس مطمئنہ جمے وہ نیکی ہو گی اور جسے تمہارا دل و نفس مطمئنہ قبول نہ کرے، وہ گناہ ہو گا، یہ حکم حضرت وابصہ کے لئے آج سے ہو گیا، یہ حضور کے ہاتھ شریف کا اثر ہوا ہم جیسے لوگوں کو یہ حکم نہیں، یہاں مرقات نے فرمایا کہ غیر مجتہد یعنے مقلد تو اپنے امام سے فتوے لے اور مجتہد اپنے دل سے ؛ [۴] یعنے عام لوگوں کے فتوے کا تم اعتبار نہ کرنا کیونکہ اُن کے دلوں پر ہمارا ہاتھ نہیں پہنچا، اپنے

الدَّارِمِیُّ ۔ وَعَنْ عَطِيَّةَ السَّعْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَا لَا بَاْسَ بِهٖ حَذَرًا لِّمَا بِهٖ بَاْسٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمْرِ عَشَرَةً عَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ اِلَيْهِ وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَاٰكِلَ ثَمَنِهَا وَالْمُشْتَرِيَ لَهَا وَالْمُشْتَرٰى لَهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ ۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰهُ الْخَمْرَ وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ

دارمی) ۔ روایت ہے حضرت عطیہ سعدی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ پرہیزگاروں میں سے ہونے کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا حتے کہ مضائقہ والی چیزوں سے ڈرتے ہوئے غیر مضائقہ والی چیزوں کو چھوڑ دے [۱] (ترمذی، ابن ماجہ) ۔ روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس شخصوں پر لعنت فرمائی [۲] اس کے نچوڑنے والے، نچوڑوانے [۳] پینے والے، اٹھانے والے پر اور اس پر جس کی طرف پہنچائی جائے پلانے والے پر بیچنے والے پر اس کی قیمت کھانیوالے پر خریدنیوالے پر اور جس کیلئے خریدی جائے اس پر [۴] (ترمذی، ابن ماجہ) ۔ روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ لعنت کرے شراب پر [۵] اس کے پینے والے، پلانیوالے پر اور اسکے بیچنے والے اور خریدار پر، نچوڑ والے اور نچوڑوانے

دل و نفس کا فتوے قبول کرو اگر تمہارے دل کا فتوے ہمارا فیصلہ ہوگا کہ ہمارا ہاتھ تمہارے دل پر ہے

شعر

دل کرو ٹھنڈا مرا وہ کف پا چاند سا ؛ سینہ پر رکھ دو ذرا تم پہ کروڑوں درود
آنکھ عطا کیجئے اس میں جلا دیجئے ؛ جلوہ قریب آگیا تم پہ کروڑوں درود

خیال رہے کہ فتوے فتوٌ سے بنا بمعنے پیش آنا، حادثہ ہونا، یا قوت، چونکہ شرعی مسئلہ حادثات کے پیش آنے پر معلوم کیا جاتا ہے اور عالم کے حکم حاصل ہوجانے سے سائل کو قوت حاصل ہوجاتی ہے، اس لیے مسئلہ شرعی کو فتوے کہا جاتا ہے ۔

[۱] یہ فرمان عالی بہت جامع ہے جس میں صدہا احکام آگئے، حرام سے بچنے کیلئے مکروہات سے پرہیز کرو گناہوں سے بچنے کیلئے مشکوک و مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرو، بُرے لوگوں سے بچنے کے لیے مشتبہ لوگوں سے الگ رہو

شعر

نگہ دارد آں شوخ در کیسہ دُر ؛ کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بُر

[۲] اگرچہ یہ دسوں گناہ میں مختلف ہیں مگر لعنت کے مستحق سبھی ہیں، خیال رہے کہ اجمالاً گنہگار پر بھی لعنت کرنا جائز ہے جیسے کہا جائے کہ جھوٹوں پر لعنت مگر نام لیکر لعنت صرف کفار پر جائز ہے، کسی گنہگار مسلمان پر جائز نہیں اور بعد مرے صرف اسی کافر پر لعنت جائز ہے جس کا کفر پر مرنا یقینی سے معلوم ہو، صرف لعان میں خاوند و بیوی اپنے پر لعنت کرتے ہیں کہ اگر میں نے جھوٹ کہا ہو تو مجھ پر لعنت ہے ۔ [۳] یعنے اپنے لئے انگور وغیرہ نچوڑ کر شراب بنائے تب بھی لعنت اور اگر دوسرے کیلئے بنائے تب بھی لعنت بنانے والے پر بھی اور بنوانے والے پر بھی ۔ [۴] اس سے معلوم ہوا کہ گناہ پر مدد کرنا بھی گناہ ہے جیسے نیکی پر مدد کرنا نیکی ہے، رب تعالٰے فرماتا ہے ،

إِلَيْهِ رَوَاهُ أَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ ۔ وَعَنْ مُحَيِّصَةَ أَنَّهُ اسْتَاذَنَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أُجْرَةِ الْحَجَّامِ فَنَهَاهُ فَلَمْ يَزَلْ يَسْتَاذِنُهُ حَتّٰى قَالَ اَعْلِفْهُ نَاضِحَكَ وَاَطْعِمْهُ رَقِيْقَكَ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ ۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَكَسْبِ الزَّمَّارَةِ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ ۔ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

والے اٹھانے والے پر اور جس تک پہنچائی جائے اس پر ۱؎ (ابوداؤد، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت محیصہ ۲؎ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پچھنے لگانیوالے کی مزدوری کی اجازت مانگی تو آپ نے انہیں منع فرمادیا۔ وہ اجازت مانگتے ہی رہے۔ ۳؎ تب فرمایا کہ وہ اپنی اونٹنی کو چرا دو اور اپنے غلام کو کھلا دو۔ ۴؎ (مالک، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں منع فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کتے کی قیمت اور گانے بجانے کی کمائی سے ۵؎ (شرح سنہ) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں فرمایا

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؎ شراب پر لعنت کرنے کے معنے یہ ہیں کہ اسے رب نے تمام خوبیوں سے خالی کردیا اور اس میں ہر عیب بھر دیا، اسی لئے اس کا نام اُمّ الخبائث یعنے گناہوں کی اصل و جڑ ہے کہ نشہ میں انسان سارے گناہ کر لیتا ہے۔

۱؎ یہ کلمہ عام ہے خواہ پینے والے تک پہنچائی جائے یا دکاندار تک یا امانتدار تک یعنے شراب پہنچانے کی مزدوری کرنے والا شراب کو بطور امانت رکھنے والا بیچنے والا سب ہی لعنت کے مستحق ہیں۔ ۲؎ آپ کا نام محیصہ ابن مسعود انصاری ہے حویصہ کے بھائی ہیں، غزوۂ خندق اور بعد والے غزوات میں شریک رہے، آپ کے اسلام کا عجیب واقعہ ہے جو اس جگہ اشعۃ اللمعات وغیرہ میں مذکور ہے۔ ۳؎ حضرت محیصہ خود یہ کام نہ کرتے تھے، غالب یہ ہے کہ ان کا غلام کرتا ہوگا جس کا خرچ یہ لیتے ہونگے، اس لئے مسئلہ پوچھا کہ آیا اس میرے غلام کو اجرت لینا اور مجھے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ غلام کا مال اپنا مال ہوتا ہے اس لئے یہ حکم ہوا اور نہ اگر کسی کی آمدنی کا ذریعہ غیر درست ہو تو اس کے ہاتھ ہم چیز فروخت کرسکتے ہیں، اس سے کرایہ مکان وغیرہ لے سکتے ہیں جبکہ وہ اس روپیہ کا مالک ہوگیا ہو سُود، شراب کی قیمت، جھوٹے کی آمدنی کا حکم اور ہے، ناجائز پیشوں کی آمدنی کا حکم دوسرا۔ ۴؎ حضرت محیصہ یا تو یہ سمجھ گئے تھے کہ یہ ممانعت تنزیہی ہے، ایسے بار بار دریافت کرنے سے ممکن ہے کہ یہ بھی جاتی رہے یا ان کا عقیدہ یہ تھا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم باذنِ پروردگار مالک احکام شرعیہ ہیں، اسلئے بار بار عرض کرتے رہے، ورنہ حضور کے منع فرمادینے کے بعد پھر پوچھتے رہنا اور اصرار کرنا ممانعتِ فرمان کی وجہ سے نہ تھا، رب تعالٰی فرماتا ہے مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ جیسے حضرت عباس نے فرمانِ عالی سن کر عرض کیا تھا کہ حضور اذخر گھاس کاٹنے کی اجازت دے دیں، اور حرم شریف کے حکم سے اسے مستثنٰی فرمادیں، بہرحال اس حدیث سے روافض کا اعتراض نہیں پڑ سکتا، اور صحابہ کرام کی سرتابی ثابت نہیں ہوسکتی۔ ۵؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت کراہت تنزیہی کی ہے ورنہ آزاد و غلام میں فرق نہ ہوتا یعنے آزاد لوگوں کو ایسے ادنٰی وخسیس پیشے کی کمائی کھانا اچھا نہیں معلوم ہوتا اس لئے تم خود تو وہ کمائی نہ کھاؤ تمہاری شان کے لائق نہیں، البتہ اپنے غلاموں یا جانوروں کو کھلا دو کہ ان کا وہ احترام نہیں جو آزاد مسلمانوں کا ہے، پھر یہ بھی گذر چکا کہ خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فصد کی اجرت ایک غلام کو عطا فرمائی، وہ عمل شریف بیانِ جواز کے لئے تھا اور یہ فرمانِ عالی بیانِ کراہت کیلئے ہے، لہٰذا دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں۔ ۶؎ صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ زمارہ ہے، پہلے ز نقطے والی، بعد میں ر بغیر نقطے کی، زمر سے مشتق ہے بمعنے گانا اور آواز لہرانا، اسی لئے باجہ کو زمار کہتے ہیں جمع مزامیر یعنے حضور انور نے گانے بجانے کی اجرت لینے اور دینے سے منع فرمایا، اس سے مراد ناجائز گانے ہیں جیسے رنڈیوں کنجریوں کے گیت۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتبیعوا القینات ولا تشتروھن ولا تعلموھن وثمنھن حرام وفی مثل ھذا انزلت ومن الناس من یشتری لھو الحدیث رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ وقال الترمذی ھذا حدیث غریب وعلی بن یزید الراوی یضعف فی الحدیث وسنذکر حدیث جابر نھی عن اکل الھر فی باب مایحل اکلہ ان شاء اللہ تعالٰی ⁘ الفصل

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ رنڈیوں کو نہ بیچو نہ خریدو ۱ اور انہیں یہ سکھاؤ ۲ اور ان کی قیمت حرام ہے ۳ اور اس جیسی صورتوں کے متعلق یہ آیت اتری ہے کہ بعض لوگ کھیل کود کی باتیں خریدتے ہیں ۴ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور علی ابن یزید راوی، حدیث میں ضعیف مانے گئے ہیں ۵ اور ہم حضرت جابر کی یہ حدیث کہ بلی کھانے سے منع فرمایا۔ مایحل اکلہ کے باب میں ان شاء اللہ ذکر کریں گے ⁘ فصل

نعت خوانوں کو اجرت یا ہدیہ دیا جائے وہ اس حکم سے خارج ہے کتے کی قیمت کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے کہ اسکی حرمت منسوخ ہے یا اس سے دیوانہ یا بیکار کتا مراد ہے جو مال نہیں، جیسے گندا انڈا: گانے کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ حرام گانے اور باجوں کی اجرت حرام ہے، جائز کی جائز، شادی بیاہ میں دف بجانے کی اجرت جائز ہے اگر یہ دف جائز ہے: کھیل کود کے باجوں کی اجرت ناجائز ہے کہ یہ باجے ناجائز ہیں، طبلِ غازی، دفِ شادی، اعلانِ چاند و اعلانِ افطار وغیرہ کے نقارے تمام جائز ہیں، نعت خواں، بعض صورتوں میں خاص صوفیاء کے لئے خاص قوالی جائز ہے، اُن کی اجرت جائز، آج کل عموماً قوالیاں حرام ہیں، جائز و ناجائز قوالی کی بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اوّل میں دیکھئے، اور شامی باب الکراہیت میں مطالعہ فرمایئے، نیز تفسیر احمدی وغیرہ میں ملاحظہ کیجئے ⁘

۱ یعنے گانے بجانے کا پیشہ کرنے والی لونڈیوں کو نچانے اور گانے کے لئے نہ خریدو نہ فروخت کرو، اگر یہ نیت نہ ہو بلکہ اُن سے دوسری خدمت لینے کا ارادہ ہو تو ان کا خریدنا جائز بلکہ بہتر ہے کہ وہ اس ذریعہ سے توبہ کرلیں گے ⁘ ۲ یعنے لونڈیوں کو گانے بجانے کی تعلیم دینا حرام ہے، اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اپنی لڑکیوں کو کالجوں و سکولوں میں گانے کی تعلیم دلواتے ہیں، رب تعالٰے اس زمانہ کی شر سے مسلمانوں کو بچائے، یہ گانے زنا کے پیش خیمے ہیں، جب زنا حرام ہے تو اس کے اسباب بھی حرام ہیں ⁘ ۳ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تب بھی اس سے مراد قیمت کی کراہیت ہے جبکہ اُسے گانے بجانے کے لئے فروخت کیا ہو، اُس کے ہاتھ جو اُن سے یہ پیشہ کرائے، جیسے شراب بنانے والے کے ہاتھ انگور کی بیع کو بعض علماء منع کرتے ہیں کہ یہ گناہ پر امداد ہے ورنہ گانے والی کی نہ قیمت حرام ہے نہ ان کی بیع (مرقات) ⁘ ۴ یہ آیت کریمہ نضر ابن حارث کے متعلق نازل ہوئی، جو گانے والی لونڈیاں اور عجمی قصّے کہانیوں کے ناول خرید کر مسلمانوں میں رائج کرنا چاہتا تھا تاکہ مسلمان ان گانوں اور قصوں میں پھنس کر اسلامی تعلیم سے یکسر علیحدہ ہو جائیں، اور کہتا تھا کہ محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم تو تمہیں عاد و ثمود کے قصّے سناتے ہیں میں تمہیں رستم و اسفندیار کی کہانیاں سُناتا ہوں: لھو الحدیث میں اضافہ من تبعیضیہ کی ہے، یا من تبعیضیہ کی حدیث سے مراد بات ہے تو من تبعیضیہ ہے: اور اگر مطلقًا کلام یا کام ہے تو من تبیینیہ ہے، جو کام یا کلام نفع سے خالی ہو یعنے عبث و بیکار ہو یا مضر ہو یا دین سے روکے وہ سب لہو ہے، گانا بجانا لغو قصّے کہانیاں، نماز کے وقت تجارت میں مشغولیت سب کچھ لہو ہے ⁘ ۵ ائمہ حدیث نے جیسے امام احمد یحیٰے، ابوزرعہ، نسائی وغیرہ نے علی ابن یزید کو ضعیف فرمایا: شیخ نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ حرمت غنا یعنے گانے بجانے کی حرمت میں کی احادیث ضعیف ہیں، اس بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ملی، فقیر کہتا ہے کہ اگر اس بارے میں کوئی حدیث صحیح نہ ملے جب بھی قرآن

اَلثَّالِثُ عَنْ عَبْدِ اللہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَلَبُ کَسْبِ حَلَالٍ فَرِیْضَۃٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ ٭ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ سُئِلَ عَنْ اُجْرَۃِ کِتَابَۃِ الْمُصْحَفِ فَقَالَ لَا بَاْسَ اِنَّمَا ھُمْ مُصَوِّرُوْنَ وَاِنَّھُمْ اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ مِنْ عَمَلِ اَیْدِیْھِمْ رَوَاہُ رَزِیْنٌ ٭ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍ قَالَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللہِ اَیُّ الْکَسْبِ اَطْیَبُ قَالَ عَمَلُ الرَّجُلِ بِیَدِہٖ وَکُلُّ بَیْعٍ مَّبْرُوْرٍ رَوَاہُ اَحْمَدُ ٭ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ اَبِیْ مَرْیَمَ قَالَ کَانَتْ لِمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِیْکَرِبَ جَارِیَۃٌ

تیسری روایت ہے حضرت عبداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حلال کمائی کی تلاش[1] ایک فرض کے بعد دوسرا فرض ہے[2] (بیہقی شعب الایمان) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ آپ سے قرآن مجید لکھنے کی اجرت کے متعلق پوچھا گیا[3] تو فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں یہ لوگ تو نقش باندھنے والے ہیں اور اپنے ہاتھ کے کام سے کھاتے ہیں[4] (رزین) روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ کون کسب بہت پاکیزہ ہے فرمایا انسان کی اپنے ہاتھ کی دستکاری اور ہر سچی تجارت[5] (احمد) روایت ہے حضرت ابوبکر ابن ابی مریم سے فرماتے ہیں کہ حضرت مقدام ابن معدیکرب کی ایک لونڈی تھی[6]

کریم کی آیت کافی ہے نیز احادیث ضعیفہ متعدد ہو کر حسن بن جاتی ہیں۔ [1] کسب بمعنے مکتسب ہے یعنے پیشہ اور حلال حرام کا مقابل بھی ہے اور مشتبہات کا بھی کیونکہ حرام کمائی کی تلاش حرام ہے اور مشتبہ کی مکروہ، مرقات۔ تلاش سے مراد جستجو کرنا اور حاصل کرنا ہے۔ [2] یعنے عبادات فرضیہ کے بعد یہ فرض ہے کہ اس پر بہت سے فرائض موقوف ہیں، خیال رہے کہ یہ حکم سب کے لئے نہیں، صرف اُن کے لئے ہے جن کا خرچ دوسروں کے ذمہ نہ ہو بلکہ اپنے ذمہ ہو، اور اُس کے پاس مال بھی نہ ہو، ورنہ خود مالدار پر اور چھوٹے بچوں پر فرض نہیں، یہ خیال رہے کہ بقدر ضرورت معاش کی طلب ضروری ہے، صرف اکیلے کو اپنے لائق بال بچوں والے کو اُن کے لائق کمانا ضروری ہے بَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ فرمانے سے معلوم ہوا کہ کمائی کی فرضیت نماز روزے کی فرضیت کے مثل نہیں کہ اس کا منکر کافر ہو اور تارک فاسق۔ [3] سائل کو شبہ یہ تھا کہ رب فرماتا ہے لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا میری آیتوں کو تھوڑی قیمت کے عوض نہ بیچو، اور کاتب قرآن اس کی کتابت کو قیمت پر فروخت کرتا ہے یہ بھی گنہگار ہونا چاہیئے کہ نقوش قرآن، قرآن ہی میں شمار ہو جاتے ہیں۔ [4] خلاصۂ جواب یہ ہے کہ آیت لَا تَشْتَرُوْا الخ میں ان پادریوں سے خطاب ہے جو روپیہ لے کر احکام الٰہی بدل دیتے تھے یا چھپا لیتے تھے، کتابت قرآن کرنے والا تو دین کی خدمت کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ قرآن کا بقا ہے اور قرآن کے بقاء سے دین کا بقاء، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن چھاپ کو فروخت کرنا، قرآن مجید کی جلد سازی پر اُجرت لینا، تعویذ لکھنے پر اُجرت اگرچہ اس میں آیات قرآنیہ ہی لکھی جائیں سب جائز ہیں، ایسے ہی فتوے لکھنے کی اُجرت، امامت، اذان، کہیں جا کر وقت مقررہ پر وعظ کہنے کی اُجرت لینا دینا سب جائز ہے، رب تعالٰے فرماتا ہے لَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَہِیْدٌ اس کی پوری بحث ہماری تفسیر نعیمی جلد سوم میں دیکھیئے۔ [5] دستکاری میں کھیتی باڑی کتابت اور دوسری حلال صنعتیں داخل ہیں اور سچی تجارت سے ہر حلال و صحیح تجارت مراد ہے، فاسد، باطل، مکروہ تجارتیں اس سے خارج ہیں، ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اس قسم کی احادیث میں یَدٌ یعنے ہاتھ سے مراد پوری ذات ہوتی ہے لہذا پاؤں سے چل پھر کر آنکھ سے دیکھ کر دماغ سے سوچ کر جو کمائیاں کی جائیں وہ بھی حلال ہیں طبابت، وکالت، قضاء وغیرہ بھی ہاتھ کی ہی کمائیاں ہیں۔ [6] یہ ابوبکر تابعی ہیں، ان کا ذکر مصنف نے اکمال میں نہیں کیا اور حضرت مقدام مشہور صحابی ہیں:

تَبِيْعُ اللَّبَنَ وَيَقْبِضُ الْمِقْدَامُ ثَمَنَهٗ فَقِيْلَ لَهٗ سُبْحَانَ اللّٰهِ اَتَبِيْعُ اللَّبَنَ وَتَقْبِضُ الثَّمَنَ فَقَالَ نَعَمْ وَمَا بَاْسٌ بِذٰلِكَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيَاْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَنْفَعُ فِيْهِ اِلَّا الدِّيْنَارُ وَالدِّرْهَمُ رَوَاهُ اَحْمَدُ۔ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كُنْتُ اُجَهِّزُ اِلَى الشَّامِ وَاِلٰى مِصْرَ فَجَهَّزْتُ اِلَى الْعِرَاقِ فَاَتَيْتُ اِلٰى اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَةَ فَقُلْتُ لَهَا يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ كُنْتُ اُجَهِّزُ اِلَى الشَّامِ فَجَهَّزْتُ اِلَى الْعِرَاقِ فَقَالَتْ لَا تَفْعَلْ مَا لَكَ وَلِمَتْجَرِكَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا سَبَّبَ اللّٰهُ لِاَحَدِكُمْ رِزْقًا مِّنْ وَّجْهٍ فَلَا يَدَعْهُ حَتّٰى يَتَغَيَّرَ لَهٗ

جو دودھ بیچتی تھی اور حضرت مقدام اس کی قیمت لیتے تھے ان سے کہا گیا سبحان اللہ آپ دودھ بیچتے ہیں اور اسکی قیمت پر قبضہ کرتے ہیں ۲ فرمایا ہاں اس میں کوئی مضائقہ نہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں پر ایک وہ زمانہ آئیگا جس میں صرف روپیہ پیسہ ہی نفع دے گا ۳ (احمد) روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں میں مصر و شام کی طرف سامان تجارت بھیجا کرتا تھا ایکبار عراق کیطرف مال بھیجنے لگا تو ام المومنین عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا اے مسلمانوں کی مہربان ماں میں شام کی طرف مال بھیجا کرتا تھا۔ اس دفعہ عراق بھیج رہا ہوں ۴ فرمایا یہ نہ کرو تمہیں اپنی پرانی منڈی سے نفرت کیوں ہوگئی ۵ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب اللہ تم میں سے کسی کے لیے کسی ذریعہ سے رزق کا سبب بنادے تو وہ اسے نہ چھوڑے حتٰی کہ سبب بدل جائے

لونڈی سے مراد مملوکہ لونڈی ہے جسے آپ نے خرید و فروخت کی اجازت دی تھی، اس قسم کے غلام کو فقہاء عبد ماذون کہتے ہیں۔ ۱؎ شاید اس زمانہ میں اہل عرب دودھ کی تجارت کو ناپسند کرتے تھے، جیسے آجکل پنجاب میں بھی ذی حیثیت لوگ دودھ بیچنے کو ناپسند کرتے ہیں گھی فروخت کرتے ہیں یا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ جیسے عظمت والے لوگوں کو چاہیئے کہ دودھ مفت دیا کریں کیونکہ اس میں خیر کثیر ہے اس پر قیمت کیسی؟ ۳؎ خلاصہ جواب یہ ہے کہ جس کاروبار سے اللہ رسول منع نہ فرمائیں وہ حلال ہے، عرف یا خیالات سے کوئی شے حرام نہیں ہوجاتی، اور اب زمانہ ایسا آگیا کہ کمال نہیں دیکھا جاتا، مال کی قدر ہوتی ہے، مالدار عالم کی تبلیغ و وعظ موثر ہے، تو ہمیں چاہیئے کہ مال کما کر کمال پھیلائیں، اللہ اکبر! جب زمانۂ صحابہ میں یہ حال ہوچکا تھا تو اس زمانہ کا کیا پوچھنا، اب تو مبلغین علماء کے لئے فقیری زہر قاتل ہے، مالدار عالم کا وعظ بھی موثر ہوتا ہے، علماء کو چاہیئے کہ فقیری و ناداری سے بچیں، حلال ذریعوں سے مال ضرور حاصل کریں، مرقات نے فرمایا کہ علماء سلف فرماتے تھے خوب تجارتیں اور کمائیاں کرو کیونکہ تم ایسے زمانہ میں ہو جبکہ حاجت مند پہلے اپنے دین کو ہی کھاجاتا ہے۔ ایکبار حضرت سفیان ثوری کچھ اشرفیاں اپنے ہاتھوں میں الٹ پلٹ رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ اگر میرے پاس یہ مال نہ ہوتا تو بنی عباس مجھے رومال بنا لیتے کہ مجھ سے اپنے میل پونچھا کرتے۔ ۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی کاروبار میں بزرگوں سے مشورہ کرنا سنت صحابہ ہے، اس سے تجارت میں بزرگوں کا فیض بھی شامل ہوجاتا ہے۔ یہ نافع حضرت عبداللہ ابن عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں، بڑے محدث ہیں تابعی ہیں، حضرت ابن عمر کی وفات کے بعد بہت شاندار تجارت کرتے تھے۔ ۵؎ یعنے جب تمہیں مصر و شام سے نفع بھی حاصل ہورہا ہے، اور تمہاری تجارت بھی وہاں چمک رہی ہے، تو تم وہاں سے متنفر کیوں ہوئے جاتے ہو۔

أَوْ يَتَنَكَّرْ لَهُ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ ؛ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ لِأَبِي بَكْرٍ غُلَامٌ يُخْرِجُ لَهُ الْخَرَاجَ فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يَأْكُلُ مِنْ خَرَاجِهِ فَجَاءَ يَوْمًا بِشَيْءٍ فَأَكَلَ مِنْهُ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ لَهُ الْغُلَامُ تَدْرِي مَا هٰذَا فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ وَمَا هُوَ قَالَ كُنْتُ تَكَهَّنْتُ لِإِنْسَانٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَمَا أُحْسِنُ الْكِهَانَةَ إِلَّا أَنِّي خَدَعْتُهُ فَلَقِيَنِي فَأَعْطَانِي بِذٰلِكَ فَهٰذَا الَّذِي أَكَلْتَ مِنْهُ قَالَتْ فَأَدْخَلَ أَبُو بَكْرٍ يَدَهُ فَقَاءَ كُلَّ شَيْءٍ فِي بَطْنِهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ؛ وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا

یا بگڑ جائے [1] (احمد، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ابوبکر صدیق کا ایک غلام تھا جو انہیں آمدنی دیتا تھا [2] تو صدیق اکبر اس کی آمدنی کھاتے تھے۔ وہ ایک دن کوئی چیز لایا جس سے ابوبکر صدیق نے کچھ کھالیا [3] تب غلام نے عرض کیا کہ آپ جانتے ہیں یہ جو یہ کیا ہے ابوبکر صدیق نے فرمایا کیا ہے وہ بولا میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک شخص کی فال کھولی تھی اور میں فال جانتا تھا نہیں میں نے تو اسے دھوکہ دیا تھا۔ وہ آج مجھے ملا اور مجھے اس کے عوض یہ دی [4] یہ وہ ہے جو آپ نے کھائی [5] فرماتی ہیں کہ ابوبکر صدیق نے ہاتھ ڈالا اور جو کچھ پیٹ میں تھا سب قے کردیا [6] (بخاری) روایت ہے حضرت ابوبکر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

[1] شارحین فرماتے ہیں تغیر سے مراد بیوپار میں نفع نہ ہونا ہے اور تنکر یعنی بگڑنے سے مراد گھاٹا اور نقصان ہونا ہے، یا تو یہ دونوں کلمات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں یا ام المومنین کو روایت میں شک ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یَتَغَیَّرْ فرمایا یا یَتَنَکَّرْ۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ذریعہ آمدنی کو بلاوجہ بند نہ کرے کہ اس میں رب تعالٰی کی ناشکری ہے، بلکہ اس کی نعمت کا ٹھکرانا ہے، لگی نوکری، بندھا کاروبار بلاوجہ مت چھوڑو، اعلٰیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں، جو شخص بلاوجہ پچاس روپیہ ماہوار کی نوکری چھوڑ دے گا، تو ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ پندرہ روپے کی نوکری تلاش کریگا پر نہ ملیگی ہاں اگر قدرتی طور پر بند ہوجائے تو پرواہ نہ کرے، کہ اس صورت میں رب تعالٰی اس سے بہتر دروازہ کھول دیگا، یہ حدیث بہت مجرب ہے جس کا خود فقیر نے بارہا تجربہ کیا، صوفیاء فرماتے ہیں ہر جا یک در گیر محکم گیر [2] اہل عرب اپنے غلاموں کو کاروبار کی اجازت دے دیتے تھے اور ماہوار یا روزانہ کچھ پیسے مقرر کردیتے تھے جو غلام مولٰی کو ادا کرتا رہتا تھا خواہ وہ کمائی کرتا یا نہ کرتا، زیادہ کرتا یا کم، جیسا کہ آجکل لوگ تانگہ و گاڑیاں ٹھیکے پر دے دیتے ہیں اسے خراج کہتے تھے یہاں اسی کا ذکر ہے [3] اور غلام سے پوچھا نہیں کہ کہاں سے لایا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ ہی لاتا تھا اور آپ کھاتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ ہر چیز کی تحقیق ضروری نہیں، جس چیز کی حلت کا گمان غالب ہوا سے کھالے صحابہ کرام جنگوں میں کفار کے مال و اسباب بلکہ پہنے ہوئے کپڑوں پر قبضہ کرلیتے تھے اور ان کی تحقیق نہ فرماتے تھے، یہ عمل خلاف تقوٰی نہیں [4] خلاصہ یہ ہے کہ یہ مٹھائی دو طرح سے حرام تھی، ایک یہ کہ کہانت یعنی فال کھولنے کی اجرت ہے، اور فال کھولنا بھی حرام ہے، اس کی اجرت بھی حرام، دوسرے یہ کہ دھوکا کی شیرینی ہے، جیسے کوئی غیر طبیب کسی کو دھوکا دے کر طبیب بنے، اس کی اجرت لے، یہ حرام ہے، غالب یہ ہے کہ غلام نے دیدہ دانستہ یہاں جرم کی نیت نہ کی تھی بلکہ اُسے دھوکا یہ لگا کہ میں نے یہ کہانت اسلام سے پہلے کی تھی جب مجھ پر احکام شرعی جاری نہ تھے کیونکہ یہ اسی کا معاوضہ ہے اس لیے حلال ہے، اب مسلمان ہوکر نہ کہانت کروں گا نہ اُجرت لوں گا، اسی خیال پر اُس نے جناب صدیق اکبر کو پہلے بتایا بھی نہیں، کھلا دینے کے بعد اسے کچھ خیال آیا، مسئلہ پوچھنے کے لیے یہ عرض کیا، لہذا نہ تو غلام پر یہ اعتراض ہے کہ اس نے یہ شیرینی لی کیوں اور حضرت صدیق کو دھوکا دیا کیوں، اور نہ جناب صدیق پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ آپ نے بغیر تحقیق کھا کیوں لی [5] یہ حضرت صدیق اکبر کا انتہائی تقوٰی ہے کہ جو شے

يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِّيَ بِالْحَرَامِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ ؛ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَنِ اشْتَرٰى ثَوْبًا بِعَشْرَةِ دَرَاهِمَ وَفِيْهِ دِرْهَمٌ حَرَامٌ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهٗ صَلٰوةً مَادَامَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَدْخَلَ اُصْبُعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ وَقَالَ صُمَّتَا اِنْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُهٗ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ ؛ بَابُ الْمُسَاهَلَةِ فِي الْمُعَامَلَةِ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ ؛ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا سَمْحًا اِذَا بَاعَ وَاِذَا اشْتَرٰى وَاِذَا اقْتَضٰى رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ؛ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جنت میں وہ جسم نہ جائیگا جو حرام سے غذا دیا گیا [1] (بیہقی شعب الایمان) ؛ روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں جو کوئی کپڑا دس درہم سے خریدے اور اس میں ایک درہم حرام ہو تو جب تک وہ کپڑا اس پر رہیگا اللہ اس کی کوئی نماز قبول نہ کریگا [2] پھر آپ نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالیں اور فرمایا یہ بہرے ہو جائیں اگر میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہ سنا ہو [3] (احمد۔ بیہقی شعب الایمان) اور فرمایا اس کی اسناد ضعیف ہے ؛ باب ؛ معاملہ میں نرمی کرنا [4] ؛ پہلی فصل ؛ روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ اس شخص پر رحمتیں کرے جو نرم ہو جب بیچے اور خریدے اور جب تقاضا کرے [5] (بخاری) روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

واقعی حرام تھی اور بے علمی میں کھالی گئی اُسے قے کے ذریعہ پیٹ سے نکال دیا، اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو جناب صدیق کی خلافت کو غلط اور آپ کو خائن و غاصب کہتے ہیں، جو ہستی ناجائز مٹھائی اپنے پیٹ میں نہ رہنے دے، وہ ناجائز طور پر خلافت پر کیوں کر قابض ہو سکتی ہے۔ اس حدیث کی بنا پر بعض شوافع فرماتے ہیں کہ جو بے خبری میں بھی ناجائز چیز کھالے وہ قے کرے، مگر ہمارے ہاں یہ خصوصی تقوٰے تھا نہ کہ عمومی فتویٰ (از مرقات) حرام چیز کھانا حرام ہے قے کرنا واجب نہیں، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حرام بعینہٖ قبضہ کے بعد بھی ملکیت میں نہیں آتا اور نہ وہاں تبدل ملک کے احکام جاری ہوں۔

[1] غذا سے کھانے پینے کی تمام چیزیں مراد ہیں اور جنت کے داخلے سے پہلا داخلہ یا وہاں کے اعلیٰ مقام میں داخلہ مراد ہے، ورنہ مسلمان خواہ کتنا ہی گنہگار ہو آخر کار جنت میں جائیگا۔ [2] اور اس کا پورا ثواب نہ دیگا اگرچہ شرعًا اس کی نماز درست ہوگی، رب تعالٰی فرماتا ہے اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ صحت عبادت کا دار و مدار شرائط جواز پر ہے اور قبولیت تقوٰی پر موقوف ہے، تقوٰی صحت کی شرط نہیں، یہی اہلسنت کا مذہب ہے (مرقات) [3] یعنی یہ میرا اپنا قول نہیں بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے اور حدیث موقوف نہیں بلکہ مرفوع ہے، ایسے موقعہ پر اپنے لیے بددعا کرنا ایک طرح کی قسم ہے جس سے سامع کو یقین دلانا مقصود ہوتا ہے۔ [4] مساہلت سہل سے بنا بمعنے نرم زمین صعب کا مقابل، اصطلاح میں ہر نرم چیز کو سہل کہہ دیتے ہیں، یہاں معاملات اور لین دین میں سختی نہ کرنا مراد ہے۔ معاملات سے مراد نکاح، تجارت، قرض، اُجرت وغیرہ سارے کاروبار ہیں جن کا تعلق بندوں سے ہے، عبادات کا تعلق رب تعالٰی سے ہوتا ہے۔ مسلمان کے معاملات بھی عبادات بن جاتے ہیں اگر نیت خیر ہو۔ [5] بیچنے میں نرمی یہ ہے کہ گاہک کو کم یا خراب چیز دینے کی کوشش نہ کرے اور خریدنے میں نرمی یہ ہے کہ قیمت کھری دے اور بخوبی ادا کرے، بیوپاری کو پریشان نہ کرے، تقاضے میں نرمی یہ ہے کہ جب اس کا کسی پر قرض ہو تو نرمی سے لے اور مجبور مقروض کو مہلت دیدے، اس پر تنگی نہ کرے، جس میں یہ تین صفتیں جمع ہوں، وہ اللہ کا مقبول بندہ ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے، وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى

اِنَّ رَجُلًا کَانَ فِیْمَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ اَتَاہُ الْمَلَکُ لِیَقْبِضَ رُوْحَہٗ فَقِیْلَ لَہٗ ھَلْ عَمِلْتَ مِنْ خَیْرٍ قَالَ مَا اَعْلَمُ قِیْلَ لَہٗ اُنْظُرْ قَالَ مَا اَعْلَمُ شَیْئًا غَیْرَ اَنِّیْ کُنْتُ اُبَایِعُ النَّاسَ فِی الدُّنْیَا اُجَازِیْھِمْ فَاُنْظِرُ الْمُوْسِرَ وَاَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ فَاَدْخَلَہُ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِّمُسْلِمٍ نَحْوُہٗ عَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ وَّاَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ فَقَالَ اللّٰہُ اَنَا اَحَقُّ بِذَا مِنْکَ تَجَاوَزُوْا عَنْ عَبْدِیْ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِیَّاکُمْ وَکَثْرَۃَ الْحَلْفِ فِی الْبَیْعِ فَاِنَّہٗ یُنَفِّقُ ثُمَّ یَمْحَقُ رَوَاہُ

تم سے اگلے لوگوں میں ایک شخص تھا جس کے پاس اس کی روح قبض کرنے فرشتہ آیا تو اس سے کہا گیا[1] کہ کیا تو نے کوئی نیکی کی ہے۔ وہ بولا میں نہیں جانتا اس سے کہا گیا غور تو کرلے[2] بولا اس کے سوا کچھ اور نہیں جانتا کہ میں دنیا میں لوگوں سے تجارت کرتا تھا۔ اور ان پر تقاضا کرتا تھا تو امیر کو مہلت دے دیتا اور غریب کو معافی[3] چنانچہ اللہ نے اسے جنت میں داخل فرمادیا[4] (مسلم، بخاری) اور مسلم کی روایت اسی طرح ہے حضرت عقبہ ابن عامر اور ابو مسعود انصاری سے پھر رب نے فرمایا کہ میں اس مہربانی کا تجھ سے زیادہ حقدار ہوں میرے بندے سے درگذر کرو[5] روایت ہے حضرت ابو قتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ بیوپار میں زیادہ قسم کھانے سے بچو[6] کہ قسم مال تو بکوا دیتی ہے پھر برکت مٹا دیتی ہے[7]

مَیْسَرَۃٍ اگر مقروض تنگدست ہو تو اسے وسعت تک مہلت دے دو۔

[1] ظاہر یہ ہے کہ یہ سوال اس سے جانکنی کے وقت ہوا یا قبر میں، اور سوال کرنے والے یا تو وہ فرشتے تھے جو جان نکالنے آئے تھے یا منکر نکیر جو حساب قبر لیتے ہیں اگرچہ قبر میں صرف ایمان کا حساب ہے، اعمال کا حساب تو قیامت میں ہوگا، مگر یہ اس شخص کی خصوصیات سے ہے کہ اس سے قبر ہی میں اعمال کا حساب بھی ہوگیا بعض شارحین نے فرمایا قیل بمعنے یقال ہے اور یہ واقعہ سوال و جواب کا قیامت میں ہوگا، مگر پہلی توجیہ قوی ہے(لمعات، اشعہ، مرقات)۔ [2] معلوم ہوا کہ مرتے وقت اور قبر میں حشر میں انسان کو اپنے برے بھلے اعمال یاد ہوں گے، رب تعالٰی فرماتا ہے بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ۔ [3] یعنی میرے معاملات بہت درست تھے ان میں اخلاق کو دخل تھا، اگر امیر کو ادائے قرض میں دیر لگتی تھی تو میں صبر کرتا تھا، اس پہ جلدی مانگ کر سختی نہ کرتا تھا، اور اگر میرا مقروض قرض ادا کرنے کے قابل نہ ہوتا تو اسے بالکل معاف کردیتا تھا تاکہ وہ دنیا و آخرت میں پھنسا نہ رہے۔ [4] اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ جو بندوں پر مہربانی کرتا ہے رب تعالٰی اس پر کرم فرماتا ہے، کسی کو پھانسنے کی کوشش نہ کرو بلکہ پھنسے کو نکالنے کی کوشش کرو، دوسرے یہ کہ معمولی نیکی کو بھی معمولی سمجھ کر چھوڑ نہ دو کبھی ایک قطرہ جان بچالیتا ہے، ممکن ہے کہ چھوٹا عمل بخشش کا ذریعہ بن جائے اور کوئی معمولی گناہ چھوٹا سمجھ کر کر نہ لو، کبھی چھوٹی چنگاری سارا گھر جلا ڈالتی ہے، [5] یعنی پھنسوں کو نکالنا، لوگوں پر رحم کرنا میری صفت ہے، جب تو اخلاق الٰہیہ سے موصوف ہوا تو میں بھی تجھے بخش دیتا ہوں، یہ ہی اس حدیث کا مطلب ہے کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ، اللہ تعالٰی کی عادات اختیار کرو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان عبادات کے ساتھ معاملات بھی ٹھیک کرے۔ [6] بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں زیادہ قسم سے ممانعت ہے، تھوڑی قسموں کی اجازت ہے کہ تجارت میں کبھی قسم کھانی ہی پڑ جاتی ہے، بعض نے فرمایا کہ جھوٹی قسموں سے ممانعت ہے، سچی قسم کی اجازت ہے، مگر ترجیح اسے ہے کہ مطلقًا قسم سے ممانعت ہے، کثرۃ کا لفظ اتفاقی ہے، جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً، مقصد یہ ہے کہ خرید و فروخت میں سچی قسمیں بھی نہ کھاؤ کہ کبھی جھوٹی قسم بھی منہ سے نکل جائیگی لہذا اس سے بچو تاکہ بخار سے محفوظ رہو۔ [7] یُنَفِّقُ کے

مُسْلِمٌ؛ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْحَلْفُ مُنَفِّقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مُمْحِقَةٌ لِلْبَرَكَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ؛ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ قَالَ أَبُوْ ذَرٍّ خَابُوْا وَخَسِرُوْا مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ؛

اَلْفَصْلُ الثَّانِي

عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْأَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَالدَّارُقُطْنِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ؛ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي غَرَزَةَ قَالَ

(مسلم) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قسم سامان بکوانے والی ہے برکت مٹانے والی ہے۔ [1] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوذر سے وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا تین شخص وہ ہیں جن سے اللہ تعالٰی قیامت کے دن نہ تو کلام کریگا نہ نظر رحمت اور نہ انہیں گناہوں سے پاک کریگا [2] اور ان کیلئے دردناک عذاب ہیں ابوذر نے عرض کیا وہ تو ٹوٹے اور خسارہ ہی پڑھ گئے یا رسول اللہ وہ کون ہیں فرمایا تہبند لٹکانے والا احسان جتانے والا اور جھوٹی قسم سے مال بیچنے والا۔ [3]

(مسلم)؛ دوسری فصل؛ روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچا اور امانت دار بیوپاری [4] نبیوں صدیقوں، اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ [5] (ترمذی، دارمی، دار قطنی) اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے؛ روایت ہے حضرت قیس ابن ابی غرزہ سے فرماتے

شد اور کسرہ سے ہے ینفیق کا مضارع، اتفاق سے نہیں ہے، تنفیق بمعنے ترویج ہے یعنی قسم سے لوگ دھوکا کھا کر خرید لیتے ہیں اور مال چل پڑتا ہے، مگر آئندہ کو جھوٹے تاجر کا اعتبار نہیں رہتا، تجارت اعتبار پر چلتی ہے، افسوس کہ یہ سبق مسلمان تاجر بھول گئے کفار خصوصًا انگریزوں نے یاد کرلیا آج اُن کی راستبازی ضرب المثل بن چکی ہے، اسی لیے وہ تجارت میں سب سے آگے ہیں۔ [1] ممکن ہے کہ یہاں الحلف میں الف لام عہدی ہو اور قسم سے مراد جھوٹی قسم ہو، برکت سے مراد آئندہ کاروبار بند ہوجانا ہو یا کیے ہوئے بیوپار میں گھاٹا پڑ جانا یعنی اگر تم نے کسی کو جھوٹی قسم کھا کر دھوکے سے خراب مال دیدیا وہ ایکبار تو دھوکا کھا جائیگا مگر دوبارہ نہ آئیگا نہ کسی کو آنے دیگا، یا جو رقم تم نے اُس سے حاصل کرلی اُس میں برکت نہ ہوگی کہ حرام میں بے برکتی ہے، صفائی معاملات سیکھو۔ [2] کلام سے مراد محبت کا کلام ہے دیکھنے سے مراد کرم کا دیکھنا ہے اور پاک فرمانے سے مراد گناہ بخشنا ہے یعنی دوسرے مسلمانوں پر یہ تینوں کرم ہونگے مگر ان تین قسم کے لوگ ان تینوں عنایتوں سے محروم رہیں گے لہذا ان سے بچتے رہو۔ [3] یعنی جو فیشن کیلئے ٹخنوں سے نیچا پاجامہ تہبند استعمال کریں جیسے آجکل جاہل چودھریوں کا طریقہ ہے اور جو کسی کو کچھ صدقہ و خیرات دے کر اُن کو طعنے دیں احسان جتائیں لوگوں میں انہیں بدنام کریں کہ فلاں آدمی ہمارا دست نگر رہ چکا ہے، اور جو جھوٹی قسم کھا کر دھوکا دے کر مال فروخت کریں۔ [4] اس سے معلوم ہوا کہ دیگر پیشوں سے تجارت اعلٰی پیشہ ہے پھر تجارت میں غلہ کی پھر کپڑے کی پھر عطر کی تجارت افضل ہے (مرقاۃ)، ضروریات زندگی اور ضروریات دینی کی تجارت دوسری تجارتوں سے بہتر پھر سچا تاجر مسلمان بڑا ہی خوش نصیب ہے کہ اسے

كُنَّا نُسَمّٰى فِىْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّمَاسِرَةَ فَمَرَّ بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمَّانَا بِاسْمٍ هُوَ اَحْسَنُ مِنْهُ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ اِنَّ الْبَيْعَ يَحْضُرُهُ اللَّغْوُ وَالْحَلْفُ فَشُوْبُوْهُ بِالصَّدَقَةِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِىُّ وَالنَّسَائِىُّ وَابْنُ مَاجَةَ ٭ وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلتُّجَّارُ يُحْشَرُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰى وَبَرَّ وَصَدَقَ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِىُّ وَرَوَى الْبَيْهَقِىُّ فِىْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنِ الْبَرَاءِ وَقَالَ التِّرْمِذِىُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ ٭ بَابُ الْخِيَارِ ٭ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ ٭ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ

ہیں کہ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم کو سوداگر کہا جاتا تھا[۱] ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اس سے بہتر ہمارا نام رکھا گیا[۲] فرمایا اے تاجروں کے گروہ تجارت میں بیہودگی اور جھوٹی قسمیں آجاتی ہیں لہذا اسے خیرات سے مخلوط کردو[۳] (ابوداؤد، ترمذی نسائی، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت عبید ابن رفاعہ سے وہ اپنے والد سے راوی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا قیامت کے دن بیوپاری بدکار اٹھائے جائیں گے بجز ان کے جو پرہیزگاری بھلائی کریں سچ بولیں[۴] (ترمذی، ابن ماجہ دارمی) اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت براء سے روایت کی، اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے ٭ اختیار کا باب[۵] پہلی فصل ٭ روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا

نبیوں ولیوں کے ساتھ حشر نصیب ہوتا ہے۔[۵] گریہ بڑی ایسی ہوگی جیسے خدام کو آقا کے ساتھ ہمراہی ہوتی ہے یہ مطلب نہیں کہ سچا تاجر نبی بن جائیگا، اچھا تاجر تاجر رہے بڑا تاجر فاجر ہے۔

[۱] سماسرہ سمسار کی جمع ہے، سمسار دلال کو کہتے ہیں جو تاجر اور خریدار کے درمیان سودا کراتا ہے یعنی سوداگر مگر پھر مطلقًا تاجر کو سمسار کہنے لگے جیسے ہماری اردو میں سوداگر دلال کا نام ہے یعنی سودا کرانے والا مگر اب تاجر کو سوداگر کہتے ہیں۔ [۲] یعنی سمسار سے تاجر نام بہتر ہے، کیونکہ قرآن شریف میں اس مشغلہ کو تجارت فرمایا گیا ہے۔ نیز رب نے اچھے مسلمانوں کے جان و مال کا خریدار فرمایا، نیز تجارت کے معنی ہیں نفع پر مال الٹ پلٹ کرنا اور سمسار ظالم چونگی والوں کو بھی کہتے ہیں جو ظلم و رشوت میں مشہور ہیں۔ [۳] مقصد یہ ہے کہ تجارت میں کتنی ہی احتیاط کی جائے مگر پھر بھی کچھ لغو کچھ جھوٹ، جھوٹی قسم منہ سے نکل ہی جاتی ہے اس لیے صدقہ و خیرات ضرور کرتے رہو کہ صدقے سے غضب الٰہی کی آگ بجھ جاتی ہے۔ عمومًا تاجر لوگ فقراء کو پیسہ پیسہ دیتے رہتے ہیں خصوصًا جمعرات کو، اس عمل کا ماخذ یہی حدیث ہے ویسے بھی صدقہ اعلیٰ عبادت ہے۔ [۴] پرہیزگاری سے مراد ہے گناہ کبیرہ سے خصوصًا اور گناہ کبیرہ کی عادت سے عمومًا بچتے رہنا، نیکی سے مراد ہے اپنے کاروبار کو دھوکا خیانت سے محفوظ رکھنا، سچ سے مراد ہے سودے کے متعلق صاف بات کرنا اگر عیب دار ہو تو اس کو بے عیب ثابت کرنے کی کوشش نہ کرنا (مرقات) مطلب یہ ہے کہ قیامت میں سارے تاجر فاسق و فاجر ہوں گے سوا ان کے جن میں یہ تین صفات ہوں پرہیزگاری، بھلائی، سچائی۔ [۵] اختیار خیر سے بنا بمعنی خیر و بھلائی کی طلب و تلاش، چھانٹنا اور پسند کرنے کو بھی اختیار کہا جاتا ہے، یہاں دین کے معنی میں بیع میں ہمارے ہاں چار اختیار ہیں، خیار عقد، خیار رویت، خیار شرط، خیار عیب، مگر امام شافعی کے ہاں پانچواں اختیار اور بھی ہے، خیار مجلس کہ ایجاب قبول کے بعد بھی جب تک فریقین جگہ سے ہٹ نہ جائیں انہیں اختیار رہتا ہے کہ بیع کو رکھیں یا ختم کردیں، جب ان میں سے کوئی جگہ سے ہٹ گیا یہ خیار ختم ہوگیا، مگر ہمارے ہاں ایجاب قبول سے بیع مکمل ہوجاتی ہے کہ اب ان میں سے کسی کو فسخ کا حق نہیں ہوتا، اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔ خیار شرط کی مدت تین دن ہے۔ خیار عقد میں مجلس کا اعتبار ہے کہ ایجاب کے بعد جب تک دونوں اپنی جگہ بیٹھے رہیں دوسرے کو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْمُتَبَایِعَانِ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْہُمَا بِالْخِیَارِ عَلٰی صَاحِبِہٖ مَالَمْ یَتَفَرَّقَا اِلَّا بَیْعَ الْخِیَارِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِّمُسْلِمٍ اِذَا تَبَایَعَ الْمُتَبَایِعَانِ فَکُلُّ وَاحِدٍ مِّنْہُمَا بِالْخِیَارِ مِنْ بَیْعِہٖ مَالَمْ یَتَفَرَّقَا اَوْ یَکُوْنُ بَیْعُہُمَا عَنْ خِیَارٍ فَاِذَا کَانَ بَیْعُہُمَا عَنْ خِیَارٍ فَقَدْ وَجَبَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِّلتِّرْمِذِیِّ اَلْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَالَمْ یَتَفَرَّقَا اَوْ یَخْتَارَا وَفِی الْمُتَّفَقِ عَلَیْہِ اَوْ یَقُوْلُ اَحَدُہُمَا لِصَاحِبِہٖ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید و فروخت کرنیوالے دونوں میں سے ہر ایک کو اپنے ساتھی پر اختیار ہے ۱ جبتک وہ الگ نہ ہوں ۲ سوا خیار والی بیع کے ۳ (مسلم بخاری) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جب تاجر و خریدار تجارتی کاروبار کریں تو ان میں سے ہر ایک مختار ہے جب تک جدا نہ ہوں ۴ یا ان کی بیع ہی اختیاری ہو جب بیع اختیاری ہے تو اختیار لازم ہو گیا ۵ اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ خریدار اور بائع مختار رہیں ۶ جب تک الگ نہ ہوں یا اختیار رکھیں اور مسلم بخاری کی روایت میں بجائے اختیار کے یوں ہے ۷ کہ ان میں سے ایک

قبول کرنے نہ کرنے کا حق ہے جب ان میں سے کوئی ہٹ گیا قبول کا اختیار جاتا رہا، خیار عیب میں شرط یہ ہے کہ عیب بائع کے ہاں کا ہو، خریدار کے ہاں پیدا نہ ہوا ہو، اور اگر ایک عیب تو بائع کے ہاں تھا دوسرا خریدار کے ہاں پیدا ہو گیا، تو اب واپسی کا حق خریدار کو نہ ملے گا بلکہ چیز کی قیمت کم ہو جائے گی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

۱ یعنی خرید و فروخت کرنے والوں میں سے ایک نے ایجاب کر دیا تو دوسرے کو قبول کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے، اور دوسرے کے قبول سے پہلے ایجاب کرنے والا اپنا ایجاب ختم کر سکتا ہے۔ ۲ ہمارے امام اعظم کے ہاں یہاں علیحدگی سے مراد جسمانی علیحدگی نہیں، بلکہ کلام کی علیحدگی و جدائی مراد ہے کہ ایک کہے میں نے بیچ دی، دوسرا کہے میں نے قبول کر لی، جسماً خواہ وہاں ہی بیٹھے رہیں یا علیحدہ ہو جائیں، جب باتوں کا ہیر پھیر ہو گیا بیع پوری ہو گئی، رب تعالٰی فرماتا ہے وَاِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰہُ کُلًّا مِّنْ سَعَتِہٖ، اگر خاوند بیوی الگ ہو جائیں تو اللہ اپنے فضل سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دیگا، یہاں زوجین کی جسمانی علیحدگی مراد نہیں، بلکہ نکاح سے علیحدگی یعنی طلاق مراد ہے، نیز جب نکاح کہ صرف ایجاب و قبول سے ہی منعقد ہو جاتے ہیں وہاں خیار مجلس نہیں ہوتا، تو بیع بھی ایک عقد ہی ہے، وہ بھی صرف ایجاب و قبول سے ہو جانی چاہیے، امام شافعی اس تفرقہ سے مراد تفرق ابدان لیتے ہیں اور اس لفظ سے خیار مجلس ثابت کرتے ہیں یعنی تاجر و خریدار جب تک اپنی جگہ سے ہٹ نہ جائیں اُنہیں بیع رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے، مگر مذہب حنفی قوی ہے کیونکہ متبایعان دونوں عاقدوں کا نام ہے، عقد قول سے ہوتا ہے تو جدائی بھی قولی چاہیے نہ کہ بدنی۔ ۳ اس جگہ خیار سے مراد شرط ہے یعنی ایجاب قبول کے بعد دونوں پر بیع لازم ہو جاتی ہے، لیکن اگر کسی نے اپنے لیے واپسی کے اختیار کی شرط لگا لی، تو اُسے تین دن تک واپسی کا حق رہے گا مثلاً خریدار کہدے کہ میں قبول کرتا ہوں مگر تین روز تک مجھے چیز واپس کر دینے کا حق ہے کہ اگر طبیعت دل نہ چاہا تو واپس کر دوں گا، اب اگرچہ ایجاب و قبول ہو چکا مگر خریدار کو اس مدت میں واپسی کا حق ہے، اس کا نام خیار شرط ہے۔ ۴ یعنی جب دونوں میں سے ایک نے کہہ دیا کہ میں فروخت کرتا ہوں یا خریدتا ہوں تو دوسرے کو قبول کرنے نہ کرنے کا حق ہے اس حق کا نام خیار عقد ہے۔ ۵ کہ اب دوسرے شخص کو اس کے خیار باطل کرنے کا حق نہ رہا، یہ خود اپنا اختیار باطل کرے یادکرے، وجب کا فاعل خیار ہے نہ کہ بیع، اور اگر بیع ہی فاعل ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ خیار شرط کی بیع میں دوسرے فریق پر بیع لازم ہو جائے گی اختیار اسے رہیگا جس نے اپنے لیے اختیار رکھا ہے۔ ۶ بیعان سے مراد وہ ہیں جو بیع کرنا چاہتے ہوں یا بیع کر رہے ہوں وہ مراد نہیں ہیں جو بیع کر چکے ہیں، جیسے عاقدین اُنہیں کہتے ہیں جو عقد کر رہے ہوں نہ اُنہیں جو عقد کر چکے، یہ خوب خیال رکھیے اس لفظ سے دھوکا ہوتا ہے: اس لفظ

اُخْتَرْ بَدَلُ اَوْ يَخْتَارَا ؛ وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا فَاِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِيْ بَيْعِهِمَا وَاِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ؛ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ اُخْدَعُ فِي الْبُيُوْعِ فَقَالَ اِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ فَكَانَ الرَّجُلُ يَقُوْلُهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ؛ اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ ؛ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

دوسرے سے کہدے تو اختیار کرلے[1] روایت ہے حضرت حکیم ابن حزام سے[2] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تاجر و خریدار مختار ہیں جب تک الگ نہ ہوں اگر سچ بولیں اور اصل بات ظاہر کردیں تو انہیں اس تجارت میں برکت ہوگی اور اگر جھوٹ بولیں اور چھپائیں اور ان کی تجارت کی برکت مٹا دی جائیگی[3] (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں خرید و فروخت میں دھوکا کھا جاتا ہوں فرمایا جب خرید و فروخت کرو تو کہدیا کرو دھوکہ نہ ہو[4] چنانچہ وہ صاحب کہدیا کرتے تھے[5] (مسلم، بخاری)

فصل دوسری ؛ روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی[6] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

سے شوافع خیار مجلس ثابت کرتے ہیں، وہ معنی یہ کرتے ہیں کہ جو بیع شراء کر چکے وہ مختار ہیں۔

[1] یہ جملہ او یختارا کی تفسیر ہے، کیونکہ خیار شرط دونوں عاقدوں کے لیے نہیں ہوسکتا بلکہ ایک کو اختیار ہوگا، دوسرے پر بیع لازم ہوگی، جیسا کہ پہلے وجہ سے معلوم ہوچکا۔ [2] آپ حضرت خدیجہ کبریٰ کے بھائی ہیں، واقعہ فیل سے تیرہ سال پہلے خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے، ایک سو بیس سال کی عمر ہوئی، ساٹھ سال کفر میں گزارے، ساٹھ سال اسلام میں، زمانہ جاہلیت میں بڑے سخی تھے کہ آپ نے سو غلام آزاد کیے اور سو آدمیوں کو سواری دے کر حج کرائے، اور جب خود حج کیا تو سو اونٹ قربانی کیے، اور عرفہ میں سو سے زیادہ غلام آزاد کیے، بدر میں کفار کے ساتھ تھے، مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوئے، پھر آزاد کیے گئے فتح مکہ میں ایمان لائے ۵۴ھ میں مقام زینت میں انتقال کیا (اشعہ)۔ [3] یعنی نہ تو فروشندہ چیز کے عیب چھپا کر خریدار کو دھوکا دے، اور نہ خریدار قیمت کے عیوب چھپا کر تاجر کو دھوکا دے، دونوں کے معاملات صاف ہوں تو برکت ہوگی ورنہ تجارت میں بے برکتی ہی رہے گی جیسا کہ آجکل دیکھا جارہا ہے۔ [4] یہ دھوکا کھا جانے والے حضرت حبان ابن منقذ ابن عمرو مازنی ہیں، غالبًا یہود و منافقین انہیں دھوکا دے کر چیز فروخت کردیتے ہوں گے، صحابہ کرام سے دھوکا دینا ممکن نہیں۔ خلابہ خ کے کسرہ سے بمعنے غبن و دھوکا ہے۔ [5] اس جملہ کے بہت سے معانی کیے گئے ہیں اور ہر معنی کی بنا پر فقہاء کے مذاہب ہیں، ہمارے ہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کہدیا کرو کہ بھائی میں تجارتی کاروبار میں سادہ بندہ ہوں مجھ سے قیمت زیادہ نہ وصول کرلینا میں اپنے لیے اختیار رکھتا ہوں کسی کو دکھاؤں گا اگر قیمت زیادہ لگائی گئی تو مجھے خیار شرط ہے واپس کردوں گا، چنانچہ بعض روایات میں یوں ہے لا خلابۃ ولی الخیار ثلثۃ ایام یعنی دھوکا نہ ہو اور مجھے تین دن تک اختیار ہے۔ اس صورت میں حدیث بالکل واضح ہے۔ خیال رہے کہ اگر خریدار غلطی سے چیز مہنگی خریدے تو اسے واپس کرنے کا حق نہیں اور نہ اس سے بیع فاسد ہوگی، ہاں اگر ردی مال خریدے تو اسے خیار عیب ملے گا، بعض ائمہ کے ہاں زیادہ قیمت لگا لینے پر بیع فاسد ہوجاتی ہے، بعض کے ہاں خریدار کو واپسی کا حق ہوتا ہے وہ اس جملہ کے اور معنی کرتے ہیں، مگر مذہب حنفی نہایت قوی ہے، اور یہی معنی جو فقیر نے عرض کیے قوی ہیں۔ [6] پہلے کہا جا چکا ہے کہ عمرو کے دادا کا نام عبداللہ ابن

اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ صَفْقَةُ خِيَارٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُ اَنْ يُّفَارِقَ صَاحِبَهُ خَشْيَةَ
اَنْ يَّسْتَقِيْلَهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ ؛ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَتَفَرَّقَنَّ اِثْنَانِ اِلَّا عَنْ تَرَاضٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ ؛ **اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ**
عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيَّرَ اَعْرَابِيًّا بَعْدَ الْبَيْعِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ
وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ ؛ **بَابُ الرِّبٰوا** ؛ **اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ** عَنْ جَابِرٍ لَعَنَ رَسُوْلُ

تاجر وخریدار مختار ہیں جب تک کہ الگ نہ ہوں [۱] مگر یہ کہ عقد ہی اختیار کا ہو [۲] اور اسے یہ درست نہیں کہ فسخ تجارت کے ڈر سے اپنے ساتھی سے
الگ ہو جائے [۳] (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)؛ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلے اللہ
علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا دو شخص ایک دوسرے کو راضی کیے بغیر الگ نہ ہوں [۴] (ابوداؤد)؛ تیسری فصل؛
روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدوی کو بیع کے بعد بھی اختیار دیا [۵] (ترمذی)
اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے، صحیح ہے، غریب ہے؛ سود کا باب [۶]؛ پہلی فصل؛ روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول

عمرو ابن عاص ہے، آپ عمرو ابن شعیب ابن محمد ابن عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہیں ان کی روایات مدخول ہوتی ہیں کہ اگر جدہ میں ضمیر عمرو کی طرف ہو تو ان کے دادا محمد ابن عمرو
ہیں جو تابعی ہیں اور حدیث مرسل ہے اور اگر جدہ کی ضمیر ابیہ کی طرف لوٹے تو ابیہ کے خلاف ہے انتشار ضمائر ہے، اور عمرو نے اپنے پردادا کو پایا بھی
نہیں ہے لہذا حدیث منقطع ہے، اسی لیے مسلم بخاری میں اسی اسناد سے ان کی روایات نہیں آتیں (اشعہ)

[۱] اس جملہ کے معنے ابھی عرض کر دیئے گئے کہ ہمارے علیحدگی سے مراد اقوال کی علیحدگی ہے یعنے ایک کا کہنا کہ میں نے فروخت کر دی، دوسرے کا کہنا میں نے
قبول کرلی، اور شوافع کے ہاں تفرق ابدان مراد ہے یعنی تاجر وخریدار کا تجارت کی جگہ سے الگ ہٹ جانا، اس حدیث سے وہ خیار مجلس ثابت کرتے ہیں دلائل
پہلے عرض ہو چکے۔ [۲] کہ خیار والے عقد میں اس علیحدگی کے بعد بھی صاحب اختیار کے اختیار ہوگا، یہاں خیار سے مراد خیار شرط ہے جس کی مدت تین دن ہے کہ
اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ [۳] یعنی متقی پرہیزگار مسلمان کو یہ مناسب نہیں کہ خریدتے ہی یا بیچتے ہی وہاں سے چلا جائے اس خوف سے کہ سامنے والا عیب پر
مطلع ہو کر بیع فسخ نہ کر دے، خلاصہ یہ ہے کہ خرید و فروخت کرنے کے بعد دونوں کچھ وہاں ٹھہریں تاکہ خریدار اچھی طرح دیکھ بھال لے اور تاجر پیسے گن لے پرکھ لے جیسے
ریلوے کے ٹکٹ گھروں پر لکھا ہوتا ہے کہ پیسہ گن کر حساب لگا کر کھڑکی چھوڑو، یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ خیار مجلس معتبر نہیں، اگر جگہ چھوڑنے سے پہلے بیع مکمل نہ ہوتی تو
حضور اسے اقالہ کرنا نہ فرماتے، اقالہ کے معنے ہیں بیع مکمل ہو چکنے کے بعد فسخ کرنا اگر ابھی مکمل ہی نہ ہوئی تو فسخ کیسا! اس سے شوافع خیار مجلس ثابت کرتے ہیں مگر ثابت ہوتا نہیں، یہ
قرآن کے خلاف ہے، سیدنا عبداللہ ابن عمر سے جو منقول ہے کہ آپ چیز خریدتے ہی وہاں سے ہٹ جاتے تھے تاکہ بائع بیع ختم نہ کر دے یہ آپ کا اپنا اجتہاد ہے اور صحابی کا اجتہاد نص کے مقابل
لائق پیروی نہیں (مرقاۃ) [۴] اثنان سے مراد تاجر خریدار ہیں یعنی ایجاب وقبول کے بعد بھی تاجر وخریدار ایک دوسرے کو چیز وقیمت سے مطمئن کرکے وہاں سے ہٹیں، دھوکا دے کر بھاگنے کی کوشش
نہ کریں، اس سے بھی خیار مجلس ثابت نہیں ہوتا، اس حدیث کی تائید اس آیت سے ہے اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ، ایجاب وقبول کے بعد بھی ایک دوسرے کو مطمئن کر دینا
بہتر ہے کہ اگر کسی کو اطمینان نہ ہو تو چیز واپس کر دی جائے۔ [۵] یعنی ایک دیہاتی نے شہر میں آکر کچھ فروخت کیا تھا، پھر وہ اس فروخت پر پشیمان ہوا وہ سمجھا کہ چیز سستی بک گئی، تو آپ نے اسے

اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰکِلَ الرِّبٰو وَمُوْکِلَہٗ وَکَاتِبَہٗ وَشَاهِدَیْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَآءٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ
وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَ
الْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَآءً
بِسَوَآءٍ یَدًا بِیَدٍ فَاِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الْاَصْنَافُ فَبِیْعُوْا کَیْفَ شِئْتُمْ اِذَا کَانَ یَدًا بِیَدٍ رَوَاهُ
مُسْلِمٌ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ
وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ یَدًا

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے[1] کھلانے والے لکھنے والے اور اس کے گواہ ہوں پر لعنت کی اور فرمایا یہ سب برابر ہیں[2] (مسلم)
روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی
چاندی کے عوض، گیہوں گیہوں کے عوض اور جَو جَو کے عوض چھوہارے چھوہاروں کے عوض نمک نمک کے عوض برابر برابر[3]
ہاتھ بہ ہاتھ بیچو جب یہ قسمیں بدل جائیں تو جیسے چاہو بیچو۔ جب کہ ہاتھ بہ ہاتھ ہو[4] (مسلم) روایت
ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی
چاندی کے عوض، گیہوں گیہوں کے عوض جَو جَو کے عوض اور چھوہارے چھوہاروں کے عوض نمک نمک کے عوض برابر برابر ہاتھ

اسے چیز واپس کر لینے کا اختیار دیا اس طرح کہ خریدار کو فسخ بیع پر راضی فرما دیا، اس سے بھی خیار مجلس ثابت نہیں ہوتا کہ اگر خیار مجلس ہوتا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار دینے کے کیا معنی ہوتے، اس کا مطلب صاف ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مکمل ہونے کے بعد خصوصیت سے اُسے اختیار دیا۔ [1] ربٰو ربو سے بنا بمعنے زیادتی و بڑھ جانا اسی لیے زمین کو جہاں پیداوار زیادہ ہوتی ہو ربوہ کہتے ہیں، شریعت میں ربٰو اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عوض سے خالی ہو، اور نفس عقد میں مشروط ہو، جانبین میں ہم جنس وہم وزن مال ہوں جیسے ایک سیر گندم دے کر سوا سیر لینا اگر جنس یا وزن میں فرق ہو گیا، تو سود نہ ہوا، ربٰو واو سے بھی لکھ سکتے ہیں الف سے بھی ی سے بھی، مگر قرآن شریف میں صرف واو سے لکھا جائے گا، کیونکہ قرآن شریف کی تلاوت و کتابت سب کچھ منقول ہے، سیدنا عبداللہ ابن سلام فرماتے ہیں کہ سود ستر گناہ ہیں چھوٹا گناہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے زنا کرنا ایک درہم سود کا ۳۶ زنا سے بدتر ہے، قرآن شریف میں سود خوار کو اللہ رسول سے جنگ کرنے کا اعلان دیا گیا،
[1] سود کھانے والے کا ذکر پہلے فرمایا کہ یہی بڑا گنہگار ہے کہ سود لیتا بھی ہے اور کھاتا بھی ہے، دوسرے پر یعنی مقروض اور اُس کی اولاد پر ظلم بھی کرتا ہے اللہ کا بھی حق مارتا ہے اور بندوں کا بھی۔ [2] یعنی اصل گناہ میں سب برابر ہیں کہ سود خوار کے مدد معاون ہیں گناہ پر مدد کرنا بھی گناہ ہے رب تعالٰی نے صرف سود خوار کو اعلان جنگ دیا، معلوم ہوا کہ بڑا مجرم یہی ہے۔ [3] الذھب اور اس کے معطوف اسماء مرفوع ہیں مبتدا ہونے کی وجہ سے اور بالذھب وغیرہ خبر ہو سکتا ہے کہ منصوب ہوں۔ فعل پوشیدہ بیعوا کا مفعول یعنی ان چیزوں کو جب ان کی ہم جنس کے عوض فروخت کرو تو دو طرفہ برابر دو مطلقًا زیادتی و کمی نہ ہو ان چھ چیزوں کی زیادتی میں تو اتفاق ہے کہ حرام ہے ان کے ماسوا میں ائمہ کا اختلاف ہے، ہمارے ہاں ہم جنس وہم وزن میں زیادتی حرام ہے۔ [4] خلاصہ یہ ہے کہ ہم جنس وہم وزن میں تو زیادتی بھی حرام ہے اور اُدھار بھی، لیکن اگر صرف جنس ایک ہو جیسے انڈے کے عوض انڈے، یا صرف وزن ایک ہو جیسے گندم کے عوض جَو، تو زیادتی حلال ہے اُدھار حرام۔

بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ وَاسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبَى الْاٰخِذُ وَالْمُعْطِيْ فِيْهِ سَوَاءٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ وَلَا تَبِيْعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ وَلَا تَبِيْعُوْا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ وَلَا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ اِلَّا وَزْنًا بِوَزْنٍ ؛ وَ

ہاتھوں ہاتھ جو زیادہ دے یا زیادہ لے اس نے سود کا کاروبار کیا لینے والا اور دینے والا اس میں برابر ہے[۷] (مسلم) انہی سے روایت ہے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ سونا سونے سے برابر کے بغیر نہ بیچو اور بعض کی بعض پر زیادتی نہ کرو[۲] اور چاندی چاندی کے عوض برابر برابر کے بغیر نہ بیچو۔ بعض کی بعض پر زیادتی نہ کرو[۳] اور ادھار نقد کے عوض نہ بیچو[۵] (مسلم بخاری) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی چاندی کے عوض برابر برابر کے بغیر نہ بیچو[۶] نہ

[۱] خیال رہے کہ سُود کی حرمت صرف ان چھ چیزوں سے خاص نہیں، ان چھ چیزوں کا ذکر اس لیے ہے کہ دوسری چیزوں کو بھی اس پر قیاس کیا جاسکے علت قیاس میں فقہا کا اختلاف ہے، ہمارے ہاں جنس و وزن یا کیل میں اتحاد علت قیاسی ہیں۔ [۲] خلاصہ یہ ہے کہ سُود دو شخصوں سے قائم ہے دینے والے اور لینے والے سے لہذا سُود کے دونوں مجرم ہوں گے کہ ان دونوں نے حرام کاروبار کیا اگرچہ لینے والا بڑا گنہگار ہوگا جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، مرقات۔ خیال رہے کہ نام و کام میں یکساں ہونا ہم وزنیت، لہذا گائے اور بکری کے گوشت ہم جنس نہیں کہ نام اگرچہ دونوں کا گوشت ہی ہے، مگر کام میں قاعدوں میں فرق ہے اور سونا لوہا ہم وزن نہیں، کہ سونے کے باٹ رتی، ماشہ، تولہ ہیں، اور لوہے کے باٹ سیر و من ہیں۔ لہذا بکری و گائے کے گوشت میں زیادتی جائز، ایسے ہی سونے و لوہے میں زیادتی حلال ہے، کہ بکری کا گوشت ایک سیر دے کر گائے کا گوشت دو سیر لے لیا جائے یا دو تولہ سونا دے کر دو من لوہا لے لیا جائے یا ایک انڈا دو انڈوں کے عوض ایک گز لٹھا کپڑا دو گز لٹھے کپڑے کے عوض لے لیا جائے کہ انڈے اور کپڑے وزنی یا کیلی چیز نہیں بلکہ انڈا عددی ہے اور کپڑا ذرعی یعنی انڈے گن کر اور کپڑا گزوں سے ناپ کر فروخت ہوتے ہیں ان میں زیادتی سُود نہیں۔ [۳] یعنی سونا خواہ مضروب یعنی سرکاری سکہ ہو یا پترا نیز نقشیں زیور ہو یا سادہ دونوں طرف وزن میں برابر ہونا ضروری ہے، اگر ایک تولہ سونا کی اشرفی دو تولے سونے کے پترے کے عوض فروخت کی، یا دو تولہ کا جڑاؤ نقش و نگار والا زیور چار تولے سونے کے عوض بیچا تو حرام ہے، نقش یا سکہ کا اعتبار نہیں، وزن کا اعتبار ہے، یہ مسئلہ بہت خیال میں رکھنا چاہیے۔ [۴] یعنی چاندی کی تجارت کا بھی یہی حکم ہے کہ برابر کے عوض فروخت کرو لہذا اگر چاندی کے ایک روپیہ کے عوض دو تولہ چاندی لی تو حرام ہوا، آجکل روپیہ لوہے کا ہے اور نوٹ کاغذ کا، اس لیے یہ بیع جائز ہے کہ ایک روپیہ کی دو تولہ چاندی لیں یا دو روپیہ کی چاندی ایک تولہ خریدیں کیونکہ لوہا یا کاغذ چاندی کی ہم جنس نہیں، بعض حجاج انگریزی دو روپیہ کی عوض سعودی ایک ریال لیتے تھے حرام تھا کہ ادھر دو تولہ چاندی جاتی تھی اور اُدھر ایک تولہ چاندی ملتی تھی، اب نوٹ میں یہ قباحت نہیں۔ [۵] خیال رہے کہ سُود دو قسم کا ہے، ایک زیادتی کا سُود، دوسرے ادھار کا سُود، زیادتی کے سُود کی حرمت دو شرطوں پر موقوف ہے، ہم جنس ہونا، ہم وزن ہونا، مگر اُدھار کے سُود کی حرمت صرف ایک شرط پر موقوف ہے، یا ہم وزن ہونا، یا ہم جنس ہونا، لہذا سونے چاندی کی تجارت میں زیادتی حلال ہے، کہ ایک تولہ سونا کے عوض چار تولہ چاندی لے لیں، مگر ادھار حرام ہے، فوراً فریقین قبضہ کریں، کسی طرف سے ادھار نہ ہو، کہ سونا چاندی اگرچہ جنس الگ ہیں، مگر وزن دونوں کا ایک ہے کہ دونوں تولہ ماشہ سے بکتے ہیں۔ [۶] دونوں روایتوں میں فرق یہ ہے کہ وہاں مثلاً بمثل تھا اور یہاں وزناً بوزن ہے۔

عَنْ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنْتُ اَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلطَّعَامُ بِالطَّعَامِ مِثْلًا بِمِثْلٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۝ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ رِبًوا اِلَّا هَآءَ وَهَآءَ وَالْوَرِقُ بِالْوَرِقِ رِبًوا اِلَّا هَآءَ وَهَآءَ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًوا اِلَّا هَآءَ وَهَآءَ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ رِبًوا اِلَّا هَآءَ وَهَآءَ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًوا اِلَّا هَآءَ وَهَآءَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۝ وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ وَّاَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلٰى خَيْبَرَ فَجَآءَهٗ بِتَمْرٍ جَنِيْبٍ فَقَالَ

روایت ہے حضرت معمر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنتا تھا، غلہ کی غلہ سے بیع برابر برابر کرو [۱] (مسلم) روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا سونے کے عوض سود ہے مگر نقد بہ نقد [۲] چاندی چاندی کے عوض سود ہے مگر نقد بہ نقد۔ اور گندم گندم کے عوض سود ہے مگر نقد بہ نقد اور جَو جَو کے عوض سود ہے مگر نقد بہ نقد [۳] اور چھوہارے چھوہارے کے عوض سود ہے مگر نقد بہ نقد [۴] (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر کا حاکم بنایا تو آپ کی خدمت میں اعلیٰ درجے کے خرمے لائے [۵]

جس سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی میں برابری وزن سے کرنا ضروری ہے، پیمائش سے برابری کافی نہیں، مثلاً دو انچ کا چاندی کا چوکھٹا دو انچ چاندی کے پترے کے عوض فروخت کر سکتے ہیں، اور دونوں کا وزن برابر ہو، اگر دو طرفہ دو انچ کے پترے چاندی کے ہوں مگر ان کے وزن میں فرق ہو تو بیع حرام، وزن کا لحاظ ہے اور وزن ہی کی برابری ضروری ہے۔

[۱] طعام طعم سے بنا بمعنی کھانا، طعام ہر کھانے کی چیز کو کہتے ہیں خواہ پھل ہوں یا دانے اگر ہم جنس اور ہم وزن ہوں تو زیادتی حرام ہے، لینے کی چیزوں کو اس پر قیاس کیا گیا ہے، لہذا بھینس یا بکری کا دودھ، سرسوں یا تل کا تیل اگرچہ دو طرفہ ایک جنس ہوں تو زیادتی حرام، دو جنس ہوں تو زیادتی حلال لہذا ایک سیر بھینس کے دودھ کے عوض دو سیر بکری کا دودھ یا ایک سیر سرسوں کے تیل کے عوض دو سیر تل کا تیل فروخت کر سکتے ہیں، کہ جنس مختلف ہے۔ [۲] بعض شارحین نے فرمایا کہ ھاء ودراصل ھاک تھا بمعنی خُذْ یعنی لے لے اسم فعل ہے بمعنی امر ک کو ہمزہ سے بدل دیا، معنی یہ ہیں کہ ایک دوسرے سے کہے یہ لے یعنی نقد، بعض نے فرمایا ھاء اسم فاعل بمعنی امر ہے، ہمزہ کو جر ہے یا فتح، معنی وہ ہی ہیں خُذْ یعنی لے لے۔ اس سے مراد نقد ہی ہے، مطلب یہ ہے کہ جیسے ہم وزن ہم جنس میں زیادتی حرام ہے، ایسے ہی اُدھار بھی حرام ہے، دو طرفہ نقد ہونی چاہیے۔ [۳] اس حدیث سے اشارۃً بیع تعاطی کا جواز نکلتا ہے کہ فریقین منہ سے کچھ نہ کہیں، ایک قیمت دیدے دوسرا مال، حضرت سفیان ثوری ایک انار والے کی دکان پر گئے آپ نے دکاندار کے سامنے درہم رکھ دیا، اس نے ایک انار آپ کے سامنے رکھ دیا، آپ انار اٹھا کر چلے آئے (مرقات) بات کوئی نہ کی اس سے بیع تعاطی کا ثبوت ہوا، بیع تعاطی معمولی و اعلیٰ ہر قسم کے مال میں ہو سکتی ہے، دیکھو یہاں چاندی سونے کی تجارت میں تعاطی کا ذکر ہی آگیا۔ [۴] خیال رہے کہ سونا چاندی ذکر فرما کر تمام دھاتوں کی طرف اشارہ فرمادیا، اور گندم و جَو ذکر فرما کر تمام دانہ و غلے کی جانب اور چھوہارے ذکر فرما کر تمام پھلوں کی طرف اشارہ فرمادیا، مطلب یہ ہوا کہ ہر ہم جنس و ہم وزن چیز خواہ دھات کی قسم سے ہو یا غلے کی قسم سے خواہ پھلوں کی قسم سے ان میں زیادتی سود ہے حرام ہے، یہ تفصیل مذہب حنفی کی تائید فرماتی ہے کہ ہم جنس و ہم وزن میں زیادتی حرام ہے۔ [۵] بطور ہدیہ پیشکش فرمانے

أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا قَالَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هٰذَا بِالصَّاعَيْنِ وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلَاثِ فَقَالَ لَا تَفْعَلْ بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيْبًا وَقَالَ فِي الْمِيْزَانِ مِثْلَ ذٰلِكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۞ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ جَاءَ بِلَالٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ بَرْنِيٍّ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَيْنَ هٰذَا قَالَ كَانَ عِنْدَنَا

تو فرمایا کہ خیبر کے سارے چھوہارے ایسے ہی ہوتے ہیں عرض کیا نہیں یارسول اللہ ہم ان چھوہاروں کا ایک صاع دو صاعوں کے عوض اور دو صاع تین کے عوض خرید لیتے ہیں [1] تو فرمایا ایسا نہ کرو [2] مخلوط کو درہموں کے عوض بیچو اور درہموں سے کھرے خرید لو اور وزنی چیزوں کے متعلق بھی اسی طرح فرمایا [3] (مسلم،بخاری) روایت ہے حضرت ابی سعید سے فرماتے ہیں کہ حضرت بلال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں برنی کھجوریں لائے [4] تو ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہاں سے آئیں عرض کیا ہمارے پاس

---

[4] برنی چھوہاروں کی ایک اعلیٰ قسم کا نام ہے جیسے ہمارے ہاں شربتی گندم اعلیٰ قسم کا ایک گندم ہے۔

[1] یعنی خیبر میں ہر قسم کے چھوہارے ہوتے ہیں اعلیٰ بھی ردی بھی، ہم ردی سے اعلیٰ خرید لیتے ہیں اس طرح کہ ارزانی کے زمانہ میں دوگنے ردی دیتے ہیں اور گرانی میں تگنے، یا معمولی اعلیٰ دوگنے کے عوض اور بہت اعلیٰ تگنے کے عوض خرید لیتے ہیں یہ بھی اسی طرح خرید ے ہوئے ہیں، کہ ردی خرمے دیکر اعلیٰ خرمے اس سے نصف لیے گئے ہیں [2] یعنی اب تک جو کرلیا وہ کرلیا اس پر پکڑ نہیں، آئندہ اس طرح تبادلہ نہ کرنا کہ یہ سود ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لانے والے پر نہ تو عتاب فرمایا نہ ان کی کھجوروں کی واپسی کا حکم دیا، نہ انہیں ان کھجوروں کے استعمال سے منع فرمایا بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ان کا یہ ہدیہ قبول بھی فرمالیا۔ صرف آئندہ کے لیے منع فرمادیا کیونکہ ابھی سود کے قوانین شائع نہ ہوئے تھے، سود کی حرمت نئی نئی ہوئی تھی اور قانون یا تفصیل قانون شائع ہونے سے پہلے خلاف ورزی کرنے والوں پر عتاب نہیں ہوتا جبکہ بے خبری میں کریں، اس وقت بے خبری کا عذر درست ہوتا ہے، مگر قانون شائع ہوچکنے کے بعد بے خبری عذر نہیں، لہذا اب اگر کوئی اس طرح کی تجارت کرے گا تو مجرم ہوگا اور یہ خرید و فروخت درست بھی نہ ہوگی لہذا حدیث واضح ہے۔ [3] یعنی درمیان میں پیسہ لو سود نہ بنے گا اور سودا درست ہوجائے گا کہ مثلًا دو سیر ردی خرمے ایک روپیہ کے عوض بیچ دو، پھر اس روپیہ کے اعلیٰ خرمے ایک سیر لے لو، اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ سود کی علت ہم جنس اور ہم وزن ہونا ہے، کہ حضور انور نے وزن کا لحاظ فرمایا یہ ہی احناف کا مذہب ہے امام شافعی کے ہاں سونا چاندی میں سود ہے، اور کھانے کی چیزوں میں سود ہے، طعمیت سود کی علت ہے یا ثمنیت یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ حرام سے بچنے کے لیے شرعی حیلے کرنے جائز ہیں اگر سو روپیہ دو سو روپیہ کے عوض فروخت کرنے ہوں تو اس سے سو روپیہ کے عوض کپڑے کا تھان خرید لو، پھر وہ ہی تھان دو سو کے عوض فروخت کردو، یہ وہ ہی صورت ہے جس کی تعلیم یہاں دی گئی، مرقات۔ شرعی حیلوں کا ثبوت قرآن شریف سے بھی ہے: ایوب علیہ السلام نے بیماری کے زمانہ میں اپنی بیوی رحمت کو سو کوڑے مارنے کی قسم کھائی تھی، صحت یاب ہونے پر رب نے ان سے فرمایا ﴿خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ﴾ ہاتھ میں جھاڑو لے کر مار دو اپنی قسم نہ توڑو یہ قسم پوری کرنے کا حیلہ ہوا، مگر حرام سے بچنے کا حیلہ جائز ہے، احکام شرعیہ میں تبدیلی کی نیت سے حیلہ کرنا حرام، حیلہ کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھیے۔ [4] برنی عرب کی مشہور و اعلیٰ کھجور ہے، ب کی فتح ر کے سکون یا فتح، قاموس میں ہے کہ یہ لفظ برنیک تھا بمعنی اچھا پھل فارسی سے عربی میں منتقل کیا گیا اور برنی بنا دیا گیا۔

تَمْرٌ رَدِيٌّ فَبِعْتُ مِنْهُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ فَقَالَ أَوَّهْ عَيْنُ الرِّبٰوا وَعَيْنُ الرِّبٰوا لَا تَفْعَلْ وَلٰكِنْ إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَشْتَرِيَ فَبِعِ التَّمْرَ بِبَيْعٍ اٰخَرَ ثُمَّ اشْتَرِ بِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ❊ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَ عَبْدٌ فَبَايَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْهِجْرَةِ وَلَمْ يَشْعُرْ أَنَّهٗ عَبْدٌ فَجَاءَ سَيِّدُهٗ يُرِيْدُهٗ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعْنِيْهِ فَاشْتَرَاهُ بِعَبْدَيْنِ أَسْوَدَيْنِ ثُمَّ لَمْ يُبَايِعْ أَحَدًا بَعْدَهٗ حَتّٰى يَسْأَلَهٗ أَعَبْدٌ هُوَ أَوْ حُرٌّ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ❊ وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الصُّبْرَةِ مِنَ التَّمْرِ لَا يُعْلَمُ مَكِيْلَتُهَا بِالْكَيْلِ الْمُسَمّٰى مِنَ التَّمْرِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ❊ وَعَنْ فُضَالَةَ

ردی کھجوریں تھیں تو میں نے اس کے دو صاع ایک صاع کے عوض بیچ دیئے فرمایا ہائے[1] بالکل سود بالکل سود یوں نہ کرو لیکن جب خریدنا چاہو تو چھوہارے دوسری بیع بیچ دو پھر اس سے خرید لو[2] (مسلم،بخاری)، روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ایک غلام آیا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت پر بیعت کی حضور انور کو خیال نہ ہوا کہ وہ غلام ہے[3] پھر اس کا مولیٰ اسے لینے آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اسے ہمارے ہاتھ بیچ دو چنانچہ اسے دو حبشی غلاموں کے عوض خرید لیا اس کے بعد کسی سے بیعت نہ لی حتی کہ اس سے پوچھ لیتے کہ وہ غلام ہے یا آزاد[4] (مسلم)، روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ چھوہاروں کے معلوم پیمانہ کے عوض چھوہاروں کا وہ ڈھیر بیچا جائے جس کا پیمانہ معلوم نہیں[5] (مسلم) روایت ہے حضرت فضالہ

[1] اَوَّہْ الف کا فتح، واو کی شد اور کسرہ، ہ کا سکون یا واو اور ہ دونوں کا سکون یا واو کی الف سے تبدیلی، غرضکہ اَوَّہْ، اوہ یا آہ ایسے الفاظ میں جو تکلیف، بیماری یا اظہار افسوس کے موقعہ پر بولے جاتے ہیں، یہاں حضور انور نے اظہار افسوس کے لیے فرمایا یعنی ہائے افسوس [2] اس کی بھی وہی صورت ہے جو پہلے مذکور ہوئی یعنے اولاً دو صاع ردی کھجوریں ایک روپیہ کے عوض فروخت کردو، پھر اس روپیہ سے ایک صاع اعلیٰ کھجوریں لے لو، یہ دو بیعیں ہوجائیں گی، اور سود نہ بنے گا، وہ جو روایت میں آتا ہے کہ زید ابن ارقم کی ام ولد نے عائشہ صدیقہ سے عرض کیا کہ میں نے زید کے ہاتھ آٹھ سو میں ایک لونڈی اُدھار بیچی، اور شرط یہ لگائی کہ جب بھی تم بیچو میرے ہاتھ بیچنا، چنانچہ قرض ادا ہونے سے پہلے میں نے یہ لونڈی زید ابن ارقم سے چھ سو میں خرید لی تو ام المؤمنین نے فرمایا، زید ابن ارقم سے کہہ دینا کہ تمہارے سارے نیک اعمال باطل ہوگئے، تم نے یہ بیع ناجائز کی (رمالک واحمد) ام المؤمنین کے اس بیع کے ناجائز کہنے کی دو وجہ ہوسکتی ہیں، ادائے قرض کی صحیح مدت مقرر نہ ہونا، دوسرے بیع بالشرط ہونا، لہذا وہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں۔ [3] حقیقتاً یہ بھاگا ہوا غلام تھا، اس کا مقصود تھا مولیٰ سے نجات پانا، مگر ظاہر یہ کیا کہ مومن ہوں، مہاجرین کہ آپ کے پاس رہنا چاہتا ہوں، حضور انور نے بھی اس کی تحقیق نہ فرمائی، اور اس سے ہجرت پر بیعت لے لی یہ خیال رہے کہ اگرچہ اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب کو ہر کھلے چھپے کی اطلاع دی ہے مگر علم کا ہر وقت حضور ضروری نہیں، حافظ کو سارا قرآن یاد ہوتا ہے مگر ہر لفظ ہر وقت سامنے نہیں رہتا، لہذا اس سے حضور کی بے علمی ثابت کرنا حماقت ہے [4] اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ غلام مولیٰ کی بغیر اجازت ہجرت نہیں کرسکتا دوسرے یہ کہ بیعت فسخ نہیں ہوسکتی، کہ حضور نے اسے خرید لیا مگر اس کی بیعت فسخ نہ کی، تیسرے یہ کہ غیر سودی مال میں زیادتی کمی جائز ہے، چنانچہ ایک بکری دو کے عوض فروخت کرسکتے ہیں، کیونکہ حیوان سودی مال نہیں کہ یہ نہ کیلی ہے نہ وزنی، ہاں حیوان کی حیوان سے اُدھار بیع ناجائز ہے، حضرت رافع ابن خدیج نے

بْنِ اَبِیْ عُبَیْدٍ قَالَ اشْتَرَیْتُ یَوْمَ خَیْبَرَ قِلَادَۃً بِاثْنَیْ عَشَرَ دِیْنَارًا فِیْھَا ذَھَبٌ وَخَرَزٌ فَفَصَّلْتُھَا فَوَجَدْتُ فِیْھَا اَکْثَرَ مِنْ اثْنَیْ عَشَرَ دِیْنَارًا فَذَکَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تُبَاعُ حَتّٰی تُفَصَّلَ رَوَاہُ مُسْلِمٌ ۔ **اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ** عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنْ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیَاْتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی اَحَدٌ اِلَّا اٰکِلُ الرِّبٰو فَاِنْ لَّمْ یَاْکُلْہُ اَصَابَہٗ مِنْ بُخَارِہٖ وَیُرْوٰی مِنْ غُبَارِہٖ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ ۔ وَعَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبِیْعُوا الذَّھَبَ بِالذَّھَبِ وَلَا الْوَرِقَ

ابن ابی عبید سے فرماتے ہیں میں نے خیبر کے دن بارہ دینار کے عوض ایک ہار خریدا جس میں سونا بھی تھا اور موتی کے منکے بھی میں نے اسے کھول ڈالا تو اس میں سونا بارہ دینار سے زیادہ پایا[1] تو اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا حضور انور نے فرمایا ایسے ہار بغیر جدا کیے نہ بیچے جائیں[2] (مسلم) ؛ دوسری فصل ؛ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جب کہ سود کھائے بغیر کوئی نہ رہے گا[3] اگر سود نہ بھی کھائیگا تو اسے سود کا اثر ضرور پہنچے گا یہ بھی روایت ہے کہ اس کا غبار پہنچے گا[4] (احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) ؛ روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی چاندی کے عوض

ایک اونٹ دو کے عوض بیچا۔ [5] یعنی دو طرفہ کھجوریں ہوں ایک جانب کی کھجوروں کا وزن معلوم ہو، مگر دوسری کا معلوم نہ ہو چونکہ یہ مال سُودی ہے اور اس نامعلومیت کی وجہ سے سُود ہوجانے کا اندیشہ ہے، ممکن ہے کہ وہ نامعلوم ڈھیر اس سے کم یا زیادہ ہو، اس لیے منع فرمایا گیا، روپے یا گندم کے عوض کھجور کا نامعلوم ڈھیر خریدنا ناجائز ہے، مشکوۃ کے اس نسخے میں بکیلۃ ہے یعنی مقدار کیل اشعہ کے نسخے میں بکیلھا ہے یعنے کیل و پیمانہ۔

[1] اس طرح کہ ہار کے سونے کا وزن بارہ دینار کے وزن سے زائد تھا تو مجھے سونا زیادہ ملا، اور موتی کے منکے اس کے علاوہ، [2] کیونکہ ایسی تجارت میں سُود کا قوی اندیشہ ہے، اگر یہاں ہار کا سونا برابر بھی ہوتا تب بھی سُود تھا کہ موتی زائد تھے۔ ایسی صورت میں دینار ہار کے سونے سے زائد چاہئیں، تاکہ زیادتی موتی کے مقابل ہوجائے اور عقد میں سُود نہ رہے۔ خیال رہے کہ اس موقعہ پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آئندہ کے لیے تو ایسی تجارت کی ممانعت فرمادی مگر یہ بیع رد نہ فرمائی اور خریدار کو واپسی کا حکم نہ دیا، کیونکہ اس زمانہ میں مسئلہ سے ناواقفی عذر تھی، کہ قانون سُود پورے طور پر نہ واضح ہوا تھا۔ مشتہر اب اگر ایسا عقد کوئی ناواقفی سے کرے تو واپس کرنا ہوگا جڑاؤ سنہری ہار اگر سونے کے عوض بیچا جائے، تو سونے کا وزن معلوم ہونا بھی ضروری ہے، اور جو سونا ہار کے عوض دیا جائے اُس کا زیادہ ہونا بھی لازم، تاکہ یہ زیادتی ہار کے موتی وغیرہ کے عوض ہوجائے، [3] اس طرح کہ سُود کا رواج عام ہوجائیگا اور ہر شخص بلاواسطہ یا بالواسطہ کبھی نہ کبھی سُود کھا ضرور لے گا جیسا کہ آجکل ہو رہا ہے کوئی کاروبار بغیر بنک کے نہیں چلتا، اور کوئی بنک بغیر سُود کے لین دین نہیں کرتا، اب اس سُودی روپیہ سے جو کاروبار ہوگا اُس میں سُود ضرور شامل ہوگا، [4] یعنی اُس زمانہ میں بعض لوگ سُود لیں گے بعض دیں گے بعض سُود کی گواہی، تحریر وغیرہ کریں گے بعض لوگ ان سودی کاروبار والوں کے گھر دعوت کھائیں گے بعض لوگ ان سے دینی کاموں میں چندہ لیں گے، بہرحال یہ سُودی پیسہ کسی نہ کسی ذریعہ ہر جگہ ضرور پہنچے گا۔ مسئلہ جس کی آمدنی مخلوط ہو کہ حلال بھی ہو حرام بھی وہ اس کے

بِالْوَرِقِ وَلَا الْبُرَّ بِالْبُرِّ وَلَا الشَّعِيْرَ بِالشَّعِيْرِ وَلَا التَّمْرَ بِالتَّمْرِ وَلَا الْمِلْحَ بِالْمِلْحِ اِلَّا سَوَآءً بِسَوَآءٍ عَيْنًا بِعَيْنٍ يَدًا بِيَدٍ وَلٰكِنْ بِيْعُوا الذَّهَبَ بِالْوَرِقِ وَالْوَرِقَ بِالذَّهَبِ وَالْبُرَّ بِالشَّعِيْرِ وَ الشَّعِيْرَ بِالْبُرِّ وَالتَّمْرَ بِالْمِلْحِ وَالْمِلْحَ بِالتَّمْرِ يَدًا بِيَدٍ كَيْفَ شِئْتُمْ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ؛ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ شِرَى التَّمْرِ بِالرُّطَبِ فَقَالَ

چاندی، گیہوں کے عوض گیہوں، جَو کے عوض جَو، چھوہارے چھوہارے کے عوض اور نمک نمک کے عوض نہ بیچو مگر برابر برابر ۱؎ نقد نقد سے ہاتھ بہ ہاتھ ۲؎ لیکن سونے کو چاندی کے عوض اور چاندی کو سونے کے عوض اور گیہوں کو جَو کے عوض اور جَو کو گیہوں کے عوض، چھوہارے نمک کے عوض ہاتھ بہ ہاتھ جیسے چاہو بیچو ۳؎ (شافعی)؛ روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ سے کھجور چھوہاروں کے عوض خریدنے کے متعلق پوچھا گیا ۴؎ تو فرمایا

ہاں ملازمت کرکے تنخواہ لینا، اس سے چندہ لینا، اس کے ہاں دعوت کھانا وغیرہ سب کچھ جائز ہے ہاں خالص حرام کمائی والے کے ہاں نہ ملازمت جائز نہ اُن سے یہ معاملات درست (کتب فقہ)۔ اسی لیے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سُود عام ہو جانے کی خبر دی، مگر ان سب لوگوں کو فاسق یا گنہگار نہ فرمایا، سود خوار فاسق ہے، مگر جسے سُود کا غبار یا بخار پہنچے اُسے فاسق نہیں کہہ سکتے، دیکھو رب تعالٰی نے موسٰی علیہ السلام کو فرعون کے ہاں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب کے ہاں پرورش کے لیے رکھا، اُن کی کمائیاں یقینًا مخلوط تھیں، خالص حلال نہ تھیں، اگر مخلوط مال کی دعوت یا چندہ حرام ہوتے، تو رب تعالٰی اپنے کلیم و حبیب صلوۃ اللہ علیہما وسلامہ کی پرورش ان کے ہاں نہ کراتا، نیز اگر مخلوط مال سے یہ سارے معاملہ بند کر دیئے جائیں، تو آج کوئی دینی ادارہ، مدرسے، مسجدیں، خانقاہیں آباد نہیں رہ سکتے، کہ ان میں ہر شخص سے چندہ لیا جاتا ہے، خالص حلال کی تحقیق نہ کرتے ہیں نہ کر سکتے ہیں، یہ مسئلہ ضرور خیال میں رکھا جائے: اس قاعدے سے آجکل کے بنک وغیرہ محکموں کی نوکریوں کا حال بھی معلوم ہوگیا، یہ ضرور ہے کہ اس وقت خالص حلال روزی ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

۱؎ خیال رہے کہ وزنی چیزوں کی برابری وزن سے ہوگی، اور کیلی یعنی ماپ والی چیزوں کی برابری ناپ سے۔ شریعت میں سونا چاندی وزنی ہیں، اور گندم جَو کیلی، تو سونے چاندی دھاتوں کو وزن میں برابر کرکے خرید و فروخت کرو، اور گندم جَو کو ٹوپہ پیمانہ سے برابر کرکے فروخت کرو، لہذا ایک سیر بھاری گندم کی بیع ایک سیر ہلکی گندم سے ناجائز ہے کہ یہ وزن میں تو برابر ہوئے، مگر پیمانہ میں برابر نہیں، لیکن گندم پیمانہ میں کم آئے گی وزن میں زیادہ، ایسے ہی ایک سیر گندم کی بیع ایک سیر گندم کے آٹے سے ناجائز ہے، کہ ایک سیر آٹا زیادہ گندم کا ہوتا ہے (از مرقات)۔ ۲؎ یعنی ہم جنس و ہم وزن چیزوں کی بیع میں زیادتی کمی بھی حرام ہے اور اُدھار بھی حرام، برابر دو اور دو طرفہ نقد دو، اور ہم وزن تو ہوں مگر ہم جنس نہ ہوں جیسے گندم و جَو، یا ہم جنس تو ہوں ہم وزن نہ ہوں، جیسے اخروٹ یا انڈے، کہ گن کر فروخت کیے جاتے ہیں، تو ان میں زیادتی کمی جائز مگر اُدھار حرام اور جنس و وزن دونوں میں مختلف ہوں، تو کمی بیشی بھی حلال اور اُدھار بھی درست، جیسے روپیہ پیسہ سے مذکورہ چیزوں کی خرید و فروخت، اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔ ۳؎ یعنی چونکہ ان کی جنسیں مختلف ہیں لہذا ان میں زیادتی کمی حلال ہے، لیکن ہم وزن میں اُدھار حرام ہوگا، جیسا کہ پہلے حدیث میں اور ابھی شرح میں گزر چکا (مرقات و لمعات)۔ ۴؎ اگر تر کھجور خشک چھوہاروں کے عوض برابر برابر فروخت کی جائے تو درست ہے یا نہیں کہ اس وقت تو برابر ہی ہیں، سوال نہایت اعلٰی ہے۔

أَيَنْقُصُ الرُّطَبُ إِذَا يَبِسَ فَقَالَ نَعَمْ فَنَهَاهُ عَنْ ذٰلِكَ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ ❁ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ مُرْسَلًا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ اللَّحْمِ بِالْحَيَوَانِ قَالَ سَعِيْدٌ كَانَ مِنْ مَيْسِرِ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ ❁ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيْئَةً رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ ❁ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو

کیا کھجور خشک ہوکر کم ہوجاتی ہے [1] عرض کیا ہاں تب آپ نے اس سے منع فرمادیا [2] (مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے (ارسالًا [3]) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کے عوض گوشت بیچنے سے منع [4] فرمایا حضرت سعید فرماتے ہیں کہ یہ زمانہ جاہلیت کے جوئے سے تھا [5] (شرح سنہ) روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کی جانور کے عوض ادھار تجارت سے منع فرمایا [6] (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو

[1] یہ سوال ناواقفی کی بنا پر نہیں کہ تر کھجور کا خشک ہوکر کم ہوجانا بالکل ظاہر ہے خصوصًا اہل عرب پر خصوصًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بلکہ آئندہ جواب کی تمہید کے لیے ہے، جیسا کہ روش کلام سے ظاہر ہے (مرقات) [2] امام شافعی و صاحبین کے ہاں تر کھجور و خرما کی بیع برابر بھی ناجائز ہے، اس حدیث کی بنا پر مگر ہمارے امام اعظم کے ہاں برابر برابر کی بیع درست ہے۔ اولًا تو یہ حدیث ضعیف ہے اس سے حرمت جیسا مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا (اشعہ) اگر حدیث صحیح بھی ہو تو اس سے اُدھار کی بیع مراد ہوگی، کہ ایک جنس میں اُدھار کی بیع حرام ہے۔ دوسری روایات میں لفظ نسیۃ آیا بھی ہے، انگور کی بیع کشمش یا منقے سے، تازہ گوشت کی بیع خشک گوشت سے اسی اختلاف پر ہے کہ امام اعظم کے ہاں برابر برابر کی درست دیگر ائمہ کے ہاں ممنوع (مرقات) [3] حضرت سعید ابن مسیب افضل تابعین سے ہیں، انھوں نے بغیر ذکر صحابی حدیث کو حضور سے روایت فرمادیا، اسی کا نام ارسال ہے۔ حدیث مرسل امام شافعی کے ہاں معتبر نہیں، ہمارے ہاں معتبر ہے۔ [4] اس حدیث کے ظاہری معنی پر حضرت امام شافعی کا عمل ہے، ان کے ہاں گوشت جانور کے عوض فروخت کرنا مطلقًا ممنوع ہے خواہ گوشت اور جانور ایک ہی جنس کے ہوں یا مختلف جنس کے اور خواہ جانور حلال ہو یا حرام چنانچہ ان کے ہاں گائے کے گوشت کے عوض گدھا خریدنا بھی حرام ہے، اور بکری کا گوشت خریدنا بھی حرام، امام محمد کے ہاں اگر جانور حلال ہو، اور گوشت و جانور ہم جنس ہوں تو گوشت جانور کے گوشت سے زیادہ ہونا ضروری ہے: اگر بکری میں دس سیر گوشت ہے تو دوسرا گوشت بارہ تیرہ سیر چاہیے، اور اگر جانور و گوشت زیادہ چاہیے تاکہ زیادتی کھال وغیرہ کے عوض ہوجائے: اگر بکری میں دس سیر گوشت ہے تو دوسرا گوشت بارہ تیرہ سیر چاہیے، اور اگر جانور و گوشت مختلف الجنس ہوں تو مطلقًا بیع درست ہے: امام اعظم کے ہاں یہ کوئی قید نہیں ان کے ہاں جانور کی بیع گوشت کے عوض ہر طرح جائز ہے، اور اس حدیث میں اُدھار بیع مراد ہے یعنی جانور کو گوشت کے عوض نقد بیچنا تو حلال ہے اُدھار بیچنا حرام کہ جانور موٹا پتلا ہوتا رہتا ہے اور گوشت کا اُدھار میں تعین مشکل ہوتا ہے (لمعات و مرقات) [5] یعنی کفار عرب کھیل کا بھی جوا کرتے تھے اور عقد کا بھی یہ جانور و گوشت کی بیع کو عقد کا جوا قرار دیتے تھے کہ اگر جانور میں گوشت اس گوشت سے زیادہ نکل آیا تو گوشت والا جیت گیا اور اگر کم نکلا تو جانور والا جیت گیا گوشت والا ہار گیا۔ [6] اس مسئلہ کی تحقیق اور اس میں صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کا اختلاف پہلے

بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَهٗ اَنْ يُّجَهِّزَ جَيْشًا فَنَفِدَتِ الْاِبِلُ فَاَمَرَهٗ اَنْ يَّاْخُذَ عَلٰى قَلَائِصِ الصَّدَقَةِ فَكَانَ يَاْخُذُ الْبَعِيْرَ بِالْبَعِيْرَيْنِ اِلٰى اِبِلِ الصَّدَقَةِ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ ٭ **اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ** ٭ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرِّبٰوا فِي النَّسِيْئَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ لَا رِبٰوا فِيْمَا يَدًا بِيَدٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ٭ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَنْظَلَةَ

ابن عاص سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک لشکر کے سامان تیار کرنے کا حکم دیا[1] تو اونٹ ختم ہوگئے[2] تو حضور نے انہیں حکم دیا کہ صدقہ کی اونٹنیوں کے عوض لے لیں، تو وہ صدقہ کے اونٹ آنے تک ایک اونٹ دو اونٹوں کے عوض لیتے تھے[3] (ابوداؤد) ٭ تیسری فصل ٭ روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود ادھار میں ہے ایک روایت میں یوں ہے جو ہاتھ بہ ہاتھ نقد ہو اس میں سود نہیں[4] (مسلم،بخاری) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حنظلہ سے

بیان ہوچکا کہ بعض کے ہاں اگر دو طرفہ جانور ادھار ہوں، تو بیع ناجائز ہے، اگر ایک طرفہ ادھار ہو ایک طرف نقد تو درست ہے ہمارے ہاں جانور کی جانور سے ادھار بیع مطلقًا منع ہے، یہ حدیث ہماری دلیل ہے، کہ اس میں کوئی تفصیل نہیں۔

[1] یعنی حکم دیا کہ لشکر کو سواریوں، ہتھیاروں اور دیگر سامان سے لیس کردیں۔ [2] یعنی بعض سپاہیوں کو اونٹ نہ ملے، اونٹ ختم ہوگئے اور سپاہی بچ رہے کہ اونٹ کم تھے اور سپاہی زیادہ تھے [3] اس کی صورت یہ ہے کہ آج لوگوں سے اونٹ خرید لو، اور ان تاجروں سے وعدہ کرلو کہ جب زکوۃ کے اونٹ آئیں، تو تم کو ایک کے عوض ایک اور دو کے عوض چار دیئے جائیں گے، یہ حدیث اُن لوگوں کی دلیل ہے کہ جو جانور کے اُدھار کی بیع جائز کہتے ہیں، ہمارے امام صاحب فرماتے ہیں کہ اولًا تو یہ حدیث ہی ضعیف ہے، اس ضعیف حدیث سے استدلال درست نہیں، اور اگر صحیح بھی ہو تو منسوخ ہے، یہ حکم اُس وقت تھا جبکہ اسلام میں سُود حرام نہ ہوا تھا، ہماری دلیل حضرت سمرہ کی حدیث ہے جو ابھی گذر گئی، کہ وہ حدیث صحیح بھی ہے اور غیر منسوخ بھی اس حدیث میں ایک اشکال یہ بھی ہے کہ اُدھار کی بیع میں وقت ادا مقرر ہونا چاہیے، اور زکوۃ کے اونٹوں کی وصول کا وقت مقرر نہیں، ہر شخص اپنا سال گذرنے پر زکوۃ دیتا ہے، زکوۃ کے لیے کوئی مہینہ یا تاریخ مقرر نہیں ہوسکتی غرضکہ یہ حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں، ضعیف ہے، منسوخ ہے، یا مجمل یا مشکل ہے، حدیث سمرہ اس پر ترجیح رکھتی ہے (لمعات) [4] یہ حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی، جیسے رب کا فرمان **اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ** میں کہ قرآن کریم نے جو صرف چھ جانوروں کی حرمت بیان کی حصر کے طریقہ پر یہ مشرکین کے بحیرہ، سائبہ وغیرہ کے مقابلہ میں ہے، ورنہ کتا، گدھا وغیرہ بھی حلال نہیں ہے، کسی شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کو برابر برابر فروخت کرنے کے متعلق دریافت کیا ہوگا۔ یا مختلف الجنس کو زیادتی کمی سے بیچنے کے بارے میں پوچھا ہوگا، تو فرمایا ان صورتوں میں سُود صرف اُدھار میں ہوگا نقد میں نہیں، ایک سیر گندم دو سیر جَو کے عوض یا ایک سیر گندم ایک سیر گندم کے عوض نقد بیچ سکتے ہیں، اُدھار نہیں، لہٰذا الربٰو میں الف لام عہدی ہے یعنے ان کا ربٰو صرف اُدھار میں ہے، اور ہوسکتا ہے، کہ الف لام استغراقی ہو یعنے ادھار میں مطلقًا زیادہ حرام ہے، خواہ دونوں کے عوض وقدر میں یکساں ہوں یا صرف جنس میں یا صرف قدر میں یکساں ہوں، نقد کی تجارت میں ربٰو جب حرام ہوگا جبکہ دونوں عوض جنس میں بھی ایک ہوں وزن میں بھی، لہٰذا یہ حدیث گذشتہ مثلًا بمثل کے خلاف نہیں۔

(لمعات، اشعہ، مرقات)

غَسِیْلُ الْمَلٰئِکَۃِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دِرْھَمُ رِبًا یَّاکُلُہُ الرَّجُلُ وَھُوَ یَعْلَمُ اَشَدُّ مِنْ سِتَّۃٍ وَّثَلٰثِیْنَ زَنْیَۃً رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالدَّارَقُطْنِیُّ وَرَوَی الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّزَادَ وَقَالَ مَنْ نَّبَتَ لَحْمُہٗ مِنَ السُّحْتِ فَالنَّارُ اَوْلٰی بِہٖ ۝ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلرِّبٰو سَبْعُوْنَ جُزْءً اَیْسَرُھَا اَنْ یَّنْکِحَ الرَّجُلُ اُمَّہٗ ۝ وَعَنِ ابْنِ

جنہیں فرشتوں نے غسل دیا[1] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کا ایک درہم جو جانتے ہوئے انسان کھائے[2] وہ چھتیس بار زنا سے سخت تر ہے[3] (احمد، دارقطنی) بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس سے روایت کی وہاں یہ زیادتی ہے کہ فرمایا جس کا گوشت حرام سے اگا ہوگا تو آگ اس سے بہت قریب ہوگی[4] روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کے ستر حصے ہیں جن سے کمترین حصہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے زنا کرے[5] روایت ہے حضرت ابن

[1] غسیل ملائکہ حضرت حنظلہ کی صفت ہے نہ کہ عبداللہ کی، حضرت حنظلہ غزوۂ احد کے دن نوعروس تھے ابھی جنابت سے غسل نہ کیا تھا کہ اعلان جہاد ہوگیا بغیر غسل کیے چلے گئے اور شہید ہوگئے، انہیں حضرت جبریل و میکائیل نے غسل دیا، ان کی نعش شریف سے پانی ٹپک رہا تھا، اسی لیے ان کا لقب غسیل الملائکہ ہوا، ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بھی صحابی ہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سات سال کے تھے، انصار کے سردار تھے، یزید ابن معاویہ کی بیعت مع انصار مدینہ کے آپ نے توڑ دی، اور حرہ کے دن اپنے سات بچوں کے ساتھ یزیدی لشکر کے ہاتھوں شہید ہوئے، بڑے متقی و پرہیزگار تھے (اشعہ)

[2] کھانے سے مراد ہے سود لینا خواہ کھانے یا پہنے یا کسی اور استعمال میں لائے یا صرف جمع کرکے رکھے چونکہ تمام استعمالات میں کھانا زیادہ اہم ہے اس لیے اس کا ذکر فرمایا، ہماری اصطلاح میں بھی سود لینے والے کو سود خوار یعنے سود کھانے والا کہا جاتا ہے، ایک درہم سے مراد معمولی سا مال ہے، جاننے کی قید اس لیے لگائی کہ بے علمی میں اگر سود کا پیسہ استعمال میں آجائے تو گناہ نہیں، اسی لیے مخلوط کمائی والے کے ہاں دعوت وغیرہ کھانا جائز ہے کہ ہمیں خبر نہیں کس مال سے کھانا پکایا گیا۔

[3] ایک سود کے چھتیس زنا سے بدتر ہونے کی چند وجہیں ہیں، زنا حق اللہ ہے اور سود حق العباد جو توبہ سے معاف نہیں ہوتا، سود خوار کو اللہ رسول سے جنگ کا اعلان ہے، زانی کو یہ اعلان نہیں، سود خوار کے خرابی خاتمہ کا اندیشہ ہے، زانی کے متعلق یہ اندیشہ نہیں، سود خوار مقروض اور اس کے بال بچوں کو تباہ کرتا ہے، اسی لیے سود خوار بہ زیادہ سخت ہے (لمعات، مرقات) نیز عموماً مسلمان زنا سے تو نفرت کرتے ہیں مگر سود سے نہیں، حکومتیں اور گناہوں کو روکنے کی کوشش کرتی ہیں مگر سود کو رواج دیتی ہیں اس سے بچنا مشکل ہے۔

[4] یعنی جیسے مٹی کے تیل میں بھیگا ہوا کپڑا آگ میں جلد جل جاتا ہے، ایسے ہی سود، رشوت، جوئے، چوری وغیرہ حرام مال سے پیدا شدہ گوشت دوزخ کی آگ میں بہت جلد جلے گا، چونکہ غذا سے خون اور خون سے گوشت بنتا ہے اس لیے غذا بہت پاکیزہ ہونی چاہیے، حرام غذا کا اثر سارے بدن پر پڑتا ہے۔

[5] یعنے ماں سے زنا کرنا جب کمترین درجہ ہوا، تو بقیہ درجے اس سے زیادہ سخت ہوں گے، چونکہ اہل عرب سود کے بہت زیادہ عادی تھے ان سے سود چھوڑنا آسان نہ تھا اس لیے سود پر زیادہ وعیدیں وارد ہوئیں، خیال رہے کہ زنا اکثر مرد عورت کی رضامندی سے بلکہ زیادہ تر عورت کی رضا سے ہوتا ہے اسی لیے رب تعالٰی نے زنا میں عورت کا ذکر پہلے فرمایا، کہ فرمایا اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ، مگر سود میں مقروض کی رضا قطعًا نہیں ہوتی، اس وجہ سے بھی سود کے احکام سخت تر ہیں کہ یہ گناہ بھی ہے اور ظلم بھی صرف مقروض پر نہیں بلکہ اس کے سارے بچوں پر، سود خوار ایک تیر سے بہت سوں کا شکار کرتا ہے۔

مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّبٰو وَاِنْ كَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَهٗ تَصِيْرُ اِلٰى قُلٍّ رَوَاهُمَا ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَرَوٰى اَحْمَدُ الْاَخِيْرَ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ عَلٰى بُطُوْنُهُمْ كَالْبُيُوْتِ فِيْهَا الْحَيَّاتُ تُرٰى مِنْ خَارِجِ بُطُوْنِهِمْ فَقُلْتُ مَنْ هٰؤُلَآءِ يَا جِبْرَئِيْلُ قَالَ هٰؤُلَآءِ اَكَلَةُ الرِّبٰو رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اٰكِلَ الرِّبٰو وَمُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَمَانِعَ الصَّدَقَةِ وَكَانَ يَنْهٰى عَنِ النَّوْحِ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ اٰخِرَ

مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سود اگرچہ بہت ہو مگر انجام کمی کی طرف لوٹتا ہے [1] یہ دونوں حدیثیں ابن ماجہ بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں اور احمد نے آخری حدیث روایت کی، روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم شب معراج اس قوم پر پہنچے جن کے پیٹ کوٹھریوں کی طرح تھے جن میں سانپ تھے جو پیٹوں کے باہر دیکھے جارہے تھے [2] ہم نے کہا اے جبریل یہ کون ہیں انہوں نے عرض کیا [3] یہ سود خوار ہیں [4] (احمد، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت علی سے کہ انہوں نے رسول اللہ کو سنا کہ آپ نے سود کھانے والے اور کھلانے والے لکھنے والے زکوۃ نہ دینے والے پر لعنت فرمائی [5] اور آپ نوحہ سے منع فرماتے تھے [6] (نسائی)، روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے کہ جو آخری

---

[1] یعنی زبان مسلمان کے لیے یہ ہے کہ سود کا انجام قلت و ذلت ہے، اس کا بہت تجربہ ہے، فقیر نے بڑے بڑے سود خوار آخر برباد بلکہ ذلیل و خوار ہوتے دیکھے، بعض جلد اور بعض دیر سے، سود کا پیسہ اصل مال بھی لیتے و برباد کرتا ہے، اگر کفار کو پھل جائے تو پھل سکتا ہے ہر ایک کی غذا مختلف ہے، [2] یہ حدیث بالکل ظاہر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں، حضور انور کی نگاہ حقیقت بین اور آخر بین ہے، اس لیے آپ کی نگاہ نے وہ واقعہ دیکھ لیا جو آئندہ بعد قیامت ہونے والا تھا ورنہ اس وقت تو دوزخ میں کوئی نہ تھا، دوزخ و جنت میں سزا و جزا کے لیے داخلہ بعد قیامت ہوگا: اور چونکہ سود خوار ہوسی ہوتا ہے کہ کھاتا تھوڑا ہے حرص و ہوس زیادہ کرتا ہے اس لیے ان کے پیٹ واقعی کوٹھریوں کی طرح ہوں گے، لوگوں کے مال جو ظلماً وصول کیے تھے وہ سانپ بچھو کی شکل میں نمودار ہوں گے، آج اگر ایک معمولی کیڑا پیٹ میں پیدا ہو جائے، تو تندرستی بگڑ جاتی ہے آدمی بیقرار ہو جاتا ہے تو سمجھ لو کہ جب اس کا پیٹ سانپوں بچھوؤں سے بھر جائے، تو اس کی تکلیف و بیقراری کا کیا حال ہوگا رب کی پناہ، [3] غالب یہ ہے کہ یہ واقعہ جسمانی معراج کا ہے صرف منامی یعنی خوابی معراج کا نہیں کیونکہ جبریل امین کا ساتھ ہونا، اور یہ سوال و جواب اس بیداری کی جسمانی معراج میں ہوئے ہیں، [4] اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ سود دینا بھی حرام ہے جرم ہے مگر سود لینا زیادہ سخت جرم ہے کہ حضور انور نے سود خوار کا یہ حال ملاحظہ فرمایا کہ سود خوار گنہگار بھی ظالم بھی سود دینے والا گنہگار ہے مگر ظالم نہیں بلکہ مظلوم، [5] ظاہر یہ ہی ہے کہ صدقہ سے مراد صدقہ واجبہ یعنی زکوۃ ہے یا زکوۃ بھی اور فطرہ و قربانی بھی، یعنی جس مسلمان پر یہ صدقے واجب ہوں، مگر نہ دے، تو اس پر لعنت فرمائی، سود دینے والا لکھنے والا چونکہ سود خوار کے گناہ پر معاون و مددگار ہیں اس لیے سب لعنت میں آگئے، مسلمان اپنے خرچ کم کردیں، ضروریات کو حتی الامکان مختصر کریں مگر سودی قرض سے بچیں مسلمان اکثر مقدمہ بازیوں اور شادی غمی کی حرام رسموں میں سودی قرض لیتے ہیں، [6] مردے کے غلط اوصاف بیان کرکے بلند آواز سے رونا قول نوحہ ہے، جیسے ہائے

مَا نَزَلَتْ اٰیَةُ الرِّبٰوا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَلَمْ یُفَسِّرْهَا لَنَا فَدَعُوا الرِّبٰوا وَالرِّیْبَةَ رَوَاهُ اِبْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ ؛ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْرَضَ اَحَدُكُمْ قَرْضًا فَاَهْدٰی اِلَیْهِ اَوْ حَمَلَهٗ عَلَى الدَّابَّةِ فَلَا یَرْكَبْهُ وَلَا یَقْبَلْهَا اِلَّا اَنْ یَكُوْنَ جَرٰی بَیْنَهٗ وَبَیْنَهٗ قَبْلَ ذٰلِكَ رَوَاهُ اِبْنُ مَاجَةَ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ ؛ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْرَضَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلَا یَاْخُذْ هَدِیَّةً رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ فِیْ تَارِیْخِهٖ

آیت اتری وہ سود کی آیت ہے ؁ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی سود کی پوری تشریح نہ کی ؁ لہذا تم سود بھی اور شک و شبہ سے بھی بچو؁ (ابن ماجہ، دارمی) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی کچھ قرض کسی کو دے پھر مقروض اسے کچھ ہدیہ دے یا اسے اپنے گھوڑے پر سوار کرے تو سوار نہ ہو نہ ہدیہ قبول کرے ؁ مگر اس صورت میں کہ ان دونوں کی آپس میں یہ رسم پہلے سے جاری ہو؁ (ابن ماجہ، بیہقی شعب الایمان) روایت ہے انہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جب کوئی شخص کسی کو قرض دے تو اس سے ہدیہ قبول نہ کرے ؁ (بخاری اپنی تاریخ میں)

میرے پہاڑ، ہائے گھوڑی کے سوار وغیرہ اور پیٹنا، بال نوچنا، کپڑے پھاڑنا، سینہ کوٹنا، ماتم کرنا علی نوحہ یہ تمام ہی لعنت کا باعث اور سخت ممنوع ہیں رب تعالٰی نے صبر کا حکم دیا ہے نہ کہ کپڑے پھاڑنے اور چیخنے چلانے کا۔ ؁ یعنی احکام کی آیات میں سب سے آخر سود کی آیت اتری، اس کے بعد احکام شرعیہ کی کوئی آیت نہ آئی، لہذا یہ محکم ہے، منسوخ نہیں، وہ آیت یہ ہے اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا الخ لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سب سے آخری آیت اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ الخ ہے کہ مطلقًا آخری یہ آیت ہے اور معاملات و احکام آخری آیت سود کی آیت ہے۔ ؁ یعنی حضور انور اس آیت کے نزول کے بعد بہت کم ظاہری حیات سے دنیا میں رہے، اور جس قدر زمانہ حضور انور کو ملا وہ دوسرے اہم کاموں میں گزرا اس لیے اس آیت سود کی تفصیل تفسیر نہ ہوسکی، صرف چھ چیزوں میں سود کی حرمت کی تفصیل فرمائی؛ نیز سود کی تفصیل قدرے واضح بھی تھی، اور حضور انور نے چھ چیزوں کی تصریح فرما کر علماء امت کو قوانین سود کی رہبری بھی فرمادی تھی، اصول مقرر کردیئے تھے ان وجوہ سے تفصیل کی چنداں ضرورت نہ رہی تھی، پھر بعد میں علماء امت نے اس مسئلہ کو بھی بالکل واضح کردیا، لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ دین اسلام پورا واضح نہ ہوا کہ ایک مسئلہ مخفی رہ گیا، اصول تو اس کے بھی واضح ہوگئے فروع مسائل بعد میں واضح ہوئے (از مرقات) ؁ یعنی جن چیزوں کی تصریح حضور انور نے فرمادی، ان میں بھی سود نہ لو ان کے علاوہ دیگر چیزوں میں بھی سود سے بچو، جن میں سود یقینی ہے ان میں بھی نہ لو جہاں سود کا شک ہو وہاں بھی بچو، وہم کا اعتبار نہیں شک و وہم میں فرق ہے، دلیل سے پیدا ہونے والا شبہ شک کہلاتا ہے، بلا دلیل شبہ وہم ہے۔ ؁ یعنی اگر قرضخواہ و مقروض میں پہلے سے ہدیہ کے لین دین یا اور خدمات کا دستور نہ تھا، قرض لینے کے بعد مقروض ہدیہ لایا، یا عاریۃً گھوڑا وغیرہ پیش کیا، تو ظاہر یہ ہے کہ قرض کی وجہ سے وہ یہ سب کچھ کررہا ہے، اس میں بھی سود کا اندیشہ ہے کہ جو قرض نفع دے وہ سود ہے، اور ہدیہ اور گھوڑے کی سواری بھی تو نفع ہی ہے جو اس قرض کا باعث ہوا، لہذا اس میں سود کا احتمال ہے: ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سخت تیز دھوپ میں اپنے مقروض کی دیوار کے سایہ میں نہ کھڑے ہوئے دھوپ میں کھڑے رہے، عرض کرنے پر فرمایا کہ ڈرتا ہوں یہ سایہ سود نہ بن جائے۔ ؁ کہ اب یہ ہدیہ قرض کی وجہ سے نہیں بلکہ پرانی دوستی کے سبب ہے، یہ ہی حکم حکام کے ہدایا اور دعوتوں کا ہے کہ وہ عام دعوتیں

هٰكَذَا فِي الْمُنْتَقٰى ۞ وَعَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسٰى قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَلَقِيتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ سَلَامٍ فَقَالَ إِنَّكَ بِأَرْضٍ فِيهَا الرِّبٰو فَاشٍ فَإِذَا كَانَ لَكَ عَلٰى رَجُلٍ حَقٌّ فَأَهْدٰى إِلَيْكَ حِمْلَ تِبْنٍ أَوْ حِمْلَ شَعِيرٍ أَوْ حِمْلَ قَتٍّ فَلَا تَأْخُذْهُ فَإِنَّهُ رِبٰوا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۞ بَابُ الْمَنْهِيِّ عَنْهَا مِنَ الْبُيُوعِ ۞ الْفَصْلُ الْأَوَّلُ ۞ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ أَنْ يَبِيعَ ثَمَرَ حَائِطِهِ إِنْ كَانَ نَخْلًا بِتَمْرٍ كَيْلًا وَإِنْ كَانَ كَرْمًا أَنْ يَبِيعَهُ بِزَبِيبٍ كَيْلًا

اسی طرح منتقٰی میں ہے[1] ؎ روایت ہے حضرت ابوبردہ ابن موسیٰ سے فرماتے ہیں میں مدینہ منورہ آیا[2] تو حضرت عبداللہ ابن سلام سے ملا انہوں نے فرمایا تم اس جگہ رہتے ہو جہاں سود پھیلا ہوا ہے[3] تو اگر تمہارا کسی پر کچھ حق ہو پھر وہ تمہیں بھوسے یا جَو کا بوجھ دے[4] یا چارے کا گٹھا دے تو ہرگز نہ لو کہ یہ سود ہے[5] (بخاری) ؎ باب جن تجارتوں سے ممانعت کی گئی ہے[6] ؎ پہلی فصل ؎ روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنت سے منع فرمایا[1] وہ یہ ہے کہ اگر کھجور ہو تو اپنے باغ کے پھل خشک کھجور کے عوض ناپ سے فروخت کرے اور اگر انگور کا کھیت ہو تو انگور کشمش کے عوض ناپ سے فروخت کرے

میں جا سکتے ہیں، اور ان کے ہدیے اور خاص دعوتیں قبول کر سکتے ہیں، جن کے ساتھ حکومت ملنے سے پہلے ہی یہ تعلقات ہوں، حاکم بننے پر نہ کسی کی خاص دعوت کھائیں نہ ہدیے لیں کہ یہ بھی رشوت ہیں، لوگ دعوتیں اور ہدیے دے کر وقت پر اپنا کام نکالتے ہیں، ظلم کراتے ہیں[6] خیال رہے کہ یہ ممانعتیں تنزیہی اور احتیاطی ہیں، جن میں تقوے کا حکم دیا گیا، ورنہ حقیقۃً سود وہ ہی ہے جس کی شرط لگائی جائے یا عرفًا مشروط ہو، امام مالک فرماتے ہیں کہ قرضخواہ اور حاکم ایسے ہدیے ہرگز قبول نہ کرے، اور اگر قبول کرنا پڑ جائے تو اس کے عوض دیدے (مرقات مع زیادت)

[1] منتقٰی بروزن مصطفٰی یا مجتبٰی، حنبلی علماء میں سے ایک فقیہ عالم کی کتاب ہے، جس میں فقہی مسائل کی ترتیب سے احادیث جمع کی گئی ہیں، اس کے مؤلف امام احمد ابن حنبل کے ساتھیوں میں سے کوئی صاحب ہیں (اشعہ، لمعات، مرقات) [2] حضرت ابوبردہ جناب ابوموسیٰ اشعری کے صاحبزادے تھے اور تابعین سے تھے کوفہ کے قاضی القضاۃ مدینہ منورہ زیارت و سلام کے لیے حاضر ہوئے، اس زمانہ میں جو صحابہ کرام موجود تھے ان سے ملاقات کی، ان میں حضرت عبداللہ ابن سلام بھی تھے، یہاں اس ملاقات کا واقعہ بیان فرما رہے ہیں [3] یعنے عراق میں اب بھی سود کا لین دین عام ہے، بعض مسلمان بھی غلطی سے سود کا لین دین کر لیتے ہیں اُسے سود سمجھتے ہی نہیں، [4] جو تم خود تو نہ کھاؤ گے اپنے جانوروں کو کھلاؤ گے وہ بھی قبول نہ کرو کہ ملکیت میں تو تمہاری ہی آئے گا، پھر جو بھی کھائے مجرم تم ہو گے .... [5] قَتٌّ قاف کے فتح ت کے تشدید سے بمعنے ہرا چارہ جسے عربی میں رطب اور اَبّ بھی کہتے ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے "وَّ اَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ"، مکہ معظمہ میں اسے برسوم کہا جاتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ مقروض سے اپنے جانور کے لیے ہری گھاس بھی نہ لو کہ یہ بھی سود ہے اس سے معلوم ہوا کہ اپنے جانور کو بھی حرام غذا نہ کھلائے، یہ بھی معلوم ہوا کہ سود یا رشوت لے کر دوسرے کو دے دینے سے بھی مجرم بری نہ ہو جائے گا، وہ گنہگار ہی رہے گا، بعض لوگ اپنا جانور دوسرے کے کھیت میں چرا لیتے ہیں یہ بھی چوری ہے، اس چارے سے جو دودھ حاصل ہو گا مشکوک ہو گا بہت احتیاط چاہیے، اس حدیث میں غور کرو اپنے معاملات سنبھالو [6] ممنوع تجارتیں چند قسم کی ہیں، بیع فاسد، بیع باطل، بیع مکروہ، بیع فاسد کرنا منع ہے مگر بعد قبضہ مفید ملک ہے اور بیع باطل بالکل ملک کا فائدہ نہیں دیتی، نہ قبضہ سے پہلے نہ بعد میں، بیع مکروہ مطلقًا مفید ملک ہے

اَوْكَانَ عِنْدَ مُسْلِمٍ وَاِنْ كَانَ زَرْعًا اَنْ يَّبِيْعَهٗ بِكَيْلِ طَعَامٍ نَهٰى عَنْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ قَالَ وَالْمُزَابَنَةُ اَنْ يُّبَاعَ مَافِيْ رُؤُسِ النَّخْلِ بِتَمْرٍ بِكَيْلٍ مُسَمًّى اِنْ زَادَ فَلِيْ وَاِنْ نَقَصَ فَعَلَيَّ ۞ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُخَابَرَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةُ اَنْ يَّبِيْعَ الرَّجُلُ الزَّرْعَ بِمِائَةِ فَرَقٍ حِنْطَةٍ وَالْمُزَابَنَةُ اَنْ يَّبِيْعَ التَّمَرَ فِيْ رُؤُسِ النَّخْلِ بِمِائَةِ فَرَقٍ وَالْمُخَابَرَةُ كِرَاءُ الْاَرْضِ بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور مسلم کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کھیت ہو تو بروانہ خشک دانوں کے عوض ناپ سے بیچے ان سب سے منع فرمایا[۳] (مسلم بخاری) ان ہی دونوں میں ایک روایت یوں ہے کہ مزابنہ سے منع فرمایا اور فرمایا کہ مزابنہ یہ ہے کہ درخت میں لگی کھجوریں معین پیمانے چھوہاروں کے عوض بیچے کہ اگر زیادہ ہوں تو میری اور اگر کم ہو تو مجھ پر[۴]۔ روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مخابرہ، محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا[۵] محاقلہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنا کھیت سو فرق گندم کے عوض بیچے[۶] اور مزابنہ یہ ہے کہ درخت میں لگے چھوہارے سو فرق کے عوض بیچے اور مخابرہ زمین کو کرایہ پر دینا ہے تہائی یا چوتھائی پر[۸] (مسلم)

اگرچہ ایسا کرنا چاہئیں جیسے اذان جمعہ ہو چکنے کے بعد نماز جمعہ سے پہلے تجارت کہ اس کا کرنا برا لیکن بیع درست ہوگی[۲] مزابنہ زبن سے بنا بمعنے دفع کرنا ختم کرنا چونکہ اس بیع کو بعد میں ایک شخص جاری رکھنا چاہتا ہے دوسرا جسے نقصان نظر آئے فسخ کرنا چاہتا ہے، اس لیے اسے مزابنہ کہتے ہیں یعنی دفع کی جانے والی بیع۔

[۱] خلاصہ یہ ہے کہ خشک پھل ہم جنس تر پھلوں کے عوض جو درخت پر لگے ہیں فروخت کرنا کہ خشک پھل کا وزن تو معلوم ہوا مگر درخت پر لگے ہوئے تر پھلوں کا وزن معلوم نہ ہو صرف اندازہ ہو یہ حرام ہے، کہ اس میں سود کا احتمال قوی ہے، ہاں اگر جانبین کے پھل مختلف الجنس ہوں تو مضائقہ نہیں۔ [۲] یعنے بخاری و مسلم کی روایتوں میں اَوْ اور اِنْ کا فرق ہے کہ بخاری میں او کان ہے اور مسلم میں ان کان۔ [۳] طعام سے مراد گندم ہے یا تمام دانے، یعنے کھیت میں درختوں میں لگے ہوئے گندم کے خوشے، دوسری خشک گندم کی عوض فروخت کرنا منع ہے، کہ خشک گندم کا وزن تو معلوم ہے، مگر خوشےکی گندم کا وزن معلوم نہیں اور مال ربوی ہے جس میں زیادتی کمی سود ہے، لہذا اس بیع سے بچے۔ [۴] یعنی خریدار کہے کہ تیرے باغ میں لگی ہوئی کھجوریں جتنی بھی ہوں میری ہیں، کم ہوں تو مجھے نقصان ہے، زیادہ ہوں مجھے نفع، یہ حرام ہے کہ اس میں سود ہے۔ [۵] مخابرہ خیبر سے بنا یعنی خیبر والا معاملہ کرنا جو حضور انور نے خیبر کے یہود سے کہا کہ باغات حضور انور کے اور کام کاج یہود کا، پیداوار نصف نصف، یا خبار سے بنا بمعنے نرم زمین، جس میں زمین ایک کی ہو اور اس کا نرم کرکے جوتنا بونا دوسرے کے ذمے: محاقلہ حقل سے بنا بمعنے اچھی وزرخیز زمین، کھیت کو اسی لیے حقل کہتے ہیں کہ بیج حتی الامکان اچھی زمین میں بویا جاتا ہے۔ [۶] فرق ر کے فتح سے وہ پیمانہ ہے جس میں سولہ رطل یعنے آٹھ سیر گندم سمائے اور فرق ر کے جزم سے، وہ پیمانہ ہے جس میں ایک سو بیس سیر گندم آئے یعنے ڈیڑھ من، یہاں فرق کا ذکر تمثیل کے طور پر ہے یعنے گندم کی معین مقدار کھیت والے کو دے، اور اس کی کھڑی کھیتی خرید لے ونہایہ، اشعہ، مرقات، مزابنہ پھل کی خرید فروخت کو کہا جاتا ہے اور محاقلہ دانوں کی ایسی تجارت کو۔ [۷] مخابرہ اور مزارعہ قریبًا ہم معنے ہیں، یعنی زمین کاشت کے لیے کرایہ پر دینا، ان میں فرق یہ ہے کہ مخابرہ میں تخم کرایہ دار کا ہوتا ہے، اور مزارعہ میں تخم مالک زمین کا، صرف کام کرایہ دار کا۔ مخابرہ یا مزارعہ کو امام ابوحنیفہ منع فرماتے ہیں، اس حدیث کی وجہ سے، صاحبین جائز کہتے ہیں، واقعہ

وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ وَالْمُعَاوَمَةِ وَعَنِ الثُّنْيَا وَرَخَّصَ فِي الْعَرَايَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۞ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِيْ حَثْمَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ اِلَّا اَنَّهٗ رَخَّصَ فِي الْعَرِيَّةِ اَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا تَمْرًا يَاْكُلُهَا اَهْلُهَا رُطَبًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۞ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْخَصَ فِيْ بَيْعِ

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ، مزابنہ اور مخابرہ اور معاومہ سے ۱ اور کچھ مستثنےٰ کرلینے سے منع فرمایا ۲ عرایا میں اجازت دی ۳ (مسلم) ۞ روایت ہے حضرت سہل ابن ۴ ابی حثمہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تر کھجور چھوہاروں کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا ۵ مگر عریہ کی اجازت دی کہ درخت کے پھل چھوہاروں کے عوض بیچے جائیں کہ عریہ والے تر کھجور کھاسکیں ۶ (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عرایا میں اجازت دی

خیبر کی وجہ سے صاحبین یہ حدیث منسوخ مانتے ہیں اور حدیث خیبر کو ناسخ، فتویٰ قول صاحبین پر ہے۔ ہاں زمین کے معین حصہ کی پیداوار مالک یا کرایہ دار کے لیے مقرر کرنا باقی دوسرے کے لیے یہ حرام ہے کہ خبر نہیں کس حصہ میں کتنی پیداوار ہو، اور ہو یا نہ ہو۔

۱ معاومہ عام سے بنا بمعنے سال یا برس، جیسے مشاہرہ شہر سے اور مسانہ سنت سے۔ معاومہ یہ ہے کہ کسی باغ کی چند سال کی بہار خرید لی جائے، جیسا کہ آجکل عام رواج ہے یہ بیع باطل ہے کہ اس میں وہ چیز خریدی جاتی ہے جو ابھی پیدا بھی نہ ہوئی، جیسے کہ جانور کے غیر پیدا شدہ بچے خرید لینا، بیع میں دو طرفہ مال چاہیے اور غیر پیدا شدہ چیز مال تو کیا شئے ہی نہیں۔ ۲ استثناء کی صورت یہ ہے کہ باغ کا مالک یا کھیت والا خریدار سے کہے کہ اتنے روپیہ کے عوض میں نے یہ پھل تیرے ہاتھ فروخت کیے مگر ان میں سے دس من میرے باقی تیرے، یہ منع ہے، کہ دس من نکل جانے پر بقایا کی خبر نہیں کہ کتنے ہوں یا بالکل نہ ہوں، صرف دس من ہی اس باغ یا کھیت میں ہوں چونکہ بیع مجہول رہ جاتا ہے اس لیے منع ہے۔ ۳ عرایا عریہ کی جمع ہے بمعنے خالی ہوجانا، عریہ کی صورت یہ ہے کہ کوئی باغ والا اپنے باغ کا ایک درخت کسی فقیر کو دیدے کہ تو اس کے پھل کھایا کر، اب فقیر ان پھلوں کی وجہ سے باغ میں آنے جانے لگے، جس سے مالک کے بال بچوں کو تکلیف ہو اس لیے مالک اُسے کچھ کھجوریں اس درخت میں لگے ہوئے پھل کے عوض دے کر باغ سے رخصت کردے، اگرچہ یہ بھی مزابنہ بیع معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت تبدیل ہبہ ہے، اس لیے جائز ہے اس کی اور تفسیر بھی ہے، مگر یہ قوی ہے (اشعہ، مرقات، لمعات) ۴ آپ صحابی ہیں انصاری ہیں ۳ھ میں پیدا ہوئے، حضور انور کی وفات کے وقت آٹھ سال کے تھے، بعض محدثین نے فرمایا کہ آپ بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے اور احد و تمام غزوات میں حاضر رہے واللہ اعلم (اشعہ) ۵ ثمر سے مراد تر کھجور ہے کہ اکثر تر میوہ کو ہی ثمر یعنے پھل کہا جاتا ہے نہ کہ خشک کو، تمر سے مراد خشک چھوہارے ہیں، چونکہ تر کھجور سوکھ کر گھٹ جاتی ہے، اور خبر نہیں کتنی گھٹے، اس لیے اس میں سود کا احتمال ہے۔ ۶ یہاں عریہ کی صورت یہ ہے کہ باغ والے نے کسی فقیر کو ایک درخت کے پھل خیرات دیئے یہ فقیر اتنے روز تک صبر نہیں کرسکتا کہ موسم بھر توڑتا رہے کھاتا رہے، دوسرے فقیر کے پاس خشک چھوہارے تھے اسے اور اس کے بچوں کو تر کھجوریں کھانے کا شوق تھا، چھوہارے والا فقیر چھوہارے کے عوض یہ کھجوریں خرید لے، اب درخت والے کو اکٹھے چھوہارے مل گئے، اور چھوہارے والے کو تر کھجوریں، اگرچہ یہ بیع مزابنہ ہوئی مگر فقراء کی حاجت روائی کے لیے جائز رکھی گئی، مرقات میں ہے کہ جب بیع مزابنہ سے منع کیا گیا تو فقراء صحابہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم لوگ تر کھجوروں سے محروم ہوجائیں گے

الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا مِنَ التَّمْرِ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ أَوْ فِي خَمْسَةِ أَوْسُقٍ شَكَّ دَاوٗدُ بْنُ الْحُصَيْنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُشْتَرِيَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ نَهٰى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتّٰى تَزْهُوَ وَعَنِ السُّنْبُلِ حَتّٰى يَبْيَضَّ وَيَأْمَنَ الْعَاهَةَ، وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى تُزْهِيَ قِيْلَ وَمَا تُزْهِيْ قَالَ حَتّٰى تَحْمَرَّ وَقَالَ أَرَأَيْتَ إِذَا مَنَعَ اللّٰهُ

کہ پانچ وسق سے کم یا پانچ وسق تک درخت کے پھل اندازًا چھوہاروں کے عوض بیچ دے[1] داؤد ابن حصین نے شک کیا[2] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی تجارت سے ان کی پختگی ظاہر ہونے سے پہلے منع فرمایا[3] تاجر کو بھی منع فرمایا اور خریدار کو بھی[4] (مسلم بخاری) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ سرخ ہونے سے پہلے کھجور کے پھل کی تجارت سے اور سفید پڑنے سے پہلے اور آفات سے امن سے پہلے بالیوں کی تجارت سے منع فرمایا[5] روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی تجارت سے منع فرمایا حتی کہ وہ رنگ پکڑلیں[6] عرض کیا گیا کہ رنگ پکڑنا کیا ہے فرمایا سرخ ہوجائیں فرمایا بتاؤ اگر اللہ تعالٰی پھل روک لے

تب حضور انور نے بیع عریہ کی اجازت دی معلوم ہوا حضور مالک احکام ہیں۔

[1] اوسق وسق کی جمع ہے، وسق وہ پیمانہ ہے جس میں ساٹھ صاع پھل سماتے ہیں، ایک صاع قریبًا ساڑھے چار سیر ہوتا ہے، چونکہ باغ والے فقراء کو ایک دو درخت ہی عاریۃً دیا کرتے تھے جس میں اندازہ اتنی ہی کھجوریں ہوتی تھیں اس لیے اتنی ہی کی اجازت دی گئی۔ [2] یعنی اس حدیث اسناد میں داؤد ابن حصین بھی ہیں یہ عمرو ابن عثمان ابن عفان کے آزاد کردہ غلام، محدثین نے ان کے بارے میں اختلاف کیا، ابن معین کہتے ہیں وہ ثقہ تھے دیگر محدثین کے نزدیک غیر ثقہ، ابوحاتم کہتے ہیں کہ یہ تھے تو ضعیف، مگر چونکہ امام مالک نے ان سے روایت لے لی اس لیے قوی ہوگئے (اشعہ) یعنی داؤد ابن حصین کو یاد نہ رہا کہ ان کے شیخ نے پانچ وسق فرمائے یا اس سے کم، حق یہ ہے کہ بیع عریہ پانچ وسق سے کم میں جائز ہے پانچ میں ناجائز، اور یہ بیع صرف فقراء کریں امیر نہ کریں (مرقات واشعہ) یہاں ایک فقہی معمہ بن جاتا ہے، بتاؤ وہ کون سی بیع ہے جو فقیر کرے امیر نہ کرے، وہ بیع عریہ ہے۔ [3] یعنی درختوں پر لگے ہوئے ان پھلوں کی تجارت سے منع فرمایا جو ابھی ناقابل نفع ہوں، جن سے کوئی نفع حاصل نہ ہوسکے بالکل کچے و نرم پھل، جب سخت پڑجائیں تو اگرچہ ابھی کچے ہوں ان کی بیع جائز ہے کہ ان سے نفع حاصل ہوسکتا ہے، جیسے کچے آم کھٹائی اچار، مربے میں کام آتے ہیں، کچی کھجوریں یعنی بُسر کھائی جاتی ہیں، معلوم ہوا کہ ناقابل نفع پھل مال ہی نہیں، اور تجارت میں دو طرفہ مال چاہیے۔ [4] تاجر کو اس سے منع فرمایا کہ پھل ہلاک ہوجانے کی صورت میں وہ خریدار سے قیمت بغیر کچھ دیئے لے گا اور خریدار کو اس لیے منع فرمایا کہ ہلاکت کی صورت میں اس کا مال ضائع ہوجائے گا، یہ بیع بالاتفاق ممنوع ہے، اس کی ممانعت میں حضرت عبداللہ ابن عباس، جابر، ابوہریرہ، زید ابن ثابت، ابوسعید خدری، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے احادیث مروی ہیں۔ [5] یعنی گندم، جو وغیرہ کی بالیاں سفید پڑنے سے پہلے اور کھجور وغیرہ پھل سرخ ہونے سے پہلے خطرہ میں ہوتے ہیں، بے وقت بارش آندھی وغیرہ سے برباد ہوسکتے ہیں اس لیے ان کی بیع نہ کرو، بالیاں سفید ہونے پر اور کھجوریں وغیرہ سرخ ہونے پر اگر جھڑ بھی جائیں، تو کچھ نہ کچھ کام آجاتے

الثَّمَرَةَ بِمَ يَاْخُذُ اَحَدُكُمْ مَالَ اَخِيْهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ السِّنِيْنَ وَاَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ بِعْتَ مِنْ اَخِيْكَ ثَمَرًا فَاَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ فَلَا يَحِلُّ لَكَ اَنْ تَاْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا بِمَ تَاْخُذُ مَالَ اَخِيْكَ بِغَيْرِ حَقٍّ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانُوْا يَبْتَاعُوْنَ الطَّعَامَ

تو تم سے کوئی اپنے بھائی کا مال کس کے عوض لے گا [۱] (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں تک کی فروخت سے منع فرمایا [۲] اور آفتوں کے نقصانات وضع کردینے کا حکم دیا [۳] (مسلم) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر تم اپنے کسی بھائی کے ہاتھ پھل بیچو [۴] پھر ان پر کوئی آفت آن پڑے تو تمہیں حلال نہیں کہ اس سے کچھ بھی لو تم اپنے بھائی کا مال ناحق کیسے لے سکتے ہو [۵] (مسلم) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ لوگ غلہ بازار کے اونچے حصہ

میں ان کی بیع درست ہے۔ نیز داخل کی بیع بالیوں میں درست ہے۔ [۱] صحیح یہ ہے کہ تُزْهِيَ، ضَرَبَ يَضْرِبُ کا واحد مؤنث ہے مذکر باب افعال کا زھا یزھی عرب میں مستعمل ہے۔ نخل مذکر بھی ہے مؤنث بھی، اس لیے اس کے صیغے مؤنث مذکر دونوں آتے ہیں، قرآن شریف میں ایک جگہ ہے نَخْلٍ خَاوِيَةٍ، دوسری جگہ ہے وَنَخْلٍ مُنْقَعِرٍ، زھی یزھی زیادہ مستعمل ہے زھی یزھو کم۔

[۱] ظاہر یہ ہے کہ یہ سوال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا اور جواب سرکار عالی نے دیا حضرت انس اس سوال و جواب کے ناقل ہیں، ممکن ہے یہ سوال حضرت انس سے کیا گیا ہو اور آپ نے یہ جواب تقریر فرمائی ہو، خلاصہ یہ ہے کہ پھل سرخ پڑنے سے پہلے خطرہ میں ہیں، آفات سے برباد ہوسکتے ہیں بربادی کی صورت میں بائع خریدار سے قیمت کس چیز کے عوض لے گا۔ [۲] یعنی باغ کی چند بہاریں خریدنے سے منع فرمایا مثلًا خریدار مالک باغ سے کہے کہ میں تجھ سے اس باغ کی چھ سال تک کی بہاریں خریدتا ہوں چونکہ یہ معدوم یعنی اس کی خریداری ہے جو ابھی پیدا بھی نہ ہوئی نہ ال بنی اس لیے ممنوع ہے، اس ممانعت پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ [۳] یہ حکم بادشاہ وقت کو ہے، کہ خراجی زمینوں کے خراج کی وصولی میں آفات کا خراج کم کردیں (طحاوی) اور ہوسکتا ہے کہ بائع کو حکم ہو یعنی اگر مالک باغ نے رسیدہ پھل فروخت کیے، پھر بھی توڑنے سے پہلے کوئی آفت آگئی تو بہتر یہ ہے کہ بقدر نقصان قیمت کم وصول کرے، اور اگر ساری قیمت لے چکا ہے تو بقدر نقصان واپس کردے، یہ حکم استحبابی ہے۔ اب بھی نیک لوگ اس پر عمل کرتے ہیں، حکام تباہی کی صورت میں لگان معاف یا کم کردیتے ہیں۔ [۴] بھائی فرمانا مہربان بنانے کے لیے ہے، ورنہ مسلمان کے ہاتھ باغ بیچے یا کافر کے ہاتھ حکم یہی ہے جو آگے آرہا ہے یہ تقاضاء انسانیت ہے۔ [۵] اگر قبضہ دینے سے پہلے پھل برباد ہوگئے، تب تو از روئے تقویٰ بائع کو قیمت لینا حرام ہے کہ جب خریدار کو کچھ دیا ہی نہیں، تو قیمت کس کی لے رہا ہے، اور اگر قبضہ دینے کے بعد ہلاک ہوئے، تو از روئے تقویٰ قیمت لینا حلال یعنی ٹھیک نہیں ایسے موقعہ پر رعایت کرنی چاہیے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ فرمان عالی شان ڈرانے دھمکانے کے لیے ہے، یا حدیث میں وہ صورت مراد ہے کہ پھل درستی سے پہلے فروخت کیے پھر وہ ضائع ہوگئے تو چونکہ وہ بیع ہی درست نہ تھی لہٰذا قیمت کیسی، حضرت امام مالک کے ہاں رسیدہ پھل بھی ہلاک ہوجانے پر قیمت واپس کرنا ہے۔ وہ اس حدیث سے ظاہری معنی پر عمل کرتے ہیں (مرقات)

فِیْ اَعْلَی السُّوْقِ فَیَبِیْعُوْنَهٗ فِیْ مَکَانِهٖ فَنَهَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعِهٖ فِیْ مَکَانِهٖ حَتّٰی یَنْقُلُوْهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَلَمْ اَجِدْهُ فِی الصَّحِیْحَیْنِ ۞ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا یَبِیْعُهٗ حَتّٰی یَسْتَوْفِیَهٗ وَفِیْ رِوَایَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ حَتّٰی یَکْتَالَهٗ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ ۞ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَمَّا الَّذِیْ نَهٰی عَنْهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ الطَّعَامُ اَنْ یُّبَاعَ حَتّٰی یُقْبَضَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَلَا اَحْسِبُ کُلَّ شَیْءٍ اِلَّا مِثْلَهٗ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

میں خریدے تھے [1] پھر اسی جگہ بیچ دیتے تھے [2] تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسی جگہ بیچ دینے سے منع فرمادیا حتی کہ لے جا کر وہاں سے منتقل کردیں [3] (ابوداؤد) میں نے یہ حدیث بخاری میں نہ پائی۞ روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو غلہ خریدے تو اس پر قبضہ کیے بغیر نہ بیچے [4] اور حضرت ابن عباس کی روایت میں یوں کہ لے ماپ لے [5] (مسلم بخاری)۞ روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں جس چیز سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۞ وہ یہ ہے کہ غلہ قبضہ کیے بغیر فروخت کردیا جائے حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ میں ہر چیز غلہ ہی کی مثل سمجھتا ہوں [6] (مسلم، بخاری)۞

[1] بازار مدینہ میں ایک طرف سے لوگ آتے تھے دوسری طرف سے نکلتے تھے آنے والے حصہ کو اعلیٰ سوق کہتے تھے، جدھر سے تاجر مال کے اونٹ داخل کرتے تھے، نکلنے والے حصہ کو اسفل سوق، یہاں وہ ہی مراد ہے، ورنہ زمین مدینہ ہموار ہے، وہاں اونچائی نیچائی نہیں۔ [2] بغیر قبضہ کیے ہوئے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ [3] بعض ائمہ نے فرمایا کہ منقول چیزیں بغیر منتقل کیے خریدار کے قبضہ میں نہیں آتیں یعنی ان پر قبضہ کرنے میں وہاں سے منتقل کردینا ضروری ہے، وہ اس حدیث کے ظاہر سے دلیل پکڑتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ یہاں نقل سے مراد نقل مکانی نہیں بلکہ نقل قبضہ ہے یعنی اسی جگہ پڑی ہوئی چیز پر بغیر قبضہ کیے فروخت کرنا منع ہے، اگر چیز وہاں ہی رہی مگر اسے اپنے قبضہ و کنٹرول میں لے لیا تو اس کی بیع درست ہے جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔ اگلی حدیث اس حدیث کی شرح ہے کہ وہاں حتی یستوفیہ اور حتی یکتالہ ہے، لہذا یہ حدیث واضح ہے اگلی حدیث کے متعارض بھی نہیں۔ [4] یعنی قبضہ سے پہلے چیز کی فروخت جائز نہیں، قبضہ کی مختلف صورتیں ہیں، مکان میں اپنا سامان رکھ دینا یا اپنا قفل لگادینا قبضہ ہے، زمین میں حد بندی کرکے اپنی اینٹ گاڑ دینا قبضہ ہے، وزنی کیلی چیز کا وزن ناپ کر لینا قبضہ ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خریدی ہوئی چیز کو بغیر قبضہ نہیں فروخت کرسکتے مگر اسے ہبہ کرسکتے ہیں کہ قبضہ کی قید فروخت کے لیے ہے، اسی طرح جو چیز وراثۃً ملے اس کی بیع قبضہ سے پہلے بھی جائز ہے (مرقات)۔ [5] جو چیز ناپ تول سے خریدی جائے اس کا تولنا ناپنا مشتری کا قبضہ ہوتا ہے، یکتالہ لفظ یستوفیہ کی تفسیر ہے، مگر جو چیز اندازاً فروخت و خرید کی جائے، جیسے دانہ کے ڈھیر کی تجارت وہاں ناپ تول ضروری نہیں، وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ غلہ کی بیع جائز نہیں جب تک کہ تاجر خریدار دونوں کے وزن علیحدہ علیحدہ نہ ہوجائیں یعنی تاجر بھی تول لے اور خریدار الگ تول لے تو وہاں وہ صورت مراد ہے جہاں دو بیع جمع ہوں، جیسے بیع سلم میں تاجر کسی سے غلہ خریدے اور سلم کے خریدار سے کہے کہ تو اس پر قبضہ کر، تو اب ایک بار وہ تولے جس نے مسلم الیہ یعنے بائع کو غلہ دیا، اور دوبارہ رب السلم یعنی خریدار تولے، عام بیعوں میں صرف ایک تول ہی کافی ہے، جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، لہذا یہ حدیث اس دوبار تول کی حدیث کے خلاف نہیں (مرقات)۔ [6] یعنی حضور انور سے میں نے صرف غلہ کے متعلق سنا ہے کہ غلہ کی بیع بغیر قبضہ کے جائز نہیں، مگر میرا اجتہاد یہ ہے کہ ہر چیز کا یہ ہی حکم ہے کہ بغیر

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ لِبَيْعٍ وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلُبَهَا إِنْ رَضِيَهَا أَمْسَكَهَا وَإِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ مَنِ اشْتَرٰى شَاةً مُصَرَّاةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجارتی قافلے سے آگے ہی نہ جاملو[1] اور کوئی دوسرے کی خریداری پر خریداری نہ کرے[2] اور نہ نرخ بڑھاؤ[3] اور نہ شہری دیہاتی کے لیے تجارت کرے[4] اور اونٹ و بکری کو نہ روکو[5] پھر جو اس کے بعد جانور خریدے اسے دوھنے کے بعد دونوں میں بہتر چیز کا اختیار ہے[6] اگر اس سے راضی ہو تو رکھ لے اور اگر ناراضی ہو تو اسے واپس کر دے اور ایک صاع چھوہارہ بھی ساتھ دے[7] (مسلم، بخاری) اور مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ جو روکی ہوئی بکری خریدے تو اسے تین دن تک اختیار ہے

قبضہ کیے ان کی فروخت درست نہیں کیونکہ علت مشترک ہے، تو حکم بھی مشترک چاہیے۔ معلوم ہوا کہ قیاس کرنا جائز ہے اس حدیث سے آجکل کے بیوپاری عبرت پکڑیں کہ کپڑے کا جہاز ولایت سے چلتا ہے، ابھی کراچی بندرگاہ پر نہیں پہنچ پاتا کہ کئی جگہ اس کی فروخت نفع سے ہو چکتی ہے بعد میں پھر ان کے دیوالے ہوتے ہیں۔ بغیر دیکھی اور بغیر قبضہ کی ہوئی چیز کی تجارت ہرگز نہ کرنی چاہیے کہ یہ شرعًا گناہ بھی ہے اور سخت نقصان کا باعث بھی۔

[1] یعنی تجارتی قافلے کی آمد سن کر شہر سے باہر ہی ان سے سامان نہ خرید لو، بلکہ انہیں بازار میں مال لے آنے دو تاکہ انہیں بازاری بھاؤ کی خبر ہو جائے، اور ان کے بازار میں آمد سے نرخ ارزاں ہو جائے۔ [2] یہاں لفظ بیع بمعنے فروخت بھی ہو سکتا ہے اور بمعنے خرید بھی یعنی جب دو شخص کوئی چیز خرید و فروخت کر رہے ہوں اور سودا طے ہو چکا، اور قریبًا بات پختہ ہو گئی، تو نہ تو کوئی شخص بھاؤ بڑھا کر وہ چیز خریدے اور نہ کوئی شخص بھاؤ سستا کر کے خریدار کو توڑے، یہ دونوں باتیں ممنوع ہیں، نیلام کا یہ حکم نہیں، وہاں بولی دیتے وقت بات طے نہیں ہوتی، جو بولی بڑھانے وہ دے دے یہ جائز ہے۔ [3] نیلام میں اگر کوئی شخص بولی بڑھا دے، مگر خرید نا مقصود نہ ہو، صرف چیز کی قیمت بڑھانا مقصود ہو کہ دوسرا آدمی اس سے زیادہ کی بولی دے یہ نجش ہے اور ممنوع ہے کہ دھوکا دہی ہے۔ [4] اس طرح مال لانے والے دیہاتیوں کو آج کے بھاؤ پہ مال فروخت نہ کرنے دے بلکہ اس کا مال خود سنبھال لے کہ جب مہنگا ہو گا فروخت کر دوں گا، جیسا کہ آجکل بعض آڑھتی یا دلال کرتے ہیں ناجائز ہے، کہ اس سے چیزیں مہنگی ہوتی ہیں بلکہ قحط پڑ جانے کا خطرہ ہوتا ہے، باہر کا مال بکنے دو تاکہ مخلوق کو آرام رہے۔ [5] تصروا، ت کے پیش ص کے فتح سے، یا بالعکس ت کے فتح ص کے پیش سے، ماخوذ تصریہ سے بمعنے دودھ تھن میں روک رکھنا نہ نکالنا، ایسے جانور کو مصراۃ کہتے ہیں، یہ حرکت خریدار کو دھوکا دینے کے لیے کی جاتی ہے کہ وہ زیادتی دودھ سے دھوکا کھا کر قیمت زیادہ دے جائے۔ [6] یعنی اگر کسی نے دودھ کا جانور خریدا، مگر دھوکا کھا گیا کہ خریدتے وقت تو دودھ زیادہ تھا بعد میں کم نکلا، تاجر نے کئی وقت سے دودھ نکالا نہ تھا، اس لیے اُس وقت دودھ بہت ہوا، تو اب خریدار کو اختیار ہے۔ [7] یعنی اگر جانور رکھتا ہے تو خیر، اور اگر رکھنا نہیں ہے تو اُس دودھ کے عوض جو اس نے پیا ساڑھے چار سیر خرمے جانور فروخت کرنے والے کو دیدے، اس دودھ کے عوض جو خریدتے وقت جانور کے ساتھ لیا تھا کہ وہ تاجر کی مملوکہ جانور کا تھا لہذا تاجر کی ملک تھا۔ اس حدیث کے ظاہر پر امام شافعی کا عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہ دودھ تھوڑا ہو یا زیادہ اس کے عوض ایک صاع چھوہارے ہی دیئے جائیں گے جیسے نفس کی دیت سو اونٹ ہیں کہ قاتل مقتول کی دیت سو اونٹ دے گا، نفس مقتول خواہ کیسا ہی ادنیٰ یا اعلیٰ ہو اور خریدار کو مصراۃ

رَدَّهَا رَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ طَعَامٍ لَا سَمْرَاءَ ۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلَقَّوُا الْجَلَبَ فَمَنْ تَلَقَّاهُ فَاشْتَرٰى مِنْهُ فَإِذَا أَتٰى سَيِّدُهُ السُّوقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلَقَّوُا السِّلَعَ حَتّٰى يُهْبَطَ بِهَا إِلَى السُّوقِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِيعُ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ أَخِيهِ وَلَا يَخْطُبُ عَلٰى خِطْبَةِ أَخِيهِ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْ

پھر اگر اسے واپس کرے تو اس کے ساتھ گندم کے سوا اور کوئی غلہ ایک صاع دے[1] روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگ غلہ لانے والوں سے آگے ہی جا ملو[2] جو کوئی ان سے آگے جا ملے اور خریداری کرے پھر جب قافلہ کا سردار بازار میں آئے تو اسے اختیار ہے[3] (مسلم) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آنے والے سامان سے آگے ہی نہ جا ملو حتی کہ اسے بازار میں لا اتارا جائے[4] (مسلم بخاری) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ اپنے بھائی کے پیغام پر پیغام دے ہاں مگر جب کہ وہ اسے اجازت دیدے[5] (مسلم) روایت ہے حضرت

جانور کے واپس کر دینے کا حق ہوگا، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث قابل عمل نہیں کہ قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف ہے فاعتدوا بمثل ما اعتدی علیکم جس سے دودھ معاوضہ کی قیمت یا مثل دینا معلوم ہوتا ہے یا یہ حدیث سود حرام ہونے سے پہلے کی ہے کہ اس وقت معاملات میں اس قسم کی کمی بیشی درست تھی (مرقات، لمعات وغیرہ)

[1] حدیث کا یہ جز امام شافعی کے بھی خلاف ہے کہ ان کے ہاں مصراۃ جانور کے ساتھ صرف ایک صاع کھجوریں ہی دی جاتی ہیں، کھجور یا چھوہارے کے سوا کوئی اور چیز نہیں دے سکتے مگر اس جز سے معلوم ہوا کہ سوا گندم کے اور غلے بھی دے سکتے ہیں، ہمارے امام صاحب کے ہاں یہ حدیث یا منسوخ ہے حرمت سود کی احادیث سے یا متروک العمل قرآن کریم کی مخالفت کی وجہ سے۔ [2] جلب جالب کی بھی جمع ہے اور مجلوب کی بھی، جالب باہر سے مال لانے والا قافلہ یا کوئی خاص شخص، اور مجلوب باہر سے لایا ہوا مال، اونٹ وغیرہ ہوں یا اور مال، یہاں دونوں معنی ہو سکتے ہیں یعنی مال لانے والے قافلے سے شہر سے باہر مل کر مال نہ خرید لو یا باہر سے لائے ہوئے مال سے بیرون شہر میں نہ جا ملو۔ [3] اگر جلب جالب کی جمع تھی تو سید سے مراد سردار قافلہ ہے، اور اگر مجلوب کی جمع تھی تو سید سے مراد مال کا مالک ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ بیع درست ہو چکی تھی ورنہ اختیار رد کے کیا معنی، رد کے کیا معنے، رد بیع جب ہو سکتا ہے جبکہ بیع درست ہو چکی ہو، حق یہ ہے کہ مالک مال کو بیع رد کرنے کا حق جب ہوگا جبکہ بازار میں وہ چیز گراں ہو اور اس سے سستی لے لی گئی ہو، لیکن اگر بھاؤ برابر ہے یا ارزاں ہے تو اختیار نہیں، یہی قول قرین قیاس بھی ہے کہ رد کا حق دفع نقصان کے لیے ہوتا ہے، جب اس کا نقصان ہوا ہی نہیں تو رد کیسا (مرقاۃ) [4] تاجروں سے باہر شہر جا ملنے کی ممانعت یا تو جب ہے جبکہ شہر میں تنگی ہو، مال مہنگا ہو، یا جب جبکہ ان سے سستا خرید لیا جائے، اصل بھاؤ بتایا نہ جائے، اگر یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں تو باہر جا ملنا جائز ہے، ضلع فیض آباد میں اکثر دکاندار جنگل میں بیٹھے رہتے ہیں، گاؤں سے آنے والوں کا مال وہاں ہی خرید لیتے ہیں۔ [5] یہ دونوں ممانعتیں جب ہیں جبکہ خریدار و تاجر ایک قیمت پر راضی ہو چکے ہوں ایسے ہی لڑکے لڑکی والے پیغام نکاح پر راضی ہو چکے ہوں کہ اس صورت میں اس کے بھاؤ بڑھا دینے یا پیغام نکاح دینے میں پہلے کا نقصان ہوگا، ہاں اگر پہلا شخص اجازت دیدے تو درست ہے اور اگر پہلے فریقین کی رضامندی مکمل نہ ہوئی تھی صرف گفتگو کی بات ہی تھی، تو دوسرا شخص بھاؤ

أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَسُمِ الرَّجُلُ عَلَى سَوْمِ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ﴿وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقِ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ﴿وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لِبْسَتَيْنِ وَعَنْ بَيْعَتَيْنِ نَهٰى عَنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ فِي الْبَيْعِ وَالْمُلَامَسَةُ لَمْسُ الرَّجُلِ ثَوْبَ الْآخَرِ بِيَدِهِ بِاللَّيْلِ وَبِالنَّهَارِ وَلَا يُقَلِّبُهُ إِلَّا بِذٰلِكَ وَالْمُنَابَذَةُ أَنْ يَنْبِذَ الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ بِثَوْبِهٖ وَيَنْبِذَ الْآخَرُ ثَوْبَهٗ وَيَكُونُ ذٰلِكَ بَيْعَهُمَا عَنْ غَيْرِ نَظَرٍ وَلَا تَرَاضٍ

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ نہ لگائے [1] (مسلم) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شہری دیہاتی کے لیے تجارت نہ کرے [2] لوگوں کو چھوڑ دو کہ اللہ بعض کو بعض کے ذریعہ روزی دے [3] (مسلم) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو پہناوؤں سے منع فرمایا اور دو تجارتوں سے [4] اور پھینکنے کی تجارت سے منع فرمایا [5] اور چھونے کی بیع تو کسی شخص کا دن رات میں دوسرے کا کپڑا اپنے ہاتھ سے چھو لیتا ہے کہ سوا چھونے کے اور اور طرح نہ الٹے پلٹے [6] اور پھینکنے کی بیع یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کی طرف اپنا کپڑا پھینک دے اور دوسرا اس کی طرف اپنا کپڑا پھینک دے ان کی بیع ہو جائے بغیر دیکھے بھالے [7] اور بغیر آپس

[1] لا یسم الرجل میں لایسم باب نصر کا نہی واحد مذکر غائب ہے سوم سے مشتق بمعنے بھاؤ ریٹ یعنی کوئی شخص طے شدہ بھاؤ پر بھاؤ نہ لگائے کہ اس میں پہلے خریدار یا پہلے تاجر کا نقصان ہے، مسلمان کی قید اتفاقی ہے، اس حکم میں کافر ذمی بھی شامل ہے، ہاں حربی کافر کا بھاؤ چڑھا کر خرید لینا یا گھٹا کر فروخت کر دینا درست ہے (از مرقات) کہ کافر حربی کو نقصان پہنچانا درست ہے۔ [2] اس کی شرح پہلے ہو چکی کہ جب دیہاتی لوگ گاؤں سے غلہ لائیں تو انہیں فروخت کر لینے دو، ان کا غلہ خود شہری جمع نہ کرلیں، تاکہ گرانی پر فروخت کیا جائے کہ اس سے شہر میں گرانی بڑھتی ہے اب بھی تنگی پر اسٹاک کرنا، بلیک کرنا ممنوع ہوتا ہے۔ [3] یعنی اگر شہر والوں کو ان گاؤں والوں کے ذریعہ روزی ملے ارزانی میسر ہو جائے تو تم کیوں آڑ بن کر اسے روکنا چاہتے ہو، قانون قدرت یہی ہے کہ بعض بندوں کو بعض کے ذریعہ روزی ملتی ہے، کسی کی دیوار گرتی ہے، تو راج مزدوروں کی روزی کھلتی ہے۔ [4] لبستین لام کے کسرے سے لبس بمعنے پہننے یا پوشش کا تثنیہ ہے یعنی دو پہناوے یا دو طرح لباس پہننا، بیعتین بیعۃ کا تثنیہ بمعنے فروخت یہاں مطلقًا تجارت کے معنے میں ہے جس میں خرید و فروخت دونوں شامل ہیں، ایسی بیع میں خریدار و تاجر دونوں گنہگار ہوں گے۔ [5] کہ ان دونوں صورتوں میں خریدار کو چیز دیکھنے کا موقعہ نہیں ملتا جس سے وہ مال کے عیب و خوبی پر مطلع نہیں ہوتا اور خریداری بعد اطلاع چاہیے۔ [6] اب بھی بڑے شہروں میں اس نامعقول بیع کا رواج ہے کہ دکان پر چیزیں پھیلی ہوئی ہیں، خریدار نے جس چیز پر ہاتھ لگا دیا وہ بک گئی، الٹ پلٹ کر دیکھنے کی اجازت نہیں، اس بیع میں اکثر دھوکا ہوتا ہے، خریدار لٹ جاتا ہے، چیز کا ظاہر اچھا ہوتا ہے اندرون خراب۔ [7] کپڑے سے مراد وہ کپڑا ہے جسے فروخت کرنا ہے، یعنے کپڑا کپڑے کے عوض بیچنا ہے تو کوئی دوسرے

اللِّبْسَتَيْنِ اشْتِمَالُ الصَّمَّاءِ وَالصَّمَّاءُ اَنْ يَّجْعَلَ ثَوْبَهٗ عَلٰى اَحَدِ عَاتِقَيْهِ فَيَبْدُوْ اَحَدُ شِقَّيْهِ
لَيْسَ عَلَيْهِ ثَوْبٌ وَاللِّبْسَةُ الْاُخْرٰى اِحْتِبَاؤُهٗ بِثَوْبِهٖ وَهُوَ جَالِسٌ لَيْسَ عَلٰى فَرْجِهٖ مِنْهُ شَيْءٌ
مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ❁ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْحَصَاةِ وَ
عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ❁ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ حَبَلِ الْحَبَلَةِ

کی پسندیدگی کے رہے دو ممنوع پہناوے ایک تو صماء پہناوا ہے صماء یہ ہے کہ اپنا کپڑا ایک کندھے پر اس طرح ڈالے کہ دوسری کروٹ کھلی رہے کہ اس کے اوپر کپڑا بالکل نہ ہو[1] اور دوسرا پہناوا اپنے کپڑے سے احتباء کرنا ہے جبکہ وہ بیٹھا ہو کہ شرمگاہ پر کپڑا بالکل نہ ہو[2] (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر پھینکنے کی بیع[3] اور دھوکے کی بیع سے منع فرمایا[4] (مسلم) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل کے حمل کی

کے کپڑے کو نہ دیکھے اپنا کپڑا اس کی طرف پھینک دے اور وہ اس کی طرف، یہ پھینک ہی بیع ہو جائے، یہ بھی اس لیے ممنوع ہے کہ اس میں دیکھ بھال کا موقعہ نہیں ملتا۔

[1] خیال رہے کہ صماء صمم سے بنا بمعنے ٹھوس ہونا کہ کوئی سوراخ یا منفذ نہ ہو، اس لیے سخت پتھر کو صخرہ صماء کہتے ہیں یعنے ٹھوس چٹان اور سخت بند کی ہوئی سربمہر شیشی کو قارورہ صمام کہتے ہیں، اشتمال صماء کی دو تفسیریں ہیں، ایک یہ کہ انسان اپنے بدن پر از سر تا پا ایک کپڑا اس طرح مضبوط لپیٹ لے کہ ہاتھ پاؤں جکڑ جائیں کہ ہلنا مشکل ہو جائے، یہ بھی ممنوع ہے، دوسری تفسیر وہ ہے جو یہاں مذکور ہے کہ جسم پر صرف ایک کپڑا ہو، وہ بھی اس طرح اوڑھا جائے کہ آدھا بدن ننگا رہے کہ جب ایک کندھا کھلا ہے تو اس طرف کا سارا بدن کھلا رہے گا، چونکہ یہ ننگا پہناوا ہے، اس لیے ممنوع ہے، طواف میں جو اضطباع کرتے ہیں وہاں ستر نہیں کھلتا کیونکہ تہبند بھی بندھا ہوتا ہے۔ [2] احتباء اکڑوں بیٹھنے کو کہتے ہیں اس طرح کہ چوتڑ زمین پر لگے ہوں، دونوں گھٹنے کھڑے ہوں اور دونوں ہاتھ گھٹنوں کا حلقہ باندھے ہوں، اگر صرف ایک کپڑا اوڑھ کر احتباء کیا گیا ہو تو شرمگاہ برہنہ ہو جائے گی لہذا ممنوع ہے، لیکن اگر تہبند بندھا ہو تو چونکہ ستر نہیں کھلتا لہذا جائز ہے وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور کعبہ کے سایہ میں احتباء فرمائے بیٹھے تھے وہاں یہ دوسری صورت تھی، لہذا یہ حدیث اس عمل شریف کے خلاف نہیں، دونوں حدیثیں حق ہیں (اشعۃ اللمعات وغیرہ) [3] پتھر پھینکنے کی بیع کی تین صورتیں ہیں، ایک یہ کہ زمین کا خریدار مالک زمین سے کہے کہ میں پتھر پھینکتا ہوں، جہاں میرا پتھر گرے وہاں تک کی زمین بعوض پانچسو روپیہ میری ہو گئی، یہ ممنوع ہے، دوسرے یہ کہ دکان پر مختلف چیزیں رکھی ہیں، خریدار کہے کہ میں کنکر پھینکتا ہوں جس چیز پر کنکر لگ جائے، وہ دو روپیہ کے عوض میری، تیسرے یہ کہ تاجر کہے میں کنکر پھینکتا ہوں جس چیز پر لگے وہ دو روپے کے عوض تیری۔ یہ سب جاہلیت کی بیع تھیں، چونکہ ان میں دھوکا ہے اس لیے ممنوع ہیں۔ [4] غرر یا تو غرہ بالفتح سے بمعنے مجہول الانجام چیز یعنی خطرناک، یا غرہ بالکسر سے بنا بمعنے دھوکا، اسی سے غرور ہے، بیع غرر کی بہت صورتیں ہیں، بیع منابذہ اور پتھر پھینکنے کی بیع وغیرہ بھی اسی میں داخل ہیں، دریا میں مچھلی، ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے، بھاگے ہوئے غلام کی بیع سب بیع غرر ہیں، امام شافعی کے ہاں یہ بیع فاسد ہیں، ہمارے ہاں کبھی فاسد کبھی باطل، خیال رہے کہ ہمارے ہاں فاسد و باطل بیع میں فرق ہے کہ بیع فاسد سے بعد قبضہ ملک حاصل ہو جاتی ہے، بیع باطل میں کبھی ملک حاصل نہیں ہوتی، مگر امام شافعی کے ہاں دونوں بیعیں ایک ہی ہیں، اس کی مفصل بحث کتب فقہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

وَكَانَ بَيْعًا يَتَبَايَعُهُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ كَانَ الرَّجُلُ يَبْتَاعُ الْجَزُوْرَ إِلَى أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ ثُمَّ تُنْتَجُ
الَّتِيْ فِيْ بَطْنِهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔ وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَسْبِ
الْفَحْلِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ ضِرَابِ
الْجَمَلِ وَعَنْ بَيْعِ الْمَآءِ وَالْأَرْضِ لِتُحْرَثَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ فَضْلِ الْمَآءِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

فروخت سے منع فرمایا ۱؎ یہ ایک تجارت تھی جس کا جاہلیت والے کاروبار کرتے تھے کہ ایک اونٹ خریدتا تا آنکہ اونٹنی بچہ دے پھر اس
کے پیٹ کی بچی بچہ دے ۲؎ (مسلم، بخاری) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نر کو مادہ پر چھوڑنے کی
اجرت سے منع فرمایا ۳؎ (بخاری) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کی چوٹ کی
تجارت اور کھیتی کے لیے پانی اور زمین بیچنے سے منع فرمایا ۴؎ (مسلم) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے منع فرمایا بچے پانی کی فروخت سے ۵؎ (مسلم) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

۱؎ اس جملہ شریف کے دو معنے ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ حمل بیچ یعنے کہ میری اونٹنی گیابھن ہے اس کے پیٹ کی بچی جب جوان ہو کر بچی دے گی اس کی بیع میں آج کرتا
ہوں، یہ بیع باطل ہے کہ معدوم چیز کی بیع ہے، نہ معلوم اونٹنی کے پیٹ میں مادہ ہے یا نر، دوسری یہ کہ کسی تجارت میں حمل کے حمل کی پیدائش سے ادائے قیمت
یا ادائے سامان کی مدت مقرر کی جائے، کہ اس کی قیمت میں جب دوں گا جب اس اونٹنی کے پیٹ کی بچی بچہ دے گی، یہ بیع فاسد ہے کہ وقت ادا مجہول
ہے ۲؎ اس جملہ کی دو ہی دو تفسیریں ہیں جو ابھی عرض کی گئیں کہ اونٹ خریدا گر اس کی قیمت فلاں اونٹنی کے حمل کی بچی کے بچہ جننے پر دی جائے گی یا وہ
ہی اونٹ خریدا ہے جو اس اونٹنی کے حمل کی بچی جنے گی، یہ بیع غرر ہے پہلی صورت میں فاسد ہے دوسری صورت میں باطل ۳؎ عسب جانور کے
نطفہ کو بھی کہتے ہیں، اور نر کے مادہ پر چوٹ کرنے کو بھی، اور اس عمل کی اجرت کو بھی، یہاں تمام معنے درست ہیں، یہ اجرت اکثر فقہاء کے ہاں حرام ہے بعض
نے جائز مانا ہے خلاف مستحب تاکہ نسل منقطع نہ ہو جائے کہ بغیر اجرت کے نر والے اس پر راضی نہ ہوں گے تو نسل ہی ختم ہو جائے گی اگر نر کو عاریۃً
لے کر مادہ پر چوٹ کرائی گئی، پھر بطور ہبہ نر والے کو کچھ دے دیا گیا یا خود نر کو کچھ کھلا دیا گیا تو بالاتفاق جائز ہے (لمعات و مرقات) ممانعت کی وجہ جہالت
ہے کہ نہ معلوم نر کتنی بار چوٹ کرے اور نہ معلوم کہ مادہ حاملہ ہو کہ نہ ہو، پنجاب میں بھینس کو تیار کرانے کی اجرت دو روپیہ ایک بار چھوڑنے کے لیتے ہیں، اس بار میں
کتنے ہی بار جست کرے، ایک بار یا دو بار۔ ۴؎ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو اپنی زمین و پانی کاشت کے لیے دے، کہ تخم تو محنتی کا ہو اور زمین و پانی
زمین والے کا، اور پیداوار کا کچھ حصہ اس کام والے کو ملے جسے مخابرہ کہتے ہیں، اس کے جواز میں اختلاف ہے جو پہلے ذکر ہوا۔ ۵؎ یعنی اگر کسی کے پاس اپنی
ضرورت سے بچا ہوا پانی ہو تو وہ کسی پیاسے آدمی یا پیاسے جانور کو پی لینے دے، اس کی قیمت نہ لے، کہ یہ خلاف مروت ہے، لیکن اگر دوسرا شخص اپنے
ک [illegible] و [illegible] انی بچا ہوا دینا چاہتا ہے تو اس کی بیع بالکل درست ہے (مرقات) غالبًا یہ حکم کنوؤں اور کھیت والوں کو ہے جن کا پانی نالی کے ذریعہ کھیت
میں جا [illegible] ہے اس نالی سے کوئی شخص یا جانور پانی پی لے، جہاں عرب شریف میں پانی کی تجارت پر ہی پانی والے گزارہ کرتے ہیں ان کے لیے یہ حکم نہیں۔

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُبَاعُ فَضْلُ الْمَآءِ لِیُبَاعَ بِہِ الْکَلَاءُ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ ۔ وَعَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰی صُبْرَۃِ طَعَامٍ فَاَدْخَلَ یَدَہٗ فِیْہَا فَنَالَتْ اَصَابِعُہٗ بَلَلًا فَقَالَ
مَا ھٰذَا یَا صَاحِبَ الطَّعَامِ قَالَ اَصَابَتْہُ السَّمَآءُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَفَلَا جَعَلْتَہٗ فَوْقَ
الطَّعَامِ حَتّٰی یَرَاہُ النَّاسُ مَنْ غَشَّ فَلَیْسَ مِنِّیْ رَوَاہُ مُسْلِمٌ ۔ اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ عَنْ جَابِرٍ قَالَ
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الثُّنْیَا اِلَّا اَنْ یُّعْلَمَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ ۔ وَعَنْ اَنَسٍ

علیہ وسلم نے کہ بچا ہوا پانی نہ بیچا جائے تاکہ اس سے گھاس فروخت کی جائے ۱؎ (مسلم،بخاری) روایت ہے انہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلہ کے ایک ڈھیر پر گذرے تو اپنا ہاتھ شریف اس میں ڈال دیا آپ کی انگلیوں نے اس میں تری پائی ۲؎ تو فرمایا اے غلہ والے یہ کیا عرض کیا یارسول اللہ اسے بارش پڑ گئی ۳؎ فرمایا تو گیلے غلہ کو تو نے ڈھیر کے اوپر کیوں نہ ڈالا تاکہ اسے لوگ دیکھ لیتے ۴؎ جو ملاوٹ کرے وہ ہم میں سے نہیں ۵؎ (مسلم) دوسری فصل روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فروخت میں استثناء کرلینے سے منع فرمایا مگر جب کہ وہ شے معلوم ہو ۶؎ (ترمذی) روایت ہے حضرت انس سے

کہ اس صورت میں یہ پانی بچا ہوا نہیں بلکہ اپنی ضرورت کا ہے۔وہاں پانی کی تجارت خصوصًا کویت سے آگے ریگستان میں یہ تجارت بڑی ضروری ولازمی ہے، ہم نے اس سفر میں منزل رماح میں بیس روپے ڈرام پانی خریدا،قریبًا سو میل کے ایریا (AREA) میں یہاں دو تین کنوئیں ہیں،ان کنوؤں پر دور دراز سے انسان،جانور آکر پانی پیتے ہیں،سینکڑوں روپے کا پانی فروخت ہوتا ہے۔

۱؎ یعنی کنوئیں والا پانی کی بیع کو گھاس کی بیع کا ذریعہ بنالے اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے بنجر زمین جسے عربی میں موات کہتے ہیں آباد کی،وہاں کنواں کھوا لیا،لوگ اس زمین کے اردگرد اپنے جانور چراتے ہیں،وہ زمین موات جو ہوئی،یہ شخص جانوروں کو چرنے سے روک نہیں سکتا،وہ بہانہ یہ کرے کہ کسی جانور کو بلا معاوضہ پانی نہ پینے دے جو اس کے اپنے کنوئیں کا ہے،نیت یہ ہو کہ اس پانی کی روک سے جانور یہاں کی گھاس چرنا چھوڑ دیں گے،پھر یہ گھاس میری اپنی ہوگی،کہ اس سے پیسہ کماؤں گا،یہ جرم ہے کہ کنواں تو اس کا ہے مگر زمین سرکاری چھوٹی ہوئی ہے،یہ پانی کے بہانہ چراگاہ کی گھاس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے،ورنہ اپنی زمین کی کھڑی گھاس اور کاٹی ہوئی گھاس کی بیع جائز ہے(مرقات)یہاں ذکر حمٰی یعنی چراگاہ کا ہے۔ ۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم غلہ کے بازار میں تشریف لے گئے تو کسی دکان پر گندم یا جو یا کسی اور غلہ کا ڈھیر تھا حضور انور نے اس ڈھیر میں اپنا ہاتھ شریف داخل کیا تو پتہ لگا کہ ڈھیر کے اوپر تو غلہ سوکھا ہوا ہے مگر اندر سے گیلا ہے یعنی تاجر نے لوگوں کو دھوکا دے رکھا ہے غالبًا دکاندار کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ بھی جرم ہے،وہ سمجھے تھے کہ خود گیلا کرنا گناہ ہے،جو بارش سے قدرتی طور پر گیلا ہوجائے اس میں ہمارا کیا گناہ،لہذا اس سے ان صحابی کا فسق ثابت نہیں ہوتا،نیز گناہ کرلینا اور چیز ہے فسق کچھ اور،یہ گناہ تھا جس سے توبہ ہوگئی اگر اس گناہ پر جم جاتے توبہ نہ کرتے تو فسق ہوتا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَمْ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا"۔ ۳؎ یعنی گندم بارش سے بھیگ گیا تھا میں نے اس بھیگے ڈھیر پر سوکھا گندم ڈال دیا،خلاصہ یہ ہے کہ خود دھوپ سے اوپر کا حصہ سوکھ گیا تھا،ورنہ ان پر عتاب نہ ہوتا،بلکہ سوکھا گندم ڈالا گیا تھا۔ ۴؎ یعنی سوکھا گندم اوپر نہ ڈالنا چاہیے تھا تاکہ خریدار دھوکا نہ کھاتا،اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے،ایک یہ کہ تجارتی چیز کا عیب چھپانا گناہ ہے،بلکہ خریدار کو عیب پر مطلع کردے کہ وہ چاہے تو

تجارت میں دھوکہ

قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْعِنَبِ حَتّٰى يَسْوَدَّ وَعَنْ بَيْعِ الْحَبِّ حَتّٰى يَشْتَدَّ هٰكَذَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَلَيْسَ عِنْدَهُمَا بِرِوَايَتِهٖ نَهٰى عَنْ بَيْعِ التَّمْرِ حَتّٰى تَزْهُوَ اِلَّا بِرِوَايَةِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ التَّمْرِ حَتّٰى تَزْهُوَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ عَنْ اَنَسٍ وَالزِّيَادَةُ الَّتِيْ فِي الْمَصَابِيْحِ وَهِيَ قَوْلُهٗ نَهٰى عَنْ بَيْعِ التَّمْرِ حَتّٰى تَزْهُوَ اِنَّمَا ثَبَتَ فِيْ رِوَايَتِهِمَا عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتّٰى تَزْهُوَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا الْحَدِيْثُ حَسَنٌ غَرِيْبٌ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْكَالِئِ بِالْكَالِئِ رَوَاهُ

فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور فروخت کرنے سے منع فرمایا حتی کہ سیاہ پڑجائیں اور دانوں کی بیع سے منع فرمایا حتی کہ سخت پڑجائیں[1] (ترمذی، ابوداؤد نے یوں ہی روایت کی ان دونوں کے ہاں حضرت انس کی روایت سے یہ نہیں ہے کہ چھواروں کی فروخت سے منع فرمایا تاآنکہ سرخ پڑجائیں مگر حضرت عمر کی روایت سے فرماتے ہیں کہ حضور نے چھواروں کی بیع سے منع فرمایا حتی کہ سرخ ہوجائیں[2] اور ترمذی وابوداؤد نے حضرت انس سے روایت کی اور وہ زیادتی مصابیح میں ہے یعنی حضور کا فرمان کہ چھواروں کی بیع سے منع فرمایا حتی کہ سرخ ہوجائیں یہ ان دونوں کی روایت میں حضرت ابن عمر سے ہے فرماتے ہیں کھجور کی تجارت سے منع فرمایا تاآنکہ سرخ پڑجائیں[3] ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے، غریب ہے روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھار کی بیع ادھار سے کرنے سے منع فرمایا[4] (دار قطنی)

عیب دار سمجھ کر خریدے، چاہے نہ خریدے، دوسرے یہ کہ حاکم یا بادشاہ کا بازار میں گشت کرنا، دکانداروں کی، ان کی چیزوں کی باٹ ترازو کی تحقیقات کرنا قصور ثابت ہونے پر انھیں سزا دینا سنت ہے، آج جو یہ تحقیقات حکام کرتے ہیں اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔[5] اس سے معلوم ہوا کہ تجارتی چیز میں عیب پیدا کرنا بھی جرم ہے اور قدرتی پیدا شدہ عیب کو چھپانا بھی جرم، دیکھو بارش سے بھیگے غلہ کو چھپانا ملاوٹ ہی میں داخل فرمایا۔[6] استثناء وہ ممنوع ہے جس سے بیع بعض مجہول و نامعلوم رہ جائے، جیسے کوئی شخص باغ کے پھل فروخت کرے اور کہے کہ ان میں سے دس من تو میرے ہوں گے باقی تیرے ہاتھ فروخت، یا اس ڈھیر کا چار من گندم میرا باقی تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں کہ اب یہ خبر نہ رہی کہ باقی ہے کتنا، لیکن اگر یوں کہے کہ آدھے یا تہائی یا چوتھائی میرے باقی تیرے، تو جائز ہے کہ یہ استثناء معلوم ہے۔

[1] پھلوں کی تیاری مختلف صورتوں سے معلوم ہوتی ہے، چنانچہ دانے والے سیاہ انگور کی تیاری اس پر سیاہی جھلکنے سے معلوم ہوتی ہے اور دانوں کی تیاری سختی سے محسوس ہوتی ہے کہ چھلکے میں دانے سخت معلوم ہوں، ان علامات سے قبل نہ تو انگور قابل نفع مال ہے، نہ دانے، ان کی بیع جائز نہیں کیونکہ بیع میں دو طرفہ مال چاہیے، اور یہ دونوں چیزیں اس وقت مال نہیں۔[2] یہ صاحب مصابیح امام بغوی پر اعتراض ہے کہ انہوں نے بحوالہ ترمذی وابوداؤد حضرت انس کی روایت میں یہ جملہ بھی شامل کیا حالانکہ یہ جملہ حضرت ابن عمر کی روایت میں ہے نہ کہ حضرت انس کی۔[3] یہ امام بغوی پر دوسرا اعتراض ہے کہ انہوں نے حضرت انس کی روایت میں عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ نقل کیا، حالانکہ یہ روایت عبداللہ ابن عمر کی ہے، اس میں بھی عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ ہے نہ کہ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ۔ خلاصہ حدیث یہ ہوا کہ کسی پھل کی بیع اس کی تیاری اور قابل انتفاع ہونے سے پہلے جائز نہیں، اور ہر چیز کے قابل انتفاع ہونے کی علامتیں مختلف ہیں۔[4] اس کی بہت صورتیں ہیں، ایک تو یہ ہے کہ بیع کے وقت نہ قیمت دی جائے نہ مبیع پر قبضہ ہو یہ ناجائز ہے، جواز بیع کے لیے کم سے کم

وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْعُرْبَانِ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ ❊ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّ وَعَنِ الْغَرَرِ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ قَبْلَ اَنْ تُدْرِكَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ ❊ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ كِلَابٍ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ فَنَهَاهُ فَقَالَ

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی [1] فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعانہ کی بیع سے منع فرمایا [2] (مالک، ابوداؤد، ابن ماجہ)۔ روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور کی [3] اور دھوکے اور پکنے سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا [4] (ابوداؤد)۔ روایت ہے حضرت انس سے کہ بنی کلاب کے ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نر جانوروں کی چوٹ کے متعلق پوچھا [5] آپ نے اس سے منع فرمایا [6] اس نے عرض

ایک طرف فی الحال قبضہ ضروری ہے: دوسری صورت یہ ہے کہ مثلاً زید کا عمرو پر دس گز کپڑا قرض تھا اور بکر کے عمر پر دس روپے قرض تھے تو زید بکر سے کہے میں تیرے دس روپوں کے عوض اپنا وہ کپڑا فروخت کرتا ہوں جو عمرو پر ہے اب تم مجھ سے روپے نہ مانگنا بلکہ اُن کے عوض عمرو سے کپڑا وصول کرلینا بکر کہے مجھے قبول ہے یہ بیع ناجائز ہے تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی کسی شخص سے کوئی چیز اُدھار خریدے جب اُس اُدھار کی مدت ختم ہو تو تاجر خریدار سے قیمت کا تقاضا کرے خریدار کہے کہ فی الحال میرے پاس پیسے نہیں مجھے ایک ماہ کی مہلت اور دے، میں قیمت میں اتنا اضافہ کرتا ہوں تاجر کے منظور ہے، حالانکہ اس چیز پر بھی قبضہ نہیں کیا گیا یہ بھی ممنوع ہے (لمعات و اشعہ)

خیال رہے کہ کالی کلاؤ سے بنا بمعنے تاخیر و مہلت و حفاظت رب فرماتا ہے قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ۔

[1] ان کے دادا عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہیں، ان کی روایت میں ہمیشہ تدلیس ہوتی ہے کیونکہ خبر نہیں کہ جَدِّہٖ کی ضمیر عمرو کی طرف لوٹتی ہے یا اَبِیْہٖ کی طرف ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ حضرت عمرو ابن شعیب کی روایتیں مدلّس و منقطع ہوتی ہیں (مرقات)۔ [2] عربی میں عربان کی چند لغتیں ہیں عُرْبان، اُرْبان، عُرْبون، اُرْبون، پہلے حرف کو پیش، دوسرے کو جزم، اور آخری دو میں پہلے حرف کو زبر بھی، بیعانہ کی صورت یہ ہے کہ خریدار بھاؤ طے ہوتے وقت کچھ رقم بیچنے والے کو دیدے اور وعدہ کرے کہ فلاں تاریخ کو میں پوری رقم دے کر چیز لے لوں گا اگر نہ لوں تو یہ رقم ضبط جیسا کہ آجکل عام رواج ہے، یہ بیع تین اماموں کے ہاں منع ہے مگر امام احمد ابن حنبل کے ہاں جائز، حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایت میں اس کی اجازت بھی ہے [3] مضطر سے مراد یا مجبور ہے یا محتاج یعنے کسی کی چیز جبراً نہ خرید و کہ راضی نہ ہو تم اس کی چیز فروخت کردو، یہ بیع فاسد ہے، کبھی حکومت ظلماً کسی کا مال نیلام کرادیتے ہیں وہ بیچارہ مدد تارہتا ہے حکومت کے جرمانے یا ٹیکس کی وصولی کے لیے چیزیں نیلام ہوتی ہیں ان کا خریدنا جائز نہیں، یا یہ مطلب ہے کہ جو محتاج شخص قرض یا بھوک کی وجہ سے تنگ آکر اپنی چیزیں نہایت سستی بیچے، وہ نہ لو کہ خلاف مروّت ہے بلکہ ایسے کی حتی الامکان امداد کرو، (لمعات و مرقات و اشعہ) خیال رہے کہ دیوالیہ کا مال نیلام کردینا جائز ہے مگر حاکم نیلام کرے، یہ ظلماً بیع نہیں ہے بلکہ قرضخواہوں کا قرض ادا کرنے کے لیے ہے۔ [4] دھوکا کی تجارت سے مراد یا تو فریب کی بیع ہے کہ تاجر ناقص مال کو اچھا بتا کر کسی کے ہاتھ بیچ دے، اس صورت میں خریدار کو خیار عیب ملے گا کہ چیز کے عیب پر مطلع ہو کر واپس کرسکے گا یا جہالت کی بیع مراد ہے کہ ظاہر چیز کا اچھا ہو اندرون خراب، اس صورت میں خیار عیب۔ پھل پکنے سے مراد پھل قابل نفع ہونا ہے، لہذا جو چیزیں پک کر استعمال کی جاتی ہیں ان کی گدر کی بیع جائز ہے، اور جو چیزیں کچی بھی کام آتی ہیں ان کی کچی کی بیع

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّا نُطْرِقُ الْفَحْلَ فَنُکْرَمُ فَرَخَّصَ لَہٗ فِی الْکَرَامَۃِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ ؛ وَعَنْ حَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ نَهَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ اَبِیْعَ مَا لَیْسَ عِنْدِیْ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَّہٗ وَلِاَبِیْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیِّ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ یَاْتِیْنِی الرَّجُلُ فَیُرِیْدُ مِنِّی الْبَیْعَ وَلَیْسَ عِنْدِیْ فَاَبْتَاعُ لَہٗ مِنَ السُّوْقِ قَالَ لَا تَبِعْ مَا لَیْسَ عِنْدَكَ ؛ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَۃٍ رَوَاہُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ

کیا یارسول اللہ ہم تو نر چھوڑتے ہیں تو ہمیں ویسے ہی کچھ دے دیا جاتا ہے تو آپ نے حضور نے ہدیہ کے متعلق اجازت دی[۱] (ترمذی)؛ روایت ہے حضرت حکیم ابن حزام سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ جو چیز میرے پاس نہ ہو اسے فروخت کردوں[۲] (ترمذی)؛ اور ترمذی و ابوداؤد اور نسائی کی ایک روایت میں یوں ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرے پاس کوئی شخص آتا ہے مجھ سے فروخت کرنے کو کہتا ہے اور میرے پاس چیز ہوتی نہیں[۳] تو میں اس کے لیے بازار سے خرید لیتا ہوں[۴] تو فرمایا جو چیز تمہارے پاس نہ ہو وہ نہ بیچو[۵] روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو فروختوں سے منع فرمایا[۶] (مالک، ترمذی، ابوداؤد

بھی درست ہے، ہاں کچے گدر فروخت کیے جاسکتے ہیں، مٹر کی پھلیاں کچی بھی سبزی کے طور پر کام آتی ہیں، ان کی کچی کی تجارت درست ہے۔ [۵] کہ نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اُجرت کیسا ہے، وہاں اس کا رواج عام تھا، اب بھی اس کا عام رواج ہے۔ [۶] جمہور علماء کے نزدیک یہ ممانعت تحریمی ہے اور اس کی اُجرت مکروہ تحریمی، امام احمد حنبل کے ہاں بلاکراہت جائز، یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے، نطرق باب افتعال سے ہے، طرق جانور کی منی کو بھی کہتے ہیں اور اس کی چوٹ کو بھی، یہاں دوسرے معنی میں ہے۔ (مرقات)

[۱] اس سے معلوم ہوا کہ اگر نر والا عاریۃً جانور دیدے، پھر مادہ والا بطور ہدیہ اُسے کچھ پیسے یا چارہ دے، تو بلاکراہت درست ہے، یہ ہی تمام ائمہ کا مذہب ہے۔ غرضکہ جمہور کے ہاں اس کی اُجرت منع، ہدیہ جائز۔ [۲] اس میں بھاگے ہوئے غلام، دریا کی مچھلی، ہوا کے پرندے یا گم شدہ مال کی تمام بیع داخل ہے، کہ یہ تمام تجارتیں ممنوع ہیں، ہاں بیع سلم بالاتفاق جائز ہے اگرچہ بائع کے پاس وہ چیز عقد کے وقت ہوتی نہیں، یونہی دوسرے کے مال کی بیع اُس کی بغیر اجازت موقوف ہے کہ اگر وہ اجازت دیدے تو جائز ہوجائے گی۔ [۳] اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ بازار سے اس کے لیے خرید دے جیسے دلال کرتے ہیں یہ تو درست ہے۔ دوسرے یہ کہ اپنے لیے خریدے اور خود مالک بن کر پہلے خریدار کو دے، یہ ممنوع ہے، یہاں یہ ہی مراد ہے، کہ اس صورت میں اس نے یہ چیز فروخت کی جس کا بوقت بیع مالک نہ تھا، ہاں ایسی چیز کا وعدہ بیع کر لینا یا آرڈر (ORDER) لے لینا درست ہے، جیسا کہ آج کل بعض لوگ کرتے ہیں کہ آرڈر (ORDER) وصول کرکے چیز خرید کر بھیجتے یا بنا کر دیتے ہیں، ہم موچی سے جوتا بنواتے ہیں سائی پہلے دے دیتے ہیں، اسے استصناع کہتے ہیں یہ بالاتفاق درست ہے۔ [۴] یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس جگہ غیر مقبوض یا غیر مملوک اعیان کی بیع منع ہے، جیسے کہے میں فلاں غلام تمہارے ہاتھ فروخت کرتا ہوں، حالانکہ وہ غلام یا تو اپنا ہے ہی نہیں یا ہے مگر بھاگا ہوا ہے یا فلاں پرندہ جو اُڑ رہا ہے، فروخت کرتا ہوں کہ شکار کرکے تمہارے حوالہ کردوں گا، یہ ممنوع ہے۔ مگر صفات کی بیع جائز ہے خواہ مملوک مقبوض ہو یا نہ ہو، جیسے بیع سلم میں اور چیز بنوانے میں ہوتا ہے، یہ بہت نفیس توجیہ ہے۔ [۵] ایک بیع میں دو بیعوں کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ یوں کہے میں فلاں چیز

دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ ؛ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعَتَیْنِ فِیْ صَفْقَةٍ وَّاحِدَةٍ رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ ؛ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ سَلَفٌ وَّبَیْعٌ وَّلَا شَرْطَانِ وَلَا رِبْحُ مَا لَمْ یُضْمَنْ وَلَا بَیْعُ مَا لَیْسَ عِنْدَكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ ؛ وَعَنْ

نسائی) ؛ روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عقد میں دو فروختوں سے منع فرمایا [1] (شرح سنہ) ؛ روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ تو ادھار اور فروخت جائز ہے [2] اور نہ فروخت میں دو شرطیں جائز [3] نہ اس کا نفع جائز جس کا ذمہ دار نہ ہوا اور نہ وہ چیز بیچنا حلال جو تیرے پاس نہ ہو [4] (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے ؛ روایت ہے

نقد دس روپے میں فروخت کرتا ہوں اور ادھار بیس روپے کے عوض، یہ ممنوع ہے کہ اس میں قیمت کا صحیح پتہ نہ ہوگا، دوسری بیع بالشرط، کہ یوں کہے میں اپنا غلام تجھے سو روپے میں دیتا ہوں بشرطیکہ تو مجھے اپنی لونڈی یا زمین پچاس روپیہ میں دیدے، کہ اس میں بھی قیمت ایک اعتبار سے مجہول ہے اس کے علاوہ دیگر بیع بالشرط بھی منع ہے بشرطیکہ شرط فاسد ہو، اگر شرط صحیح ہو تو بیع درست ہے۔

[1] صفقہ کہتے ہیں ہاتھ مارنے یا ہاتھ ملانے کو، چونکہ اہل عرب بیع کے وقت تاجر سے ہاتھ ملاتے تھے اس لیے بیع کو بھی صفقہ کہہ دیتے ہیں، یعنے ایک بیع کے ضمن میں دوسری بیع کرلینے سے منع فرمایا، اس کی دو صورتیں ابھی عرض کی گئیں [2] مرقات نے اس کی دو صورتیں بیان کیں، ایک یہ کہ بائع خریدار سے کہے میں تیرے ہاتھ یہ چیز سو روپے کے عوض فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ تو مجھے دس روپے قرض بھی دے، یہ حرام ہے، کہ ایک قسم کا سود ہے، کیونکہ خریدار نے دس روپے قرض کے عوض میں اس چیز کے خریدنے کا نفع بھی حاصل کرلیا، یا اس کے برعکس کہ قرض مانگنے والے سے ساہوکار کہے میں تجھے سو روپیہ اس شرط پر قرض دیتا ہوں کہ دس روپے میں اپنی بکری میرے ہاتھ فروخت کردے، یعنی بیع میں قرض کی شرط ہو تو منع اور قرض میں بیع کی شرط ہو تب منع، دوسرے یہ کہ ساہوکار قرض مانگنے والے سے کہے، میں تجھے سو روپے قرض دیتا ہوں بشرطیکہ تم میری فلاں چیز اتنے میں خرید لو یہ دینگی، اس میں بھی وہ ہی قباحت ہے کہ قرض کے ذریعہ نفع کمایا ہے۔ [3] اس جملہ کی شرح میں بہت گفتگو ہے، بعض محدثین تو فرماتے ہیں کہ یہ جملہ پہلے جملہ کی تفسیر ہے یعنی سلف بیع کی، بعض نے فرمایا کہ دو کا ذکر اتفاقی ہے، بیع بالشرط مطلقًا منع ہے جیسا کہ بعض احادیث میں ہے کہ حضور انور نے بیع اور شرط سے منع فرمایا، ان کا خیال ہے کہ شرطان سے مراد دونوں قسم کی شرطیں ہیں، یعنے نہ تو بائع خریدار پر کوئی شرط لگائے کہ یہ چیز تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ دو ماہ تک اس کو میں ہی استعمال کروں گا یا تو مجھے اتنے روز کے لیے اپنا مکان عاریۃً یا کرایہ پر دے، اور نہ خریدار تاجر پر کوئی شرط لگائے کہ کپڑا تو خریدتا ہوں بشرطیکہ تو مجھے سی کر یا دھو کر دے، یہ دونوں قسم کی شرطیں بیع کو فاسد کردیں گی، جب کہ شرطیں خود فاسد ہوں، شرط فاسد وہ کہلاتی ہے جسے بیع نہ چاہے، جسے خود بیع ہی چاہے وہ شرط صحیح ہے، اس کی تجارت فاسد نہیں ہوتی جیسے تاجر کہے کہ چیز بیچتا ہوں بشرطیکہ تو مجھے روپے کھرے کھرے یا ابھی نقد دے یا خریدار کہے کہ خریدتا ہوں بشرطیکہ مال اصل ہو، نقل نہ ہو وغیرہ۔ [4] یعنی جو چیز تیرے قبضہ میں نہ ہو اس کا بیچنا بھی ممنوع ہے، اور جس چیز کا تو ابھی مالک نہ بنا اس کی فروخت بھی منع، مالسہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنْتُ اَبِيعُ الْاِبِلَ بِالنَّقِيعِ بِالدَّنَانِيرِ فَاٰخُذُ مَكَانَهَا الدَّرَاهِمَ وَ اَبِيعُ بِالدَّرَاهِمِ فَاٰخُذُ مَكَانَهَا الدَّنَانِيرَ فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ لَا بَاْسَ اَنْ تَاْخُذَهَا بِسِعْرِ يَوْمِهَا مَا لَمْ تَفْتَرِقَا وَبَيْنَكُمَا شَيْءٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُو دَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ ۞ وَعَنِ الْعَدَّاءِ بْنِ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ اَخْرَجَ كِتَابًا هٰذَا مَا اشْتَرَى الْعَدَّاءُ بْنُ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِشْتَرٰى مِنْهُ عَبْدًا اَوْ اَمَةً لَا دَاءَ وَلَا غَائِلَةَ وَلَا خِبْثَةَ بَيْعَ الْمُسْلِمِ الْمُسْلِمَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ

حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نقیع بازار میں اونٹ اشرفیوں کے عوض فروخت کرتا تھا[۱] پھر اشرفیوں کے عوض درہم لے لیتا تھا اور درہم کے عوض فروخت کرتا تھا پھر ان کے عوض اشرفیاں لے لیتا تھا[۲] میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور سے اس کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا اس میں مضائقہ نہیں کہ اس دن کے بھاؤ سے لے لو جب تک کہ تم اس طرح الگ نہ ہو کہ تمہارے درمیان کچھ بقایا ہو[۳] (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی) ۞ روایت ہے حضرت عداء ابن خالد ابن ہوذہ سے[۴] انہوں نے ایک تحریر نکالی کہ یہ وہ ہے جو عداء ابن خالد ابن ہوذہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خریدا حضور سے غلام یا لونڈی خریدی جس میں نہ کوئی عیب ہے نہ فساد نہ کوئی خرابی[۵] مسلمان کی مسلمان سے بیع[۶] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے[۷] ۞

یضمن سے مراد جو اپنے ضمان و قبضہ میں نہ آئی جیسے ہم کوئی چیز خریدیں، اور بغیر قبضہ کیے فروخت کر دیں، یہ منع ہے، اس کی شرح گزر چکی۔

[۱] نقیع نون و ق سے مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ تھی جس میں بازار تھا اور میلہ لگا کرتا تھا، اور ایک چراگاہ کا نام بھی ہے جو مدینہ منورہ سے بیس کوس دور ہے یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ [۲] آپ کا یہ عمل اپنے اجتہاد سے تھا آپ نے خیال فرمایا کہ مثلاً درہم ایک دینار ہی ہے اور ایک دینار دس درہم ہی ہیں، درہم کے عوض دینار لینا گویا درہم ہی لینا ہیں معلوم ہوا کہ صحابہ کرام زمانہ نبوی میں حضور انور کے پاس رہتے ہوئے بھی اجتہاد کرتے تھے، یہ بھی معلوم ہوا کہ یقین پر قدرت ہوتے ہوئے بھی ظن پر عمل جائز ہے (مرقات)

[۳] یعنی تمہارا یہ عمل دو شرطوں سے جائز ہے، ایک تو درہم و دینار کے موجودہ بھاؤ کا اعتبار ہو گا، ان کے بھاؤ بدلتے رہتے ہیں ہمارے ہاں بھی ایک زمانہ میں اشرفی پندرہ روپیہ کی تھی، پھر چڑھتے چڑھتے اسی نوے تک پہنچ گئی، دوسری شرط یہ ہے کہ فریقین دونوں بدلوں پر قبضہ کیے بغیر نہ ہٹیں کیونکہ اشرفی کے عوض چاندی کے درہم لینا یا اس کے برعکس بیع صرف ہے، اور بیع صرف میں اگر جنسیں مختلف ہوں تو زیادتی جائز مگر ادھار حرام، غرضکہ اس کو الگ بیع قرار دیا گیا اور اس پر بیع صرف کے احکام جاری کیے گئے۔ [۴] آپ قبیلہ بنی ربیعہ سے ہیں بصرہ کے دیہات میں رہتے تھے، غزوہ حنین کے بعد اسلام لائے، صحابی ہیں مگر آپ سے صرف یہی ایک حدیث منقول ہے

[۵] یعنی اس میں نہ کوئی بیماری ہے جنون جذام برص وغیرہ اور نہ کوئی بری عادت زنا، چوری، شراب خواری وغیرہ نہ نفرت والی کوئی چیز جیسے حرامی ہونا وغیرہ، غائلہ وہ عیب کہلاتا ہے جو کبھی ہلاکت کا باعث بن جائے، خلاصہ یہ ہے کہ یہ غلام ظاہری اور چھپے ہوئے عیوب سے پاک ہے، اس میں کوئی ایسی خرابی نہیں ہے جس سے خریدار کو خیار عیب ہے۔ [۶] اس تحریر میں اس جانب اشارہ ہے کہ خرید و فروخت اگرچہ ولی بلکہ نبی سے ہو اس پر شرعی احکام ضرور جاری ہوں گے اور اس قسم کی تحریر

وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاعَ حِلْسًا وَقَدَحًا فَقَالَ مَنْ يَشْتَرِيْ هٰذَا الْحِلْسَ وَالْقَدَحَ فَقَالَ رَجُلٌ أَخَذْتُهُمَا بِدِرْهَمٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّزِيْدُ عَلٰى دِرْهَمٍ فَأَعْطَاهُ رَجُلٌ دِرْهَمَيْنِ فَبَاعَهُمَا مِنْهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ

الْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کمبل و پیالہ نیلام کیا ۱؎ تو فرمایا اس کمبل و پیالے کو کون خریدتا ہے۔ تو ایک صاحب بولے میں انہیں ایک درہم میں لیتا ہوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ایک درہم پر بڑھاتا ہے۔ دوسرے صاحب نے دو درہم حاضر کیے تو ان ہی کے ہاتھ فروخت کردیں ۲؎ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تیسری فصل روایت ہے حضرت واثلہ ابن اسقع سے ۳؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے

کی شان کے خلاف نہیں ہوگی، یہ بھی معلوم ہوا کہ قانونًا بیع نامہ تاجر کی طرف سے ہونا چاہیے، رب تعالٰی فرماتا ہے وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ لیکن خریدار کی طرف سے بھی خرید نامہ ہوسکتا ہے کہ اس میں بھی احتیاط ہے۔ ۵؎ یعنی یہ ایسی خرید و فروخت ہے جیسی مسلمان کی مسلمان سے ہوتی ہے کہ مسلمان اپنے بھائی مسلمان کا خیر خواہ ہوتا ہے اُسے دھوکا نہیں دیتا، ورنہ یہ بیع مسلمان کی نبی سے تھی نہ کہ عام مسلمان سے۔ خیال رہے کہ نبی لغوی مؤمن و مسلم ہوتے ہیں نہ کہ اصطلاحی اصطلاح میں تو وہ عین ایمان ہیں کہ ان کو ماننے سے انسان مؤمن بنتا ہے، اسی لیے یہ منصوب ہے کہ کاف تشبیہ پوشیدہ ہے۔ ۶؎ کیونکہ اس کی اسناد میں عباد بن جویریہ ضعیف ہیں ان کے بارے میں محدثین فرماتے ہیں لَيْسَ بِشَيْءٍ، خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل خرید و فروخت دونوں کی ہیں مگر ہجرت کے بعد فروخت بہت کم کی ہے (اشعۃ اللمعات)

۱؎ حلس وہ بڑا کمبل ہے جو اونٹ پر ڈالا جائے یا فرش پہ بچھایا جائے، چھوٹا کمبل جو ایک آدمی ہی اوڑھ سکے کساء کہلاتا ہے، یہ دونوں چیزیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی نہ تھیں بلکہ ایک فقیر و مسکین کی تھیں جو حضور انور سے کچھ مانگنے آیا تھا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے بھیک سے بچا لیا اس کی دو چیزیں نیلام کرکے اُسے کام پر لگادیا۔ ۲؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ نیلام جائز ہے جسے عربی میں بیع مَنْ يَّزِيْدُ کہتے ہیں، دوسرے یہ کہ ایک کے بھاؤ پہ دوسرا آدمی بھاؤ لگا سکتا ہے جبکہ پہلا بھاؤ طے نہ ہوا ہو، جن احادیث میں بھاؤ پر بھاؤ لگانے سے منع کیا گیا ہے وہاں بھاؤ طے ہوچکنے کے بعد مراد ہے، تیسرے یہ کہ کسی کی چیز دوسرا آدمی وکیل بن کر فروخت کرسکتا ہے: چوتھے یہ کہ بیع تعاطی لینے نقطاعین دین سے جائز ہے اگرچہ منہ سے ایجاب و قبول نہ ہو، پانچویں یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جان و مال کے مالک ہیں کہ ہماری چیز بغیر ہماری رضامندی فروخت کرسکتے ہیں، کیونکہ وہ صحابی حضور سے مانگنے آئے تھے نہ کہ چیز بکوانے، مگر حضور نے ان سے بغیر پوچھے ان کی چیزیں نیلام کردیں، قرآن شریف فرما رہا ہے کہ مسلمان کو حضور کے مقابلہ میں اپنی جان و مال کا کوئی اختیار نہیں، جس کا جس سے چاہیں نکاح کردیں۔ فرماتا ہے مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ الخ

۳؎ آپ کے اسلام کے وقت میں اختلاف ہے، بعض فرماتے ہیں کہ تیاری غزوہ تبوک کے وقت ایمان لائے، بعض فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے لاچکے تھے بلکہ اصحاب صفہ سے تھے، تین سال حضور انور کی خدمت میں رہے، ۹۸ یا ۱۰۰ سال کی عمر میں دمشق میں وفات پائی۔ دمشق کے آخری صحابی ہیں (اشعہ)

يَقُوْلُ مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَمْ يُبَيِّنْهُ لَمْ يَزَلْ فِيْ مَقْتِ اللّٰهِ اَوْ لَمْ تَزَلِ الْمَلٰٓئِكَةُ تَلْعَنُهٗ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ ؂ بَابُ ؂ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ ؂ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَاعَ نَخْلًا بَعْدَ اَنْ تُؤَبَّرَ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ وَمَنِ ابْتَاعَ عَبْدًا وَّلَهٗ مَالٌ فَمَالُهٗ لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ الْمَعْنَى الْاَوَّلَ وَحْدَهٗ ؂ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ كَانَ يَسِيْرُ عَلٰى جَمَلٍ لَّهٗ قَدْ اَعْيٰى فَمَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سنا کہ جو عیب دار چیز فروخت کردے جس پر خبردار نہ کرے تو وہ اللہ تعالٰی کی ناراضی میں رہیگا یا فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے [۱]۔ (ابن ماجہ) ؂ باب ؂ [۲] پہلی فصل ؂ روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص پیوند لگانے کے بعد درخت کھجور خریدے [۳] تو اس کے پھل بیچنے والے کے ہوں گے ہاں مگر خریدار شرط لگائے [۴] اور جو کوئی ایسا غلام خریدے جس کے پاس مال ہو [۵] تو اس کا مال بیچنے والے کا ہوگا ہاں مگر یہ کہ خریدار شرط لگائے [۶] (مسلم) بخاری نے صرف پہلی صورت بیان کی روایت ہے حضرت جابر سے کہ آپ ایک اونٹ پر سفر کررہے تھے جو تھک گیا تھا اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گذرے

[۱] عَيْبٌ یا توی کے شد اور کسرہ سے ہے صفت مشبہ یا ی کے سکون سے مصدر، اگر مصدر ہے تو مبالغہ کے لیے ارشاد ہوا یعنے جو عیب دار چیز کو فروخت کرے وہ گویا سراپا عیب فروخت کررہا ہے، عیب کا تاجر ہے۔ اس جرم پر اتنی سخت سزا اس لیے ہے کہ دھوکا دینا مومن کی شان کے خلاف ہے، نہ مومن کو دھوکا دے نہ کافر کو، یہ شرعی، قومی، ملی جرم ہے۔ [۲] اس باب میں ممنوع تجارتوں کے متعلق مختلف احادیث مذکور ہوں گی، اس لیے اس کا ترجمہ مقرر نہ فرمایا یعنی متفرق احادیث کا باب جس میں مختلف ممنوع تجارتوں کا ذکر ہے۔ [۳] کھجور کی تابیر کے معنے ہم باب الاعتصام میں عرض کرچکے ہیں کہ نر کھجور کی شاخ مادہ کھجور میں لگانا تاکہ پھل اچھے اور زیادہ آئیں، یہاں مراد ہے تابیر کے بعد پھل لگ جانا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے، اگر تابیر ہوچکی ہے مگر ابھی پھل نہیں لگے، تو یہ حکم بھی نہیں، غرضکہ یہاں پھل والا درخت مراد ہے جس کے پھل پختہ یا گدر ہوچکے ہوں۔ [۴] امام مالک و شافعی رحمہما اللہ کے ہاں تابیر والے پھل دار درخت کے پھل خریدار کے ہوں گے، اور اگر تابیر شرط کرے تو اس کے ہوں گے، ہمارے ہاں بہرحال پھل بائع کے ہیں، ہمارے ہاں تابیر سے مراد پھل دار ہوجانا ہے، اگر درخت پھلدار نہیں تو خواہ تابیر ہوچکی ہو، حکم بھی یہ نہیں: ابن ابی لیلی کے ہاں پھل بہرحال خریدار کے ہیں کہ درخت کے تابع ہیں۔ [۵] یعنی غلام ماذون تھا جسے تجارت کی اجازت مولے نے دے رکھی تھی اس وجہ سے اس کے پاس مال جمع ہوگیا تھا، اب اُسے فروخت کیا گیا، تو مال چونکہ مولی کا تھا اُسی کا رہے گا، یہاں کی نسبت غلام کی طرف قبضہ کی نسبت ہے نہ کہ ملکیت کی، وہ مال تھا مولی کا، اگرچہ قبضہ میں غلام کے تھا۔ [۶] یعنی اگر خریدار کہے کہ میں وہ غلام مع اس کے مال کے خریدتا ہوں، تب تو مال خریدار کا ورنہ بائع کا، امام اعظم رحمہ اللہ کے ہاں فروخت شدہ غلام کے جسم کے کپڑے بھی بائع کے ہوں گے حتی کہ خریدنے کے بعد خریدار اُسے اپنا تہبند پہنائے بائع کا تہبند اتار دے، مرقات۔ اس سے معلوم ہوا کہ جانور خریدا تو اس کی جھول، زنجیر اور دوسرا جسم کا سامان بائع کا ہوگا، اگر خریدار شرط لگائے تو اُس کا ہوگا۔ خیال رہے کہ اگر غلام کے پاس چاندی کے روپے تھے، تو اُس کا مع روپوں کے خریدنے کے وہ ہی احکام ہوں گے جو بیع صرف کے ہوتے ہیں، یعنی اگر خریدار چاندی سے خریدے، تو اُس کے روپوں سے زائد روپے دے، تاکہ اصل روپیہ روپے کے عوض ہوجائے اور زیادتی غلام کے عوض کہ یہ بیع صرف غلام کی نہیں بلکہ چاندی اور غلام کی ہے۔

بِهٖ فَضَرَبَهٗ فَسَارَ سَيْرًا لَيْسَ يَسِيْرُ مِثْلَهٗ ثُمَّ قَالَ بِعْنِيْهِ بِأُوْقِيَّةٍ قَالَ فَبِعْتُهٗ فَاسْتَثْنَيْتُ حُمْلَانَهٗ إِلٰى أَهْلِيْ فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ أَتَيْتُهٗ بِالْجَمَلِ وَنَقَدَنِيْ ثَمَنَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَأَعْطَانِيْ ثَمَنَهٗ وَرَدَّهٗ عَلَيَّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّلْبُخَارِيِّ أَنَّهٗ قَالَ لِبِلَالٍ اِقْضِهٖ وَزِدْهُ فَأَعْطَاهُ وَزَادَهٗ قِيْرَاطًا ۞ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ بَرِيْرَةُ فَقَالَتْ إِنِّيْ كَاتَبْتُ عَلٰى تِسْعِ أَوَاقٍ فِيْ كُلِّ عَامٍ وَقِيَّةٌ فَأَعِيْنِيْنِيْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَعُدَّهَا لَهُمْ عُدَّةً وَاحِدَةً

تو اسے مارا تو وہ اونٹ ایسی رفتار سے چلنے لگا کہ ایسا کبھی نہ چلتا تھا۱ پھر حضور نے فرمایا اسے میرے ہاتھ ایک اوقیہ میں بیچ دو۲ میں نے بیچ دیا مگر اپنے گھر تک اس کی سواری کی شرط لگا لی۳ پھر جب میں مدینہ آیا تو حضور کے پاس اونٹ لایا حضور انور نے مجھے اس کی قیمت کھری کردی اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی قیمت عطا فرمائی اور اونٹ بھی واپس دے دیا۴ (مسلم، بخاری) اور بخاری کی ایک روایت ہے کہ آپ نے حضرت بلال سے فرمایا کہ انہیں قیمت ادا کردو کچھ زیادہ بھی دے دو تو انہوں نے ایک قیراط زیادہ دیا۵ روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ حضرت بریرہ آئیں بولیں کہ میں نو اوقیہ پر مکاتبہ ہوگئی ہوں ہر سال میں ایک اوقیہ۶ آپ میری امداد فرمائیں تو حضرت عائشہ نے فرمایا اگر تمہارے مولٰی پسند کریں کہ میں انہیں سارا روپیہ یکدم گن دوں اور تمہیں آزاد کردوں

۱؎ یہ حضور انور کا معجزہ ہے، معلوم ہوا کہ ان کا ہاتھ بے زوروں کا زور ہے، بے سہاروں کا سہارا اب بھی جس کمزور پر حضور نگاہ کرم فرمادیں وہ طاقتور ہوجائے، شعر

تو مرا دل دہ و دلیری بیں روبہ خویش خواں و شیری بیں (اشعہ)

یارسول اللہ مجھے تم دل بخشو پھر میری بہادری دیکھو، مجھے اپنی لومڑی بنالو، پھر میری شیری دیکھو۔ ۲؎ اُوقیہ الف کے پیش یا فتح سے، چالیس درہم کا ہوتا ہے مگر وُقیہ بغیر الف کے کبھی اوقیہ کے ہم معنی ہوتا ہے اور کبھی سات مثقال کا، اس کی جمع وقایا ہے جیسے خطیئہ کی خطایا، اور اوقیہ جمع اواقی ہے جیسے اعجوبہ کی جمع اعاجیب۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال والے کو اس کا مال بیچنے کی رغبت دینا جائز ہے (مرقات) ۳؎ اس حدیث کی بنا پر امام احمد نے جانور کی بیع بالشرط جائز رکھی کہ بائع اس پر اپنے لیے سوار ہونے کی شرط لگا سکتا ہے: امام مالک کے ہاں تھوڑے فاصلہ تک سواری کی شرط لگانا جائز ہے کیونکہ اس موقعہ پر مدینہ طیبہ قریب تھا لیکن امام اعظم وشافعی کے ہاں یہ شرط مطلقًا ناجائز ہے کیونکہ دوسری احادیث میں بیع بالشرط سے ممانعت فرمائی گئی ہے، اس حدیث کے متعلق ان دو بزرگوں نے چند باتیں فرمائیں، ایک یہ کہ یہ شرط داخل بیع نہ تھی بلکہ بعد بیع عاریۃً وہ اونٹ لیا گیا جیسا کہ بعض روایات میں ہے دوسرے یہ کہ یہ شرط حضرت جابر نے پیش نہ کی بلکہ حضور انور نے بطور رعایت عطا فرمائی، جیسے آج کل بعض تاجر کمیشن یا انعامی بونڈ پر چیزیں بیچتے ہیں کہ یہ شرطیں خود اپنی طرف سے لگادیتے ہیں، یا پوسٹ آفس (POST OFFICE) کا محکمہ خطوط لفافے ٹکٹ اس شرط پر بیچتے ہیں کہ ہم مال منزل پر پہنچا دیں گے: تیسرے یہ کہ یہ صورۃً بیع تھی حقیقۃً ہبہ تھی جیسا کہ آگے رہا ہے کہ حضور انور نے حضرت جابر کو رقم بھی عطا فرمادی اور اونٹ بھی (لمعات ومرقات) ۴؎ اس جملہ نے اس تجارت کی نوعیت بتلادی کہ لفظ بیع تو ہو کے تھے مگر حقیقت عطا کی تھی۔ ۵؎ قیراط آدھے دانق کو کہتے ہیں دانق تہائی درہم ہے، لہذا قیراط درہم کا چھٹا حصہ ہوا، یہ قیراط حضرت جابر کو قیمت سے الگ دیا گیا تھا جسے حضرت جابر ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے اور خرچ کرتے رہتے تھے، حتی کہ یزید ابن معاویہ کے زمانہ میں واقعہ حرہ کے موقعہ پر جب یزیدی فوج نے حضرت جابر کا مال لوٹا تو یہ قیراط بھی چھین لیا (مرقات) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ادائے قرض وادائے حقوق کا وکیل بنانا بھی جائز ہے اور حق

وَاُعْتِقَكِ وَيَكُوْنُ وَلَاءُكِ لِيْ فَذَهَبَتْ اِلٰى اَهْلِهَا فَاَبَوْا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْوَلَاءُ لَهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذِيْهَا وَاَعْتِقِيْهَا ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَمَا بَالُ رِجَالٍ يَّشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَتْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَاِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ فَقَضَاءُ

اور تمہاری ولاء میرے لیے رہے [1] وہ اپنے مولاؤں کے پاس گئیں انہوں نے اس کا انکار کیا مگر یہ کہ ولاء ان کیلئے ہو [2] اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم انہیں لے لو اور آزاد کردو [3] پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے مجمع میں قیام فرمایا اللہ کی حمد و ثنا کی [4] پھر فرمایا بعد حمد و ثنا کے لوگوں کا کیا حال ہے کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں [5] جو شرط بھی ایسی ہو جو اللہ کی کتاب میں نہیں وہ باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہوں [6] اللہ کا فیصلہ

کچھ زیادہ دینا بھی جائز ہے زیادتی سود نہ تھی سود کی نوعیت کچھ اور ہوتی ہے۔ [6] حضرت بریرہ بروزن کریمہ مشہور صحابیہ ہیں، پہلے ایک یہودی کی لونڈی تھیں، پھر حضرت عائشہ صدیقہ کی لونڈی بنیں، آپ کی ملک پر آزاد ہوئیں کہ یہودی نے آپ کو مکاتب کیا تھا، پھر حضرت عائشہ صدیقہ نے خرید لیا اور آزاد کیا، کتابت کی تحقیق پہلے ہو چکی ہے، مکاتب وہ غلام ہے جسے مولیٰ کہہ دے کہ اتنی رقم مجھے دے تو آزاد ہے۔

[1] اس طرح کہ تو اپنے کو ادائے بدل کتابت سے معذور کردے جس سے کتابت ختم ہو جائے پھر میں تجھے نو اوقیہ کے عوض خرید کر آزاد کردوں تو تم میری آزاد کردہ لونڈی ہو اور تمہاری ولاء میرے لیے ہو ورنہ مکاتب کی بیع درست نہیں، اور جو مکاتب کی امداد کرے کہ اس کا بدل کتابت ادا کردے وہ اس کا مالک نہیں ہو جاتا، نہ ولاء اسے ملتی ہے۔ [2] یعنی بریرہ کے مولیٰ اس فسخ کتابت پر تو راضی ہو گئے، فروخت کر دینے پر بھی راضی ہو گئے، مگر فروخت میں شرط یہ لگاتے تھے کہ ولاء یعنی حق میراث انہیں ملے، یہ شرط بھی فاسد تھی، اس سے بیع بھی فاسد ہوتی۔ [3] اس حدیث کی بنا پر امام مالک اور احمد ابن حنبل مکاتب کی بیع جائز مانتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضور انور نے بریرہ مکاتبہ کی بیع درست رکھی، مگر ہمارے امام اعظم و شافعی فرماتے ہیں، کہ مکاتب کی رضا سے اس کی فروخت کتابت کا فسخ ہے، گویا مکاتب اپنی کتابت ختم کر رہا ہے اور اپنے کو فروخت کرا رہا ہے، یہاں یہ ہی ہوا، بعض ائمہ نے اس حدیث کی وجہ سے بشرط عتق بیع کو جائز رکھا کہ یہاں حضرت عائشہ صدیقہ نے آزادی کی شرط پر خریدا، ہمارے ہاں ایسی بیع فاسد ہے کہ یہ بیع بالشرط ہے، یہاں بائع یا حضرت بریرہ نے یہ شرط نہ لگائی تھی بلکہ خود ام المومنین نے آزادی کی پیشکش کی تھی شرط اور پیشکش میں بڑا فرق ہے۔ [4] وعظ سے پہلے حمد الٰہی سنت رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم، اور حمد و صلوٰۃ دونوں پڑھنا سنت صحابہ ہے، دونوں ہی پڑھنا چاہئیں۔ [5] کتاب اللہ سے مراد یا لوح محفوظ ہے یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا دین اسلام کیونکہ یہ قاعدہ الولاء لمن اعتق، ولاء آزاد کرنے والے کی ہے قرآن شریف میں موجود نہیں یا لیس کے معنی ہیں کہ یہ شرط قرآنی قاعدہ کے موافق نہیں، اس صورت میں کتاب اللہ سے مراد قرآن شریف بھی ہو سکتا ہے (مرقات)۔ [6] اس حدیث پر بہت ہی اعتراضات ہیں، اسی لیے بعض محدثین نے اس ساری حدیث ہی کا انکار کر دیا ہے، بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ اشترطی لھم اے عائشہ ان کی شرط قبول کر لو اور خرید لو، ولاء تمہارے لیے ہی ہوگی، اس حدیث پر حسب ذیل اعتراض پڑ جاتے ہیں (۱) مکاتب غلام کی بیع جو شرعاً ناجائز ہے (۲) بائع کی شرط کو قبول کر لینا یہ بیع بالشرط ہوئی یہ بھی فاسد ہے۔ (۳) بشرط عتق بیع یہ بھی فاسد ہے۔ (۴) بائع کو دھوکا دینا کہ اس کی شرط ولاء منظور کر لینا، حالانکہ ولاء اسے نہ ملے بلکہ خریدار کو ملے، کیسے ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

اللهِ أَحَقُّ وَشَرْطُ اللهِ أَوْثَقُ وَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى
رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔ اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ
عَنْ مَخْلَدِ بْنِ خُفَافٍ قَالَ ابْتَعْتُ غُلَامًا فَاسْتَغْلَلْتُهٗ ثُمَّ ظَهَرْتُ مِنْهُ عَلٰى عَيْبٍ فَخَاصَمْتُ فِيْهِ
إِلٰى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فَقَضٰى لِيْ بِرَدِّهٖ وَقَضٰى عَلَيَّ بِرَدِّ غَلَّتِهٖ فَأَتَيْتُ عُرْوَةَ فَأَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ

لائق عمل ہے اور اللہ کی شرط بہت مضبوط ہے ولا اسی کیلئے ہے جو آزاد کرے لہ (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء کی فروخت اور اس کے ہبہ سے منع فرمایا ۲ (مسلم، بخاری) دوسری فصل روایت ہے حضرت مخلد ابن خفاف سے ۳ فرماتے ہیں میں نے ایک غلام خریدا میں نے اس کی آمدنی وصول کرلی ۴ پھر میں اس کے ایک عیب پر مطلع ہوا ۵ تو میں نے اس کا مقدمہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے مجھے اس کے واپس کردینے کا فیصلہ اور اس کی آمدنی لوٹا دینے کا حکم دیا ۶ پھر میں حضرت عروہ کے پاس گیا اور انہیں خبر دی وہ بولے

ان چیزوں کی اجازت دی۔ بعض شارحین نے اس حدیث کو درست ماننا مگر وَاشْتَرِطِيْ لَهُمْ لام کو علی کے معنی میں لیا اور معنی یہ کیے، کہ ان کے خلاف شرط لگالو، کہ ولا اس کی ہوگی، جیسے وَمَنْ أَسَاءَ فَلَهَا میں لام علی کے معنی میں ہے مگر صحیح بات وہ ہے جو یہاں مرقات نے فرمائی کہ چونکہ عرب شریف میں اس قسم کی بیع بالشرط کا عام رواج تھا اس رواج کو توڑنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ صدیقہ کو اس بیع کی خصوصی اجازت دی تاکہ آئندہ اس بیع کا سلسلہ ہی ختم ہوجائے اب یہ بیع جائز نہیں، جیسے حضور انور نے حجۃ الوداع میں حج کے احرام کو عمرہ میں تبدیل کرادیا، تاکہ یہ عقیدہ ختم ہوجائے کہ زمانہ حج میں عمرہ حرام ہے، ایسے ہی یہاں ہوا، ورنہ یہ حدیث ظاہری معنی پر کسی مذہب کے موافق نہیں اور دیگر تمام احادیث کے خلاف ہے (مرقات)

لہ اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ حضور کا فیصلہ رب تعالٰی کا فیصلہ ہے، دیکھو یہ قانون کہ اَلْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ: ولاء آزاد کرنے والے کو ملتی ہے، حضور کا قانون ہے، مگر فرمایا گیا قَضَاءُ اللهِ. کیوں نہ ہو، رب فرماتا ہے وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ، دوسرے یہ کہ اگر کفار مسلمانوں سے تجارت کریں تو انہیں اسلامی قوانین کی پابندی کرنا ہوگی، دیکھو یہاں بائع یہودی ہے۔ مگر چونکہ خریدار عائشہ صدیقہ ہیں، اس لیے اس پر سارے اسلامی قانون جاری ہوگئے، لہٰذا کافر مسلمان کے ہاتھ سور یا شراب نہیں بیچ سکتا۔ آپس میں کفار اس قسم کی بیع کرسکتے ہیں۔ ۲ ولاء وَلْیٌ سے بنا بمعنی قرب شریعت میں استحقاق میراث کو ولاء کہتے ہیں کہ اگر غلام لاوارث مرجائے تو اس کی میراث مولٰی کو ملے، چونکہ ولاء مال نہیں ہے، نیز معتق کے ساتھ ایسی لازم ہے جیسے نسبی قرابت داروں کے ساتھ نسب منتقل نہیں ہوسکتی اس لیے اس کی بیع ناجائز ہے، قریبًا تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے۔ جن لوگوں نے ولاء کی بیع یا ہبہ جائز رکھا انہیں غالبًا یہ حدیث پہنچی نہیں (نووی، اشعۃ اللمعات، مرقات) ۳ صحیح یہ ہے کہ مخلد تو تابعی ہیں جن سے صرف یہی ایک روایت مروی ہے، لیکن ان کے والد خفاف اور دادا ایماء دونوں صحابی ہیں، قبیلہ بنی غفار سے ہیں، مخلد میم کے زبر اور خ کے سکون سے ہے، خفاف خ کے پیش اور ف کے زبر سے ہے (اشعہ) ۴ آمدنی سے مراد غلام کی کمائی ہے اور عیب سے مراد وہ پرانا عیب ہے، جو بائع کے ہاں سے آیا، لغت میں غلہ اس آمدنی کو کہا جاتا ہے جو کھیت، باغ، جانور سے حاصل ہو دانے، پھل، دودھ، بچے کرایہ وغیرہ یہاں کی کمائی مراد ہے یعنی مجھے غلام کے عیب کا پتہ اس وقت چلا جب میں اس کی کچھ کمائی حاصل کرچکا۔ ۵ یعنی پہلے تو میں نے فروشندہ سے کہا کہ غلام واپس لے لے، مگر جب وہ راضی نہ ہوا، تو خلیفۃ المسلمین حضرت عمر ابن عبدالعزیز

أَرُوحُ إِلَيْهِ الْعَشِيَّةَ فَأُخْبِرُهُ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِي مِثْلِ هٰذَا أَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ فَرَاحَ إِلَيْهِ عُرْوَةُ فَقَضَى لِي أَنْ آخُذَ الْخَرَاجَ مِنَ الَّذِي قَضَى بِهِ عَلَيَّ لَهُ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ ؂ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ وَالْمُبْتَاعُ بِالْخِيَارِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيِّ قَالَ الْبَيِّعَانِ إِذَا اخْتَلَفَا وَالْمَبِيعُ قَائِمٌ بِعَيْنِهِ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ فَالْقَوْلُ مَا قَالَ الْبَائِعُ أَوْ يَتَرَادَّانِ الْبَيْعَ ؂ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ

شام کو میں ان کے پاس جاؤں گا اور انہیں بتاؤں گا کہ حضرت عائشہ نے مجھے خبر دی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جیسے مقدمہ میں فیصلہ یہ فرمایا کہ آمدنی خرچ کے عوض ہے ۱؎ چنانچہ عمر کے پاس عروہ گئے تو انہوں نے فیصلہ فرمایا کہ آمدنی اس شخص سے واپس لے لوں جسے دے دینے کا حکم مجھے دیا تھا ۲؎ (شرح سنہ) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بائع و خریدار جھگڑ پڑیں ۳؎ تو بائع کی بات معتبر ہے اور خریدار کو اختیار ہے ۴؎ (ترمذی) اور ابن ماجہ و دارمی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ بائع و خریدار جب جھگڑ پڑیں اور چیز ویسی ہی موجود ہو اور ان کے درمیان گواہ کوئی نہ ہو تو قول وہ ہی ہوگا جو بائع کہے یا دونوں بیع واپس کرلیں ۵؎ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا

کی بارگاہ میں مقدمہ دائر کردیا کہ یہ غلام واپس کرایا جائے، تب آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ غلام واپس دو، اس کی آمدنی بائع کے حوالہ کرو اور اپنی قیمت اس سے وصول کرو۔

۱؎ آپ حضرت عروہ ابن زبیر ہیں، مشہور تابعی ہیں، مدینہ منورہ کے سات قاریوں سے ہیں، قرشی ہیں اسدی ہیں ۲۳ھ میں پیدا ہوئے، بڑے فقیہ تھے، آپ نے فرمایا کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے یہ فیصلہ غلط کیا کہ غلام کی اتنے دن کی آمدنی تمہیں واپس کرنا ہوگی میں انہیں عرض کردوں گا، کہ چونکہ اس زمانہ میں خریدار غلام پر کھانا پینا وغیرہ خرچ بھی کرچکا ہے اس لیے آمدنی اس کے خرچ و ضمان کے عوض ہے۔ ۲؎ یعنی میں بائع کو غلام اور اس کی آمدنی دے چکا تھا پھر مجھے آمدنی واپس دلوائی گئی، معلوم ہوا کہ حاکم کے فیصلہ کی اپیل کرنا جائز ہے، خواہ اس کے پاس کرے یا اس سے بڑے حاکم کے پاس، امام شافعی فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں خریدے ہوئے جانور کے بچے، اون، دودھ، درخت کے پھل وغیرہ خریدار کے ہوں گے اور اصل شے واپس ہوگی، امام مالک کے ہاں جانور کے بچے ماں کے ساتھ واپس ہوں، اون، دودھ واپس نہ ہوگا، ہمارے ہاں خریدار کے پاس بچے یا پھل کی پیدائش سے جانور یا درخت واپس نہ ہوسکے گا، بلکہ خریدار نقصان عیب لے گا، ان تمام ائمہ کے دلائل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے چنانچہ عمر ابن عبدالعزیز نے یہ سن کر اپنا پہلا فیصلہ واپس لے لیا اور اب یہ ہی فیصلہ کیا، معلوم ہوا کہ اگر قضاء قاضی حکم منصوص کے خلاف ہو تو ٹوٹ جائے گی۔ ۳؎ قیمت کی مقدار میں جھگڑیں یا خیار شرط میں ادھار قیمت کی مدت میں یا بیع کی صفت میں غرضکہ کسی قسم کا جھگڑا پڑ جائے۔ ۴؎ اس صورت میں خریدار اپنے دعوے پر گواہ لائے اگر اس کے پاس گواہ ہوں تو بائع قسم کھائے پھر حاکم خریدار کو اختیار دے دے کہ وہ خریدے یا نہ خریدے۔ ۵؎ اس بارہ میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ اگر مبیع چیز موجود ہے اور قیمت میں اختلاف ہو

اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَقَالَ مُسْلِمًا اَقَالَہُ اللہُ عَثْرَتَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَۃَ وَفِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ بِلَفْظِ الْمَصَابِیْحِ عَنْ شُرَیْحِ الشَّامِیِّ مُرْسَلًا ۔ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ ۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِشْتَرٰی رَجُلٌ مِّمَّنْ کَانَ قَبْلَکُمْ عَقَارًا مِّنْ رَّجُلٍ فَوَجَدَ الَّذِی اشْتَرَی الْعَقَارَ فِیْ عَقَارِہٖ جَرَّۃً فِیْھَا ذَھَبٌ فَقَالَ لَہُ الَّذِی اشْتَرَی الْعَقَارَ خُذْ ذَھَبَکَ عَنِّیْ اِنَّمَا اشْتَرَیْتُ الْعَقَارَ وَلَمْ اَبْتَعْ مِنْکَ الذَّھَبَ فَقَالَ بَائِعُ الْاَرْضِ اِنَّمَا بِعْتُکَ الْاَرْضَ وَمَا فِیْھَا فَتَحَاکَمَا اِلٰی رَجُلٍ فَقَالَ الَّذِیْ تَحَاکَمَا اِلَیْہِ اَلَکُمَا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسلمان کی فسخ بیع قبول کرے تو اللہ قیامت کے دن اس کی غلطیاں معاف فرمادیگا [1] (ابو داؤد ابن ماجہ) اور شرح سنہ میں مصابیح کے لفظ بطریق ارسال شرح شامی سے روایت کیے [2] تیسری فصل روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم سے اگلے لوگوں میں ایک شخص نے دوسرے سے زمین خریدی تو زمین کے خریدار نے اپنی اس زمین میں ایک مٹکی پائی جس میں سونا بھرا تھا [3] تو خریدار نے بائع سے کہا اپنا سونا مجھ سے لے لو میں نے تم سے زمین خریدی تھی سونا نہیں خریدا تھا۔ بیچنے والا بولا میں نے تو تیرے ہاتھ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے سب بیچ دیا [4] چنانچہ یہ دونوں ایک شخص کے پاس مقدمہ لے گئے تو جسے انہوں نے پنچ بنایا تھا وہ بولا [5]

تو فیصلہ گواہی پر ہوگا، اور اگر گواہی دونوں کے پاس ہو تو زیادتی قیمت کی گواہی مانی جائے گی۔ اور اگر کسی کے پاس گواہی نہ ہو تو دونوں قسم کھائیں کے اور بیع فسخ ہو جائے گی، اور اگر قیمت و مبیع دونوں میں جھگڑا ہے تو قیمت کے بارہ میں بائع کی گواہی قبول ہوگی اور مبیع کے متعلق خریدار کی، لیکن اگر مدت یا شرط خیار یا بعض قیمت پر قبضہ کرنے میں اختلاف ہو جائے تو قسم کسی پر نہیں، اس بارہ میں جو مختلف احادیث مروی ہیں وہ صحیح نہیں لہذا اس حدیث مشہور پر اعتماد چاہیے کہ گواہ مدعی پر ہیں اور قسم منکر پر (اشعہ)

[1] یعنی اگر خرید و فروخت مکمل ہو چکنے کے بعد خریدار چیز واپس کرنا چاہے یا بائع وہ چیز واپس لینا چاہے تو اگرچہ انہیں یہ حق تو نہیں مگر فریق آخر کو چاہیے کہ اسے منظور کرے اور سامنے والے پر مہربانی کرے، جس کے بدلہ میں پروردگار اس کی خطائیں اور غلطیاں معاف فرمائے گا۔ [2] مصابیح کے الفاظ یہ ہیں مَنْ اَقَالَ مُسْلِمًا صَفْقَۃً کَرِھَھَا اَقَالَ اللہُ عَثْرَتَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۔ یہ مصنف مصابیح پر اعتراض ہے کہ انہوں نے یہاں ابوداؤد ابن ماجہ کی روایت متصل ہوتے ہوئے روایت مرسل کا ذکر کیا، متصل کو چھوڑ دیا۔ [3] یعنی جب خریدار نے اس زمین میں کنواں یا بنیاد کھودی تو اس میں دفینہ پایا، کان و دفینہ مل جانے کے احکام کتب فقہ میں دیکھئے۔ [4] سبحان اللہ کیسے ایماندار لوگ تھے، خریدار کہہ رہا ہے کہ میں نے صرف زمین خریدی ہے اور یہ سونا زمین میں نہیں یہ تیرا ہے، بائع کہتا ہے کہ زمین کی فروخت میں اس کے اندر کی تمام چیزیں بک جاتی ہیں، جیسے اسکے اندر کا پانی اور کان وغیرہ لہذا یہ سونا بھی بک گیا اور زمین کی طرح اس کا بھی تو ہی مالک ہو گیا۔ [5] ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص حکومت کا مقرر کردہ حاکم نہ تھا بلکہ ان کا اپنا مقرر کردہ پنچ تھا اور ہو سکتا ہے کہ حاکم ہی ہو، مرقات نے فرمایا کہ بعض محدثین کے خیال میں یہ حاکم داؤد علیہ السلام تھے واللہ اعلم۔

وَلَدٌ فَقَالَ اَحَدُهُمَا لِیْ غُلَامٌ وَقَالَ الْاٰخَرُ لِیْ جَارِیَةٌ فَقَالَ اَنْكِحُوا الْغُلَامَ الْجَارِیَةَ وَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِمَا مِنْهُ وَتَصَدَّقُوْا مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ ؛

بَابُ السَّلَمِ وَالرَّهْنِ ؛

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ ؛

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةَ وَهُمْ یُسْلِفُوْنَ فِی الثِّمَارِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَیْنِ وَالثَّلٰثَ فَقَالَ مَنْ اَسْلَفَ فِیْ شَیْءٍ فَلْیُسْلِفْ فِیْ كَیْلٍ مَعْلُوْمٍ وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ اِلٰی اَجَلٍ مَعْلُوْمٍ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ ؛ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِشْتَرٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

کیا تم دونوں کے اولاد ہے تو ان میں سے ایک بولا کہ میرے لڑکا ہے تو دوسرا بولا میرے لڑکی ہے شیخ نے کہا لڑکے کا لڑکی سے نکاح کردو اور ان پر خرچ اور بچا ہوا خیرات کردو[1] (مسلم،بخاری)؛ سلم اور گروی کا باب[2] ؛ پہلی فصل ؛ روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہ لوگ ایک سال دو سال تین سال تک بیع سلم کرتے تھے[3] تو حضور انور نے فرمایا جو کسی چیز میں بیع سلم کرے وہ مقرر پیمانے اور وزن مقرر میں معین مدت تک سلم کرے[4] (مسلم،بخاری)؛ روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] وَتَصَدَّقُوْا یا اَنْفِقُوْا کا بیان ہے یا علیحدہ حکم یعنی ان بچوں پر سارا خرچ کرو جس میں صدقہ کا ثواب ملے گا یا کچھ ان پر خرچ کرو کچھ فقراء پر(حاشیہ مشکوۃ) خیال رہے کہ دفینہ کے یہ احکام ہمارے دین میں نہیں،ہمارے ہاں دفینہ اگر کفار کا ہے تو اس کا اور حکم ہے،اور اگر مسلمانوں کا ہے تو اور حکم،رہا یہ فیصلہ کہ کس کا دفینہ ہے،علامات سے کیا جائے گا،تفصیل کتب فقہ میں دیکھئے،اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاضی و حاکم حتی الامکان فریقین میں صلح کی کوشش کرے اور ان کو اچھی بات کا حکم کرے۔[2] سلم کے لغوی معنے ہیں تسلیم یعنے سپرد کرنا،سونپنا،شریعت میں سلم یہ ہے کہ قیمت فی الحال دی جائے،چیز اُدھار ہو،یہ تجارت سات آٹھ شرطوں سے جائز ہے،چونکہ اس بیع میں قیمت فورًا سپرد کی جاتی ہے اس لیے سلم کہلاتی ہے اسے بیع سلف یعنی اُدھار کی بیع بھی کہتے ہیں،کہ مال مبیع اس میں ادھار ہوتا ہے،بیع سلم کا ثبوت قرآن شریف سے بھی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے "اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاكْتُبُوْهُ" یہاں بیع سلم مراد ہے،رہن کے معنی ہیں حبس یعنی قید کرنا،روکنا،شریعت میں گروی کو رہن کہتے ہیں،جس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کے حق کی وجہ سے اپنی کوئی چیز حقدار کے پاس رکھ دی جائے،کہ جب یہ شخص حقدار کا حق ادا کرے اپنی چیز لے لے،رہن کا ثبوت قرآن شریف سے بھی ہے،حدیث شریف سے بھی،چنانچہ رب تعالٰی فرماتا ہے "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے کچھ قرض لیا،اور اپنی زرہ اس کے پاس گروی رکھی حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت وہ زرہ گروی ہی تھی جو جناب صدیق اکبر نے چھڑائی(اشعہ و لمعات)۔[3] اس طرح کہ دانے پھل سال دو سال کے اُدھار پر خریدتے تھے کہ قیمت آج دے دی،اور دانے یا پھل سال دو سال کے بعد لیں گے،ظاہر یہ ہے کہ دانے اور پھل ایسے ہوتے تھے جو سال بھر تک بازار میں ملتے رہیں،کیونکہ بیع سلم میں یہ بھی شرط ہے کہ وہ چیز عقد کے وقت سے ادا کے وقت تک بازار میں ملتی رہے۔[4] اس حدیث سے بیع سلم کی تین شرطیں معلوم ہوئیں،خریدی چیز کا وزن معلوم ہونا،پیمانہ معلوم ہونا،وقت ادا مقرر ہونا،احناف کے ہاں تقرر مدت بیع سلم کی شرط ہے،امام شافعی کے ہاں نہیں،لہذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے باقی شرائط چیز کی ذات و صفت کا معلوم ہونا،ادا کی جگہ مقرر ہونا،وقت ادا تک چیز کا بازار میں ملنا دوسری احادیث و دلائل سے معلوم ہوگا۔

طَعَامًا مِنْ يَهُودِيٍّ إِلَى أَجَلٍ وَرَهَنَهُ دِرْعًا لَهُ مِنْ حَدِيدٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۞ وَعَنْهَا قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهُ مَرْهُونَةٌ عِنْدَ يَهُودِيٍّ بِثَلٰثِينَ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۞ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهٖ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهٖ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَعَلَى الَّذِي

ایک یہودی سے لہ غلہ ادھار میعاد معین تک کیلئے خریدا اور اپنی لوہے کی زرہ اس کے پاس گروی رکھی ۲ (مسلم بخاری) روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں وفات پائی کہ آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جَو کے عوض گروی تھی ۳ (بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سواری گروی ہو تو اسکے خرچ کے عوض اس پر سوار ہوا جاسکتا ہے اور جب جانور گروی ہو تو اس کا دودھ خرچ کے عوض پیا جاسکتا ہے ۴ اور سوار ہونے

لہ اس یہودی کا نام ابوشحم تھا. قبیلہ بنی ظفر سے تھا. یا تو اس وقت صرف اسی کے پاس غلہ تو جو تھے. کسی صحابی کے پاس ضرورت سے زائد نہ تھے یا حضرات صحابہ حضور انور سے گروی لینے پر ہرگز تیار نہ تھے. اور گروی رکھنا ضروری تھا تاکہ آئندہ اس گروی کے مسائل لوگوں کو معلوم ہوسکیں اسی لیے یہودی سے قرض لیا اور اُسے گروی دیا. حضور انور نے ابوشحم سے کچھ جو اُدھار لیے تھے. جیسا کہ دوسری روایات میں ہے. ۲ اس واقعہ سے بہت سے احکام شرعیہ معلوم ہوئے. کفار سے خرید و فروخت اور قرض کا لین دین جائز ہے. اگرچہ اُن کی آمدنی خالص حلال نہیں, وہ شراب وسُور کی بھی تجارتیں کرتے ہیں سُود کا کاروبار بھی کرتے ہیں. ہر حلوہ آمدنی والے کا یہی حکم ہے. حضور انور نے دنیا میں زہد وقناعت اختیار کی. جنگی سامان کفار کے ہاں گروی رکھنا درست ہے اگرچہ بحالت جنگ اُن کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا ممنوع ہے. ذمی کفار اپنے مال واسباب کے شرعی مالک ہیں. رہن گھر میں بھی درست ہے قرآن کریم میں رہن رکھنے کے لیے جو سفر کی قید ہے کہ وَإِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ الخ یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں. خیال رہے کہ کفار کے ہاتھ قرآن شریف یا مسلمان غلام فروخت کرنا ممنوع ہے. دین میں میعاد مقرر ہونی چاہیے تاکہ جھگڑا نہ پڑے (مرقات). ۳ یا تو یہ وہی واقعہ ہے جو ابھی مذکور ہوا یا یہ دوسرا واقعہ ہے. یہ زرہ حضرت ابوبکر صدیق نے چھوڑائی اور حضرت علی کو مرحمت فرمادی (مرقات) اور حضور انور کے تمام وعدے وقرض حضرت صدیق اکبر نے ادا کیے. وہ جو روایت میں آتا ہے کہ مقروض میت کی روح ادائے قرض سے پہلے پھنسی رہتی ہے یہ اس صورت میں ہے کہ میت نے بلاضرورت قرض لیا ہو یا ناجائز کام کے لیے یا اس کی نیت ادا کی نہ ہو لہٰذا اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں. ایک صاع ساڑھے چار سیر کا ہوتا ہے. تو کل ۱۳۵ سیر جو ہوئے یعنی تین من پندرہ سیر ۴ جمہور علماء کے نزدیک اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ مالک یعنی مقروض اپنی گروی چیز کا خرچہ برداشت کرے اور اُس سے نفع حاصل کرسکتا ہے. لہٰذا گروی بھینس یا گھوڑے کا خرچ مالک یعنے مقروض دیگا. اور دودھ یا سواری کا حق بھی مقروض ہی کو ہوگا. اس صورت میں حدیث ظاہر ہے. اگر یہ مطلب ہو کہ قرضخواہ گروی پر خرچ کرے. اور اس کے دودھ سواری سے فائدہ اٹھائے تو احادیث ربٰو سے یہ حدیث منسوخ ہے کہ جو قرض نفع کا ذریعہ ہو وہ حرام ہے. امام احمد واسحاق اس حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ قرضخواہ رہن. نفع بھی اٹھائے. اس پر خرچ بھی کرے. وہ بھی صرف سواری ودودھ کی اجازت دیتے ہیں. باقی منافع حاصل کرنا اُن کے ہاں بھی حرام ہے. مگر اُن کا یہ قول ضعیف بھی ہے اور جمہور علماء و احادیث ربٰو کے خلاف بھی. کیونکہ اُن کے ہاں بھی اگر مرہون غلام قرضخواہ کے قبضہ میں فوت ہوجائے تو اُس کا کفن دفن مالک پر ہے نہ کہ قرض خواہ پر.

يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۝ اَلْفَصْلُ الثَّانِي ۝ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَغْلَقُ الرَّهْنُ الرَّهْنَ مِنْ صَاحِبِهِ الَّذِيْ رَهَنَهٗ لَهٗ غُنْمُهٗ وَعَلَيْهِ غُرْمُهٗ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ مُرْسَلًا وَرُوِيَ مِثْلُهٗ اَوْ مِثْلُ مَعْنَاهُ لَا يُخَالِفُهٗ عَنْهُ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ مُتَّصِلًا ۝ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمِكْيَالُ مِكْيَالُ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَالْمِيْزَانُ مِيْزَانُ اَهْلِ مَكَّةَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ ۝ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِ الْكَيْلِ وَالْمِيْزَانِ اِنَّكُمْ قَدْ وُلِّيْتُمْ اَمْرَيْنِ هَلَكَتْ فِيْهِمَا الْاُمَمُ السَّابِقَةُ

والے اور دودھ پینے والے کے ذمہ خرچ ہے ۱؎ (بخاری) دوسری فصل روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گروی رکھنا مرہون چیز کو اس کے گروی رکھنے مالک سے نہیں روکتا ۲؎ اس کیلئے اس مرہون کا نفع ہے اور اس ہی پر مرہون کا تاوان ۳؎ (شافعی مرسلًا) اور اس کی یا اس کے معنی کی مثل جو مذکورہ حدیث کے خلاف نہیں سعید ابن مسیب نے متصلًا مروی ہے وہ ابوہریرہ سے ۴؎ روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیمانے تو مدینہ والوں کے ہیں اور ترازو مکہ والوں کے ۵؎ (ابوداؤد،نسائی) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماپ و تول والوں سے تم ایسی دو چیزوں کے ذمہ دار بنائے گئے ہو ۶؎ جن میں تم سے پہلی امتیں ہلاک ہوچکی

۱؎ اگر مقروض اس گروی کا دودھ وغیرہ استعمال کرے، تو خرچہ اس کے ذمہ اور اگر قرضخواہ اس کی یہ چیزیں نہ دے، تو رہن کی آمدنی سے اس کے یہ خرچ پورے کیے جائیں، اگر آمدنی بچ رہے تو وہ قرضخواہ کے پاس امانت ہے جو ادائے قرض کے وقت دی جائے، اور اگر خرچ بڑھ جائے تو قرض میں شمار ہوگا، جب مقروض قرض اور یہ خرچ ادا کریگا تب اپنی چیز واپس لے گا۔ ۲؎ لا یغلق باب افعال کا مضارع معروف ہے، پہلا رہن مصدر ہے دوسرا بمعنی مرہون یعنی کسی چیز کا گروی رکھ دینا مرہون چیز کو مالک مقروض سے روکتا نہیں، بلکہ اس راہن کو اس مرہون کے استعمال کا حق ہے۔ ۳؎ یعنی گروی چیز کے منافع مالک کے ہوں گے اور اس کے تمام مصارف مالک ہی پر ہوں گے وہ رہن قرضخواہ کے پاس بطور امانت مقبوض رہیگا یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے کہ مالک راہن مرہون کے نفعے حاصل کریگا اور اس پر ہی اس کے خرچے ہوں گے مرتہن یعنی قرضخواہ کو نفع لینے کا حق ہے نہ اس پر خرچ، یہ ہی جمہور علماء اسلام کا مذہب ہے اور یہ حدیث ان کی مؤید ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رہن پر قرضخواہ کا قبضہ تو ضروری ہے مگر قبضہ کا دوام ضروری نہیں مالک کچھ دیر کے لیے قرضخواہ سے مرہون لے سکتا ہے کہ بغیر لیے اس سے نفع کیسے اٹھائیگا۔ ۴؎ روی معروف ہے اور اس کے فاعل امام شافعی ہیں ہو سکتا ہے کہ مجہول ہو اور مثلہ نائب فاعل مطلب یہ ہے کہ مصابیح میں تو مرسل مروی ہے اور امام شافعی نے متصل اسناد سے بھی روایت فرمائی عن سعید ابن مسیب عن ابی ہریرہ۔ ۵؎ یعنی شرعی احکام میں جہاں وزن ضروری ہے تو مکہ والوں کا وزن معتبر کہ وہ لوگ عمومًا تاجر ہیں، انہیں دن رات وزن سے کام رہتا ہے اور جہاں ناپ ضروری ہے، تو مدینہ والوں کے ناپ کا اعتبار ہے کہ یہ لوگ عمومًا کاشتکار ہیں، انہیں ناپنے کا کام رہتا ہے دیکھو زکوۃ چاندی سونے کے وزن پر ہے اور وزن سے ہے تو اس میں مکہ والوں کا وزن لو اور فطرہ میں ناپ کا اعتبار ہے، تو مدینہ والوں کا ناپ ملحوظ۔ ۶؎ ظاہر یہ ہے کہ ان دو چیزوں سے مراد ناپ تول ہیں جیسا کہ ترجمہ باب سے ظاہر ہے بعض شارحین نے ان دو سے مراد نماز و جہاد لیا مگر یہ خلاف ظاہر ہے ورنہ حدیث اس باب میں نہ لائی جاتی (لمعات)

قَبْلَكُمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ❊ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ ❊ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَسْلَفَ فِيْ شَيْءٍ فَلَا يَصْرِفْهُ اِلٰى غَيْرِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّقْبِضَهٗ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ ❊ بَابُ الْاِحْتِكَارِ ❊ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ ❊ عَنْ مَعْمَرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَتْ اَمْوَالُ بَنِي النَّضِيْرِ فِيْ بَابِ الْفَيْءِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى ❊ اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ ❊ عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَّالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ

ہیں [1] (ترمذی) ❊ تیسری فصل ❊ روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی چیز کو بیع سلم سے خریدے تو اسے قبضہ سے پہلے دوسرے کو نہ دے [2] (ابوداؤد، ابن ماجہ) غلہ روکنے کا باب [3] ❊ پہلی فصل ❊ روایت ہے حضرت معمر سے [4] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غلہ روکے وہ خطا کار ہے [5] (مسلم) اور ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث کہ بنی نضیر کے مال کا ان شاء اللہ تعالٰی باب الفئی میں ذکر کریں گے ❊ دوسری فصل ❊ روایت ہے حضرت عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں غلہ لانے والا روزی دیا جائے گا روکنے والا لعنتی ہے [6] (ابن ماجہ)

[1] ان اُمتوں سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی اُمت ہے جو تول و ناپ میں بے ایمانی کرتے تھے، کہ لیتے تھے زیادہ، دیتے تھے کم کیونکہ وہ اُمت بڑی جماعت تھی، اسلیے انہیں امم جمع فرمایا گیا۔ [2] یہ حکم اس قاعدہ کی بنا پر ہے کہ کسی چیز کی فروخت قبضہ سے پہلے جائز نہیں، صرف سے مراد ہے چیز منتقل کرنا ہے یعنی بیع سلم میں خریدار مسلم فیہ یعنی خریدی چیز کو قبضہ سے پہلے دوسرے کی طرف منتقل نہیں کر سکتا، نہ بیع سے نہ ہبہ یا صدقہ سے، یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ بیع سلم میں خریدار کسی اور چیز سے تبادلہ نہیں کر سکتا مثلًا بائع گندم خریدے تھے اور قبضہ سے پہلے جو سے تبادلہ کرے یہ ناجائز ہے۔ [3] احتکار حکرہ سے بنا بمعنے ظلم و بد صحبتی، شریعت میں انسان یا جانور کی غذاؤں کا ذخیرہ کر لینا احتکار کہلاتا ہے تنگی کے زمانہ میں احتکار ناجائز ہے، فراخی میں جائز یعنی اگر انسان یا جانور بھوکے مر رہے ہیں، بازار میں یہ چیزیں ملتی نہیں مگر یہ ظالم اور زیادہ مہنگائی کے انتظار میں اشیاء ضرورت کا ذخیرہ کیے بیٹھا ہے، یہ مجرم ہے، ممانعت کی تمام حدیثوں میں احتکار سے یہی مراد ہے مطلقًا ذخیرہ کرنا حرام نہیں ورنہ مسلمان غلہ بھوسہ وغیرہ کی تجارت نہ کرسکیں گے (اشعہ و مرقات) [4] آپ معمر ابن عبداللہ صحابی ہیں، قرشی عدوی ہیں، قدیم الاسلام ہیں، پہلے حبشہ کی جانب ہجرت کی پھر وہاں سے مدینہ طیبہ کی طرف، وہیں عمر گذاری، ان کے علاوہ بہت سے تابعین، تبع تابعین کا نام معمر ہے، جن میں معمر ابن راشد بہت مشہور ہیں، ظاہر یہ ہے کہ یہاں معمر صحابی مراد ہیں، اور حدیث متصل ہے، اور ہوسکتا ہے کہ معمر تابعی مراد ہوں اور حدیث مرسل ہو (اشعہ)۔ [5] یعنی گنہگار، امام مالک نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ مطلقًا مال کا ذخیرہ کرنا ناجائز ہے، مال غذا کی قسم کا ہو یا اور، باقی جمہور ائمہ کے ہاں صرف غذاؤں کا روکنا منع ہے وہ بھی صرف تنگی کے زمانہ میں اگر اس کے روکنے سے بازار پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور چیز عمومًا مل رہی ہے تو بلا کراہت جائز ہے (مرقات)۔ [6] یعنی جو تاجر باہر سے شہر میں غلہ لائے جس کی وجہ سے یہاں کا قحط دور ہوجائے اللہ اسے روزی دے، اور جو تنگی

وَالدَّارِمِیُّ۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ غَلَا السِّعْرُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَعِّرْ لَنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَاِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَلْقٰى رَبِّيْ وَلَيْسَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ يَطْلُبُنِيْ بِمَظْلَمَةٍ بِدَمٍ وَّلَا مَالٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ۔ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ۔ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ

(دارمی)۔ روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھاؤ چڑھ گئے تو صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ بھاؤ مقرر فرمادیجئے [1] تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھاؤ مقرر فرمانیوالا اللہ ہے وہ ہی تنگی و فراخی فرمانیوالا روزی رساں ہے [2] میری آرزو ہے کہ اپنے رب سے اس طرح ملوں [3] کہ تم میں سے کوئی مجھ سے خونی یا مالی ظلم کا مطالبہ نہ کر سکے [4] (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) تیسری فصل۔ روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں میں نے

کو ذخیرہ کرکے قحط پیدا کردے اس پر خدا کی پھٹکار ہو، اور ہو سکتا ہے کہ یہ خبر ہو یعنی غلہ لانے والے کو برکتیں ملیں گی اور ذخیرہ والا لعنتی ہی مرے گا۔

[1] یعنی دن بدن گرانی بڑھتی جارہی ہے، آپ ہر چیز پر کنٹرول (CONTROL) فرماتے ہوئے بھاؤ مقرر فرمادیں کہ کوئی شخص اس سے زیادہ بھاؤ پر فروخت نہ کرسکے تاکہ خریداروں کو آسانی ہو، جیسا کہ آجکل حکومتیں کرتی رہتی ہیں۔ [2] یعنی بھاؤ کا اتار چڑھاؤ گرانی و ارزانی رب کی طرف سے ہے یہ قدرتی چیز ہے جو انسان کی تدبیر سے دفع نہیں ہوسکتی اس کے لیے رب سے دعائیں مانگو کہ وہ رحم کرے، ارزانی بھیجے، سبحان اللہ کیا پیارا فرمان ہے تجربہ شاہد ہے کہ کنٹرول (CONTROL) سے ارزانی نہیں ہوتی گرانی بڑھ جاتی ہے کہ پھر تاجر بلیک (BLACK) سے دوگنی تگنی قیمت پر فروخت کرتے ہیں بلکہ کبھی چیز ناپید ہوجاتی ہے بھلا جس چیز کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے رد فرمادیا ہو وہ مفید کب ہوسکتی ہے۔ [3] یعنی میری وفات اس حال میں ہو، یا قیامت میں اس طرح اٹھوں کہ کسی بندہ کا مجھ پر کوئی حق نہ ہو، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو رب سے اتنے قریب ہیں اور رب سے ایسے ملے ہوئے ہیں کہ جو ان سے مل جائے وہ رب سے مل جاتا ہے، رب فرماتا ہے کہ اگر مجرم آپ کے دروازہ پر آکر استغفار کریں تو رب کو پالیں گے حضرت حسان رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں، شعر

ضَمَّ الْاِلٰهُ اِسْمَ النَّبِيِّ بِاِسْمِهٖ　　＊　　اِذْ قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْهَدُ

یعنے رب نے ان کے نام کو اپنے نام کے ساتھ اذان و کلمہ وغیرہ میں ملالیا ہے، ہم نے عرض کیا ہے، شعر

وہ رب کے ہیں رب ان کا ہے جو ان کا ہے وہ رب کا ہے　　＊　　بے ان کے جو رب سے ملا چاہے دیوانہ ہے سودائی ہے

بہرحال رب سے ملنے سے مراد وفات یا قیامت میں اٹھنا ہے۔ [4] معلوم ہوا کہ چیزوں پر کنٹرول کرنا، ان کے بھاؤ مقرر کردینا تاجروں پر بھی ظلم ہے اور خریداروں پر بھی، تاجروں پر اس لیے کہ جب انہیں وہ چیز اس بھاؤ پڑتی نہیں تو وہ بیچیں گے کیوں کہ اگر حکومت جبرًا سستی بکوادے، تو یہ دوسرے کے مال میں ناحق تصرف ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تاجر بیوپار چھوڑ دیں گے اور لوگ بھوکے مریں گے، جیسا کہ اب بھی مشاہدہ ہو رہا ہے، ہاں اگر حکومت خود تجارت کرے یا تاجروں کو مناسب بھاؤ پر مہیا کر کے دے، پھر فروخت کا بھاؤ مقرر کردے، جس سے تاجروں کو نقصان نہ ہو اور چیز ناپید نہ ہو تو جائز ہوسکتا ہے، اس کی تفصیل اسی جگہ لمعات شرح مشکوٰۃ میں ملاحظہ فرمایئے، کچھ مرقات نے بھی اس پر روشنی ڈالی ہے، خریداروں پر اس لیے کہ جب

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ احْتَكَرَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ طَعَامَهُمْ ضَرَبَهُ اللّٰهُ بِا
لْجُذَامِ وَالْاِفْلَاسِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَرَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهٖ. وَعَنِ
ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا يُرِيْدُ بِهِ
الْغَلَاءَ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ اللّٰهِ وَبَرِئَ اللّٰهُ مِنْهُ رَوَاهُ رَزِيْنٌ. وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بِئْسَ الْعَبْدُ الْمُحْتَكِرُ اِنْ اَرْخَصَ اللّٰهُ الْاَسْعَارَ حَزِنَ وَاِنْ اَغْلَاهَا فَرِحَ
رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَرَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهٖ. وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

رسول اللہ کو فرماتے سنا کہ جو مسلمانوں پر ان کی روزی (غلہ) روکے [1] اللہ اسے کوڑھ اور مفلسی میں مارے [2]
(ابن ماجہ، بیہقی شعب الایمان اور رزین نے اپنی کتاب میں) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے
ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چالیس دن غلہ روکے [3] کہ اسکے مہنگے ہونے کا انتظار کرے [4] تو وہ
اللہ سے دور ہوگیا اور اللہ اس سے بیزار ہوگیا [5] (رزین) روایت ہے حضرت معاذ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا غلہ روکنے والا بندہ بہت برا ہے کہ اگر اللہ بھاؤ سستے کرے تو رنجیدہ ہو اور اگر مہنگے کرے تو خوش [6]
(بیہقی شعب الایمان اور رزین اپنی کتاب میں) روایت ہے حضرت ابو امامہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

تاجر کنٹرول کی وجہ سے مال باہر سے لانا چھوڑ دیں گے تو خریدار مال کہاں سے حاصل کریں گے، شہر میں قحط پڑ جائے گا یا پھر بلیک (BLACK) ہو کر مال
بہت ہی گراں ملے گا، جیسا کہ آج دیکھا جا رہا ہے۔ [1] ان کی روزی فرمانے میں اشارۃً فرمایا کہ احتکار مطلقًا ممنوع ہے، مگر مسلمانوں پر احتکار زیادہ برا کہ مسلمان کو تکلیف
دینا دوسروں کو تکلیف دینے سے بدتر ہے۔ [2] حق یہ ہے کہ یہ جملہ خبر نہیں بلکہ بددعا ہے گویا محتکر یعنے غلہ ذخیرہ کرکے لوگوں کو بھوکا مارنے والا نبی کی
بددعا کا مستحق ہے اور اس کے برعکس مسلمانوں پر وسعت کرنے والا نبی کی دعا کا حقدار ہے۔ [3] چالیس دن کا ذکر حد بندی کے لیے نہیں، تاکہ اس سے کم احتکار جائز
ہو، بلکہ مقصد یہ ہے کہ جو احتکار کا عادی ہو جائے اس کی یہ سزا ہے۔ چالیس دن کوئی کام کرنے سے عادت پڑ جاتی ہے، اس لیے چالیس دن نماز باجماعت
کی تکبیر اولیٰ پانے کی بڑی فضیلت ہے، کہ اتنی مدت میں وہ جماعت کا عادی ہو جائے گا۔ [4] ہر جگہ احتکار میں یہی قید ہے کہ غلہ کی گرانی کے لیے اس کا ذخیرہ کرنا
ممنوع ہے، وہ بھی جبکہ لوگ تنگی میں ہوں اور یہ بہت زیادہ گرانی کا انتظار کرے کہ خوب نفع سے بیچے۔ [5] یہ فرمان عالی شان انتہائی غضب کا ہے، جو بادشاہ
کی حفاظت سے نکل جائے اس کا حال کیا ہوتا ہے، جو چاہے اس کا مال لوٹ لے، جو چاہے اس کا خون کردے، جو چاہے اس کے زن و فرزند کو ہلاک کردے، تو جو
رب تعالیٰ کی امان و عہد سے نکل گیا اس کی بدحالی کا اندازہ نہیں ہو سکتا، لہٰذا یہ ایک جملہ ہزارہا عذابوں کا پتہ دے رہا ہے، رب تعالیٰ محفوظ رکھے، یہ حدیث احمد و حاکم نے
کچھ فرق کے ساتھ حضرت ابوہریرہ سے روایت فرمائی۔ [6] اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی تکلیف پر خوش ہونا اور ان کی خوشی پر ناراض ہونا لعنتی آدمیوں کا کام ہے،
خوشی و غم میں مسلمانوں کے ساتھ رہنا چاہیے، غلہ کے ناجائز بیوپاریوں کا عام حال یہی ہے کہ ارزانی سن کر ان کا دل بیٹھ جاتا ہے، گرانی کے لیے ناجائز عمل کرتے
ہیں، الٹے وظیفے پڑھتے ہیں، لوگوں سے قحط کی دعائیں کراتے ہیں نعوذ باللہ، وقت پر بارش ہو تو ان کے گھر صف ماتم بچھ جاتی ہے۔

وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهٖ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كَفَّارَةً رَوَاهُ رَزِيْنٌ ؛

بَابُ الْاِفْلَاسِ وَالْاِنْظَارِ : اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ ؛ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا رَجُلٍ اَفْلَسَ فَاَدْرَكَ رَجُلٌ مَالَهٗ بِعَيْنِهٖ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ مِنْ غَيْرِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ؛ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ اُصِيْبَ رَجُلٌ فِيْ عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ثِمَارٍ ابْتَاعَهَا فَكَثُرَ دَيْنُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوْا عَلَيْهِ فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ وَفَاءَ دَيْنِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِغُرَمَائِهٖ

وسلم نے فرمایا جو چالیس دن غلہ روکے [۱] پھر وہ سارا غلہ خیرات بھی کردے تب بھی اس کا کفارہ نہ ہوگا [۲] (رزین)؛ باب دیوالیہ کرنا اور مہلت دینا [۳] ؛ پہلی فصل ؛ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دیوالیہ ہوجائے [۴] پھر کوئی شخص اپنا مال بعینہٖ اسی طرح پالے [۵] تو دوسروں سے زیادہ حقدار اس کا یہ ہی ہوگا [۶] (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ پھلوں میں جو اس نے خریدے تھے گھاٹے میں پڑگیا تو اس پر بہت قرض ہوگیا [۷] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر صدقہ کرو لوگوں نے اسے صدقہ دیا مگر صدقہ اس کے ادائے قرض تک نہ پہنچ سکا [۸] تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا جو پاؤ

[۱] چالیس دن فرمانے کی حکمتیں ابھی عرض کی جاچکیں، ہوسکتا ہے کہ چالیس دن سے کم احتکار کرنے والے کا یہ حکم نہ ہو کہ ابھی یہ گناہ اس کی طبیعت میں پختہ نہ ہوا۔

[۲] یعنی اگرچہ اس صدقہ کا ثواب پائے گا، مگر یہ ثواب اس گناہ کا کفارہ نہ ہوسکے گا جو غلہ روکنے سے ہوا۔ یہ حدیث ابن عساکر نے حضرت معاذ سے کچھ لفظی فرق کے ساتھ روایت فرمائی۔

[۳] افلاس فلس بمعنی پیسہ کا مصدر ہے ہمزہ سلب کی ہے لہذا اس کے معنی ہوئے پیسہ نہ رہنا، ہوسکتا ہے کہ ہمزہ تصییر کی ہو یعنی اس کے پاس روپیہ اشرفیوں کی بجائے پیسے بن جانا یا پیسے رہ جانا۔ انظار نظرہ سے بنا بمعنی ڈھیل یا مہلت دینا یعنی مقروض کا دیوالیہ ہوجانا اور اس کو قرضخواہوں یا حکومت کی طرف سے مہلت دینا کہ مال حاصل ہونے پر ادا کرے، ابھی اس پر تقاضا نہ ہو، یہ حکم قرآن کریم سے حاصل ہوا فرماتا ہے، وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ اس مہلت دینے کا بڑا اجر و ثواب ہے۔

[۴] امام شافعی علیہ الرحمۃ کے ہاں من عام ہے جس میں ساری قسم کے دیوالیہ داخل ہیں، مگر احناف کے ہاں من سے مراد وہ خریدار ہے جو تاجر سے اُدھار خرید کر لایا، پھر دیوالیہ ہوگیا، اس فرق مطلب کی وجہ سے ان دونوں اماموں میں بڑا اختلاف ہے جیسا کہ آئندہ ذکر ہوگا۔

[۵] بعینہٖ پانے سے مراد یہ ہے کہ نہ تو ذاتًا وہ مال فنا ہوا ہو نہ صفاتًا، کہ نہ تو وہ چیز دیوالیہ نے خرچ کرکے فنا کردی ہو، نہ اسے وقف یا ہبہ یا بیع کردیا ہو، اگر ایسا کرچکا ہے تو اس کا یہ حکم نہیں۔

[۶] امام شافعی کے ہاں اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اگر دیوالیہ کے پاس کسی کو اپنا مال مل جائے تو وہ اپنا مال لے لے، دوسرے قرضخواہ اس میں شریک نہ ہوں گے یہ مال کسی قسم کا بھی ہو، ہمارے احناف کے ہاں اس سے صرف یہ صورت مراد ہے کہ کسی شخص نے کسی سے کوئی چیز بشرط خیار خریدی کہ خیار بائع کو تھا اچانک خریدار دیوالیہ ہوگیا تو اب بائع اپنا خیار استعمال کرکے چیز واپس لے سکتا ہے اور اگر اس مال کی کچھ قیمت بھی لے چکا ہے، تو بقدر قیمت وضع کرکے باقی چیز واپس لے سکتا ہے اس کے علاوہ اور کسی صورت میں یہ مال نہیں لے سکتا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ ہی فیصلہ فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ ہی منقول ہے

خُذُوْا مَا وَجَدْتُمْ وَلَیْسَ لَکُمْ اِلَّا ذٰلِکَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۞ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَ رَجُلٌ یُدَایِنُ النَّاسَ فَکَانَ یَقُوْلُ لِفَتَاهُ اِذَا اَتَیْتَ مُعْسِرًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یَّتَجَاوَزَ عَنَّا قَالَ فَلَقِیَ اللّٰهَ فَتَجَاوَزَ عَنْهُ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ ۞ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یُّنْجِیَهُ اللّٰهُ مِنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلْیُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ اَوْ یَضَعْ عَنْهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۞ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

وہ لے لو تمہیں اس کے سوا کچھ نہ ملے گا ۱۱؎ (مسلم) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے نوکر سے اس نے کہہ رکھا تھا ۳؎ کہ جب تو کسی تنگ دست کے پاس تقاضا کو جائے تو اسے معاف کردے ۴؎ ہوسکتا ہے کہ اللہ ہم کو معافی دے دے فرمایا کہ وہ اللہ سے ملا تو رب نے اس سے درگزر فرمائی ۵؎ (مسلم،بخاری) روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چاہے اسے روز قیامت کی تکالیف سے نجات دے ۱؎ تو چاہیے کہ وہ تنگدست کو مہلت دے یا معافی ۲؎ (مسلم) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

مرقات، یہ اختلاف خیال میں رہے۔ ۸؎ یعنی اس نے بہت باغ والوں سے قرض پھل خریدے، پھر یا تو پھل یکدم ارزاں ہوگئے کہ ان کا بھاؤ بہت گر گیا یا پھل خراب ہوگئے، دیوالیہ ہوگیا، ان کا قرض ادا نہ کرسکا، نہ اس کے مال کی قیمت سے ہی ان کا قرض ادا ہوسکتا تھا، دیوالیہ اسی کو کہتے ہیں ۹؎ یعنی لوگوں نے اسے صدقات وخیرات بھی حتی الامکان دیئے، مگر قرض اتنا زیادہ تھا کہ اس کا مال اور یہ صدقات مل کر بھی ادا نہ ہوسکا تھا، صدقہ کا یہ حکم استحبابی تھا، معلوم ہوا کہ دیوالیہ کو صدقہ دینا بہتر ہے، کسی مسلمان کی گردن چھوڑنا باعث ثواب ہے، ۱۰؎ یعنی مقروض کی تمام املاک تجارتی مال، جائداد، مکانات وغیرہ جو کچھ اس کی ملک وقبضہ میں ہے، تم لوگ آپس میں بقدر حصہ تقسیم کرلو، اگر تمام املاک قرض کا نصف ہے، تو ہر قرضخواہ اپنا آدھا قرض وصول کرے، اگر قرض کا تہائی ہے تو ہر قرضخواہ اپنا تہائی قرض وصول کرے، جو حضرت امام اعظم کی دلیل ہے کہ کوئی شخص مقروض کے قبضہ سے کسی خاص چیز پر قبضہ نہیں کرسکتا بلکہ قرضخواہوں کے ساتھ بقدر حصہ وصول کریگا۔ ۱۱؎ یعنی اس وقت زیادہ نہ ملے گا اور نہ تم مقروض کو قید و بند کرسکتے ہو، اسے مہلت دو، جب اس کے پاس مال ہوجائے لے لو، یہ مطلب نہیں کہ اب تمہارا بقیہ قرض ملے گا ہی نہیں، مارا گیا یا معاف ہوگیا، خیال رہے کہ اس مقروض کو قید کرایا جاسکتا ہے جس کے متعلق شبہ ہو کہ اس کے پاس مال تو ہے مگر چھپالیا ہے پھر جب اس کی ناداری معلوم ہوجائے تو اسے قید نہیں کیا جاسکتا۔ ۳؎ نوکر سے وہ نوکر مراد ہے جو مقروضوں سے تقاضا کرنے کو مقرر تھا جیسا کہ عام تجار و ساہوکار ایسے لوگ رکھتے ہیں، فتا ساتھی کو بھی کہتے ہیں نوکر و غلام کو بھی اس کے لغوی معنی ہیں جوان۔ ۴؎ یا سارا قرض معاف کردے یا کچھ قرض یا مہلت دیدے کہ جلدی تقاضا نہ کرے، معافی میں یہ سب کچھ داخل ہے ۵؎ کہ اس کے سارے گناہ بخش دے اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ غلام یا نوکر کو قرض وصول کرنے کا وکیل کرسکتے ہیں، دوسرے یہ کہ وکیل کو معافی یا نرمی کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں، تیسرے یہ کہ دعا میں جمع کے صیغے استعمال کرنا بہتر ہے کہ اس نے کہا تھا عنّا کہ اگر ایک کے حق میں دعا قبول ہوگئی تو انشاء اللہ سب کے حق میں قبول ہوجائیگی، چوتھے یہ کہ گزشتہ دین کے احکام ہمارے لیے بھی قابل عمل ہیں جبکہ قرآن یا حدیث میں نقل ہوں (لمعات، مرقات)، پانچویں یہ کہ اپنے مقروض پر مہربانی کرنا اپنی بخشش کا

يَقُوْلُ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَنْجَاهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْ اَبِي الْيُسْرِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْ اَبِيْ رَافِعٍ قَالَ اسْتَسْلَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكْرًا فَجَاءَتْهُ اِبِلٌ مِنَ الصَّدَقَةِ قَالَ اَبُوْ رَافِعٍ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اَقْضِيَ الرَّجُلَ بَكْرَهُ فَقُلْتُ لَا اَجِدُ اِلَّا جَمَلًا خِيَارًا رَبَاعِيًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطِهِ اِيَّاهُ فَاِنَّ خَيْرَ

فرماتے سنا کہ جو تنگدست کو مہلت دے یا معافی ۱؎ تو اللہ اسے روز قیامت کی تکالیف سے نجات دے گا ۲؎ (مسلم) روایت ہے حضرت ابوالیسر سے ۳؎ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کسی تنگدست کو مہلت یا معافی دے ۴؎ تو اللہ اسے اپنے سایہ میں جگہ دے گا ۵؎ (مسلم) روایت ہے حضرت ابورافع سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوان اونٹ قرض لیا ۶؎ پھر آپ کے پاس صدقہ کے اونٹ آئے ابورافع کہتے ہیں کہ مجھے حضور انور نے حکم دیا کہ اس شخص (قرض خواہ) کا اونٹ ادا کردوں ۷؎ میں نے عرض کیا کہ میں تو اس سے اچھا ساتویں دانت والا اونٹ ہی پا رہا ہوں ۸؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے وہ ہی دے دو کہ بہترین شخص

۱؎ تنگدست کی قید لگانے سے معلوم ہوا کہ مقروض جو فراخی ہو مگر نادہندہو، اُسے مہلت نہ دی جائے، وہ خبیث النفس ہے، اُس سے وصول ہی کیا جائے، ۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کی تکالیف سے بچنا چاہو تو لوگوں کو مصائب سے بچاؤ کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ، ۳؎ آپ کا نام کعب ابن عمرو ہے کنیت ابوالیسر انصاری ہے بیعت عقبہ و غزوہ بدر میں شریک ہوئے، آپ ہی نے بدر کے دن حضرت عباس ابن عبدالمطلب کو قید کرکے بارگاہ رسالت میں پیش فرمایا ۵۵ھ میں مدینہ پاک میں وفات پائی وہاں ہی دفن ہوئے (اشعہ) ۴؎ مہلت و معافی میں فرق واضح ہے، مگر دونوں کی جزاء و ثواب یکساں ہے، ۵؎ اپنے سایہ سے مراد عرش اعظم کا سایہ ہے کہ قیامت میں صرف اسی کا سایہ ہوگا وہاں ہی دھوپ اور تپش سے امان ہوگی، مقروض پر آسانی کرنے والا تنہائی میں اپنے گناہ یاد کرکے رونے والا، گناہ کرنے کے ارادہ پر رب کو یاد کرکے ہٹ جانے والا وغیرہ اُس کے سایہ میں ہوں گے ۶؎ ظاہر یہ ہے کہ فقراء پر خیرات کرنے کو قرض لیا، ورنہ آپ صدقہ کے اُونٹ سے ادا نہ فرماتے اور ہوسکتا ہے کہ اپنے لیے قرض لیا ہو پھر صدقہ کا اُونٹ اپنی جیب سے خرید کر ادا قرض کردیا اور وہ قیمت خیرات کردی ہو بکر نوعمر جوان اُونٹ کو کہتے ہیں، اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق کو ابوبکر کہا جاتا ہے کہ آپ جوان اُونٹ پر سواری کرتے تھے (اشعہ) یا اس لیے کہ بکر کے معنی ہیں اول، چونکہ آپ ایمان، صحابیت وغیرہ بہت سے کمالات میں اول ہے لہذا آپ کو ابوبکر یعنی اوّلیت والے کہا گیا ابو بمعنے والا، یہ حدیث امام شافعی و جمہور ائمہ کی دلیل ہے، کہ حیوان کا قرض لینا جائز ہے، ہمارے امام اعظم کے ہاں منع ہے وہ اس حدیث کو منسوخ فرماتے ہیں، ۷؎ اگر فقیر کے لیے قرض لیا تھا تب تو اس کے معنی ظاہر ہیں اور اگر اپنے لیے قرض لیا تھا تو مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا

ذریعہ ہے، ۱؎ کُرَب کاف کے پیش ر کے فتح سے کربۃ کی جمع ہے بمعنے تکلیف، محنت، مشقت، اس لفظ میں قیامت کی دھوپ، پیاس، گھبراہٹ، ملائکہ کی سختی وغیرہ سب کچھ داخل ہے، ۲؎ فلینفس تنفیس سے بنا بمعنے تاخیر کرنا، دیر لگانا، مہلت دینا، وضع سے مراد یا قرض بالکل معاف کردینا، اگر قرضخواہ کی طرف سے وکیل قبض کو اس کی اجازت ہو تو وہ یہ کام کرسکتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ تم بھی رب تعالٰی کے مقروض ہو لہذا اپنے مقروضوں کو معافی یا آسانی دو تم پر اللہ آسانی کرے گا۔

النَّاسِ اَحْسَنُہُمْ قَضَاءً رَوَاہُ مُسْلِمٌ ۞ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَجُلًا تَقَاضٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَغْلَظَ لَہٗ فَھَمَّ اَصْحَابُہٗ فَقَالَ دَعُوْہُ فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا وَاشْتَرُوْا لَہٗ بَعِیْرًا فَاَعْطُوْہُ اِیَّاہُ قَالُوْا لَا نَجِدُ اِلَّا اَفْضَلَ مِنْ سِنِّہٖ قَالَ اِشْتَرُوْہُ فَاَعْطُوْہُ اِیَّاہُ فَاِنَّ خَیْرَکُمْ اَحْسَنُکُمْ قَضَاءً مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ ۞ وَعَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

وہ ہے جو قرض اچھی طرح ادا کرے ۱؎ (مسلم) ۞ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقاضائے قرض کیا تو آپ پر سختی کی ۲؎ صحابہ نے کچھ کرنا چاہا ۳؎ تو حضور نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو کہ حق والے کو کچھ کہنے کا حق ہے ۴؎ اور اس کے لیے اونٹ خرید لو وہ اسے دے دو صحابہ نے عرض کیا کہ ہم تو اس کی عمر سے بہتر ہی پاتے ہیں ۵؎ فرمایا وہ ہی خرید لو اور وہی اسے دے دو کہ تم میں بہترین وہ ہے جو قرض اچھی طرح ادا کرے ۶؎ (مسلم بخاری) ۞ روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کہ صدقہ کے اونٹ کی قیمت فقیر کو دے دی اونٹ قرضخواہ کو عطا فرما دیا جیسے آج ہم قربانی کی کھال کی قیمت خیرات کر دیتے ہیں، اس صدقہ کی فروخت جائز ہے۔ ۵؎ یعنی چھ برس کی عمر والا اونٹ جس کے رباعی دانت اُگ گئے ہوں، رباعی دانت وہ ہیں جو کیلوں کے برابر ہوتے ہیں۔

۱؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ اگر مقروض بغیر شرط لگائے قرض سے کچھ زیادہ دیدے خواہ وصف کی زیادتی ہو یا تعداد میں وہ سود نہیں سود وہ ہے جو قولًا یا عادتًا مشروط ہو، امام مالک کے یہاں غیر مشروط زیادتی عدد بھی حرام ہے، زیادتی وصف درست ہے، دوسرے یہ کہ قرضخواہ کو خوشدلی سے قرض ادا کرے، خیال رہے کہ یہاں حضور انور نے اعلیٰ درجہ کا اونٹ قرضخواہ کو دیا اور اُس کی قیمت اپنی طرف سے فقیر کو دی، لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ صدقہ کا مال اس طرح رعایۃً یا مروت کر کے دینا کیسے درست ہے: متولی کو چاہیے کہ صدقہ کی بہتری کی تدبیر کرے، گویا یہ اونٹ حضور انور نے خود قرض لے کر ادا فرمایا پھر اس کی قیمت صدقہ میں دی (مرقات) ۲؎ یہ سختی کرنے والا قرضخواہ یا تو کوئی یہودی وغیرہ کافر ہوگا یا آداب نا واقف بدوی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام سے خبردار نہ تھے، وہ تو بغیر قرض بھی گفتگو میں بہت سختی کرتے تھے اور حضور انور تحمل فرماتے تھے، ورنہ صحابہ کرام سے یہ سختی ناممکن ہے (لمعات و مرقات) ۳؎ مار پیٹ یا سخت جواب یا بارگاہ عالی سے نکال دینا چاہا ۴؎ یعنی قرضخواہ کو حق ہے کہ اگر مقروض غنی ہو کر ٹال مٹول کرے تو اُس کے خلاف دعویٰ کر دے یا اُسے ظالم خائن کہے یا کہے کہ تو نادہند بہانہ خور ہے۔ خیال رہے کہ یہ قانون نادہند مقروضوں کے لیے ہے جو حضور انور نے اس موقعہ پر بیان فرمایا، ورنہ حضور انور ان تمام ٹال مٹول وغیرہ سے معصوم ہیں ۵؎ یعنی جو اونٹ اُس نے آپ کو قرض دیا تھا وہ کم عمر اور دُبلا تھا، اب بازار سے ایسے دُبلے کم عمر اونٹ نہیں ملتے، اُس سے اچھے موٹے رباعیہ مل رہے ہیں ۶؎ طبرانی، ابن حبان، حاکم، بیہقی نے حضرت زید ابن سعنہ سے روایت کی کہ میں یہود کے بڑے پادریوں میں سے تھا، میں نے حضور انور میں تمام علامات نبوت تو دیکھ لی تھیں دو کی آزمائش کرنا چاہتا تھا ایک حلم دوسرے سختی کے جواب میں نرمی، میں نے حضور انور کو کچھ چھوہارے اُدھار دیئے اور وقت ادا سے دو دن قبل تقاضا کرنے کے لیے آگیا، آپ کی چادر پکڑ کر نہایت سختی سے بولا کہ میرا قرض دو، بنی عبدالمطلب عمومًا نادہند ہوتے ہیں، جناب عمر فاروق نے فرمایا کہ اگر اس آستانہ کا ادب مانع نہ ہوتا تو یہ تلوار تیرے سر پر ہوتی، حضور انور نے فرمایا اے عمر بہتر ہوتا کہ تم مجھے قرض ادا کرنے کا مشورہ دیتے، تم نے الٹا میرے محسن پر سختی کی، حالانکہ

قَالَ مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ فَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلٰى مَلِيٍّ فَلْيَتْبَعْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ تَقَاضٰى ابْنَ أَبِي حَدْرَدٍ دَيْنًا لَهُ عَلَيْهِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتّٰى سَمِعَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي بَيْتِهٖ فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهٖ وَنَادٰى كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ يَا كَعْبُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ فَأَشَارَ بِيَدِهٖ أَنْ ضَعِ الشَّطْرَ مِنْ دَيْنِكَ قَالَ كَعْبٌ قَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ قُمْ فَاقْضِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ كُنَّا

فرمایا غنی کا ٹال مٹول ظلم ہے ۱؎ اور جب تم میں سے کسی کا قرض غنی پر حوالہ کیا جائے تو حوالہ قبول کرلے ۲؎ (مسلم،بخاری) روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے کہ انہوں نے مسجد میں ابن ابی حدرد سے اپنے قرض کا تقاضا کیا ۳؎ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ان کی آوازیں کچھ اونچی ہوگئیں۔ حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر سے سن لیں ۴؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف تشریف لائے حتی کہ اپنے حجرہ شریف کا پردہ اٹھایا اور حضرت کعب ابن مالک کو پکارا فرمایا اے کعب عرض کیا حضور حاضر ہوں آپ نے اپنے ہاتھ شریف سے اشارہ کیا کہ آدھا قرض معاف کردو حضرت کعب نے کہا یارسول اللہ میں نے کردیا۔ فرمایا اٹھو اب ادا کردو ۵؎ (مسلم،بخاری) روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے فرماتے ہیں ہم

قرض ادا کردو اور بیس صاع زیادہ کھجوریں دے دو اس سختی کے عوض جو تم نے اس پر کی ہیں نے کہا اے عمر میں نبوت کی دو علامتوں کا امتحان کررہا تھا میں نے درست پائیں میں پڑھتا ہوں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، یہ تو قرضخواہ کا معاملہ ہے آستانہ عالیہ پر بھیک مانگنے والوں نے سختی سے مانگا ہے اور حضور انور نے انہیں عطائیں بھی دی ہیں اور دعائیں بھی، جیسا کہ بخاری ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں ہے (مرقات)

۱؎ یعنی جس مقروض کے پاس ادائے قرض کے لیے پیسہ ہو پھر ٹالے تو وہ ظالم ہے اسے قرضخواہ ذلیل بھی کرسکتا ہے اور جیل بھی بھجواسکتا ہے، یہ شخص مقروض گنہگار بھی ہوگا،کیونکہ ظالم گنہگار ہوتا ہی ہے۔ ۲؎ حوالہ کے معنی ہیں نقل ذمہ الی ذمہ یعنی اپنا قرض دوسرے کے ذمہ ڈال دینا، اُتْبِعَ باب افعال کا ماضی مجہول ہے یعنی تابع بنایا جائے، مَلِیٌّ بمعنی غنی، جس کی جیب مال سے بھری ہو، یہ امر استحبابی ہے، یعنی اگر تمہارا مقروض تم سے کہے کہ میرا قرض فلاں سے وصول کرلینا اور وہ فلاں بھی قبول کرے تو بہتر ہے کہ اس مقروض کا پیچھا چھوڑ دو اور اس غنی سے ہی وصول کرلو تمہیں تو اپنے قرض سے غرض ہے۔ ۳؎ ان کا نام عبداللہ ابن ابی حدرد ہے کنیت ابو محمد بیعت حدیبیہ اور غزوہ خیبر میں شریک تھے، مسجد سے مراد خارج مسجد ہے کہ داخل مسجد میں دنیاوی کلام ممنوع ہیں۔ ۴؎ حضرت کعب نے کہا ہوگا کہ ابھی قرض دو انہوں نے کہا ہوگا کہ میرے پاس ابھی نہیں، اس سے جھگڑا پیدا ہوگیا ہوگا جیسا کہ عموماً تقاضے کے وقت ہوتا ہے۔ ۵؎ سبحان اللہ کیا نفیس فیصلہ ہے کہ منٹوں میں منٹوں کا جھگڑا طے فرمالیا، اس سے چند مسئلے ثابت ہوئے ایک یہ کہ قرض کی معافی کی صورت میں بقیہ قرض کی ادا فوراً ضروری ہے، دوسرے یہ کہ حدود مسجد میں قرض کا مطالبہ کرنا جائز ہے، تیسرے یہ کہ معافی و رعایت کی سفارش کرنا جائز ہے، چوتھے یہ کہ صلح کرانے والا فریقین کا لحاظ رکھے کہ کچھ اسے دبائے کچھ اسے، پانچویں یہ کہ جائز سفارش قبول کرلینا بہتر ہے، چھٹے یہ کہ اشارہ پر اعتماد کرسکتے ہیں کہ یہ کلام کے قائم مقام ہے، دیکھو حضور انور نے کعب سے قرض کا اشارہ ہی فرمایا (مرقات)

جَلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أُتِيَ بِجَنَازَةٍ فَقَالُوْا صَلِّ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوْا لَا فَصَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ أُتِيَ بِجَنَازَةٍ أُخْرٰى فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قِيْلَ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوْا ثَلٰثَةَ دَنَانِيْرَ فَصَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ أُتِيَ بِالثَّالِثَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوْا ثَلٰثَةُ دَنَانِيْرَ قَالَ هَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوْا لَا قَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ قَالَ أَبُوْ قَتَادَةَ صَلِّ عَلَيْهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَيَّ دَيْنُهٗ فَصَلّٰى عَلَيْهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ❊ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ ایک جنازہ لایا گیا لوگوں نے عرض کیا اس پر نماز پڑھیے [1] فرمایا کیا اس پر کچھ قرض ہے [2] عرض کیا نہیں آپ نے نماز پڑھ لی پھر دوسرا جنازہ لایا گیا فرمایا کیا اس پر کچھ قرض ہے عرض کیا گیا ہاں۔ فرمایا کیا کچھ مال چھوڑا بھی ہے عرض کیا تین اشرفیاں تو حضور نے اس پر نماز پڑھ لی [3] پھر تیسرا جنازہ لایا گیا فرمایا کیا اس پر کچھ قرض ہے عرض کیا تین اشرفیاں فرمایا کیا اس نے کچھ مال چھوڑا بھی ہے عرض کیا نہیں [4] فرمایا اپنے یار پر تم ہی نماز پڑھو۔ ابوقتادہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ اس پر نماز پڑھیں اس کا قرض میرے ذمہ ہے تب آپ نے نماز پڑھی [5] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم

[1] غالبًا عرض کرنے والے اس میت کے والی وارث تھے یا اس کے دوست احباب، اس زمانہ میں ہر شخص کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ہماری میت پر جنازہ حضور پڑھیں، اس لیے دور دور سے جنازے حضور کی بارگاہ میں لائے جاتے تھے۔ [2] قرض سے مراد بندوں کا حق مالی ہے خواہ بیوی کا مہر ہو یا کسی کا تجارتی دَین یا ہاتھ کا لیا ہوا ادھار جسے دست گرداں کہتے ہیں۔ [3] غالبًا حضور انور کو کشف یا الہام باری سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس پر قرض تین دینار یا اس سے بھی کم ہے اس لیئے آپ نے اس جواب پر نماز پڑھ لی، ورنہ اگر قرض اس سے زائد ہوتا تو آپ نماز نہ پڑھتے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہو رہا ہے (لمعات، مرقات) [4] شاید یہ تینوں جنازے ایک ہی دن ایک ہی مجلس میں کچھ فاصلہ پر لائے گئے، اور ہو سکتا ہے کہ یہ مختلف دنوں کے واقعات ہوں مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے [5] اس واقعہ سے چند مسائل معلوم ہوئے ایک یہ کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے کہ بعض کے ادا کرنے سے ادا ہو جاتی ہے، دوسرے یہ کہ گناہ یا بُری رسمیں روکنے کے لیے عالم دین یا شیخ وقت گنہگار پر جنازہ پڑھنے سے انکار کر سکتا ہے تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور یہ رسمیں چھوڑ دیں، انصار مدینہ قرض لینے کے بہت عادی تھے ان کے مکانات، جائیدادیں، سامان یہود کے ہاں گروی تھے، معمولی باتوں پر قرض لے لیا کرتے تھے اس بُری رسم کو مٹانے کے لیے حضور نے مقروضوں پر یہ سختی فرمائی، پھر جب یہ آیت کریمہ اتری اَلنَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ تو سرکار نے اعلان فرما دیا کہ اب جو فوت ہوا کرے گا تو اس کا مال اس کے وارثوں کے لیے ہوگا، اور اس کا قرض یا اس کے یتیم غریب بچوں کی پرورش میرے ذمہ ہوگی، حق تو یہ ہے کہ اب بھی ہمیں اور ہمارے بچوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی پال رہے ہیں جیسے۔ قرآنی فرمان أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ سارے مسلمانوں کو شامل ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش سب مسلمانوں کو شامل ہے، تیسرے یہ کہ میت کی طرف سے ضامن بننا جائز ہے اکثر علماء کا یہی قول ہے، امام اعظم کے ہاں یہ ضمان جائز نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یہ ضمانت نہ تھی بلکہ وعدہ ادا تھا، ضمانت اور وعدہ ادا میں بڑا فرق ہے، امام صاحب کے ہاں اگر میت مال چھوڑے تو اس کی تقسیم میراث یا ادائے قرض کی ذمہ داری جائز ہے (از لمعات، مرقات) خیال رہے کہ صاحبین کے ہاں میت کی ضمانت

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ اَدَاءَهَا اَدَّى اللهُ عَنْهُ وَمَنْ اَخَذَ يُرِيْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللهُ عَلَيْهِ ٭ وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَرَءَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ صَابِرًا مُّحْتَسِبًا مُّقْبِلًا غَيْرَ مُدْبِرٍ يُكَفِّرُ اللهُ عَنِّيْ خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ فَلَمَّا اَدْبَرَ نَادَاهُ فَقَالَ نَعَمْ اِلَّا الدَّيْنَ كَذٰلِكَ قَالَ جِبْرِيْلُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ٭ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جو لوگوں کے مال قرض لے جس کے ادا کردینے کا پختہ ارادہ رکھے ۱؎ تو اللہ اس سے ادا کرا ہی دیتا ہے اور جو انکے برباد کرنے کا ارادہ کرے تو اللہ اس پر بربادی ڈالتا ہے ۲؎ روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ فرمایئے اگر میں اللہ کی راہ میں صبر کرتے اور طلب اجر کرتے پیچھے ہٹتے نہیں بلکہ آگے بڑھتا مارا جاؤں تو کیا اللہ میری خطائیں مٹادیگا ۳؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ۴؎ جب وہ شخص چل دیا تو اسے پکارا اور فرمایا ہاں قرض کے سوا ۵؎ حضرت جبرئیل نے یوں ہی کہا ہے ۶؎ (مسلم) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اسی حدیث کی بنا پر جائز ہے، فتوےٰ قولِ صاحبین پر ہے۔

۱؎ اور ظاہر ہے کہ ایسا آدمی بغیر ضرورت قرض لے گا ہی نہیں، اور نہ ناجائز کاموں کے لیے قرض لے گا، رب کا خوف رکھنے والا قرض سے حتی الامکان بچتا ہے۔

۲؎ یعنی جس کی نیت قرض لیتے وقت ہی ادا کرنے کی نہ ہو، پہلے ہی سے مال مارنے کا ارادہ ہو ایسا آدمی بے ضرورت بھی قرض لے لیتا ہے اور ناجائز طور پر بھی۔ غرضکہ یہ حدیث بہت سی ہدایتوں پر مشتمل ہے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ نیک آدمی کا قرض ادا ہو ہی جاتا ہے، خواہ زندگی میں خود ادا کرے یا بعد موت اس کے وارث ادا کریں جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق نے حضور انور کی وفات کے بعد حضور کا قرض ادا کیا، زرہ چھڑائی، اگر یہ بھی نہ ہو تو بروز قیامت رب تعالٰی ایسے مقروض کا قرض اس کے قرضخواہ سے معاف کرادیگا یا قرضخواہ کو قرض کے عوض جنت کی نعمتیں بخش دیگا، بہرحال حدیث واضح ہے، اس پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور انور پر قرض کیوں رہ گیا تھا وہ رب نے کیوں ادا نہ کرایا، کہ حضرت صدیق کا ادا کرنا رب تعالٰی ہی کی طرف سے تھا، اور نہ یہ اعتراض ہے کہ بعض مقروضوں کے قرض قیامت میں رب تعالٰی ادا یا معاف کرادیگا جیسا کہ احادیث میں ہے۔

۳؎ یعنی میں بحالتِ جہاد صابر بھی ہوؤں بہادر بھی غازی بھی اور آخر میں شہید بھی کیا اتنی صفات جمع ہونے پر میرے گناہ معاف ہوں گے یا نہیں۔

۴؎ یعنی ہاں تیرے سارے اگلے پچھلے صغیرہ کبیرہ گناہ معاف ہوں گے اس سے معلوم ہوا کہ غازی شہید تمام گناہوں سے پاک صاف ہوجاتا ہے۔

۵؎ یعنی اے شخص میرے فرمان کا مطلب غلط نہ سمجھنا ان تمام صفات سے گناہ معاف ہوں گے نہ کہ حقوق خصوصًا حقوق العباد وہ تو ادا کرنے سے ہی معاف ہوں گے مجھے جبریل امین نے ابھی توجہ دلائی کہ تمہیں یہ سمجھادوں کہ تو میرا کلام غلط نہ سمجھے فقیر کی اس شرح سے بہت سے سوالات اٹھ گئے نہ یہ اعتراض پڑسکتا ہے کہ قرض گناہوں میں داخل ہی نہ تھا قرض تو حضور نے بھی لیا ہے پھر اس کے استثناء فرمانے کی کیا ضرورت تھی، نہ یہ کہ حضور انور کو تبلیغ کرنا نہ آتا تھا اس لیے جبریل امین نے تبلیغ کرنا سکھایا، نہ یہ کہ حضور انور نے پہلے ایک مسئلہ غلط کیوں بتایا، تبلیغ میں غلطی تو شانِ نبوت کے خلاف ہے، وغیرہ وغیرہ۔ خیال رہے کہ یہاں نفسِ قرض کی معافی کا ذکر ہے، جو جہاد و شہادت سے بھی نہیں ہوتی اور حج کے بیان میں قرض میں ٹال مٹول، جھوٹے وعدے، وقت پر ادا نہ کرنا مراد ہے جیسے بخشش کا وعدہ فرمایا گیا کہ حاجی کے قرض بھی معاف ہوجاتے ہیں یعنی قرض کے گناہ معاف

يُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ كُلُّ ذَنْبٍ إِلَّا الدَّيْنَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتَى بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفَّى عَلَيْهِ الدَّيْنُ فَيَسْأَلُ هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهِ قَضَاءً فَإِنْ حُدِّثَ أَنَّهُ تَرَكَ وَفَاءً صَلَّى وَإِلَّا قَالَ لِلْمُسْلِمِينَ صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ فَلَمَّا فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ الْفُتُوحَ قَامَ فَقَالَ أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَهُوَ لِوَرَثَتِهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔ اَلْفَصْلُ الثَّانِي ۔ عَنْ أَبِي

شہید کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں سوائے قرض کے [1] (مسلم) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی وفات یافتہ شخص لایا جاتا جس پر قرض ہوتا تو آپ پوچھتے [2] کیا اس نے ادائے قرض کیلئے کچھ چھوڑا ہے پھر اگر خبر دیجاتی کہ اس نے ادائے قرض کیلئے چھوڑا ہے تو نماز پڑھ لیتے [3] ورنہ مسلمانوں سے فرما دیتے کہ اپنے یار پر نماز پڑھ لو [4] جب اللہ نے آپ پر کشادگیاں فرمائیں تو کھڑے ہو کر فرمایا میں مسلمانوں کا انکی جانوں سے زیادہ والی ہوں [5] تو جو مسلمان فوت ہو قرض چھوڑے تو اس کی ادا میرے ذمہ ہے اور جو مال چھوڑے تو اس کے وارثوں کے لیے ہے [6] (مسلم، بخاری) دوسری فصل روایت ہے

ہو جاتے ہیں لہذا احادیث میں تعارض نہیں: اس سے معلوم ہوا کہ جبریل امین نے قرآن کے علاوہ اور بھی چیزیں نازل فرمائی ہیں۔

[1] یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ قرض لینا گناہ نہیں، ورنہ انبیاء کرام خصوصًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ لیتے، اور ہو سکتا ہے کہ قرض سے مراد ناجائز قرض لینا ہو حرام رسوم میں خرچ کرنے کے لیے یا لوازم قرض مراد ہوں یا بلا عذر ٹال مٹول کرنا، وقت پر ادا نہ کرنا، جھوٹے وعدے کرنا وغیرہ تب مستثنٰی منقطع ہے مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں کہ یہ گناہ تو حج سے بھی معاف ہو جاتے ہیں تو ان شاء اللہ جہاد سے بھی معاف ہو جائیں گے۔ مرقات نے یہاں فرمایا کہ قرض سے مراد حقوق العباد ہیں، لہذا ناحق خون، ناحق کسی کی آبرو ریزی بھی اس میں داخل ہے

[2] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پوچھنا اپنے علم کے لیے نہیں، حضور تو ہر شخص کے ہر کھلے چھپے اعمال سے خبردار ہیں، دو قبروں پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ یہ چغلخور تھا اور یہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچتا تھا، بلکہ یہ سوال لوگوں کو بتانے کے لیے ہے کہ ہمارا نماز نہ پڑھنا قرض کی سزا ہے۔ جیسے رب تعالٰی قیامت میں بندوں سے پوچھ کر حساب و کتاب لیکر سزا و جزا دیگا، وہ بھی لوگوں کی تسلی کے لیے ہے نہ کہ رب کے اپنے علم کے لیے۔ [3] یعنی اگر قرض نہ ہوتا تب بھی نماز پڑھ لیتے، اور اگر قرض تو ہوتا مگر ادائے قرض کیلئے مال چھوڑا ہے تب بھی جنازہ پڑھ لیتے۔ [4] یعنی ہم نہ پڑھیں گے تم پڑھ لو۔ معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر جنازہ پڑھا جائے گا خواہ گنہگار ہو یا حقوق العباد اس کے ذمہ ہوں، نماز تو حق اسلامی ہے، یہ سختی لوگوں کو قرض سے بچانے کے لیے تھی۔ [5] مالی آمدنیاں شروع ہو گئی تھیں فتح زکوٰۃ اور نیاز مندوں کے ہدایا عقیدت کے ذریعہ سے (مرقات)

[6] اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ الخ۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے تمام دینی و دنیاوی امور کے مالک ہیں، آپ مالک ہیں ہم سب حضور کے غلام۔ جیسے غلام مقروض کا قرض مولیٰ چکاتا ہے، ایسے ہی ہمارے دنیا و آخرت کے قرض ان شاء اللہ حضور ہی چکائیں گے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ہمارے متروکہ مال بھی حضور ہی لیتے کہ غلام کا مال مالک کا ہوتا ہے مگر یہ کرم کریمانہ ہے کہ وراثت نہیں لیتے قرض ادا کر دیتے ہیں۔ خیال رہے کہ رب تعالٰی نے اپنے لیے فرمایا نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں، اور اپنے حبیب کے لیے فرمایا اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ قریب یا مالک ہیں، اپنے لیے فرمایا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ حضور کے لیے فرمایا مِنْ اَنْفُسِکُمْ۔

خَلْدَةَ الزُّرَقِيِّ قَالَ جِئْنَا اَبَاهُرَيْرَةَ فِيْ صَاحِبٍ لَنَا قَدْ اَفْلَسَ فَقَالَ هٰذَا الَّذِيْ قَضٰى فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا رَجُلٍ مَاتَ اَوْ اَفْلَسَ فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ اَحَقُّ بِمَتَاعِهٖ اِذَا وَجَدَهٗ بِعَيْنِهٖ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ ۞ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهٖ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَاَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ ۞ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو خلدہ زرقی سے [1] فرماتے ہیں ہم حضرت ابو ہریرہ کے پاس اپنے ایک دیوالیہ ساتھی کے متعلق گئے [2] تو فرمایا کہ یہی وہ واقعہ ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ جو شخص دیوالیہ ہو کر فوت ہو جائے [3] تو خاص سامان والا اپنے سامان کا زیادہ حق دار ہے جب کہ بعینہٖ وہ ہی پالے [4] (شافعی، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی جان اپنے قرض میں معلق رہتی ہے [5] حتی کہ اس کا قرض ادا کر دیا جائے [6] (شافعی، احمد، ترمذی، ابن ماجہ دارمی) روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

پتہ لگا کہ جس طرح تعلق بندے کا رب سے ہے اُسی طرح تعلق حضور سے ہے یعنی دینی، ایمانی، روحانی وغیرہ، اس کو صاحب ذوق ہی سمجھ سکتا ہے۔

[1] آپ کا نام خالد ابن دینار ہے، ابو خلدہ کنیت، قبیلہ عامر ابن زریق سے ہیں جو بنی تمیم کا ایک خاندان ہے وردی گری کرتے تھے، تابعی ہیں ثقہ ہیں، حضرت انس ابو العالیہ خواجہ حسن بصری سے روایات کرتے ہیں ان سے وکیع وغیرہ نے روایات لیں (مرقات، اشعہ، لمعات)۔ [2] جن پر قرض بہت ہو گیا تھا ادا کی کوئی صورت نہ تھی، اُن کے پاس کچھ ایسے خریدے ہوئے مال بھی تھے جن کی قیمت ادا نہ ہوئی تھی، ہم نے حضرت ابو ہریرہ سے دیوالیہ کے مسائل پوچھے۔ [3] فوت ہو جانے کا ذکر اس لیے فرمایا کہ اب اُس سے قرض وصول ہونے کی کوئی صورت نہیں رہتی، زندگی میں تو امید تھی کہ آئندہ کما کر دے گا۔ [4] اس کی بحث باب الافلاس کے شروع میں گزر گئی، کہ اس سے مراد یا تو امانت کی چیزیں ہیں یا وہ چیزیں جو دیوالیہ نے دیوالہ نکلنے سے پہلے خریدیں، خیار بائع کو تھا وہ دیوالیہ ہونے پر اپنے خیار کا حق استعمال کر سکتا ہے مگر جو چیز فروخت کر چکا ہے، اُس کی قیمت میں دوسرے قرضخواہوں کے برابر ہو گا کہ اُسے بقدر حصہ قرض وصول ہو گا۔ [5] یا تو فی الحال جنت میں داخل ہونے یا نیکوں کے ساتھ ملنے یا درجات حاصل کرنے سے روکی جاتی ہے، ادائے قرض کی منتظر رہتی ہے یا قیامت میں قرض کی ادا تک جنت میں جانے سے روکی جائے گی جب تک کہ قرض کی معافی یا کوئی اور صورت نہ ہو جائے، کتنی ہی صالح نیک ہو جنت میں داخل نہ ہو سکے گی۔ [6] یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس قرض سے وہ قرض مراد ہے جو انسان بغیر ضرورت کے لے اور ادا نہ کرنے میں بلا وجہ ٹال مٹول کرے اور مرتے وقت ادا کے لیے مال نہ چھوڑے اگر ان تین شرطوں میں سے ایک شرط بھی نہ ہو تو اللہ تعالٰی کے فضل سے امید ہے کہ اُسے محبوس نہ کرے گا، جیسا کہ دوسری احادیث میں ہے، چنانچہ ابن ماجہ میں ہے کہ قیامت میں قرضخواہ کو مقروض سے قصاص دلوایا جاوے گا سوائے تین مقروضوں کے ایک وہ جو جہاد وغیرہ دینی ضروریات کے لیے قرض لے، دوسرے وہ جس کے ہاں بے کفن میت پڑی ہو اُس کے کفن دفن کے لیے قرض لے، تیسرے وہ جو اپنے دین پر خطرہ محسوس کرے اور نکاح کے ضروری و جائز خرچ کے لیے قرض لے، ان کے قرض رب تعالٰی قرضخواہوں سے معاف کرا دے گا، وہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے (مرقات)

صَاحِبُ الدَّيْنِ مَأْسُورٌ بِدَيْنِهِ يَشْكُو اِلٰى رَبِّهِ الْوَحْدَةَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَرُوِيَ أَنَّ مُعَاذًا كَانَ يَدَّانُ فَأَتٰى غُرَمَاؤُهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَاعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَهُ كُلَّهُ فِي دَيْنِهِ حَتّٰى قَامَ مُعَاذٌ بِغَيْرِ شَيْءٍ مُرْسَلٌ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيحِ وَلَمْ اَجِدْهُ فِي الْاُصُولِ اِلَّا فِي الْمُنْتَقٰى عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ شَابًّا سَخِيًّا وَكَانَ لَا يُمْسِكُ شَيْئًا فَلَمْ يَزَلْ يَدَّانُ حَتّٰى اَغْرَقَ مَالَهُ كُلَّهُ فِي

قیامت کے دن مقروض اپنے قرض میں گرفتار رہے گا [۱] حتٰی کہ اپنے رب سے تنہائی کی شکایت کریگا [۲] (شرح سنہ) اور مروی ہے کہ حضرت معاذ مقروض ہو جاتے تھے [۳] انکے قرض خواہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے [۴] تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے قرض میں ان کا سارا مال بیچ دیا حتٰی کہ حضرت معاذ خالی ہاتھ اٹھ گئے [۵] یہ مصابیح کے لفظ ہیں لیکن میں نے منتقٰی کے سوا کسی اصول کی کتاب میں نہ پایا [۶] وہاں عبدالرحمٰن ابن کعب ابن مالک سے روایت کی فرمایا حضرت معاذ ابن جبل سخی جوان تھے کچھ بچا تے نہ تھے وہ قرض لیتے رہے [۷] حتی کہ ان کا سارا مال قرض میں ڈوب گیا۔

[۱] کہ اپنے دوست واحباب سے علیحدہ کھڑا کیا جائے گا اس کے سارے نیک احباب جنت میں پہنچ جائیں گے مگر یہ نہ جا سکے گا اگرچہ کتنا ہی نیک وصالح ہو [۲] رب تعالٰی سے اپنی تنہائی اور جنت میں نہ پہنچ سکنے کی فریاد کرے گا، شور مچائے گا، یہ تنہائی و تاخیر اور میدان محشر کی دھوپ و تپش میں کھڑا رہنا بھی بڑی مصیبت ہوگی [۲] کسی غمخوار کو نہ پائے گا جو اس کا قرض ادا کرے، صرف یہی صورت ادائے قرض کی ہوگی کہ رب تعالٰی اس مقروض کی نیکیاں قرضخواہ کو قرض کے عوض دے یا اُن سے معاف کرالے، [۳] حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کے مقروض ہوتے رہنے کی وجہ آگے آرہی ہے کہ آپ سخی بہت تھے قرض لے کر بھی خیرات وصدقات دیتے رہتے تھے، [۴] کہ ہمارا قرض ادا کرایا جائے، معلوم ہوا کہ قرضخواہوں کا کچہری میں مقروض پر دعوٰی کرنا حاکم سے فریاد کرنا درست ہے، اس کی اصل یہی حدیث ہے [۵] یہ حدیث مختصر ہے، اولاً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو قرض ادا کرنے کا حکم دیا، انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس روپیہ بالکل نہیں، پھر اُن کی رضا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مال نیلام فرما دیا یا فروخت کردیا، اب بھی اس پر ہی عمل ہے، ہاں اگر مقروض نہ ہو تو ادائے قرض کرے نہ اپنا مال فروخت کرے تب حاکم اُسے قید کردے تاکہ وہ اپنا مال خود فروخت کرے، قرض ادا کرے یا حاکم کو فروخت کی اجازت دے، جبراً حاکم اس کا مال فروخت نہیں کرے گا، (مرقات) بعض صورتوں میں قرضخواہوں کے مطالبہ پر حاکم خود بھی فروخت کرسکتا ہے اور دیوالیہ کو مجبور بھی کرسکتا ہے کہ اعلان کردے کوئی اس سے لین دین نہ کرے یہ دیوالیہ ہے (حاشیہ مشکوٰۃ) [۶] یعنی یہ حدیث صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث میں نہیں صرف ابن تیمی حنبلی کی کتاب منتقٰی میں ہے صاحب مشکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ میری تلاش میں کمی ہے کہ مجھے کتب اصول میں یہ حدیث نہ ملی اُن میں ہے ضرور، اگر نہ ہوتی تو منتقٰی میں نہ ہوتی، لہٰذا یہ مصابیح پر اعتراض نہیں بلکہ دفع اعتراض ہے، خیال رہے کہ ہم احناف کے ہاں مرسل حدیث قبول ہے، جیسا کہ کتب اصول میں مصرح ہے، [۷] یعنی حضرت معاذ کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ اپنی آمدنی میں سے تو کیا بچاتے ساری آمدنی خیرات، صدقے، ہدایا میں خرچ کرکے اور قرض بھی لیتے رہے، دعوتیں، ہدیے، صدقے، خیرات کرتے رہے۔

الدَّيْنِ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ لِيُكَلِّمَ غُرَمَاءَهُ فَلَوْ تَرَكُوا لِأَحَدٍ لَتَرَكُوا لِمُعَاذٍ لِأَجْلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَاعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُمْ مَالَهُ حَتّٰى قَامَ مُعَاذٌ بِغَيْرِ شَيْءٍ رَوَاهُ سَعِيدٌ فِي سُنَنِهِ مُرْسَلًا ۔ وَعَنِ الشَّرِيدِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوبَتَهُ قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ يُحِلُّ عِرْضَهُ يُغَلَّظُ لَهُ وَعُقُوبَتَهُ يُحْبَسُ لَهُ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ ۔ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ

۱؎ تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ حضور انکے قرضخواہوں سے کچھ کہہ سنا دیں ۲؎ تو اگر وہ لوگ کسی کے لیئے چھوڑنے والے ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر معاذ کیلئے ضرور چھوڑتے ۳؎ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی وجہ سے معاذ کا سارا مال بیچ دیا حتی کہ حضرت معاذ کسی چیز کے بغیر اٹھ کھڑے ہوئے ۴؎ (سعید) ارسالًا اپنی سنن سے روایت کی ۵؎ روایت ہے حضرت شرید سے ۶؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالدار کا ٹال مٹول اس کی آبرو کو اسکی سزا کو درست کردیتا ہے ۷؎ ابن مبارک نے فرمایا آبرو حلال کرنے کا مطلب ہے کہ اس سے سخت کلامی کرے اور سزا یہ ہے کہ اسے قید کردیا جائے ۸؎ (ابوداؤد، نسائی) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ

۱؎ یہاں مال سے مراد روپیہ پیسہ نہیں بلکہ جائداد اور گھر کا سامان، سواری کے جانور وغیرہ ہیں کہ اگر روپیہ پیسہ ہوتا تو ان چیزوں کے فروخت کی کیا ضرورت پڑتی، خیال رہے کہ قرض اولًا روپیہ پیسہ سے ادا کیا جاتا ہے پھر منقولہ سامان فروخت کرکے پھر غیر منقولہ جائداد پھر رہنے کا سامان فروخت کرکے ۲؎ یا تو یہ سارا یا کچھ قرض معاف کرادیں یا قرضخواہوں کو صبر کی سفارش فرمادیں کہ ابھی کچھ اور مہلت دے دیں، مطالبہ قرض جلدی نہ کریں لیکلم میں یہ سب چیزیں داخل ہیں ۳؎ یعنی قرضخواہوں نے حضور انور کی سفارش بھی نہ مانی، نہ تو قرض ہی معاف کیا نہ مہلت ہی دی خیال رہے کہ حضور انور نے قرضخواہوں سے سفارش فرمائی تھی، حکم نہ دیا تھا اور پیغمبر کی سفارش یا مشورہ ماننا بہتر ہے، واجب نہیں، حکم ماننا واجب ہے اس مشورہ کے نہ ماننے سے حضرت معاذ کو بالکل مایوسی ہوگئی کہ جب قرضخواہوں نے حضور انور کی سفارش نہ مانی تو اب کس کی مانیں گے، تب وہ عمل ہوا جو آگے مذکور ہے ۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ حاکم دیوالیہ کا سارا مال منقولہ وغیر منقولہ فروخت کرکے اس کا قرض ادا کردے گا، کوئی چیز حتی کہ رہنے کا مکان بھی چھوڑے گا، آجکل حکام کبھی مقروض کا رہائشی مکان وہ بھی مختصر سا چھوڑ دیتے ہیں یہ بھی کسی بڑے ساہوکار دیوالیہ کے لیے ورنہ سب ہی نیلام یا فروخت کردیتے ہیں، خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل بیان قانون کے لیے تھا اور حضرت جابر کے والد کا قرض بطور معجزہ تمام ادا کرادیا کہ تھوڑی کھجوروں سے سارا قرض ادا ہوگیا، پھر ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی یہ کرم کریمانہ تھا اگر یہاں قانون پر عمل نہ ہوتا، تو بعد کے لوگوں کو یہ احکام کیسے معلوم ہوتے، لہذا حدیث پاک پر اعتراض نہیں کہ یہاں بھی حضرت جابر کی طرح قرض ادا کیوں نہ کرادیا گیا، دیکھو بعض سائلوں کا حضور انور نے کمبل و پیالہ نیلام کرکے انہیں کام پر لگا دیا، اور بعض سائلوں کو عطیے دے کر غنی کردیا جلوے مختلف ہیں ۵؎ آپ صحابی ہیں ثقہ ہیں، اولًا حضرموت میں رہتے تھے، پھر طائف میں قیام کیا آپ کا نام پہلے مالک تھا حضور انور نے شرید رکھا آپ اپنے کسی ہم قوم کو مار کر مکہ معظمہ بھاگ آئے تھے، شرید کے معنی ہیں بھاگ آنے والا ۶؎ یعنی جو مقروض مال رکھتا ہو مگر قرض ادا نہ کرتا ہو تو قرضخواہ کو حق ہے کہ اُسے ذلیل کرے اس کی نادہندی کا طعنہ سنے یا اُسے حاکم سے سزا دلوادے، سزا خود نہ دیگا حاکم سے دلوائے ۷؎ یعنی ابن مبارک نے حضور کے دونوں کلمات کی تفسیر یوں فرمائی کہ آبرو دیری کے معنی یہ ہیں

صلی اللہ علیہ وسلم بجنازۃ لیصلی علیہا فقال ہل علی صاحبکم دین قالوا نعم
قال ہل ترک لہ من وفاء قالوا لا قال صلوا علی صاحبکم قال علی بن ابی طالب علیّ
دینہ یا رسول اللہ فتقدم فصلی علیہ وفی روایۃ معناہ وقال لعلی فک اللہ رہانک
من النار کما فککت رہان اخیک المسلم لیس من عبد مسلم یقضی عن اخیہ دینہ
الا فک اللہ رہانہ یوم القیمۃ رواہ فی شرح السنۃ ٭ وعن ثوبان قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم من مات وہو بریء من الکبر والغلول والدین دخل الجنۃ رواہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا ۱؎ تاکہ آپ اس پر نماز پڑھیں تو فرمایا کیا تمہارے دوست پر کچھ قرض ہے ۲؎ لوگوں نے کہا ہاں
فرمایا کیا اس کی ادا چھوڑی ہے عرض کیا نہیں فرمایا اپنے دوست پر نماز پڑھ لو ۳؎ حضرت علی ابن ابی طالب نے عرض کیا
یارسول اللہ اس کا قرض میرے ذمہ ہے حضور آگے بڑھے اس پر نماز پڑھی ۴؎ ایک روایت میں اس کے معنی ہیں اور جناب علی سے فرمایا اللہ تمہارے
نفس کو آگ سے آزاد کرے جیسے تم نے اپنے مسلمان بھائی کی جان چھڑائی ۵؎ ایسا کوئی مسلمان بندہ نہیں جو اپنے بھائی کا قرض ادا کرے
مگر قیامت کے دن اللہ اس کی جان کو چھوڑ دے گا ۶؎ (شرح سنہ) ٭ روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اس حال میں مرے کہ وہ غرور، خیانت اور قرض سے پاک و صاف ہو وہ جنت میں داخل ہوگا ۷؎ و

کہ اس سے سخت کلامی کرے مثلاً کہے تو ظالم ہے نادہند ہے لوگوں کا مال مارنے والا ہے، یہ مطلب نہیں کہ اسے تہمتیں یا ناجائز الزام لگائے، اسی طرح سزا کا
مطلب یہ ہے کہ اسے حاکم کے ذریعہ قید کرادے، یہ مطلب نہیں کہ اسے خود مارے پیٹے یا قتل کرے یا حبس بے جا میں رکھے۔

۱؎ جنازہ جیم کے کسرہ سے وہ ڈولی ہے جس میں میت رکھی جائے، اور جیم کے فتح سے خود میت، یہاں فتح سے ہے۔ ۲؎ پہلے کہا جا چکا ہے کہ مالی معاملات
کے قرض کو دین کہا جاتا ہے جیسے کسی کے ذمہ کرایہ یا مال کی قیمت رہ گئی ہو، اور دست گرداں کو قرض کہتے ہیں، یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں، اور ممکن ہے
کہ بطریق عموم مشترک عام معنی مراد ہوں۔ ۳؎ ہم نہ پڑھیں گے، پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضور کی یہ سختی لوگوں کو قرض سے ڈرانے کے لیے تھی، کہ اہل مدینہ
عموماً بلا ضرورت بھی قرض لے لیتے تھے، اتنی سختی کے بغیر یہ عادت چھوٹ نہیں سکتی تھی، حکیم کا نشتر بھی رحمت ہے۔ ۴؎ اس کی بحث پہلے گزر چکی
کہ میت کی طرف سے کفالہ اور ضمانت اکثر ائمہ کے ہاں جائز ہے ہمارے ہاں بھی صاحبین جائز فرماتے ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ۵؎ رہان بمعنی مرہون ہے یعنی گروی رکھی ہوئی چیز
چونکہ ہر شخص کا نفس اپنے نیک و بد اعمال میں مثل گروی کے ہے اس لیے رہان سے مراد نفس لیا جاتا ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ۔ مرقات نے فرمایا رہان
رھین کی جمع ہے جیسے کریم کی کرام چونکہ ہر انسان کا عضو گناہ کرتا رہتا ہے اس لیے ہر عضو گروی و گرفتار ہے تو گویا ہر شخص مرہون چیزوں کا مجموعہ ہے۔ ۶؎ یعنی جیسا برتاؤ
تم رب کے بندوں کے ساتھ کرو گے تمہارے ساتھ بھی قیامت میں ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا اگر پھانسو گے تو پھنسو گے اور اگر پھنسے ہوؤں کو چھوڑاؤ گے تو چھوڑ دیئے جاؤ گے
خیال رہے کہ میت کو قرض سے چھوڑانے کی دو صورتیں ہیں، اپنا قرض ہو تو معاف کردو، دوسرے کا ہو تو ادا کردو۔ ۷؎ کبر یعنی غرور یہ ہے کہ اپنے مسلمان
بھائی کو حقیر سمجھے اور اپنے کو اونچا جانے، یہ ممنوع ہے، کفار پر کبر خصوصاً جہاد میں ثواب ہے، انبیاء و اولیاء پر کبر کفر ہے، غلول غلّ سے بنا بمعنی

اَلتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ ❊ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَعْظَمَ الذُّنُوْبِ عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ یَّلْقَاهُ بِهَا عَبْدٌ بَعْدَ الْکَبَائِرِ الَّتِیْ نَهَی اللّٰهُ عَنْهَا اَنْ یَّمُوْتَ رَجُلٌ وَّعَلَیْهِ دَیْنٌ لَا یَدَعُ لَهٗ قَضَاءً رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ ❊ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفِ الْمُزَنِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصُّلْحُ جَائِزٌ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِلَّا صُلْحًا حَرَّمَ حَلَالًا اَوْ اَحَلَّ حَرَامًا وَّالْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی شُرُوْطِهِمْ اِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا اَوْ اَحَلَّ حَرَامًا رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَانْتَهَتْ رِوَایَتُهٗ عِنْدَ قَوْلِهٖ شُرُوْطِهِمْ ❊ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ ❊ عَنْ

(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) ❊ روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان بڑے گناہوں کے بعد جن سے اللہ نے منع کیا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ انسان مقروض ہو کر مرے جس کی ادائیں چھوڑے [1] (احمد، ابوداؤد) ❊ روایت ہے حضرت عمرو ابن عوف مزنی سے [2] وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا مسلمانوں میں صلح جائز ہے [3] بجز اس صلح کے جو حلال کو حرام کردے یا حرام کو حلال [4] اور مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں بجز اس شرط کے جو حلال کو حرام کرے یا حرام کو حلال [5] (ترمذی وابن ماجہ، ابوداؤد) ❊ اور ابوداؤد کی روایت شروطھم پر ختم ہوگئی [6] ❊ تیسری فصل ❊ روایت ہے حضرت

بندھا ہوگا خیانت کی وجہ سے قیامت میں انسان کے ہاتھ بندھے ہوں گے گرفتار ہوگا اس لیے اسے غلول کہتے ہیں غل بنا کے کسرہ سے عداوت و کینہ اور بنا کے فتح سے قید و بند اگرچہ غلول غنیمت میں خیانت کو کہتے ہیں۔ مگر یہاں مطلقًا خیانت مراد ہے خواہ مال کی ہو یا عزت و آبرو کی یا دین و ایمان کی یا کسی کے اسرار و بھید کی (از لمعات)۔ دین کے معنے ہم عرض کرچکے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہاں دین سے مراد بندوں کا قرض شریعت کا اور رب کا سب حق ہوں لہذا یہ حدیث بہت جامع ہے۔ [1] اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ قرض لینا گناہ کبیرہ نہیں کیونکہ اسے فرمایا گیا بَعْدَ الْکَبَائِرِ اور نہ بذات خود ممنوع ہے۔ اس وقت منع ہے جبکہ اس کے ذریعہ لوگوں کے حقوق مارے جائیں اور ممکن ہے کہ یہاں قرض سے وہ قرض مراد ہوں جو انسان بلا ضرورت یا حرام کام میں پورے کرنے کے لیے لے۔ اور ادا کرنے کی نیت نہ ہو۔ ورنہ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو آپ کے ذمہ قرض میں گروی تھی۔ اور آپ نے کچھ مال میراث یا ادائے قرض کے واسطے نہ چھوڑا، حجرہ وغیرہ جو کچھ تھا وہ وقف تھا صدیق اکبر نے آپ کا قرض ادا کیا۔ لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں ❊ [2] آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں آپ کے ہی متعلق یہ آیت کریمہ اتری تَوَلَّوْا وَّاَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مدینہ منورہ میں رہے وہیں امیر معاویہ کے آخر زمانہ میں انتقال فرمایا ❊ [3] چونکہ اکثر قرض کے موقعہ پر ہی صلح کرائی جاتی ہے۔ کہ کچھ قرض خواہ کو دیا جاتا ہے۔ کچھ مقروض کو کہ قرضخواہ کچھ معاف کردے اور مقروض جلدی ادا کردے اس لیے صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث دیوالیہ مقروض کے باب میں لائے ❊ [4] مثلًا زوجین میں اس طرح صلح کرائی جاتے کہ خاوند اس عورت کی سوکن (اپنی دوسری بیوی) کے پاس نہ جائے گا یا مسلمان مقروض اس قدر شراب وسود اپنے کافر قرضخواہ کو دیگا۔ پہلی صورت میں حلال کو حرام کیا گیا۔ دوسری صورت میں حرام کو حلال۔ اس قسم کی صلحیں حرام ہیں، جن کا توڑ دینا واجب ہے۔ [5] یعنی مسلمان نے جس سے جو شرط کی ہو اسے پورا کرے۔ اس میں وعدے، کرائے، قیمتیں سب داخل ہیں۔ ان حرام شرطوں

سُوَيْدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ جَلَبْتُ أَنَا وَمَخْرَفَةُ الْعَبْدِيُّ بَزًّا مِنْ هَجَرَ فَأَتَيْنَا بِهِ مَكَّةَ فَجَآءَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِيْ فَسَاوَمَنَا بِسَرَاوِيْلَ فَبِعْنَاهُ وَثَمَّ رَجُلٌ يَزِنُ بِالْأَجْرِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زِنْ وَأَرْجِحْ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ ۝ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ لِيْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَيْنٌ فَقَضَانِيْ وَزَادَنِيْ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ ۝ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ

سوید ابن قیس سے فرماتے ہیں کہ میں اور مخرفہ عبدی ۱ مقام ہجر سے کپڑا لائے ہم اسے مکہ معظمہ میں لائے تو ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاپیادہ چلتے ہوئے تشریف لائے تو ہم سے پاجامہ کا بھاؤ چکایا ۲ ہم نے وہ آپ کے ہاتھ بیچ دیا وہاں ایک شخص تھا جو مزدوری پر تولتا تھا ۳ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تول دو اور جھکتا تولو ۴ (احمد، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے ۵ روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا کچھ قرض تھا۔ تو مجھے عطا فرمایا اور زیادہ دیا ۶ (ابوداؤد) روایت ہے حضرت عبداللہ

کا توڑ دینا واجب ہے کیونکہ حق اللہ اور حق شریعت سب پر مقدم ہے۔ ۲ یہ حدیث احمد، ابوداؤد، حاکم نے حضرت ابوہریرہ سے پہلا جملہ نقل فرمایا۔ ۱ سوید ابن قیس کی کنیت ابو عمرو ہے صحابی ہیں آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے۔ مخرفہ بھی صحابی ہیں واو بمعنی مع ہے۔ یا عاطفہ ہے دونوں صاحب شرکت میں مقام ہجر سے کپڑا تجارت کے لیے لائے تھے ہجر کا کپڑا مشہور تھا ہجر تین بستیوں کے نام ہیں یمن کا ایک شہر ہے۔ بحرین کے ایک علاقہ کا نام بھی ہے۔ اور مدینہ منورہ کے قریب ایک بستی بھی ہے۔ (اشعہ) یہاں تیسری بستی مراد ہے۔ یہ کپڑا اسی بستی سے آیا تھا (مرقاۃ) ۲ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پاجامہ خریدنا تو ثابت ہے۔ مگر پہننا ثابت نہیں ہمیشہ تہبند شریف استعمال فرمایا حضرت عثمان غنی شہادت کے دن پاجامہ پہنے ہوئے تھے پاجامہ ہی میں آپ کی شہادت ہوئی۔ بھاؤ چکانے کا مطلب ہے کہ بھاؤ طے کرکے خرید لیا (مرقات) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود دکان پر جانا، اور تاجر کی منہ مانگی قیمت نہ دینا بلکہ اس سے طے کرنا کچھ کم کرانا سنت ہے مگر اپنے خدام سے جو خرید کی جائے اس بھاؤ تاؤ کرنے میں عار نہیں۔ ۳ حضور انور کے زمانہ شریف میں پاجامہ کا استعمال ہوتا تھا۔ ۴ چونکہ اس زمانہ میں نوٹ روپے نہیں درہم کا عام رواج تھا جن کے گننے میں بہت وقت لگتا تھا اس لیے تول کر ادا کیے جاتے تھے درہم تولنے والا تاجر کی طرف سے مقرر ہوتا تھا جس کی اجرت (تولائی) خریدار کے ذمہ ہوتی تھی اب بھی حکم یہ ہی ہے۔ کہ قیمت کی تولائی خریدار کے ذمہ، مال تولائی بائع کے ذمہ ہے۔ کہ قیمت دینا خریدار پر لازم ہے۔ اور مال دینا بائع پر ضروری ہے۔ تولنے والا جس کا کام کرے، اس سے دام لے آجکل مال کی تولائی خریدار سے لیتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ ۵ یعنی جو قیمت طے ہے اس سے زیادہ دے دو، یہ کرم کریمانہ ہے کہ طے شدہ سے زیادہ قیمت عطا کی، مہنگی خریدنے میں نقصان ہے۔ طے شدہ سے زیادہ دینے میں احسان۔ نقصان برا، احسان اچھا۔ ۶ اسے نسائی، ابن حبان، اور حاکم نے اپنے مستدرک میں نقل فرمایا (مرقات) ۷ غالباً یہ وہ ہی واقعہ ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر سے مدینہ منورہ کے راستے میں ان کا تھکا ہوا اونٹ خریدا۔ اس کی قیمت مدینہ منورہ میں تشریف لاکر مرحمت فرمائی۔ اور اونٹ بھی دے دیا۔ اور قیمت بھی زیادہ عطا کی۔ چونکہ یہ زیادتی عقد میں مشروط نہ تھی اس لیے سود نہیں بلکہ انعام اور کرم خسروانہ ہے۔ اس کی تحقیق شروع باب میں ہو چکی ہے۔

بْنِ اَبِیْ رَبِیْعَةَ قَالَ اِسْتَقْرَضَ مِنِّی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْبَعِیْنَ اَلْفًا فَجَاءَہٗ مَالٌ فَدَفَعَہٗ اِلَیَّ وَقَالَ بَارَکَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ اَھْلِکَ وَمَالِکَ اِنَّمَا جَزَاءُ السَّلَفِ الْحَمْدُ وَالْاَدَاءُ رَوَاہُ النَّسَائِیُّ ۔ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَ لَہٗ عَلٰی رَجُلٍ حَقٌّ فَمَنْ اَخَّرَہٗ کَانَ لَہٗ بِکُلِّ یَوْمٍ صَدَقَةٌ رَوَاہُ اَحْمَدُ ۔ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ الْاَطْوَلِ قَالَ مَاتَ اَخِیْ وَتَرَکَ ثَلٰثَ مِائَةِ دِیْنَارٍ وَتَرَکَ وُلْدًا صِغَارًا فَاَرَدْتُّ اَنْ اُنْفِقَ عَلَیْھِمْ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخَاکَ مَحْبُوْسٌ بِدَیْنِہٖ فَاقْضِ عَنْہُ

ابن ابی ربیعہ سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس ہزار قرض لیے[1] پھر آپ کے پاس مال آیا[2] تو مجھے ادا فرما دیا اور فرمایا اللہ تعالٰی تمہارے گھربار اور مال میں برکت دے قرض کا عوض شکریہ اور ادا ہے[3] (نسائی)۔ روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کا کسی شخص پر کوئی حق ہو وہ اسے مہلت دے دے تو اسے ہر دن کے عوض صدقہ کا ثواب ہوگا[4] (احمد) روایت ہے حضرت سعد ابن اطول سے فرماتے ہیں میرا بھائی وفات پاگیا اور اس نے تین سو اشرفیاں چھوڑیں اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے میں نے چاہا کہ ان پر خرچ کروں[5] تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا بھائی قرض میں گرفتار ہے ان کا قرض ادا کرو۔[6]

یہ قصہ مذکور ہوا۔ [1] یہ چالیس ہزار درہم قرض لیے غالبًا کسی جہاد میں لشکر پر خرچ کے لیے قرض لیے ہوں گے ورنہ اتنے بڑے قرض کی حضور انور کو ذاتی خرچ کے لیے ضرورت نہ تھی۔ الحمدللہ ابھی مرقات میں نظر پڑا کہ یہ قرض غزوۂ حنین کے لیے لیا گیا تھا فقیر کا خیال درست نکلا۔ اور یہ رقم درہم تھی۔ [2] یا کسی جہاد سے مال غنیمت آیا۔ یا خراج وغیرہ کا مال بیت المال آیا تھا۔ [3] اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ قرض پورا ادا کرے زیادہ نہ دے کیونکہ اِنَّمَا حصر کے لیے آتا ہے۔ لیکن یہاں وجوب و لزوم کا ذکر ہے کہ مقروض پر ادا اور دعا دونوں لازم ہیں۔ رہی زیادتی وہ مقروض کی مہربانی ہے۔ لہذا یہ حدیث زیادہ دینے کی احادیث کے خلاف نہیں۔ [4] معلوم ہوا کہ مقروض وہ تنگی سے قرض ادا نہ کرے بلکہ خوش دلی سے دے اور دعائیں بھی دے کہ قرضخواہ نے قرض دے کر اس پر مہربانی کی۔ حق میں قرض، ادین، مکان، دکان کا کرایہ، اپنے کام کی اجرت تمام حقوق داخل ہیں: من فرما کر یہ اشارہ لیا کہ جو بھی مہلت دے دے یا دلوا دے یا مہلت کا سبب بن جائے۔ اسے ہر دن صدقہ کا ثواب ہے۔ مثلاً یکم تاریخ کو کرایہ دار پر کرایہ ادا کرنا لازم ہے۔ کسی نے سفارش کرکے اسے دو چار دن کی مالک مکان سے مہلت دلوادی کہ یہ تو بیچارہ غریب ہے۔ ابھی اس کے پاس نہیں ہے۔ کچھ مہلت دے دو۔ تو مالک مکان کو بھی اور اس سفارشی کو بھی ان دو چار دنوں میں ہر دن اتنے روپے خیرات کرنے کا ثواب ملے گا۔ اس لیے اعلیحضرت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ صدقہ دینے سے قرض دینا پھر مہلت دینا افضل ہے۔ صدقہ تو غیر حاجت مند بھی لے لیتے ہیں مگر قرض حاجت مند ہی لیتا ہے۔ [5] اس طرح کہ قرض خواہوں کو کچھ نہ دوں سب اس کے بچوں پر ہی خرچ کردوں۔ یا پہلے بچوں پر خرچ کردوں ان کے جوان ہونے پر اگر کچھ بچے تو قرضخواہوں کو دوں۔ عرب میں اس قسم کی بے قاعدگیوں کا عام رواج تھا۔ [6] یعنی پہلے قرض دو۔ اس سے جو بچے وہ مرحوم کے بچوں پر خرچ کرو۔ اب بھی حکم یہ ہی ہے۔ کہ ادائے قرض میراث سے پہلے ہے۔ اولًا کفن دفن

قَالَ فَذَهَبْتُ فَقَضَيْتُ عَنْهُ ثُمَّ جِئْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَدْ قَضَيْتُ عَنْهُ وَلَمْ تَبْقَ إِلَّا امْرَأَةٌ تَدَّعِي دِينَارَيْنِ وَلَيْسَتْ لَهَا بَيِّنَةٌ قَالَ أَعْطِهَا فَإِنَّهَا صَادِقَةٌ رَوَاهُ أَحْمَدُ

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا بِفِنَاءِ الْمَسْجِدِ حَيْثُ يُوضَعُ الْجَنَائِزُ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ بَيْنَ ظَهْرَيْنَا فَرَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَصَرَهُ قِبَلَ السَّمَاءِ فَنَظَرَ ثُمَّ طَأْطَأَ بَصَرَهُ وَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى جَبْهَتِهِ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا أُنْزِلَ مِنَ التَّشْدِيدِ قَالَ فَسَكَتْنَا يَوْمَنَا وَلَيْلَتَنَا فَلَمْ نَرَ إِلَّا خَيْرًا

فرماتے ہیں میں چلا اور ان کا قرض ادا کردیا پھر میں نے حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ میں نے بھائی کا سارا قرض ادا کردیا [1] کچھ باقی نہ رہا ہاں ایک عورت دو اشرفیوں کا دعویٰ کرتی ہے اور اسکے پاس گواہ نہیں فرمایا اسے دیدو وہ سچی ہے [2] (احمد) روایت ہے حضرت محمد ابن عبداللہ ابن جحش سے [3] فرماتے ہیں ہم مسجد کے صحن میں بیٹھے تھے جہاں جنازے رکھے جاتے ہیں [4] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے [5] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی پھر کچھ دیکھا پھر اپنی نگاہ شریف جھکالی اور اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھا فرمایا سبحان اللہ سبحان اللہ کیسی سختی نازل ہوئی [6] فرماتے ہیں ہم ایک دن رات خاموش رہے ہم نے بھلائی کے سوا کچھ نہ دیکھا

[1] یعنی جن کے قرضوں کا ثبوت گواہی وغیرہ سے تھا وہ ادا کردیا پہلا دا ئے قرض۔ پھر تہائی مال سے وصیت کا اجراء پھر تقسیم میراث اس کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔ [2] اس میں سے ایک پیسہ باقی نہ بچا۔ [2] غالبًا حضور انور کو اس بی بی کی سچائی وحی سے معلوم ہوئی۔ اس لیے جیسے اور وحی کی اتباع مسلمانوں پر لازم ہے۔ ایسے ہی اس وحی کی اتباع بھی لازم ہے۔ ورنہ حاکم اپنے خصوصی علم پر مقدمہ کا فیصلہ نہیں کرسکتا گواہی و شہادت پر ہی فیصلہ کرے گا (مرقات) یہ حدیثیں باب الافلاس میں اس لیے لائی گئیں کہ ان سے دیوالیہ کے احکام میں مدد ملتی ہے۔ ورنہ ان میں دیوالیہ کا ذکر نہیں۔ [3] آپ قرشی اسدی صحابی ہیں۔ ہجرت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئے اپنے والد عبداللہ ابن جحش کے ساتھ پہلے تو حبشہ کو ہجرت کرگئے پھر مدینہ منورہ کو حضرت ام المومنین زینت بنت جحش کے بھائی حضور انور کے سالے ہیں۔ عظیم المرتبت صحابی ہیں۔ (لمعات، مرقات، اشعہ) [4] یعنی جس جگہ جنازے رکھ کر نماز جنازہ پڑھی جاتی تھی اس سے معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی میں نماز جنازہ داخل مسجد میں نہ ہوتی تھی بلکہ خارج مسجد ہوا کرتی تھی یہی امام اعظم کا قول ہے کہ نماز جنازہ داخل مسجد میں منع ہے۔ لہذا یہ امام صاحب کی دلیل ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ خارج مسجد میں جنازے صرف نماز کے لیے رکھے جاتے ہیں۔ سے کوئی دوسرا مقصد کے لیے امام شافعی کے ہاں داخل مسجد میں بھی جنازہ کی نماز درست ہے۔ (از مرقات) [5] یہ لفظ اصل میں بیننا تھا ظہر زائد ہے بیان قرب کے لیے یعنی ہم سے اتنے قریب تھے گویا پشت سے پشت لگی ہوئی تھی ہماری پیٹھوں کے بیچ تھے [6] معلوم ہوا کہ حضور کی نگاہوں سے غیبی حجاب اٹھے ہوئے تھے کہ وہاں ہی تمام صحابہ حاضر ہیں اور اسی جگہ حضور انور تشریف فرما ہیں مگر جو کچھ حضور دیکھ رہے ہیں دوسرے نہیں دیکھتے یہ سبحان اللہ فرمانا اظہار تعجب کے لیے ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ سختی کسی خاص شکل میں تھی۔ جو آنکھوں سے نظر آرہی تھی۔ کوئی خاص وحی نہ تھی۔ محرومی کا تعلق کان سے ہے۔ ہم لوگ خواب میں آفتوں مصیبتوں کو کالی عورت، حملہ کرنیوالے سانپ

حَتّٰی اَصْبَحْنَا قَالَ مُحَمَّدٌ فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا التَّشْدِیْدُ الَّذِیْ نَزَلَ قَالَ فِی الدَّیْنِ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْ اَنَّ رَجُلًا قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ عَاشَ وَعَلَیْہِ دَیْنٌ مَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ حَتّٰی یُقْضٰی دَیْنُہٗ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَفِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ نَحْوُہٗ ❁ بَابُ الشِّرْکَۃِ وَالْوَکَالَۃِ

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ ❁ عَنْ زُھْرَۃَ بْنِ مَعْبَدٍ اَنَّہٗ کَانَ یَخْرُجُ بِہٖ جَدُّہٗ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ ھِشَامٍ اِلَی السُّوْقِ فَیَشْتَرِی الطَّعَامَ فَیَلْقَاہُ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ الزُّبَیْرِ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ اَشْرِکْنَا

حتے کہ سویرا ہوگیا [1] محمد (راوی) فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا وہ کون سی سختی تھی جو نازل ہوئی فرمایا قرض کے متعلق [2] اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں مارا جائے پھر زندہ ہو پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے۔ پھر زندہ ہو۔ پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے۔ پھر زندہ حالانکہ اس پر قرض ہو تو جنت میں نہیں جاسکتا۔ حتے کہ اس کا قرض ادا کردیا جائے [3] (احمد) اور شرح سنہ میں اس کی مثل ہے ❁ شرکت اور وکالت کا باب [4] ❁ پہلی فصل ❁ روایت ہے حضرت زہرہ ابن معبد سے کہ ان کو ان کے دادا عبداللہ ابن ہشام [5] بازار لے جاتے تھے غلہ خریدتے تھے [6] تو ان سے حضرت ابن عمر اور ابن زبیر ملتے تھے تو کہتے تھے ہمیں شریک کرلو [7]

کی شکل میں دیکھتے ہیں، شاہ مصر نے قحط کے سات سال سات گائیوں اور سات بالیوں کی شکل میں دیکھے تھے۔ [1] یعنی ہم سمجھتے تھے کہ کوئی آسمانی وبال یا مصیبت فوری آنیوالی ہے تو ایک دن و رات بہت فکر و تردد میں گزرا۔ مگر خدا کا شکر ہے کوئی آفت نہ آئی [2] یعنی کوئی وبال یا غیبی آفت نہ تھی بلکہ قرض کی سختی ہے جو مقروض پر ہوگی۔ [3] یقضی کی دو قرأتیں ہیں معروف و مجہول یعنی خود مقروض ادا کرے یا اس کے ورثا اس کی طرف سے ادا کریں۔ معلوم ہوا شہادت جیسی عبادت سے بھی قرض معاف نہیں ہوتا۔ وہ جو روایت میں ہے کہ حج سے قرض بھی معاف ہوجاتا ہے۔ وہاں اداء قرض کی بے اعتدالیاں مراد ہیں یعنی اداء قرض میں جو مقروض کی طرف سے وعدہ خلافی، ٹال مٹول ہوجاتی ہے۔ وہ معاف ہوجائے گی۔ ورنہ قرض ادا کرکے حج کو جانا چاہیے۔ لہذا احادیث میں تعارض نہیں ❁ [4] شرکت کے معنی ساجھی ہونا۔ وکالت کے معنی ہیں دوسرے پر اعتماد کرکے اس سے اپنا کام کرانا۔ شرکت کی بہت قسمیں ہیں، شرکت منافع میں، شرکت اصل چیز میں، شرکت حقوق بدنی میں جیسے قصاص یا حد قذف میں مطالبہ کرنیوالوں کی شرکت۔ اور شرکت حق مالی میں جیسے کسی کتاب کو حق شفعہ ہے۔ پھر شرکت عنان، شرکت معاوضہ، شرکت وجوہ، شرکت صنائع یہ بھی شرکت ہی کے اقسام ہیں۔ ان کی تفاسیر و احکام کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے [5] حضرت زہرہ تابعین میں سے ہیں۔ تمام محدثین فرماتے ہیں کہ آپ اولیاء اللہ میں سے تھے۔ امام دارمی فرماتے ہیں۔ کہ آپ اپنے وقت کے ابدال تھے اپنے دادا عبداللہ ابن ہشام سے جو صحابی ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عمر و ابن عباس اور عبداللہ ابن زبیر سے ملاقات رکھتے ہیں ان حضرات سے روایات لیتے ہیں۔ (اشعہ) [6] تاکہ انہیں خرید و فروخت آجائے معلوم ہوا کہ اولاد کو جیسے عبادات سکھائی جائیں۔ ویسے ہی انہیں معاملات کی تعلیم دی جائے۔ تجربہ کرایا جائے کہ معاملات بھی عبادات کی طرح ضروری ہیں ان کے احکام سخت ہیں [7] کہ اپنے مال میں ہمارا مال ملا لو اس سے غلہ خریدو۔ پھر فروخت کرو نفع ہمارا تمہارا

فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ دَعَا لَكَ بِالْبَرَكَةِ فَيُشْرِكُهُمْ فَرُبَّمَا أَصَابَ الرَّاحِلَةَ كَمَا هِيَ فَيَبْعَثُ بِهَا إِلَى الْمَنْزِلِ وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ هِشَامٍ ذَهَبَتْ بِهِ أُمُّهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ رَأْسَهُ وَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۝ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَتِ الْأَنْصَارُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْسِمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ إِخْوَانِنَا النَّخِيلَ قَالَ لَا تَكْفُوْنَنَا الْمُؤْنَةَ وَنُشْرِكْكُمْ فِي الثَّمَرَةِ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۝ وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے برکت کی دعا کی ہے [1] تو وہ انہیں شریک کر لیتے تھے بہت دفعہ پورا اونٹ ویسے کا ویسا ہی نفع میں پا لیتے تھے [2] جسے وہ اپنے گھر بھیج دیتے تھے اور حضرت عبداللہ ابن ہشام کو ان کی ماں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئی تھیں حضور انور نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا اور ان کے لیے دعائے برکت کی تھی [3] (بخاری)۔ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ انصار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان کھجوروں کے درخت تقسیم فرما دیں [4] فرمایا نہیں بلکہ تم ہماری طرف سے محنت کرو اور پھلوں میں ہم تمہارے شریک ہیں [5] وہ بولے ہم نے سن لیا اطاعت کی [6] (بخاری)۔ روایت ہے حضرت عروہ ابن

ہم اگرچہ تجارت جانتے ہیں مگر جو خصوصیت تم کو میسر ہے ہم کو نہیں، وہ خصوصیت یہ ہے۔ [1] تمہیں حضور کی دعا ہے ہر کام میں برکت و نفع ہوگا ہم بھی تمہارے ساتھ نفع میں شریک ہو جائیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے دعا کی تھی کہ وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ خدایا انہیں بھی میرا شریک کار بنا دے کہ ہم دونوں نبی ہوں دونوں دینی خدمات کریں، اجر و ثواب میں شریک رہیں۔ [2] اونٹ سے مراد اونٹ کا بوجھ یعنی گندم کی بوریاں ہیں۔ یعنی بسا اوقات ایک اونٹ گندم کا بیوپار کرتے تو پورا اونٹ نفع میں بچ رہتا جیسے ایک صحابی کو حضور انور نے اشرفی دی کہ قربانی کے لیے بکری خرید لاؤ انہوں نے ایک اشرفی کی بکری خریدی اور دو اشرفیوں کے عوض فروخت کر دی پھر ایک اشرفی کی دوسری بکری خریدی۔ پھر بکری اور ایک اشرفی لا کر حضور انور کی بارگاہ میں پیش کی۔ حضور انور نے انہیں دعا دی اور اشرفی خیرات کر دینے کا حکم دیا یہ ہے پورا مال نفع میں بچ رہنا۔ [3] عبداللہ ابن ہشام کی والدہ کا نام زینب بنت حمید تھا عبداللہ گود میں تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جب پیش ہوئے تو پیار میں حضور نے ان کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا دے دی۔ پھر کیا تھا وارے نیارے ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ بچوں کے سر پہ ہاتھ پھیرنا دعا کرنا سنت ہے۔ بہار شریف میں ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت مخدوم الملک۔ ایک بار انہیں ان کی چھوٹی بہن نے سلام کیا تو آپ نے جواب سلام دے کر فرمایا ٹھنڈی رہو۔ اللہ نے یہ دعا ایسی قبول فرمائی کہ ان کی قبر بھی ٹھنڈی کر دی۔ ہم نے دوپہر کے وقت ان کی قبر پر ہاتھ رکھا دھوپ قبر پر ہے بہت دھوپ تھی تمام قبریں گرم تھیں مگر یہ قبر ٹھنڈی تھی حالانکہ چونا گچ کی قبر تھی۔ [4] یہ واقعہ شروع ہجرت کا ہے۔ جب مہاجرین مکہ مکرمہ وغیرہ سے مدینہ پاک آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار میں عقد مواخات یعنی بھائی چارہ قائم فرمایا۔ کہ فلاں مہاجر بن فلاں انصار کا بھائی اور فلاں فلاں کا۔ تب انصار نے عرض کیا کہ ہمارے باغ ہمارے بھائی مہاجرین میں اس طرح تقسیم فرما دیجئے کہ ہر انصار کے باغ میں اس کے مہاجر بھائی کا آدھا حصہ ہو۔ یہ تھی وہ بے مثل مہمان نوازی جس کی مثال آسمان نے نہ دیکھی ہوگی۔ [5] سبحان اللہ کیا پیارا فرمان ہے مقصد تو یہ تھا کہ انصار کے باغ انہیں کے رہیں کہ یہ ان کی روزی کا ذریعہ ہیں مگر ظاہر اس طرح فرمایا کہ مہاجرین کو باغبانی آتی ہی نہیں

أَبِي الْجَعْدِ الْبَارِقِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ دِيْنَارًا لِيَشْتَرِيَ لَهُ شَاةً فَاشْتَرَى لَهُ شَاتَيْنِ فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِيْنَارٍ وَأَتَاهُ بِشَاةٍ وَدِيْنَارٍ فَدَعَا لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْعِهِ بِالْبَرَكَةِ فَكَانَ لَوِ اشْتَرَى تُرَابًا لَرَبِحَ فِيْهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ قَالَ إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ أَنَا ثَالِثُ

ابی الجعد بارقی سے [1] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک اشرفی دی تاکہ حضور کے لیے وہ بکری خریدیں انہوں نے حضور کے لیے دو بکریاں خرید لیں پھر ایک بکری ایک اشرفی سے بیچ دی [2] اور آپ کی خدمت میں بکری اور اشرفی لائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تجارت میں برکت کی دعا فرمائی [3] پھر اگر وہ مٹی بھی خرید لیتے تو اس میں بھی نفع کما لیتے تھے [4] (بخاری)

دوسری فصل ∗ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ اسے مرفوع فرماکر فرماتے ہیں کہ رب تعالٰی فرماتا ہے میں دو شریکوں کا

ان کے پاس اتنا وقت بھی نہیں کہ باغ کو پانی دینے وغیرہ کا کام کیا کریں، محنت تم کرو، پھل آدھا آدھا کر دیا کرو، مقصد اور وجہ اظہار کچھ اور تھا کہ انصار کے مال محفوظ رہیں اور ان کی دل شکنی بھی نہ ہو (مرقات) صاحب مشکوٰۃ کا یہ حدیث یہاں لانے سے مقصد یہ ہے کہ پھلوں میں شرکت جائز ہے کہ درخت ایک شخص کے ہوں پھل مشترک۔ اسی لیے یہ حدیث یہاں لائے۔ اس سے بہت مسائل مستنبط ہو سکتے ہیں، کوئی شخص کسی سے اپنے باغ کی تمام خدمات لے اس طرح کہ باغ اس کا محنت دوسرے کی پیداوار مشترک یہ جائز ہے۔ کھیتی بٹائی کا بھی یہی حال ہے۔ کہ زمین ایک کی محنت دوسرے کی پیداوار مشترک یہ بھی جائز ہے [5] انصار کی نیت یہ تھی کہ ہم نے اپنا باغ نصف مہاجر بھائی کو دے ہی دیا اب باغ بھی مشترک ہے پیداوار بھی مشترک کام ہم ہی کریں گے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کچھ اور تھی جو ابھی عرض کی گئی۔

[1] آپ صحابی ہیں بارق ابن عوف ابن عدی اولاد سے۔ آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا۔ آپ وہاں ہی رہے۔ اسی لیے آپ کا شمار اہل کوفہ سے ہوتا ہے۔ بعض محدثین نے فرمایا کہ آپ عروہ ابن جعد ہیں ابی جعد نہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ آپ عروہ ابن ابی الجعد ہیں [2] حق یہ ہے کہ حضرت عروہ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وکیل مطلق تھے اور وکیل مطلق کو خرید و فروخت ہر چیز کا حق ہوتا ہے۔ اسی لیے آپ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بکری فروخت بھی کر دی اگر فقط خریدنے کے لیے وکیل ہوتے۔ تو آپ کو فروخت کر دینا حق نہ ہوتا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وکیل خرید کو سستا مال خریدنے کا حق ہے کہ اس میں مؤکل کا نفع ہی ہے۔ اگر بارہ آنے سیر دودھ خریدنا کسی کو وکیل کیا۔ اس نے اعلیٰ درجہ کا دودھ جو بارہ آنے سیر بکتا ہے دس آنے سیر خرید لیا تو یقیناً جائز ہے کہ مؤکل کا فائدہ ہی کیا ہاں وکیل بیع سستی نہیں بیچ سکتا جب کہ مؤکل نے قیمت مقرر کر دی ہو کہ اس میں مؤکل کا نقصان ہے [3] گویا آپ حضرت عروہ کی اس دانائی و فراست سے بہت خوش ہوئے۔ تجارتی سمجھ بھی اللہ تعالٰی کی رحمت ہے جیسے انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے یہ نعمت رب کی طرف سے پائی [4] مٹی کا لفظ یا تو بطور تمثیل فرمایا گیا مراد معمولی چیز ہے۔ یعنی اگر نہایت معمولی چیز کی تجارت بھی کرتے تب بھی نفع کما لیتے تھے یا مٹی ہی مراد ہے کہ مٹی کی تجارت جائز ہے۔ خصوصاً مدینہ پاک کی مٹی کی تجارت ثواب بھی بڑے زور سے ہوتی ہے۔ وہاں کی خاک شفاء حجاج تحفہ کے طور پر لاتے ہیں کمہار جنگلی مٹی مفت اٹھا لاتے ہیں اور شہر میں فروخت کرتے ہیں یہ بھی جائز ہے۔

الشَّرِيكَيْنِ مَا لَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ فَإِذَا خَانَهُ خَرَجْتُ مِنْ بَيْنِهِمَا رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ
رَزِينٌ وَجَاءَ الشَّيْطَانُ ۔ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنِ
ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ ۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ
أَرَدْتُ الْخُرُوجَ إِلَى خَيْبَرَ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ وَقُلْتُ إِنِّي
أَرَدْتُ الْخُرُوجَ إِلَى خَيْبَرَ فَقَالَ إِذَا أَتَيْتَ وَكِيلِي فَخُذْ مِنْهُ خَمْسَةَ عَشَرَ وَسْقًا فَإِنِ ابْتَغَى مِنْكَ

تیسرا ہوتا ہوں جب تک کہ ان میں کا ایک اپنے ساتھی سے خیانت نہ کرے ۱ جب خیانت کرتا ہے تو ان کے درمیان سے میں نکل جاتا ہوں ۲ (ابوداؤد)
رزین نے یہ اور بڑھایا کہ شیطان آجاتا ہے ۳ روایت ہے ان ہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ حضور نے فرمایا کہ جو تم سے امانتداری
کرے اسکی امانت ادا کرو ۴ اور جو تم سے خیانت کرے اس سے تم خیانت نہ کرو ۵ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی) ۶ روایت ہے حضرت جابر سے
فرماتے ہیں کہ میں نے خیبر جانے کا ارادہ کیا تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ میں خیبر جانے
کا ارادہ کررہا ہوں ۷ فرمایا جب تم ہمارے وکیل کے پاس جاؤ تو ان سے پندرہ وسق لے لینا ۸ پھر اگر تم سے کوئی نشانی

۱ اللہ تعالیٰ کے تیسرا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت ان دونوں صاحبوں کے شریک حال ہوجاتی ہے رب کو ان کا شریک قرار دینا مجازاً ہے
اس سے معلوم ہوا کہ تجارتی کاروبار شرکت میں کرنا اکیلے اکیلے کرنے سے بہتر ہے جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ علیحدگی کی صورت میں ہر ایک دوسرے کی مخالفت
کرتا ہے۔ اور شرکت میں ایک دوسرے کا تعاون کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کی مدد کرنے والے کی مدد کرتا ہے اس سے کاروبار کے بہت مسائل مستنبط ہوسکتے ہیں
۲ یعنی اپنی برکت نکال لیتا ہوں بے برکتی داخل فرمادیتا ہوں، یہ تجربہ سے بھی ثابت ہے کہ جب تک تجارت میں نیک نیتی سے شرکت رہے بڑی برکت ہوتی ہے اور جہاں
نیت خراب ہوئی تو برکت گئی اور دکان کا دیوالیہ ہوا بارہا کا تجربہ ہے ۳ یعنی بدنیت شریکوں کے ساتھ شیطان شامل رہتا ہے۔ کہ ان سے صدہا گناہ کراتا ہے
پھر ہر ایک شریک چوری، جھوٹ، حسد، بغض وغیرہ کرنے لگتا ہے آخر کار بہت بدنامی اور لڑائی کے ساتھ ان کی علیحدگی ہوتی ہے۔ جب شیطان شریک ہوگیا تو پھر گناہوں
کی کیا کمی ۴ یعنی جو شخص تمہیں امین جان کر اپنے مال، اسرار، عزت و آبرو وغیرہ کو تمہارے سپرد کرے تو تم امین ہی بن کر اسے دکھا دو کہ اس کے کسی معاملہ میں خیانت نہ کرو
۵ علماء فرماتے ہیں کہ حدیث فتویٰ پر شامل ہوسکتی ہے۔ اور تقوے پر بھی، فتویٰ یہ ہے کہ خائن سے بقدر خیانت بدلے سکتے ہیں اگر کسی نے تمہارے سو روپے مار
لیے تو جب کبھی وہ تمہارے پاس اپنی کچھ رقم امانت یا قرض دے تو اپنا حق وضع کرکے باقی اسے دو کہ یہ وضع خیانت نہیں بلکہ اپنا حق وصول کرنا ہے مگر تقوے یہ
ہے کہ ایسے شخص سے بھی بدلہ میں یہ معاملہ نہ کرے، اپنا حق علیحدہ مانگے۔ مگر اس کا یہ حق پورا ادا کرے۔ یہ اعلیٰ درجہ کا اخلاق ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ
ہِیَ اَحْسَنُ حضور فرماتے ہیں واحسن الی من اساء الیک۔ جو تم سے برائی کرے تم اس سے بھلائی کرو۔ خیال رہے کہ کافر حربی کی بھی خیانت جائز
نہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقع پر ان خون کے پیاسے دشمنوں کی امانتیں ادا کیں جنہوں نے قتل کے ارادے سے حضور
کا گھر گھیر لیا تھا حضرت علی کو حضور نے مکہ معظمہ چھوڑا اور آپ صدیق اکبر کے ساتھ روانہ ہوگئے حضرت علی سے فرما گئے کہ ان ہی لوگوں کی میرے پاس امانتیں
ہیں تم وہ ادا کرکے مدینہ آجانا ۶ یہ حدیث بخاری نے اپنی تاریخ میں، حاکم نے اپنی مستدرک میں، دارقطنی نے حضرت انس سے روایت کی۔ ۷ صحابہ کرام

آيَةً فَضَعْ يَدَكَ عَلٰى تَرْقُوَتِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ ۞ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ ۞ عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ فِيْهِنَّ الْبَرَكَةُ الْبَيْعُ اِلٰى اَجَلٍ وَّالْمُقَارَضَةُ وَاِخْلَاطُ الْبُرِّ بِالشَّعِيْرِ لِلْبَيْتِ لَا لِلْبَيْعِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ ۞ وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ اَنَّ رَسُوْلَ

مانگیں تو ان کے گلے پر ہاتھ رکھ دینا ۱؎ (ابوداؤد) ۞ تیسری فصل ۞ روایت ہے حضرت صہیب سے ۲؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین چیزوں میں برکت ہے ۳؎ ادھار بیچنا، قرض دینا، اور گیہوں کو جَو سے ملانا گھر کے لیے نہ کہ تجارت کے لیے ۴؎ (ابن ماجہ) ۞ روایت ہے حضرت حکیم ابن حزام سے ۵؎ کہ رسول

جب کبھی سفر میں جاتے تو حضور انور کو مل کر آپ سے وداع ہو کر آپ کی دعائیں و نصیحتیں لے کر جاتے تھے ان کے لیے یہ دعائیں نصیحتیں سفر کا بہترین توشہ ہوتی تھیں بعض حضرات تو صراحۃً عرض کرتے تھے کہ سفر کو جا رہا ہوں کچھ توشہ عنایت فرمایا جائے۔ اسی کے مطابق حضرت جابر حضور انور سے وداع ہونے حاضر ہوئے آپ اپنے کسی کام کو خیبر جا رہے تھے ۲؎ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ ایک صاع ساڑھے چار سیر کا۔ حضور انور نے آپ کو وکیل قبض بنایا کہ ہماری اتنی کھجوریں یا جَو فلاں وکیل سے وصول کرکے ہمارے پاس لے آنا وہ حضرت خیبر میں وکیل وصول بنا کر بھیجے گئے تھے کہ اہل خیبر سے حضور کے حصہ کی کھجوریں یا جَو وغیرہ وصول کرکے اپنے پاس رکھیں جب کوئی شخص مدینہ آئیگا ہم اس کے ہاتھ منگالیں گے اس حدیث سے دو طرح وکالت ثابت ہوئی، اور دو قسم کی ثابت ہوئی وکالت قبض، وکالت وصول ۞

۱؎ حضور انور نے اس پہلے وکیل وصول کو اولًا سمجھا دیا تھا کہ آدمی تمہارے پاس جو آئیگا اس کو ہم یہ علامت سمجھا دیں گے تاکہ کوئی اور شخص ناجائز طور پر ان سے یہ مال نہ لے لیں: خیال رہے کہ یہ عمل ہم کو تعلیم کے لیے ہے، ورنہ تمام صحابہ سچے، عادل، قابل اعتماد ہیں ان پر جھوٹ یا دھوکہ کا احتمال بھی نہیں ہوسکتا۔ انھیں حضرت جابر نے صدیق اکبر سے عرض کیا تھا کہ حضور انور نے مجھ سے تین لپ بھر کر دو ہم دینے کا وعدہ فرمایا تھا کہ حضور کی وفات ہوگئی۔ جناب صدیق نے بغیر گواہ و قسم لیئے وعدہ پورا کیا۔ کیوں؟ اس لیئے کہ صحابہ عادل ثقہ ہیں ان کی بات قبول ہے ۞ ۲؎ آپ صہیب ابن سنان ہیں۔ کنیت ابو یحیٰی، علاقہ موصل میں دجلہ و فرات کے درمیان کے رہنے والے۔ آپ کے علاقہ پر روم نے حملہ کرکے آپ کو غلام بنالیا اور بنی کلب قبیلہ نے آپ کو رومیوں سے خرید لیا۔ بنی کلب نے عبداللہ ابن جدعان کے ہاتھ فروخت کردیا۔ کہ معظمہ لاکر انھوں نے ہی آپ کو آزاد کیا۔ آپ اور عمار ابن یاسر ایک ہی دن ایمان لائے۔ جبکہ حضور انور دار ارقم میں پناہ گزین تھے۔ آپ نے کفار مکہ کے ہاتھوں اسلام لاکر بہت مصیبتیں اٹھائیں آپ کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ الخ نوے سال عمر ہوئی ۳۸ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی بقیع میں دفن ہوئے۔ آپ کے فضائل بے شمار ہیں بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک رہے ۞ ۳؎ برکت و کثرت میں فرق ہے۔ ہر زیادتی کثرت ہے۔ مگر خیر و نفع کی زیادتی برکت ہے۔ کثرت سے برکت اعلیٰ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا وَجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا رب نے مجھے برکت والا بنایا۔ کثرت والا نہ کہا ۴؎ فقراء کو ادھار بیچ دینے میں دعائیں بھی ملتی ہیں، لوگوں کی تعریفیں بھی رب کی رحمت بھی۔ قرض دینے سے مراد ہے مضاربت پر مال دینا کہ مال ہمارا ہو محنت دوسرے کی نفع میں شرکت گندم میں تھوڑے جَو ملانے سے سنت بھی ادا ہوتی ہے۔ خرچ میں کفایت بھی۔ روٹی زود ہضم بھی ہوتی ہے کہ ٹھنڈی بھی گندم گرم ہے جَو ٹھنڈے ۞ ۵؎ یعنی گندم دکھا کر جَو ملا کر نہ بیچو کہ اس میں خریدار کو دھوکا دینا ہے۔ بلکہ اپنے کھانے کے لیے گندم میں جَو ملاؤ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَہٗ بِدِیْنَارٍ لِیَشْتَرِیَ لَہٗ بِہٖ اُضْحِیَۃً فَاشْتَرٰی کَبْشًا بِدِیْنَارٍ وَّبَاعَہٗ بِدِیْنَارَیْنِ فَرَجَعَ فَاشْتَرٰی اُضْحِیَۃً بِدِیْنَارٍ فَجَآءَ بِہَا وَبِالدِّیْنَارِ الَّذِیْ اسْتَفْضَلَ مِنَ الْاُخْرٰی فَتَصَدَّقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالدِّیْنَارِ فَدَعَا لَہٗ اَنْ یُّبَارَکَ لَہٗ فِیْ تِجَارَتِہٖ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ ۞ بَابُ الْغَصْبِ وَالْعَارِیَۃِ ۞ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ ۞ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ زَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا فَاِنَّہٗ یُطَوَّقُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مِنْ سَبْعِ اَرَضِیْنَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ ۞ وَعَنِ ابْنِ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ ایک اشرفی بھیجی تاکہ آپ کے لیے قربانی خرید لیں انہوں نے ایک اشرفی سے مینڈھا خریدا اور اسے دو دینار میں بیچ دیا[۱] پھر واپس بازار آئے اور ایک اشرفی سے قربانی خرید لی پھر حضور کے پاس قربانی اور دوسری قربانی سے بچی ہوئی اشرفی لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشرفی تو خیرات کردی[۲] اور انہیں دعا دی کہ ان کی تجارت میں ہمیشہ برکت ہو[۳] (ترمذی، ابوداؤد) ۞ مال ہتھیا لینے اور مانگ کر لینے کا باب[۴] ۞ فصل پہلی ۞ روایت ہے حضرت سعد ابن زید سے[۵] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بالشت بھر زمین ظلماً لے لے تو قیامت کے دن اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا[۶] (مسلم بخاری) اور روایت ہے حضرت ابن

فروخت میں جو خریدار کو دکھا دیا وہ ہی دو دینار آپ کی کنیت ابو خالد ہے۔ قرشی ہیں حضرت خدیجہ کے بھتیجے، خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے واقعہ فیل سے تیرہ سال پہلے فتح مکہ میں

ایمان لائے۔ مدینہ منورہ میں وفات پائی عمر ایک سو بیس سال ہوئی ۵۴ھ میں وفات ہوئی۔

[۱] آپ کو یقین تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے اس بیچ دینے سے ناراض نہ ہوں گے اس لیے جانور بیچ دیا۔ ورنہ آپ صرف خریدنے کے لیے وکیل تھے نہ کہ فروخت کرنے کے[۲] اور آپ نے حکیم کی یہ بیع جائز رکھی اس سے معلوم ہوا کہ بعض صورتوں میں قربانی کے لیے خریدا ہوا جانور فروخت کرکے دوسرا جانور خرید سکتے ہیں خصوصاً جبکہ قربانی کرنے والا غریب نہ ہو امیر ہو یہ بھی معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور کی قیمت سے بچا ہوا پیسہ اپنے کام میں نہ لائے بلکہ خیرات کردے تاکہ اپنا صدقہ خود نہ کھائے[۳] چنانچہ رب تعالٰی آپ کو ہمیشہ تجارتوں میں برکت دیتا تھا جو لوگ آپ کے ساتھ مل کر تجارت کرتے تھے وہ بھی مالدار ہو جاتے تھے اور بڑے بڑے تاجر آپ کے مشورہ سے بیوپار کرتے تھے (مرقات)[۴] غصب کے معنی ہیں کسی کے مال پر ناجائز قبضہ کرلینا جیسے کوئی چیز کسی سے مانگ کر لائے پھر نہ دے یا امانت کا انکار کردیا لہذا غصب چوری ڈکیتی میں فرق ہے۔ عاریت کے معنے ہیں کسی کی چیز سے اس کی اجازت پر بغیر معاوضہ نفع حاصل کرنا۔ جیسے کسی کا برتن کچھ دن کے لیے مانگ لینا۔ پھر کام نکال کر واپس کردینا غصب حرام ہے۔ عاریت جائز۔ عاریت عار بمعنے شرم و غیرت سے بنا۔ چونکہ اہل عرب اس کام میں شرم کرتے تھے اس لیے اسے عاریت کہا گیا ننگے کو بھی عاری اسی لیے کہتے ہیں کہ ننگا رہنے میں شرم و عار ہوتی ہے۔ بعض نے فرمایا عاریت تعاور سے ہے بمعنے تبادلہ کرنا، دست بدست لین دین[۵] آپ عشرہ مبشرہ سے ہیں حضرت عمر فاروق کی بہن فاطمہ آپ ہی کے نکاح میں تھیں۔ آپ ہی کے ذریعہ حضرت عمر ایمان لائے سواء بدر تمام غزوات میں شامل رہے بدر کے دن آپ حضرت طلحہ کے ساتھ کفار قریش کی تلاش میں گئے تھے حضور انور نے آپ کو حصہ غنیمت کے مال سے دیا۔ ستر

عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایَحْلُبَنَّ اَحَدٌ مَاشِیَۃَ امْرِئٍ بِغَیْرِ اِذْنِہٖ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تُؤْتٰی مَشْرُبَتُہٗ فَتُکْسَرَ خِزَانَتُہٗ فَیُنْتَقَلَ طَعَامُہٗ وَاِنَّمَا یَخْزُنُ لَھُمْ ضُرُوْعُ مَوَاشِیْھِمْ اَطْعِمَاتِھِمْ رَوَاہُ مُسْلِمٌ ۞ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَاءِہٖ فَاَرْسَلَتْ اِحْدٰی اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِصَحْفَۃٍ فِیْھَا طَعَامٌ فَضَرَبَتْ

عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی کسی کا جانور بغیر اس کی اجازت کے نہ دوھے [۱] کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ کوئی اس کے بالاخانہ پر گھس آئے پھر اس کا خزانہ توڑ کر غلہ لے جائے [۲] اور لوگوں کے جانوروں کے تھن ان کی غذاؤں کے خزانہ ہیں [۳] (مسلم) ۞ روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض بیویوں کے پاس تھے کہ امہات المومنین میں سے کسی نے ایک پیالہ بھیجا [۴] جس میں کچھ کھانا تھا تو

سال سے زیادہ عمر ہوئی ۵۱ھ میں مقام عقیق میں انتقال ہوا آپ کی نعش مدینہ پاک لائی گئی، بقیع میں دفن ہوئے [۶] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین کے سات طبقے اوپر نیچے ہیں صرف سات ملک نہیں پہلے تو اس غاصب کو زمین کے سات طبق کا طوق پہنایا جائے گا پھر اسے زمین میں دھنسایا جائے گا، لہٰذا جن احادیث میں ہے کہ اسے زمین میں دھنسایا جائے گا، وہ احادیث اس حدیث کے خلاف نہیں، یہ حدیث بالکل ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں، اللہ تعالٰی اس غاصب کی گردن اتنی لمبی کردے گا کہ اتنی بڑی ہنسلی اس میں آجائے گی، معلوم ہوا کہ زمین کا غصب دوسرے غصب سے سخت تر ہے۔

[۱] یعنے کسی کی بکری، گائے، بھینس اونٹنی وغیرہ کا دودھ بغیر اس کی اجازت نہ نکالے، اہل عرب اس طرح دودھ کی چوری بھی کرتے تھے کہ کسی کا جانور پکڑا دودھ دوہ لیا، یہ بھی حرام ہے۔ [۲] بعض نسخوں میں بجائے طَعَامُہٗ کے مُتَبَاعَہٗ ہے: اہل عرب اکثر اپنا سامان بالاخانوں پر رکھتے تھے، اس لیے بالاخانہ کا ذکر فرمایا ورنہ چوری نہ خانہ سے بھی حرام ہے اور بالاخانہ سے بھی۔ [۳] یعنے جیسے کسی کا مال بغیر اجازت اس کے گھر سے لینا حرام ہے ایسے ہی کسی کے جانور کا دودھ مالک کی اجازت کے بغیر دوہ لینا حرام ہے یہ حدیث جمہور علماء کی دلیل ہے کہ کسی کا جانور بغیر اجازت نہ دوہے ہاں مخمصہ یعنی سخت بھوک کی حالت میں اجازت ہے کہ اس طرح دوہ کر پی لے اور جان بچالے، ہمارے امام صاحب فرماتے ہیں اگر مُردار بھی پائے اور غیر کا مال بھی تو مُردار کھاکر جان بچالے اور غیر کے مال کو ہاتھ نہ لگائے (مرقات) امام محمد و اسحاق کے ہاں دوسرے کا جانور بغیر اجازت دوہ لینا جائز ہے ان کی دلیل حدیث ہجرت ہے، کہ صدیق اکبر نے بحالت سفر ایک قریشی کے غلام سے اس کی بکری کا دودھ دوہلوایا اور خرید کر حضور کو پلایا، حالانکہ بکری کا مالک وہاں موجود نہ تھا، نیز بعض روایات میں ہے کہ جو کسی کی بکریاں پائے، وہ تین بار آواز دے کہ کس کی بکریاں ہے، میں دودھ دوہتا ہوں اگر تین آوازوں میں مالک نہ ملے، تو دوہ لے اور پی لے، مگر یہ دلیلیں کمزور ہیں، کیونکہ پہلی حدیث کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ اس غلام کو دودھ بیچنے کی مالک کی طرف سے اجازت تھی، اور یہ دوسری حدیث مخمصہ کی حالت کے لیے ہے جبکہ بھوک سے جان نکل رہی ہو، ورنہ غیر کا مال بغیر اجازت لینا کس طرح درست ہوسکتا ہے، یوں ہی کسی کے باغ کے پھل اس کی اجازت کے بغیر نہ توڑے، نہ کھائے، نہ اٹھائے، نہ لے جائے، جن احادیث میں اجازت ہے کہ کھائے مگر لے نہ جائے وہاں بھی مخمصہ کی حالت مراد ہے کہ بھوک کی جان پہ بن گئی ہے وہ یہ کھاکر جان بچالے، ہاں جنگل پھل کسی کی ملک نہیں جیسے کوکن بیر، وہ شکار کے جانور کی طرح کسی کی ملک نہیں جو چاہے کھائے، (از لمعات و مرقات و اشعہ مع زیادۃ) اس کی تحقیق کتب فقہ میں دیکھیے۔

اَلَّتِیْ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَیْتِہَا یَدَ الْخَادِمِ فَسَقَطَتِ الصَّحْفَۃُ فَانْفَلَقَتْ فَجَمَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِلَقَ الصَّحْفَۃِ ثُمَّ جَعَلَ یَجْمَعُ فِیْہَا الطَّعَامَ الَّذِیْ کَانَ فِی الصَّحْفَۃِ وَیَقُوْلُ غَارَتْ اُمُّکُمْ ثُمَّ حَبَسَ الْخَادِمَ حَتّٰی اُتِیَ بِصَحْفَۃٍ مِنْ عِنْدِ الَّتِیْ ھُوَ فِیْ بَیْتِہَا فَدَفَعَ الصَّحْفَۃَ الصَّحِیْحَۃَ اِلَی الَّتِیْ کُسِرَتْ صَحْفَتُہَا وَاَمْسَکَ الْمَکْسُوْرَۃَ فِیْ بَیْتِ الَّتِیْ کَسَرَتْ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ ؁ وَعَنْ عَبْدِاللہِ بْنِ یَزِیْدَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ

جس کے گھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے انہوں نے خادم کے ہاتھ مارا جس سے پیالہ گر کر ٹوٹ گیا ۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالے کے ٹکڑے جمع کیے۔ پھر جو کھانا پیالے میں تھا اس میں ڈالا ۲؎ اور آپ فرماتے جاتے تھے کہ تمہاری ماں غیرت کر گئیں ۳؎ پھر خادم کو روک لیا حتی کہ جن کے گھر میں حضور تھے ان کے پاس سے پیالہ لایا گیا تو جن کا پیالہ ٹوٹ گیا تھا انہیں درست پیالہ دے دیا ۴؎ اور ٹوٹا ہوا پیالہ توڑنے والی کے گھر میں رکھ دیا ۵؎ (بخاری) ؁ روایت ہے حضرت عبداللہ ابن یزید سے ۶؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی

۱؎ بعض بیویوں سے مراد حضرت عائشہ صدیقہ ہیں جیساکہ دوسری روایتوں میں ہے، یا تو حضرت انس ان کا نام بھول گئے، یا احترامًا ان کا نام ظاہر نہ فرمایا کھانا بھیجنے والی بی بی صفیہ ہیں۔ اور ہوسکتا ہے کہ حضرت زینب یا ام سلمہ ہوں، حضور کی بارگاہ میں اکثر و بیشتر ہدیے جب ہی آتے تھے جبکہ آپ حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر پر ہوتے (اشعہ ومرقات)

۱؎ آپ خادم کو مارنا نہ چاہتی تھیں کہ وہ تو بے قصور تھا بلکہ ارادہ پیالہ پھینکنے کا تھا اس کے ہاتھ پہ ہاتھ مارنا اسی نیت پر تھا چنانچہ خادم کو چوٹ نہ لگی اور پیالہ گر گیا، اسی لیے حضور انور نے خادم کا قصاص نہ دلوایا پیالہ کا عوض دلوایا۔ ۲؎ یہ ہے سرکار کا علم و اخلاق اور نعمت الٰہی کی قدر دانی کہ آپ ام المؤمنین پہ ناراض نہ ہوئے اور کھانا ضائع نہ جانے دیا۔ اس سے پتہ لگا کہ گرے ہوئے لقمہ کو بھی جھاڑ پونچھ کر کھا لینا چاہیے جیساکہ دوسری روایتوں میں صراحۃً آتا ہے۔ ۳؎ یعنی ام المؤمنین نے یہ کام ظلمًا نہیں کیا نہ وہ اس میں گنہگار ہیں بلکہ فطرت بشری کی بنا پر کیا کہ قدرتی طور پر ہر بی بی اپنی سوکن کی چیز کو اپنے گھر آنا پسند نہیں کرتی، فطری چیز پر پکڑ نہیں ہوا کرتی، سبحان اللہ کیسی برکت والی ماں ہیں کہ یہاں ان کی صفائی حضور انور بیان فرما رہے ہیں، اور دوسرے مقام پر ان کی صفائی اللہ تعالٰی نے قرآن میں بیان فرمائی ہے، ان خطاؤں پر ہماری لاکھوں عبادتیں قربان۔ ۴؎ یہ پیالہ کا ضمان نہ تھا ورنہ قیمت دلوائی جاتی، کیونکہ پیالہ شرعًا مثلی چیز نہیں ہے قیمتی چیز ہے جس کے توڑنے پر بدلہ میں قیمت واجب ہوتی ہے، بلکہ یہ عمل شریف اخلاقًا تھا، کیونکہ دونوں پیالے حضور ہی کے تھے، وہاں ضمان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بعض شارحین نے اس کی اور وجہیں بھی بیان کی ہیں، مگر یہ وجہ نہایت اعلیٰ ہے، دینے والے بھی حضور ہیں اور لینے والے بھی، گھر کا سامان خاوند کا ہوتا ہے نہ کہ بیوی کی ملک۔ ۵؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ ٹوٹا پیالہ بھی مال ہے، اس کی بیع و معاوضہ جائز ہے، کبھی تو یہ ٹھیکریاں جڑ کر کام دیتی ہیں اور کبھی الگ الگ ہی کچھ کام دے جاتی ہیں: دوسرے یہ کہ کسی کی چیز توڑ دینا بھی غصب کی ایک قسم ہے جبکہ یہ توڑنا زیادتی کی بنا پر ہو، اور اس کا تاوان لازم ہے، اسی لیے صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث غصب کے باب میں لائے جناب عائشہ صدیقہ کا یہ فعل صورۃً تعدی تھا لہذا یہ اعتراض نہیں پڑ سکتا

وَسَلَّمَ اَنَّهٗ نَهٰى عَنِ النُّهْبَةِ وَالْمُثْلَةِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ؛ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اِنْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ سِتَّ رَكَعَاتٍ بِاَرْبَعِ سَجَدَاتٍ فَانْصَرَفَ وَقَدْ اٰضَتِ الشَّمْسُ وَقَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ تُوْعَدُوْنَهٗ اِلَّا قَدْ رَاَيْتُهٗ فِيْ صَلٰوتِيْ لَقَدْ جِيْءَ بِالنَّارِ وَذٰلِكَ حِيْنَ رَاَيْتُمُوْنِيْ تَاَخَّرْتُ مَخَافَةَ اَنْ يُّصِيْبَنِيْ مِنْ لَفْحِهَا وَحَتّٰى رَاَيْتُ فِيْهَا صَاحِبَ الْمِحْجَنِ

کہ حضور انور نے لوٹ مار کرنے اور ناک کان کاٹنے سے منع فرمایا ۲ (بخاری)؛ روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گھن گیا جس دن کہ حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی ۲ تو حضور نے لوگوں کو دو رکعتیں چھ رکوعوں اور چار سجدوں سے پڑھائیں ۳ پھر فارغ ہوئے حالانکہ سورج اصلی حالت پر لوٹ چکا تھا فرمایا جن چیزوں کی تمہیں خبر دی گئی ہے ان میں سے کوئی چیز نہیں مگر میں نے اپنی اس نماز میں وہ سب دیکھ لیں ۴ تحقیق آگ لائی گئی اور یہ جب تھا جب تم نے مجھے دیکھا کہ میں پیچھے ہٹا ۵ اس خوف سے کہ اس کی لپٹ مجھے پہنچ جائے ۶ اور حتی کہ میں نے آگ میں تیرنے والے کو دیکھا جو اپنی آنکڑے

۱ صاحب مشکوۃ یہ حدیث باب الغصب میں کیوں لائے (مرقات)۔ ۲ آپ خطمی انصاری ہیں، صلح حدیبیہ میں آپ ۱۷ سال کے تھے، بیعت الرضوان میں شریک تھے حضرت عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں انہی کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے اور انہی کے زمانہ میں وفات پائی، آپ سے آپ کے بیٹے موسیٰ اور آپ کے پوتے ابو بردہ ابن ابی موسیٰ وغیرہم نے روایات لیں، امام شعبی آپ کے کاتب رہے۔

۲ یعنی نہ تو کسی مسلمان کا مال لوٹنا جائز ہے اور نہ کسی انسان یا حیوان کے ناک کان زندگی میں یا بعد موت کاٹنا جائز۔ اس سے معلوم ہوا کہ کٹی ہوئی پتنگ یا اس کی ڈور لوٹنا حرام ہے کہ یہ بھی نُہبہ ہے خیال رہے کہ لٹائی ہوئی چیز کا لوٹ لینا جائز ہے۔ جیسے نکاح کے چھوہارے اور دولھا دلہن پر بکھیرے پیسے، کہ اُسے عربی میں نثر کہتے ہیں نہ کہ نُہبہ۔ یوں ہی علاجًا و قصاصًا ناک کان کاٹنا جائز، کہ وہ مثلہ نہیں، بلکہ علاج یا قصاص ہے، لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ الخ اہل عرب جنگوں میں مقتولین کے ناک کان کاٹ ڈالتے تھے اور ایک دو مہمانوں کی آمد پر زندہ بکری کا ہاتھ یا پیر کاٹ کر پکا لیتے تھے، یہاں اس سے منع فرمایا گیا۔ ۲ اس کی تحقیق باب صلوۃ الکسوف میں ہوچکی کہ حضرت ابراہیم کی وفات چاند کی دسویں تاریخ کو ہوئی، ریاضی کے قاعدہ سے اس دن سورج گرہن لگ سکتا ہی نہ تھا۔ مگر رب تعالٰی نے اُن کا قاعدہ توڑ دیا۔ حضرت ابراہیم بقرعید ۸ھ میں بی بی ماریہ قبطیہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے، اور سولہ یا اٹھارہ مہینہ کی عمر پاکر وفات پاگئے اور بقیع میں دفن ہوئے۔ ۳ اس طرح کہ ہر رکعت میں تین رکوع اور دو سجدے کیے، اس کی تحقیق نماز کسوف میں گذر چکی ہمارے ہاں اس نماز کی ہر رکعت میں بھی اور نمازوں کی طرح ایک رکوع اور دو سجدے ہی ہوں گے، اس کے جوابات اسی باب میں عرض کر دیئے گئے۔ ۴ یعنی جنت اور وہاں کی نعمتیں اور دوزخ اور وہاں کے سارے عذاب اپنی ان آنکھوں سے ملاحظہ فرمالیے۔ حدیث بالکل ظاہری معنے پر ہے۔ اس میں کسی تاویل اور توجیہ کی ضرورت نہیں اس کی پوری تحقیق نماز کسوف میں ہوچکی ہے۔ ۵ باب الکسوف میں گذر چکا کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس نماز میں دو بار کچھ جنبش فرمائی، ایک بار تو آگے بڑھ کر کچھ لینے کے ارادے سے اور ایک بار پیچھے ہٹ کر بچنے کے قصد سے، اُسے فرمایا ہے یہ کہ

يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ وَكَانَ يَسْرِقُ الْحَاجَّ بِمِحْجَنِهٖ فَاِنْ فُطِنَ لَهٗ قَالَ اِنَّمَا تَعَلَّقَ بِمِحْجَنِيْ وَاِنْ غُفِلَ عَنْهُ ذَهَبَ بِهٖ وَحَتّٰى رَاَيْتُ فِيْهَا صَاحِبَةَ الْهِرَّةِ الَّتِيْ رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَاْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ حَتّٰى مَاتَتْ جُوْعًا ثُمَّ جِيْءَ بِالْجَنَّةِ وَذٰلِكَ حِيْنَ رَاَيْتُمُوْنِيْ تَقَدَّمْتُ حَتّٰى قُمْتُ فِيْ مَقَامِيْ وَلَقَدْ مَدَدْتُ يَدِيْ وَاَنَا اُرِيْدُ اَنْ اَتَنَاوَلَ مِنْ ثَمَرِهَا لِتَنْظُرُوْا اِلَيْهِ ثُمَّ بَدَا لِيْ اَنْ لَّا اَفْعَلَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ؀ وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ

آگ میں کھینچ رہا ہے [1] وہ اپنے نیزے سے حاجیوں کی چوری کرلیتا تھا اگر اس کی حرکت معلوم ہوجاتی تو کہہ دیتا تھا کہ یہ میرے نیزے سے لگ رہا اور اگر اس سے بے خبری رہی تو لے جاتا [2] اور حتی کہ میں نے اس میں بلی والی کو دیکھا جس نے بلی کو باندھ رکھا کہ اسے کچھ نہ کھلا اور نہ اسے چھوڑا کہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھالیتی یہاں تک کہ وہ بھوک سے مرگئی [3] پھر جنت لائی گئی اور یہ جب تھا کہ تم نے مجھے دیکھا کہ میں آگے بڑھا حتی کہ اپنی جگہ کھڑا ہوگیا [4] اور میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا میں چاہتا تھا کہ اس کے کچھ پھل لے لوں تاکہ تم انہیں دیکھو۔ پھر رائے یہی قائم ہوئی کہ ایسا نہ کروں [5] (مسلم)؀ روایت ہے حضرت قتادہ سے فرماتے ہیں میں نے

جب تم نے مجھے دیکھا کہ میں عین نماز کی حالت میں کسی خطرناک چیز سے بچتے ہوئے پیچھے ہٹا تو اس وقت دوزخ ہمارے سامنے تھی۔ اس سے پچھلا مقصود تھا [6] یہ فرمان عالی ہی ہے جیسے کہ بادل یا آندھی آنے پر حضور انور کا چہرہ مبارک متغیر ہوجاتا تھا کہ کہیں عذاب یا قیامت نہ آگئی ہو حالانکہ سرکار کو معلوم تھا کہ قیامت ابھی نہیں آسکتی اور آپ کے ہوتے عذاب نازل نہیں ہوسکتا یوں ہی حضور انور کو معلوم تھا کہ دوزخ کی آگ ہم پر اثر نہیں کرسکتی حضور انور کی تو بڑی شان ہے مومن دوزخ میں جاکر دوزخی مسلمان کو نکال لائیں گے اور آگ کے اثر سے محفوظ رہیں گے۔ یہ خوف دراصل خوف الٰہی ہے۔ لہذا یہ حدیث واضح ہے۔

[1] محجن جحن سے بنا بمعنے اپنی طرف کھینچنا، اب محجن وہ لاٹھی ہے۔ جس کے کنارے پر خم دار گولا لگا ہو اس کے ذریعہ آسانی سے چیز اپنی طرف کھینچی جائے۔ اس محجن والے کا نام عمرو ابن لُحَی ہے۔ لام کے پیش ح کے فتح سے، قصب بمعنے آنت جمع اقصاب یعنے اس کی آنتیں باہر نکل پڑی تھیں، جب وہ چلتا پھرتا ہے۔ تو آنتیں گھسٹتی ہیں، رب کی پناہ؀ [2] سبحان اللہ کیسا فیشن ایبل (FASHIONABLE) سیاسی چور تھا کہ حجاج کے کپڑے وہ دیا جاتے اس طرح چوری کرتا تھا کہ پکڑا بھی نہ جائے۔ اور چوری بھی کرے۔ مالک نے دیکھ لیا تو کہہ دیا ارے مجھے خبر نہ ہوئی کہ میرے محجن سے تیرا کپڑا اٹک گیا ہے، نہ دیکھا تو مال اپنا کرلیا؀ [3] شاید یہ عورت اسرائیلی تھی۔ جس نے بلی پر یہ ظلم کیا تھا اس چند مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز میں جنت و دوزخ ملاحظہ فرمائے۔ جو عالم غیب کی چیزیں ہیں دوسرے یہ کہ قیامت کے بعد ہونیوالے عذابوں کو حضور کی نگاہ ملاحظہ فرما لیتی ہے۔ یعنی آپ اگلے پچھلے کھلے چھپے حالات کو دیکھ لیتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ یہ حرکت نماز فاسد نہیں کرتی۔ چوتھے یہ کہ جانوروں پر ظلم بھی عذاب کا باعث ہے۔ اس کی مکمل بحث ہم نماز کسوف کے بیان میں کرچکے ہیں؀ [4] ظاہر یہ ہے کہ مَقَامِیْ (اپنی جگہ) سے مراد آخری وہ جگہ ہے۔ جہاں تک آپ آگے بڑھ کر پہنچے تھے اور ہوسکتا ہے کہ مطلب یہ ہو کہ پہلے ہم آگے بڑھے، پھر پیچھے ہٹے حتی کہ مصلے پر وہاں ہی لوٹ آئے جو ہماری جگہ تھی؀ [5] یعنی ہم نے ہاتھ بڑھایا اور ہمارا ہاتھ جنت کے خوشہ تک پہنچ گیا۔ چاہا کہ توڑ لیں۔ اور

أَنَسًا يَقُولُ كَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا مِّنْ أَبِيْ طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ الْمَنْدُوبُ فَرَكِبَ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ مَا رَأَيْنَا مِنْ شَيْءٍ وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔ اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ ۔ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَّيْتَةً فَهِيَ لَهُ وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوٗدَ وَ

حضرت انس کو فرماتے سنا کہ ایک دفعہ مدینہ میں دہشت پھیل گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طلحہ سے گھوڑا مانگا جسے مندوب کہا جاتا تھا ۱؎ آپ اس پر سوار ہوئے پھر جب واپس ہوئے تو فرمایا ہم نے وہاں کچھ بھی نہ دیکھا اور ہم نے اس گھوڑے کو دریا پایا ۲؎ (مسلم، بخاری) دوسری فصل ۔ روایت ہے حضرت سعید ابن زید سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ حضور نے فرمایا جو بنجر زمین کو آباد کرے ۳؎ وہ اس کی ہے ۴؎ کسی ظالم رگ کا اس میں کوئی حق نہیں ۵؎ (احمد، ترمذی، ابوداؤد) اور

اس غیبی پھل کو شہودی بنا کر تمہیں دکھا دیں بلکہ کھلا دیں، مگر خیال یہ ہوا کہ پھر جنت و دوزخ پر ایمان بالغیب نہ رہیگا اس لیئے چھوڑ دیا، بعض روایات میں ہے کہ اگر ہم وہ پھل توڑ لیتے تو تم تاقیامت کھاتے رہتے کبھی ختم نہ ہوتے اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ جنت و دوزخ پیدا ہو چکی ہیں، دوسرے یہ کہ جنت کے پھل دنیا کی طرح عینی اور حقیقی ہیں فقط خیالی و تمثیلی نہیں تیسرے یہ کہ ہلاکت اور عذاب کی جگہ سے ہٹ جانا سنت ہے چوتھے یہ کہ تھوڑا عمل نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ پانچویں یہ کہ گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے اور دوزخ کا سبب ہو جاتا ہے۔ چھٹے یہ کہ رب نے حضور کے ہاتھ میں وہ قدرت دی ہے کہ اٹھے تو مغرب و مشرق میں پہنچ جائے اور ہر جگہ تصرف کرے دیکھو بظاہر ہاتھ شریف دو تین فٹ کے فاصلہ پر پہنچا لیکن درحقیقت وہ جنت میں پہنچ چکا تھا اور وہاں کے خوشے پکڑ چکا تھا اب بھی حضور کا ہاتھ ہر بیکس کو سہارا دیتا ہے ساتویں یہ کہ حضور جنت اور وہاں کی نعمتوں کے مالک ہیں جو چاہیں لے لیں اور دے دیں۔ دیکھو اس موقعہ پر رب نے نہ فرمایا کہ آپ خوشہ کیوں توڑ رہے ہیں حضور انور نے خود ہی چھوڑ دیا۔ ۱؎ افواہ یہ پھیل گئی کہ دشمن کا لشکر یا ڈاکو حملہ آور ہو گئے اس پر شور مچ گیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا حضرت ابوطلحہ کے گھوڑے پر وہاں پہنچ گئے فرماتے جاتے تھے مت گھبراؤ میں آ گیا مت گھبراؤ میں آ گیا۔ ۲؎ مندوب یا تو ندب سے بنا بمعنی طلب اور بلاوا، مندوب بمعنی مطلوب، مرغوب محبوب اور یا ندبۃ سے بنا بمعنی اثر زخم چونکہ یہ گھوڑا بہترین تھا اور اس کے جسم پر زخم کا اثر بھی تھا اس لیے اسے مندوب کہا جاتا تھا (مرقات) ۳؎ یعنی وہاں حملہ وغیرہ کچھ نہیں ہوا یونہی وہم تھا اور یہ گھوڑا بہت تیز اور سبک رفتار ہے۔ خیال رہے کہ یہ گھوڑا اڑیل تھا آج حضور کی برکت سے ٹھیک ہو گیا پھر ٹھیک ہی رہا اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ جانور عاریۃً لے سکتے ہیں دوسرے یہ کہ جانور کا نام رکھنا جائز ہے تیسرے یہ کہ خطرناک مقام پر اکیلے پہنچ جانا بھی جائز ہے چوتھے یہ کہ دشمن کی تحقیق کرنا اور اس سے باخبر رہنا ضروری ہے پانچویں یہ کہ خوف دور ہو جانے پر لوگوں کو مطمئن کرنا سنت ہے آج خطرہ کا بھی الارم (ALARM) ہوتا ہے اور اس کے جاتے رہنے کا بھی چھٹے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے بہت قوی دل عطا فرمایا تھا اور حضور بے مثل بہادر تھے ۴؎ بنجر زمین سے مراد وہ زمین ہے۔ جو نہ تو کسی کی ملکیت ہو نہ اس سے بستی کے فوائد وابستہ ہوں۔ لہذا بستی کے قریب کی چراگاہیں، گھوڑ دوڑ کے میدان فوجی چھاؤنیوں کی [illegible] بنجر یعنی میت نہیں، اسے آباد کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے قابل کاشت بنائے ہموار کرے، اس میں رہے باغ وغیرہ لگائے۔ ۵؎ یعنی

رَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ عُرْوَةَ مُرْسَلًا وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ ، وَعَنْ اَبِيْ
حُرَّةَ الرَّقَاشِيِّ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا لَا تَظْلِمُوْا اَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ
امْرِئٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَالدَّارَقُطْنِيُّ فِي الْمُجْتَبٰى
وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ وَ

مالک نے ارسالاً حضرت عروہ سے روایت کی ۱ اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے ۲ روایت ہے حضرت
ابوحرہ رقاشی سے وہ اپنے چچا سے راوی ۳ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار ظلم نہ کرنا خبردار کسی شخص کا
مال دوسرے کو حلال نہیں مگر اس کی خوش دلی سے ۴ (بیہقی، شعب الایمان، دار قطنی فی مجتبےٰ) روایت ہے
حضرت عمران ابن حصین سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا اسلام میں تو دور سے لانا جائز نہ دور رہے جانا جائز ۵ نہ شغار

ایسی زمین کو آباد کرنے والا اس کا مالک ہو جائیگا۔ صاحبین اور امام شافعی اس حدیث کو مطلق رکھتے ہیں حاکم کی اجازت کی قید نہیں لگاتے مگر امام اعظم سلطان کی اجازت
ضروری فرماتے ہیں یعنی اگر حکومت کی اجازت سے آباد ہوئی ہے تو آباد کار اس کا مالک ہے ورنہ نہیں۔ ان حضرات کے ہاں یہ فرمان عالی ملکی قانون ہے امام اعظم کے
ہاں سیاسی حکم تھا یعنی حضور انور سلطان تھے آپ نے لوگوں کو اجازت دی تھی کہ بنجر زمینیں آباد کرو تم مالک ہو گے اب بھی بادشاہ یہ اعلان کردے تو حکم نافذ ہوگا آجکل
بعض نواب راجے اپنی ریاستیں آباد کرنے کے لیے مربعے دیتے ہیں لوگ آباد کرلیتے ہیں وہ حکم اسی حدیث سے حاصل ہے دوسری روایت میں ہے۔ لِلْمَرْءِ اِلَّا مَا طَابَتْ بِهٖ نَفْسُ
بہ انسان اس زمین کا مالک ہے جس پر سلطان راضی ہو وہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے (مرقات) ۵ یعنی اگر اس زمین میں کوئی شخص کھیت بوئے یا باغ لگائے تو آباد
کرنے والا شخص اس کھیت یا باغ کو اکھڑوا سکتا ہے اپنی زمین خالی کرا سکتا ہے عرق تنوین سے ہے یعنی رگ مراد خود رگ والا یعنی انسان ہے۔

۱ یعنی عروہ اگرچہ صحابی ہیں مگر انھوں نے خود حضور انور سے یہ حدیث نہ سنی ان سے کسی اور راوی نے بیان کی۔ انھوں نے اس راوی کا نام نہ لیا
خیال رہے کہ صحابی کی مرسل حدیث بالاتفاق قبول ہے تابعی کی مرسل حدیث امام شافعی کے ہاں حجت نہیں ہمارے ہاں حجت ہے مرقات نے فرمایا
کہ شاید حضرت عروہ نے سعید ابن زید سے ہی روایت کی ہے مگر امام مالک کی روایت میں سعید ابن زید کا نام شاید مذکور نہیں اس لیے وہ حدیث
مرسل ہوئی اور احمد کی اسناد متصل ہے۔ ۲ یہ حدیث مختلف الفاظ سے مختلف اسنادوں سے بہت ائمہ نے روایت کی چنانچہ بیہقی نے باسناد حسن حضرت عائشہ صدیقہ
سے مرفوعاً روایت فرمایا کہ اَلْعِبَادُ عِبَادُ اللّٰهِ وَالْبِلَادُ بِلَادُ اللّٰهِ فَمَنْ اَحْيَا مِنْ مَوَاتِ الْاَرْضِ شَيْئًا فَهُوَ لَهٗ وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ

۳ ابوحرہ تابعی ہیں بصری ہیں حق یہ ہے کہ ثقہ ہیں اگرچہ بعض نے انھیں ضعیف بھی کہا ہے ان کے چچا صحابی ہیں جن کا نام معلوم نہ
ہوسکا۔ مگر صحابی کا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں، کیونکہ سارے صحابہ عادل ہیں (اشعہ و مرقات) ۴ شخص سے مراد حربی کافر کے علاوہ دیگر لوگ ہیں
یہ حدیث بہت سے احکام کا ماخذ ہے مالی جرمانہ کسی کی چوری، کسی کا مال لوٹ لینا۔ کسی کا مال جبراً نیلام کر دینا۔ یہ سب حرام ہے خیال رہے کہ دیوالیہ
کا مال درحقیقت اس کے قرضخواہوں کا مال ہے اس لیے حاکم دیوالیہ کی اجازت کے بغیر نیلام کر دیتا ہے غرضکہ بعض صورتیں اس سے مستثنےٰ ہیں
لَا تَظْلِمُوْا کے معنی ہیں کہ غیر پر ظلم نہ کرو یا اپنے پر ظلم نہ کرو ۶ جلب وجنب زکوٰۃ میں بھی ہوتا ہے۔ اور گھوڑ دوڑ میں بھی۔ ہم نے یہ معنے زکوٰۃ کی

لَا شِغَارَ فِي الْإِسْلَامِ وَمَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ۞ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ عَصَا أَخِيهِ لَاعِبًا جَادًّا فَمَنْ أَخَذَ عَصَا أَخِيهِ فَلْيَرُدَّهَا إِلَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَرِوَايَتُهُ إِلَى قَوْلِهِ جَادًّا ۞ وَعَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَجَدَ عَيْنَ مَالِهِ عِنْدَ رَجُلٍ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ وَيَتَّبِعُ الْبَيِّعُ مَنْ بَاعَهُ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ ۞ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ حَتّٰى تُؤَدِّيَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ

حلال لہ اور جو لوٹ مچائے وہ ہم میں سے نہیں ٹہ (ترمذی) ۞ روایت ہے حضرت سائب ابن یزید سے وہ اپنے والد سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ٹہ فرمایا تم میں سے کوئی اپنے مسلمان بھائی کی لاٹھی نہ تو دل لگی سے لے نہ ارادۃً جو اپنے بھائی کی لاٹھی لے لے وہ اسے واپس دیدے ٹہ (ترمذی، ابوداؤد) اور ابوداؤد کی روایت جاداً تک ہے ۞ روایت ہے حضرت سمرہ سے ٹہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جو کسی شخص کے پاس بعینہٖ اپنا مال پائے وہ ہی اس کا حقدار ہے ٹہ اور خریدار بیچنے والے کا پیچھا کرے ٹہ (احمد، ابوداؤد، نسائی) ۞ روایت ہے ان ہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں ہاتھ پر وہ چیز واجب ہے جو اس نے لی حتی کہ اسے ادا کردے ٹہ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) ۞

جلب وجنب کے معنے ہیں اس کی شرح کتاب الزکوۃ میں گزر چکی گھوڑ دوڑ میں گھوڑے کے ساتھ دوسرا گھوڑا لگانا اس پر سے اس گھوڑے کو ڈانٹنا جلب ہے اور دوسرا گھوڑا خالی رکھنا کہ اس کے تھکنے پر اس پر سوار ہو جائے جنب ہے (لمعات) لہ نکاح کے عوض نکاح کرنا کہ ہر ایک نکاح دوسرے نکاح کا مہر ہو شغار کہلاتا ہے امام اعظم کے ہاں یہ نکاح درست ہوگا اور شرط باطل مہر مثل واجب ہوگا بعض اماموں کے ہاں نکاح ہی درست نہیں ان شاء اللہ اس کی بحث کتاب النکاح میں ہوگی۔ ٹہ یعنی ہماری جماعت سے نہیں یا ہمارے طریقے سے نہیں اسلام لوٹنے لٹانے یعنی بھیڑ کا فرق پہلے عرض کر چکے ہیں ٹہ آپ صغیر السن صحابی ہیں ۲ھ میں پیدا ہوئے حجۃ الوداع میں اپنے والد کے ساتھ حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ سات سال کے تھے آپ کی کنیت ابو یزید کندی ہے حضرت عمر نے آپ کو بازار مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا تھا ۸۶ھ یا ۹۱ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا آپ مدینہ منورہ کے آخری صحابی ہیں جو وہاں فوت ہوئے۔ ٹہ عصا وہ معمولی لاٹھی کہلاتی ہے جو بوڑھوں کے ہاتھوں میں رہتی ہے کبھی جانور ہانکنے کی قمچی کو عصا کہہ دیتے ہیں۔ یہاں دونوں معنے بن سکتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ کسی کی معمولی چیز بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر نہ لو اگر نادانی میں لے چکے ہو تو معلوم ہونے پر فوراً واپس کردو۔ چیز چھپانے چرانے کا مذاق بھی جائز نہیں (اشعہ) ٹہ آپ سمرہ ابن جندب فزاری ہیں انصار کے حلیف بہت احادیث کے حافظ ہیں ۵۹ھ میں بصرہ میں وفات پائی لہ یہ جملہ پہلے بھی دیوالیہ کے بیان میں گزر گیا ہے۔ وہاں اس کا مطلب اور تھا یہاں غصب چوری یا ڈکیتی کا مال مراد ہے۔ یعنی اگر غاصب یا چور یا ڈاکو چوری کا مال فروخت کردے۔ پھر مالک خریدار کے پاس وہ مال پائے تو اس سے لے لیگا خریدار یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے خریدا ہے۔ اس سے دو مسئلے ثابت ہوئے ایک یہ کہ ناجائز قبضہ سے قابض مالک نہیں ہو جاتا چور، رشوت خور، سود خور، چوری رشوت اور سود کے مال کے مالک نہیں۔ کہ یہ ناجائز قبضے میں۔

وَعَنْ حَرَامِ بْنِ سَعْدِ بْنِ مُحَيِّصَةَ اَنَّ نَاقَةً لِلْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ دَخَلَتْ حَائِطًا فَاَفْسَدَتْ فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ عَلٰى اَهْلِ الْحَوَائِطِ حِفْظَهَا بِالنَّهَارِ وَاَنَّ مَا اَفْسَدَتِ الْمَوَاشِيْ بِاللَّيْلِ ضَامِنٌ عَلٰى اَهْلِهَا رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ ÷ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلرِّجْلُ جُبَارٌ وَقَالَ النَّارُ جُبَارٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ ÷ وَعَنْ

روایت ہے حضرت حرام ابن سعد ابن محیصہ سے [1] کہ براء ابن عازب کی اونٹنی کسی باغ میں گھس گئی [2] اسے خراب کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ دن میں تو باغ والوں پر باغ کی حفاظت لازم ہے [3] اور رات میں جانور جو بربادی کر جائیں ان کے جانور والے ضامن ہیں [4] (مالک، ابوداؤد، ابن ماجہ)÷ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھر باطل ہیں اور فرمایا آگ باطل ہے [5] (ابوداؤد)÷ روایت ہے

دوسرے یہ کہ غیر کا مال بغیر اس کی اجازت فروخت نہیں کر سکتے اگر فروخت کر دیا تو بیع درست نہ ہوگی [6] یعنی مالک سے خریدار قیمت نہیں مانگ سکتا، بلکہ چیز اس کے حوالے کردے گا اور بیچنے والے کا پیچھا کریگا اور اس سے قیمت لیگا لیکن اگر کوئی شخص جانتے ہوئے چور یا غاصب سے چیز سستی خریدے تو مجرم ہے کہ چور و غاصب کا مددگار معاون ہے حدیث میں اس خریدار کا ذکر ہے جو بےخبری سے غاصب سے خریدے [7] ید یعنی ہاتھ سے مراد یا تھ والا ہے مطلب یہ ہے کہ جو کوئی کسی کا مال عاریت، امانت، ودیعت غصب وغیرہ کسی ذریعہ سے لے۔ اس پر اس مال کا لوٹانا واجب ہے جب تک کہ لوٹا نہ دیگا ذمہ دار رہیگا اگر مال ہلاک ہو جائے تو غاصب پر تاوان لازم ہے امانت وغیرہ میں تاوان نہیں اور ہلاک کر دینے کی صورت میں سب پر تاوان ہے غاصب پر بہر حال واپس کرنا لازم ہے مالک مانگے یا نہ مانگے، عاریت میں مدت معینہ پوری ہو جانے پر بغیر مانگے واپس کرنا لازم ہے مگر امانت بغیر مانگے واپس دینا لازم نہیں۔ مانگنے پر لازم ہے (از مرقات مع زیادۃ)

[1] حرام تابعی ہیں ان کے والد صحابی، حرام اپنے والد اور براء ابن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ ۱۱۳ھ میں وفات پائی ثقہ ہیں (مرقات واشعہ)۔ [2] عربی میں بستان یا روضہ ہر باغ کو کہتے ہیں۔ مگر حائط وہ باغ کہلاتا ہے جس کے اردگرد دیوار ہو [3] یعنی باغ والے نے دربار رسالت میں فریاد کی۔ تو فیصلہ یہ فرمایا کہ دن میں باغ والے اپنے باغ کی نگرانی کریں۔ کسی جانور کو نہ گھسنے دیں کیونکہ دن میں عموماً جانور کام کاج کو نکلتے ہیں ان کے مالک ان کی پوری نگرانی نہیں کر سکتے۔ اور رات کو جانور والے اپنے جانوروں کی نگرانی کریں۔ کہ رات میں جانور باندھے جاتے ہیں [4] خلاصہ فیصلہ یہ ہے کہ اگر کسی کا جانور کسی دوسرے کا باغ یا کھیت دن میں خراب کردیں تو اس کا تاوان جانور والے پر نہیں کہ قصور باغ والے کا اپنا ہے۔ اور اگر رات میں یہ واقعہ ہوا تو جانور والے پر برباد شدہ باغ کی قیمت باغ کے مالک کو دینا لازم ہے کیا ہی نفیس فیصلہ ہے آج کل حکومتیں ایسے جانور کو پکڑ کر قید کر دیتی ہیں اور مالک جانور سے جرمانہ خود وصول کر لیتی ہیں جس کا باغ یا کھیت اجڑا اسے کچھ نہیں ملتا یہ ظلم ہے۔ حضرت امام شافعی و مالک کے ہاں اگر مالک جانور کے ساتھ ہو اور پھر جانور کھیت برباد کرے منہ سے یا پاؤں سے تو بہر حال جانور والے پر تاوان ہے دن میں برباد کرے یا رات میں۔ اگر مالک ساتھ نہ ہو تو وہ تفصیل ہے جو یہاں مذکور ہے احناف کے ہاں اگر مالک ساتھ نہ ہو تو تاوان واجب نہیں خواہ دن میں ہلاکت ہو یا رات میں تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمائیے (از مرقات) [5] یعنی جو چیز جانور کے پاؤں تلے آ کر ہلاک

اَلْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمْ عَلٰی مَاشِیَۃٍ فَاِنْ کَانَ فِیْہَا صَاحِبُہَا فَلْیَسْتَاْذِنْہُ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْہَا فَلْیُصَوِّتْ ثَلٰثًا فَاِنْ اَجَابَہٗ اَحَدٌ فَلْیَسْتَاْذِنْہُ وَاِنْ لَّمْ یُجِبْہُ اَحَدٌ فَلْیَحْتَلِبْ وَلْیَشْرَبْ وَلَا یَحْمِلْ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ؛ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ حَائِطًا فَلْیَاْکُلْ وَلَا یَتَّخِذْ خُبْنَۃً رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ؛ وَعَنْ اُمَیَّۃَ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ

حضرت حسن سے وہ حضرت سمرہ سے راوی کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جانوروں پر آئے تو اگر ان میں انکا مالک موجود ہو تب تو اس سے اجازت لے لے[۱] اور اگر وہاں مالک نہ ہو تو تین آوازیں دے اگر کوئی اس کی آواز کا جواب دے تو اس سے اجازت لے لے اور اگر کوئی جواب نہ دے تو دودھ دوہ لے اور پی لے ساتھ لے نہ جائے[۲] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی باغ میں جائے وہ کھائے تو ذخیرہ نہ کرے[۳] (ترمذی، ابن ماجہ) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے؛ روایت ہے حضرت امیہ ابن صفوان سے وہ اپنے والد سے راوی[۴]

وہلاک ہو جائے اسکا ضمان مالک پر نہیں، یونہی اگر کسی کے گھر کی آگ اڑ کر دوسرے کی چیز کو جلا دے تو آگ والے پر ضمان نہیں؛ یہ دونوں حکم اس صورت میں ہیں کہ مالک جانور اور آگ والے کی زیادتی نہ ہو، اگر ہو گی تو تاوان لازم ہوگا مثلاً آندھی چلتے ہوئے کوئی بلاوجہ بے احتیاطی سے آگ جلائے جس سے دوسرے کے گھر میں آگ لگ جائے تو یقیناً تاوان واجب ہوگا، یونہی بے احتیاطی سے جانور یا موٹر تیز دوڑائے کہ کوئی کچل جائے تو تاوان یقیناً لازم ہے؛ آجکل حکومت بے احتیاط ڈرائیور پر جرمانے وغیرہ کرتی ہے، ریل کے حادثہ کی صورت میں کانٹے والے یا دوسرے ذمہ دار لوگ پکڑے جاتے ہیں، ان کا ماخذ اس قسم کی احادیث ہیں، بہر حال قصور وار کی پکڑ ہے، بے قصور معافی میں ہے۔[۱] اور اجازت لیکر جانور دوہے، دودھ پئے اگر مالک کی اجازت پر اسکی چیز استعمال کر سکتے ہیں۔[۲] یہ حکم اس مجبور مضطر کیلئے ہے جو بھوک سے مر رہا ہو، اور کوئی کھانے کی چیز میسر نہ ہو وہ ایسی مجبوری میں اس جانور کا دودھ بغیر مالک کی اجازت بھی پی لے بلکہ اگر مالک موجود ہو اور اجازت نہ دے تب بھی پی لے کہ جان جا رہی ہے اسکا بچانا فرض ہے، پھر جب خدا دے تو اسکی قیمت مالک کو ادا کر دے اور یہ پینا بھی بقدر ضرورت جائز ہے جس سے جان بچ جائے، بلا ضرورت یا ضرورت سے زیادہ ہرگز نہ پئے (مرقات، لمعات وغیرہ) ایسی مجبوریوں میں تو مردار بلکہ سور وغیرہ حرام گوشت بھی حلال ہو جاتے ہیں؛ رب فرماتا ہے فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَۃٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لے نہ جائے کہ یہ ضرورت سے زیادہ ہے لہذا حدیث پر یہ منکرالولیں کا یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ اس میں چوری جائز کر دی گئی۔[۳] اسکا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ بھوکا مسافر جب بھوک سے جان بلب ہو اور کسی باغ پر گزرے جسکا مالک موجود نہیں یا ہے تو اجازت نہیں دیتا ایسی حالت میں اسکی بغیر اجازت بقدر بقاء حیات پھل کھا لے، لے نہ جائے، پھر قادر ہونے پر اسکی قیمت ادا کر دے، لہذا حدیث واضح ہے، خبنہ خ کے پیش ب کے جزم سے خبن سے بنا یعنی دامن، دامن میں چھپائی چیز کو خبنہ کہتے ہیں، پھر ذخیرہ کی ہوئی چیز کو خبنہ کہنے لگے (اشعہ، مرقات، لمعات)[۴] امیہ کے والد کا نام صفوان ابن امیہ ابن خلف ہے، یہ قرشی ہیں، فتح مکہ کے دن یہ بھاگ گئے تھے، عمیر ابن وھب اور وھب ابن عمیر نے ان کے لیے حضور سے امان لے لی، حضور انور نے ان دونوں کو

أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعَارَ مِنْهُ أَدْرَاعًا يَوْمَ حُنَيْنٍ فَقَالَ أَغَصْبًا يَا مُحَمَّدُ قَالَ بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُونَةٌ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ۞ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَالْمِنْحَةُ مَرْدُودَةٌ وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ وَالزَّعِيمُ غَارِمٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ ۞ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ عَمْرٍو الْغِفَارِيِّ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا أَرْمِي نَخْلَ الْأَنْصَارِ

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حنین کے دن ان کی زرہ عاریۃً لی وہ بولے یا رسول اللہ کیا غصب سے لیتے ہیں [۱] فرمایا نہیں بلکہ عاریۃً جس کا ضمان دیا جائے گا [۲] (ابوداؤد) ۞ روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عاریۃً (مانگی ہوئی چیز) ادا کی جائے اور عاریت کا جانور واپس کیا جائے [۳] قرض ادا کیا جائے اور کفیل ضامن ہے [۴] (ترمذی، ابوداؤد) ۞ روایت ہے حضرت رافع ابن عمرو غفاری سے فرماتے ہیں میں لڑکا تھا انصار کے درخت کھجور پر پتھر مار رہا تھا [۵]

اپنی چادر عنایت کی، فرمایا صفوان کو دے دو، یہ امان کی چادر ہے، چنانچہ یہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر ایمان نہ لائے، غزوہ حنین و طائف میں موجود رہے مگر بحالت کفر حضور انور نے انہیں ان دونوں غزووں کی غنیمت سے دیا، تالیف قلب کے لیے، تب حضور کی داد و دہش دیکھ کر آپ ایمان لے آئے مکہ مکرمہ میں رہے، پھر ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے، حضرت عباس کے پاس ٹھہرے، حضرت عباس نے انکی آمد کی خبر حضور انور کو دی، حضور نے فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں، انکی بیوی ایک ماہ پہلے ایمان لاچکی تھیں آپکا نکاح قائم رکھا گیا، صفوان مکہ معظمہ میں ۴۲ھ میں فوت ہوئے انکا اسلام قبول ہوا بڑے فصیح و اشرف مکہ میں سے تھے (اکمال، مرقات) ۞ [۱] ابھی صفوان ایمان نہ لائے تھے، بحالت کفر ہی مدینہ منورہ میں ٹھہرا لیے گئے تھے تاکہ قرآن شریف سنیں، شاید ایمان کی توفیق مل جائے، ورنہ مکہ معظمہ واپس جائیں اس وقت کا یہ واقعہ ہے آپ آداب سے واقف نہ تھے، ورنہ مومن ایسی بات کبھی نہیں کہہ سکتا، اس سے معلوم ہوا کہ کفار سے عاریۃً ہتھیار زرہ وغیرہ لیکر جہاد کر سکتے ہیں۔ [۲] یہاں ضمان سے مراد خود اس زرہ کی واپسی ہے نہ کہ گم ہوجانے کی صورت میں اسکی قیمت کیونکہ عاریت والی چیز مستعیر کے پاس امانت ہوتی ہے، ہلاک ہوجانے پر اسکا ضمان نہیں، یا مطلب یہ ہے کہ اگر بحالت جہاد یہ زرہ خراب ہوگئی تو ضمان دیا جائیگا کہ تلف کردینے کی صورت میں عاریت کا ضمان ہے، حضرت علی، ابن مسعود، خواجہ حسن بصری، قاضی شریح کا یہ ہی مذہب ہے، امام اعظم بھی یہی فرماتے ہیں، مگر حضرت ابن عباس، ابوہریرہ، عطاء فرماتے ہیں کہ عاریت تلف ہوجانے پر ضمان ہے، یہ ہی امام شافعی و احمد ابن حنبل کا مذہب ہے وہ حضرات اس حدیث کے ظاہری معنی سے دلیل پکڑتے ہیں، امام صاحب کے نزدیک چونکہ عاریت امانت ہے لہذا تلف ہوجانے پر اس کا ضمان نہیں۔ [۳] منحہ دودھ کا جانور یا درخت یا زمین ہے جو عاریۃً کچھ روز کے لیے کسی کو دودھ پینے، پھل کھانے، کھیتی باڑی کرنے کو دیئے جائیں، یہ بھی عاریت کی ہی قسم ہے اور مؤدۃ کے معنی ہیں ہمارے ہاں یہ ہیں کہ اصل شے واپس کیجائے گی، امام شافعی کے ہاں یہ ہیں کہ ہلاک ہوجانے پر قیمت یا مثل بھی دیا جائیگا اس اختلاف کا ذکر ابھی ہوچکا۔ [۴] یعنی مقروض زندگی میں تو خود قرض ادا کرے اور اگر بغیر ادا کئے مرجائے تو اس کے ورثاء اس کے مال سے ادا کریں، ادائے قرض میراث پر مقدم ہے اور قرض کا

فَاَتٰى بِىَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا غُلَامُ لِمَ تَرْمِي النَّخْلَ قُلْتُ اٰكُلُ قَالَ فَلَا تَرْمِ وَ
كُلْ مِمَّا سَقَطَ فِيْ اَسْفَلِهَا ثُمَّ مَسَحَ رَاْسَهٗ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اَشْبِعْ بَطْنَهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ
دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ فِيْ بَابِ اللُّقْطَةِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى
اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ: عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ
اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهٖ خُسِفَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلٰى سَبْعِ اَرَضِيْنَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ
وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ
اَخَذَ اَرْضًا بِغَيْرِ حَقِّهَا كُلِّفَ اَنْ يَحْمِلَ تُرَابَهَا الْمَحْشَرَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ

کہ مجھے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا گیا فرمایا اے لڑکے درخت پر پتھر کیوں مارتا ہے میں نے عرض کیا کھاتا ہوں فرمایا تو پتھر مت مار جو نیچے گرے اس میں سے کھالے ۵ پھر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا فرمایا خدایا اس کا پیٹ بھردے ۶ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور ہم حضرت عمرو ابن شعیب کی حدیث ان شاء اللہ باب اللقطہ میں بیان کریں گے

تیسری فصل: روایت ہے حضرت سالم سے وہ اپنے باپ راوی ۷ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو زمین کا کچھ حصہ ناحق لے لے اسے قیامت کے دن سات زمینوں تک دھنسایا جائیگا ۸ (بخاری) روایت ہے حضرت یعلے ابن مرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص ناحق کوئی زمین لے لے تو اسے اس کا مکلف کیا جائے گا کہ اس کی ساری مٹی سارے محشر میں اٹھائے پھرے ۹ (احمد) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں

ذمہ دار ہے کہ اگر مقروض نہ دے تو یہ دے: خیال رہے کہ کفالہ اور حوالہ میں بڑا فرق ہے یہاں کفیل کا ذکر ہے۔ ۳ یعنی پتھر کے ذریعہ کھجوریں جھاڑ کر کھا رہا تھا کہ مجھے باغ والے نے پکڑ لیا۔ ۴ یعنی سخت بھوکا ہوں، مجبوراً جھاڑ کر کھا رہا ہوں، جان بچانا مقصود ہے نہ کہ چوری کرنا، یا گھیر لینا۔ ۵ یعنی درخت جھاڑنا ضرورت سے زائد ہے، گرے پھلوں سے بھی پیٹ بھر سکتا ہے، یہ اجازت بھی اس بنا پر دی گئی کہ تم بھوکا تھا جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہوتا ہے ورنہ مالک کی اجازت کے بغیر گرے پھل بھی نہیں کھا سکتے۔ فقیر نے عراق میں دیکھا کہ گرے پھل کھانے کی مالک کی طرف سے عام اجازت ہوتی ہے جیسے ہمارے ہاں کھیت کٹنے پر گری ہوئی بالیاں کھیت والے نہیں اٹھاتے، ان کے سامنے ہی فقراء ومساکین چن لیتے ہیں۔ ۶ غالبًا یہ آخری جملہ کسی اور راوی کا کلام ہے ورنہ رافع ابن عمرو فرماتے ہیں کہ میرے سر پہ ہاتھ پھیرا: اس جملے سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ بھوکے تھے اور مجبوری کی حالت میں کھجوریں کھا رہے تھے اگرچہ ایسی حالت میں درخت سے توڑنے کی بھی اجازت ہے مگر جبکہ نیچے گرے ہوئے پھلوں سے حاجت پوری ہوسکتی ہے تو توڑنے کی کیا ضرورت۔ لہذا حدیث واضح ہے۔ ۷ ان کے والد سیدنا عبداللہ ابن عمر ہیں آپ فاروق اعظم کے پوتے ہیں، تابعی ہیں فقہاء مدینہ سے ہیں ۱۰۶ھ میں مدینہ پاک میں انتقال ہوا آپ کی کنیت ابو عمر و قرشی ہے۔ ۸ یہ عذاب تو قیامت کے دن ہوگا بعد میں دوزخ کا عذاب اس کے علاوہ ہے کیونکہ حقوق العباد میں بڑا فرق ہے کہ اور چیزیں فانی ہیں، زمین پشت ہا پشت تک باقی رہتی ہے اسکی سزا بھی زیادہ: لمعات میں فرمایا گیا کہ بعض غاصبین زمین کو دھنسانے کی سزا دی جائیگی اور بعض کے گلے میں طوق بنا کر ڈالی جائیگی، لہذا یہ حدیث طوق والی حدیث کے خلاف نہیں (لمعات) اور ہوسکتا ہے کہ ایک ہی غاصب کو دو وقت میں یہ دو عذاب ہوں ۹ یعنی غاصب

رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَیُّمَا رَجُلٍ ظَلَمَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ کَلَّفَہُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اَنْ یَّحْفِرَہٗ حَتّٰی یَبْلُغَ اٰخِرَ سَبْعِ اَرْضِیْنَ ثُمَّ یُطَوَّقُہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ النَّاسِ رَوَاہُ اَحْمَدُ ؎ بَابُ الشُّفْعَۃِ ؎ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ ؎ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَضَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَۃِ فِیْ کُلِّ مَالَمْ یُقْسَمْ فَاِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَۃَ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ ؎ وَعَنْہُ قَالَ قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص ظلمًا بالشت بھر زمین لے لے اللہ اسے اس کا مکلف کریگا کہ اسے سات زمینوں کی تہ تک کھودے پھر قیامت کے دن تک اس کا طوق پہنائے گا حتی کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے [1] (احمد) ؎

شفعہ کا باب ؎ [1] ؎ پہلی فصل ؎ روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس زمین پر شفعہ کا فیصلہ فرمایا جو تقسیم نہ کی گئی ہو [2] مگر جب حدیں مقرر ہو گئیں اور راستے پھیر دیئے گئے تو شفعہ نہیں [3] (بخاری) ؎ روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا دوسرا عذاب ہے، اور اس کے سر پر اتنے حصے کی تحت الثرٰی تک کی مٹی رکھی جائے گی اور کہا جائیگا سارے محشر میں اٹھائے پھر: آج دھوپ میں ایک ٹوکرا مٹی لیکر چلنا وبال جان ہوتا ہے تو سوچ لو کہ قیامت کی دھوپ میں اتنا بوجھ لیکر سارے محشر میں پھرنا کیسا ہوگا، اللہ کی پناہ: خیال رہے کہ یہ تکلیف شرعی نہ ہوگی کہ تکلیف شرعی کی جگہ دنیا ہے بلکہ عذابی وحقاقی تکلیف ہوگی ؎ [1] یہ غاصب زمین کا تیسرا عذاب ہے یا ایک ہی شخص کو یہ تینوں عذاب تین وقت میں دیئے جائیں گے یا کسی کو وہ گذشتہ عذاب اور کسی کو یہ یعنی یہ شخص خود سات تہ زمین تک بورنگ (BORING) کرے اور خود ہی اپنے گلے میں طوق بنا کر پہنے پھرے: اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ سے مراد ہے قیامت کا آخری حصہ جس کی تفسیر حَتّٰی یُقْضٰی نے کی ہے: خیال رہے کہ قیامت میں مومن کے بعض علانیہ گناہوں کی سزا علانیہ ہوگی، لہذا یہ حدیث پردہ پوشی کی احادیث کے خلاف نہیں۔ [2] شفعہ شین کے پیش سے ہے شفع سے بنا بمعنی جوڑنا ملانا، اسی لیے جفت عدد کو شفع کہتے ہیں اور طاق کو وتر، رب فرماتا ہے وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ سفارش کو شفاعت اور سفارشی کو شفیع کہتے ہیں کہ یہ شخص اپنے ملزم کے ساتھ ملا دیتا ہے حق قرب کو شفعہ اسی لیے کہتے ہیں کہ شفیع دوسری زمین خرید کر اپنی زمین سے ملاتا ہے دیگر اماموں کے ہاں صرف شرکت والے کو حق شفعہ پہنچتا ہے مگر ہمارے امام اعظم کے ہاں پڑوسی کو بھی پہنچتا ہے جسے حق جوار کہتے ہیں، اس پر حدیث صحیحہ وارد ہیں۔ ایک روایت میں امام احمد ابن حنبل بھی امام اعظم کے ساتھ ہیں فریقین کے دلائل کتب فقہ میں دیکھئے، ہم بھی انشاء اللہ موقعہ پر عرض کریں گے (از اشعہ) [3] یعنی جس زمین میں دو شخص شریک ہیں ان میں سے ایک شخص اپنا حصہ فروخت کر رہا ہے تو دوسرا شریک ہی خریدے گا، اگر یہ نہ خریدے تو دوسرا خرید سکتا ہے، اگر اس شریک کی بیخبری میں یہ زمین وغیرہ فروخت ہو گئی تو شریک مطلع ہو کر وہ بیع ختم کرا سکتا ہے: اس حدیث کا عموم بتا رہا ہے کہ زمین قابل تقسیم ہو یا نہ ہو بہر حال حق شفعہ اس میں ہوگا، امام شافعی کے ہاں ناقابل تقسیم میں شفعہ نہیں، یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔ [4] آخری جملہ حضرت جابر کا اپنا قول ہے۔ حضور انور کا فرمان نہیں، حضور کا فرمان عالی مالم یقسم پر ختم ہو گیا رتات اگر حضور انور کا فرمان عالی مانا جائے تو ان احادیث کے خلاف

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَۃِ فِیْ کُلِّ شِرْکَۃٍ لَمْ تُقْسَمْ رَبْعَۃٍ اَوْحَائِطٍ لَا یَحِلُّ لَہٗ اَنْ یَّبِیْعَ حَتّٰی یُؤْذِنَ شَرِیْکَہٗ فَاِنْ شَآءَ اَخَذَ وَاِنْ شَآءَ تَرَکَ فَاِذَا بَاعَ وَلَمْ یُؤْذِنْہُ فَھُوَ اَحَقُّ بِہٖ رَوَاہُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْجَارُ اَحَقُّ بِسَقَبِہٖ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ ۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَمْنَعُ جَارٌ

نے ہر مشترکہ زمین میں جو تقسیم نہ کی گئی ہو شفعہ کا حکم دیا مکان ہو یا باغ ۱؎ کہ اپنے ساجھی کو خبر دیئے بغیر اسے بیچنا جائز نہیں ۲؎ پھر وہ ساجھی اگر چاہے لے لے اگر چاہے چھوڑ دے اور اگر اسے بغیر خبر دیئے بیچ دیا تو وہ ہی اس کا حق دار ہوگا ۳؎ (مسلم) روایت ہے حضرت ابو رافع سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے حق دار ہے ۴؎ (بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی

ہوگا جس میں پڑوسی کے حق شفعہ کا ثبوت ہے، اور اگر حضور عالی کا فرمان بھی ہو تب بھی اس کے معنی یہ ہیں کہ شفعہ شرکت نہ رہا کیونکہ شرکت تو ختم ہو چکی رہا شفعہ جوار یعنی پڑوسی کی وجہ سے حق شفعہ، یہ دوسری احادیث سے ثابت ہے۔ لہذا یہ جملہ ان احادیث کے خلاف نہیں کہ اس میں مطلقًا شفعہ کی نفی نہیں، شفعہ شرکت کی نفی ہے، لہذا یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں، تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ ہو۔ ۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ شفعہ صرف غیر منقول چیزوں میں ہوگا، جیسے گھر، باغ، کھیت وغیرہ منقول چیزمیں شفعہ نہیں، جیسے جانور، سامان وغیرہ، ہاں حمام وغیرہ جو ناقابل تقسیم ہے اس میں ہمارے ہاں شفعہ ہے شوافع کے ہاں نہیں۔ ۲؎ یہ ناجائز بمعنی گناہ نہیں بلکہ بمعنی جاری نہ ہونا ہے، یعنی اگر ایک شخص اپنا زمین کا حصہ بغیر ساجھی کو خبر کیئے بیچ دے تو یہ بیع لازم نہ ہوگی، ساجھی دعوی کرکے خود لے سکتا ہے۔ ۳؎ یعنی ساجھی کو اس بیع کی جب بھی خبر لگے تو وہ دعوی کرکے یہ بیع اپنے حق میں کرا سکتا ہے، کہ وہی قیمت جو خریدار نے دی ہے خریدار کو ادا کردے اور زمین پر قبضہ کرلے: اس سے معلوم ہوا کہ شفیع کا بیع کی خبر پاکر خاموش رہنا اس کے حق شفعہ کو باطل کردیتا ہے ضروری ہے کہ اطلاع پاتے ہی کہدے کہ میں اس زمین کا شفیع ہوں اور میں اسے خریدوں گا، فورًا بھی خاموش رہا کہ حق شفعہ گیا، تفصیل کتب فقہ میں ہو۔ حق شفعہ کا مقصد یہ ہے کہ اس کے پڑوس میں کوئی ایسا آدمی نہ آسکے جو اس کیلئے تکلیف کا باعث ہو، اچھا پڑوسی اللہ کی رحمت ہے اور برا پڑوسی رب کا عذاب: اہل عرب کہتے ہیں اَلْجَارُ قَبْلَ الدَّارِ گھر سے پہلے پڑوسی کو دیکھو۔ ۴؎ سَقَب س اور ق کے فتحہ سے بمعنی قرب ملا یعنی پڑوسی اپنے پڑوسی ہونے کی وجہ سے شفعہ کا حقدار ہو غیر پڑوسی کو اس کا حق نہیں پہنچتا؛ حضرت عمر ابن شرید سے مروی ہے کہ اس فرمان عالی پر حضور سے پوچھا گیا کہ سقب کیا چیز ہے، تو فرمایا سَقَبُہٗ شُفْعَتُہٗ، جب خود حضور نے سقب کی تفسیر شفعہ سے فرمادی ہے تو اس میں کسی اور تاویل کی گنجائش نہیں رہی اسی لئے تمام محدثین حتی کہ امام بخاری بھی یہ حدیث باب الشفعہ میں لائے۔ لہذا یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے کہ پڑوسی کو حق شفعہ ملتا ہے بعض لوگوں نے اس حدیث کے معنے یہ کیئے کہ پڑوسی حسن سلوک کا مستحق ہے نہ کہ شفعہ کا، وہ غلط ہیں، جب حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود سقب کی شرح شفعہ سے فرمائی، تو اب کسی اور کی شرح کیونکر معتبر ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر ایک زمین یا مکان میں کوئی شریک ہے۔ اور دوسرا پڑوسی، تو اس کا حق شفعہ شریک کو ملے گا نہ کہ پڑوسی کو یہی اس پہلی حدیث کا مطلب ہے لمعات و

جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً فِي جِدَارِهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۞ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اخْتَلَفْتُمْ فِي الطَّرِيقِ جُعِلَ عَرْضُهُ سَبْعَةَ أَذْرُعٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۞ اَلْفَصْلُ الثَّانِي ۞ عَنْ سَعِيدِ بْنِ حُرَيْثٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ بَاعَ مِنْكُمْ دَارًا أَوْ عَقَارًا قَمِنٌ أَنْ لَا يُبَارَكَ لَهُ إِلَّا أَنْ يَجْعَلَهُ فِي مِثْلِهِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ ۞ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجَارُ

کو اپنی دیوار میں لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے [1] (مسلم، بخاری) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم راستہ کے متعلق جھگڑو تو راستہ کی چوڑائی سات گز رکھی جائے [2] (مسلم) دوسری فصل روایت ہے حضرت سعید ابن حریث سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم میں سے جو بھی گھر یا زمین بیچے وہ اس لائق ہے کہ اسے برکت نہ دی جائے مگر یہ کہ وہ پیسہ اس کی مثل میں لگائے [3] (ابن ماجہ، دارمی) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پڑوسی اپنے شفعہ کا حق دار ہے

ومرقات، اشعہ وغیرہ۔ [1] یعنی اگر تمہاری دیوار میں تمہارا پڑوسی کیل، کھونٹی، میخ وغیرہ گاڑنا چاہیے اور تمہارا اس میں کوئی نقصان نہ ہو تو بہتر ہے کہ اُسے منع نہ کرو، امام اعظم و احمد ابن حنبل کا یہی مذہب ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے، امام شافعی وغیرہم نے اُسے وجوب پر محمول کیا مگر مذہب حنفی قوی ہے کیونکہ یہی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام پر پیش کی، تو وہ حضرات اس پر خاموش ہوگئے، تو جناب ابوہریرہ ناراض ہوکر بولے، میں جانتا ہوں، تم لوگ اس سے منہ پھیرے بیٹھے ہو، میں تمہارے سینوں پہ مارونگا: معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ نے اسکو امر وجوبی نہ سمجھا ورنہ اس پر عمل نہ چھوڑتے۔ خیال رہے کہ آج کل زمانہ پڑوسی دوسرے کی دیوار میں کیل گاڑ کر دیوار کے دعویدار بن جاتے ہیں، اس لیے احتیاط چاہیئے کہ یہ بھی ایک قسم کا نقصان ہے اور نقصان کی صورت میں منع کرنا بلا کراہت جائز ہے، صاحب کتاب یہ حدیث اس باب میں اس لیے لائے تاکہ معلوم ہو کہ پڑوسی کو شفعہ کی طرح دیوار میں کیل گاڑنے کا بھی حق ہے۔ [2] اسکی صورت یہ ہے کہ ایک جانب عمارتوں کی لائن بنی ہے، سامنے سفید زمین پڑی ہے اب اسکے مقابل دوسری جانب عمارتیں بننا شروع ہوگئیں، پہلی لائن والے چوڑا راستہ چھوڑنا چاہتے ہیں مگر یہ لوگ کم، تاکہ انہیں زمین زیادہ ملجائے تو سات ہاتھ یعنی پاکستانی ساڑھے تین گز چوڑا راستہ چھوڑا جائے: شریعت میں گز ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے، لیکن اگر پہلے ہی راستہ زیادہ چوڑا چھوٹا ہوا ہو تو اب کم کرنے کا کسی کو حق نہیں (لمعات و مرقات) خیال رہے کہ ذکر گلی کوچوں کا ہے، بڑی سڑکیں زیادہ چوڑی چھوڑی جائیں گی، اور اگر کسی کی زمین میں دوسروں کی کوٹھری تک جانے کا راستہ ہے، تو اتنی جگہ چھوڑی جائے گی کہ جنازہ اور بھری ہوئی مشک لے کر لوگ نکل سکیں، حق یہ ہے کہ راستوں کی چوڑائی مقامی مکان اور شہروں کے لحاظ سے مختلف ہے (مرقات)۔ [3] یہ فرمان عالی بالکل برحق ہے جس کا تجربہ بہت ہی کیا گیا ہے۔ کہ زمین کا پیسہ اگر زمین میں نہ لگایا جائے تو ہوا کی طرح اڑ جاتا ہے، چاہیئے کہ زمین فروخت ہی نہ کرے، اور اگر کرے تو زمین ہی میں لگائے، ہم نے بہت لوگ بعد میں روتے دیکھے، یہاں مرقات نے فرمایا کہ غیر منقول چیز کی قیمت منقول چیز میں لگانا بہتر نہیں، کہ غیر منقول چیزیں نفع میں زیادہ ہیں آفات میں کم، کہ

أَحَقُّ بِشُفْعَتِهٖ يُنْتَظَرُ لَهَا وَإِنْ كَانَ غَائِبًا إِذَا كَانَ طَرِيْقُهُمَا وَاحِدًا رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ. وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الشَّرِيْكُ شَفِيْعٌ وَالشُّفْعَةُ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ قَالَ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَهُوَ أَصَحُّ. وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ حُبَيْشٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَطَعَ سِدْرَةً صَوَّبَ اللهُ رَأْسَهٗ فِي النَّارِ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَقَالَ هٰذَا الْحَدِيْثُ مُخْتَصَرٌ يَعْنِيْ مَنْ قَطَعَ سِدْرَةً فِيْ فَلَاةٍ يَسْتَظِلُّ بِهَا ابْنُ السَّبِيْلِ

۱؎ اس کا انتظار کیا جائے اگرچہ وہ غائب ہو جب کہ دونوں کا راستہ ایک ہو ۲؎ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ دارمی) ۳؎ روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا ساجھی شفیع ہے اور شفعہ ہر چیز میں ہے ۴؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث ابن ابی ملیکہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق ارسال مروی ہے یہی زیادہ صحیح ہے ۵؎ روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حبیش سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بیری کاٹے ۶؎ اللہ اسے اوندھے منہ آگ میں ڈالے (ابوداؤد) اور فرمایا یہ حدیث مختصر ہے کہ جو جنگل کی وہ بیری کاٹے جس سے مسافر سایہ لیتے ہوں۔

انہیں نہ چوری چھپے خدا کو لے جا سکے، بلکہ زمین وغیرہ کا بیچنا ہی بہتر نہیں (اشعہ، لمعات و مرقات) قربان اس محبوب کے جسے ہمارے دین کی بھی فکر ہے دنیا کی بھی صلی اللہ علیہ وسلم: طبرانی نے حضرت معقل ابن یسار سے بروایت حسن مرفوعًا روایت فرمائی کہ اگر کوئی بلا تحت ضرورت اپنا مکان بیچے، اللہ اس کا مال برباد کر دیتا ہے۔ ۱؎ یہ حدیث گذشتہ حدیث بخاری کی شرح ہے وہاں بسقبہ تھا: اس حدیث نے بتایا کہ وہاں سقب سے مراد شفعہ ہے۔ ۲؎ یعنی جو پڑوسی شفعہ کا حق پاتا ہے، وہ ہے جس کا راستہ اس کے گھر کا راستہ ایک ہو ایسا ہی پڑوسی اگر غائب بھی ہو تو اس کے پیچھے مکان زمین نہ بیچے، اس کے آنے پر خبر دے کر فروخت کرے، ورنہ خریدار کو بھی تکلیف ہوگی اور اس پڑوسی کو بھی وہ مقدمہ کریگا اور زمین واپس لیگا۔ ۳؎ اسکی اسناد میں عبدالملک ابن ابی سلیمان عن عطا جابر ہے: بعض لوگوں نے عبدالملک ابن سلیمان میں طعن کیا کہ یہ قوی نہیں، مگر چونکہ حدیث بخاری سے اسکو قوت حاصل ہے، لہذا حدیث قابل عمل ہے: ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ نے جب یہ حدیث لی تو عبدالملک اسکی اسناد میں شامل تھے ہی نہیں، اس وقت حدیث بالکل صحیح تھی: بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں (مرقات مع زیادہ) ۴؎ یعنی ہر غیر منقول یا ہر قابل تقسیم چیز میں شفعہ ہے، منقول چیزوں میں شفعہ نہیں، بعض لوگوں نے اس حدیث کی بنا پر حیوانات، سامان وغیرہ میں شفعہ مانا ہے مگر غلط ہے (مرقات)۔ ۵؎ یعنی مرسل حدیث متصل سے اسنادًا صحیح تر ہے حدیث مرسل سوائے امام شافعی کے تمام ائمہ کے ہاں قبول ہے اگر مرسل دوسری وجہ سے قوت ہو جائے تو انکے ہاں بھی قبول ہے: خیال رہے کہ عبیداللہ ابن ابی ملیکہ ثقہ تابعی ہیں آپ عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں قاضی تھے رضی اللہ عنہم۔ ۶؎ اس سے مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ کی بیری مراد ہے، حرم مکہ میں تو ہر خودرو درخت کا کاٹنا ممنوع ہے، اور مدینہ منورہ میں بیریاں

وَالْبَهَائِمُ عَبَثًا وَظُلْمًا بِغَيْرِ حَقٍّ يَكُوْنُ لَهُ فِيْهَا صَوَّبَ اللّٰهُ رَأْسَهُ فِي النَّارِ۔ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ۔ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ اِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ فِي الْاَرْضِ فَلَا شُفْعَةَ فِيْهَا وَلَا شُفْعَةَ فِيْ بِئْرٍ وَلَا فَحْلِ النَّخْلِ رَوَاهُ مَالِكٌ۔ بَابُ الْمُسَاقَاةِ وَالْمُزَارَعَةِ۔ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَفَعَ اِلٰى يَهُوْدِ خَيْبَرَ نَخْلَ خَيْبَرَ وَاَرْضَهَا عَلٰى اَنْ يَعْتَمِلُوْهَا مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَلِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور محض ظلم و ستم سے کاٹے اس میں اسکا کوئی حق نہ ہو تو اللہ اسے اوندھے منہ آگ میں ڈالے لہ۔ فصل تیسری۔ روایت ہے حضرت عثمان ابن عفان سے فرماتے ہیں جب زمین میں حدیں مقرر کردی جائیں تو اس میں شفعہ نہیں ۲؎ اور نہ کنوئیں میں شفعہ ہے نہ نر کھجور میں ۳؎ (مالک)۔ پانی دینے اور کھیت کرانے کا باب ۴؎۔ فصل پہلی۔ روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہود کو خیبر کے کھجور کے باغ اور وہاں کی زمین اس شرط پر دی کہ اس میں اپنے مالوں سے کام کریں ۵؎ اور اس کے آدھے پھل رسول اللہ صلی اللہ

کیاب ہیں، نیز اسکا سایہ ٹھنڈا و مفید ہوتا ہے اس لئے خصوصیت سے بیری کا ذکر فرمایا۔ لہ یعنی یہ حدیث معنےً مختصر ہے اگرچہ الفاظ تو بہیں گویا مجمل ہے قابل شرح ہے: عبثًا ظلم کو کہتے ہیں تو ظلمًا عطف تفسیری ہے: خلاصہ یہ ہے کہ جنگل کی بیری رفاہ عام کی چیز ہے جس سے انسان و حیوان فائدے اٹھاتے ہیں، اُسے ظلمًا کاٹ دینا سب پر ظلم ہے، اس لئے وہ کاٹنے والا دوزخ کا مستحق ہے، سر سے مراد سارا جسم ہے۔ اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ بلا ضرورت مفید درخت کاٹنا ممنوع ہے اور درخت لگانا ثواب، کہ جبتک لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے رہیں گے، اُسے ثواب پہنچتا رہیگا، یہ بھی صدقہ جاریہ ہے۔ ۲؎ یعنی اگر مشترک زمین کو تقسیم کرکے ہر حصہ کی حدود قائم کرلی جائیں، تو شرکت کا شفعہ جاتا رہا، اب اگر ہوگا تو شفعہ جوار ہوگا: اسکی بحث پہلے ہو چکی، لہذا یہ حدیث شفعہ جوار کی احادیث کے خلاف نہیں۔ ۳؎ اہل عرب مشترک باغ کے حصے فروخت کرتے تھے کبھی زمین کبھی کھجور، تو فرمایا گیا کہ اگر زمین فروخت ہوئی تو شفعہ ہے، لیکن اگر صرف کھجور فروخت کی تو شفعہ نہیں، کہ کھجور زمین نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی صرف عمارت فروخت کرے نہ کہ زمین، تو شفعہ نہ ہوگا۔ ۴؎ کسی سے اپنے باغ کو پانی دلوانا کچھ حصہ پیداوار کے عوض پر مساقات کہلاتا ہے، اور کسی کو ٹھیکہ پر زمین دینا کہ میری زمین کا شت تم کرو، پیداوار میں تمہارا اتنا حصہ، مزارعت کہلاتا ہے: مساقات باغ میں ہوتی ہے مزارعت کھیت میں یہ دونوں مساقات مزارعت امام اعظم کے ہاں ممنوع ہیں، صاحبین اور باقی اماموں کے ہاں درست، فتوٰی قول صاحبین پر ہے: امام اعظم فرماتے ہیں اس میں نامعلوم بلکہ معدوم چیز پر کرایہ ہے، نیز نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا: شاید امام اعظم کو یہ احادیث پہنچی نہیں واللہ اعلم۔ ۵؎ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح فرمایا اور وہاں سے یہود کو نکالنا چاہا، تو انہوں نے عاجزی سے عرض کیا کہ ہمیں یہیں بسنے دیں اور جو چاہیں شرط لگالیں، حضور نے فرمایا کہ ہم جبتک چاہیں گے تمہیں رکھیں گے اس شرط پر کہ یہاں کی تمام زمین ہماری ہوگی، باغبانی اور کاشتکاری کی محنت تم کروگے، اسکا سامان بھی تمہارا ہوگا ہل بیل چرسہ وغیرہ، جو کچھ پیداوار ہوگی وہ آدھی تمہاری آدھی ہماری: چنانچہ زمانۂ نبوی و عہد صدیقی میں ایسا ہی رہا، شروع خلافت فاروقی میں تو اسپر عمل رہا، مگر بعد میں آپ نے ان یہود کو اریحا اور شام کی طرف نکال دیا، خیال رہے

شَطْرِ ثَمَرِهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةِ الْبُخَارِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى خَيْبَرَ الْيَهُودَ أَنْ يَعْمَلُوهَا وَيَزْرَعُوهَا وَلَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا ۞ وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا نُخَابِرُ وَلَا نَرَى بِذٰلِكَ بَأْسًا حَتّٰى زَعَمَ رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهَا فَتَرَكْنَاهَا مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۞ وَعَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمَّايَ أَنَّهُمْ كَانُوا يُكْرُونَ الْأَرْضَ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا يَنْبُتُ عَلَى الْأَرْبِعَاءِ أَوْ شَيْءٍ يَسْتَثْنِيهِ صَاحِبُ الْأَرْضِ فَنَهَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

علیہ وسلم کے لیے ہوں ۱؎ (مسلم) اور بخاری کی روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر یہود کو اس شرط پر دیا کہ کام کاج کریں اسے جوتیں بوئیں اور پیداوار کا آدھا ان کا ہوگا ۲؎ روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں ہم کھیتی بٹائی کراتے تھے اور اس میں کچھ حرج نہ جانتے تھے ۳؎ حتی کہ رافع ابن خدیج نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ تب اس وجہ سے ہم نے یہ کام چھوڑ دیا ۴؎ (مسلم) روایت ہے حضرت حنظلہ ابن قیس سے وہ حضرت رافع ابن خدیج سے ۵؎ راوی فرماتے ہیں مجھے میرے چچا نے خبر دی کہ صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زمین کرایہ پر دیتے تھے ۶؎ اس کے عوض جو نالیوں پر اگ جائے یا اس چیز پر جسے زمین والا بیان کردیتا تھا۔ ۷؎ ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

کہ یہودی بڑے موذی و غدار تھے، مدینہ منورہ کے نکالے ہوئے ہی خیبر میں آبسے تھے، غزوہ خندق انہی کی حرکتوں سے واقع ہوا، اللہ نے بچالیا ورنہ یہ تو ختم کر چکے تھے، یہ تو حضور کی وسعت قلبی تھی جو انہیں اتنی رعائتیں عطا فرمائیں، آجکل کی کسی کوئی حکومت ہوتی تو دنیا سے ایسے غداروں کا بیج مٹادیتی۔ ۱؎ اور آدھے یہود کے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر مزارعت وغیرہ میں ایک فریق کے حصے کا ہی ذکر کیا جائے، دوسرے سے خاموشی رہے تب بھی جائز ہے، کیونکہ دوسرے کا حصہ خود بخود معلوم ہوجاتا ہے، اور یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام وہ مسلمان مراد ہیں جن کا خیبر میں حصہ تھا، ذکر صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے مگر مراد امت بھی ہے۔ ۲؎ دیا سے مراد ہے قبضہ میں دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خیبر کا کچھ صلح سے اور کچھ جنگ سے قبضہ میں آیا، اسی لیے وہاں کے یہود غلام نہ بنائے گئے۔ یہ حدیث ان بزرگوں کی دلیل ہے جو مزارعت و مساقات دونوں کو جائز کہتے ہیں، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں مخابرہ سے منع کیا گیا وہاں وہ صورت مراد ہے کہ اجرت کے لیے کسی خاص حصے کی پیداوار مقرر ہو کہ اس حصے کی پیداوار تیری ہوگی باقی میری، لہذا احادیث میں تعارض نہیں، امام اعظم فرماتے ہیں کہ خیبر کا یہ معاملہ مساقات یا مزارعت نہ تھا بلکہ بطور جزیہ تھا، اور آدھا ان کو دینا بطور عطیہ، اس کی مکمل بحث یہاں مرقات میں دیکھئے۔ ۳؎ مخابرہ کے وہی معنی ہیں جو ابھی عرض کئے گئے کہ زمین ایک کی ہو، محنت دوسرے کی، پیداوار مشترک۔ ۴؎ یہ حدیث ظاہری معنے سے امام اعظم کی دلیل ہے کہ کھیتی باڑی کسی اور سے کرانا مطلقًا ممنوع ہے، صاحبین فرماتے ہیں کہ اس سے خاص صورت مراد ہے جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا اس کی دلیل اگلی حدیث ہے۔ بہرحال فتویٰ قول صاحبین پر ہی ہے اور آج عمل بھی اسی پر ہے (لمعات)۔

۵؎ حنظلہ ابن قیس زرقی انصاری ہیں ثقہ تابعین سے ہیں، مدینہ پاک کے رہنے والے اور رافع ابن خدیج صحابی ہیں آپ کے حالات جلد اول میں بیان ہوئے۔

عَنْ ذٰلِكَ فَقُلْتُ لِرَافِعٍ فَكَيْفَ هِيَ بِالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ فَقَالَ لَيْسَ لَهَا بَأْسٌ وَ
كَانَ الَّذِيْ نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ مَا لَوْ نَظَرَ فِيْهِ ذَوُو الْفَهْمِ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ لَمْ يُجِيْزُوْهُ لِمَا
فِيْهِ مِنَ الْمُخَاطَرَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۞ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ كُنَّا أَكْثَرَ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ
حَقْلًا وَكَانَ أَحَدُنَا يُكْرِيْ أَرْضَهُ فَيَقُوْلُ هٰذِهِ الْقِطْعَةُ لِيْ وَهٰذِهِ لَكَ فَرُبَّمَا أَخْرَجَتْ
ذِهْ وَلَمْ تُخْرِجْ ذِهْ فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۞ وَعَنْ عَمْرٍو قَالَ قُلْتُ

سے منع فرمادیا ۱ میں نے حضرت رافع سے کہا کہ درہم و دینار کے عوض کیا ہے۔ فرمایا اس میں حرج نہیں ۲ اور جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا وہ تو ایسی صاف چیز ہے ۳ کہ اگر حلال و حرام کی سمجھ رکھنے والے اس میں غور کریں تو اسے جائز نہ رکھیں کیونکہ اس میں جوا ہے ۴ (مسلم، بخاری) ۞ روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ والے زیادہ زمیندار تھے ۵ اور ہم میں سے بعض اپنی زمین کرایہ پر دیتے تھے وہ کہتا تھا یہ ٹکڑا میرا ہے اور یہ تمہارا ہے ۶ تو بہت دفعہ اس ٹکڑا میں پیداوار ہوتی تھی اور اس میں نہ ہوتی تھی ۷ اس لیئے انکو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا ۸ (مسلم، بخاری) ۞ روایت ہے حضرت عمرو سے ۹ فرماتے ہیں

۱ انہم کا مرجع یا صحابہ ہیں یا ناس یا حضرت رافع ابن خدیج کے وہ تمام چچا جو زمین کے مالک تھے۔ ۲ مشکواۃ شریف کے بعض نسخوں میں یَنْبُتُ ہے بیان سے مشتق اور بعض نسخوں میں یَنْبُتُ ہے انبات کا مضارع، ہمارا ترجمہ پہلی روایت پر ہے، مطلب یہ ہے کہ زمین والا کرایہ دار کو جگہ دکھایا دیتا تھا کہ اسکی پیداوار تیری ہوگی باقی ساری زمین کی پیداوار میری۔ ۳ یہ حدیث پہلی حدیث کی شرح ہے کہ حضور انور نے مطلقًا زمین کرایہ پر دینے سے منع نہ فرمایا بلکہ اس نوعیت کے کرایہ سے منع فرمایا کہ زمین کا کرایہ حصہ کی پیداوار سے ادا کیا جائے۔ ۴ کیونکہ اس میں کسی کو کوئی دھوکا نہیں اس کرایہ کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ زمین والا مزارع کو حق خدمت روپیہ سے ادا کرے، دوسرے یہ کہ مزارعہ پیداوار ساری خود لے لے اور مالک کو نقد روپیہ دے، دونوں صورتیں جائز ہیں، ان پر آجکل بھی عمل ہے۔ ۵ غالبًا یہ کلام حضرت رافع ابن خدیج کا ہے یا کسی اور کا۔ ۶ مخاطرہ خطر سے بنا بمعنی دھوکا یا ہلاکت یا اندیشہ جوئے کو مخاطرہ اس لیئے کہتے ہیں کہ وہاں فریقین کو دھوکا ہوتا ہے کہ ہر ایک اندیشہ و فکر کرتا ہے کہ نہ معلوم میں ہاروں یا جیتوں ایسے ہی یہاں ہے کہ زمین والے کو بھی اندیشہ ہے کہ شاید میرے حصہ کی زمین میں پیداوار بالکل نہ ہو یا بہت کم ہو، ایسے ہی مزارعہ کو دھوکا ہے وہ اندیشہ کرتا ہے کہ نہ معلوم کہ میرے حصہ میں پیداوار ہو کہ نہیں اور ہو تو کتنی ہو اس لیئے اس سے منع فرمادیا گیا، اور اگر مطلقًا پیداوار کے مقرر حصے پہ زمین دی کہ کل پیداوار کا آدھا یا تہائی تیرا باقی میرا، تو بالکل جائز ہے، کہ اس میں نہ کسی کو اندیشہ ہے نہ دھوکا، نقصان ہوا تو دونوں کا، نفع ہوا تو دونوں کا۔ ۷ یعنی زمینوں کے مالک، پنجاب میں کاشتکار کو زمیندار کہتے ہیں، وہ معنے یہاں نہیں، عربی میں حقل زمین کو کہتے ہیں اور محاقلہ بالی میں دانہ کی بیع دوسرے کھلے دانہ کے عوض۔ ۸ یعنی لے مزارع اس میں جو پیداوار ہوگی وہ بحق مالکانہ میری ہے، اور اس ٹکڑے میں جو پیداوار ہوگی وہ بحق خدمت تیری: دونوں جگہ دکھا کر معین کردیتے تھے۔ ۹ اس لیئے کبھی زمین کا مالک محروم ہوجاتا تھا اور کبھی مزارع محروم، پھر جھگڑے فساد ہوتے تھے کہ محروم دوسرے کے حصے سے لینا چاہتا تھا وہ دیتا نہ تھا، جیسا کہ ہمارا ہما جواری جیتے ہوئے سے اوٹھتا ہے جس سے مار پیٹائی بلکہ کبھی قتل و خون

لِطَاؤُسٍ لَوْ تَرَكْتَ الْمُخَابَرَةَ فَإِنَّهُمْ يَزْعُمُوْنَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهُ قَالَ
أَيْ عَمْرُو إِنِّي أُعْطِيْهِمْ وَأُعِيْنُهُمْ وَإِنَّ أَعْلَمَهُمْ أَخْبَرَنِيْ يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْهَ عَنْهُ وَلٰكِنْ قَالَ أَنْ يَمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهِ
خَرْجًا مَعْلُوْمًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ؛ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ
كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ فَإِنْ أَبٰى فَلْيُمْسِكْ أَرْضَهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ؛

میں نے طاؤس سے کہا کاش آپ کھیتی کرانا چھوڑ دیتے کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے ۱۰ وہ بولے اے عمرو میں انہیں زمین دیتا ہوں اور ان کی مدد کرتا ہوں ۱۱ اور صحابہ کے بڑے عالم نے مجھے خبر دی ہے یعنی حضرت ابن عباس نے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہ فرمایا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ تم میں سے کسی کا اپنے بھائی کو عاریۃً زمین دے دینا کچھ مقرر اجرت لینے سے بہتر ہے ۱۲ (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کے پاس زمین ہو تو وہ اسے خود بوئے یا کسی اپنے بھائی کو عاریۃً دے دے اگر نہ مانے تو اپنی زمین روک رکھے ۱۳ (مسلم، بخاری)

ہو جاتا ہے۔ ۸ اور جھگڑے فساد کی جڑ کاٹ دی۔ ۹ یہاں عمرو سے مراد عمرو ابن دینار ہیں جن کی کنیت ابو یحیٰی ہے تابعین میں سے نہایت متقی ثقہ ہیں، عمرو ابن واقد دمشقی یا عمرو ابن میمون اودی یا عمرو ابن تشرید ثقفی مراد نہیں (لمعات و مرقات)۔ ۱۰ طاؤس ابن کیسان اللہ دین علمائے تابعین بہتر صالحین ہیں، چالیس حج کئے، مقبول الدعا تھے، حضرت عبداللہ ابن عباس کے خاص صحبت یافتہ، عمرو ابن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے طاؤس جیسا عالم، عامل نہ دیکھا۔ آپ نے مکہ معظمہ میں ۱۰۶ھ میں وفات پائی، آپ سے امام زہری اور کئی ایک خلفاء نے روایات لیں ہیں ۱۱ کھیتی کرانے کے متعلق صحابہ کا اختلاف رہا، بعض حضرات مطلقًا ناجائز سمجھتے تھے، انہیں یا تو مفصل حدیث نہ پہنچی تھی یا وہ حدیث کا مطلب نہ سمجھے تھے اس لئے عمرو ابن دینار نے یزعمون فرمایا۔ ۱۲ یعنی یہ کام ناجائز نہیں اور اس میں غریبوں کی مدد ہو جاتی ہے کہ وہ لوگ ان زمین میں کام کاج کرکے پیٹ پال لیتے ہیں، غرضکہ یہ کام جائز بھی ہے نافع بھی۔ ۱۳ خلاصہ یہ ہے کہ وہ ممانعت تحریم یا کراہت کی نہیں ہے بلکہ خلاف اولیٰ کیلئے ہے یعنی غریب بھائی کو عاریۃً زمین دے دینا اس سے بہتر ہے کہ اس سے کچھ کرایہ لیا جائے، کہ کبھی زمین میں کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا، اور کرایہ اس پہ بلاوجہ پڑ جاتا ہے: خیال رہے کہ رافع ابن خدیج کو یہ احادیث مختلف ذرائع سے پہنچیں بعض احادیث انہوں نے براہِ راست حضور سے سنیں، بعض احادیث اپنے چچاؤں کی معرفت پہنچیں اس لئے وہ کبھی تو فرماتے ہیں میں نے حضور انور سے سُنا اور کبھی فرماتے ہیں مجھ سے میرے بعض چچاؤں نے کہا انہوں نے حضور سے سنا، لہذا حدیث میں اضطراب نہیں بلکہ روایات میں اختلاف ہے۔ لہذا یہ احادیث مضطرب اصطلاحی نہیں، اس لیے مسلم، بخاری نے ان احادیث کی تخریج فرمائی ورنہ اصطلاحی اضطراب حدیث کو ضعیف کر دیتا ہے؛ اور کرایہ زمین کی ممانعت کی بہت وجوہ احادیث میں وارد ہیں: بعض میں ہے کہ کرایہ نہ لینا اپنے بھائی مسلمان کو یوں ہی عاریۃً دے دینا افضل ہے: بعض میں ہے کہ کاشت وغیرہ کی وجہ سے جہاد سے باز نہ رہو، بعض میں ہے کہ جب اسی کرایہ کی بنا پر جھگڑے بڑھ گئے، تو حضور انور نے اس سے منع فرمایا: بعض میں ہے کہ زمیندار کا شتکار کے لیے زمین کے حصے مقرر کر دینا کہ اسکی پیداوار تیری اتنے کی میری

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّهٗ رَاٰی سِکَّةً وَشَیْئًا مِّنْ اٰلَةِ الْحَرْثِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَدْخُلُ هٰذَا بَیْتَ قَوْمٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ الذُّلَّ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ: عَنْ رَافِعِ بْنِ خُدَیْجٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ زَرَعَ فِیْ اَرْضِ قَوْمٍ بِغَیْرِ اِذْنِهِمْ فَلَیْسَ لَهٗ مِنَ الزَّرْعِ شَیْءٌ وَّلَهٗ نَفَقَتُهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ: اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ: عَنْ قَیْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ قَالَ مَا بِالْمَدِیْنَةِ اَهْلُ بَیْتِ هِجْرَةٍ اِلَّا یَزْرَعُوْنَ عَلَی الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَزَارَعَ عَلِیٌّ وَسَعْدُ

روایت ہے حضرت ابوامامہ سے کہ انہوں نے ہل اور کچھ کھیتی باڑی کا سامان دیکھا[۱] تو فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یہ چیزیں کسی گھر میں داخل نہیں ہوں مگر اللہ اس گھر میں ذلت ڈال دیگا[۲] (بخاری) فصل دوسری: روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جو کسی کی زمین بغیر اسکی اجازت کے کھیتی کرے تو اسے کھیت سے کچھ نہ ملیگا ہاں اسے خرچ مل جائیگا[۳] (ترمذی، ابوداؤد) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے[۴] تیسری فصل: روایت ہے حضرت قیس ابن مسلم سے وہ حضرت ابوجعفر سے راوی[۵] فرماتے ہیں مدینہ میں ایسا کوئی گھر والا مہاجر نہیں جو تہائی یا چوتھائی پر کھیتی نہ کرتا ہو۔ اور حضرت علی اور سعد

اس سے منع فرمایا، غرضکہ بعض صورتوں میں مزارعت جائز ہے بعض میں مکروہ بعض صورتوں میں بالکل ممنوع، تمام احادیث درست ہیں۔ [۵] یہ امر اخلاقی ہے، یعنی تقاضائے اخلاق یہ ہے کہ یا تو اپنے مال سے خود نفع اٹھائے یا دوسروں کو نفع پہنچائے، اگر یہ دونوں کام نہیں کرتا تو وہ جانے مستعمال نہ رکھے اپنی زمین یہ زمین بغیر مانع ہے، اور ممکن ہے کہ انکار کرنے والا دوسرا شخص ہو یعنی اگر دوسرا آدمی اس عاریت کو قبول نہ کرے تو اپنی زمین محفوظ رکھے، کچھ روز کاشت نہ کرنے سے زمین کی طاقت بڑھتی ہے، یہ روکنا بھی اسے مفید ہوگا۔

[۱] یا تو کسی گھر میں رکھے ہوئے دیکھے یا کسی کو وہ آلات استعمال کرتے ملاحظہ فرمایا۔ [۲] یہ فرمان عالی شان اس زمانہ کا ہے جب اسلام میں جہاد کی سخت ضرورت تھی، ایسے موقعہ پر تمام کاروبار بند کرکے جہاد کئے جاتے ہیں، یعنی جس قوم نے فوجی طاقت گم کردی اور کھیتی باڑی میں مصروف ہوگئے تو ذلیل ہوجائیں گے۔ دنیا میں وہی قوم زندہ رہتی ہے جسکی زندگی سپاہیانہ ہو۔ [۳] اس طرح کہ مالک زمین کو یا تو خبر ہی نہ ہو، اور یہ وہاں تخم بو دے یا مالک منع کرتا رہے اور یہ بیج ڈال دے: بغیر اذن ان دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ [۴] خرچ سے مراد تخم کی قیمت پانی اور اسکی اپنی محنت کا کرایہ ہے۔ حضرت امام احمد کا یہی مذہب ہے، کہ ایسی صورت میں پیداوار زمین والے کی ہے اور تخم پانی حق خدمت کاشتکار کو دلوایا جائے، باقی اماموں کے ہاں پیداوار تخم والے کی ہے اور زمین والے کو اتنے عرصہ کا کرایہ زمین دلوایا جائیگا یا اگر اس کاشت سے زمین ناقص ہوگئی تو نقصان دلایا جائیگا کیونکہ پیداوار تخم کا نتیجہ ہے، زمین تو اسکا ظرف ہے: یہ حدیث چونکہ صحیح نہیں، اس لیے ان بزرگوں نے اس پر عمل نہ فرمایا (مرقات مع زیادہ) [۵] اور شرح سنہ میں فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے، احمد نے فرمایا کہ بغیر اذنہم حدیث میں نہیں ہے، ابواسحاق نے یہ زیادت اپنی طرف سے کی ابواسحاق، رافع ابن خدیج سے راوی ہیں (مرقات)۔ [۶] قیس ابن مسلم جدلی کوفی تابعی ہیں، ۱۲۰ھ میں وفات پائی: اشعہ نے فرمایا کہ ان کا

بْنُ مَالِكٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ وَالْقَاسِمُ وَعُرْوَةُ وَاٰلُ اَبِىْ بَكْرٍ وَّاٰلُ عُمَرَ وَاٰلُ عَلِىٍّ وَّابْنُ سِيْرِيْنَ وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْاَسْوَدِ كُنْتُ اُشَارِكُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيْدَ فِى الزَّرْعِ وَعَامَلَ عُمَرُ النَّاسَ عَلٰى اِنْ جَآءَ عُمَرُ بِالْبَذْرِ مِنْ عِنْدِهٖ فَلَهُ الشَّطْرُ وَاِنْ جَآءَ بِالْبَذْرِ فَلَهُمْ كَذَا رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ ❊

بَابُ الْاِجَارَةِ ❊

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ ❊

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ زَعَمَ ثَابِتُ بْنُ الضَّحَّاكِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

ابن مالک عبداللہ ابن مسعود عمر ابن عبدالعزیز، قاسم عروہ اور ابوبکر و عمر و علی کی اولاد اور ابن سیرین نے کھیتیاں کرائیں[1] اور عبدالرحمن ابن اسود کہتے ہیں کہ میں عبدالرحمن ابن یزید کے ساتھ کھیتی میں شرکت کرلیتا تھا[2] اور حضرت عمر نے لوگوں سے اس شرط پر معاملہ کیا تھا کہ اگر عمر اپنے پاس سے بیج دیں تو انہیں آدھی پیداوار اور اگر وہ لوگ بیج دیں تو انہیں اتنی پیداوار[3] (بخاری)[4] کرایہ کا باب[5] پہلی فصل: روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مغفل[6] سے فرماتے کہ ثابت ابن ضحاک نے فرمایا[7] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

مذہب مرجیہ تھا واللہ اعلم، امام ابوجعفر کا نام محمد باقر ہے، ان کے صاحبزادے امام جعفر صادق ہیں، آپ امام زین العابدین کے فرزند ہیں تابعی ہیں، حضرت جابر ابن عبداللہ سے روایات لی ہیں، آپ سے آپ کے فرزند امام جعفر صادق راوی۔ [1] قاسم محمد ابن ابوبکر صدیق کے فرزند ہیں، جو مدینہ منورہ کے مشہور سات فقہاء سے ہیں، یوں ہی عروہ ابن زبیر ابن عوام جو اکابر تابعین سے ہیں، آل عمر وغیرہم ثقہ تابعین ہیں، یہ سب اپنی زمین میں مزارعت کراتے یا کرتے تھے کہ بعض زمین کے مالک تھے اور دوسروں سے کاشت کراتے تھے، بعض دوسروں کی زمین میں خود کاشت کرتے تھے، معلوم ہوا کہ نہ تو کھیتی باڑی کرنا منع نہ کرانا، جن احادیث میں اس کی ممانعت ہے وہاں وجہ کچھ اور ہے جو پہلے عرض کی جاچکی وہاں مطالعہ فرمایئے۔ [2] عبدالرحمن ابن اسود قرشی زہری ثقہ تابعین مدینہ سے ہیں، اور عبدالرحمن ابن زید اسلمی مدنی تابعی ہیں، اگرچہ ضعیف ہیں، ان دونوں کا مزارعت کرنا کرانا علامت جواز ہے۔ [3] یعنی زمین تو حضرت فاروق اعظم کی ہے اگر بیج بھی آپ ہی دیں مزارع صرف محنت کریں تو ان کا آدھا حصہ اور اگر بیج بھی مزارع کا ہو تو اتنا حصہ کچھ زائد، معلوم ہوا کہ مزارعت بہرحال جائز ہے، خواہ بیج زمین والے کا ہو یا مزارع کا، مگر پیداوار کے حصہ پر مزارعت ہو نہ کہ کسی خاص جگہ کی پیداوار۔ [4] بخاری نے یہ تمام احادیث و آثار تعلیقًا: یعنی بغیر اسناد روایت فرمائیں بہتر تھا کہ مصنف یوں فرماتے رواہ البخاری تعلیقًا تاکہ طریقہ روایت واضح ہوجاتا۔ [5] نفع عوض پر فروخت کرنا شرعًا اجارہ کہلاتا ہے، قیاس چاہتا ہے کہ اجارہ جائز نہ ہو کہ اس میں معدوم کی فروخت ہے، مگر شریعت نے ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے اسے جائز قرار دیا۔ نص کے مقابل قیاس قابل عمل نہیں جیسے دائی کو روٹی کپڑے پر نوکر رکھنا جائز ہے اگرچہ اس کا دودھ بھی نامعلوم ہے اور روٹی کپڑا بھی غیر مقرر مگر ضرورۃً جائز، یا جیسے حمام میں اجرت پر غسل کہ اگرچہ پانی کی مقدار معلوم نہیں مگر ضرورۃً جائز قرار دیا گیا، اسی طرح یہ بھی ہے۔ [6] مغفل بروزن محمد غین اور ف سے، آپ صحابی ہیں بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے، مدینہ منورہ میں قیام رہا، عہد فاروقی میں آپ کو بصرہ بھیجا گیا۔ وہاں ہی سنہ ۶۰ھ میں وفات ہوئی، بعض نسخوں میں عبداللہ ابن معقل عین و قاف سے ہے، بسکون عین و قاف کے کسرہ سے وہ تابعین میں سے ہیں (اشعہ و مرقات)۔

وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُزَارَعَةِ وَاَمَرَ بِالْمُؤَاجَرَةِ وَقَالَ لَا بَاْسَ بِهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ
اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ فَاَعْطَى الْحَجَّامَ اَجْرَهٗ وَاسْتَعَطَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔ وَعَنْ
اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا رَعَى الْغَنَمَ فَقَالَ اَصْحَابُهٗ
وَاَنْتَ فَقَالَ نَعَمْ كُنْتُ اَرْعٰى عَلٰى قَرَارِيْطَ لِاَهْلِ مَكَّةَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔ وَعَنْهُ قَالَ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ثَلٰثَةٌ اَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

نے کھیتی کرانے سے منع فرمایا[1] اور زمین کرایہ پر دینے کی اجازت دی اور فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں[2] (مسلم) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور لگانے والے کو مزدوری دی[3] اور نسوار لی[4] (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ اللہ نے کوئی نبی نہ بھیجا مگر انہوں نے بکریاں چرائیں[5] صحابہ نے عرض کیا حضور آپ نے فرمایا ہاں میں مکہ والوں کی بکریاں کچھ قیراط کے عوض چراتا تھا[6] (بخاری)

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میں قیامت کے دن تین شخصوں کا مدمقابل ہوں گا[7]

؎ آپکا نام ثابت، کنیت ابو یزید ہے، انصاری خزرجی ہیں، بیعۃ الرضوان میں شریک تھے اس وقت نوعمر تھے، فتنہ عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں وفات پائی، ۳ھ میں پیدائش ہے ۶۴ھ میں وفات۔ [1] اس ممانعت کی وجہ پہلے ہوچکی کہ اگر کسی خاص حصہ زمین کی پیداوار کو اجرت قرار دیا جائے تو مزارعت ممنوع ہے ورنہ جائز، یہاں وہی ممنوع صورت مراد ہے۔ [2] یعنی زمین کو نقد روپیہ میں کرایہ پر دینا بلاکراہت درست۔ [3] اس سے معلوم ہوا کہ اپریشن (OPERATION) پچھنے سینگی لگوانا جائز ہے اس کی اجرت بھی مباح، جن احادیث میں اس کی اجرت سے ممانعت آئی وہ تمام منسوخ ہیں۔ [4] استعط باب افتعال کا ماضی ہے، سعوط ہر وہ دوا ہے جو ناک میں چڑھائی جائے پتلی ہو یا خشک، اس سے نسوار کا جواز معلوم ہوا البتہ حرام یا مکروہ چیز کی نسوار سے بچے۔ [5] بکریاں چرانے سے طبیعت میں حلم و بردباری، محنت کا شوق، ملکی انتظام کی قابلیت اور رعایا پروری پیدا ہوتی ہے کہ بکریاں ہر وقت حفاظت کی حاجتمند ہوتی ہیں، اور ان میں انتظام نہیں ہوتا، ہر ایک جدھر منہ اٹھا چل دیتی ہے جو انہیں سنبھال لے گا وہ ان شاء اللہ قوم رعایا کو بھی سنبھال لیگا، تبلیغ خوب کرسکے گا، عام طور پر رعایا کو بکریوں سے اور بادشاہ کو چرواہے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ [6] قراریط قیراط کی جمع ہے، قیراط دینار کا بیسواں حصہ یا چوبیسواں حصہ ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کی بکریاں ایک قیراط روزیا ماہوار کے عوض چرائی ہیں، خیال رہے کہ نبی تبلیغ دین پر اجرت نہیں لیتے، دوسرے کاموں پر اجرت لیتے ہیں۔ لہذا یہ حدیث قرآن کریم کی آیت لَآ اَسْـَٔلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا کے خلاف نہیں، کہ وہاں علیہ سے مراد دین کی تبلیغ ہے، بعض لوگوں نے کہا کہ قراریط مکہ معظمہ میں ایک جگہ کا نام ہے، جہاں حضور انور بغیر اجرت بکریاں چراتے تھے، مگر یہ درست نہیں، ورنہ یہ حدیث باب الاجارہ میں نہ لائی جاتی، لہذا حق یہی ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے (مرقات و لمعات وغیرہ) اشعہ میں شیخ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے نبوت بادشاہوں وامیروں میں نہ رکھی بلکہ بکری چرانے اور تواضع کے پیشہ کرنے والوں میں رکھی چنانچہ ایوب علیہ السلام درزی گری کرتے تھے ذکریا علیہ السلام بڑھئی پیشہ۔ [7] یعنی سخت سزا دوں گا، جیسے کوئی دشمن اپنے دشمن پر قابو پائے

رَجُلٌ اَعْطٰى بِیْ ثُمَّ غَدَرَ وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَاَكَلَ ثَمَنَهٗ وَرَجُلٌ اِسْتَاجَرَ اَجِیْرًا فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ وَلَمْ یُعْطِهٖ اَجْرَهٗ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ نَفَرًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرُّوْا بِمَاءٍ فِیْهِمْ لَدِیْغٌ اَوْ سَلِیْمٌ فَعَرَضَ لَهُمْ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْمَاءِ فَقَالَ هَلْ فِیْكُمْ مِنْ رَاقٍ اِنَّ فِی الْمَاءِ رَجُلًا لَدِیْغًا اَوْ سَلِیْمًا فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَرَاَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ عَلٰى شَاءٍ فَبَرَاَ فَجَاءَ بِالشَّاءِ اِلٰى اَصْحَابِهٖ فَكَرِهُوْا ذٰلِكَ وَقَالُوْا اَخَذْتَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ

ایک وہ شخص جو میرے نام پر وعدہ دے پھر عہد شکنی کرے [1] دوسرا وہ شخص جو آزاد کو بیچے پھر اس کی قیمت کھائے [2] تیسرا وہ شخص جو مزدور سے کام پورا لے اور اسکی مزدوری نہ دے [3] (بخاری)؛ روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت کسی گھاٹ پر گذری [4] جن میں ایک سانپ یا بچھو کا ڈسا ہوا تھا تو گھاٹ والوں میں سے ایک شخص ان کے پاس آکر بولا کیا تم میں کوئی دم کرنے والا ہے گھاٹ میں ایک شخص بچھو یا سانپ کا کاٹا ہوا ہے [5] تو صحابہ میں سے ایک صاحب کچھ بکریوں کی شرط پر چلے گئے [6] سورۂ فاتحہ پڑھ دی وہ اچھا ہوگیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس کچھ بکریاں لائے۔ صحابہ نے ناپسند کیں [7] وہ بولے تم نے کتاب اللہ پر

تو اس کی کوئی رعایت نہیں کرتا ایسے ہی میں اُن کی رعایت ورحم ذکر وں گا، لہٰذا یہ حدیث واضح ہے۔ [1] اسکی بہت صورتیں ہیں، کسی کو خدا کا نام لیکر امان دی، پھر موقعہ پاکر اُسے قتل کردیا، کسی سے رب کی قسم کھاکر کوئی وعدہ کیا، پھر پورا نہ کیا: عورت سے رب تعالٰی کا نام لیکر بہت سے وعدوں پر نکاح کیا پھر وہ ادا نہ کیے: اسی لیے نکاح کے وقت کلمے پڑھاتے ہیں کہ دونوں خاوند بیوی حقوق میں جکڑ جائیں، رب تعالٰی فرماتا ہے، اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ غرضکہ وعدہ خلافی یوں ہی بُری ہے: مگر جب وعدہ رب تعالٰی کا نام لے کر کیا گیا ہو، پھر خلاف کرنا زیادہ بُرا، کہ اس میں اللہ تعالٰی کے نام شریف کی بےحرمتی بھی ہے۔ [2] کھانے کا ذکر اتفاقی ہے، وہ قیمت کھالے یا نہ کھائے آزاد کو غلام بناکر فروخت کردینا ویسے ہی بہت بُرا ہے: یوسف علیہ السلام کے بھائی اسی جرم پر زیادہ شرمندہ تھے جن کی معافی ہوئی۔ [3] کام پورا لینے میں اسی جانب اشارہ ہے کہ اگر مزدور بیچ میں کام چھوڑ دے شرارۃً تو وہ مزدوری کا حقدار نہیں: نائی آدھی حجامت کرکے انکار کردے تو بجائے اجرت کے سزا کا مستحق ہوگا، کام پورا کرنے پر اُجرت کا مستحق ہوگا۔ روزانہ اجرت دی جائے یا ماہوار، جو طے ہوگیا ہو۔ [4] اس گھاٹ پر کوئی قبیلہ آباد تھا، اب بھی عرب میں کنوؤں پر بستیاں آباد ہوتی ہیں، جو پانی کی تجارت سے گذارہ کرتی ہیں: عربی میں لدیغ بچھو کاٹے کو کہتے ہیں سلیم سانپ کاٹے کو، نیک فال کے لیے، کہ اللہ اسے سلامت رکھے۔ [5] اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ جھاڑ پھونک دم درود کا زمانہ صحابہ میں تھا، دوسرے یہ کہ لوگوں کو پتہ تھا کہ صحابہ کرام دم درود کرتے تھے اور قرآن شریف اور دعاؤں میں تاثیر ہے، یہ گھاٹ والے مسلمان نہ تھے جیسا کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ [6] یعنی ان صحابی نے پہلے طے فرمالیا کہ ہم دم کردیں گے ان شاء اللہ تمہارا بیمار اچھا ہوجائیگا مگر تیس بکریاں لیں گے وہ راضی ہوگئے، یہ بھی اجارہ ہوا، اسی لئے یہ حدیث باب الاجارہ میں لائی گئی، اگر بغیر طے کیے یہ بکریاں ملتیں تو وہ ہدیہ یا نذرانہ ہوتا نہ کہ اجرت۔ [7] یعنی رب تعالٰی فرماتا، وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا میری آیات تھوڑی قیمت کے عوض نہ فروخت کرو یہ بھی فروخت کی ایک صورت ہے: لہٰذا یہ معاوضہ درست نہ ہوا۔

أَجْرًا حَتّٰى قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَخَذَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ أَجْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ أَصَبْتُمْ اقْسِمُوْا وَاضْرِبُوْا لِيْ مَعَكُمْ سَهْمًا ٭ اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ ٭ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ الصَّلْتِ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ أَقْبَلْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْنَا عَلٰى حَيٍّ مِّنَ الْعَرَبِ فَقَالُوْا إِنَّا أُنْبِئْنَا أَنَّكُمْ قَدْ جِئْتُمْ مِنْ عِنْدِ هٰذَا الرَّجُلِ بِخَيْرٍ فَهَلْ عِنْدَكُمْ

اجرت لی ہے[1] یہاں تک کہ مدینہ منورہ آئے بولے یارسول اللہ انہوں نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقینًا اجرت لینے کے سب سے زیادہ لائق کتاب اللہ ہے[1] (بخاری) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تم نے ٹھیک کیا بانٹ لو اور اپنے ساتھ ہمارا حصہ بھی رکھو[2] ٭ دوسری فصل ٭ روایت ہے حضرت خارجہ ابن صلت سے وہ اپنے چچا سے راوی[3] فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو عرب کے ایک قبیلہ پر گزرے وہ لوگ بولے ہمیں خبر لگی ہے کہ تم ان محبوب کے پاس سے بڑی خیر لے کر آئے ہو[4] تو کیا تمہارے پاس

[1] یعنی ناجائز کام پر اجرت لینا منع ہے، قرآن کریم پڑھنا یا اس سے علاج کرنا منع نہیں، تو اسکی اجرت کیوں منع ہوگی: اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: (۱) قرآنی آیات سے علاج جائز ہے خواہ دم کرکے ہو یا تعویز لکھ کر یا گنڈا کرکے، کہ دھاگے وغیرہ پر دم کرے اور دھاگہ مریض کے باندھے۔ اس علاج پر اجرت لینا جائز ہے۔ (۲) قرآن کریم یا احادیث یا فتوٰی لکھنے کی اجرت لینا جائز ہے۔ (۳) قرآن شریف کی تجارت درست ہے یعنی قرآن شریف فروخت ان مسائل پر سب کا اتفاق ہے۔ (۴) قراۃ قرآن، تعلیم قرآن پر اجرت لینا درست ہے: اس میں امام ابوحنیفہ امام زہری و اسحاق کا اختلاف ہے رضی اللہ عنہم ان حضرات کی دلیل اگلی حدیث ہے، جواز ہی، باقی ائمہ کے ہاں درست ہے، (مرقات) مگر اب تعلیم قرآن پر اجرت بھی بالاتفاق جائز ہے۔ متاخرین احناف کا فتوٰی بھی یہی ہے تاکہ دین ختم نہ ہوجائے (اشعہ)[2] معلوم ہوتا ہے کہ اب تک ان حضرات نے یہ بکریاں بانٹی اور کھائیں نہ تھیں اور واپس بھی نہ کی تھیں، کہ اب تک انہیں جائز یا ناجائز ہونے کا یقین نہ تھا، یہ ساری بکریاں دم کرنے والے کی تھیں، مگر حضور انور کا ان تمام صحابہ میں تقسیم کرانا اور اپنا حصہ بھی ان میں رکھنا یہ بتانے کے لیے ہے کہ یہ بڑی طیب اور بہترین کمائی ہے جسے ہم بھی اور ہمارے صحابہ بھی کھا رہے ہیں، اس میں اشارۃً یہ بتایا گیا کہ مسافر لوگ آپس میں مل بانٹ کر چیزیں کھائیں، اکیلے کھا لینا مروّت اور اخلاق کے خلاف ہے۔ (از لمعات و مرقات) یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے خدام سے کچھ مانگنا نہ ناجائز نہ اس میں کوئی ذلت، یہ تو ان خدام کے لیے باعث فخر و عزت ہے: شعر

کلاہ گوشۂ دہقان بآفتاب رسید ٭ کہ سایہ بر سرش افگند چوں تو سلطانے

[3] خارجہ بنی تمیم سے ہیں، تابعی ہیں، ان کے چچا کا نام معلوم نہ ہوا، مگر چونکہ وہ صحابی ہیں، لہذا انکا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں کہ صحابہ سب عادل اور ثقہ ہیں۔ (مرقات) [4] غالبًا یہ حضرات اپنی قوم کے نمائندہ بن کر وفد کی شکل میں بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے، وہاں سے واپسی پر یہ واقعہ پیش آیا اس زمانہ میں جو حضور کے پاس آتا تھا تو لوگ اس کی آنکھوں کی زیارتیں کیا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ بڑے داتا کے دربار سے آرہے ہیں۔

مِنْ دَوَاءٍ اَوْ رُقْيَةٍ فَاِنَّ عِنْدَنَا مَعْتُوْهًا فِي الْقُيُوْدِ فَقُلْنَا نَعَمْ فَجَاءُوْا بِمَعْتُوْهٍ فِي الْقُيُوْدِ فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ غُدْوَةً وَّعَشِيَّةً اَجْمَعُ بُزَاقِيْ ثُمَّ اَتْفُلُ قَالَ فَكَاَنَّمَا اُنْشِطَ مِنْ عِقَالٍ فَاَعْطُوْنِيْ جُعْلًا فَقُلْتُ لَا حَتّٰى اَسْاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كُلْ فَلَعَمْرِيْ لَمَنْ اَكَلَ بِرُقْيَةٍ بَاطِلٍ لَقَدْ اَكَلْتَ بِرُقْيَةٍ حَقٍّ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ ۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطُوا الْاَجِيْرَ اَجْرَهٗ قَبْلَ اَنْ يَّجِفَّ عَرَقُهٗ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ ۔ وَعَنِ الْحُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

کوئی دوا یا دم درود ہے ہمارے ہاں ایک دیوانہ قید میں بندھا ہوا ہے ۱؎ ہم بولے ہاں چنانچہ وہ لوگ بیڑیاں پہنے ایک دیوانہ لائے میں نے تین دن تک صبح شام اس پر سورۂ فاتحہ پڑھی کہ اپنا تھوک جمع کرتا پھر اس پر تھتکار دیتا تھا ۲؎ وہ تو گویا رسیوں سے کھل گیا انہوں نے مجھے کچھ اجرت پیش کی میں بولا نہیں حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں ۳؎ حضور نے فرمایا کھاؤ میری زندگی کی قسم یہ اجرت اسی کے لیے ہے جو جھوٹے دم سے کھائے تم نے تو سچے دم سے کھایا ہے ۴؎ (احمد، ابوداؤد) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ سوکھنے سے پہلے دے دو ۵؎ (ابن ماجہ) روایت ہے حضرت حسین ابن علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول

بھرے پڑے آئے ہوں گے معلوم کیا گیا لائے ہوں گے۔ اسی سلسلہ میں یہ لوگ بھی ان سے ملنے آئے اور عرض کیا اب بھی ہم نے دیکھا کہ مدینہ سے آنے والوں کی آنکھیں لوگ چومتے ہیں، ان کے ہاتھ پیر ملتے پر پیشانیاں رگڑتے ہیں، یہ نئی بات نہیں، زمانہ صحابہ سے چلی آرہی ہے، خیر سے مراد دین اور دنیا کی بھلائی ہے، اسی لیے ان لوگوں نے دوا کا ذکر بھی کیا اور دعا کا بھی۔ ۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کے آستانہ پر سوال سے فریاد کرنا اور ان پر اپنے دکھ درد پیش کرکے دفعیہ کیلئے عرض کرنا سنت صحابہ ہے۔ ۲؎ وہ ایسا دیوانہ تھا جسے باندھنا پڑگیا تھا، بالکل ہی مخبوط الحواس۔ ۳؎ اب بھی بعض صوفیاء کچھ پڑھ کر بیمار پر تھپکار دیتے ہیں، ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ بعض صرف پھونک مار دیتے ہیں، ان کی روایتیں بھی ہیں، منشاء یہ ہوتا ہے کہ جیسے پھولوں سے لگ کر ہوا مہک جاتی ہے اور دور تک لوگوں کے دماغ معطر کردیتی ہے ایسے ہی قرآن والے منہ میں رہ کر ہوا یا تھوک میں شفا کی تاثیر پیدا ہوجاتی ہے، بھٹی کے پاس ہوا گرم ہوتی ہے پانی کے پاس ٹھنڈی ایسے ہی قرآن کے پاس کی ہوا شافی ہوتی ہے، خیال رکھئے کہ جانوروں کے نام میں تاثیر ہے، کسی کو شیر کہدیا خوش ہوگیا، گدھا کہدیا ناراض ہوگیا تو کیا خالق کے ناموں میں تاثیر نہ ہوگی ضرور ہوگی۔ ۴؎ یعنی میرے دم سے اتنا فائدہ ہوا کہ اسے بالکل ہی آرام ہوگیا گویا مرض نے اسے جکڑ رکھا تھا اس دم سے کھل گیا، معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ چند ساعتوں کی صحبت میں حضور سے علم، عمل وغیرہ سب کچھ ہی لے آتے تھے، خیال رہے کہ اسے اجرت کہنا مجازًا ہے، درحقیقت یہ نذرانہ تھا اجرت پہلے طے کی جاتی ہے ۵؎ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ ہدیہ قبول تو کرلیا تھا استعمال نہ کیا تھا اسی لیے یہ عرض کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ناجائز اور جھوٹے جنتر منتر پر اجرت یا نذرانہ لینا حرام ہے۔ حق دم درود پر اجرت بھی جائز نذرانہ بھی۔ لَعَمْرِیْ قسم شرعی نہیں، وہ تو صرف خدا کے نام کی ہوتی ہے بلکہ قسم لغوی ہے جیسے رب فرماتا ہے وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ انجیر اور زیتون کی قسم۔ لہذا یہ فرمان عالی اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں ارشاد ہوا کہ غیر خدا کی

اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِلسَّائِلِ حَقٌّ وَاِنْ جَآءَ عَلٰی فَرَسٍ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَفِی الْمَصَابِیْحِ مُرْسَلٌ۔ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ۔ عَنْ عُتْبَۃَ بْنِ النُّدَّرِ قَالَ کُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ طٰسٓمٓ حَتّٰی بَلَغَ قِصَّۃَ مُوْسٰی قَالَ اِنَّ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ اٰجَرَ نَفْسَہٗ ثَمَانَ سِنِیْنَ اَوْ عَشْرًا عَلٰی عِفَّۃِ فَرْجِہٖ وَطَعَامِ بَطْنِہٖ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَۃَ۔ وَعَنْ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مانگنے والے کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر آئے [۱] (احمد، ابوداؤد) [۲] اور مصابیح میں مرسل ہے [۳]۔ تیسری فصل۔ روایت ہے حضرت عتبہ ابن ندر سے [۴] فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ آپ نے سورۃ طٰسم پڑھی حتےٰ کہ حضرت موسےٰ کے قصہ پر پہنچے [۵] فرمایا کہ موسےٰ علیہ السلام نے اپنے نفس کو اپنی پاکدامنی کی حفاظت اور اپنے پیٹ کی روٹی پر آٹھ یا دس سال اجرت پر دیا [۶] (احمد، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت عبادہ ابن

تم نکھا دو لبن اکل کی خبر محذوف ہے۔ [۵] یعنی مزدوری دینے میں ٹال مٹول نہ کرو جس وقت دینے کا معاہدہ ہوا اسی وقت دے دو بلا تاخیر لہذا حدیث پر نہ تو اعتراض ہے کہ اگر مزدور کو پسینہ نہ آیا ہو تو اسے مزدوری دو ہی نہیں، نہ یہ سوال ہے کہ ماہوار تنخواہیں دینا منع ہیں، ہر دن کام کرتے ہی دے دی جائیں، حدیث کی فہم کے لیے عقل کامل ضروری ہے۔ [۱] یعنی اگر کسی سائل بھکاری پر آثار غنا ہوں اور وہ اپنے کو فقیر ظاہر کرے تو اسکی بات پر اعتماد کرکے اسے صدقہ دے سکتے ہو، بہت دفعہ انسان کے پاس گھوڑا ہوتا ہے مگر اسکا سامان گروی اور قرض سر پر سوار ہوتا ہے، اس لیے اس کا ظاہری حال نہ دیکھو اسکی بات کا اعتبار کرو، اگر وہ کہے کہ یہ گھوڑا کرایہ کا ہے مجھے بھی کچھ دو، اس گھوڑے کو بھی کچھ دو، تو بھی اسکی بات مان لو اسی لیے یہ حدیث کرایہ کے باب میں لائے، ورنہ صدقہ کو کرایہ سے کیا تعلق۔ [۲] یہ حدیث ابوداؤد میں حضرت علی سے طبرانی کبیر میں حضرت ہرماس ابن زیاد سے ابن عدی میں کامل میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار چاندی کی لگام لگائے آئے۔ (مرقات) [۳] حق یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل نہیں بلکہ مسند ہے، اگرچہ حضرت حسین نے حضور علیہ السلام کو بحالت سمجھ بوجھ نہ پایا، مگر آپ نے یہ روایت حضرت عبداللہ ابن عمر سے کی، شاید صاحب مصابیح کو اسپر اطلاع نہ ہوئی (از مرقات) مصابیح کے بعض نسخوں میں یہ لفظ نہیں ہے۔ [۴] بعض نسخوں میں عتبہ ابن منذر ہے، بعض میں عتبہ ابن ندر ن کا پیش دال مشدد مفتوح، بعض میں عتبہ ابن عبد سلمی ہے غرضکہ ان کے نام میں بہت گفتگو ہے۔ [۵] یعنی حضور انور نے سورۃ قصص تلاوت کی جس میں موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں رہنا آٹھ بلکہ دس سال بکریاں چرانا انکی صاحبزادی صفورا سے نکاح وغیرہ مذکور ہے۔ [۶] مقصد یہ ہے کہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے محنت مزدوری کرنا اچھا ہے سوال برا، بڑے سے بڑے شخص کو معمولی محنت سے عار نہ کرنی چاہیئے۔ خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب کی بکریاں چرانا بی بی صفورا کا مہر نہ تھا، بلکہ نکاح کی شرط تھی، اسی لیے آپ نے فرمایا تھا عَلٰی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ تم میری مزدوری آٹھ سال کرو، اگر مہر ہوتا تو علی کی بجائے ب آتی، اور آپ اپنے بجائے بی بی صفورا کا ذکر فرماتے۔ قرآن کریم فرماتا ہے اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ بیویاں اپنے مالوں سے تلاش کرو، لہذا مذہب حنفی بالکل حق ہے کہ مہر میں مال دینا پڑے گا۔ خدمت زوج مہر نہیں بن سکتا، امام شافعی کا فرمان کہ خدمت پر نکاح درست ہے اس آیت کے خلاف

عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ رَجُلٌ أَهْدٰى إِلَيَّ قَوْسًا مِمَّنْ كُنْتُ أُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْقُرْاٰنَ وَلَيْسَتْ بِمَالٍ فَأَرْمِي عَلَيْهَا فِي سَبِيْلِ اللهِ قَالَ إِنْ كُنْتَ تُحِبُّ أَنْ تُطَوَّقَ طَوْقًا مِنْ نَارٍ فَاقْبَلْهَا رَوَاهُ أَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ ﴿ بَابُ إِحْيَاءِ الْمَوَاتِ وَالشِّرْبِ ﴾ اَلْفَصْلُ الْأَوَّلُ ۞ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ عَمَّرَ أَرْضًا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ فَهُوَ أَحَقُّ قَالَ عُرْوَةُ قَضٰى بِهِ عُمَرُ فِي خِلَافَتِهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۞ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ

صامت سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ جنہیں میں کتاب اللہ یعنی قرآن سکھاتا تھا ان میں سے ایک شخص نے مجھے کمان دی ہے[1] یہ کوئی بڑا قیمتی مال نہیں ہے اس پر میں اللہ کی راہ میں تیر پھینکوں گا فرمایا اگر تم آگ کا ہار پہنایا جانا پسند کرتے ہو تو اسے قبول کر لو[2] (ابوداؤد، ابن ماجہ) ؎ باب بنجر زمین کو آباد کرنا اور پانی دینا[3] ؎ فصل پہلی ؎ روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا جو کسی ایسی زمین کو آباد کرے[4] جو کسی کی ملک نہ ہو تو وہ ہی اس کا حقدار ہے عروہ فرماتے ہیں کہ جناب عمر نے اپنی خلافت میں اسی پر فیصلہ کیا[5] (بخاری) ؎ روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ

نہیں ہوتا، خیال رہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو آٹھ دس سال بکریوں کے بہانہ سے رکھا مگر مقصود تھا انہیں اپنے پاس رکھ کر کلیم اللہ بننے کے لائق بنانا، ڈاکٹر اقبال نے ایک شعر میں یہ مضمون حل کر دیا، شعر

اگر کوئی شعیب آئے میسر ؎ شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

[1] یعنی ایک طالب علم نے مجھے بطور ہدیہ کمان دی ہے معمولی چیز ہے اور میں نے بھی جہاد کے لیے رکھی ہے، اس کی تجارت نہیں کرتا ہے، ارشاد ہو کہ مجھے اس کا لینا درست ہے یا نہیں، اور کمان آیا تعلیم قرآن کی اجرت ہے یا کچھ اور۔ [2] یعنی یہ کمان بظاہر ہدیہ ہے مگر درحقیقت گذشتہ تعلیم کی اجرت ہے اور تعلیم قرآن پر اجرت لینا ممنوع ہے، یہ حدیث حضرت امام ابوحنیفہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کی دلیل ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا ممنوع ہے بلکہ وہ حضرات تو مطلقًا علم دین سکھانے پر اجرت منع فرماتے ہیں، متاخرین احناف نے اسے جائز فرمایا تاکہ دین ضائع نہ ہو جائے، خیال رہے کہ پچھلی احادیث میں قرآن شریف سے علاج دم درود پر اجرت جائز فرمائی گئی تھی، یہاں تعلیم قرآن کی اجرت سے ممانعت ہے۔ لہذا احادیث میں تعارض نہیں، شیخ نے فرمایا کہ وہ احادیث بیان جواز کے لیے تھیں اور یہ حدیث بیان استحباب کیلیے یعنی تعلیم قرآن پر اجرت جائز تو ہے مگر بہتر نہیں، یا یہ مطلب ہے کہ تم نے قرآن شریف پڑھایا تھا فی سبیل اللہ اس وقت تمہاری نیت اجرت کی قطعًا نہ تھی جو کام اللہ کیلئے کر چکے ہو اب اس پر اجرت لیکر اسے بگاڑتے کیوں ہو واللہ اعلم، مرقات نے فرمایا کہ الکتاب سے مراد یا تو قرآن شریف ہے یا کتابت یعنی لکھنے کی تعلیم۔ [3] موات وہ زمین کہلاتی ہے جو نہ تو کسی کی ملک ہو نہ بستی والوں کی ضروریات کیلئے ہو نہ اس پر کوئی کاشت وغیرہ کرتا ہو، موات کا مقابل عامر ہے یعنی آباد زمین، شرب شین کے کسرہ سے پانی کا حصہ یا پانی کی باری یا پانی دینے کا حق، موات زمین آباد کرنے کا حکم پہلے گزر چکا کہ اگر سلطان اعلان کر دے کہ جو یہ زمین آباد کرے وہ اسی کی ہے تب تو آباد کرنے والا مالک ہوگا ورنہ نہیں، امام شافعی کے ہاں مالک ہوگا[4] یعنی بادشاہ کی اجازت سے آباد کرے (احناف)۔ [5] ہمارے ہاں یہ دونوں فرمان سیاسی تھے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ پاک میں اور

الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا حِمَى إِلَّا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ خَاصَمَ الزُّبَيْرُ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ فِيْ شِرَاجٍ مِّنَ الْحَرَّةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلٰى جَارِكَ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُهُ ثُمَّ قَالَ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ

حضرت صعب بن جثامہ سے فرمایا[1] کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ چراگاہیں اللہ اور رسول ہی کی ہیں[2] (بخاری) روایت ہے حضرت عروہ سے[3] فرماتے ہیں کہ حضرت زبیر نے ایک انصاری شخص سے حرہ کی نال کے متعلق جھگڑا کیا[4] تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے زبیر تم پانی دے لو پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو[5]۔ انصاری نے کہا کہ وہ آپ کے پھوپھی زاد جو ہوئے[6] اس پر حضور کے چہرے کا رنگ بدل گیا[7] پھر فرمایا اے زبیر پانی دو پھر پانی روک لو

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں قانون نافذ فرما دیا تھا، اب بھی اگر سلطان یہ قانون نافذ کردے، تو یہی حکم ہوگا کہ جو ایسی زمین آباد کرے گا وہ مالک ہوگا، امام شافعی کے ہاں یہ حکم شرعی تھا اب بادشاہ اسلام یہ قانون بنائے یا نہ بنائے، زمین آباد کرنے والا اس کا مالک ہوگا۔ الحِمٰی لِلّٰہ کے معنی یہ ہیں کہ نہ تو وہ زمین کسی کی ملک ہو نہ شہر کی ضروریات کیلئے ہو لہذا حدیث ظاہر ہے۔ [1] جثامہ جیم کے فتح۔ ث کے شد و فتح سے، حضرت صعب ابن جثامہ لیثی ہیں صحابی ہیں ودان اور ابواء میں رہتے تھے، خلافت صدیقی میں وفات پائی۔ [2] رؤسائے عرب اپنے جانوروں کیلئے خاص چراگاہیں مقرر کر لیتے تھے جن میں ان کے سوا کوئی اپنے جانور نہ چرا سکتا تھا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ چراگاہیں بنانے کا حق صرف اللہ رسول ہی کو ہے دوسرے کو نہیں، تو حضور انور اپنے جانوروں کے لیے چراگاہیں مقرر کر سکتے ہیں، لیکن آپ نے کبھی مقرر فرمائیں نہیں؛ دوسرے یہ کہ صرف جہاد کے جانوروں ہی کیلئے چراگاہیں مقرر ہو سکتی ہیں، اپنے نجی جانوروں کیلئے نہیں ہو سکتی؛ تیسرے یہ کہ کوئی شخص اللہ رسول کی بغیر اجازت چراگاہ نہ بنائے، کہ چراگاہ بنانے، اجازت دینے کا حق اللہ رسول ہی کو ہے: خیال رہے کہ اللہ کا ذکر برکت کیلئے ہے، چراگاہ کی اجازت صرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی جائے گی۔ [3] آپ عروہ ابن زبیر ابن عوام ہیں تابعی ہیں، مدینہ منورہ کے سات فقہاء سے ہیں، آپ کی والدہ اسماء بنت ابوبکر صدیق ہیں، اور زبیر حضرت صفیہ کے فرزند ہیں، حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب حضور انور کی پھوپھی ہیں، حضرت زبیر سولہ برس کی عمر میں اسلام لائے سب سے پہلے اللہ کی راہ میں تلوار آپ نے چلائی، احد کے دن حضور انور کے پاس سے نہ ہٹے، عمرو ابن جرموز نے آپ کو قتل کیا، ۶۴ سال عمر پائی ۳۶ھ میں جنگ صفین میں شہید ہوئے، اولاً وادی سباع میں دفن کیے گئے، پھر وہاں سے بصرہ منتقل کر دیئے گئے۔ آپ کی قبر زیارت گاہ خلق ہے، فقیر نے زیارت کی ہے (از مرقات)۔ [4] پتھریلی زمین کو حرہ کہتے ہیں، قدرتی پہاڑی نالہ شراج کہلاتا ہے، ان دونوں صاحبوں کے کھیت برابر تھے۔ جو اس نالے سے سینچے جاتے تھے، جھگڑا ہوا آگے پانی دینے: انصاری کہتے تھے پہلے میں پانی دوں، زبیر فرماتے ہیں پہلے میں دوں۔ [5] کیونکہ آپ کا کھیت اوپر تھا جدھر سے پانی آتا تھا، اور انصاری کا کھیت نیچے بہاؤ کی طرف اور اوپر والا پہلے پانی دیتا ہے۔ [6] یعنی آپ نے اس فیصلہ میں ان کی قرابتداری کا لحاظ فرمایا ہے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ شخص قوم انصار سے تو تھا مگر مومن نہ تھا، یا یہودی تھا، یا منافق

حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَى الْجُدُرِ ثُمَّ اَرْسِلِ الْمَاۤءَ اِلٰى جَارِكَ فَاسْتَوْعَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلزُّبَيْرِ حَقَّهٗ فِىْ صَرِيْحِ الْحُكْمِ حِيْنَ اَحْفَظَهُ الْاَنْصَارِىُّ وَكَانَ اَشَارَ عَلَيْهِمَا بِاَمْرٍ لَهُمَا فِيْهِ سَعَةٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ؛ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوْا فَضْلَ الْمَاۤءِ لِتَمْنَعُوْا بِهٖ فَضْلَ الْكَلَاِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ؛ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ رَجُلٌ حَلَفَ عَلٰى سِلْعَةٍ لَقَدْ اُعْطِىَ بِهَا اَكْثَرَ مِمَّا اُعْطِىَ وَهُوَ كَاذِبٌ وَرَجُلٌ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ كَاذِبَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ

حتے کہ مینڈھ تک لوٹ جائے پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو [1] یعنی اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر کو اپنا پورا حق لینے کا صریح حکم دیا جبکہ انصاری نے آپ کو ناراض کر دیا حالانکہ حضور نے ان دونوں کو وہ مشورہ دیا تھا جس میں دونوں کے لیے گنجائش تھی [2] (مسلم بخاری) ؛ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بچا ہوا پانی نہ روکو تاکہ اس سے بچی گھاس روکو [3] (مسلم بخاری) ؛ روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شخص وہ ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ نہ کلام فرمائے گا اور نہ انہیں نظر رحمت سے دیکھے گا ایک وہ شخص جو کسی سامان پر قسم کھائے کہ مجھے پہلے اس سے زیادہ قیمت ملتی رہی حالانکہ ہو وہ جھوٹا اور ایک وہ شخص جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائے

مگر ترجیح اسے ہے کہ تھا تو مسلمان مگر نو مسلم تھا، آداب بارگاہ سے بے خبر تھا، اسی لیے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم یا دوسرے صحابہ نے اسے کوئی سزا نہ دی (مرقات) اشعہ نے فرمایا یہ منافق ہی تھا جیسے عبداللہ ابن ابی کہ قبیلہ انصار سے تھا مگر منافق تھا قتل اس لیے نہ کیا کہ منافقوں کو قتل نہ کیا جاتا تھا واللہ اعلم [4] یعنی حضور انور کو اس کلام سے بہت ہی تکلیف ہوئی حتی کہ چہرۂ انور سرخ ہو گیا، منافقوں، نادانوں کی بسا اوقات حضور انور ایسی باتیں سن لیتے تھے تکلیف ہوتی تھی مگر صبر فرماتے تھے۔ [5] پہلے تو فرمایا تھا کہ اے زبیر اپنی زمین تر کرکے پانی انصاری کو دے دو، اب پورا حق زبیر کو عطا فرمایا کہ پہلے تم اپنے کھیت کو پانی دو پھر اتنی دیر تک پانی روکے رکھو کہ کھیت اس پاس کی مینڈھ تک پہنچ جائے اور کھیت لبریز ہو جائے، تب انصاری کو دو۔ [6] یعنی پہلے انصاری کی رعایت کی گئی تھی اور حضرت زبیر کو حسن اخلاق کی تعلیم دی گئی تھی مگر جب انصاری نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا بلکہ الٹا ناراض ہو گیا، تو ہر ایک کو پورا حق دیا گیا پہلے فضل تھا اب عدل، اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اپنا حق معاف کر دینا، اپنے مجرم کو سزا نہ دینا اخلاق صحابہ اور اخلاق محمدی ہیں، دوسرے یہ کہ غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنا حضور کیلئے جائز تھا ہمارے واسطے منع، کیونکہ آپ غصہ میں بھی حق ہی فرماتے تھے: تیسرے یہ کہ جنگل اور سیلاب کا پانی کسی کی ملک نہیں ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے: چوتھے یہ کہ پانی دینے میں ترتیب یہ ہے کہ اوپر والا پہلے پانی لے پیچھے والا بعد میں۔ [7] اس کی شرح باب ممنوعہ بیع کی پہلی فصل میں گزر چکی کہ رفاہ عام کی چھوٹی ہوئی زمین کی گھاس جو کاٹی نہ گئی ہو ہر ایک کا حق ہے، یوں ہی ایسے جنگلوں کے پانی کسی شخص کو جائز نہیں کہ ان پر قبضہ جمائے اور دوسروں کو اس سے روکے، ہاں کاٹی ہوئی گھاس اور اپنے برتنوں میں بھرا ہوا پانی اپنی ملک ہے۔ [8] کلام سے کلام محبت مراد ہے اور نظر سے نظر رحمت ورنہ غضب کا کلام اور قہر کی نظر تو کفار پر بھی ہوگی۔ [9] یہ بیماری عام دکانداروں کو ہے کہ جب کوئی خریدار ان سے مال کی

لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ وَرَجُلٌ مَنَعَ فَضْلَ مَاءٍ فَيَقُولُ اللّٰهُ الْيَوْمَ اَمْنَعُكَ فَضْلِي كَمَا مَنَعْتَ فَضْلَ مَاءٍ لَمْ تَعْمَلْ يَدَاكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَذُكِرَ حَدِيْثُ جَابِرٍ فِي بَابِ الْمَنْهِيِّ عَنْهَا مِنَ الْبُيُوْعِ ۞ اَلْفَصْلُ الثَّانِي ۞ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحَاطَ حَائِطًا عَلَى الْاَرْضِ فَهُوَ لَهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ ۞ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِي بَكْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعَ لِلزُّبَيْرِ نَخِيْلًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ ۞ وَعَنْ

تاکہ اس قسم سے مسلمان آدمی کا مال مارلے [1] اور ایک وہ شخص جو بچا ہوا پانی روکے [2] اللہ تعالٰی فرمائیگا کہ آج میں تجھ سے اپنا فضل روکتا ہوں جیسے تو نے بچا ہوا پانی روکا تھا جسے تیرے ہاتھوں نے نہ بنایا تھا [3] (مسلم، بخاری) اور حضرت جابر کی حدیث ممنوع تجارتوں کے باب میں ذکر کردی گئی ہے ۞ دوسری فصل ۞ روایت ہے حضرت حسن سے وہ حضرت سمرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جو کسی زمین پر احاطہ بنائے تو وہ زمین اسی کی ہوگی [4] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو کھجور کے درخت بطور جاگیر بخشے [5] (ابوداؤد) روایت ہے

لگاتا ہے تو کہتے ہیں رب کی قسم ابھی تم سے پہلے ایک گاہک اس سے زیادہ پیسے دیتا رہا میں نے نہ دی، اور بچے ایسے ہوتے ہیں کہ جب گاہک چل دیتا ہے تو پکارتے ہیں اچھا اتنے میں ہی لیجا: خیال ہے کہ جھوٹ بولنے سے تقدیر نہیں بدل جاتی بلکہ تجربہ یہ ہے کہ سچا دکاندار خوب کماتا ہے۔

[1] اسکی صورت یہ ہے کہ حاکم کے ہاں ایک دعوے دائر ہوا، مدعی کے پاس گواہ نہ تھے مگر تھا وہ سچا، مدعی علیہ سے بعد عصر قسم کھانے کے لیے کہا گیا، یہ جھوٹی قسم کھا گیا اور اس کا حق مار لیا: بعد عصر کی قید اس لیے لگائی کہ وہ وقت دن رات کے فرشتوں کے اجتماع کا ہے، دن کے جانے اور رات کے آنے کی گھڑیاں ہیں، اس وقت کفار عرب بھی جھوٹی قسم نہ کھاتے تھے، یہ بے غیرت مسلمان ہوکر اس گناہ پر دلیری کرلیتا ہے [2] یعنی گذرگاہ عام پر غیر مملوک پانی اسکی حاجت سے زائد ہو، پھر وہ مسافروں اور جانوروں کو نہ پینے دے، لہذا اس حکم سے وہ لوگ خارج ہیں جو پانی بیچ کر اپنا گزارہ کرتے ہیں، کہ وہ پانی ان کے اپنے کنوئیں کا ہوتا ہے یا دور سے لایا ہوا، جیسا کہ عرب کی منزلوں میں دیکھا جاتا ہے [3] اس جملہ میں بھی اشارہ اس طرف ہے کہ اپنا کھودا ہوا کنواں یا اپنا جمع کیا ہوا پانی اپنی ملکیت ہے جسے فروخت کرنا بلا کراہت جائز ہے: ید سے مراد کوشش اور محنت ہے۔ [4] یہاں ارض سے مراد زمین موات ہے جو نہ کسی کی ملک ہو نہ رفاہ عام کی ہو: احاطہ سے مراد اپنے یا اپنے جانوروں کے رہنے کے مکان کے لئے احاطہ ہے یعنی جو شخص غیر مملوک زمین میں اپنے مکان یا اصطبل کیلیے دیوار کھینچ لے وہ زمین اسکی ہوگی، یہی مذہب امام احمد کا ہے کہ انکے ہاں صرف دیوار کھینچ لینا ملکیت کیلئے کافی ہے، دیگر اماموں کے ہاں صرف دیوار کھینچ لینا کافی نہیں، احیاء یعنی آباد کرنا ضروری ہے، اسلئے وہ حضرات دیوار سے مکان کی دیوار مراد لیتے ہیں اور لہ سے مراد عارضی ملکیت ہو کہ ایسی زمین میں مکان بنا لینے والا جبتک رہیگا زمین حکومت کی ہوگی (لمعات، اشعہ، مرقات) [5] اقطاع کے معنی ہیں کسی کو قطع زمین بخشنا یا تو بالکل مالک کرکے یا وہاں رہنے بسنے کی اجازت دینا: یہاں پہلے معنی مراد ہیں اور نخیل سے مراد نخلستان ہے یعنی درخت کھجور مع زمین بطور جاگیر عطا فرمائے، یہ باغ یا تو اس خمس سے تھا جو حضور انور کی ملک تھا یا زمین موات تھی، حضرت زبیر نے اُسے آباد کیا (لمعات مرقات)

ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقطع للزبیر حضر فرسه فاجری فرسه حتی قام ثم رمی بسوطه فقال اعطوه من حیث بلغ السوط رواہ ابوداؤد ۞ وعن علقمة بن وائل عن ابیه ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقطعه ارضا بحضرموت قال فارسل معی معویة قال اعطها ایاه رواہ الترمذی والدارمی ۞ وعن ابیض بن حمال المأربی انه وفد الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاستقطعه الملح الذی بمأرب فاقطعه ایاه فلما ولی قال رجل یارسول اللہ انما اقطعت له الماء العد قال

حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو ان کے گھوڑے کی حد دوڑ تک جاگیر بخشی[1] زبیر نے اپنا گھوڑا چھوڑا حتی کہ ٹھہر گیا پھر اپنا کوڑا پھینکا حضور نے فرمایا جہاں کوڑا پہنچا وہاں تک کی زمین انہیں دے دو[2] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت علقمہ ابن وائل سے وہ اپنے والد سے راوی[3] کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرموت میں کچھ زمین جاگیر بخشی[4] فرماتے ہیں میرے ساتھ حضرت معاویہ کو بھیجا فرمایا وہ زمین انہیں دے آؤ[5] (ترمذی، دارمی) روایت ہے حضرت ابیض ابن حمال مأربی سے[6] کہ وہ بطور نمائندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے حضور سے مأرب کے نمک کی کان کی جاگیر مانگی[7] حضور نے انہیں وہ جاگیر عطا فرمادی جب وہ چلے گئے تو کسی شخص نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے تو انہیں پانی کا چشمہ جاگیر دے دیا ہے[8]

[1] حضر ح کے پیش ض کے سکون سے بمعنی دوڑ، یہاں قدر پوشیدہ ہے، یعنی گھوڑے کی دوڑ کی بقدر کہ گھوڑا چھوڑو جہاں رک جائے وہاں تک کی زمین تمہاری۔ [2] یعنی پہلے گھوڑا چھوڑا جہاں وہ رکا وہاں سے کوڑا پھینکوایا، جہاں کوڑا پہنچا وہاں تک کی یہ مجموعہ زمین حضرت زبیر کو بخش دی ظاہر یہ ہے کہ بالکل ہی بخشدی، مالک بنادیا کہ نسلاً بعد نسل انکی ہی ہو، صرف بسنے کیلئے عارضی طور پر نہ دی، امام شافعی فرماتے ہیں کہ جیسے بادشاہ بیت المال کا روپیہ کسی کو دے سکتا ہے ایسے ہی بیت المال کی زمین بھی کسی کو بخش سکتا ہے۔ یہ زمین بیت المال کی ملکیت تھی جو حضور انور نے حضرت زبیر کو بخشدی، امام اعظم فرماتے ہیں کہ زمین موات تھی جو حضرت زبیر کو احیاء یعنی آباد کرنے کیلئے عطا ہوئی، اسی لیے صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث احیاء موات کے باب میں لائے، بادشاہ اعلان بھی کرسکتا ہے کہ جو جس زمین کو آباد کرے وہ اسی کی ہے، اور اسطرح بخش بھی سکتا ہے ہر طرح اسے اختیار ہے۔ [3] علقمہ تابعی ہیں انکے والد حضرت وائل ابن حجر حضرمی صحابی ہیں، یہ یمن کے شاہزادے تھے انکے دوسرے صاحبزادے عبدالجبار ہیں دونوں تابعی ہیں حضرت وائل ابن حجر کو حضور انور نے یہ عطیہ دیا۔ [4] حضرموت یمن کا مشہور شہر ہے، اہل یمن کے مورث اعلیٰ عامر کا یہ لقب تھا کیونکہ وہ جس جنگ میں پہنچ جاتے وہاں کشتوں کے پشتے لگ جاتے اس لئے انہیں حضرموت کہتے تھے انہوں نے یہ شہر آباد کیا تو شہر کا نام حضرموت ہوا، اور بھی کئی وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہیں، اور یہ معاویہ ابن ابوسفیان نہیں بلکہ معاویہ ابن حکم سلمی ہیں، کیونکہ معاویہ ابن ابوسفیان کا اسلام تو فتح مکہ میں ظاہر ہوا، اور یہ واقعہ فتح مکہ سے بہت پہلے کا ہے (مرقات) [5] اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو قبضہ دینے اور لینے کا وکیل کرسکتے ہیں۔ [6] ان کا نام پہلے اسود تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابیض رکھا، مأرب یمن کے علاقہ صنعاء کا مشہور شہر ہے جہاں نمک کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ [7] یعنی عرض کیا کہ مجھے وہاں کا نمک عنایت فرمادیجئے کہ میں اس کی تجارت کرکے گذر اوقات

فَرَجَعَهُ مِنْهُ قَالَ وَسَأَلَهُ مَاذَا يُحْمٰى مِنَ الْأَرَاكِ قَالَ مَالَمْ تَنَلْهُ أَخْفَافُ الْإِبِلِ رَوَاهُ
التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ ۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُوْنَ شُرَكَاءُ فِيْ ثَلٰثٍ فِي الْمَاءِ وَالْكَلَاءِ وَالنَّارِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ
وَعَنْ أَسْمَرَ بْنِ مُضَرِّسٍ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْتُهُ فَقَالَ مَنْ سَبَقَ
إِلٰى مَاءٍ لَمْ يَسْبِقْهُ إِلَيْهِ مُسْلِمٌ فَهُوَ لَهُ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ ۔ وَعَنْ طَاوُسٍ مُرْسَلًا أَنَّ رَسُوْلَ

فرماتے ہیں تب حضور نے وہ ان سے واپس لے لیا لے راوی فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضور سے پوچھا کہ کس قدر پیلو چراگاہ بنائے جاسکتے ہیں فرمایا جہاں
تک اونٹوں کے سُم نہ پہنچیں ۲؎ (ترمذی،ابن ماجہ،دارمی) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے کہ مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں پانی گھاس اور آگ میں ۳؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ) روایت ہے حضرت اسمر ابن مضرس
سے فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے حضور سے بیعت کی آپ نے فرمایا جو ایسے پانی پر قبضہ کرے
جس تک کسی مسلمان کا قبضہ نہ پہنچا ہو تو وہ اسی کا ہے ۴؎ (ابوداؤد) روایت ہے حضرت طاؤس سے ۵؎ ارسالًا کہ رسول

کروں۔ ۸؎ یہ عرض کرنے والے اقرع ابن حابس تمیمی ہیں یا عباس ابن مرداس، آپ نے سمجھا تھا کہ وہاں نمک پہاڑی ہوگا جو بغیر دشواری کھود کر نکالا جاتا ہوگا
اس لیے وہ بطور جاگیر عنایت فرمادیا۔ ان صاحب نے عرض کیا کہ وہ تو جھیل ہے جس سے بغیر مشقت نمک بنتا ہے، وہاں پانی کا چشمہ ہے جو کبھی ختم
نہیں ہوتا، عدّ ع کے کسرہ سے بمعنے مہیا یعنی نفع کیلئے تیار کی ہوئی چیز، مطلب یہ تھا کہ یہ نمک کا ذخیرہ رفاہ عام کی چیز ہے، ایک کی ملکیت بن جانے سے
سب کو تکلیف ہوجائیگی۔ ۱؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ بادشاہ اندرونی کانوں کو بطور جاگیر دے سکتا ہے جیسے پہاڑی نمک کا تیل فیروزہ اور
گندھک وغیرہ کی کانیں ظاہری کانیں جیسے پانی کا نمک وغیرہ کسی کو بطور جاگیر نہیں دے سکتا کہ یہ پانی گھاس وغیرہ کی طرح رفاہ عام کی چیزیں ہیں کہ ایک کی
ملکیت میں جانے سے سب کو تکلیف ہوجائیگی، دوسرے یہ کہ حاکم اپنے فیصلہ کو رد بھی کرسکتا ہے اور اس میں ترمیم بھی، اور حاکم کے فیصلہ کی اپیل بھی کی جاسکتی
ہیں۔ ۲؎ یعنی بستی کے آس پاس کی وہ زمینیں جن کی بستی والوں کو ضرورت رہتی ہے اور جہاں تک انکے جانور چرنے پھرنے آتے ہیں وہاں تک کی زمین
موات نہیں اور نہ اُسے کوئی آباد کرکے مالک ہوسکتا ہے کہ اس سے سب کو تکلیف ہوجائیگی، وہ زمینیں جو شہر سے دور ہوں، کسی کی مملوک نہ ہوں، رفاہ عام کی نہ ہوں،
وہ موات ہیں اور اسکی آبادکاری جائز ہے۔ ۳؎ یہاں پانی سے وہ پانی مراد ہے جو نہ کسی کی محنت سے حاصل ہوا ہو، نہ کسی کے برتن میں بھرا ہو جیسے جنگل
بارش، سیلاب کا پانی مگر اپنے نہر گھڑے، اپنی نالی کا پانی اس سے خارج ہے، ایسے ہی گھاس سے وہ گھاس مراد ہے جو غیر مملوک زمین میں کھڑی ہو، اپنی مملوک
زمین کی گھاس، ایسے ہی وہ گھاس جو کاٹ کر اپنے گھر میں رکھ لی مملوک ہے۔ آگ سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کو اپنے چراغ کی روشنی میں بیٹھنے، آگ تاپنے سے
نہیں روک سکتے، یوں ہی اپنے شمع سے دوسرے کو شمع جلانے سے منع نہیں کرسکتے۔ بعض نے فرمایا کہ آگ سے مراد چقماق پتھر ہے لہذا ہر شخص اپنی
آگ سے چنگاری لینے سے منع کرسکتا ہے کہ یہ اسی کی ملک ہے، اور اس سے آگ کم بھی ہوجاتی ہے (مرقات، اشعہ) ۴؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے اس نے
بتایا کہ غیر مملوک چیز پر اگر کوئی قبضہ کرے تو وہ قابض اسکا مالک ہوگا۔ جیسے شکار کا جانور، خودرو جنگلی درختوں کے پھل، جنگل کا پانی غیر مملوک زمین۔

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحْيٰى مَوَاتًا مِنَ الْاَرْضِ فَهُوَ لَهٗ وَعَادِىُّ الْاَرْضِ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ هِىَ لَكُمْ مِنِّىْ رَوَاهُ الشَّافِعِىُّ وَرَوٰى فِىْ شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ الدُّوْرَ بِالْمَدِيْنَةِ وَهِىَ بَيْنَ ظَهْرَانَىْ عِمَارَةِ الْاَنْصَارِ مِنَ الْمَنَازِلِ وَالنَّخْلِ فَقَالَ بَنُوْ عَبْدِ بْنِ زُهْرَةَ نَكِّبْ عَنَّا ابْنَ اُمِّ عَبْدٍ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِمَ ابْتَعَثَنِىَ اللهُ اِذًا اِنَّ اللهَ لَا يُقَدِّسُ اُمَّةً لَا يُؤْخَذُ لِلضَّعِيْفِ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بنجر غیر آباد زمین کو آباد کرے تو وہ زمین اسی کی ہے [1] اور پرانی غیر مملوکہ زمینیں اللہ اور رسول کی ہیں [2] پھر میری طرف سے وہ تمہاری ہیں [3] (شافعی) اور شرح سنہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود کو مدینہ منورہ میں مکانات بطور جاگیر بخشش فرمائے جو انصار کی آبادی مکانات اور باغ کے درمیان تھے [4] تو عبداللہ ابن زہرہ کے خاندان نے کہا [5] حضور ہم سے ام عبد کے بیٹے کو دور فرمائیں [6] انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ پھر مجھے اللہ تعالٰی نے بھیجا کیوں ہے [7] اللہ اس جماعت کو پاک نہیں فرماتا جس میں کمزور کا

ہیں اگی ہوئی گھاس، بن کی لکڑی وغیرہ نگران میں سے جو کسی کی مملوک بن چکی ہو، اس پر ملکیت نہیں آسکتی۔ [5] آپ طاؤس ابن کیسان خولانی ہمدانی ہیں، اہل فارس سے ہیں، علم و عمل میں بہت ہی کامل ہیں، تابعی ہیں، ثقہ ہیں، سنہ ۱۰۶ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی، آپ نے جماعت صحابہ سے احادیث لیں، اور آپ سے امام زہری جیسے بزرگوں نے احادیث قبول کیں: عمرو ابن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے طاؤس جیسا عالم و عامل نہ دیکھا۔ (مرقات)

[1] اسکی شرح گزر گئی کہ رفاہ عام اور مملوک زمین کے علاوہ دوسری زمینیں اگر بادشاہ اسلام کی اجازت سے آباد کرلی جائیں تو وہ آباد کرنے والے کی ہونگی۔ [2] عادی، عاد سے بنا، جو ایک قوم کا نام ہے عاد و ثمود، عادی کے معنی ہیں عاد والی زمین، مراد ہے پرانی زمین جو کسی کے قبضہ میں نہ ہو، عاد بہت پرانی قوم ہے۔ یہ زمین اللہ رسول کی ملک ہیں، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے چاہیں اس میں تصرف فرمائیں، جسے چاہیں بخشیں، اللہ کا ذکر برکت کیلئے ہے، درحقیقت حضور انور کی ملک ہیں (مرقات) [3] اس میں اشارۃً مذہب حنفی کی تائید ہے کہ ایسی زمینیں سلطان کی ملک ہوتی ہیں، جو کوئی سلطان کی اجازت سے انکو آباد کرے وہ انکا مالک ہوگا بغیر اجازت نہیں، یہی امام اعظم کا قول ہے۔ [4] دور سے مراد سفید زمین ہے جس پر مکانات بن سکیں، چونکہ آئندہ اس پر دار یعنی عمارت بننے والی تھی اس لئے اسے دور فرمایا گیا: بعض شارحین نے فرمایا کہ حضور انور نے یہ زمین حضرت ابن مسعود کو عاریۃً مرحمت فرمائی تھی مگر یہ غلط ہے، کیونکہ آپ کے بعد آپکی بیوی یعنی زوجہ ابن مسعود اس مکان کی وارث ہوئیں، عاریت میں وراثت جاری نہیں ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ شہر کی متروکہ اور غیر مملوکہ زمین بھی سلطان بطور جاگیر کسی کو دے سکتا ہے، اس سے بہت مسائل حاصل ہو سکتے ہیں (مرقات لمعات) [5] بنو عبد ابن زہرہ قریش کا ایک خاندان ہے، اسی خاندان سے حضرت خاتون والدہ جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں، یہ لوگ مدینہ میں مہاجر تھے [6] نکب تنکیب کا امر ہے جس کی اصل نکوب ہے، یعنی علیحدگی و کنارہ کشی، ام عبد حضرت ابن مسعود کی والدہ کا نام شریف ہے، یعنی ہم کو حضرت ابن مسعود کا قرب منظور نہیں ہے حضور انور یہ جاگیر ان سے واپس فرمالیں اور کسی دوسری جگہ زمین عطا فرمادیں [7] یعنی اگر تم دینے دلانے کسی کو پاس بسانے میں

فِيهِمْ حَقُّهُ ، وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِي السَّيْلِ الْمَهْزُوْرِ أَنْ يُمْسَكَ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ يُرْسِلُ الْأَعْلٰى عَلَى الْأَسْفَلِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ ، وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ أَنَّهُ كَانَتْ لَهُ عَضُدٌ مِنْ نَخْلٍ فِي حَائِطِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَمَعَ الرَّجُلِ أَهْلُهُ فَكَانَ سَمُرَةُ يَدْخُلُ عَلَيْهِ فَيَتَأَذّٰى بِهِ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَطَلَبَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَبِيْعَهُ فَأَبٰى فَطَلَبَ أَنْ يُنَاقِلَهُ فَأَبٰى قَالَ فَهَبْهُ لَهُ وَلَكَ كَذَا أَمْرًا رَغَّبَهُ فِيهِ فَأَبٰى فَقَالَ أَنْتَ مُضَارٌّ

حق نہ لیا جائے [۱] روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہزور کے پانی کے متعلق یہ فیصلہ فرمایا [۲] کہ یہاں تک پانی آنے دیا جائے کہ ٹخنوں کو پہنچ جائے پھر اوپر والا نیچے پر چھوڑ دے [۳] (ابوداؤد ابن ماجہ) روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے کہ ایک انصاری کے باغ میں ان کا ایک کھجور کا دستہ تھا [۴] مالک باغ کے ساتھ اس کے گھر والے بھی تھے جب حضرت سمرہ باغ میں جاتے تو مالک کو تکلیف ہوتی [۵] وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ ماجرا حضور سے عرض کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمرہ سے مطالبہ فرمایا کہ سمرہ وہ بیچ دیں [۶] انہوں نے انکار کیا تو فرمایا تبادلہ کرلیں وہ انکاری ہوئے فرمایا اسے ہبہ کردو تو تمہیں ایسا ثواب ہوگا۔ اس کی انہیں رغبت دی مگر انہوں نے انکار کیا [۷] تب فرمایا

مختار عام ہو تو بری لعنت بیکار ہے نہیں، بلکہ جو ہم فرمائیں گے اسپر عمل کرنا ہوگا۔ [۱] یعنی جس قوم کمزور کا حق زور آور سے نہ لیا جائے وہ قوم بربادی کے لائق ہے، حضرت ابن مسعود مسکین ضعیف ہیں، تمہاری جماعت قوی ہے، اگر تمہارے جتھا کی رعایت کرکے ایک کمزور کو وہاں سے بیدخل کردیا جائے تو یہ ظلم ہے۔ [۲] مہزور مدینہ منورہ کے ایک جنگل کا نام ہے جس کے پانی سے وہاں کی زمین کاشت کیجاتی ہے۔ مہزول لام سے وہ بھی ایک وادی کا نام ہے۔ مگرو، وادی جبل یثرب کے دامن میں ہے یہ اور وادی ہے وہ اور وادی مہزور ہے یہ سے مہزور علم ہے اس لئے اسپر الف لام نہ آنا چاہئے تھا مگر یہاں وصفی معنے میں ہے اسی لیے الف لام آگیا۔ مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں بغیر الف لام ہے۔ [۳] یعنی اس پانی سے تمام کھیت والے اپنی زمین سیراب کریں، ترتیب یہ ہوگی، اوپر والا پہلے پانی سے لے اور نیچے والا بعد میں اور اوپر والا اتنا پانی لیکر ٹخنوں ٹخنوں پانی کھڑا ہوجائے، پھر نیچے والے کیطرف چھوڑ دے، یہ ترتیب پیمائش نہایت موزوں ہے جسے کاشتکار لوگ بخوبی سمجھتے ہیں۔ [۴] عضد ضاد اور دال کے فتح سے یا ضاد کے پیش سے کھجور کی وہ شاخ جہاں تک ہاتھ پہنچ جائے اور اسکے پھل ہاتھ سے توڑے جاسکیں، یعنی انکے کھجور کی ایک نچلی شاخ انکے پڑوسی انصاری کے باغ میں پہنچ گئی تھی جس کے سبب انہیں اس باغ میں جانا ہوتا تھا۔ [۵] یعنی حضرت سمرہ اپنی اس شاخ کے پھل لینے اس کے باغ میں جاتے، تو صاحب باغ کو بے پردگی وغیرہ کی وجہ سے اذیت ہوتی ہے۔ [۶] طلب کے بعد الیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور نے حضرت سمرہ کو انکے گھر سے اپنی بارگاہ عالی میں بلایا، لیبیعہ میں لام بلانے کی علت ہے یعنی اس لیے بلایا کہ حضرت سمرہ وہ درخت کھجور یا اسکی وہ شاخ جو انصاری کے باغ میں تھی، اس انصاری کے ہاتھ فروخت کردیں تاکہ وہ انصاری وہ شاخ کاٹ دیں اور انکا آنا جانا بند ہوجائے اسلئے نہ فروخت کیں کہ انصاری اس شاخ کے پھل کھایا کریں کہ یہ ممنوع ہے۔ [۷] اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ بغیر

فَقَالَ لِلْاَنْصَارِيِّ اِذْهَبْ فَاقْطَعْ نَخْلَهٗ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَذُكِرَ حَدِيْثُ جَابِرٍ مَنْ اَحْيٰى اَرْضًا فِيْ بَابِ الْغَصَبِ بِرِوَايَةِ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اَبِيْ صِرْمَةَ مَنْ ضَارَّ اَضَرَّ اللّٰهُ بِهٖ فِيْ بَابِ مَا يُنْهٰى مِنَ التَّهَاجُرِ۔ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ۔ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الشَّيْءُ الَّذِيْ لَا يَحِلُّ مَنْعُهٗ قَالَ اَلْمَاءُ وَالْمِلْحُ وَالنَّارُ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا الْمَاءُ قَدْ عَرَفْنَاهُ فَمَا بَالُ الْمِلْحِ وَالنَّارِ قَالَ يَا حُمَيْرَاءُ مَنْ اَعْطٰى

درپے ایذا ہو انصاری کو حکم دیا جاؤ ان کا درخت کاٹ دو [۱۰] (ابوداؤد) حضرت جابر کی حدیث کہ جو زمین آباد کرے باب غصب میں سعید ابن زید کی روایت سے ذکر کردی گئی اور ابوصرمہ کی حدیث کہ جو نقصان دے اللہ اسے نقصان دیگا اس باب میں ذکر ہوگی کہ تعلق ممنوع ہے [۱۱] تیسری فصل: روایت ہے حضرت عائشہ سے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ کونسی چیز ہے جس کا منع کرنا حلال نہیں [۱۲] فرمایا پانی، نمک اور آگ [۱۳] فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ پانی کو تو ہم سمجھ گئے۔ مگر نمک اور آگ کا یہ حکم کیوں ہے [۱۴] فرمایا اے حمیرا، [۱۵] جس نے کسی کو

مدعیٰ علیہ کا بیان لیے بغیر فیصلہ نہ کرنا چاہیئے، دوسرے یہ کہ مدعیٰ علیہ کے پاس سمن بھیجنا، اس کی تعمیل کرانا سنت سے ثابت ہے اسکی اصل یہی حدیث ہے۔ [۹] یعنی اولاً تو حضور انور نے ان سے فرمایا کہ اپنے پڑوسی انصاری سے قیمت لیکر وہ شاخ اس کے ہاتھ فروخت کردو، انکار کرنے پر فرمایا کہ جنت لے لو اور یہ شاخ اسے ویسے ہی بغیر قیمت دے دو: اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حضور انور کے مشورہ پر عمل کرنا بہتر ہے، نہ کرنا بھی جائز ہے مگر حکم مصطفوی کی اطاعت بہرحال لازم ہے، یہ حکم نہ تھا مشورہ تھا: دوسرے یہ کہ حضور انور جنت کے مالک ہیں باذن پروردگار جسے چاہیں بخشیں: دیکھو حضرت سمرہ کو صرف ایک شاخ خرما کے عوض جنت کا باغ عطا فرما رہے ہیں: یہ ہے سلطنت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اسکی تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفےٰ میں دیکھئے۔ [۱۰] اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حاکم کو رعیت کے مال میں تصرف کرنے کا حق ہے، عدل قائم کرنے کیلیے: دیکھو حضرت سمرہ کے درخت کی شاخ اس انصاری پر زیادتی وظلم کا باعث تھی، تو حضور انور نے بغیر انکی رضا کے اس کے کاٹنے کا حکم دے دیا، مگر انصاری کو صرف کاٹ دینے کا حکم دیا، اس شاخ کی لکڑی و پھل حضرت سمرہ کے ہی ہونگے وہ انصاری نہ لے سکیں گے: دوسرے یہ کہ حضرات صحابہ کرام نے اخلاق ومروت آہستہ آہستہ سیکھے بچہ سکول میں پہنچتے ہی دو دن میں امتحان پاس نہیں کرلیتا، ابھی حضرت سمرہ نئے نئے حاضری بارگاہ سے مشرف ہوئے تھے، آداب سے پورے پورے واقف نہ تھے۔ پھر یہ ہی صحابہ حضور کے اشارہ پر جان نثار کرتے تھے، لہذا اس حدیث سے صحابہ کی سرتابی ثابت نہیں ہوسکتی۔ [۱۱] یعنی مصابیح میں یہ دونوں حدیثیں اس جگہ تھیں ہم نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک حدیث تو پیچھے بیان کردی، اور دوسری حدیث آگے بیان کریں گے۔ [۱۲] شاید ام المؤمنین اس آیت کریمہ کی تفسیر پوچھ رہی ہیں کہ ویمنعون الماعون اور عرض کررہی ہیں کہ ماعون کیا چیزیں ہیں جن کا منع کرنا برا ہے۔ [۱۳] پانی سے مراد وہ ایک گلاس پانی ہے۔ جس سے پیاسے کی پیاس بجھ سکے اور اپنی ضرورت سے زائد ہو، نمک سے بھی یہی مراد ہے کہ ایک آدھ ہانڈی کا نمک کسی کو دے دینا جبکہ اپنے پاس ضرورت سے زیادہ ہو، آگ سے مراد بھی وہ آگ ہے۔ جو ایک آدھ چنگاری کسی کو دے دی۔

نارًا فَكَاَنَّمَا تَصَدَّقَ بِجَمِيْعِ مَا اَنْضَجَتْ تِلْكَ النَّارُ وَمَنْ اَعْطٰى مِلْحًا فَكَاَنَّمَا تَصَدَّقَ بِجَمِيْعِ مَا طَيَّبَ تِلْكَ الْمِلْحُ وَمَنْ سَقٰى مُسْلِمًا شَرْبَةً مِّنْ مَّاءٍ حَيْثُ يُوْجَدُ الْمَآءُ فَكَاَنَّمَا اَعْتَقَ رَقَبَةً وَمَنْ سَقٰى مُسْلِمًا شَرْبَةً مِّنْ مَّاءٍ حَيْثُ لَا يُوْجَدُ الْمَآءُ فَكَاَنَّمَا اَحْيَاهَا. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ۔

بَابُ الْعَطَايَا

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ اَصَابَ اَرْضًا بِخَيْبَرَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَصَبْتُ اَرْضًا بِخَيْبَرَ

آگ دی اس نے گویا اس آگ سے پکا ہوا سارا کھانا خیرات کیا اور جس نے کسی کو نمک دیا اس نے گویا سارا وہ کھانا خیرات کیا جسے اس نمک نے لذیذ بنایا ۷ اور جس نے کسی مسلمان کو ایک گھونٹ پانی وہاں پلایا جہاں پانی عام ملتا ہو اس نے گویا غلام آزاد کیا اور جس نے مسلمان کو وہاں ایک گھونٹ پانی پلایا جہاں پانی نہ ملتا ہو اس نے گویا اسے زندگی بخشی ۸ (ابن ماجہ)

بخششوں کا باب ۹

پہلی فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ جناب عمر نے خیبر میں کچھ زمین پائی ۱۰ تو آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے خیبر میں ایسی زمین پائی ہے۔

جائے جس سے وہ اپنے ہاں آگ روشن کرے، ان چیزوں کے دینے میں اپنا کچھ نقصان نہیں ہوتا، دوسرے کا بھلا ہو جاتا ہے اسکی ضرورت پوری ہو جاتی ہے، دینے والے کو اجر بے حساب ملتا ہے۔ ۵ یعنی پانی ایک بے قیمت چیز ہے مگر اس سے دوسرے کی جان بچ جاتی ہے اسلئے اسکا منع کرنا واقعی برا ہے مگر نمک و آگ کا تو یہ حال نہیں، نمک و آگ پر پیسے خرچ ہوتے ہیں اور اس سے دوسرے کی زندگی وابستہ نہیں۔ ۶ حمیرا احمر کا مؤنث ہے جسکا مادہ حمرۃ ہے، بعض شارحین نے فرمایا کہ جن احادیث میں یا حمیرا ہے وہ اکثر موضوع ہیں۔ ۷ یعنی ان مسائل میں اپنی قیاس آرائی نہ کرو کہ نمک آگ قیمتی چیز ہے اور اسپر دوسرے کی زندگی کا دارومدار نہیں بلکہ اس اجر کو دیکھو جو رب تعالٰی اس معمولی خیرات پر عطا فرماتا ہے: اس معمولی خیرات سے بازرہ کر اتنے بڑے اجر سے محروم رہ جانا عقلمندی نہیں، رب تعالٰی کی عطائیں ہمارے خیال وہم و سمجھ سے وراء ہیں۔ ۸ اس فرمان عالی کا تجربہ اسے ہوگا جس نے کبھی عراق و نجد کے ریگستان کا نظارہ کیا ہو، وہاں ایک گلاس پانی کی قیمت ایک جان ہے: بعض موقعہ فقیر نے ایسے دیکھے جہاں فقیر و سائل کو پانچ روپیہ خیرات دینے کی وہ خوشی نہیں ہوتی جو ایک پیالہ پانی دینے کی خوشی ہوتی ہے، واقعی ایک پیالہ پانی ایک جان بچالیتا ہے اسکی تفصیل ہماری کتاب سفرنامہ میں ملاحظہ کیجئے۔ ۹ کسی بڑے کا اپنے چھوٹے کو بغیر عوض کچھ دینا عطیہ کہلاتا ہے اور چھوٹے کا بڑے کو کچھ دینا نذرانہ اور برابر والے کا برابر والے کو دینا ہبہ، چونکہ عطیے بہت قسم کے ہیں عمریٰ، رقبیٰ، جائزہ، انعام، سلطانی بخششیں، ماں باپ کا اپنی اولاد کو کچھ دینا وغیرہ اس لیے عطایا جمع ارشاد ہوا علماء فرماتے ہیں، کہ سلطانی عطیے قبول کرنا عالم، جاہل، فقیر، غنی ہر ایک کو جائز ہے، کہ اگرچہ سلطانی اموال عمومًا حرام و حلال سے مخلوط ہوتے ہیں، مگر مخلوط مال کا قبول کرنا، دعوت کا کھانا درست ہے: نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے شاہ اسکندریہ مقوقش وغیرہ کے ہدیے تحفے قبول فرمائے یہود مدینہ سے قرض لیا، حالانکہ ان کے متعلق رب تعالٰی فرماتا ہے اکالون للسحت یہ لوگ حرام خور ہیں (مرقات وغیرہ) ۱۰ جس میں بہترین باغ ، اولًا تو زمین خیبر خود ہی بہت سبزہ زار ہے، پھر اس میں باغات بھی تھے جن کی آمدنی بہت تھی، اس لیے آپ کو یہ زمین بہت ہی

لَمْ أُصِبْ مَالًا قَطُّ أَنْفَسَ عِنْدِيْ مِنْهُ فَمَا تَأْمُرُنِيْ بِهٖ قَالَ إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ أَنَّهٗ لَا يُبَاعُ أَصْلُهَا وَلَا يُوْهَبُ وَلَا يُوْرَثُ وَتَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَاءِ وَفِي الْقُرْبٰى وَفِي الرِّقَابِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَالضَّيْفِ لَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَلِيَهَا أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوْفِ أَوْ يُطْعِمَ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ قَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ؂ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعُمْرٰى

کہ تیرے خیال میں ایسا نفیس مال میں نے کبھی نہ پایا[۱] حضور والا مجھے اس کے متعلق کیا حکم فرماتے ہیں[۲] فرمایا اگر تم چاہو تو اصل زمین محفوظ کردو اور اسے صدقہ کردو[۳] چنانچہ حضرت عمر نے صدقہ کردی کہ اصل زمین نہ بیچی جائے اور نہ ہبہ کی جائے نہ موروثی ہو اور فقیروں، قرابتداروں، اللہ کی راہ، مسافروں، مہمانوں میں صدقہ کردی[۴] اس زمین کے متولی پر اس میں مضائقہ نہیں کہ اس میں سے بطریق احسن کچھ کھائے یا کھلائے[۵] ہاں اسے مال نہ بنائے ابن سیرین نے فرمایا غیر متاثل الا[۶] (مسلم، بخاری)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا عمر بھر کو

پسند آئی، یہ واقعہ غزوۂ خیبر کے بعد کا ہے۔ [۱] کیونکہ اولًا تو مال غیر منقول سے ویسے بھی اعلیٰ ہوتا ہے خصوصًا خیبر کی زمین زرخیز و سبزہ زار جو پشتہا پشت تک کام آئے، ایسا اعلیٰ مال میرے پاس کبھی نہ آیا تھا۔ [۲] یعنی اس مال کو راہ خدا میں خیرات کرنا چاہتا ہوں مگر خبر نہیں کہ کیسی خیرات بہتر ہوگی: یہ عمل تھا اس آیت پر کہ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ اپنا ساری چیز خیرات کرنا افضل ہے۔ [۳] یعنی بہتر یہ ہوگا کہ یہ باغ فقراء پر وقف کردو کہ مالک کوئی نہ ہو، فروخت وغیرہ کا کسی کو حق نہ ہو اور اس سے نفع سارے فقراء اٹھائیں یہ وقف صدقہ جاریہ ہوگا۔ [۴] قرابتداروں سے مراد یا تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قرابتدار مراد ہیں یا اپنے یا دونوں: فقراء سے مراد عام مدینہ کے فقراء خصوصًا اہل صفہ، رقاب سے مراد مکاتب غلاموں کا بدل کتابت ادا کرکے انہیں آزاد کرنا یا مقروضوں کے قرض ادا کرنا: مہمانوں سے مراد غرباء اہل مدینہ کے گھر آنے والے مہمان جنکی وہ خاطر تواضع مہمان نوازی نہ کرسکیں، ان مہمانوں کو اس باغ کی آمدنی سے دیا جائے: اللہ کی راہ سے مراد غازی، مسافر وغیرہ ہیں۔ [۵] یعنی اس باغ کے منتظم و متولی کو بھی اجازت ہوگی کہ اپنی اجرت اس باغ سے لے کہ اسی میں سے کھائے، اپنے بچوں، دوستوں کو کھلائے مگر فساد کی نیت سے نہ ہو بلکہ اجرت وصول کرنے کی نیت سے۔ [۶] یعنی دفع ضرورت کیلئے خرچ کرے، مال جمع نہ کرے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین یا باغ کا وقف درست ہے اور مال وقف کی نہ بیع درست ہے نہ ہبہ نہ تملیک: یہ بھی معلوم ہوا وقف کرنا بہت اعلیٰ عبادت ہے کہ یہ صدقہ جاریہ ہے: یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کیسے مخلص مومن تھے کہ ہمیشہ اعلیٰ کاموں میں سبقت فرماتے تھے: یہ بھی معلوم ہوا کہ خیبر صلح سے حاصل نہ ہوا بلکہ جنگ سے فتح کیا گیا، اسی لیے وہاں کی زمین غازیوں میں تقسیم کردی گئی: یہ بھی معلوم ہوا کہ صحت وقف کے لیے متولی مقرر کرنا لازم نہیں، دیکھو حضرت عمر نے کسی کو متولی نہ بنایا بلکہ قاعدہ مقرر فرما دیا کہ متولی جو بھی ہو یہ بھی معلوم ہوا کہ متولی وقف سے خرچ کرسکتا ہے کھا کھلا سکتا ہے: خیال رہے کہ واقف خود بھی ایسے وقف سے فائدہ اٹھا سکتا ہے: حضرت عثمان غنی نے بیر رومہ وقف کیا مگر خود بھی اس کا پانی پیتے تھے۔ لہذا واقف اپنے وقف کردہ قبرستان میں دفن ہوسکتا ہے۔

جَائِزٌ[۱] مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۞ وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعُمْرٰى مِيْرَاثٌ
لِاَهْلِهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۞ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا رَجُلٍ اُعْمِرَ
عُمْرٰى لَهٗ وَلِعَقِبِهٖ فَاِنَّهَا لِلَّذِىْ اُعْطِيَهَا لَا يَرْجِعُ اِلَى الَّذِىْ اَعْطَاهَا لِاَنَّهٗ اَعْطٰى عَطَاءً
وَقَعَتْ فِيْهِ الْمَوَارِيْثُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۞ وَعَنْهُ قَالَ اِنَّمَا الْعُمْرٰى الَّتِىْ اَجَازَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

دینا جائز ہے[۱] (مسلم، بخاری) ۞ روایت ہے حضرت جابر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ عمریٰ عمرے والے کے گھر والوں کی میراث ہے[۲] (مسلم) ۞ روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو کچھ چیز بطور عمریٰ دی گئی اسے اور اس کے پسماندگان کو[۳] تو وہ عمریٰ اس کا ہوگا جسے دیا گیا دینے والے کو واپس نہ لے گا[۴] کیونکہ وہ ایسا عطیہ دے چکا جس میں حد ثتیں واقع ہوگئیں[۵] (مسلم، بخاری) ۞ روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں وہ عمریٰ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز کیا[۶]

اپنی مسجد میں نماز، اپنے کنوئیں سے پانی حاصل کر سکتا ہے: یہ حدیث بہت سے مسائل وقف کی اصل ہے: اسکی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمائیے: وقف علے الاولاد بھی درست ہے ۞ [۱] عمرو حج اور ہے عمرٰۃ عطاء کچھ اور یہاں عمرٰۃ عطاء مراد ہے۔ اسکی تین صورتیں ہیں: ایک یہ کہ کوئی شخص کسی کو زمین وغیرہ اس کی عمر بھر کے لیے دے، اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دے کہ تیرے بعد تیرے وارثوں کی یہ بالاتفاق جائز ہے، کہ موہوب لہ کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کو ملے گی، وارث نہ ہوں تو بیت المال کو واہب کو نہ لوٹے گی، دوسرے یہ کہ اس کے وارثوں کا ذکر نہ کرے: یہ عمرہ ہمارے ہاں جائز ہے اور حق یہ ہے کہ امام شافعی کے ہاں بھی درست ہے، اسکا حکم پہلے عمریٰ کا سا ہے کہ یہ بھی کسی صورت میں واہب کو نہ لوٹے گی، تیسرے یہ کہ لوٹنے کی شرط لگا دے کہ کہہ دے تیری حیات تک تیرے بعد میں میری، اس میں ہمارے ہاں اختلاف ہے فتویٰ اس پر ہے کہ یہ بھی جائز ہے اور لوٹنے کی شرط باطل، کہ یہ ہبہ بالشرط ہے اور ہبہ بالشرط جائز ہوتا ہے، شرط باطل ہوتی ہے: لہذا اس صورت میں بھی یہ شے موہوب کی ہوگی، واہب کو نہ لوٹے گی: امام احمد کے ہاں مطلق عمرہ درست ہے، مؤقت باطل، امام مالک کے ہاں عمریٰ میں منافع کی ملکیت ہوتی ہے اصل شے کی نہیں یعنی موہوب اسکو برت سکتا ہے اس کا مالک نہیں، مگر مذہب حنفی قوی ہے کہ اسکی تائید بہت سی احادیث سے ہے۔ [۲] یہ حدیث احناف کی قوی دلیل ہے کہ عمریٰ خواہ کیسا ہی ہو مطلق یا وقتی، مشروط یا غیر مشروط واہب کو نہ لوٹے گا بلکہ موہوب کی موت کے بعد خود اس کے ورثاء کو ملے گا، خیال رہے کہ عمرہ عمر، سے بنا عمر زندگی کی مدت کو کہتے ہیں، چونکہ اس ہبہ میں موہوب کی زندگی کا ذکر ہوتا ہے، اس لیے اسے عمرہ کہا جاتا ہے۔ [۳] اس طرح کہ اس سے کہا گیا یہ چیز تا حیات تیری ہے اور تیرے بعد تیرے وارثوں کی، یہ پہلی قسم کا عمریٰ ہے۔ عقب قاف کے کسرہ سے ہے بمعنی پیچھے رہنے والے لوگ یعنی ورثاء خواہ اولاد ہوں یا دوسرے وارث: بعض نے کہا عقب قاف کے سکون سے ہے، [۴] امام مالک کے ہاں تو صرف یہ عمریٰ جس میں وارثوں کا بھی ذکر ہو واپس نہ ہوگا، جمہور علماء جیسے امام ابوحنیفہ و شافعی وغیرہم کے ہاں ہر عمریٰ کا یہی حکم ہے، خواہ یہ شرط لگائے یا نہ لگائے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ [۵] خلاصہ یہ ہے کہ عمریٰ ہبہ کی قسم ہے، اور ہبہ کا حکم یہ ہے کہ موہوب لہ کے بعد واہب کو واپس نہیں ہو سکتا، موت مانع رجوع ہے، مانع رجوع کل سات چیزیں ہیں جو دَمْعٌ خَزَقَۃٌ میں جمع ہیں، زیادۃ، موت، عوض، خروج عن الملک، زوجیت، قرابت، ہلاکت ۞

اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّقُوْلَ ھِیَ لَکَ وَلِعَقِبِکَ فَاَمَّا اِذَا قَالَ ھِیَ لَکَ مَا عِشْتَ فَاِنَّھَا تَرْجِعُ اِلٰی صَاحِبِھَا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ ۔ اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ ۔ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُرْقِبُوْا وَلَا تُعْمِرُوْا فَمَنْ اُرْقِبَ شَیْئًا اَوْ اُعْمِرَ فَھِیَ لِوَرَثَتِہٖ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ ۔ وَعَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْعُمْرٰی جَائِزَۃٌ لِاَھْلِھَا وَالرُّقْبٰی جَائِزَۃٌ لِاَھْلِھَا رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ ۔ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ ۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمْسِکُوْا اَمْوَالَکُمْ عَلَیْکُمْ لَا تُفْسِدُوْھَا فَاِنَّہٗ مَنْ اَعْمَرَ عُمْرٰی فَھِیَ

وہ یہ ہے کہ کہے یہ تیرا اور تیرے پسماندگان کا ہے لہ لیکن اگر یوں کہے کہ تیرے جیتے جی تیری ہے تو وہ اپنے مالک کو لوٹ جائیگی ۲ (مسلم بخاری) ۔ دوسری فصل ۔ روایت ہے حضرت جابر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کسی کو کچھ بطور رقبیٰ دو نہ بطور عمریٰ ۳ جسے کچھ رقبیٰ یا عمریٰ دیا گیا تو وہ اس کا اور اس کے وارثوں کا ہے ۴ (ابوداؤد) ۔ روایت ہے انہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا عمریٰ جائز ہے عمریٰ والے کیلئے ہے اور رقبیٰ جائز رقبیٰ والے کیلئے ۵ (احمد، ترمذی، ابوداؤد) ۔ تیسری فصل ۔ روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مال اپنے پاس محفوظ رکھو انہیں بگاڑو مت ۶ جسے کچھ عمریٰ کے طور پر دیا گیا تو

لہ جائز کہا سے مراد ہے کہ موہوب لہ کو اسکا مالک بنایا، دوسرا عمریٰ بھی جائز تو ہے، مگر موہوب لہ اس کا مالک نہیں بنتا صرف نفع حاصل کرسکتا ہے، بعد موت واہب کو لوٹ جائیگا ۔ لہ یعنی عمرے کی پہلی قسم ہبہ بالاتفاق درست ہے ۔ ۲ یہ حدیث امام مالک و امام زہری کی دلیل ہے کہ اگر عمرے میں وراثت کا ذکر نہ ہو تو دینے والے کیطرف لوٹ جاتا ہے، انکی دلیل وہ حدیث جابر ہے، جو مرفوعًا فرمائی اَلْعُمْرٰی مِیْرَاثٌ لِاَھْلِھَا، عمریٰ عمر لہ کی میراث ہے، یہاں العمریٰ مطلق ہے جو دونوں قسموں کو شامل ہے، رہی یہ حدیث، یہ حضرت جابر کا اپنا اجتہاد ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی: لہٰذا وہی حدیث قابل عمل ہے، یہ مجروح ہے (اشعہ ومرقات) ۳ رقبیٰ ارقاب سے ہے جو مراقبہ سے بنا، رقبہ گردن کو کہتے ہیں، سوچنا، انتظار کرنا سبھی کہلاتا ہے کہ وہ بھی گردن ڈال کر ہی ہوتا ہے، رقبیٰ یہ ہے کہ کہے یہ چیز تجھے دیتا ہوں، لیکن اگر تو پہلے مرجائے تو میری ہوگی، اور اگر میں پہلے مرجاؤں تو مستقل تیری ہوگی: چونکہ اس صورت میں ہر ایک دوسرے کی موت کا انتظار کرتا ہے، اس لیے اسے رقبیٰ کہتے ہیں، عمریٰ کے معنی پہلے عرض ہو چکے، لا ترقبوا کی نہی بطور مشورہ ہے نہ کہ حرمت کیلئے یا یہ مطلب ہے کہ واپسی کی نیت سے رقبیٰ عمریٰ نہ کرو ۔ ۴ یعنی رقبیٰ ہو یا عمریٰ چونکہ یہ ہبہ بالشرط ہے، لہٰذا ہبہ درست ہے اور شرط باطل، اور وہ شے کبھی بھی واہب کو نہ واپس ہوگی: یہ حدیث جمہور علماء کی دلیل ہے کہ رقبیٰ اور ہر طرح کا عمرہ موہوب لہ کو مستقل مالک کر دیتا ہے، چونکہ حدیث مرفوع ہے لہٰذا موقوف کے مقابل یہی راجح ہے ۔ ۵ زمانۂ جاہلیت میں عمریٰ، رقبیٰ، موہوب لہ کے مرنے پر واہب کو واپس ہو جاتا تھا، حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ قاعدہ توڑ دیا، اس توڑنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا، لاھلھا میں ضمیر رقبیٰ یا عمریٰ کی طرف راجع ہو اور اہل عمریٰ سے عمر لہ مراد ہے جسے ہبہ دی گئی ۔ ۶ مطلب یہ ہے کہ تم جو مال اپنے پاس رکھنا چاہتے ہو اسے کسی کو بطور عمریٰ یا رقبیٰ نہ دو کہ اس سے

لِلَّذِیْ اُعْمِرَ حَیًّا وَّمَیِّتًا وَّلِعَقِبِہٖ رَوَاہُ مُسْلِمٌ

باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عُرِضَ عَلَیْهِ رَیْحَانٌ فَلَا یَرُدَّہٗ فَاِنَّہٗ خَفِیْفُ الْمَحْمِلِ طَیِّبُ الرِّیْحِ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا یَرُدُّ الطِّیْبَ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْعَائِدُ فِیْ هِبَتِہٖ كَالْكَلْبِ یَعُوْدُ فِیْ قَیْئِہٖ لَیْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَعَنْ

مرنے جیتے اس کا ہے اور اس کے پسماندگان کا لے (مسلم) باب ۲؎ پہلی فصل روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پر خوشبو تحفۃً پیش کیا جائے ۳؎ وہ اسے واپس نہ کرے کہ اس کا بوجھ ہلکا ہے خوشبو اچھی ہے ۴؎ (مسلم) روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو واپس نہ کرتے تھے ۵؎ (بخاری) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دے کر واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کرکے چاٹ لے ۶؎ اس سے بدتر ہمارے پاس کوئی مثال نہیں ۷؎ (بخاری) روایت ہے

تمہارا مال بگڑ جائیگا کہ تمہیں واپس نہ ملیگا اور تمہارا مدعا پورا نہ ہوگا۔ یہ مطلب نہیں کہ عمریٰ یا رقبیٰ کرنا اپنا مال بگاڑنا ہے کہ یہ تو مخلوق پر مہربانی ہے جس پر ثواب کی امید ہے۔ لہذا مطلب واضح ہے۔ ۱؎ لِلَّذِیْ کا لام ملکیت کا ہے۔ یعنی عمریٰ معمولہ کی ملکیت میں تمام ہوگا کہ وہ اس کے فروخت کرنے کا بھی مجاز ہوگا اور اس کے مرنے پر وہ چیز اس کے ورثاء کو ملے گی، یہ حدیث بھی جمہور علماء کی دلیل ہے کہ عمریٰ عاریت نہیں ہوتا بلکہ ملکیت ہوتا ہے، حضرت امام مالک وغیرہ اسے عاریت مانتے ہیں، یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔ ۲؎ چونکہ یہ باب متفرق احادیث پر مشتمل ہے اس لئے اسکا ترجمہ مقرر نہ کیا۔ اس باب میں گزشتہ باب کے متعلقات احادیث مذکور ہیں۔ ۳؎ ہم نے تحفہ کی قید اس لیے لگائی کہ تجارت کی نوعیت نکل جائے۔ بعض عطر فروش کسی کو تحفۃً عطر پیش کرتے ہیں اگر اسے خریدنا نہ ہو اور وہ انکار کرے تو حدیث پڑھ کر اسے خریدنے پر مجبور کرتے ہیں، وہ اس حدیث کی منشاء سے یا تو واقف نہیں یا واقف ہیں مگر اس کے ذریعہ اپنا بیوپار چلانا چاہتے ہیں۔ ریحان ریح سے بنا بمعنی خوشبو۔ اس سے ہر خوشبو مراد ہے پھول ہوں یا عطر چنبیلی وغیرہ کا تیل۔

۴؎ یعنی اگرچہ دوسرے ہدیے بھی واپس کرنا خلاف اخلاق ہے، مگر خوشبو واپس کرنا تو بہت ہی خشک مزاجی کی دلیل ہے کہ اس میں وزن ہلکا قیمت معمولی خوشبو اعلیٰ ہے۔ مرقات نے فرمایا کہ خوشبو جنت سے آئی ہے اور وہاں کا ہی پتہ دیتی ہے۔ جیسے ماسبق باب اللباس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ زہرا کو سونگھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان سے جنت کی مہک آتی ہے، اسی لیے آپ کو زہرا کہتے ہیں یعنی جنت کی کلی ۵؎ اسکا مطلب بھی وہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا، کہ اگر کوئی بارگاہ عالی میں ہدیۃً خوشبو پیش کرتا، تو آپ اُسے کبھی واپس نہ فرماتے، لہذا حدیث واضح ہے۔

۶؎ اس حدیث کی بنا پر امام شافعی و مالک و احمد فرماتے ہیں کہ ہبہ دی ہوئی چیز واپس لینا مطلقًا حرام ہے، کیونکہ حضور انور نے اُسے قے کھانے سے تشبیہ دی ہے، قے حرام چیز ہے، امام اعظم فرماتے ہیں کہ جب تک سات مانع چیزوں میں سے کوئی چیز نہ پائی جائے تب تک ہبہ کی واپسی درست ہے، اگرچہ بے مروتی اور بد خلقی ہے، امام صاحب کی دلیل وہ حدیث ہے۔ اَلْوَاهِبُ اَحَقُّ بِهِبَتِہٖ مَا لَمْ یُثَبْ مِنْہُ یعنی ہبہ کرنے والا اپنے ہبہ کا حقدار ہے جب تک

النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ اَنَّ اَبَاهُ اَتٰى بِهٖ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّىْ نَحَلْتُ اِبْنِىْ هٰذَا غُلَامًا فَقَالَ اَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَ مِثْلَهٗ قَالَ لَا قَالَ فَارْجِعْهُ وَفِىْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ اَيَسُرُّكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا اِلَيْكَ فِى الْبِرِّ سَوَاءً قَالَ بَلٰى قَالَ فَلَا اِذًا وَفِىْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ اَعْطَانِىْ اَبِىْ عَطِيَّةً فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ لَا اَرْضٰى حَتّٰى تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّىْ اَعْطَيْتُ اِبْنِىْ مِنْ

حضرت نعمان ابن بشیر سے ۱؎ کہ ان کے والد انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے عرض کیا میں نے اپنے اس بیٹے ۲؎ کو ایک غلام دیا ہے حضور نے فرمایا کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اسی طرح دیا ہے ۳؎ عرض کیا نہیں فرمایا تو اسے لوٹا لو ۴؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ وہ ساری اولاد تمہاری خدمت میں برابر ہو عرض کیا ہاں فرمایا تو نہیں ۵؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فرماتے ہیں مجھے میرے باپ نے کچھ عطیہ دیا تو عمرہ بنت رواحہ بولیں ۶؎ میں تو راضی نہیں حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ کر لو ۷؎ تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر آئے عرض کیا میں نے اپنے اس بیٹے کو جو عمرہ

کر اسکا عوض نہ دے لے، اور یہ حدیث حرمت رجوع پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ قے کتے پر حرام نہیں، یہ تشبیہ صرف نفرت دلانے کے لیے ہے۔ بشیر نے اپنے بیٹے نعمان کو باغ ہبہ کیا، حضور نے فرمایا واپس لے لو، جیسا کہ آگے آرہا ہے، حضرت عبداللہ ابن عمر نے کسی کو گھوڑا ہبہ دیا تھا پھر اس سے واپس خریدنا چاہا، حضور نے فرمایا مت خریدو، وہاں بھی یہی کتے والی مثال دی، حالانکہ اپنا ہبہ خریدنا سب کے ہاں جائز ہے، اگر یہ حدیث حرمت کی ہو تو ان احادیث کے مخالف ہوگی: لہذا امام اعظم کا فرمان نہایت قوی ہے اور یہ حدیث نہ ان کے خلاف ہے نہ دیگر ائمہ کی مؤید ۵؎ اس جملہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک تو وہ جو ترجمے سے ظاہر ہوئے، کہ اگر اس سے بدتر کوئی مثال ہمارے پاس ہوتی تو ہم وہ پیش فرماتے، مگر ہے نہیں، کیونکہ کوئی جانور اپنی قے نہیں کھاتا، اس صورت میں لَنَا سے مراد خود اپنی ذات کریم ہے: دوسرے یہ کہ یہ بدترین مثال ہم لوگوں کے لیے نہیں ہونی چاہیئے یعنی کوشش کرو کہ یہ عادت ہم پر چسپاں نہ ہو: اس صورت میں لَنَا سے مراد عام مسلمان ہیں حضور انور کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ۱؎ آپ خود بھی صحابی ہیں آپکے والدین بھی صحابی، آپکی کنیت ابو عبداللہ ہے انصاری ہیں، اسلام میں سب سے پہلے بچے ہیں جو انصار میں پیدا ہوئے، ہجرت کے چودھویں مہینے پیدا ہوئے حضور انور کی وفات کے وقت آپکی عمر آٹھ سال سات ماہ تھی، کوفہ میں قیام رہا، امیر معاویہ کی طرف سے حمص کے حاکم تھے، ۶۴ھ میں قتل کیے گئے (اکمال اشعۃ مرقات) ۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کو برابر عطیے دے، بعض کو بعض پر ترجیح نہ دے کہ کسی کو کچھ نہ دے یا کسی کو زیادہ دے: بعض علماء فرماتے ہیں کہ زندگی میں لڑکی لڑکے کو برابر دے، لڑکے کا دوگنا حصہ میراث میں ہے نہ کہ عطیہ میں: بعض نے فرمایا کہ زندگی میں بھی لڑکے کو دوگنا دے اور لڑکی کو ایک حصہ (اشعۃ اللمعات وشامی وغیرہ) بعض بزرگ لڑکیوں کو دوگنا دیتے ہیں کہتے ہیں کہ لڑکیاں ماں باپ کے گھر مہمان ہیں لڑکے مقیم۔ ۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ باپ اولاد کو دیکر واپس لے سکتا ہے، دوسرے اہل قرابت نہیں لے سکتے کہ قرابت اسے مانع ہے۔ ۴؎ یعنی تب تم بھی اپنے عطیہ میں فرق نہ کرو، برابر دو۔ ۵؎ عمرہ مین کے فتح سے نعمان کی والدہ ہیں بشیر کی بیوی، عبداللہ ابن رواحہ کی بہن ہیں ۶؎ تاکہ عطیہ پختہ ہو جائے، تمہارے بعد اولاد کا آپس میں جھگڑا نہ ہو، آج کل جو غیر منقول جائیداد

عُمْرَةَ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَأَمَرَتْنِي أَنْ أُشْهِدَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ أَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هٰذَا قَالَ لَا قَالَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ قَالَ فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهُ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ لَا أُشْهِدُ عَلٰى جَوْرٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ؛

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْجِعُ أَحَدٌ فِيْ هِبَتِهِ إِلَّا الْوَالِدُ مِنْ وَلَدِهٖ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ ؛ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ

بنت رواحہ سے بے ۱ایک عطیہ دیا ہے وہ کہتی ہیں میں یارسول اللہ آپ کو گواہ بناؤں فرمایا کیا تم نے اپنے سارے بچوں کو اسی طرح دیا ہے عرض کیا نہیں فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں انصاف کرو ۲فرماتے ہیں میرے والد لوٹ گئے پھر اپنا عطیہ واپس کرلیا اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں ظلم پر گواہ نہیں ہوتا ۳(مسلم،بخاری)

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص اپنا دیا ہوا ہبہ واپس نہ لے سوائے باپ کے اپنے بیٹے سے ۱(نسائی،ابن ماجہ) روایت ہے حضرت ابن عمر سے وابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعض امور رجسٹری کرائے جاتے ہیں، اسی کی اصل یہ حدیث ہے، رجسٹری میں حکومت کو گواہ بنایا جاتا ہے۔ ۱؎ معلوم ہوا کہ نعمان تو عمرہ بنت رواحہ سے تھے باقی اور اولاد دوسری بیویوں سے جن کی مائیں فوت ہوچکی ہونگی، اس لئے یہ واقعہ ہوا۔ ۲؎ اس حدیث کی بنا پر علماء فرماتے ہیں کہ باپ اپنی زندگی میں بیٹا بیٹی ساری اولاد میں برابری کرے، بیٹے کے لیے دوگنا حصہ بعد وفات ہے۔ خیال رہے کہ پیار محبت بلکہ چومنے میں بھی برابری کرے(مرقات) اگرچہ قدرتی طور پر چھوٹے بچے سے زیادہ محبت ہوتی ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فاطمہ زہرا بہت پیاری تھیں کہ سب سے چھوٹی تھیں۔ ۳؎ اس حدیث کی بنا پر امام احمد،ثوری و اسحاق نے فرمایا کہ اولاد کے عطیوں میں کمی بیشی کرنا حرام ہے کیونکہ حضور انور نے اسے ظلم فرمایا ہے اور ظلم حرام ہے۔ ان بزرگوں کے ہاں اس صورت میں ہبہ درست ہی نہ ہوگا، مگر امام ابوحنیفہ،شافعی و مالک و جمہور علماء رحمہم اللہ کے ہاں یہ زیادتی کمی مکروہ ہے جبکہ بلاوجہ ہو، اس میں ہبہ درست ہی ہوگا، اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ ہبہ درست ہوگیا تھا ورنہ رجوع کے کیا معنی: نیز دوسری روایات میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس عطیہ پر کسی اور کو گواہ بناؤ، اگر یہ حرام قطعی ہوتا تو کسی اور کو گواہ بنانے کے کیا معنی؟ حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عائشہ صدیقہ کو اکیس وسق کھجوریں دیں جو اور اولاد کو نہ دیں، حضرت عمر نے اپنے بیٹے عاصم کو ایک دفعہ ایک خاص عطیہ دیا جو اور اولاد کو نہ دیا: عبدالرحمن ابن عوف نے اپنی بیٹی ام کلثوم کی اولاد کو خاص عطیہ دیا جو اور اولاد کو نہ دیا، تمام صحابہ نے یہ واقعات دیکھے اور کسی نے انکار نہ کیا، لہذا اس کے جواز پر صحابہ کا اجماع ہوگیا(مرقات) خیال رہے کہ متقی بیٹے کو فاسق بیٹے سے زیادہ دینا یا غریب معذور بے دست و پا اولاد کو دوسری امیر اولاد سے کچھ زیادہ دینا بلا کراہت درست ہے ۔ ۴؎ اسی حدیث کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ والد اولاد کو عطیہ دے کر واپس لے سکتا ہے، دیگر اہل قرابت سے واپس نہیں لے سکتے: امام اعظم کے ہاں باپ بھی بیٹے کو دیا ہوا عطیہ واپس نہیں لے سکتا، اس کی دلیل حضور عالی کا وہ فرمان ہے کہ جب ذی رحم محرم کو ہبہ دیا جائے تو واپس نہ ہوگا۔ اور فاروق اعظم کا یہ فرمان ہے کہ اہل قرابت کا ہبہ جائز ہے اور اجنبی کا ہبہ واپس ہوسکتا ہے جب تک کہ اس کا عوض نہ دیا گیا ہو اسے،

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يُّعْطِيَ عَطِيَّةً ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْهَا اِلَّا الْوَالِدُ فِيْمَا يُعْطِيْ وَلَدَهٗ وَمَثَلُ الَّذِيْ يُعْطِي الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْهَا كَمَثَلِ الْكَلْبِ اَكَلَ حَتّٰى اِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فِيْ قَيْئِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ اَعْرَابِيًّا اَهْدٰى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكْرَةً فَعَوَّضَهٗ مِنْهَا سِتَّ بَكَرَاتٍ فَتَسَخَّطَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ

نے فرمایا کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ کوئی عطیہ دے پھر واپس لے لے[1] سوائے باپ کے جو اپنے بیٹے کو دے[2] اور اسکی مثال جو عطیہ دے پھر واپس لے لے اس کتے کی سی ہے جو کھاتا رہے حتی کہ سیر ہوجائے تو قے کردے پھر اپنی قے دوبارہ کھالے[3] (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اسے ترمذی نے صحیح کہا ہے روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ ایک بدوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوان اونٹنی ہدیۃً پیش کی[4] تو حضور نے اس کے عوض چھ اونٹنیاں عطا فرمائیں پھر بھی وہ ناراض ہی رہا[5] یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کی[6]

حدیث کا مطلب امام اعظم کے ہاں یہ ہے کہ بوقت ضرورت باپ بیٹے کا عطیہ واپس لے سکتا ہے، کیونکہ یہاں بیٹے کا حقیقتاً اور باپ بیٹے کا مال ضرورۃً بغیر اجازت خرچ کرسکتا ہے (لمعات و مرقات) یا یہ کہ دوسرا عطیہ والا اگر ہدیہ واپس لے تو قاضی کے فیصلہ کی ضرورت ہے، لیکن والد بوقت ضرورت بغیر قضاء قاضی واپس لے سکتا ہے (اشعہ، لمعات و مرقات)۔ [1] یہاں جائز بمعنی مناسب ہے یعنی عطیہ دے کر واپس لینا مناسب نہیں جیسے کہ حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ مومن کے لیے یہ حلال نہیں کہ خود سیر ہوکر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو، وہاں بھی لایحل بمعنے غیر مناسب لہذا یہ حدیث رجوع ہبہ کی احادیث کے خلاف نہیں۔ [2] ولد میں بیٹا بیٹی سب ہی شامل ہیں اسکی شرح ابھی گزر گئی کہ ہمارے ہاں باپ بھی بلا ضرورت رجوع نہیں کرسکتا، شوافع کے ہاں کرسکتا ہے، لہذا بیٹی کو دیا ہوا جہیز واپس لے سکتا نہیں: خیال رہے کہ خاوند بیوی ایک دوسرے کو عطیہ دے کر واپس نہیں کرسکتے یوں ہی اہل قرابت محرمہ، فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِذَا كَانَتِ الْهِبَةُ لِذِيْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ لَمْ يَرْجِعْ فِيْهَا حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اہل قرابت کا عطیہ لازم ہے دوسرے کا عطیہ لازم نہیں جب تک کہ وہ عوض نہ دیں (لمعات)۔ [3] یعنے کتے کا قے کرکے چاٹ لینا ہر طبیعت پر باعث نفرت ہے، یوں ہی عطیہ دے کر واپس لینا ہر شخص کو برا معلوم ہونا چاہیئے: خیال رہے کہ ہبہ کا حکم اور ہے صدقہ کا حکم کچھ اور، ہبہ تو بعض صورتوں میں واپس ہوسکتا ہے مگر دیا ہوا صدقہ خیرات واپس نہیں لے سکتے کہ وہاں منشاء صدقہ رضاء الٰہی ہے جو بفضلہ تعالٰی حاصل ہوگئی جب غرض مل گیا تو رجوع کیسا؟ [4] بکر کے لغوی معنی ہیں پہلی حالت، اسی لئے کنواری لڑکی کو باکرہ، صبح کو بکرہ اور شروع پھل کو باکورہ کہتے ہیں: یہاں بکرہ سے مراد ہے نئی اونٹنی جو ابھی نوجوان ہو، حضرت صدیق اکبر کا نام ہے ابوبکر یعنی اولیت والے، آپ ہر صفت میں اول ہیں لہذا ابوبکر ہوئے، ابو معنے والا، جیسے ابوہریرہ بلی والا۔ [5] وہ حضور انور سے بہت کچھ امید وابستہ کرکے یہ اونٹنی لایا تھا، اس لیے چھ گنا ملنے پر بھی راضی نہ ہوا، یا تو زبان سے ناراضی ظاہر کی یا اس کے چہرے سے ناراضی کا ظہور ہوا یا اس کے خوش نہ ہونے سے ناراضی ظاہر ہوئی، مومن کو چاہیئے کہ چیز لے کر خوش ہوا کرے کہ یہ خوشی دینے والے کو بھی خوش کر دیتی ہے جس سے وہ اور زیادہ دیتا ہے

ثُمَّ قَالَ اِنَّ فُلَانًا اَهْدٰى اِلَیَّ نَاقَةً فَعَوَّضْتُهٗ مِنْهَا سِتَّ بَكَرَاتٍ فَظَلَّ سَاخِطًا لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ لَّا اَقْبَلَ هَدِيَّةً اِلَّا مِنْ قُرَشِيٍّ اَوْ اَنْصَارِيٍّ اَوْ ثَقَفِيٍّ اَوْ دَوْسِيٍّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ ۔ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اُعْطِیَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهٖ وَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ فَاِنَّ مَنْ اَثْنٰى فَقَدْ شَكَرَ وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ تَحَلّٰى بِمَا لَمْ يُعْطَ كَانَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ

پھر فرمایا کہ فلاں شخص نے ہم کو ایک اونٹنی دی تھی ہم نے اسے اس کے بدلے چھ اونٹنیاں دیں پھر بھی وہ ناراض ہی رہا میں نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ اب سوا قریشی یا انصاری یا ثقفی یا دوسی کا ہدیہ قبول نہ کروں [۱] (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے کوئی عطیہ دیا جائے اگر ہو سکے تو اس کا بدلہ دے [۲] اور جو کچھ نہ پائے وہ اس کی تعریف کر دے [۳] کہ جس نے تعریف کر دی اس نے شکریہ ادا کیا جس نے چھپایا اس نے ناشکری کی [۴] اور جو ایسی چیز سے ٹیپ ٹاپ کرے جو اسے نہ دی گئی وہ فریب کے کپڑے پہننے والے کی طرح ہے [۵] (ترمذی، ابوداؤد)

رب کی نعمتوں پر بھی خوب خوش ہوا کرے، رب تعالٰی فرماتا ہے فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا [۶] یعنی بطور وعظ یہ کلام فرمایا اور وعظ کے اول خطبہ میں یعنی رب کی حمد و ثنا سنت ہے۔ [۱] کیونکہ یہ چار قبیلہ والے حضرات کریم النفس ہوتے ہیں، وہ اپنے ہدایا و عطیوں کا عوض چاہتے ہی نہیں اور تھوڑے عوض پر راضی ہو جاتے ہیں، خیال رہے کہ عوض یا زیادہ عوض کے لیے ہدیہ دینا عام لوگوں کو بہتر نہیں، حضور انور کو یہ حرام تھا کہ حضور تو دینے ہی کے لیے دنیا میں تشریف لائے ہیں: رب تعالٰی فرماتا ہے وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ زیادہ وصول کرنے کے لیے کسی کو عطیہ نہ دو، اس میں حضور انور سے خطاب ہے اور نہی تحریم کی ہے۔ [۲] بڑا آدمی جب چھوٹوں کو کچھ دے وہ عطیہ، انعام، اکرام ہے، اور جو برابر والا اپنے برابر والے کو دے تو وہ ہدیہ، سوغات ہے، اور جب چھوٹا اپنے بڑے کو کچھ دے تو وہ نذرانہ ہے، بڑے کو چاہیئے کہ چھوٹوں کو نذرانہ کا عوض ضرور دیا کریں، اگر وہ اسی لالچ سے تو لاتے ہیں، دیکھو حضور انور ایک کے چھ عطا فرماتے تھے۔ شادی بیاہ یا عید بقر عید پر نوابوں کے نوکر چاکر نذرانے پیش کرتے ہیں کیوں؟ کچھ لینے کے لیے انہیں ضرور دیا جائے۔ (مرقات) مروجہ نیوتے (نذرانے) جائز ہیں، جبکہ ان سے لڑائی جھگڑے فساد نہ ہوں۔ نیوتے کا مسئلہ شامی باب الہبۃ میں ملاحظہ فرمایئے [۳] سبحان اللہ کیسی پیاری و اعلٰی تعلیم ہے کہ برابر والا برابر والے کو عوض دے، فقیر امیر کو دعائیں دیں۔ ہم لوگ دن رات حضور انور پر درود شریف کیوں پڑھتے ہیں؟ اس لیے کہ ان داتا کریم کی نعمتوں میں پل رہے ہیں کروڑوں حصہ بھی عوض نہیں دے سکتے تو دعائیں دیں کہ اللہ ان کا بھلا کرے۔ ان کا خانہ آباد۔ ان کے بال بچوں صحابہ کو شاد رکھے۔ یہ درود بھی اسی حدیث پر عمل ہے۔ مولانا فرماتے ہیں، شعر

چونکہ ذاتش ہست محتاج الیہ ÷ زاں سبب فرمود حق صلوا علیہ

[۴] یعنی حمد و ثنا شکر کی ایک قسم ہے، شکر دلی بھی ہوتا ہے زبانی بھی ارکانی بھی، حمد و ثنا زبانی شکریہ ہے جس سے اور زیادہ نعمتیں ملتی ہیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ اگر شکر کرو گے اور زیادہ دوں گا۔ [۵] یہ فرمان عالی اس عورت سے فرمایا گیا تھا

وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صُنِعَ اِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهٖ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا فَقَدْ اَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ؛ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ؛ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ اَتَاهُ الْمُهَاجِرُوْنَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا رَاَيْنَا قَوْمًا اَبْذَلَ مِنْ كَثِيْرٍ وَلَا اَحْسَنَ مُوَاسَاةً

روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسکے ساتھ کوئی بھلائی کی جائے وہ بھلائی کرنے والے سے کہدے اللہ تجھے جزائے خیر دے تو اس نے تعریف حد تک پہنچا دی ؎۱ (ترمذی)۔ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لوگوں کا شکریہ ادا نہ کرے وہ اللہ کا شکریہ بھی ادا نہ کریگا ؎۲ (احمد، ترمذی)۔ روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضور کی خدمت میں مہاجرین حاضر ہوکر بولے ؎۳ یا رسول اللہ ہم جن لوگوں کے مہمان بنے ہیں ان سے بڑھ کر زیادہ مال خرچ کرنے والا اور

جس نے عرض کیا تھا کہ میری سوکن ہے میں چاہتی ہوں کہ اسے جلانے کے لیے اعلٰی لباس، عمدہ زیور پہنا کروں تاکہ وہ سمجھے کہ مجھے یہ سب کچھ میرے خاوند نے دیا ہے اور وہ مجھ سے زیادہ محبت کرتا ہے، اس پر یہ ارشاد ہوا۔ فریب کے کپڑوں کی کئی صورتیں ہیں، غریب آدمی غرور و تکبر کے طور پر امیروں کے کپڑے پہنے، جاہل شخص ریا کے طور پر علماء و صوفیاء کا لباس پہنے، فاسق آدمی دھوکے دینے کے لیے متقیوں کا سا لباس رکھے تاکہ اسکی جھوٹی گواہی حکام مان لیا کریں، یہ سب کچھ دھوکے فریب کے لیے ہو (مرقات)۔ ایسا آدمی بہروپیا ہے اور اس کی یہ حرکت بری ہے۔ اگر اچھی نیت سے علماء کا لباس پہنے تو اچھا، کہ اچھوں کی نقل بھی اچھی ہے۔

؎۱ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تو بدلے سے عاجز ہوں، رب تعالٰی تجھے دین و دنیا میں اس سلوک کی جزاء خیر دے۔ اس مختصر سے جملہ میں اس کی نعمت کا اقرار بھی ہوگیا، اپنے عجز کا اظہار بھی اور اس کے حق میں دعائے خیر بھی۔ شکریہ کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے۔ اسکا مقصد یہ بھی ہے کہ دینے والے کی جھوٹی تعریف اور خوشامدانہ گفتگو نہ کرے، فاسق کو ولی نہ کہے، جاہل کو عالم نہ بتائے، فقیر کو شہنشاہ نہ کہے کہ جھوٹ بولنا گناہ بھی ہے اور بے فائدہ بھی۔ یوں ہی اگر کوئی تم سے بدسلوکی کرے تو اسے گالیاں نہ دو، برا بھلا نہ کہو بلکہ کہو غفر اللّٰہ لک اصلح حالک اللہ تجھے بخشے اور تیری اصلاح کرے۔ ؎۲ سبحان اللہ کتنا عالی مقام ہے، بندوں کا ناشکرا رب کا بھی ناشکرا یقیناً ہوتا ہے۔ بندہ کا شکریہ ہر طرح کا چاہیے دلی، زبانی، عملی، یوں ہی رب کا شکریہ بھی ہر قسم کا کرے۔ بندوں میں ماں باپ کا شکریہ اور ہے استاذ کا شکریہ کچھ اور، شیخ، بادشاہ کا شکریہ کچھ اور۔ ؎۳ یہ واقعہ جب ہوا جبکہ انصار نے مہاجرین کو اپنے مالوں میں برابر کا حصہ دار کرلیا حتی کہ اپنے مکان کے دو حصے کرکے ایک مہاجر بھائی کو دے دیا، کھیت، باغ کا بھی اسی طرح بٹوارہ کردیا، اگر کسی انصاری کی دو بیویاں تھیں تو ایک کو طلاق دے کر مہاجر بھائی کے نکاح میں دے دی (مرقات)۔

مِنْ قَلِيْلٍ مِنْ قَوْمٍ نَزَلْنَا بَيْنَ اَظْهُرِهِمْ لَقَدْ كَفَوْنَا الْمُؤْنَةَ وَاَشْرَكُوْنَا فِي الْمَهْنَاءِ حَتّٰى لَقَدْ خِفْنَا اَنْ يَذْهَبُوْا بِالْاَجْرِ كُلِّهٖ فَقَالَ لَا مَا دَعَوْتُمُ اللّٰهَ لَهُمْ وَاَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ، وَعَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادَوْا فَاِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ الضَّغَائِنَ رَوَاهُ محل لبياض وما اطلع المصنف عليه رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ كذا قال الشيخ الجزري، وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادَوْا فَاِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ وَلَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ شِقَّ فِرْسِنِ شَاةٍ

تھوڑے مال سے مدد کرنیوالا کوئی نہ دیکھا [1] ہماری طرف سے محنت مشقت تو خود کرتے ہیں اور آمدنی میں ہمیں شریک کر لیتے ہیں [2] حتی کہ ہم کو خوف ہے کہ سارا ثواب وہ ہی لے جائیں گے [3] حضور نے فرمایا نہیں جب تک تم ان کے لیے اللہ سے دعائیں کرتے رہو اور ان کی تعریف کرتے رہو گے [4] (ترمذی) ترمذی نے اسے صحیح کہا، روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا ھدیہ کا لین دین کرو ہدیہ عداوتوں کو مٹا دیتا ہے [5]، روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا آپس میں ہدیے لو دو کہ ہدیہ سینہ کا کینہ دور کرتا ہے [6] کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو حقیر نہ جانے اگرچہ بکری کی کھری کا ٹکڑا ہی ہو [7]

[1] اس جملہ میں انصار کی تعریف اور انکی مہمان نوازی کی توصیف ہے: قوم سے مراد انصار ہیں اور من کثیر و من قلیل بذل کے متعلق ہے اور من قوم ابذل اور احسن کا صلہ یعنی اس قوم انصار سے بڑھ کر ہم نے کوئی ایسی قوم نہ دیکھی جو مہمان پر تھوڑا اور بہت مال اسقدر خرچ کرتی ہو ان میں مالدار تو اپنے بہت مال سے خرچ کرتے ہیں اور غریب اپنے تھوڑے مال سے مدد و معاونت کرتے ہیں: مواساۃ کے معنی ہیں مدد بھلائی نیکوئی وغیرہ (اسعد و ثناء)
[2] یہ انصار کے دوسرے کمال کا ذکر ہے کہ ہم کو انہوں نے اپنے مالوں میں برابر شریک کر لیا، تو چاہیئے تھا کہ محنت میں بھی ہم برابر کے ہی شریک ہوتے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ محنت وہ کرتے ہیں اور نفع میں ہم کو برابر کا شریک کرتے ہیں: عربی میں مھنا بے مشقت حاصل شدہ مال کو کہتے ہیں [3] یعنی انصار ان مہربانیوں کی وجہ سے ہماری ہجرت اور ہماری ساری عبادتوں کا ثواب لے لیں گے، کیونکہ وہ ہمارے ہر نیکی میں معاون و مددگار ہیں۔ [4] یعنی ایسا نہ ہو گا بلکہ تمہاری دعا و ثنا کی وجہ سے اللہ تعالٰی انکو ثواب احسان علیحدہ عطا کریگا اور تم کو ثواب ہجرت و عبادات علیحدہ دے گا: اس سے اشارۃً معلوم ہو رہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے محسن کو دعائے خیر و شکریہ سے یاد نہ کرے تو اندیشہ ہے کہ اس کے اعمال کا ثواب اس کے محسن و مددگار کو مل جائے، اسلیے اپنے محسن کو ضرور دعائیں دو اور اس کے شکر گزار رہو۔ [5] ضغائن ضغینۃ کی جمع ہے بمعنی دشمنی یعنی ایکدوسرے کو ہدیے تحفے دیتے رہو کہ اسکی برکت سے دشمنی دوستی میں تبدیل ہو جاتی ہے، یہ عمل بہت ہی مجرب ہے، ہدیہ کی برکت سے دوستوں کی دوستی میں زیادتی ہو جاتی ہے اور دشمن کی دشمنی ختم ہو جاتی ہے: لہذا حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ صرف دشمنوں ہی کو ہدیہ دے بلکہ مطلب یہ ہے کہ دوستوں کو ہدیہ دو کہ اس سے دشمنی دور رہتی ہے قریب نہیں آتی اور دشمنوں کو ہدیہ دو کہ اس سے دشمنی دور ہو جاتی ہے: تذھب کے معنی عام کرنے چاہئیں یہاں رواہ کے بعد جگہ چھوٹی ہوئی ہے کہ مصنف کو مخرج حدیث نہ ملا۔ مگر یہ حدیث ترمذی کی ہے۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ؞ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ لَا تُرَدُّ الْوَسَائِدُ وَالدُّهْنُ وَاللَّبَنُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ قِيْلَ اَرَادَ بِالدُّهْنِ الطِّيْبَ ؞ وَعَنْ اَبِيْ عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُعْطِيَ اَحَدُكُمُ الرَّيْحَانَ فَلَا يَرُدَّهُ فَاِنَّهُ خَرَجَ مِنَ الْجَنَّةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مُرْسَلًا

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ ؞ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَتِ امْرَاَةُ بَشِيْرٍ اَنْحِلِ ابْنِيْ غُلَامَكَ وَاَشْهِدْ لِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ فَقَالَ اِنَّ ابْنَةَ

(ترمذی) ؞ روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں واپس نہ کی جائیں، تکیے تیل اور دودھ [۱] (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے کہا گیا ہے تیل سے مراد خوشبو ہے [۲] ؞ روایت ہے حضرت ابوعثمان نہدی سے [۳] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کسی کو خوشبو دی جائے تو اسے رد نہ کرے کہ خوشبو جنت سے آئی ہے [۴] (ترمذی ارسالاً) ؞ تیسری فصل ؞ روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ بشیر کی بیوی نے کہا کہ میرے بیٹے کو اپنا غلام دو [۵] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا گواہ بنالو [۶] چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر بولے کہ فلاں کی لڑکی

جیسا کہ مرقات وغیرہ میں ہے۔ [۱] دحر کے معنی گرمی تیزی، عداوت، کینہ، غصہ وغیرہ ہیں: یہاں سب معنی بن سکتے ہیں کہ ہدیہ ان سب کو دور کرتا ہے۔

[۱] یعنی اگر تم امیر کبیر ہو اور تمہارا اڑوسی غریب ومسکین، اور وہ تمہیں محبت سے کوئی معمولی چیز ہدیہ بھیجے تو اسے نہ حقیر سمجھ کر واپس کرو نہ اسے بیقدری سے رکھو بلکہ بشکریہ قبول کرو، اور اپنی شان کے لائق اسے اچھا بدلہ دو تاکہ اس کا دل بڑھے۔ اللہ تو غنی ہے مگر ہم فقیروں کے معمولی صدقات کو بخوشی قبول فرماتا ہے اور انشاء اللہ اپنی شان کے لائق بدلہ دیگا ؞ [۱] یعنی اگر میزبان اپنے مہمانوں کو آرام کیلئے تکیہ پیش کرے اور سر میں ملنے کے لیے تیل، پینے کیلیے دودھ یا لسی، تو مہمان اسے رد نہ کرے بلکہ بخوشی قبول کرے: عرب شریف میں تیل بھی مہمان کی خاطر پیش ہوتا تھا، جیسے ہمارے ہاں اب بھی تیل، عطر، پان سے ہر آنیوالے کی خاطر کی جاتی ہے۔ [۲] یعنی خوشبودار تیل: مگر حق یہ ہے کہ ہر تیل مراد ہے، خوشبودار ہو یا نہ ہو، حدیث کے مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا بہتر ہے۔ [۳] آپ بصری ہیں، حضور انور کے زمانہ میں اسلام لائے مگر دیدار نہ کرسکے، اس لیے تابعی ہیں: ایک سو تیس سال عمر ہوئی: ساٹھ سال سے زیادہ کفر میں گذاری، باقی اسلام میں: ۹۵ھ میں وفات پائی۔ [۴] حدیث اپنے ظاہر پر ہے، بہت چیزیں دنیا میں جنت سے آئی ہیں جن میں سے ایک خوشبو بھی ہے۔ اسے رد کرنا رب تعالٰی اعلٰی نعمت کی ناقدری ہے، مراد وہ ہی ہے جو پہلے عرض کی گئی کہ خوشبو کا ہدیہ واپس نہ کرو، یہ مطلب نہیں کہ خوشبو کا سودا رد نہ کرو، ضرور خرید لو، جیسا کہ عام عطرفروش کہتے ہیں۔ [۵] بشیر کی بیوی کا نام عمرہ بنت رواحہ ہے، اور ان کے بیٹے کا نام جو عمرہ کے بطن سے تھا نعمان ہے۔ جیسا کہ ابھی کچھ پہلے گذرا۔ بشیر کے اور اولاد دوسری بیوی سے تھی۔ [۶] تاکہ آئندہ کوئی جھگڑا نہ ہو، پہلے عرض کیا گیا کہ یہ حدیث آجکل کی مروجہ رجسٹری کی اصل ہے۔ کہ اہم چیزوں کی بیع کی رجسٹری کرائی جاتی ہے ؞

فُلَانٍ سَأَلَتْنِي أَنْ أَنْحَلَ ابْنَهَا غُلَامِي وَقَالَتْ أَشْهِدْ لِي رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَلَهُ إِخْوَةٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَفَكُلَّهُمْ أَعْطَيْتَهُمْ مِثْلَ مَا أَعْطَيْتَهُ قَالَ لَا قَالَ فَلَيْسَ يَصْلُحُ هٰذَا وَإِنِّي لَا أَشْهَدُ إِلَّا عَلٰى حَقٍّ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِبَاكُورَةِ الْفَاكِهَةِ وَضَعَهَا عَلٰى عَيْنَيْهِ وَعَلٰى شَفَتَيْهِ وَقَالَ اللّٰهُمَّ كَمَا أَرَيْتَنَا أَوَّلَهُ فَأَرِنَا آخِرَهُ ثُمَّ يُعْطِيهَا مَنْ يَكُونُ عِنْدَهُ مِنَ الصِّبْيَانِ رَوَاهُ

نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے کہ میں اس کے لڑکے کو اپنا غلام دے دوں اور کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا گواہ بنا لو تو ارشاد ہوا کہ اسکے اور بھی بھائی ہیں بولے ہاں فرمایا کیا تم نے ان سب کو اس جیسا ہی عطیہ کیا ہے جو اسے دے رہے ہو عرض کیا نہیں فرمایا یہ درست نہیں [1] اور میں صرف حق پر گواہ بنتا ہوں [2] (مسلم) [3] روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ کے پاس نیا پھل لایا جاتا تو اسے آپ اپنی آنکھوں اور لبوں پر رکھتے [4] اور عرض کرتے الٰہی جیسے تو نے ہم کو اس کی ابتداء دکھائی ہم کو اس کی انتہا بھی دکھا [5] پھر وہ پھل کسی ان بچے کو عطا فرما دیتے جو آپ کے پاس ہوتا [6]

[1] معلوم ہوا کہ ہر جگہ دو گواہوں کی ضرورت نہیں کبھی ایک گواہ بھی کافی ہوتا ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا زلیخا والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی۔ [2] یعنی ان بیوی صاحبہ کا یہ کہنا یا تمہارا صرف ایک بیٹے کو عطیہ دینا یا میرا اس عطیہ پر گواہ بننا بہتر نہیں۔ غرضکہ هٰذَا میں چند احتمال ہیں اور یصلح بمعنی بہتری و مناسب ہے، نہ کہ بمعنی جائز و درست، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا کہ والدین اپنی زندگی میں جس بچے کو جو چاہیں دیں مگر برابری کرنا بہتر ہے [3] یہ حق باطل کا مقابل نہیں بلکہ غیر مناسب کا مقابل ہے یعنی ہم ایسے گواہ بنتے ہیں جو غیر مناسب یا مکروہ بھی نہ ہو۔ [4] یعنی چوم کر آنکھوں سے لگاتے نعمت الٰہیہ کا احترام فرماتے ہوئے، جیسے کہ پہلی بارش کے قطرے اپنے منہ و سینہ شریف پر لیتے تھے، اس میں رب تعالٰی کی نعمت کی قدردانی ہے اور اس کا شکریہ۔ [5] پھل کی انتہا سے مراد یا تو آخری موسم کے پھل ہیں، یعنی ہماری زندگی اتنی دراز فرما کہ ہم بہار کا خاتمہ دیکھ لیں یا جنت کے پھل ہیں، کہ دنیا کے پھل وہاں کا نمونہ ہیں: یعنی ہم کو ایمان و تقوٰی نصیب فرما کہ ہم آخرت میں جنت میں جائیں اور وہاں کے پھل دیکھیں اور کھائیں (مرقات)

[6] چونکہ بچوں کو پھل وغیرہ سے بہت رغبت ہوتی ہے: نیز وہ بھی انسان کا پہلا پھل ہے اس مناسبت سے پہلا پھل پہلے پھلوں کو عطا فرماتے تھے۔ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اللہ تعالٰی کی نعمت کو چومنا، آنکھوں سے لگانا سنت ہے: لہذا قرآن شریف، حدیث شریف حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے تبرکات چومنا سنت سے ثابت ہے: بعض لوگ روٹی چومتے ہیں، ان کی دلیل یہ حدیث ہے: دوسرے یہ کہ کھانا ہاتھ میں لے کر یا سامنے رکھ کر اللہ کا ذکر یا دعا کرنا سنت ہے، لہذا مروجہ ختم فاتحہ بھی جائز، سنت سے ثابت ہے: اسکا ماخذ یہ حدیث بھی ہے سرکار عالی قربانی فرما کر جانور سامنے رکھ کر دعا کرتے تھے: تیسرے یہ کہ ختم شریف کا پھل وغیرہ کھانا، بچوں میں تقسیم کرنا سنت سے ثابت ہے۔ جس کی اصل یہ حدیث ہے: چوتھے یہ کہ نئے پھل پر فاتحہ پڑھ کر بچوں میں بانٹ دینا، حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل شریف سے ثابت ہے، جیسا کہ آج بزرگوں کا طریقہ ہے۔

اَلْبَیْہَقِیُّ فِی الدَّعَوَاتِ الْکَبِیْرِ ۔ بَابُ اللُّقَطَۃِ ۔ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ ۔ عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَہٗ عَنِ اللُّقَطَۃِ فَقَالَ اَعْرِفْ عِفَاصَہَا وَوِکَآءَہَا ثُمَّ عَرِّفْہَا سَنَۃً فَاِنْ جَآءَ صَاحِبُہَا وَاِلَّا فَشَاْنُکَ بِہَا قَالَ فَضَالَّۃُ الْغَنَمِ قَالَ ہِیَ لَکَ اَوْ لِاَخِیْکَ اَوْ لِلذِّئْبِ قَالَ فَضَالَّۃُ الْاِبِلِ قَالَ مَالَکَ وَلَہَا مَعَہَا سِقَآؤُہَا وَحِذَآؤُہَا تَرِدُ الْمَآءَ وَتَاْکُلُ الشَّجَرَ حَتّٰی یَلْقَاہَا رَبُّہَا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَ

(بیہقی دعوات کبیر) ۱؎ پائی ہوئی چیز کا باب ۲؎ پہلی فصل ۔ روایت ہے حضرت زید ابن خالد سے ۳؎ فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سے لقطہ کے بارے میں پوچھا فرمایا اس کے برتن اس کے بندھن کا اعلان کرو ۴؎ پھر ایک سال تک مشہور کرتے رہو ۵؎ پھر اگر اس کا مالک آجائے فبہا ورنہ تم اس سے نفع لو عرض کیا گمی ہوئی بکری فرمایا وہ یا تیری ہے یا تیرے بھائی کی یا بھیڑیے کی ۶؎ عرض کیا گمی ہوا اونٹ فرمایا تمہیں اس سے کیا اس کے ساتھ اسکی مشک اس کا بچاؤ ہے ۔ پانی پر جائے گا ۔ درخت کھائے گا حتی کہ اسے مالک پالے گا ۷؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ علامہ جزری نے حصن حصین شریف میں یوں روایت فرمائی کہ جب حضور انور پہلا پھل ملاحظہ فرماتے تو فرماتے اَللّٰہُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ ثَمَرِنَا وَبَارِکْ لَنَا فِیْ مُدُنِنَا وَبَارِکْ لَنَا فِیْ صَاعِنَا وَبَارِکْ لَنَا فِیْ مُدِّنَا اور جب آپ کی خدمت میں وہ پھل لایا جاتا تو کسی بچہ کو عطا فرمادیتے (مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ عن ابو ہریرۃ (از مرقات) ۔ ۲؎ لقطہ اور التقاط پڑی چیز کا اٹھالینا اور لُقطہ لام کے پیش قاف کے سکون سے پڑی ہوئی چیز اٹھائی جائے، بعض نے فرمایا لُقَطَہ لام کے پیش قاف کے فتح سے، اٹھانے والے لوگ، جیسے ہُمَزَہ اور لُمَزَہ، جمع ہامز اور لامز کی، ایسے ہی لقطہ جمع لاقط کی

۳؎ آپ مشہور صحابی ہیں، پچھتر سال عمر پائی، ۷۸ھ میں کوفہ میں وفات پائی؛ امیر معاویہ یا عبدالملک کے زمانہ میں، آخری بات صحیح ہے کیونکہ امیر معاویہ ۶۰ھ میں وفات پاچکے تھے (از اشعہ) ۔ ۴؎ یعنی یہ کہو کہ جس کی یہ چیز ہو وہ اسکا تھیلہ برتن اور بندھن مال کی تعداد وغیرہ بیان کرے اور ہم سے لے لے، یہ مطلب نہیں کہ تم خود ہی بتادو کہ اس مال کی مقدار یہ ہے برتن وغیرہ ایسا کہ اس صورت میں تو جھوٹے لوگ دعوے کریں گے کہ ہمارا مال ہے ۔ (مرقات و اشعہ) ۵؎ یہ اعلان مساجد اور بازاروں مجمعوں میں وقتًا فوقتًا کیا جائے روزانہ مسلسل کرنا واجب نہیں، امام محمد و شافعی و احمد کے نزدیک ہر قسم کے لقطہ کا اعلان ایک سال کرے؛ انکی دلیل یہ حدیث ہے: امام اعظم و مالک کے ہاں معمولی لقطہ کا اعلان کچھ روز کرے، درمیانہ کا ایک سال اعلی قیمتی چیز کا تین سال، یہ فرمان عالی درمیانہ کیلئے ہے ۔ ورنہ حضرت ابی ابن کعب کو تین سال اعلان کا حکم دیا گیا، کہ وہاں لقطہ بہت قیمتی تھا لہذا مذہب احناف قوی ہے ۔ ۶؎ جو شخص لقطہ کا برتن بندھن مال کی مقدار و دیگر علامات درست بیان کردے تو امام مالک و احمد کے ہاں اسے دے دینا واجب ہے، مگر امام اعظم و شافعی کے ہاں اگر پانے والے کا دل گواہی دے کہ یہ سچا ہے تو دیدے ورنہ اس مدعی سے گواہ طلب کرے گواہی لیکر دے کہ ہوسکتا ہے اس شخص نے مالک مال سے یہ اوصاف سن کر بیان کردیا ہو اگر لقطہ پانیوالا فقیر ہو تو بعد مایوسی خود استعمال کرے ورنہ خیرات کردے، لیکن اگر بعد میں مالک مل گیا تو اسے چیز کی قیمت دینا ہوگی، بعض کے نزدیک غنی بھی استعمال کرسکتا ہے ۔ ۷؎ یعنی گمی بکری ضرور پکڑ لو، ورنہ بھیڑیا کھائیگا نہ تمہیں ملیگی نہ مالک کو ۔ ۸؎ خلاصہ یہ ہے ۔

فِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ فَقَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اَعْرِفْ وِکَاءَهَا وَعِفَاصَهَا ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا فَاِنْ جَآءَ رَبُّهَا فَاَدِّهَا اِلَیْهِ ٭ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰوٰی ضَالَّةً فَهُوَ ضَالٌّ مَالَمْ یُعَرِّفْهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ ٭ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّیْمِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ لُقَطَةِ الْحَاجِّ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ٭ اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ ٭ عَنْ عَمْرٍو

مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ فرمایا اسے مشہور کرو ایک سال پھر اس کا بندھن اس کا برتن مشہور کرو پھر اس کو خود خرچ کر لو[1] پھر اگر اس کا مالک آجائے تو اسے ادا کر دو[2] ٭ روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو گمی چیز کو اپنے پاس جگہ دے[3] وہ گمراہ ہے جب تک کہ اس کا اعلان نہ کرے[4] (مسلم) ٭ روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن عثمان تیمی سے[5] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجیوں کے لقطہ سے منع فرمایا[6] (مسلم) ٭ دوسری فصل ٭ روایت ہے حضرت عمرو

گم شدہ اونٹ نہ پکڑو کہ اس کے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں، پانی کا تھیلا اس کے پیٹ میں ہے، پاؤں اس کے مضبوط ہیں، درندے سے بھاگ کر جان بچا سکتا ہے، لمبا سفر طے کر سکتا ہے: علماء فرماتے ہیں کہ جنگل میں گمے ہوئے اونٹ کو نہ پکڑے، لیکن بستی میں گمے ہوئے کو پکڑے کہ وہاں اسے لوگ چرا لیں گے، اور اب تو جنگل و بستی میں جہاں بھی چوری کا خطرہ ہو پکڑے: یہ حکم عرب کیلئے تھا جہاں چوری بالکل ختم ہو چکی تھی (از مرقات) [1] بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں ثم محض عطف کیلئے ہے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْکِتٰبَ لہذا دو سال تک مشہور کرنا ضروری ہے: علامہ یہ ہے کہ ثم اعرف الخ پہلے جملہ عَرِّفْهَا سَنَةً کا بیان ہے، اور بعض شارحین فرماتے ہیں کہ ثُمَّ ترتیب کیلئے ہے: لقطہ پانے والے کو مناسب یہ ہے کہ پہلے ایک سال تک مشہور کرے: پھر جب اپنے استعمال میں لانے لگے پھر اعلان کرے: یہاں بیان استحباب کیلئے ہے۔ [2] خرچ کرنے کا حکم اباحت کیلئے ہے اور فادّها وجوب کیلئے، یعنی ایک سال گزرنے پر تمہیں لقطہ خود خرچ کر لینا جائز ہے: پھر اگر خرچ کر لینے کے بعد مالک ملے تو اسکی مثل یا قیمت مالک کو ادا کرنا ضروری ہے، اور اگر خیرات کر دیا، پھر بعد کو مالک آیا تو اسے اختیار ہے جو لقطہ پانے والے سے قیمت لے یا فقیر سے جسے خیرات دی گئی (مرقات) [3] غالب یہ ہے کہ گمی چیز سے مراد گما ہوا جانور ہے کیونکہ ضال اکثر جاندار گمے ہوئے کو کہا جاتا ہے اور لقطہ عام ہے، جاندار بیجان گمشدہ سب کو لقطہ کہتے ہیں مگر اکثر بے جان چیز پر بولا جاتا ہے (مرقات) [4] یعنی جو گمشدہ چیز اٹھا کر اعلان نہ کرے وہ بدنیت اور خائن ہے بہتر ہے کہ اٹھانے کے وقت ہی اعلان کر دے کہ میں یہ چیز مالک تک پہنچانے کیلئے اٹھا رہا ہوں، پھر چیز کا اعلان شروع کرے کہ اس میں اپنے کو تہمت سے بچانا ہے۔ [5] آپ حضرت طلحہ ابن عبیداللہ کے بھتیجے ہیں صحابی ہیں اور عبداللہ ابن زبیر کے ساتھ ایمان لائے، مگر آپ نے براہ راست حضور انور سے کوئی روایت نہ کی: لہذا یہ حدیث مرسل صحابی ہے کہ کسی سننے والے صحابی کا نام رہ گیا ہے خیال رہے کہ مرسل صحابی تمام کے نزدیک حجت ہے، غیر صحابی کے مرسل میں اختلاف ہے: ہمارے احناف کے ہاں مقبول ہے امام شافعی کے ہاں غیر مقبول (مرقات)۔

[6] اس جملہ کے کئی معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ حاجی کی گمی چیز کے مالک کبھی نہ ہو بلکہ اس تک پہنچا ہی دو، دوسرے یہ کہ زمانہ حج میں حاجی کی گری چیز نہ اٹھاؤ بلکہ جہاں

بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ فَقَالَ مَنْ أَصَابَ مِنْهُ مِنْ ذِي حَاجَةٍ غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَمَنْ خَرَجَ بِشَيْءٍ مِنْهُ فَعَلَيْهِ غَرَامَةُ مِثْلَيْهِ وَالْعُقُوبَةُ وَمَنْ سَرَقَ مِنْهُ شَيْئًا بَعْدَ أَنْ يُؤْوِيَهُ الْجَرِينُ فَبَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ وَذَكَرَ فِي ضَالَّةِ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ كَمَا ذَكَرَ غَيْرُهُ قَالَ وَسُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ قَالَ مَا كَانَ مِنْهَا فِي الطَّرِيقِ الْمِيتَاءِ وَالْقَرْيَةِ الْجَامِعَةِ فَعَرِّفْهَا

ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ سے لٹکے ہوئے پھل کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا جو ضرورت مند ان میں سے کچھ لے لے کہ اسے ذخیرہ نہ کرے تو اس پر حرج نہیں [1] اور جو ان میں سے کچھ لے کر نکل جائے اس پر ڈبل تاوان بھی ہے اور سزا بھی [2] اور جو ان میں سے خرمن میں پہنچنے کے بعد چرالے پھر وہ ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر ہاتھ کٹنا ہے [3] اور گمے ہوئے اونٹ اور بکری کے بارے میں وہ ہی ذکر کیا جو دوسرے راویوں نے بیان کیا [4] اور آپ سے لقطہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا جو آباد راستہ اور بڑی بستی میں ملے تو ایک سال تک

چیز پڑی ہو وہاں ہی اعلان کرو، کیونکہ بعد میں اعلان کرنا مفید نہیں کہ حجاج بہت جلد منتشر ہو جاتے ہیں، نیز یہ کہ حرم شریف میں حجاج کے لقطے کے مالک کبھی نہ ہوا سے ہمیشہ امانت رہنے دو، جب کبھی حاجی آئے دے دو، دور پڑی رہے۔ یہ تیسرا قول امام شافعی ہے ہمارے ہاں حرم وغیرہ حرم کے لقطہ میں کوئی فرق نہیں اب امام شافعی کے ہاں بھی حرم کا لقطہ ضرور اٹھایا جائے اور مالک نہ ملنے پر خیرات کر دیا جائے کہ اب حرم شریف میں بھی چوریاں ہونے لگیں، اگر نہ اٹھایا گیا تو چوری ہو جائیگا۔ (مرقات) [1] عمرو ابن شعیب کے دادا کا نام عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہے یہ پہلے عرض کیا جا چکا کہ عمرو ابن شعیب کی تمام روایات میں تدلیس ہے خبر نہیں کہ جدہ کی ضمیر کدھر لوٹتی ہے عمرو کی طرف یا ابیہ کی طرف، اسلئے انکی احادیث سے مسائل شرعیہ بغیر تائید دوسری حدیث ثابت نہیں ہوتے [2] اسکی شرح باب الغصب میں گذر گئی، کہ بھوکا آدمی جو بھوک سے مر رہا ہو وہ مالک باغ سے بغیر پوچھے پھل توڑ کر بقدر ضرورت کھا سکتا ہے اور پیسہ ملنے پر اسکی قیمت ادا کر دے البذا یہاں لا شئی سے مراد لا اثم ہے یعنی اس پر گناہ نہیں کہ ایسی مجبوری کی حالت میں مردار کھانا بھی درست ہوتا ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ [3] یعنی جو شخص یہ پھل لیکر باغ سے نکلے وہ خائن غاصب ہے اس پر دو سزائیں ہیں ڈبل قیمت، قاضی جو چاہے سزا دے امام احمد کے ہاں اسی پر عمل ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے زمانہ خلافت میں یہ ہی حکم دیتے تھے، ہمارے ہاں یہ حدیث منسوخ ہے اول اسلام میں تھی کیونکہ مالی جرمانہ اب حرام ہو گیا، رب تعالٰی فرماتا ہے لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ اور جرمانہ بھی ناجائز طریقہ ہی ہے کہ ناحق کسی کا مال لینا حرام ہے۔ [4] چونکہ اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے باغات دیواروں سے گھرے ہوئے نہ تھے ویسے ہی کھلے تھے، اس لئے درخت سے پھل توڑنے کو چوری قرار نہ دیا کیونکہ غیر محفوظ مال کا لینا چوری نہیں، بلکہ جب پھل خرمن میں پہنچکر محفوظ ہو جائیں انہیں لینے کا نام چوری ہوا، اگر باغ کے آس پاس چار دیواری ہو تو پھل توڑنا بھی چوری ہو گا، ڈھال کی قیمت احناف کے ہاں دس درہم یعنی پونے تین روپے ہے اس سے کم قیمت مال کی چوری پر ہاتھ نہ کٹے گا دوسرے علماء کے ہاں اس سے کم پر بھی کٹے گا، اس کی تحقیق ان شاء اللہ کتاب الحدود میں ہوگی۔ [5] یعنی عمرو ابن شعیب کے دادا نے بھی اونٹ و بکری کے لقطہ کے متعلق وہ ہی حدیث

سَنَةً فَإِنْ جَآءَ صَاحِبُهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ وَإِنْ لَّمْ يَأْتِ فَهُوَ لَكَ وَمَا كَانَ فِي الْخَرَابِ الْعَادِيِّ فَفِيهِ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَرَوَى أَبُودَاوُدَ عَنْهُ مِنْ قَوْلِهِ وَسُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ إِلَى آخِرِهِ ۞ وَعَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَجَدَ دِينَارًا فَأَتَى بِهِ فَاطِمَةَ فَسَأَلَ عَنْهُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا رِزْقُ اللهِ فَأَكَلَ مِنْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَكَلَ عَلِيٌّ وَفَاطِمَةُ فَلَمَّا كَانَ

اس کا اعلان کرو[1] اگر اس کا مالک آجائے تو اسے دے دو اور اگر نہ آئے تو وہ تمہاری ہے[2] اور جو پرانے ویرانے میں ہو تو اس میں اور دفینہ میں پانچواں حصہ ہے[3] (نسائی) اور ابوداؤد نے انہیں عمرو ابن شعیب سے روایت یہاں سے آخر تک کی وسئل عن اللقطۃ ۞ روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ جناب علی ابن ابی طالب نے ایک اشرفی پڑی پائی تو اسے حضرت فاطمہ کے پاس لائے پھر اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ کا دیا رزق ہے[4] چنانچہ اس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھایا اور حضرت علی و فاطمہ زہرا نے بھی کھایا[5] پھر جب

بیان کی جو دوسرے راویوں نے کی ہے یعنی گمی بکری کو پکڑ لو گم اونٹ نہ پکڑو۔[1] میتا اتو یا اتیان سے ہے، اصل میں میتا ہمزہ سے تھا ہمزہ ی ہو گیا یعنی کثرت آنے جانے کا راستہ، چوراہے کو بھی میتا کہتے ہیں اور جادہ یعنی شاہ راہ کو بھی۔[2] خلاصہ یہ ہے کہ عام آبادی اور عام راستہ کی پڑی چیز لقطہ ہے کہ غالبًا کسی مسلمان کی ہے اس پر لقطے کے احکام جاری ہوں گے۔[3] یعنی پرانا غیر آباد راستہ یا پرانی غیر آباد بستی جو کسی مسلمان کی ملک نہ ہو اور وہاں اسلامی آبادی نہ رہی ہو وہاں کی پڑی چیز، غالب یہ ہے کہ پرانے زمانہ کے کفار کی ہے تو یہ دفینہ کے حکم میں ہے، اور اس پر دفینہ کے احکام جاری ہوں گے کہ پانچواں حصہ حکومت اسلامیہ کا، باقی پانے والے کا۔[4] لہذا تم اپنے خرچ میں لاؤ: اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ تھوڑے لقطہ کا اعلان کرنا واجب نہیں، کیونکہ حضرت علی کو حضور انور نے فورًا خرچ کرلینے کی اجازت دے دی، اعلان کا حکم نہ دیا "فَأَتَى" اور "فَسَأَلَ" سے معلوم ہوا کہ لقطہ پاتے ہی بغیر تاخیر خرچ کرلینے کی اجازت دے دی، مگر اس استدلال میں دو طرح گفتگو ہے: ایک یہ کہ دینار تھوڑا مال نہیں بلکہ مال کثیر ہے، دوسرے یہ کہ ف کبھی تراخی پر بھی استعمال ہوتی ہے، لہذا کہا جاتا ہے تَزَوَّجْتُ فَوُلِدَ لِیْ میں نے نکاح کیا تو اللہ نے مجھے بچہ دیا، دیکھو بچہ نکاح سے نو ماہ بعد ہوتا ہے مگر یہاں ف بولا گیا، رب تعالٰی فرماتا ہے أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً اللہ تعالٰی آسمان سے پانی اتارتا ہے تو زمین ہری بھری ہوجاتی ہے دیکھو بارش کے کچھ عرصہ بعد زمین ہری بھری ہوتی ہے نہ کہ فورًا مگر یہاں ف ارشاد ہوا، معلوم ہوا کہ ف کبھی تراخی کے لیے بھی آجاتی ہے، ایسے ہی یہاں حضرت علی کو اعلان وغیرہ کے بعد لقطہ استعمال کرنے کی اجازت دی گئی، لہذا حق یہی ہے کہ لقطہ کا اعلان ضروری ہے۔[5] اس سے معلوم ہوا کہ لقطہ وہ بھی کھا سکتا ہے جو صدقہ نہیں کھا سکتا یعنی بنی ہاشم بعض حضرات نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ لقطہ غنی بھی کھا سکتا ہے، دیکھو حضرت علی بھی غنی تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو غنی گر مگر ان دونوں بزرگوں نے لقطہ کھایا لیکن یہ استدلال ضعیف ہے، کیونکہ لقطے کے بارے میں غنی سے مراد وہ ہے جو چاندی سونے وغیرہ کا صاحب نصاب ہو، یہ غنا یعنی چاندی سونے کا اجتماع ان دونوں گھروں میں اس وقت تو کیا کبھی بھی نہ ہوا: حضرت علی مرتضٰے نے اپنے زمانہ خلافت

بَعْدَ ذٰلِكَ اَتَتْ اِمْرَاَةٌ تَنْشُدُ الدِّيْنَارَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ اَدِّ الدِّيْنَارَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ ٭ وَعَنِ الْجَارُوْدِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَالَّةُ الْمُسْلِمِ حَرَقُ النَّارِ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ ٭ وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدَ لُقَطَةً فَلْيُشْهِدْ ذَا عَدْلٍ اَوْ ذَوِيْ عَدْلٍ وَلَا يَكْتُمْ وَلَا يُغَيِّبْ فَاِنْ وَجَدَ صَاحِبَهَا فَلْيَرُدَّهَا وَاِلَّا فَهُوَ مَالُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ رَوَاهُ اَحْمَدُ

کچھ عرصہ گذرا تو ایک عورت اشرفی ڈھونڈتی آئی تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی اشرفی ادا کردو ۱؎ (ابوداؤد) ٭ روایت ہے حضرت جارود سے ۲؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی گم شدہ چیز آگ کی چنگاری ہے ۳؎ (دارمی) ۴؎ ٭ روایت ہے حضرت عیاض ابن حمار سے ۵؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو پڑی چیز پائے تو ایک یا دو عادلوں کو گواہ بنائے ۶؎ نہ اسے چھپائے نہ غیب کرے ۷؎ پھر اگر اس کا مالک ملے تو اسے لوٹا دے ورنہ وہ اللہ کا مال ہے جسے چاہے دے ۸؎ (احمد)

میں اپنی تلوار گروی رکھی اور فرمایا کہ اگر میرے گھر میں ایک وقت کا بھی کھانا ہوتا تو میں تلوار کبھی گروی نہ رکھتا، یہ حضرات انسانی لباس میں فرشتے تھے۔ شعر

شیر نر در پوستین برہ ٭ آفتابے در لباس ذرہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دنیا سے پردہ فرمایا تو آپ کی زرہ گروی تھی۔ شعر

سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا ٭ سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جن کا بچھونا تھا

لہذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں، حق یہی ہے کہ غنی لقطہ نہیں کھا سکتا (از مرقات)۔ ۱؎ غالبًا اس عورت کی صداقت وحی یا دیگر دلائل سے معلوم ہوگئی ہوگی۔ ورنہ بغیر تحقیقات کسی کو لقطہ کا مالک نہیں مانا جاتا جیسا کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا لہذا یہ حدیث نہ گذشتہ احادیث کے خلاف ہے نہ حکم فقہی کے مخالف۔ ۲؎ آپ کا نام جارود ابن معلّٰی ہے، ۱۰ھ میں وفد عبدالقیس کے ساتھ آپ حاضر بارگاہ ہوئے، پھر اولًا بصرہ میں بعد میں فارس میں مقیم رہے۔ بزمانہ فاروق ۲۱ھ میں وفات پائی (اشعہ) ۳؎ یعنی جو مسلمان کی گمی چیز بدنیتی سے اٹھائے کہ مالک کو پہنچانے کا ارادہ نہ ہو خیانت کی نیت ہو وہ دوزخی ہے۔ اگرچہ ذمی کافر کا لقطہ بھی کھانا جائز نہیں، مگر مسلمان کے لقطہ میں ڈبل عذاب ہے۔ اسلئے خصوصیت سے اس کا ذکر ہوا۔ ۴؎ یہ حدیث احمد ترمذی نسائی، ابن حبان نے انہی جارود سے بروایت عبداللہ ابن شخیر نقل کی، اور طبرانی نے عصمہ ابن مالک سے ۵؎ آپ عیاض ابن حمار ابن ناجیہ ابن عقال ہیں، تیمی مجاشعی ہیں بصرہ کے رہنے والے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بڑے پرانے محبوب ساتھی تھے جو ہمیشہ حضور کو خوش کیا کرتے تھے آپ سے خواجہ حسن بصری وغیرہ نے روایات لیں۔ ۶؎ یعنی اٹھاتے وقت ہی کہدے کہ گواہ رہنا یہ چیز اس لئے اٹھا رہا ہوں کہ مالک کو پہنچادوں یہ حکم استحبابی ہے، بعض کے نزدیک وجوبی، اس میں بڑی حکمتیں ہیں: اس اعلان کے بعد نفس میں خیانت کا خیال نہ پیدا ہوگا، اگر یہ اچانک فوت ہو جائے تو اس کے ورثاء اسے میراث نہ بنا سکیں گے مالک ۷؎ کچھ زیادتی کمی کا دعویٰ نہ کرسکیگا کہ میری چیز زیادہ تھی یا اچھی تھی تم نے کم یا خراب کردی (لمعات) ٭

وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ ۞ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ رَخَّصَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَصَا وَالسَّوْطِ وَالْحَبْلِ وَاَشْبَاهِهٖ يَلْتَقِطُهُ الرَّجُلُ يَنْتَفِعُ بِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَذُكِرَ حَدِيْثُ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ اَلَا لَا يَحِلُّ فِيْ بَابِ الْاِعْتِصَامِ ۞

بَابُ الْفَرَائِضِ

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۞ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ فَمَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ وَّلَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً فَعَلَيَّ قَضَاؤُهٗ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ

(ابوداؤد، دارمی) ۞ روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو لاٹھی، کوڑا رسی اور ان جیسی چیزوں میں اجازت دی کہ کوئی پڑی ہوئی اٹھائے اس سے نفع اٹھائے ۱۰ (ابوداؤد) اور حضرت مقدام ابن معدیکرب کی حدیث کہ الالایحل باب الاعتصام میں ذکر کردی گئی ہے ۞ باب میراث کے حصے ۱۱ ۞ پہلی فصل ۞ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا میں مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ والی ہوں ۱۲ جو مر جائے اور اس پر قرض ہو جس کی ادا کا ذریعہ نہ چھوڑے اس کی ادائگی مجھ پر ہے ۱۳ اور جو مال چھوڑے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے ۱۴

۸ یعنی نہ تو اٹھاتے وقت ہی جیب میں ڈالنے کی کوشش کرے اور نہ اس کے بعد اسے لاپتہ کردے۔ بعض نے فرمایا کہ کتم سے مراد لقطہ کا چھپانا اور غائب کرنے سے مراد ہے ملے ہوئے جانور کو بدنیتی سے اور جگہ بھیج دینا۔ ۹ یعنی اگر تلاش کرنے پر بھی مالک نہ ملے تو سمجھ لے کہ یہ روزی مجھے رب نے دی ہے، غریب ہو تو استعمال کرے، امیر ہو تو خیرات کردے۔ ۞ ۱۰ اس حدیث کی بنا پر علماء فرماتے ہیں کہ معمولی حقیر چیزیں جو پڑی ہوئی مل جائیں اور مالک ان کی پرواہ بھی نہ کرتے ہوں انہیں بغیر اعلان بھی استعمال کرنا جائز ہے، ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھی تو فرمایا کہ اگر اس کے صدقہ ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم کھالیتے، کھیت اٹھاتے وقت بالیاں رہ جاتی ہیں یا گر جاتی ہیں، ایسے ہی ترکاریاں، ایک آدھ گرا ہوا پھل وغیرہ جسکو مالک تلاش بھی نہیں کرتا یہ سب اسی میں داخل ہیں، لیکن اگر بعد میں ان چیزوں کا مالک آکر مطالبہ کرے تو اسے قیمت یا مثل دینا پڑیگا؛ حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ لقطہ کو پانے کا خوب استعمال کرتا رہے، اور جب مالک مل جائے تو خراب کیا ہوا لقطہ اسے دیدے کہ یہ تو سخت ممنوع ہے، لقطہ امانت ہوتا ہے اور امانت کا استعمال جائز نہیں۔ ۱۱ فرائض فریضہ کی جمع ہے جو فرض سے بنا بمعنی قطع و کاٹنا؛ اصطلاح میں میت کے متروکہ مال کے معین حصہ کو فریضہ کہتے ہیں کہ وہ بھی مال سے کاٹ کر دیا جاتا ہے: مسائل میراث کے علم کو علم الفرائض کہتے ہیں، اور میراث جاننے والے کو بھی فرضی یا فارض کہتے ہیں حدیث شریف میں ہے افرضکم زید تم میں زیادہ علم میراث جاننے والے حضرت زید ابن ثابت ہیں (مرقات) ۱۲ اس فرمان عالی میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ اور اولیٰ کے معنی ہیں زیادہ قریب، زیادہ والی وارث، زیادہ خیرخواہ، زیادہ مالک: یہاں شیخ نے اولی کے معنی زیادہ خیرخواہ کئے یعنی جسقدر مسلمان اپنے خیرخواہ ہیں اس سے زیادہ میں ان کا خیرخواہ ہوں، میں نہیں چاہتا کہ میرا کوئی امتی بعد موت قرض میں گرفتار رہے۔ ۱۳ یعنی سارے مقروض نادار مسلمانوں کا قرض ان کی موت کے بعد ہم ادا کریں گے، خواہ وہ مسلمان ہوں یا کسی اور جگہ کے، تاکہ میری امت بارگاہ الٰہی میں گرفتار نہ رہے۔ ۱۴ یعنی اگر مال چھوڑے اور اس پر قرض نہ ہو، تو مال وارثوں

وَفِیْ رِوَایَةٍ مَنْ تَرَكَ دَیْنًا اَوْضِیَاعًا فَلْیَاْتِنِیْ فَاَنَا مَوْلَاہُ وَفِیْ رِوَایَةٍ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا فَاِلَیْنَا مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ ؁ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِاَهْلِهَا فَمَا بَقِیَ فَهُوَ لِاَوْلٰی رَجُلٍ ذَكَرٍ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ ؁ وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جو قرض یا بال بچے چھوڑے تو میرے پاس آئے لے تو میں اس کا والی ہوں ایک روایت میں یوں ہے کہ جو مال چھوڑے تو اس کے وارثوں کا ہے اور جو بوجھ چھوڑ دے وہ ہمارے ذمہ ہے ۲ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مقررشدہ میراثی حصے ان کے حق داروں کو دو پھر جو بچ رہے وہ قریب ترین مرد کو دو ۳ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ مسلمان کافر کا وارث اور نہ کافر

اور اگر قرض بھی ہو تو ادائے قرض کے بعد سب مال وارثوں کا۔ لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ قرض کا ذکر کیوں نہ فرمایا میراث بعد ادائے قرض تقسیم ہوتی ہے کیونکہ قرض کا ذکر تو پہلے ہو چکا۔ ۲؎ میت کا وصی یا اس کا وکیل میت کے یا بال بچوں کی ہم کو خبر دے ہم قرض ادا فرمائیں گے اس کے بال بچوں کو پالیں گے ضیاع جمع ضائع کی ہے جیسے جائع کی جمع جیاع لغوی معنی ہیں برباد ہو جانے والی چیز جس کے برباد ہونے کا خطرہ ہو، جیسے چھوٹے بچے یا بیوہ عورت جو دوسرا نکاح نہ کرے ان سب کو حضور پالتے ہیں، بیوگان اور یتیموں کے والی وارث حضور ہی تھے اور ہیں۔ ۳؎ کَلّ بمعنی بوجھ سے مراد قرض اور چھوٹے بچے بیوہ بیوی ہے۔ اس کی شرح پہلی حدیث میں گذری۔ رب تعالٰی فرماتا ہے۔ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ الرَّحِیْمٌ حضور انور مسلمانوں پر بڑے مہربان رحمت والے ہیں: یہ اسی ہی کی رحمت کا ظہور ہے: خیال رہے کہ حضور انور کی رحمت عامہ تمام جہان پر ہے: اس لحاظ سے فرمایا گیا رحمۃ للعالمین اور رحمت خاصہ صرف مسلمانوں پر ہے اس لحاظ سے ارشاد ہوا دیا لمومنین رؤف رحیم۔ ۳؎ یعنی تقسیم میراث میں پہلے تو ذوی فرض وارثوں کو ان کے مقرر کردہ حصے دو، یہ حضرات کل بارہ ہیں چار مرد آٹھ عورتیں، ان کے حصوں سے جو باقی بچے وہ عصبہ بنفسہ کو دو خواہ بالغ ہو یا نابالغ عصبہ بنفسہ وہ مرد ہے جس کا رشتہ میت سے بغیر عورت کے واسطے کے ہو، جیسے بیٹا، باپ، بھائی وغیرہ: تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ میراث اولًا ذوی فرض کو دی جائے ان سے بچے تو عصبات میں تقسیم ہو: اولٰی بمعنی اقرب ہے: اس سے معلوم ہوا کہ قریبی وارث کے ہوتے ہوئے دور والے وارث کو میراث نہ ملیگی لہذا باپ کے ہوتے دادا محروم ہے، بیٹے کے ہوتے پوتا محروم، بھائی کے ہوتے بھتیجہ محروم، چچا کے ہوتے چچازاد اولاد محروم یہ شریعت کا قاعدہ کلیہ ہے رب تعالٰی فرماتا ہے مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ اس کے مال سے حصے یا تو جو ماں باپ یا قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہے۔ اقربون اسم تفضیل سے معلوم ہوا کہ قریبی کے ہوتے بعید کا رشتہ دار محروم ہے: آج بعض جہلا نے یہ شور مچا رکھا ہے کہ بیٹے کے ہوتے پوتے کو بھی میراث دو مگر وہ یہ نہیں کہتے کہ باپ کے ہوتے دادا وارث ہو: بیٹی کے ہوتے یتیم نواسہ وارث ہو اور بھائی چچا کے ہوتے اس کی یتیم اولاد بھی وارث ہو: یہ حضرات کہتے ہیں کہ مما ترك الوالدین میں ماں باپ دادا دادی سب شامل ہیں، مگر تعجب ہے کہ نانا نانی کو شامل نہیں کرتے: غرضکہ یہ مسئلہ آج تک کسی زمانہ میں کسی مسلمان نے نہ کہا، اب چودہ سو برس کے بعد ان کو سوجھا:

الْمُسْلِمَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ؛ وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِهِمْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ؛ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِبْنُ اُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَذُكِرَ حَدِيْثُ عَائِشَةَ اِنَّمَا الْوَلَاءُ فِيْ بَابٍ قَبْلَ بَابِ السَّلَمِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ الْبَرَاءِ اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْاُمِّ فِيْ بَابِ بُلُوْغِ الصَّغِيْرِ وَحِضَانَتِهِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى ؛

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ ؛ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَوَارَثُ اَهْلُ مِلَّتَيْنِ شَتّٰى رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

مسلمان کا ۱؎ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا قوم کا آزاد کردہ غلام ان ہی سے ہے ۲؎ (بخاری) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قوم کا بھانجا ان ہی سے ہے ۳؎ (مسلم بخاری) اور حضرت عائشہ کی حدیث انما الولاء باب السلم سے پہلے والے باب میں ذکر کردی گئی اور حضرت براء کی حدیث کہ خالہ ماں کے درجے میں ہے انشاءاللہ بچے کے بلوغ اور ان کی پرورش کے باب میں ذکر کی جائے گی ۴؎ دوسری فصل روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو مختلف دین والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ۵؎ (ابوداؤد، ابن ماجہ، اور ترمذی نے)

۱؎ یعنی کفر و اسلام کا فرق میراث سے مانع ہے، لہذا مومن باپ کی میراث کافر بیٹا نہ پائیگا اور کافر بیٹے کی میراث سے مومن باپ کو کچھ نہ ملیگا مگر کفر ایک ہی ملت ہے، لہذا یہودی باپ کی میراث عیسائی بیٹے کو مل جائیگی سعید ابن مسیب، امیر معاویہ، معاذ ابن جبل وغیرہم فرماتے ہیں کہ مومن وارث تو کافر کی میراث حاصل کرے گا مگر کافر وارث مومن کی میراث نہ پائے گا۔ الاسلام یعلو ولا یعلی، مگر جمہور صحابہ و فقہاء کا قول ہے جو ہم نے عرض کیا کہ دو طرفہ میراث نہ ملے گی، مرتد کسی کا وارث نہیں ہمارے ہاں زمانہ ارتداد کی کمائی بیت المال کی ہے اور زمانہ اسلام کی کمائی وارثوں کی، امام شافعی کے ہاں مرتد کسی کا وارث نہیں۔ ۲؎ یعنی آزاد کردہ غلام بھی عصبہ سببی ہونے کی وجہ سے وارث ہے کہ اگر اوپر کے وارث نہ ہوں تو اسے میراث ملے گی۔ ۳؎ یعنی بھانجہ بھی ذوی الارحام ہونے کی وجہ سے وارث ہے کہ اگر ذوی فروض و عصبہ وارث نہ ہوں تو اسے میراث مل سکتی ہے یہی قول امام اعظم کا ہے دوسرے اماموں کے ہاں ذوی رحم وارث نہیں، یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔ خیال رہے کہ ذوی رحم دس قسم کے ہیں نواسے، بھانجے، بھتیجی، چچا کی بیٹی، پھوپھی کی بیٹی، ماموں، خالہ، نانا، ماں کا چچا، پھوپھی، اخیافی بھائی کی اولاد، ان کی پوری تفصیل ہماری کتاب علم المیراث میں ملاحظہ فرمائیے۔ ۴؎ یعنی دو حدیثیں مصابیح میں یہاں تھیں ہم نے مناسبت کی وجہ سے ان مقامات میں درج کیں ۵؎ شتیٰ اشتیت سے بنا بمعنی متفرق، حق یہ ہے کہ شتیٰ ملتین کی صفت ہے نہ کہ اہل کی، مختلف دین سے مراد کفر و اسلام ہے، اسکی شرح ابھی گذری جو پہلی حدیث ہے جس میں ارشاد ہوا کہ کافر مومن کا وارث نہیں، یہ امام اعظم کا قول ہے، مگر امام شافعی کے ہاں یہ حدیث بالکل ظاہر پر ہے، وہ اس حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ یہودی عیسائی کا وارث نہیں، اور عیسائی یہودی کا وارث نہیں یوں ہی مشرک مجوسی اور مجوسی مشرک کا وارث نہیں، بعض علماء نے فرمایا کہ اہل کتاب تو ایک دوسرے کے وارث ہیں۔

عَنْ جَابِرٍ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْقَاتِلُ لَا یَرِثُ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ ۔ وَعَنْ بُرَیْدَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ لِلْجَدَّةِ السُّدُسَ اِذَا لَمْ تَكُنْ دُوْنَهَا اُمٌّ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ ۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَهَلَّ الصَّبِیُّ صُلِّیَ عَلَیْهِ وَوُرِثَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ ۔

حضرت جابر سے روایت کی ؛ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قاتل وارث نہیں ہوتا ؎۱ (ترمذی، ابن ماجہ) ؛ روایت ہے حضرت بریدہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کے لیے چھٹا حصہ مقرر فرمایا جب کہ اس کے اوپر ماں موجود نہ ہو ؎۲ (ابوداؤد) ؛ روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بچہ چیخے تو اس پر نماز پڑھی جائے اور اسے وارث بنایا جائے گا ؎۳ (ابن ماجہ، دارمی) ؛ روایت ہے

مگر مشرک مجوسی اور اہل کتاب ایک دوسرے کے وارث نہیں، لہذا عیسائی، یہودی کی میراث مجوسی یا بت پرست نہیں پائیگا وہ حضرات ملتین کے معنی آسمانی اور غیر آسمانی دین کرتے ہیں، مگر مذہب احناف قوی ہے، اولًا تو اس لئے کہ اس حدیث کی شرح خود حضور انور نے فرمادی کہ کافر مومن کا اور مومن کافر کا وارث نہیں، خود صاحب حدیث کی شرح دوسری شرحوں سے اعلٰی ہے؛ دوسرے یہ کہ حضور انور نے فرما دیا الکفر ملۃ واحدۃ، کفر ایک ہی دین ہے۔ تو دنیا میں دو ہی دین ہوئے کفر یا اسلام، انہیں ملتین فرمانا بالکل درست ہوا: خیال رہے کہ موانع میراث چار چیزیں ہیں: اختلاف دین، اختلاف ملک، مگر کفار کے لیے قتل، عبدیت ؛ ؎۱ یعنی اگر کوئی رشتہ دار اپنے عزیز کو قتل کردے تو قاتل اس عزیز کی میراث نہ پائیگا، مگر اس قتل میں کچھ شرطیں ہیں، ایک یہ کہ قاتل عاقل بالغ ہو، بچہ یا مجنون دیوانگی میں قتل کردے تو وارث ہے؛ دوسرے یہ کہ قتل ظلمًا ہو اپنی جان بچانے کیلیے یا قصاصًا یا حدًا قتل کیا تو میراث سے محروم نہیں؛ تیسرے یہ کہ قتل موجب قصاص یا کفارہ ہو، اگر ایسا قتل ہے جس میں نہ قصاص ہے نہ کفارہ، تو وہ میراث سے محروم نہ کرے گا؛ اس کی تفصیل ہماری کتاب علم المیراث میں ملاحظہ فرمائیے (از مرقات) ؎۲ آپ بریدہ ابن حصیب اسلمی ہیں، غزوۂ بدر سے پہلے اسلام لائے، مگر بدر میں شریک نہ ہو سکے، بیعۃ الرضوان میں شریک تھے، مدینہ منورہ میں رہے، آخر میں بصرہ قیام رہا، پھر جہاد کرتے ہوئے، خراسان پہنچے، وہاں ہی یزید ابن معاویہ کے زمانہ میں ۶۲ھ مقام مرو میں وفات پائی، آپ سے بہت صحابہ نے روایات لی ہیں (مرقات) ؎۳ یعنی دادی، نانی کی میراث چھٹا حصہ ہے لیکن اگر میت کی ماں موجود ہے تو دادی بھی محروم اور نانی بھی، کیونکہ ان دونوں کے لیے حاجب ہے؛ حجب اور منع میں فرق یہ ہے کہ کسی عزیز کا دوسرے عزیز کو محروم کردینا حجب حرمان کہلاتا ہے اور اس کا حصہ کم کردینا حجب نقصان ہے، مگر خود وارث کی اپنی حالت کا اسے میراث سے محروم کردینا منع ہے۔ جیسے کفر و غلام ہونا، قتل ماں دونوں قسم کی دادی نانی کے لیے حاجب ؛ بحرمان ہے: خیال رہے دادی کا کل حصہ سدس یعنی چھٹا ہے۔ لہذا اگر میت کی دادی بھی ہے نانی بھی، تو ان دونوں کو چھٹا حصہ ملیگا جسے وہ آپس میں تقسیم کرلیں گے ؛ چنانچہ حاکم نے حضرت عبادہ ابن صامت سے روایۃً فرمایا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے چھٹا حصہ دادی نانی میں تقسیم فرمایا: اور دادی باپ سے بھی محروم ہوجاتی ہے مگر نانی صرف ماں سے محروم ہوگی: اس کی تفصیل ہماری کتاب علم المیراث اور سراجی و شریفی میں ملاحظہ فرمائیے۔ ؎۴ یعنی اگر بچہ زندہ پیدا ہو اور اس کی زندگی اس کے رونے یا

وَعَنْ كَثِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ وَحَلِيْفُ الْقَوْمِ مِنْهُمْ وَابْنُ اُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ ۞ وَعَنِ الْمِقْدَامِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوْلٰى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِّنْ نَّفْسِهٖ فَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا اَوْ ضَيْعَةً فَاِلَيْنَا وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ وَاَنَا مَوْلٰى مَنْ لَّا مَوْلٰى لَهٗ اَرِثُ مَالَهٗ وَاَفُكُّ عَانَهٗ وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَّا وَارِثَ لَهٗ يَرِثُ مَالَهٗ وَيَفُكُّ عَانَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ

حضرت کثیر ابن عبداللہ سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کا آزاد کردہ غلام ان ہی میں سے ہے اور قوم کا حلیف ان ہی سے ہے ۲؎ اور قوم کا بھانجا ان ہی میں سے ہے ۳؎ (دارمی) روایت ہے حضرت مقدام سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں ہر مسلمان کا اس کی جان سے زیادہ والی ہوں جو قرض یا بال بچے چھوڑے وہ ہمارے سپرد ہے ۴؎ اور جو مال چھوڑے تو وہ اسکے وارثوں کا ہے ۵؎ میں اسکا والی ہوں جسکا کوئی والی نہیں میں اسکے مال کا وارث ہونگا ۶؎ اور اسکے قیدی کو چھوڑاؤنگا اور ماموں اسکا وارث ہے جسکا کوئی وارث نہیں کہ اس کے مال کا وارث ہوگا ۷؎ اور اسکا قیدی چھوڑائیگا ۸؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں

چھینکنے یا حرکت کرنے سے معلوم ہوجائے پھر مر جائے تو اسکی تجہیز و تکفین بھی ہوگی جنازہ بھی اور وہ وارث بھی ہوگا مورث بھی، اگر مرا ہوا پیدا ہو تو ان میں سے کوئی کام نہ ہوگا: اگر میت کی بیوی حاملہ ہے تو تقسیم میراث کے وقت حمل کا حصہ محفوظ رکھا جائیگا، اگر بچہ زندہ پیدا ہوا تو یہ حصہ اس ہی کا ہوگا اور اگر مردہ پیدا ہوا تو یہ موقوف رکھا ہوا حصہ انہیں وارثوں میں تقسیم کردیا جائیگا جن کے حصے سے کاٹ لی گئی تھی: میراث حمل کی تفصیل بحث علم المیراث میں ملاحظہ فرمایئے: بعض ائمہ صرف بچہ کے چیخنے پر تو اسے میراث دیتے ہیں، دوسری علامات حیات پر نہیں دیتے وہ اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں مگر امام اعظم، شافعی، اوزاعی، سفیان ثوری وغیرہم کا یہی فرمان ہے جو ہم نے عرض کیا، وہ فرماتے ہیں کہ یہاں چیخنے سے مراد علامت حیات ہے چونکہ اکثر بچے چیختے ہوئے پیدا ہوتے ہیں اسلئے چیخنے کا ذکر ہوا۔ ۱؎ آپ کثیر ابن عبداللہ ابن عمرو ابن عوف مزنی مدنی ہیں، تبع تابعین میں سے ہیں مگر کثیر کو اشعری میں ضعیف متروک الحدیث فرمایا، کثیر کے والد عبداللہ تابعی ہیں، اور دادا عمرو ابن عوف صحابی۔ ۲؎ غلام کی وراثت کا ذکر تو پہلے ہوچکا: حلیف سے مراد مولی موالات ہے جس سے میت نے زندگی میں معاہدہ کیا ہو کہ تو میرا وارث اور میں تیرا وارث جو پہلے مرے اسکا مال دوسرا لے: اسے بھی بعض صورتوں میں میراث ملجاتی ہے جبکہ اس کے اوپر وارثین موجود نہ ہوں، اسکی مکمل بحث علم المیراث میں ملاحظہ فرمایئے ۳؎ بھانجا ذوی الرحم وارث ہے اور ذوی رحم کو بھی میراث ملجاتی ہے جبکہ ذوی فرض عصبہ وغیرہ اوپر کے وارث نہ ہوں، ہم ذوی رحم کی تعداد پہلے بیان کرچکے ہیں۔ ۴؎ کہ اسکا قرض بھی ہم ادا کریں گے اور اس کے یتیم بچوں کو بھی ہم پالیں گے اسکی شرح ابھی کچھ پہلے گزر گئی۔ ۵؎ ہم اس مال سے کچھ نہ لیں گے بلکہ تجہیز و تکفین، ادائے قرض، اجرائے وصیت کے بعد اس کے وارثوں کا ہوگا۔ ۶؎ یعنی اگر میت کا کوئی وارث نہ ہو تو اسکا مال بیت المال میں جائیگا کہ بیت المال اللہ رسول کا ہے، لہذا یہ حدیث اسکے خلاف نہیں کہ حضرات انبیاء کرام نہ کسی کے وارث ہوں نہ مورث۔ ۷؎ یعنی جس میت کا ذوی فرض و عصبہ نہ ہو اس کے وارث ماموں خالہ وغیرہ تمام ذوی رحم بالترتیب ہیں، اور اگر غیر ردی ذوی فرض ہے جیسے بیوی یا خاوند تو بھی ذوی رحم وارثوں کو میراث ملے گی: خیال رہے کہ ذوی رحم کی وراثت کے امام شافعی و

وَاَنَا وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهٗ اَعْقِلُ عَنْهُ وَاَرِثُهٗ وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهٗ يَعْقِلُ عَنْهُ وَيَرِثُهٗ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ ؕ وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحُوْزُ الْمَرْاَةُ ثَلٰثَ مَوَارِيْثَ عَتِيْقَهَا وَلَقِيْطَهَا وَوَلَدَهَا الَّذِيْ لَاعَنَتْ عَنْهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ ؕ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا رَجُلٍ عَاهَرَ بِحُرَّةٍ اَوْ اَمَةٍ فَالْوَلَدُ وَلَدُ زِنًا لَا يَرِثُ وَلَا يُوْرَثُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

وارث ہوں اس کا جس کا کوئی وارث نہیں کہ اس کی دیت بھی دوں گا اور اس کا وارث بھی ہوں گا[۱] اور ماموں وارث ہے اس کا جس کا کوئی وارث نہ ہو کہ اس کی دیت دے گا اور میراث لے گا (ابوداؤد) روایت ہے حضرت واثلہ ابن اسقع سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت تین میراثیں سمیٹتی ہے[۲] اپنے آزاد کردہ غلام کی اپنے پڑے پائے بچہ کی اور اپنے اس بچہ کی جس پر اس نے لعان کیا[۳] (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص آزاد عورت یا لونڈی سے زنا کرے تو بچہ حرام کا ہے کہ نہ وہ اس کا وارث ہو اور نہ اس کا وارث[۴] (ترمذی)

امام مالک شافعی کے ہاں ذوی فروض و عصبہ کے نہ ہونے پر مال بیت المال میں جائیگا، مگر ہمارے ہاں ذوی رحم بھی وارث ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اس آیت نے عقد مواخات کی میراث کو منسوخ فرما کر رشتہ داروں کو وارث بنایا اور ان میں ذی رحم وارثوں کو لے لیا، نیز سہل ابن حنیف جب قتل کئے گئے، تو ان کا ایک ماموں ہی تھا اور کوئی عزیز نہ تھا حضرت ابوعبیدہ ابن جراح نے جناب عمر کو اس کے متعلق لکھا تو آپ نے جواب دیا کہ حضور انور نے فرمایا جسکا کوئی وارث نہ ہو اسکا ماموں وارث ہے، نیز جب ثابت ابن جراح کا انتقال ہوا تو حضور انور نے حضرت قیس ابن عاصم سے فرمایا کیا تم میں کوئی ان کا عزیز قریبی بھی ہے، انہوں نے عرض کیا وہ مسافر تھے، انکا عزیز سوائے ابولبابہ ابن عبدالمنذر کے جو ان کے بھانجے ہیں، اور کوئی نہیں، حضور انور نے انہیں کو وارث بنایا، جن روایات میں ہے کہ پھوپھی خالہ وارث نہیں، اسکا مطلب یہ ہے کہ ذوی فروض یا عصبہ کے ہوتے ہوئے یہ لوگ وارث نہیں، لہٰذا مذہب حنفی بہت قوی ہے (مرقات)[۵] یعنی بھانجے کی دیت ماموں دیگا اور اگر بھانجہ قید ہو جائے تو ماموں فدیہ دے کر چھڑائیگا۔[۶] یعنی لاوارث کی دیت بیت المال سے دی جائے گی اور اسکا متروکہ مال بیت المال میں داخل ہوگا، جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، دیت اور فدیہ کے مسائل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے اور ہم ان شاء اللہ باب الدیت میں عرض کریں گے۔[۷] اسطرح کہ یہ میراثیں مرد کو نہیں ملتیں صرف عورت کو ملتی ہیں۔[۸] عورت کے آزاد کردہ غلام کی دیت یا وراثت صرف عورت ہی کو ملے گی نہ کہ اس کے خاوند کو، پڑے ہوئے بچہ کی میراث عورت کو ملنا منسوخ ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر اس بچہ کا اور کوئی وارث نہ ہو تو اجنبی لوگوں کے مقابل اس عورت کو اس کا مال دے دینا بہتر ہے۔ حرام کا بچہ یوں ہی وہ بچہ جسکا باپ نے انکار کرکے اسپر لعان کر لیا ان دونوں کی میراث صرف ماں کو ملے گی کہ ان کا باپ تو کوئی ہے ہی نہیں: خیال رہے کہ اسحاق ابن راہویہ فرماتے ہیں کہ لقیط یعنی پڑے ہوئے بچہ کا مال پانے والے کو ملے گا: اس حدیث کی بنا پر، مگر باقی تمام ائمہ اس کے انکاری ہیں، ان کے ہاں یہ جزو منسوخ ہے یا اس کا وہ مطلب ہے جو ابھی عرض کیا گیا (لمعات و مرقات)، یہ حدیث قوی نہیں[۹] یعنی حرامی

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ مَوْلًى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَتَرَكَ شَيْئًا وَلَمْ يَدَعْ حَمِيْمًا وَلَا وَلَدًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطُوْا مِيْرَاثَهٗ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ قَرْيَتِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ مَاتَ رَجُلٌ مِّنْ خُزَاعَةَ فَاُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِيْرَاثِهٖ فَقَالَ الْتَمِسُوْا لَهٗ وَارِثًا اَوْ ذَا رَحِمٍ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهٗ وَارِثًا وَلَا ذَا رَحِمٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطُوْهُ الْكُبْرَ مِنْ خُزَاعَةَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَفِيْ

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام فوت ہوگیا اس نے کچھ مال چھوڑا[۱] اور نہ کوئی قرابت دار چھوڑا نہ اولاد تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی میراث اس کے کسی بستی والے کو دے دو[۲] (ابوداؤد، ترمذی)، روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ بنی خزاعہ[۳] کا ایک شخص فوت ہوگیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی میراث لائی گئی تو فرمایا اس کا کوئی وارث یا ذی رحم ڈھونڈو تو نہ اس کا کوئی وارث پایا اور نہ ذی رحم[۴] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میراث خزاعہ کے کسی قریبی کو دیدو[۵] (ابوداؤد) اور اسکی ایک

بچے کی وارث صرف ماں اور ماں کے قرابت دار ہوں گے، نانی، خالہ ماموں وغیرہ اور وہ بچہ ان لوگوں کا وارث ہوگا مگر یہ زانی باپ اور اس کے عزیز نہ تو حرامی بچے کے وارث نہ وہ بچہ انکا وارث کہ یہ بچہ نسبًا اس باپ سے ہے ہی نہیں، صرف ماں سے ہے: یہاں باپ اور باپ کے عزیزوں کی میراث کی نفی ہے، اور ماں کی میراث کا ثبوت پچھلی حدیث میں گزر گیا کہ لعان والے بچہ کی وارث ماں ہے، لعان اور زنا کے بچوں کا ایک ہی حکم ہے، کہ ان کا نسب صرف ماں سے ہے۔ [۱] اس غلام کا نام معلوم نہ ہو سکا کہ کون صاحب تھے۔ [۲] حضور انور نے اس مرحوم غلام کا مال خود نہ لیا، حالانکہ ایسے موقعہ پر آزاد کرنے والا مولیٰ میراث پاتا ہے کیونکہ حضور انور نبی ہیں، اور حضرات انبیاء نہ کسی کے وارث ہوں نہ ان کا کوئی وارث ہو جیسا کہ دوسری احادیث میں صراحۃً ارشاد ہے: اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ اسکا مال بیت المال کا ہے۔ اور بیت المال تمام مسلمانوں کا سلطان اسلام کا حق ہوتا ہے کہ بیت المال کا مال جس مسلمان پر چاہے خرچ کرے، اس حیثیت سے حکم دیتے ہیں کہ اس کے کسی بستی والے کو دے دو کہ وہ بھی تو مسلمان ہی ہوگا جسکا بیت المال میں حق ہے لہذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایسے لاوارث کا متروکہ مال اس کے کسی بستی والے کو دے دیا جائے بلکہ مطلب وہ ہی ہے جو عرض کیا گیا (از لمعات و مرقات)۔ [۳] خزاعہ عرب کا بڑا مشہور قبیلہ ہے۔ [۴] یہاں وارث سے مراد ذی فرض یا عصبہ وارث ہے جیسا کہ ذی رحم کے مقابلہ سے معلوم ہو رہا ہے: اس سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ ذی رحم کو میراث مل سکتی ہے۔ [۵] شیخ نے اشعہ میں فرمایا کہ کُبر کاف کے پیش ب کے جزم سے، وہ شخص جو قوم کے مورث میں میت سے ملتا ہو ایسے شخص کو میراث سے کچھ نہیں ملتا، حضور انور کا یہ دلوانا بطور میراث نہ تھا بلکہ بیت المال کے مصرف ہونے کی حیثیت سے تھا کہ یہ مال ہے تو بیت المال کا، اور چونکہ بیت المال کا مال مسلمانوں پر خرچ ہوتا ہے اور یہ شخص بھی مسلمان ہے لہذا ہم سلطان اسلام کی حیثیت سے حکم دیتے ہیں کہ اُسے دے دو، علامہ شامی نے فرمایا کہ دادا کے چچا اور اس چچا کی اولاد تک توارث ہوتا ہے جو اس سے اوپر سلسلے ملے، وہ وارث نہیں ورنہ سارے ہی انسان آدم علیہ السلام میں مل جاتے ہیں: سب ایک دوسرے کے وارث ہونا چاہئیں، انہی شامی نے یہ بھی فرمایا کہ اب فی زمانہ

رِوَايَةٍ لَهُ قَالَ انْظُرُوْا اَكْبَرَ رَجُلٍ مِنْ خُزَاعَةَ ۔ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اِنَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا اَوْ دَيْنٍ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ وَاِنَّ اَعْيَانَ بَنِي الْاُمِّ يَتَوَارَثُوْنَ بَنِي الْعَلَّاتِ الرَّجُلُ يَرِثُ اَخَاهُ لِاَبِيْهِ وَاُمِّهِ دُوْنَ اَخِيْهِ لِاَبِيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَةِ الدَّارِمِيِّ قَالَ الْاِخْوَةُ مِنَ الْاُمِّ يَتَوَارَثُوْنَ دُوْنَ بَنِي الْعَلَّاتِ اِلٰى اٰخِرِهٖ ۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَاَةُ

روایت میں یوں ہے فرمایا خزاعہ کے کسی بڑے آدمی کو دیکھو ۱ ۔ روایت ہے حضرت علی سے فرمایا تم یہ آیت پڑھتے ہو کہ تمہاری کی ہوئی وصیت کے یا قرض کے بعد حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض کا وصیت سے پہلے حکم دیا ہے ۲ اور حکم دیا ہے کہ ماں والی اولاد وارث ہوگی نہ کہ علاتی اولاد ۳ آدمی اپنے حقیقی بھائی کا وارث ہوگا نہ کہ علاتی بھائی کا ۴ (ترمذی، ابن ماجہ) ۔ اور دارمی کی روایت میں یوں ہے کہ ماں جائے بھائی بہن آپس میں وارث ہوں گے نہ کہ علاتی بھائی الخ ۵ ۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ سعد ابن ربیع کی بیوی

حتی الامکان بیت المال میں کسی کا ترکہ نہ بھیجو کہ وہ عموماً ظالموں کے قبضہ میں ہوتا ہے، بلکہ اب جسکا کوئی وارث نہ ہو اس کے بستی والے کو دے دو، مسلمانوں میں تقسیم کردو، حتی کہ غیر ردی وارثوں پر رد کردو مگر بیت المال سے مسلمانوں کا متروکہ مال بچاؤ۔ ۱ یہاں بھی اکبر رجل میں دو احتمال ہیں یا اکبر سے مراد بڑے قرب والا یا گاؤں کا بڑا آدمی، چودھری نمبردار یعنی اس بستی میں جو اس مرنے والے سے بہت قریبی قرابت رکھتا ہو اسے دو یا جو بڑا آدمی ہو اسے میراث دو کہ وہ اپنے انتظام سے لوگوں میں تقسیم کرے خود بھی لے دوسروں کو بھی دے کھائے بھی کھلائے بھی۔ ۲ خلاصہ یہ ہے کہ آیت کریمہ میں وصیۃ کا ذکر قرض سے پہلے فرمایا گیا کہ ارشاد ہوا، پہلے وصیت ہے پھر قرض مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائے قرض کو وصیت پر مقدم فرمایا کہ تجہیز و تکفین کے بعد میت کا قرض ادا کرو پھر بعد ادائے قرض تہائی مال سے وصیت جاری کرو پھر میراث تقسیم کرو۔ حضور انور کا یہ عمل قرآن کریم کے مخالف نہیں، بلکہ اسکی تفسیر ہے جس سے بتا دیا گیا کہ قرض ذکر میں پیچھے ہے مگر عمل میں پہلے چونکہ وارثوں پر وصیت پوری کرنا شاق گذرتا ہے اور قرض شوق سے ادا کر دیتے ہیں اس لئے اہتماماً پہلے وصیت کا ذکر فرمایا۔ ۳ اعیان جمع عین کی ہے بمعنی ذات اور بنی ام سے مراد اخیافی اولاد نہیں بلکہ حقیقی بھائی مراد ہیں یعنی جو ماں میں بھی شریک ہوں مطلب یہ ہے کہ جس میت سے سگے بھائی بھی ہوں اور باپ شریکے بھی، تو سگے بھائی میراث پائیں گے، باپ شریکے نہ پائیں گے، کہ سگوں کو قوت قرابت حاصل ہے، اسی لیے آپ نے اخیافی نہ فرمایا بلکہ اعیان بنی ام فرمایا اتنی دراز عبارت (مرقات و لمعات و اشعہ وغیرہ) لہذا قرآن شریف میں جو لفظ اخوۃ ارشاد ہوا اس سے دھوکا نہ کھایئے اور اس سے سارے بھائی نہ سمجھ لیجئے سگے ہوں یا سوتیلے۔ ۴ یہ جملہ گذشتہ کلام کی شرح ہے لِاَبِيْهِ وَاُمِّهٖ فرما کر بتا دیا کہ وہاں بنی الام سے مراد ماں میں بھی شریک تھے نہ کہ ماں میں ہی شریک: دیکھو حضرت ہارون نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا یَا ابْنَ اُمَّ اے میرے ماں جائے: حالانکہ آپ حضرت ہارون کے سگے بھائی تھے۔ ۵ اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے کہ سگے بھائی بہن سوتیلوں پر مقدم ہیں ۔

سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ بِابْنَتَيْهَا مِنْ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ قُتِلَ أَبُوهُمَا مَعَكَ يَوْمَ أُحُدٍ شَهِيدًا وَإِنَّ عَمَّهُمَا أَخَذَ مَالَهُمَا وَلَمْ يَدَعْ لَهُمَا مَالًا وَلَا تُنْكَحَانِ إِلَّا وَلَهُمَا مَالٌ قَالَ يَقْضِي اللّٰهُ فِي ذٰلِكَ فَنَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ فَبَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عَمِّهِمَا فَقَالَ أَعْطِ لِابْنَتَيْ سَعْدٍ الثُّلُثَيْنِ وَأَعْطِ أُمَّهُمَا الثُّمُنَ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ

اپنی دو لڑکیاں جو سعد ابن ربیع سے تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں[1] بولیں یا رسول اللہ سعد ابن ربیع کی لڑکیاں ہیں جن کے باپ آپ کے ساتھ احد کے دن شہید ہو کر قتل کر دیئے گئے اور ان کے چچا نے ان کا مال لے لیا[2] کہ ان کے لیے کچھ مال نہ چھوڑا اور بغیر مال ان کا نکاح نہیں کیا جاسکتا ہے[3] حضور نے فرمایا اللہ اس بارے میں فیصلہ فرمائیگا[4] تب میراث کی آیت نازل ہوئی[5] تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لڑکیوں کے چچا کو بلا بھیجا فرمایا سعد کی بیٹیوں کو دو تہائی دے دو اور ان بچیوں کی ماں کو آٹھواں حصہ جو باقی بچے وہ تمہارا[6] (احمد، ترمذی)

[1] سعد ابن ربیع بروزن فعیل، ر کے فتح کے کسرہ سے، یہ سعد ابن ربیع انصاری ہیں خزرجی ہیں بدری ہیں، عقبہ اولیٰ کی بیعت میں شریک رہے، حضرت عبدالرحمن بن عوف سے آپ کا عقد مواخات کرایا گیا، جنگ احد میں شہید ہوئے، اور حضرت خارجہ ابن زید کے ساتھ ایک قبر میں داخل کیے گئے (اشعہ، مرقات)۔ [2] جیسا کہ عرب میں دستور تھا کہ کسی کے فوت ہونے کے بعد اسکا بھائی ساری میراث پر قبضہ کر لیتا تھا، اور اسکی یتیم بچیوں کو محروم کر دیتا تھا، غرضکہ مرحوم کی لڑکیاں میراث نہ پاتی تھیں یا بھائی میراث سمیٹتا تھا یا چچا، بچیاں محروم ہی رہتی تھیں۔ [3] کیونکہ بچیوں کی شادی میں جہیز وغیرہ دینا ہوتا ہے او جہیز بغیر مال تیار نہیں ہوتا، غریب یتیم بچیوں سے کوئی نکاح کرنا پسند نہیں کرتا، مالدار لڑکیاں جلد ٹھکانے لگ جاتی ہیں جیسا کہ آج بھی دیکھا جارہا ہے، یہ قدرتی چیز ہے حسن اور مال پر رجحان ہے۔ [4] ابھی تک میراث کی آیات نہ اتری تھیں اس لیے حضور انور نے خود کچھ فیصلہ نہ فرمایا: خیال رہے کہ میراث کے احکام اکثر قرآن کریم میں وارد ہیں رب تعالٰی نے خود براہ راست میراث کے احکام جاری کئے: تاکہ لوگ میراث میں خوف خدا سے کام لیں۔ [5] یعنی یہ آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ جس میں بیٹے بیٹیوں کے حصے مقرر فرمائے گئے۔ [6] خلاصہ یہ ہے کہ سعد کے مال کے کل چوبیس حصے کرو جن میں سے تین تو انکی بیوی کے ہیں، سولہ انکی لڑکیوں کے اور پانچ بقیہ تمہارے کہ اولاد کے ہوتے بیوی کا آٹھواں حصہ ہوتا ہے، بیوی اور لڑکیاں ذی فرض ہیں اور چچا عصبہ، ما بقی سے معلوم ہوتا ہے کہ بھائی عصبہ ہے کہ اسکا حصہ مقرر نہیں، مرقات نے فرمایا کہ اسلام میں یہ پہلی میراث تقسیم ہوئی، خیال رہے کہ رب تعالٰی نے لڑکیوں کے بارے میں فرمایا فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو دو تہائی کی وارث ہیں اس آیت کی بنا پر حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ دو لڑکیاں بھی ایک لڑکے کی طرح آدھا مال ہی پائیں گی دو سے زیادہ ہوں تو دو تہائی، مگر باقی تمام صحابہ کرام اور علمائے اسلام کا فرمان ہے کہ دو لڑکیاں بھی دو تہائی پائیں گی، یعنی میراث میں دو کی تعداد جمع ہے اور یہ حدیث اس آیت کریمہ کی شرح ہے، قرآن کریم نے اتنی بڑی عبارت فرمائی، یہ نہ فرمادیا کہ اگر لڑکیاں دو ہوں تاکہ کوئی یہ وہم نہ کرے کہ دو

وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ ؕ وَعَنْ هُزَيْلِ بْنِ شُرَحْبِيْلَ قَالَ سُئِلَ اَبُوْمُوْسٰی عَنْ اِبْنَةٍ وَّبِنْتِ ابْنٍ وَّاُخْتٍ فَقَالَ لِلْبِنْتِ النِّصْفُ وَلِلْاُخْتِ النِّصْفُ وَائْتِ ابْنَ مَسْعُوْدٍ فَسَيُتَابِعُنِیْ فَسُئِلَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَاُخْبِرَ بِقَوْلِ اَبِیْ مُوْسٰی فَقَالَ لَقَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ اَقْضِیْ فِيْهَا بِمَا قَضَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْبِنْتِ النِّصْفُ وَلِابْنَةِ الْاِبْنِ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ وَمَا بَقِیَ فَلِلْاُخْتِ فَاَتَيْنَا اَبَا مُوْسٰی فَاَخْبَرْنَاهُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ لَا تَسْاَلُوْنِیْ مَادَامَ هٰذَا

ابوداؤد، ابن ماجہ اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے ۔ روایت ہے حضرت ہزیل ابن شرحبیل سے فرماتے ہیں کہ جناب ابوموسیٰ سے ایک بیٹی، پوتی اور بہن کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا بیٹی کا آدھا اور بہن کا آدھا ہے ۱ اور تم حضرت ابن مسعود کے پاس جاؤ وہ بھی ہماری ہی مطابقت کریں گے ۲ چنانچہ حضرت ابن مسعود سے مسئلہ پوچھا گیا اور حضرت ابوموسیٰ کی بات کی خبر دی گئی وہ بولے تب تو بہک جاؤں گا اور راہ پانے والوں سے نہ ہوں گا ۳ میں تو اس میں وہ فیصلہ کروں گا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا بیٹی کا آدھا ہے اور پوتی کا چھٹا حصہ دو تہائی پوری کرنے والے کو اور جو باقی بچے وہ بہن کا ۴ پھر ہم ابوموسیٰ کے پاس آئے تو ہم نے انہیں حضرت ابن مسعود کے فیصلہ کی خبر دی تو آپ بولے جب تک یہ علامہ تم میں رہے ۵۔

لڑکیوں کو تہائی اور زیادہ کو تہائی اور زیادہ کو اس سے زیادہ ۔ غالبًا ابن عباس کو یہ حدیث پہنچی نہیں، جب ایک بیٹی میت کے بیٹے کے ساتھ تہائی پاتی ہو تو بیٹی کے ساتھ بدرجہ اولیٰ تہائی پائے گی (مرقات) ۔ ۱ سوال یہ تھا کہ ایک شخص فوت ہوا اس نے ایک بیٹی، ایک پوتی، ایک بہن چھوڑی تو کسے کتنا ملے گا ؟ آپ نے فرمایا بیٹی کو آدھا، بہن کو آدھا، اور پوتی محروم ہے، آپ نے ان دو آیتوں پر نظر فرمائی، کہ بیٹی کے متعلق ارشاد ہوا وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ اگر بیٹی اکیلی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے اور بہن کے متعلق ارشاد ہوا ہے اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ کہ اگر کوئی مرگیا اور اس کے اولاد نہیں ہے بہن ہے تو بہن کو آدھا ملے گا: آپ نے ولد سے مراد صلبی اولاد لی، حالانکہ ولد میں پوتی بھی داخل ہے اگر بیٹا بیٹی، پوتا پوتی نہ ہو تو بہن کو آدھا ملتا ہے: یہ ہوئی اجتہادی غلطی یا انہوں نے خیال کیا کہ وہاں آیت میں ولد سے مراد مذکر اولاد ہے۔ ۲ یعنے میرے بتائے ہوئے مسئلہ کی تصدیق حضرت ابن مسعود سے بھی کرالو ان شاء اللہ وہ بھی یہی فتویٰ دیں گے: یہ حدیث فتویٰ کی تصدیق کرانے کی اصل ہے۔ ۳ یعنی ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے مسئلہ غلط بتایا: وہ تو اجتہادی غلطی کی وجہ سے معاف کردیئے جائیں گے، مجھے اصل مسئلہ معلوم ہے اگر میں جانتے ہوئے غلط مسئلہ میں انکی تائید کردوں تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ پھر تو حضرت ابوموسیٰ اشعری گمراہ ہوگئے ہوں گے کہ انہوں نے مسئلہ غلط بتایا کیونکہ وہ خطاء اجتہادی کی بنا پر مسئلہ غلط بتا گئے، خطاء اجتہادی پر پکڑ نہیں جیسا کہ قرآن کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک غلطی اجتہادی کا ذکر تو فرمایا مگر عتاب نہ فرمایا۔ ۴ خلاصہ جواب یہ ہے کہ از روئے قرآن کریم بیٹیوں کا حصہ دو تہائی ہے۔ یہاں لڑکی نے آدھا لے لیا کہ اسکی قرابت میت سے بمقابلہ پوتی کے قوی ہے۔ اب چھٹا حصہ بچا کیونکہ آدھا چھٹے سے مل کر دو تہائی ہو جاتا ہے وہ پوتی کو دے دیا، یہ دونوں ذی فرض تھیں بہن عصبہ ہے اس

الخير فيكم رواه البخاري وعن عمران بن حصين قال جاء رجل إلى رسول الله
صلى الله عليه وسلم فقال إن ابني مات فما لي من ميراثه قال لك السدس فلما
ولى دعاه قال لك سدس آخر فلما ولى دعاه قال إن السدس الآخر طعمة رواه
أحمد والترمذي وأبو داود وقال الترمذي هذا حديث حسن صحيح وعن قبيصة
بن ذؤيب قال جاءت الجدة إلى أبي بكر تسأله ميراثها فقال لها ما لك في كتاب

مجھ سے نہ پوچھو ۱ (بخاری) ؛ روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا میرا بیٹا مر گیا ہے تو اس کی میراث میں میرا کتنا ہے ۲ فرمایا تیرا چھٹا حصہ ہے جب اس نے پیٹھ پھیری تو اسے بلایا فرمایا تیرے لیے دوسرا چھٹا بھی ہے ۳ پھر جب پیٹھ پھیری تو اسے بلایا فرمایا دوسرا چھٹا عطیہ ہے ۴ (احمد ترمذی ابوداؤد) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے ؛ روایت ہے حضرت قبیصہ ابن ذویب سے ۵ فرماتے ہیں حضرت ابوبکر کی خدمت میں نانی حاضر ہوئی آپ سے اپنی میراث مانگتی تھی ۶ تو فرمایا نہ اللہ کی کتاب میں تیرے

کے لیے تہائی بچا ہے۔ وہ اسے دے دو، مال کے چھ حصے کرکے تین بیٹی کو دو، ایک پوتی کو، باقی دو بچے وہ عصبہ بہن کو دے دو۔ حضور فرماتے ہیں اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ بیٹیوں کے ساتھ بہنوں کو عصبہ بناؤ یہی جمہور علماء کا قول ہے۔ مگر حضرت ابن عباس بیٹی کی موجودگی میں بہن کو محروم کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ رب تعالٰی نے مذکورہ آیت میں بہن کی میراث کے لیے ولد نہ ہونے کی قید لگائی ولد سے مراد مطلقًا اولاد ہے بیٹا ہو یا بیٹی، حالانکہ وہاں ولد سے مراد صرف بیٹا ہے، اس لیے حضرت عمر سے آپکا مشہور مناظرہ ہوا، اور حضرت عمر نے یہی جواب دیا تھا۔

۱ یعنی آئندہ جب تک حضرت عبداللہ ابن مسعود زندہ ہیں مجھ سے مسئلہ نہ پوچھو وہ مجھ سے بڑے عالم ہیں، ان سے ہی پوچھا کرو۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ عالم کو چاہیے کہ اپنی غلطی معلوم ہونے پر ضد نہ کرے فورًا رجوع کرلے، رجوع میں اپنی توہین نہ جانے، دوسرے یہ کہ بڑے عالم کے ہوتے ماتحتوں کی تقلید نہ کرے، یہ حدیث تقلید شخصی کی اصل ہے کہ ایک عالم مجتہد کا ہوکر رہے ہر جگہ نہ بھٹکے۔ ۲ اس مرحوم کی دو بیٹیاں تھیں، ایک باپ دونوں بیٹیوں کا دو تہائی جو سائل کو معلوم تھا باپ کے حصے کی خبر نہ تھی اسلئے اس نے صرف باپ کا حصہ پوچھا۔ ۳ خلاصہ یہ ہے کہ تیرے بیٹے کے ترکہ کے مال کے چھ حصے ہوں گے، چار تو دو بیٹیوں کے یعنی دو تہائی، اور ایک تیرا یعنی چھٹا حصہ تو ذی فرض ہے تیرا حق چھٹا حصہ ہے، باقی بچا ایک؛ وہ بھی تجھے ہی ملیگا مگر عصبہ؛ معلوم ہوا کہ بیٹیوں کے ہوتے باپ ذی فرض بھی ہے اور عصبہ بھی، یہی تمام علماء کا مذہب ہے۔ ۴ یعنی ذی فرض ہونے کی حیثیت سے تو تیرا حصہ چھٹا حصہ ہی تھا، اب جو دوبارہ تجھے چھٹا حصہ اور دیا گیا وہ عصبہ ہونے کی حیثیت سے ہے کہ تو عصبہ بھی ہے کہ بچا ہوا بھی تو ہی پائیگا

۵ قبیصہ بروزن کریمہ ہے اور ذویب ذال کے پیش واو کے کسرہ سے آپکو ابن عبدالبر نے تو صحابی مانا ہے اور سنہ ۱ھ میں پیدائش ثابت کی ہو۔ دوسرے محدثین انہیں تابعی مانتے ہیں آپ فقہاء مدینہ سے ہیں چنانچہ سعید ابن مسیب، عروہ ابن زبیر، عبدالملک ابن مروان، قبیصہ ابن ذویب یہ چار حضرات فقہاء مدینہ سے مانے جاتے تھے سنہ ۸۶ھ میں آپکی وفات ہوئی (اشعہ، مرقات، اکمال) ۶ اس نے عرض کیا کہ میرا اولاد بنت یعنی نواسا فوت ہوگیا ہے میرا حصہ میراث کا مجھے،

اللہِ شیءٌ وَمَا لَكِ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ فَارْجِعِي حَتّٰى أَسْأَلَ النَّاسَ فَسَأَلَ فَقَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ حَضَرْتُ رَسُولَ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهَا السُّدُسَ فَقَالَ أَبُوبَكْرٍ هَلْ مَعَكَ غَيْرُكَ فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمَةَ مِثْلَ مَا قَالَ الْمُغِيرَةُ فَأَنْفَذَهُ لَهَا أَبُوبَكْرٍ ثُمَّ جَاءَتِ الْجَدَّةُ الْأُخْرٰى إِلٰى عُمَرَ تَسْأَلُهُ مِيرَاثَهَا فَقَالَ هُوَ ذٰلِكَ السُّدُسُ فَإِنِ اجْتَمَعْتُمَا فَهُوَ بَيْنَكُمَا وَأَيَّتُكُمَا خَلَتْ بِهٖ فَهُوَ لَهَا رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُودَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ ٭ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ فِي

لیے کچھ ہے اور نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تجھے کچھ ملے گا[۱] ابھی تو لوٹ جا حتی کہ میں لوگوں سے پوچھ گچھ کرلوں[۲] چنانچہ آپ نے پوچھا تو حضرت مغیرہ ابن شعبہ نے عرض کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھا آپ نے دادی کو چھٹا حصہ دیا تھا ابوبکر صدیق نے فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی گواہ ہے[۳] تب محمد ابن مسلمہ نے ویسا ہی کہا جو مغیرہ نے کہا تھا چنانچہ جناب صدیق نے دادی کیلیے چھٹا حصہ جاری کردیا[۴] پھر دوسری جانب کی دادی حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئیں[۵] آپ سے اپنی میراث مانگی تھیں تو فرمایا دادی کی میراث یہی چھٹا حصہ ہے[۶] اگر تم دونوں (دادی نانی) جمع ہوجاؤ تو وہ تم دونوں میں ہوگا اور تم میں سے جو اکیلی ہو تو وہ اس کا ہوگا[۷] (مالک، احمد، ترمذی، ابوداؤد، دارمی، ابن ماجہ)٭ روایت ہے حضرت ابن مسعود سے وہ دادی کے

دلوایا جائے یہاں جدہ یعنی نانی ہے جیسا کہ دوسری روایات سے ثابت ہے (مرقات)٭ [۱] یعنی جہاں تک میرا علم ہے حدیث شریف میں بھی دادی نانی کا حصہ کچھ نہیں، یہاں نفی اپنے علم کے اعتبار سے ہے٭ [۲] اس زمانہ میں کسی کو مسئلہ بتانا آسان نہ تھا، ایک مسئلہ کیلیے صدہا حدیث تلاش کرنا پڑتی ہے: اللہ تعالٰی فقہاء کرام کا بھلا کرے کہ وہ حضرات ہمارے لیے علم فقہ کو پانی بنا گئے، کہ کوئی مسئلہ ہو کتاب باب فصل نکالو اور بتادو۔ اسی لئے حضور نے فرمایا تھا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے، جتنی خدمت علماء اسلام نے کی، اتنی خدمت کسی دین کے عالموں نے اپنے دین کی نہ کی۔ [۳] گواہ مانگنا احتیاطًا تھا تاکہ لوگ حدیث بیان کرنے پر دلیر نہ ہوجائیں: نیز اس حدیث سے حقوق العباد متعلق تھے، اس وجہ سے یہ احتیاط برتی ورنہ صحابہ سارے عادل ہیں، ہر ایک کی روایت معتبر ہے۔ [۴] یعنی ورثاء کو حکم دے دیا کہ دادی کو چھٹا حصہ دیں، چونکہ حکم فرمانے والے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اس پر عمل کرانے والے ابوبکر صدیق، اس لیے یہ عبارت استعمال ہوئی، یوں ہی بادشاہ اسلام حضور انور کے احکام جاری کرنے والا ہے حاکم اللہ رسول ہیں۔ [۵] یا تو پہلے نانی آئی تھی اب دادی آئی یا اس کے برعکس اول معنی زیادہ قوی ہیں جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ پھر میت کے باپ کی ماں آئی اور اس نے حضرت عمر کی خدمت میں عرض کیا کہ بمقابلہ نانی کے میرا حق میراث میں زیادہ ہے کہ اگر میں مرجاتی تو میرا یہ پوتا وارث ہوتا، اگر نانی مرتی تو اسکا یہ نواسہ وارث نہ ہوتا، جب وہ مرحوم میرا وارث ہوتا ہے نہ کہ نانی کا، تو چاہیئے کہ میں ہی اس کی وارث ہوں نہ کہ نانی لہذا مجھے میراث واپس دلوائی جائے (مرقات)٭ [۶] یعنی اس چھٹے حصے میں تو بھی شریک ہے کہ آدھا تیرا آدھا نانی کا٭ [۷] یہ جملہ گذشتہ مضمون کا بیان ہے، جمہور صحابہ اور قریبًا تمام فقہاء وعلماء کا یہی مذہب ہے، کہ اگر نانی یا دادی اکیلی ہو تو پورا چھٹا حصہ اسے ملے گا، اور اگر دونوں ہوں، تو یہی چھٹا حصہ دونوں میں آدھا آدھا مگر حضرت عبداللہ

الْجَدَّةِ مَعَ ابْنِهَا إِنَّهَا أَوَّلُ جَدَّةٍ أَطْعَمَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُدُسًا مَعَ ابْنِهَا وَابْنُهَا حَيٌّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ ضَعَّفَهُ ؛ وَعَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ سُفْيَانَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَيْهِ أَنْ وَرِّثْ امْرَأَةَ أَشْيَمَ الضِّبَابِيِّ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَعَنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا السُّنَّةُ فِي الرَّجُلِ

متعلق جو اپنے بیٹے کے ساتھ ہو فرماتے ہیں کہ یہ پہلی وہ دادی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے کے ساتھ جبکہ بیٹا زندہ ہو چھٹا حصہ دیا [1] (ترمذی، دارمی) ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف بتایا؛ روایت ہے حضرت ضحاک ابن سفیان سے [2] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر نہیں فرمایا کہ اشیم ضبابی کی بیوی کو ان کے خاوند کی دیت سے ورثہ دو [3] (ترمذی، ابوداؤد) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے؛ روایت ہے حضرت تمیم داری سے [4] فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اس مشرک آدمی کے متعلق

ابن عباس فرماتے ہیں کہ ماں کے نہ ہونے پر نانی ماں کی جگہ ہوگی کہ اگر میت کے اولاد بھائی بہن نہ ہوں تو نانی کو تہائی، اور اگر ہوں تو پورا چھٹا حصہ، شاید یہ حدیث انہیں پہنچی نہیں۔ [1] اس سے معلوم ہوا کہ دادی باپ کے ہوتے بھی میراث پائے گی، باپ کی وجہ سے محروم نہ ہوگی، یہی چند صحابہ اور بعض فقہاء کا مذہب ہے، عام صحابہ و علماء فرماتے ہیں کہ باپ کے ہوتے دادی محروم ہے: یہ حدیث اولاً تو ضعیف ہے، اگر صحیح بھی ہو تو حضور انور کا یہ فرمان عطیہ بطور میراث نہ تھا بلکہ بغیر توارث ویسے ہی عطا فرمایا، جیسا کہ حکم قرآن ہے کہ اگر تقسیم میراث کے وقت بعض محروم قرابت دار موجود ہوں تو انہیں کچھ دے دو۔ فرمایا وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى ... فَارْزُقُوْهُمْ یا میت کا باپ کافر تھا یا غلام کہ میراث کا مستحق نہ تھا اور محروم وارث دوسرے کو محروم نہیں کرتا (مرقات و لمعات و اشعہ)۔ [2] آپ ضحاک ابن سفیان عامری کلابی ہیں، بڑے بہادر شجاع تھے، آپ اکیلے کو سو پہلوانوں کے برابر سمجھا جاتا تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے آپ سے قریب تلوار لئے کھڑے رہتے تھے، آپ کو حضور انور نے اپنی قوم بنی کلاب کا حاکم بنایا تھا۔ [3] اشیم ضبابی صحابی تھے، ضباب ایک قلعہ کا نام ہے اس طرف آپ کی نسبت ہے یہ خطاءً قتل کئے گئے تھے، قاتل پر دیت یعنی خون بہا واجب ہوا تھا، حضور انور نے حضرت ضحاک کو جو وہاں کے والی تھے یہ لکھا کہ ان کی دیت وارثوں میں تقسیم کرو، چونکہ زوجہ بھی وارث ہے اس لیے اسے بھی بقدر میراث دیت سے حصہ دو: اس حدیث کی بنا پر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ دیت کا مال پہلے تو مقتول کی ملک بنتا ہے، پھر مقتول کے دیگر مالوں کی طرح اس کے وارثوں کو تقسیم حصہ ملتا ہے، مگر حضرت علی کا قول یہ ہے کہ دیت سے اخیافی بھائی بہن، خاوند اور کسی عورت کو حصہ نہیں مل سکتا، غالبًا آپ کو یہ حدیث پہنچی نہیں۔ [4] آپ مشہور صحابی ہیں، پہلے عیسائی تھے، ۹ھ میں اسلام لائے، بڑے عابد و زاہد تھے، رات کو ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کرتے تھے، کبھی تہجد کی نماز میں ایک ہی آیت بار بار پڑھتے رہتے حتی کہ سویرا ہو جاتا، محمد ابن منکدر فرماتے ہیں کہ ایک رات تمیم داری کی آنکھ نہ کھلی اور تہجد قضا ہو گئی، تو اس کے کفارہ میں سال بھر رات کو سوئے ہی نہیں، آپ نے نماز میں پہننے کے لیے ایک ہزار درہم کا جوڑا خریدا تھا، آپ نے ہی سب سے پہلے مسجد نبوی میں چراغ جلایا

مِنْ اَهْلِ الشِّرْكِ يُسْلِمُ عَلٰى يَدَيْ رَجُلٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ هُوَ اَوْلَى النَّاسِ بِحَيَاتِهٖ وَمَمَاتِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ ؛ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا مَاتَ وَلَمْ يَدَعْ وَارِثًا اِلَّا غُلَامًا كَانَ اَعْتَقَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَهٗ اَحَدٌ قَالُوْا لَا اِلَّا غُلَامٌ لَهٗ كَانَ اَعْتَقَهٗ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِيْرَاثَهٗ لَهٗ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ ؛ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَرِثُ الْوَلَاءَ مَنْ يَرِثُ الْمَالَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ اِسْنَادُهٗ لَيْسَ

شرعی طریقہ کیا ہے جو مسلمانوں میں سے کسی کے ہاتھ پر ایمان لائے [۱] فرمایا وہ مسلمان اس مشرک کا زندگی اور موت میں والی ہے [۲] (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)؛ روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ ایک شخص مرگیا اور اس نے سوا اس غلام کے جسے آزاد کیا تھا اور کوئی وارث نہ چھوڑا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس کا کوئی ہے لوگوں نے کہا نہیں سوا ایک غلام کے جسے اس نے آزاد کیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی میراث اسی کے غلام کیلئے مخصوص کردی [۳] (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) روایت ہے عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولاء کا وارث وہ ہی عصبہ ہوگا جو مال کا وارث ہوگا [۴] (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا اس حدیث کی اسناد قوی نہیں؛

آپ ہی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال اور جساسہ کی روایت اپنے خطبہ میں بیان فرمائی، آپ مدینہ منورہ میں رہے، شہادت حضرت عثمان کے بعد شام چلے گئے، وہاں ہی وفات پائی، دار ابن ہانی کی اولاد میں ہیں، اسی لیے آپ کو داری کہا جاتا ہے (اکمال، اشعہ، مرقات)؛ [۱] آیا وہ مسلمان کرنے والا اس نومسلم کا مولیٰ ہوگا یا نہیں اور اس کے مال کی میراث پائیگا یا نہیں۔ [۲] یعنی وارث ہے کہ اگر اس نومسلم کا کوئی عزیز رشتہ دار نہ ہو تو اسکی میراث اسے ملے گی اس حدیث کی بنا پر حضرت عمر ابن عبدالعزیز، سعید ابن مسیب وغیرہم مسلمان کرنے والے کو نومسلم کا آخری وارث مانتے ہیں، جیسے غلام کا وارث آزاد کرنے والا مولیٰ ہے مگر باقی تمام علماء اسے وارث نہیں مانتے وہ فرماتے ہیں کہ حدیث اس وقت کی ہے جب اسلام اور نصرت و مدد کی بنا پر میراث ملتی تھی کہ مہاجر کا وارث انصاری ہوتا تھا اور انصاری کا مہاجر پھر آیات میراث سے یہ وراثت منسوخ ہوگئی یا یہاں اولیٰ کے معنی وارث نہیں بلکہ مددگار ہیں کہ مسلمان کرنے والا اس نومسلم کی زندگی میں ہر طرح مدد کرے اور بعد موت اس کی نماز اور دفن وغیرہ کا انتظام کرے اس صورت میں یہ حدیث محکم ہے (لمعات و مرقات و اشعہ)؛ [۳] اس حدیث کی بنا پر حضرت شریح، طاؤس وغیرہم نے فرمایا کہ جیسے آزاد کردہ غلام کا وارث مولیٰ ہوتا ہے اگر اسکا اور کوئی وارث نہ ہو ایسے ہی مولیٰ کا وارث یہ غلام ہوگا، مگر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ غلام مولیٰ کا وارث نہیں، اور یہ حدیث ایسی ہی ہے جیسے حضور انور نے گاؤں کے آدمیوں کو لاوارث کی میراث عطا فرمائی تھی، کیونکہ یہ مال بیت المال کا تھا اور اس کا بھی بیت المال میں حق ہے۔ اس بنا پر اسے یہ مال دیا گیا (مرقاۃ، لمعات)؛ [۴] وَلا واؤ کے فتح سے بمعنی قرب، یہاں قرب عبدیت مراد ہے جس سے مولیٰ کو غلام کے متروکہ مال کے وارث ہونے کا حق حاصل ہوتا ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس غلام کو مولیٰ نے آزاد کیا تو غلام کے فوت ہونے پر اگر مولیٰ زندہ ہو تو وہ میراث لے گا، ورنہ اس کے عصبہ بنفسہ

بالقوی۔ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا كَانَ مِنْ مِيْرَاثٍ قُسِّمَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَهُوَ عَلٰى قِسْمَةِ الْجَاهِلِيَّةِ وَمَا كَانَ مِنْ مِيْرَاثٍ اَدْرَكَهُ الْاِسْلَامُ فَهُوَ عَلٰى قِسْمَةِ الْاِسْلَامِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ ۞ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَاهُ كَثِيْرًا يَقُوْلُ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ عَجَبًا لِلْعَمَّةِ تُوْرَثُ وَلَا تَرِثُ رَوَاهُ مَالِكٌ ۞ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَزَادَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَالطَّلَاقَ وَالْحَجَّ قَالَا فَاِنَّهُ مِنْ دِيْنِكُمْ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ ۞ بَابُ الْوَصَايَا ۞ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ ۞ عَنِ ابْنِ عُمَرَ

تیسری فصل ۞ روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میراث زمانہ جاہلیت میں بانٹی جاچکی تو وہ جاہلیت ہی کے بٹوارے پر رہے گی اور جس میراث کو اسلام نے پالیا تو وہ اسلام کی بانٹ پر ہوگی[1] (ابن ماجہ) ۞ روایت ہے حضرت محمد ابن ابوبکر ابن حزم سے[2] کہ انہوں نے اپنے والد کو بہت بار یہ کہتے سنا کہ حضرت عمر ابن خطاب فرماتے تھے تعجب ہے پھوپھی پر کہ وارث کو کردیتی ہے مگر خود وارث نہیں ہوتی[3] (مالک) ۞ روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں علم فرائض سیکھو حضرت ابن مسعود نے یہ زیادتی کی کہ طلاق و حج بھی سیکھو ان دونوں نے فرمایا یہ تمہارے دین سے ہے[4] (دارمی) ۞ وصیتوں کا باب ۞[5] پہلی فصل ۞ روایت ہے حضرت ابن عمر

وارثین میراث لیں گے۔ مولیٰ کی زوجہ کو ولاء نہیں ملتی، عورت صرف اپنے آزاد کردہ غلام یا اس غلام کے آزاد کردہ غلام ہی کی میراث پائے گی عصبہ ہوکر نہ پائیگی کہ زوجہ عصبہ ہوتی ہی نہیں، ولاء بیت المال کو نہیں ملا کرتی ۞ [1] اسکا مطلب بالکل واضح ہے کہ جن کفار نے اپنے دین کے مطابق میراثیں تقسیم کرلی تھیں پھر وہ مسلمان ہوگئے یا ان میں سے ایک مسلمان ہوگیا، تو اب اسے تقسیم شدہ مال دوبارہ تقسیم کرنے کا حکم نہ دیا جائیگا بلکہ اس تقسیم کو باقی رکھا جائیگا، یا یہ مطلب ہے کہ وراثت کے اسلامی احکام آنے سے پہلے جو تقسیم میراث ہوچکی ہیں، اگرچہ مسلمانوں ہی نے کی ہوں، وہ اسلامی قانون وراثت آنے پر توڑی نہ جائیں گی بلکہ باقی رکھی جائیں گی، ہاں اب اس کے بعد جو تقسیم ہوگی وہ اسلامی قانون کے مطابق ہوگی دیکھو آج اگر کافر جوڑہ اسلام لائے تو نہیں دوبارہ نکاح کرنیکا حکم نہیں دیا جاتا مگر چونکہ تمہارا کفر کا نکاح اسلامی قانون کے مطابق نہ ہوا تھا لہذا اب پھر دوبارہ ایجاب وقبول کرو بلکہ وہ ہی باقی رکھا جاتا ہے، ایسے ہی یہ حکم ہے [2] محمد تبع تابعین سے ہیں، انکے والد ابوبکر ابن حزم تابعین سے ہیں (اشعۃ اللمعات) [3] یعنی از روئے قیاس یا تو پھوپھی بھی بھتیجہ کی وراثت عصبۃ پاتی یا بھتیجہ بھی پھوپھی کا وارث نہ ہوتا بلکہ ذی رحم ہوتا، مگر حکم شرعی کے آگے سر خم ہے۔ بھتیجہ پھوپھی کا عصبہ ہے مگر پھوپھی بھتیجے کی ذی رحم، خیال رہے بھتیجہ تو عصبہ ہے مگر بھتیجی ذی رحم ہے اور یہاں وراثت سے مراد عصبۃً وراثت ہے ورنہ پھوپھی بھی بھتیجے کی ذی رحم وارث تو ہے: اس حدیث سے ان لوگوں نے دلیل پکڑی ہے جو ذی رحم کو وارث نہیں مانتے وہ حضرات اس جملہ کے معنی یہ کرتے ہیں کہ پھوپھی بالکل وارث نہیں ہوتی کیونکہ وہ ذی رحم ہے مگر وہ ہی مطلب قوی ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔ [4] یعنی علم میراث، حج وطلاق کے مسائل اہم دینی مسائل ہیں انہیں سیکھو اور سکھاؤ، آج علم فرائض جاننے کے علماء کم رہ گئے ہیں، اور اب تو مسلمانوں کو فرائض میں ترمیم کی سوجھی ہے کوشش کررہے ہیں کہ چچا کی موجودگی میں دادا کی میراث سے پوتہ کو دلوایا

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَہٗ شَیْئٌ یُوْصٰی فِیْہِ یَبِیْتُ لَیْلَتَیْنِ اِلَّا وَوَصِیَّتُہٗ مَکْتُوْبَۃٌ عِنْدَہٗ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ ؛ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ مَرِضْتُ عَامَ الْفَتْحِ مَرَضًا اَشْفَیْتُ عَلَی الْمَوْتِ فَاَتَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعُوْدُنِیْ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ لِیْ مَالًا کَثِیْرًا وَّلَیْسَ یَرِثُنِیْ اِلَّا ابْنَتِیْ اَفَاُوْصِیْ بِمَالِیْ کُلِّہٖ قَالَ لَا قُلْتُ فَثُلُثَیْ مَالِیْ قَالَ لَا قُلْتُ فَالشَّطْرُ قَالَ لَا قُلْتُ فَالثُّلُثُ قَالَ الثُّلُثُ

سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس مسلمان کے پاس کوئی چیز لائق وصیت ہو[۱] اسے یہ مناسب نہیں کہ دو راتیں بھی اس کے بغیر گزارے کہ اس کے پاس اس کی وصیت لکھی ہو[۲] (مسلم بخاری)؛ روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں میں فتح کے سال ایسا بیمار رہا کہ موت کے قریب ہوگیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پرسی کرنے تشریف لائے تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرے پاس مال بہت ہے اور سوا میری بیٹی کے میرا وارث کوئی نہیں[۳] تو کیا میں اپنے کل مال کی وصیت کرجاؤں[۴] فرمایا نہیں میں نے عرض کیا دو تہائی مال کی فرمایا نہیں میں نے عرض کیا تو آدھے کی فرمایا نہیں میں نے عرض کیا تہائی کی فرمایا

جائے اور نہ معلوم کیا کیا ہونے والا ہے مگر انشاء اللہ دین بدلنے والے خود مٹ جائیں گے دین نہ بدلا جائیگا؛ مروان ابن حکم نے خطبہ عید نماز سے پہلے پڑھا مگر وہ مٹ گیا، خطبہ نماز کے بعد ہی رہا، اللہ اپنے دین کا حافظ ہے۔ [۵] وصایا وصیت کی جمع ہے جیسے خطایا خطیئت کی؛ لغت میں وصیت کے معنی ہیں عہد، مگر اصطلاح میں اس وعدہ اور عہد کو وصیت کہا جاتا ہے جسکا تعلق موت کے بعد سے ہو؛ شروع اسلام میں مالدار پر وصیت کرنا فرض تھا کہ اس زمانہ میں وصیت سے ہی متروکہ مال تقسیم ہوتا تھا لیکن میراث کے احکام آنے پر یہ حکم منسوخ ہوگیا؛ استحباب اب بھی باقی ہے یہ خیال رہے کہ وارث کو وصیت جائز نہیں، جسے میراث سے ایک پائی ملے گی اس کے لیے وصیت نہیں ہوسکتی، اگر کی گئی ہے تو معتبر نہیں؛ قرآن شریف میں تاکیدی حکموں کو بھی وصیت فرمایا گیا ہے: رب تعالٰی فرماتا ہے وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اور فرماتا ہے وَوَصّٰی بِہَآ اِبْرٰہِیْمُ بَنِیْہِ۔

[۱] یوصی معروف بھی ہوسکتا ہے مجہول بھی؛ شیخ نے مجہول پڑھا ہے اور مرقات نے دونوں طرح؛ لائق وصیت کی قید اس لئے لگائی کہ جس مال کی وصیت ہی نہیں ہوسکتی اسکا حکم یہ نہیں، قابل میراث مال کی وصیت ہوسکتی ہے دوسرے کی نہیں؛ قرض، امانت، وقف مالوں میں میراث جاری نہیں ہوتی، لہذا ان کی وصیت بھی نہیں ہوتی، نبی کا مال قابل میراث نہیں تو قابل وصیت بھی نہیں، جو لوگ حضرت علی کو وصی رسول مانتے ہیں باین معنی کہ حضور انور نے آپ کو اپنے مال یا خلافت کی وصیت فرمائی وہ بہت ہی نادان ہیں؛ ہر مسلمان وصی رسول ہے، سرکار نے ہر شخص کو تقوٰی اور پرہیزگاری کی وصیت فرمائی ہے کہ فرمایا اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ [۲] اگر یہ حکم وجوبی ہے۔ تو منسوخ ہے کہ اب میراث کے احکام آچکے، اور اگر استحبابی ہے تو اب بھی باقی ہے، واقعی جو وصیت کرنا چاہے وہ بغیر وصیت کئے ایک رات بھی نہ گزارے، کیا خبر موت کہاں اور کب آئے نیز وصیت لکھ کر کرے بلکہ آجکل رجسٹری کرادے کہ زبانی وصیتیں بدل جاتی ہیں۔ ہاں ادائے قرض اور ادائے امانات کی وصیت اب بھی واجب ہے۔ جبکہ ان قرضوں اور امانتوں کی کسی کو خبر نہ ہو۔ [۳] حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم ہر بیمار کی مزاج پرسی فرماتے تھے اس سلسلہ میں

وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ وَاِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِيْ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا اُجِرْتَ بِهَا حَتّٰى اللُّقْمَةُ تَرْفَعُهَا اِلٰى فِيْ اِمْرَاَتِكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ عَادَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا مَرِيْضٌ فَقَالَ اَوْصَيْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِكَمْ

تہائی کی کردو اور تہائی بھی زیادہ ہے ۶؎ اگر تم اپنے وارثوں کو غنی بنا کر چھوڑو تو اس سے اچھا ہے کہ تم انہیں فقیر کرکے جاؤ ۷؎ کہ لوگوں سے مانگتے پھریں ۸؎ اور تم کوئی خرچ ایسا نہ کرو گے جس سے اللہ کی رضا چاہو مگر تمہیں اس پر ثواب دیا جائیگا حتی کہ وہ نوالہ جسے تم اپنی بیوی کے منہ میں دو ۹؎ (مسلم،بخاری) دوسری فصل: روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بیمار پرسی فرمائی جب کہ میں بیمار تھا۔ فرمایا تم نے کچھ وصیت کردی ہے میں نے عرض کیا ہاں فرمایا کتنے کی ۱؎

آپ کے پاس بھی تشریف لے گئے۔ ۳؎ اَشْفَيْتُ شفاء سے بنا بمعنی کنارہ: رب تعالٰی فرماتا ہے "وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ" اسکا استعمال اکثر مصیبت و تکلیف کے موقعہ پر ہوتا ہے: اَشْفَيْتُ کے معنی ہوئے میں کنارۂ موت پر پہنچ گیا۔ ۴؎ یہاں وارث سے مراد ذی فرض وارث ہے یعنی سوائے میری بیٹی کے اور کوئی ذی فرض وارث نہیں عصبہ وارث بہت ہیں: بعض شارحین نے فرمایا کہ وارث سے مراد کمزور وارث ہیں جن کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، کیونکہ آپ کے ذی فرض وارث بھی کئی تھے (مرقات واشعہ) ۵؎ کہ سارا مال فقراء و مساکین میں تقسیم کردیا جائے یا کسی کار خیر میں لگا دیا جائے، بیٹی وغیرہ کسی وارث کو کچھ نہ ملے، کیونکہ یہ سب اللہ کے حکم سے غنی ہیں۔ ۶؎ پہلا اَلثُّلُثُ یا منصوب ہے، یا مرفوع کردہ یا فاعل ہے یا مبتدا جسکا فعل یا خبر محذوف ہے یا منفصل ہے: اور دوسرا اَلثُّلُثُ مرفوع ہی ہے کہ وہ مبتدا ہے جسکی خبر کثیر: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرنے والا مرتے وقت صرف تہائی کی وصیت کرسکتا ہے، زیادہ کی نہیں اور اگر زیادہ کی کربھی گیا تو جاری نہ ہوگی: یہ بھی معلوم ہوا کہ تہائی سے بھی کم کی وصیت کرنا بہتر ہے کہ حضور انور نے تہائی کو بھی زیادہ فرمایا۔ ۷؎ اس سے بھی معلوم ہورہا ہے کہ حضرت سعد کے بہت وارث تھے ذی فرض صرف بیٹی تھی اور بعض وارث فقراء بھی تھے مالدار نہ تھے، یہ بھی معلوم ہورہا ہے کہ اپنے عزیزوں سے سلوک کرنا غیروں سے سلوک کرنے سے افضل ہے کہ وصیت میں غیروں سے سلوک ہے میراث میں اپنوں سے سلوک: خیال رہے کہ اِنْ تَذَرْ میں اِنْ شرطیہ ہے اور خبر سے پہلے فَهُوَ پوشیدہ ہے تو اس فَهُوَ کی خبر ہے۔ ۸؎ اس سے معلوم ہورہا ہے کہ اپنی موت کے بعد وارثین کا بھیک مانگتے پھرنا اپنی ذلت کا باعث ہے، اور قبر میں روحانی تکلیف کا بھی ذریعہ۔ ۹؎ یعنی تم وصیت کیوں کرتے ہو حصول ثواب کیلئے، اور میراث جو وارثوں کو پہنچے گی، اگر اس میں تم رضائے الٰہی نیت کرلو کہ اپنے عزیزوں کو اپنا مال پہنچانا رب تعالٰی کی رضا کا ذریعہ ہے تب بھی تم کو ثواب ملیگا، بلکہ زیادہ ملیگا، لہذا وصیت تہائی سے بھی کم کی کرو: اس حدیث سے بہت مسائل معلوم ہوئے، مال جمع کرنا درست ہے، اور مرتے وقت تک اسے پاس رکھنا مباح: تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نافذ نہیں ہوتی: اللہ کی راہ میں خرچ کرنا باعث ثواب ہے، جب مباح میں نیت خیر کرلی جائے تو مستحب بن جاتا ہے: مومن کی نیت عمل سے افضل ہے: دیکھو بیوی کے منہ میں لقمہ دینا، خوشی و محبت کے وقت ہوتا ہے جس میں عبادت کا احتمال بھی نہیں، مگر اس پر بھی ثواب کا وعدہ ہے اپنے وارثوں سے عدل و انصاف کرنا،

قُلْتُ بِمَالِيْ كُلِّهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ فَمَا تَرَكْتَ لِوَلَدِكَ قُلْتُ هُمْ اَغْنِيَاءُ بِخَيْرٍ فَقَالَ اَوْصِ بِالْعُشْرِ فَمَا زِلْتُ اُنَاقِصُهٗ حَتّٰى قَالَ اَوْصِ بِالثُّلُثِ وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ؁ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ خُطْبَتِهٖ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَعْطٰى كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ وَيُرْوٰى عَنْ

میں نے عرض کیا اپنے سارے مال کی اللہ کی راہ میں ؂ فرمایا تو نے اپنی اولاد کے لیے کیا چھوڑا میں نے عرض کیا وہ بہت مال سے غنی ہیں ؂ تب فرمایا دسویں حصہ کی وصیت کردو ؂ میں کم کراتا رہا ؂ حتی کہ فرمایا تہائی کی وصیت کرو اور تہائی بھی بہت ہے ؂ (ترمذی) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خطبہ میں حجۃ الوداع کے سال فرماتے سنا ؂ کہ اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے لہذا وارث کے لیے وصیت نہیں ؂ (ابوداؤد، ابن ماجہ) اور ترمذی نے بڑھایا کہ بچہ بستر والے کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں ؂ انکا حساب اللہ کے ذمہ ہے ؂ اور حضرت

ضروری ہے (مرقات) ؂ معلوم ہوتا ہے کہ مرض سخت تھا، اس لیے ان سے وصیت کا سوال کیا گیا: خیال رہے کہ حضور انور کو خبر تھی کہ حضرت سعد کی وفات اس مرض میں نہیں ہے جیسا کہ دیگر روایات میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا تم ابھی جیو گے اور تم سے کچھ نفع پائیں گے کچھ نقصان ؂ اللہ کی راہ سے مراد سارے کار خیر ہیں، فقراء و مساکین پر خرچ، مسجد مسافر خانہ کی تعمیر وغیرہ وغیرہ۔ ؂ ولد سے مراد بیٹی ہے کہ آپ کے صرف ایک بیٹی ہی تھی، ولد مطلقاً اولاد پر بولا جاتا ہے بیٹا ہو یا بیٹی مگر ابن صرف بیٹے کو کہتے ہیں، آپ کا ھُمْ اغنیاء فرمانا عصبہ وارثوں کو شامل کرکے ہے اور اغنیاء فرمانا تغلیباً ہے کہ بعض ان میں غنی تھے اور بعض فقراء جیسا کہ گذشتہ حدیث سے معلوم ہوچکا ہے۔ ؂ اس سے پتہ لگا کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت جاری نہ ہوگی: دیکھو حضرت سعد نے کل مال کی وصیت کردی مگر جاری نہ ہوئی: امام اعظم و اسحاق و احمد فرماتے ہیں کہ جسکا کوئی وارث نہ ہو وہ کل مال کی وصیت کرسکتا ہے اور اسکی وصیت جاری بھی ہوگی، کیونکہ اس کل وصیت کا جاری نہ ہونا وارثوں کے حق کی وجہ سے ہے جب وہ موجود ہی نہیں تو اب مانع کیا چیز ہے۔ ؂ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں اُنَاقِضُهٗ نقطہ والی ضاد سے ہے بمعنی جواباً عرض کرتا رہا مگر عام نسخوں میں اُنَاقِصُهٗ صاد مہملہ سے ہے، معنی یہ ہیں کہ میں اس وصیت کو کم سمجھتا رہا اور زیادہ وصیت کی اجازت چاہتا رہا (مرقات) یا یہ معنی ہیں کہ میراث کو کم کراتا رہا، میراث کم نہ ہوگی تو وصیت زیادہ ہوگی۔ ؂ یعنی تمہاری پہلی وصیت تو بالکل باطل ہوچکی، اب نئے سرے سے وصیت کرو جو تہائی سے زیادہ نہ ہو، یا یہ مطلب ہے کہ اپنی پہلی وصیت کو خود باطل کردو اور اب نئی وصیت کرو: خیال رہے کہ وصیت کرنے والا اپنی وصیت باطل بھی کرسکتا ہے اس میں ترمیم بھی کرسکتا ہے کیونکہ وصیت ایک قسم کا ہبہ ہے اور ہبہ میں تبدیلی یا نسخ قبل از قبضہ جائز ہے۔ ؂ ظاہر یہ ہے کہ اس خطبہ سے مراد حج کا خطبہ ہے جو آپ نے عرفات میں دیا، اور ہوسکتا ہے کہ کوئی اور خطبہ مراد ہو۔ ؂ آیات میراث آنے سے پہلے اہل قرابت کیلئے وصیت کرنا از روئے قرآن فرض تھی کیونکہ رب نے فرمایا کُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ آیات میراث سے یہ فرضیت منسوخ ہوگئی، مگر جواز وصیت

ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يَّشَآءَ الْوَرَثَةُ مُنْقَطِعٌ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وَفِي رِوَايَةِ الدَّارَقُطْنِيِّ قَالَ لَا تَجُوْزُ وَصِيَّةٌ لِوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يَّشَآءَ الْوَرَثَةُ ۞ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالْمَرْأَةُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ سِتِّيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ فَيُضَآرَّانِ فِي الْوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ ثُمَّ قَرَأَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ إِلٰى قَوْلِهِ تَعَالٰى وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ

ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں راوی کہ فرمایا وارث کے لیے وصیت نہیں مگر یہ کہ وارث راضی ہوں یہ منقطع ہے ۱۰؎ یہ مصابیح کے الفاظ ہیں اور دارقطنی کی روایت میں ہے کہ فرمایا وارث کے لیے وصیت جائز نہیں مگر جب کہ وارث راضی ہوں ۱۱؎ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی حضور انور نے فرمایا کہ ایک مرد و عورت ساٹھ سال اللہ کی اطاعت کے کام کرتے رہتے ہیں پھر انہیں موت آتی ہے ۱۲؎ تو وصیت میں کسی کو نقصان پہنچا جاتے ہیں ۱۳؎ ان کے لیے آگ واجب ہوجاتی ہے ۱۴؎ پھر حضرت ابوہریرہ نے یہ آیت تلاوت کی کہ بعد لوازمے قرض وصیت کے جو وہ کر گیا ہے جب کہ کسی کو نقصان دیا ہو باری تعالٰی کے فرمان تک یہ بڑی کامیابی ہے ۱۵؎ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

کا نسخ اس حدیث سے ہوا کہ اب جسے ایک زبانی میراث ملے اس کے لیے وصیت نہیں ہوسکتی، معلوم ہوا کہ قرآن کا نسخ حدیث سے جائز بلکہ واقع ہے۔

۸؎ بیوی اور لونڈی کو فراش کہا جاتا ہے کیونکہ اسے اپنے خاوند اور مولٰی کے بستر پر لیٹنے کا حق ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کی لونڈی یا بیوی کے بچے کے متعلق کوئی اجنبی شخص کہے کہ یہ بچہ میرا ہے تو اس کی بات نہ مانی جائیگی بچہ اس عورت کے خاوند یا مالک کا ہوگا، ہاں اس کہنے والے کو زنا کی سزا دی جائے گی کہ اس نے زنا کا اقرار کرلیا، حجر سے مراد رجم ہے۔ اور اگر یہ شخص اس قول سے توبہ کرلے تب بھی اسے حد قذف لگے گی یعنی پاکدامن عورت کو تہمت لگانے کی سزا

۹؎ اس جملہ کے کئی معنی ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ اگر اس نے زنا کا جھوٹا اقرار کیا ہے اور ہم نے سزا دے دی تو ہم مجرم نہیں، دوسرے یہ کہ زنا کی سزا دینے کے بعد بھی زانی کی بخشش یقینی نہیں، رب چاہے تو معاف کرے، تیسرے یہ کہ جن گناہوں کی شریعت میں سزا نہیں ہے ان کا حساب اللہ کے ہاں ہے (مرقات، لمعات)

۱۰؎ منقطع وہ روایت ہے جس میں تابعی سے پہلے کوئی راوی رہ گیا ہو یا راوی کا نام نہ مذکور ہو بلکہ "رجل" یا "شیخ" کہدیا گیا ہو کیونکہ مجہول مثل معدوم کے ہے (مرقات)

۱۱؎ یعنی وارث کے لیے وصیت جائز نہ ہونا دوسرے وارثوں کے حق کی وجہ سے تھا اگر وہی اسکو جائز کردیں تو جائز ہے یہی مسئلہ تمام ائمہ کے ہاں ہے اگرچہ اسکی ایک اسناد منقطع ہے، مگر چونکہ دوسری اسنادیں متصل بھی ہیں اسلئے یہ حدیث صحیح ہے۔

۱۲؎ یہاں ساٹھ سال سے مراد بڑی مدت ہے خواہ اس سے زیادہ ہو یا کم ساٹھ تحدید کے لیے نہیں بلکہ تکثیر کیلئے ہے۔ اور موت آنے سے مراد موت کے علامات نمودار ہونا ہیں ورنہ خاص موت آجانے پر بولنا مشکل ہوجاتا ہے وصیت کرنا یا وصیت میں نقصان پہنچانا کیسا۔

۱۳؎ وصیت میں نقصان پہنچانے کی چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ اپنے وارثوں کو نقصان پہنچانے کی نیت سے وصیت کرجائے کہ تہائی مال وصیت میں نکل جائے تو وارثوں کے حصے کم ہوجائیں، دوسرے یہ کہ نالائق اور برے لوگوں کو وصیت کر جائے یعنی تہائی مال کسی بدمعاش کو دے جائے تاکہ وہ وارثوں کیساتھ رہ کر انہیں تنگ کرے

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ ؛ عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ عَلٰی وَصِیَّۃٍ مَاتَ عَلٰی سَبِیْلٍ وَّسُنَّۃٍ وَمَاتَ عَلٰی تُقًی وَّشَہَادَۃٍ وَمَاتَ مَغْفُوْرًا لَّہٗ رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ ؛ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ اَوْصٰی اَنْ یُّعْتَقَ عَنْہُ مِائَۃُ رَقَبَۃٍ فَاَعْتَقَ ابْنُہٗ ہِشَامٌ خَمْسِیْنَ رَقَبَۃً فَاَرَادَ ابْنُہٗ عَمْرٌو اَنْ

تیسری فصل ؛ روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اچھی وصیت پر مرا [۱] وہ دین کے راستے اور سنت پر مرا۔ اور تقوے و شہادت کی موت مرا۔ اور بخشا ہوا مرا [۲] (ابن ماجہ) ؛ روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ عاص ابن وائل کے لیے وصیت کی تھی کہ اس کی طرف سے سو غلام آزاد کردیے جائیں [۱] تو اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کردیے [۲] پھر اسکے بیٹے عمرو نے چاہا کہ باقی

تیسرے یہ کہ پہلے وصیت کی تھی پھر مرتے وقت وصیت سے رجوع کرے یا اس میں کچھ ترمیم کرے تاکہ وصیّت والے کو نقصان ہو غرضکہ فی الوصیۃ کی فی یا بمعنی ب ہے یا اپنے ہی معنی میں ہے۔ [۵] یعنی وہ دوزخ کا مستحق ہوجاتا ہے، رہا دوزخ میں جانا، یہ رب تعالیٰ کی مرضی پر ہے یہاں وجوب استحقاق کا ہے نہ کہ دخول ؛ بکلام آیات [۶] حضرت ابوہریرہ نے اس میں جو لفظ غیر مضار ہے اسی سے دلیل پکڑی، یہاں آیت میں مضار اسم فاعل ہے یعنی مرنے والے نے وصیت میں کسی کو نقصان پہنچایا ہو۔

[۱] اسطرح کہ مرتے وقت اپنے مال کا کچھ حصہ فقراء پر یا کسی کار خیر میں لگانے کی وصیت کر گیا، یا کسی دینی ادارہ میں لگانے کی وصیت کر گیا یا کسی دینی ادارہ میں لگانے وصیت کر گیا۔ [۲] سبیل سے مراد رضائے الٰہی کا راستہ ہے، اور سنت سے مراد اچھا طریقہ ہے یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ حضور انور کا مال بعد وفات راہ خدا میں خرچ ہوا اور حضور انور نے اپنے مال کی وصیت نہ فرمائی پہلے فرمادیا تھا کہ ہمارا مال بعد وفات صدقہ ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض نیک عمل بظاہر معمولی ہیں، مگر انکا ثواب بہت زیادہ ہوتا ہے : دیکھو بعد موت مال راہ خدا میں خرچ کرنا معمولی کام ہے کہ وہ انسان اب مال سے بے نیاز ہوچکا، مگر اس پر بھی اتنا بڑا ثواب ملا، اور ایسے درجے کا مستحق ہوا۔ اسی لیے صوفیاء فرماتے ہیں کہ معمولی نیکی کو بھی ہلکا نہ جانو، کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچالیتا ہے۔ اور معمولی گناہ کو ہلکا نہ سمجھو، کہ کبھی چھوٹی چنگاری گھر جلا دیتی ہے : خیال رہے کہ یہاں شہادت سے مراد حکمی شہادت ہے ؛

[۱] پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ عمرو ابن شعیب کے دادا عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہیں، وہ خود اپنا واقعہ بیان کررہے ہیں۔ کہ میرے باپ عاص ابن وائل نے مرتے وقت سو غلام لونڈیاں آزاد کرنے کی وصیت کی تھی : عاص ابن وائل قرشی سہمی ہے، حضور انور کا زمانہ پایا مگر اسلام نہ لایا اس کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ آپ کا بدگو ابتر ہے یعنے بے اولاد ہے کہ اللہ نے اس کی اولاد کو اسلام کی توفیق دے کر اسے حکماً لاولد کردیا، اس کی ساری اولاد ایمان لے آئی۔ [۲] ہشام قدیم الاسلام صحابی ہیں، پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ پھر حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی خبر سنکر مکہ معظمہ یہ پتہ کرنے آئے کہ حضور نے ہجرت کہاں کی ہے باپ نے پکڑلیا، پھر غزوہ خندق کے بعد مدینہ منورہ پہنچے، بڑے فقیہ عالم تھے، ۱۳ھ میں غزوۂ یرموک میں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ، انہوں نے حضور انور سے بغیر پوچھے پچاس غلام آزاد دیئے یہ سمجھ کر کہ اسلام والدین کے ساتھ احسان کرنے سے منع نہیں فرماتا ؛

يُعْتِقَ عَنْهُ الْخَمْسِيْنَ الْبَاقِيَةَ فَقَالَ حَتّٰى اَسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِيْ اَوْصٰى اَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ وَاِنَّ هِشَامًا اَعْتَقَ عَنْهُ خَمْسِيْنَ وَبَقِيَتْ عَلَيْهِ خَمْسُوْنَ رَقَبَةً اَفَاُعْتِقُ عَنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ لَوْكَانَ مُسْلِمًا فَاَعْتَقْتُمْ عَنْهُ اَوْتَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ اَوْحَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهٗ ذٰلِكَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ ❊ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

پچاس اس کی طرف سے وہ آزاد کردیں [۱] بولے میں تو آزاد نہ کروں گا تا آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں [۲] چنانچہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا یارسول اللہ میرے باپ نے وصیت کی تھی کہ اس کی طرف سے سو غلام آزاد کردیئے جائیں اور ہشام نے اس کی طرف سے پچاس آزاد کردیئے ہیں اور اس پر پچاس غلام باقی ہیں تو کیا اس کی طرف سے میں آزاد کردوں [۳] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ مسلمان ہوتا پھر تم اس کی طرف سے آزاد کرتے اس کی طرف سے خیرات یا حج کرتے یہ سب کچھ اسے پہنچ جاتا [۴] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

[۱] حضرت ابن عمرو ابن عاص اپنے بھائی ہشام سے عمر میں بڑے ہیں۔ آپ ۸ھ میں حضرت خالد ابن ولید اور عثمان ابن طلحہ کے ساتھ ایمان لائے حضور انور نے آپ کو عمان کا حاکم بنایا۔ پھر حضرت عمر کے زمانہ میں آپ نے ہی مصر فتح کیا، حضرت عمر، عثمان، معاویہ کے زمانہ میں عامل رہے امیر معاویہ نے آپکو اپنے زمانہ میں مصر میں جاگیر بخشی، آپ وہاں ہی رہے۔ ۴۳ھ میں نانوے سال کی عمر میں مصر ہی میں وفات پائی پھر انکے بیٹے عبداللہ ابن عمرو مصر کے حاکم رہے جنہیں بعد میں امیر معاویہ نے معزول کردیا۔ [۲] یعنی اگرچہ عاص میرا باپ تھا مگر کافر بھی تھا اس لیے اسکی وصیت حضور انور سے پوچھ کر پوری کرونگا یہ بھی اجتہاد سے تھا مگر پہلے اجتہاد سے اعلیٰ، یا تو آپ نے اپنے بھائی ہشام سے یہ فرمایا یا دل میں سوچا۔ [۳] اس سوال سے معلوم ہوا کہ نیکی بھی بزرگوں کے مشورہ اور انکی اجازت سے کرنا چاہیے۔ دیکھو غلام آزاد کرنا بہرحال ثواب تھا مگر عاص کو اسکا ثواب نہ بھی ملے تب بھی خود حضرت عمرو ابن عاص کو تو ثواب ملنا ہی تھا مگر پھر بھی حضور انور سے اجازت مانگ کر آزاد کرنا چاہتے ہیں، صوفیاء کے نزدیک ورد، وظیفے شیخ کی اجازت سے کیے جاتے ہیں کہ اجازت کی برکت سے ان میں الفاظ کی تاثیر کے ساتھ زبان کی تاثیر بھی جمع ہوجاتی ہے گویا بارود کی مدد سے مار کرتی ہے تلوار کی دھار بغیر دست وار کے نہیں کاٹتی۔ [۴] مگر چونکہ عاص کافر ہوکر مرا اس لیے اسے تمہاری کسی نیکی کا ثواب نہیں پہنچ سکتا، نہ وہ عذاب الٰہی سے بچ سکتا ہے اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ کافر کو ثواب بخشنا منع ہے کہ حضور انور نے اسکی اجازت نہ دی، دوسرے یہ کہ اگر اسے ایصال ثواب کیا بھی جائے تو ثواب پہنچتا نہیں جب اُسے اپنی نیکیوں کا ثواب نہیں ملتا تو دوسرے کی نیکیوں کا بخشا ہوا ثواب کیسے ملے گا، مردہ کو کوئی دوا فائدہ نہیں پہنچاتی، کافر کو کوئی دعا عذاب سے نہیں بچاتی، تیسرے یہ کہ مسلمانوں کو ہر قسم کی عبادات کا ثواب بخشنا جائز ہے اور انہیں پہنچتا بھی ہے، دیکھو غلام آزاد کرنا، صدقہ و خیرات، حج مختلف قسم کی عبادتیں ہیں مگر سب کے متعلق حضور نے فیصلہ فرمایا کہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو ثواب پہنچ جاتا: خیال رہے کہ کافر کو بعض نیکیوں کی بدولت عذاب ہلکا ہوجاتا ہے۔ مگر عذاب سے رہائی نہیں ہوتی، نہ وہ جنت کی کسی نعمت کا مستحق ہوتا ہے۔ دیکھو حضور انور کی خدمت

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَطَعَ مِیْرَاثَ وَارِثِہٖ قَطَعَ اللّٰہُ مِیْرَاثَہٗ مِنَ الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَرَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ

علیہ وسلم نے کہ جو اپنے وارث کو اس کی میراث سے محروم کرے [۱] تو اللہ اس کو قیامت کے دن جنت کی میراث سے محروم کردے گا [۲] (ابن ماجہ) اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا۔

کے باعث ابوطالب کا عذاب ہلکا ہے، ولادت پاک کی خوشی منانے کے سبب ابولہب کو سوموار کے دن عذاب میں تخفیف ہوتی ہے (بخاری شریف) لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں: آج بعض لوگ ایصال ثواب کے انکاری ہیں، وہ ان احادیث میں غور کریں۔ [۱] اپنے وارث کو میراث سے محروم کرنے کی بہت صورتیں ہیں کسی کو وصیت کرنا تاکہ ورثہ کا حصہ کم ہوجائے، کسی کے لیے قرض کا جھوٹا اقرار کرلینا تاکہ وارث کے حصے کم ہوں بیوی کو طلاق دے دینا تاکہ وہ وارث نہ ہوسکے، اپنا کل مال کسی کو دے جانا تاکہ وارثوں کو کچھ نہ ملے کسی وارث کو قتل کرادینا تاکہ میراث نہ پاسکے یا اپنے بچہ کا انکار کردینا کہ یہ بچہ میرا ہے ہی نہیں تاکہ میراث نہ پاسکے، اپنی زندگی میں سارا مال برباد کردینا تاکہ وارثوں کیلئے کچھ نہ بچے وغیرہ: بعض نے کسی بیٹے کو عاق کردیتے یا کہدیتے ہیں کہ ہماری میراث سے اسے کچھ نہ دیا جائے یہ محض بیکار ہے اس سے وہ وارث محروم نہ ہوگا میراث سے محروم کرنیوالی چیزیں مسلمان کے لیے صرف تین ہیں: غلام ہونا، قتل، اختلاف دین، ان کے سوا کسی اور وجہ سے محرومی نہیں ہوسکتی۔ [۲] جو چیز بغیر عقد اور بغیر مشقت کے ملے اسے میراث کہدیتے ہیں۔ یہاں یہی مراد ہے، نیز ہر جنتی جنت میں اپنا حصہ بھی لیگا اور کافر کے جنتی حصہ پر قبضہ کرلیگا اس لحاظ سے بھی اسے میراث کہدیتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ رب تعالٰی ظالم کو جنت سے محروم کردے گا، اگر محرومی سے مراد ہے اولًا داخلہ سے محروم کردیگا ورنہ ہر مسلمان خواہ کتنا ہی گنہگار ہوگا آخر کار جنت میں داخل ہوگا جیسے اس شخص نے اپنے منتظر وارث کو محروم کردیا ایسے ہی اسے جنت کا انتظار کرنے کے بعد جب قیامت میں سے جنت کا سخت انتظار ہوگا اور اسے محروم کردیا جائیگا بہرحال یہ جرم بدترین ہے رب تعالٰی ظلم سے بچنے کی توفیق دے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ

الحمدللہ کہ جلد چہارم مرآت شرح مشکوٰۃ یکم اکتوبر ۱۹۶۰ء کو شروع ہو کر آج ۳ جولائی ۱۹۶۱ء مطابق ۲۰ محرم الحرام ۱۳۸۱ھ یوم دوشنبہ کل ۹ ماہ تین دن میں ختم ہوئی، رب تعالٰی اُسے قبول فرمائے اور صدقہ جاریہ بنائے۔

احمد یار خاں نعیمی غفرلہ ولوالدیہ

خطیب جامع غوثیہ گجرات پاکستان روز دل افروز دوشنبہ مبارکہ

فہرست مضامین مرآت جلد چہارم

مقروض کی نماز جنازہ

کاتب متن: ا۔ ھارون الرشید بن محمد ادریس کیمبلپوری